بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حجۃ اللہ البالغۃ

مع ترجمہ اردو

نعمۃ اللہ السابغۃ

جلد دوم

مؤلفہ: حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
مترجمہ: حضرت علامہ ابو محمد عبد الحق صاحب حقانی
تزئین: مولانا محمد لطیف صاحب و معراج محمد صاحب بارق

ناشر
کتب خانہ رحیمیہ دیوبند (یوپی) انڈیا۔
مطبوعہ: راحت پریس دیوبند

عرض ناشر

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحؒ کی عدیم النظیر تالیف "حجۃ اللہ البالغہ" مع ترجمہ اردو جناب کے پیشِ نظر ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمارے مخلص احباب نے اس چشمۂ فیض و علم کی طرف رہنمائی کی اور ان ہی کی سعی بلیغ کا نتیجہ تھا کہ جناب پیر صاحب درگاہ شریف (سندھ) کے کتب خانہ عالیہ علمیہ سے حضرت مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی کا ترجمہ موسوم "بہ نعمۃ اللہ السابغۃ" دستیاب ہوا۔ اس سلسلہ میں ہم حضرت پیر محب اللہ صاحب، جناب مولانا عزیز احمد صاحب اور جناب مولانا غلام مصطفٰے صاحب قاسمی کے بیحد ممنون ہیں۔ فجزاھو اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

یہ ترجمہ چونکہ ۱۳۰۲ھ میں مکمل ہوا تھا اس لئے قدیم طرز تحریر میں زینت پیدا کرنے کی خاطر اس پر نظر ثانی کرائی گئی ہے اور اس کتاب کی دینی اہمیت کے پیش نظر ترجمہ کے ساتھ اصل عربی متن بھی قائم کیا گیا ہے تاکہ اہلِ علم حضرات بھی خاطر خواہ مستفید ہوں۔۔۔۔ توقع ہے کہ بزرگانِ سلف کی ان مساعی جمیلہ سے عقائد و اعمال کی راہ میں شمع ہدایت کا کام لیا جائے گا۔

نیازمند۔ محمد اسحاق صدیقی مالک کتبخانہ رحیمیہ دیوبند۔ یوپی۔ انڈیا۔ ۱۵ اگست ۱۹۶۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین حجۃ اللہ البالغہ مترجم جلد دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

القِبلة

لما قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة صلى الى بيت المقدس ستة او سبعة عشر شهرا، ثم امر ان يستقبل الكعبة فاستقر الامر على ذلك۔

اقول السر فی ذلک انه لما كان تعظيم شعائر الله وبيوته واجبا لاسيما فيما هو اصل اركان الاسلام، وام القربات واشهر شعائر الدين، وكان التوجه فی الصلاة الى ما هو مختص بالله بطلب رضا الله بالتقرب منه اجمع للخاطر واحث على صفة الخشوع واقرب لحضور القلب لانه يشبه مواجهة الملك فی مناجاته اقتضت الحكمة الالهية الجعل استقبال قبلة ما شرطا فی الصلاة فی جميع الشرائع، وكان ابراهيم واسمعيل عليهما السلام ومن تدين بدينهما يستقبلون الكعبة، وكان اسرائيل عليه السلام وبنوه يستقبلون بيت المقدس هذا هو الاصل المسلم فی الشرائع فلما قدم النبی صلى الله عليه وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قبلہ کا بیان

جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی سمت نماز پڑھتے رہے پھر آپ کو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ اور یہی حکم ثابت اور قائم رہا۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ جب کہ اللہ تعالے کے شعائر اور اس کے گھروں کی تعظیم واجب تھی بالخصوص اس عبادت میں جو ارکان اسلام کی اصل اور سب عبادتوں کی جڑ اور شعائر دین میں سب سے زیادہ مشہور شعار ہے اور نماز میں اس چیز کی طرف منہ کرنا جو خدا تعالے کی عبادت کر کے رضامندی حاصل کرنے میں خدا تعالے کے ساتھ مخصوص ہے باعث اجتماع خاطر اور صفت خشوع کا سبب اور حضور قلب کے لئے اقرب تھا، کیونکہ اس صورت میں کلام کرنا بادشاہ کے سامنے عرض و معروض کرنے کے مشابہ ہے اس واسطے حکمت الٰہی کا مقتضے یہ ہوا کہ جمیع مذاہب میں نماز کے اندر کسی نہ کسی قبلہ کی طرف رخ کرنا شرط قرار دیا جائے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور جو ان کے دین پر تھے کعبہ کی طرف منہ کیا کرتے تھے اور حضرت اسرائیل علیہ السلام اور ان کی اولاد بیت المقدس کی طرف منہ کرتی تھی۔ یہ اصل تمام شرائع میں مسلم ہے پھر جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف

المدينة وتوجهت العناية الى تاليف الاوس والخزرج وحلفائهم من اليهود وصاروا هم القائمين بنصرته، ثم الامة التى اخرجت للناس وصارت مضر وما والاها اعدى اعاديه وابعد الناس عنه اجتهد وحكم باستقبال بيت المقدس اذ الاصل ان يراعى فى اوضاع القربات حال الامة التى بعث الرسول فيها وقامت بنصرته وصارت شهداء على الناس وهم الاوس والخزرج يومئذ، وكانوا اخضع شئ لعلوم اليهود بينه ابن عباس رضى الله عنه فى تفسير قوله تعالى فأتوا حرثكم انى شئتم حيث قال انما كان هذا الحى من الانصار وهم اهل وثن مع هذا الحى من اليهود وهم اهل الكتاب فكانوا يرون لهم فضلا عليهم فى العلم فكانوا يقتدون بكثير من فعلهم الحديث وايضا الاصل ان تكون الشرائع موافقة لما عليه الملل الحقة مالم تكن من تحريفات القوم وتعمقاتهم ليكون اتم لاقامة الحجة عليهم واشد لطمانينة قلوبهم، واليهود هم القائمون برواية الكتاب السماوى والعمل بما فيه، ثم احكم الله اياته واطلع نبيه على ما هو اوفق بالمصلحة من هذا واقعد بقوانين التشريع بالنفث فى روعه اولا فكان يتمنى ان يؤمر باستقبال الكعبة، وكان يقلب وجهه فى السماء

لائے، اور اوس و خزرج کی اور یہود میں سے جو ان کے حلیف تھے ان کی آپ نے تالیفِ قلوب چاہی اور وہی لوگ آپ کی مدد کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور وہی لوگ ایسی امت بنے جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے پیدا ہوئے تھے، اور مضر اور ان کے احباب آپ کے بڑے دشمن تھے اور سب لوگوں سے زیادہ ان کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بُعد تھا۔ اس واسطے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ اصل یہ ہے کہ عبادات میں اس امت کے طریقہ کی رعایت ہونی چاہئے جس میں رسول بھیجا گیا۔ اور اس نے رسول کی مدد کی اور جو لوگوں پر گواہ بنی، اور وہ لوگ اس وقت میں اوس اور خزرج ہی تھے اور وہ علوم یہود کے بہت ہی پابند تھے، حضرت عبد اللہ بن عباس نے اللہ تعالیٰ کے قول، فاتوا حرثکم انی شئتم، کی تفسیر میں اسی کو بیان کیا ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے "یہ انصار کا گروہ جو بت پرست تھا یہودی گروہ کا ساتھی تھا جو اہل کتاب تھے تو یہ لوگ یہود کو اپنے اوپر علم میں فضیلت دیتے تھے۔ اور اپنے بہت سے کاموں میں انکی پیروی کرتے تھے" الحدیث،

اور نیز اصل یہ ہے کہ شرائع کو ملل حقہ کے موافق ہونا چاہیئے جبتک کہ ان میں لوگوں کی تحریفات اور ان کے تکلفات نہ داخل ہوں۔ تاکہ اس سے لوگوں پر اقامت حجت پورے طور پر ہوسکے اور نہایت اچھی طرح سے ان کے قلوب کا اطمینان ہوسکے اور یہودی آسمانی کتاب کو برابر بیان کرتے رہتے تھے۔ اور اس پر عمل کرتے تھے، پھر اللہ تعالےٰ نے اپنی آیات کو محکم اور مضبوط کیا اور اپنے نبی کو اولاً اس کے دل میں القا فرماکر اس چیز پر مطلع کردیا جو اس کی نسبت زیادہ مصلحت کے موافق تھی اور قوانین تشریع کے اعتبار سے زیادہ پائدار تھی اس واسطے آپ اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوجائے اور اس آرزو میں کہ جبرائیل علیہ السلام یہ حکم لیکر نازل ہوتے

طمعاً ان یکون جبرائیل نزل بذلک وبما انزل فی القرآن العظیم ثانیاً، ولذلک لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث فی الامیین الآخذین بالسنۃ الاسماعیلیۃ. وقدر اللہ فی سابق علمہ انہم ہم القائمون بنصرۃ دینہ، وہم شہداء اللہ علی الناس من بعدہ، وہم خلفاؤہ فی امتہ وان الیہود لا یؤمن منہم الا شرذمۃ قلیلۃ والکعبۃ من شعائر اللہ عند العرب اذعن لہا اقاصیہم ودانیہم، وجرت السنۃ عندہم باستقبالہا فی صلواتہم فلا معنی للعدول عن ذلک، ولما کان استقبال القبلۃ شرطاً وانما ارید بہ تکمیل الصلوٰۃ ولیس شرطاً لا یتأتی اصل فائدۃ الصلاۃ الا بہ تلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیمن تحری فی لیلۃ مظلمۃ وصلی لغیر القبلۃ قولہ تعالیٰ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ۔ یؤمی الی ان صلاتہم جائزۃ للضرورۃ

ہوں گے آپ آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے اور پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اندر نازل فرما کر اس سے مطلع کر دیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں مبعوث ہوئے جو ان پڑھ تھے۔ ملت اسماعیلیہ کے پابند تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ یہی لوگ اللہ کے دین کے حامی اور مددگار ہوں گے اور رسول کے بعد لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہوں گے اور اس کی امت میں اس کے خلیفہ بنیں گے۔ اور یہود میں سے بہت ہی کم اشخاص ایمان لائیں گے۔

نیز عرب کے نزدیک کعبہ شعائر اللہ میں سے ایک شعار ہے جس کا ان کے اعلیٰ اور ادنیٰ کو یقین ہے اور اس کی طرف منہ کرنے میں ان کا ایک عام طریقہ جاری رہا ہے۔ پس اس سے عدول کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اور چونکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا نماز کی تکمیل کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے اور ایسی شرط نہیں قرار دیا گیا کہ اس کے بغیر نماز کا اصل فائدہ ہی حاصل نہ ہو سکے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق جو اندھیری رات میں اٹکل سے قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھے اور حقیقت میں اس کا منہ قبلہ کی طرف نہ ہو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا۔ "پس جس طرف تم متوجہ ہو خدا کی ذات وہیں ہے" جس سے آپ نے اس بات کی طرف ارشاد فرمایا کہ ضرورت کے وقت ان کی اس طرح کی نماز جائز ہے۔

السترۃ

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیراً لہ من ان یمر بین یدیہ۔

اقول السر فی ذلک ان الصلوٰۃ من

سُترہ کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گذرتا ہے اگر اس کو اس کا وبال معلوم ہو جائے تو چالیس سال تک ٹھیرا رہنا نمازی کے سامنے سے ہو کر گذرنے سے اس کو بہتر معلوم ہوتا۔"

میں کہتا ہوں، اس میں یہ راز ہے کہ نماز شعائر الٰہی

شعائر الله يجب تعظيمها، ولما كان
المطلوب في الصلاة التشبه بقيام العبيد
بخدمة مواليهم ومثولهم بين
أيديهم كان من تعظيمها أن لا
يمر المار بين يدي المصلي، فان
المرور بين السيد وعبيده القائمين
إليه سوء أدب. وهو قوله صلى الله
عليه وسلم إن أحدكم إذا قام في
الصلاة فإنما يناجي ربه وإن ربه
بينه وبين القبلة، الحديث، وضم
معه ذلك أن مرور المار بما يؤدي إلى
تشويش قلب المصلي، ولذلك كان
له حق في درئه، وهو قوله صلى الله عليه
وسلم فليقاتله فانه شيطان وقوله
صلى الله عليه وسلم تقطع الصلاة
المرأة والحمار والكلب الأسود.

أقول مفهوم هذا الحديث أن
من شروط صحة الصلاة خلوص
ساحتها من المرأة والحمار والكلب
والسر فيه أن المقصود من الصلاة
هو المناجاة والمواجهة مع رب العالمين
واختلاط النساء والتقرب منهن
والصحبة معهن مظنة الالتفات
إلى ما هو ضد هذه الحالة، والكلب
شيطان لما ذكرنا لا سيما الأسود
فانه أقرب إلى فساد المزاج
وداء الكلب. والحمار أيضا بمنزلة
الشيطان لأنه كثيرا ما يسافد بين
ظهراني بني آدم وينتشر ذكره

میں سے ہے جن کی تعظیم واجب ہے اور چونکہ نماز میں
مقصود اس حالت کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جو غلام کی
اپنے مالک کے سامنے خاموشی کے ساتھ خدمت کے
واسطے کھڑا ہوتے وقت ہوتی ہے اس واسطے نماز
کی تعظیم یہ ہے یہ بات بھی ہو کہ کوئی گذرنے والا نماز
پڑھنے والے کے سامنے سے نہ گذرے کیونکہ آقا اور اس
کے غلام کے درمیان سے جو دست بستہ اس کے
سامنے کھڑے ہوئے ہیں گذرنا بے ادبی ہے اس کے متعلق نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص
نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے عرض و معروض کرتا
ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے"
الحدیث، اور اس کے ساتھ ایک بات یہ بھی ہے کہ
نمازی کے سامنے سے گذرنے سے نمازی کے دل میں
تشویش پیدا ہوتی ہے اسی واسطے نمازی کو اس کے
ہٹانے کا حق حاصل ہے اس کے متعلق نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "عورت، گدھا، اور سیاہ کتا نمازی
کی نماز کو توڑ دیتا ہے"

میں کہتا ہوں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کی صحت
کے شروط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ نماز کی جگہ عورت
اور گدھے اور کتے سے خالی ہونی چاہیے، اور اس میں راز یہ
ہے کہ نماز سے مقصود مناجات اور رب العالمین کے روبرو
کھڑا ہونا ہوتا ہے، اور عورتوں سے ملنا اور ان کا قریب
ہونا اور ان کے ساتھ صحبت رکھنا اس حالت کے خلاف
حالت کی طرف متوجہ ہونے کا مظنہ ہے، اور کتا شیطان
ہے جس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں بالخصوص سیاہ کتا
کیونکہ وہ فساد مزاج اور دیوانہ پن کی طرف اور کتوں سے
زیادہ قریب ہے، اور گدھا بھی بمنزلہ شیطان کے ہے.
کیونکہ وہ بسا اوقات لوگوں کے سامنے اپنی مادہ سے
مشغول ہو جاتا ہے اور اس کے آلہ کو حرکت ہوتی رہتی ہے

فتكون رؤية ذلك مخلة بما هو بصدده لكن لم يعمل به حفاظ الصحابة وفقهاؤهم، منهم علي وعائشة وابن عباس وابو سعيد وغيرهم رضي الله عنهم ورأوه منسوخا وان كان في استدلالهم على النسخ كلام. وهذا احد المواضع التي اختلف فيها طريقا التلقي من النبي صلى الله عليه وسلم، وقوله صلى الله عليه وآله وسلم اذا وضع احدكم بين يديه مثل مؤخرة الرحل فليصل ولا يبال بمن وراء ذلك۔

پس نماز کے اندر اس کا دیکھنا نماز کی مقصودہ حالت کے اندر خلل پیدا کرنے والا ہے لیکن اس حدیث پر حفاظ صحابہ اور فقہاء صحابہ نے عمل نہیں کیا ہے۔ ان صحابہ میں سے حضرت علی اور حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابو سعید وغیرہم ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو منسوخ سمجھا ہے اگرچہ ان کے استدلال نسخ میں کلام ہے اور یہ بھی ان مواضع میں سے ایک ہے جن میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث لینے کے دونوں طریقے مختلف ہوئے ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پشتہ کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو پھر وہ نماز پڑھ لے اور اس شخص کی کچھ پروا نہ کرے جو اس سے پرے ہو کر گذرتا ہے

اقول لما كان في ترك المرور حرج ظاهر امر بنصب السترة لتتميز ساحة الصلاة بادي الرأي، فيلحق بالمرور من بعد۔

میں کہتا ہوں چونکہ نمازی کے سامنے سے ہو کر بالکل نہ گذرنے میں بڑا بھاری دقت تھی اس واسطے آپ نے سترہ کے کھڑا کرنے کا حکم دیا تاکہ ظاہر بین نماز کی جگہ جدا معلوم ہو۔ اور اس کے پرے سے ہو کر گذرنا ایسا سمجھا جائے جیسے دور سے گذرنا،

الامور التي لابد منها في الصلاة

ان امور کا بیان جو نماز کے اندر ضروری ہیں

اعلم ان اصل الصلوة ثلاثة اشياء، ان يخضع لله تعالى بقلبه ويذكر الله بلسانه، ويعظمه غاية التعظيم بجسده، فهذه الثلاثة اجمع الامم على انها من الصلاة، وان اختلفوا فيما سوى ذلك وقد رخص النبي صلى الله عليه وسلم عند الاعذار في غير هذه الثلاثة ولم يرخص فيها، وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم

واضح ہو کہ نماز میں تین چیزیں اصل ہیں ایک یہ کہ دل سے اللہ تعالے کے سامنے جھکنا، دوسرے زبان سے اللہ تعالے کا ذکر کرنا، تیسرے جسم سے اللہ تعالیٰ کی غایت درجہ تعظیم کرنا، یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا اجزاء نماز ہونے میں تمام امتوں کا اتفاق ہے اگرچہ ان کے علاوہ امور میں ان کا اختلاف ہے، اور ان تینوں کے سوا دیگر امور میں بوقت عذر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہے، مگر ان تینوں کے اندر کسی وقت بھی معافی نہیں دی، اور وتر کے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اگر تجھ میں طاقت نہ ہو تو اشارے سے ادا کر لے"۔ اور نبی

فی الوتر ان لم تستطع فاوم ایماء او
اراد النبی صلے اللہ علیہ وسلم
ان یشرع لھم فی الصلاۃ حدین
حدا لا یخرج من العھدۃ باقل منہ،
وحدا ھو الاتم الاکمل المستوفی لفائدۃ
الصلاۃ، والحد الاول یشتمل علی ما
یجب اعادۃ الصلاۃ بترکہ، وما
یحصل فیھا نقص بترکہ، ولا یجب
الاعادۃ وما یلام علی ترکہ اشد
الملامۃ من غیر جزم بالنقص، و
الفرق بین ھذہ المراتب الثلاثۃ
صعب جدا، ولیس فیہ نص صریح
ولا اجماع الا فی شئ یسیر، ولذلک
قوی الخلاف بین الفقھاء فی ذلک،
والاصل فیہ حدیث الرجل المسئ فی
صلاتہ حیث قال لہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ارجع فصل فانک
لم تصل، مرتین او ثلاثا. ثم قال
النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا
قمت الی الصلاۃ فاسبغ الوضوء
ثم استقبل القبلۃ فکبر، ثم اقرأ
بما تیسر معک من القرآن، ثم ارکع
حتے تطمئن راکعا، ثم ارفع راسک
حتی تستوی قائما، ثم اسجد حتی تطمئن
ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم
اسجد حتے تطمئن ساجدا، ثم ارفع
حتی تطمئن جالسا، ثم افعل ذلک
فی صلاتک کلھا، وفی روایۃ الترمذی
فاذا فعلت ذلک فقد تمت صلاتک

صلے اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ نماز کے اندر ان کے لئے
دو حدیں مقرر کی جائیں، ایک تو وہ حد مقرر کی جائے کہ اس میں
کمی کرنے سے بری الذمہ نہ ہو سکے اور ایک وہ حد مقرر کی جائے
جو نماز کے فائدہ کو پورا اور کامل کرنے والی ہو، اور حد
اول ان امور پر مشتمل ہے جن کے ترک کرنے سے نماز کا
اعادہ واجب ہوتا ہے اور جن کے ترک کرنے سے نماز میں
نقصان لازم آتا ہے، اور اعادہ واجب نہیں ہوتا۔ اور جن
کے ترک کرنے سے سخت ملامت کی جاتی ہے۔ اگرچہ نماز
میں نقص پیدا ہونے کا یقین نہیں ہوتا اور ان تینوں
میں فرق کرنا بہت مشکل ہے اور اس کے بارے میں کوئی
نصِ صریح یا اجماع نہیں ہے مگر کسی میں برائے نام، اور اسی
وجہ سے اس امر میں فقہاء کے درمیان بہت بڑا اختلاف ہو گیا
ہے، اور اصل اس میں اس شخص سے متعلق حدیث ہے جس
نے بُرے طور پر نماز پڑھی تھی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے اس سے فرمایا تھا "لوٹ جا اور نماز پڑھ کیونکہ تو نے
نماز نہیں پڑھی" آپ نے ایسا ہی دو بار یا تین بار فرمایا، پھر
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو
تو پورا پورا وضو کر پھر قبلہ رو کھڑا ہو کر تکبیر کہہ پھر جو کچھ تجھ کو قرآن
یاد ہو اس میں سے جو پڑھ سکے تو پڑھ پھر رکوع کر یہاں تک کہ
تجھ کو رکوع میں اطمینان حاصل ہو جائے پھر اپنا سر اٹھا یہاں تک
کہ سیدھا کھڑا ہو جائے پھر سجدہ کر یہاں تک کہ سجدوں میں
اطمینان حاصل ہو جائے۔ پھر سر اٹھا یہاں تک کہ
اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے پھر خوب اطمینان کے
ساتھ سجدہ کر پھر سر اٹھا یہاں تک کہ اطمینان سے
بیٹھ جائے پھر اپنی تمام نماز میں اسی طرح سے کر" اور
اور ترمذی کی روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے "پھر
جب تو نے اس طرح سے کیا تو تیری نماز پوری ہو گی
اور اگر تو نے اس میں کچھ کم کیا تو تو نے اپنی نماز
میں سے کم کیا" امام ترمذی نے بیان کیا کہ یہ نسبت

وان انتقصت منها انتقصت من صلاتك قال كان هذا اهون عليهم من الاولى انه من انتقص من ذلك شيئا انتقص من صلاته ولم تذهب كلها، وما ذكره النبي صلى الله عليه وسلم بلفظ الركنية كقوله صلى الله عليه وسلم لا صلاة الا بفاتحة الكتاب، وقوله صلى الله عليه وسلم لا تجزئ صلاة الرجل حتى يقيم ظهره في الركوع والسجود وما سمى الشارع الصلاة به فانه تنبيه بليغ على كونه ركنا في الصلاة كقوله صلى الله عليه وسلم من قام رمضان وقوله صلى الله عليه وسلم فليركع ركعتين وقوله تعالى واركعوا مع الراكعين وقوله تعالى وادبار السجود، وقوله تعالى وقران الفجر، وقوله تعالى وقوموا لله قانتين وما ذكره بما يشعر بانه لا بد منه كقوله صلى الله عليه وسلم تحريمها التكبير وتحليلها التسليم، وقوله صلى الله عليه وسلم في كل ركعتين التحية وقوله صلى الله عليه وسلم في التشهد اذا فعلت ذلك تمت صلاتك، ونحو ذلك وما لم يختلف فيه المسلمون انه لا بد منه في الصلاة وتوارثوه فيما بينهم وتلاوموا على تركه وبالجملة فالصلاة على ما تواتر عنه صلى الله عليه وآله وسلم

پہلی روایت کے جس میں یہ زیادتی نہیں ہے اس روایت میں لوگوں کے لئے آسانی ہے کیونکہ جس شخص نے ان امور میں سے کچھ کمی کی تو اس کی نماز نقصان کے ساتھ ہوگئی اور بالکل ضائع نہ ہوئی اور حد اول میں بعض وہ چیزیں ہیں جن کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے رکنیت کے لفظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے جیسے آپ نے فرمایا "بغیر فاتحۃ الکتاب کے نماز نہیں ہوتی" اور فرمایا "آدمی کی نماز نہیں ہوتی یہاں تک کہ رکوع اور سجود میں اپنی پشت سیدھی نہ کرے" اور حد اول میں بعض وہ چیزیں ہیں جن کے ساتھ شارع نے نماز کو تعبیر فرمایا کیونکہ اس سے ان چیزوں کا نماز کے اندر رکن ہونے پر تنبیہ بلیغ پائی جاتی ہے جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من قام رمضان" اور آپ نے فرمایا "فلیرکع رکعتین" اور اللہ تعالے کا فرمان "وارکعوا مع الراکعین" اور اس کا فرمان "وادبار السجود" اور اس کا فرمان "وقرآن الفجر" اور اس کا فرمان "وقوموا للہ قانتین"[1]

اور حد اول میں بعض وہ چیزیں ہیں جن کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کا ضروری ہونا سمجھا جاتا ہے جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام ہے" اور آپ نے فرمایا "ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھنا چاہیئے" اور تشہد کے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تو نے اس کو کر لیا تو تیری نماز تمام ہوگئی" اور اسی طرح کی دیگر احادیث ہیں۔

اور حد اول میں بعض وہ چیزیں ہیں کہ نماز کے اندر ان کے ضروری ہونے میں مسلمانوں کا اختلاف نہیں ہے

[1] ان آیات میں اللہ تبارک وتعالےٰ نے رکوع، سجدہ، قرآن اور قیام کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں اور ان سے نماز پڑھنا مراد ہے اس طرح کی تعبیران کے ارکان نماز ہونے پر تنبیہ کرتی ہے ۱۲

وتوارثت الامة ان يتطهر ويستر عورته ويقوم ويستقبل القبلة بوجهه ويتوجه الى الله بقلبه ويخلص له العمل ويقول الله اكبر بلسانه ويقرأ فاتحة الكتاب ويضم معها الا فى ثالثة الفرض ورابعته سورة من القرآن ثم يركع وينحنى بحيث يقدر على ان يمسح ركبتيه برؤس اصابعه حتى يطمئن راكعا ثم يرفع رأسه حتى يطمئن قائما، ثم يسجد على الآراب السبعة اليدين والرجلين والركبتين والوجه، ثم يرفع رأسه حتى يستوى جالسا، ثم يسجد ثانيا كذلك فهذه ركعة، ثم يقعد على رأس كل ركعتين ويتشهد فان كان آخر صلاته صلى على النبى صلى الله عليه وآله وسلم ودعا احب الدعاء اليه وسلم على من يليه من الملائكة والمسلمين، فهذه صلاة النبى صلى الله عليه وآله وسلم لم يثبت انه ترك شيئا من ذلك قط عمدا من غير عذر فى فريضة، وصلاة الصحابة والتابعين، ومن بعدهم من ائمة المسلمين، وهى التى توارثوا انها مسمى الصلاة وهى من ضروريات الملة، نعم اختلف الفقهاء فى احرف منها هل هى اركان الصلاة لا يعتد بها بدونها، او واجباتها التى تنقص

اور دواماً ان میں برابر جاری رہیں اور ان کے ترک کرنے والے پر ملامت ہوتی رہی۔

الحاصل نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نماز کے متعلق جو تواتر سے ثابت ہے۔ اور جو امت کو مسلسل حاصل ہوتا رہا ہے یہ ہے کہ پاکی حاصل کرے اور ستر عورت کرے اس کے بعد کھڑا ہو اور اپنا منہ قبلہ کی طرف کرے اور دل سے خداتعالیٰ کی طرف توجہ کرے اور خالص اس کے لئے عمل کرے اور زبان سے اللہ اکبر کہے اور فاتحۃ الکتاب پڑھے اور بجز فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت کے قرآن کی کوئی اور سورت اس کے ساتھ پڑھے پھر رکوع کرے اور اس قدر جھک جائے کہ انگلیوں کی پوروں سے گھٹنوں کو پکڑ سکے حتیٰ کہ اطمینان سے رکوع کرے۔ پھر رکوع سے سر اٹھائے حتیٰ کہ اطمینان سے کھڑا ہو جائے پھر ساتوں اعضاء یعنی دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں گھٹنوں اور منہ کے ساتھ سجدہ کرے، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے پھر اسی طرح سے دوبارہ سجدہ کرے پس یہ ایک رکعت ہے، پھر ہر دو رکعت کے بعد بیٹھے اور تشہد پڑھے، اور اگر نماز کی اخیر رکعت ہو تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور جو دعا سب سے زیادہ اس کو پسند ہو پڑھے اور اس کے آس پاس جو فرشتے اور مسلمان ہیں ان کے اوپر سلام کہے پس یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے، کسی فرض نماز میں یہ ثابت نہیں کہ آپ نے قصداً بلاعذر کے ان امور میں سے کسی امر کو ترک کیا ہو۔ اور یہی صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین کی نماز ہے اور سب لوگ انہی افعال کو نماز اور ان کو ضروریات دین میں سے کہتے چلے آئے ہیں، ہاں! فقہاء کا ان میں سے چند امور

بتركها، او ابعاض يلام على تركها
وتجبر بسجدة السهو.
والاصل في ذلك ان خضوع القلب
لله وتوجهه اليه تعظيما ورغبة ورهبة
امر خفي لا بد له من ضابط فضبطه النبي
صلى الله تعالى عليه وآله وسلم
بشيئين ان يستقبل القبلة بوجهه
وبدنه. وان يقول بلسانه الله اكبر
وذلك لان من جبلة الانسان انه
اذا استقر في قلبه شئ جرى حسب
ذلك الاركان واللسان. وهو قوله
صلى الله عليه وسلم ان في جسد
ابن آدم مضغة الحديث، ففعل اللسان
والاركان اقرب مظنة وخليفة لفعل
القلب ولا يصلح للضبط الا ما يكون
كذلك. ولما كان الحق متعاليا عن
الجهة نصب التوجه الى بيته واعظم
شعائره مقام التوجه اليه وهو قوله
صلى الله عليه وسلم مقبلا الى الله
بوجهه وقلبه. ولما كان التكبير افصح
عبارة عن انقياد القلب للتعظيم لم
يكن لفظ احق ان ينصب مقام توجه
القلب منه. وفيها وجوه اخرى منها
ان استقبال القبلة واجب من جهة
تعظيم بيت الله ووقت بالصلاة
ليكمل كل واحد بالآخر، ومنها
انه اشهر علامات الملة الحنيفية
التي يتميز بها الناس من غيرها
فلا شئ من ان ينصب مثله علامة

کے اندر اختلاف ہے کہ آیا وہ ارکان نماز ہیں جن کے
بغیر نماز کا اعتبار نہیں یا نماز کے واجبات ہیں جن
کو ترک کرنے سے نماز میں نقصان آتا ہے یا ایسے
اجزاء ہیں جن کو ترک کرنے سے ملامت کی جاتی ہے
اور سجدہ سہو سے اس کا نقصان پورا ہو جاتا ہے،
اور اس میں امر (یعنی) اصل یہ ہے کہ خدا تعالے کے لئے
دل میں خضوع کا ہونا اور اس کی طرف تعظیم اور رغبت اور
خوف کے ساتھ توجہ ہونا ایک امر مخفی ہے جس کے لئے
کسی ضابطہ کا ہونا ضروری ہے اس واسطے نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے دو چیزوں کے ساتھ اس کا انضباط فرمایا
ایک تو یہ کہ اپنا منہ اور بدن قبلہ کی طرف کر کے کھڑا
ہو اور دوسرے یہ کہ زبان سے اللہ اکبر کہے اس واسطے
کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اس
کے دل میں کوئی بات جم جاتی ہے تو اس کے تمام اعضاء
اور زبان اسی کے موافق حرکت کرتے ہیں اسی کے متعلق
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ابن آدم کے بدن میں
ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن
درست ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو تمام بدن
خراب ہو جاتا ہے، پس زبان اور دیگر اعضاء کا عمل دل
کے فعل کا قائم مقام اور اس کا قوی مظنہ ہے اور ایسی
ہی چیز سے دل کے فعل کا انضباط ہو سکتا ہے. اور
چونکہ حق سبحانہ جہت سے پاک تھا اس واسطے اس کے
گھر کی طرف اور اس کے بڑے شعائر کی طرف توجہ کرنا خدا
تعالے کی طرف توجہ کرنے کا قائم مقام کر دیا گیا اور نبی
صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے یہی مراد ہے کہ
اپنے منہ اور دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوں اور چونکہ اظہار
تعظیم کے لئے اللہ اکبر کا لفظ دلی انقیاد پر خوب تصریح
کرنے والا تھا، اس واسطے دلی توجہ کے قائم مقام کرنے
کے لئے کوئی لفظ اس سے بہتر نہ ہو. اور اس کے اندر

للدخول في الاسلام موقت باعظم
الطاعات واشهرها. وهو قوله
صلى الله عليه وسلم من صلى
صلاتنا واستقبل قبلتنا واكل
ذبيحتنا فذلك المسلم الذي له
ذمة الله وذمة رسوله، ومنها
ان القيام لا يكون تعظيما الا اذا كان
مع استقبال. ومنها انه لا بد لكل
حالة تباين سائر الحالات في الاحكام
من ابتداء وانتهاء، وهو قوله صلى
الله تعالى عليه وسلم تحريمها
التكبير وتحليلها التسليم؛

اما التعظيم بجسده فالاصل فيه
ثلاث حالات، القيام بين
يديه والركوع والسجود، واحسن
التعظيم ما جمع بين الثلاث و
كان التدريج من الادنى الى الاعلى
انفع في تنبيه النفس للخضوع من
غيره، وكان السجود اعظم التعظيم
يظن انه المقصود بالذات وان
الباقي طريق اليه، فوجب ان يؤدى
حق هذا الشبه وذلك بتكراره،

واما ذكر الله فلا بد من توقيته
ايضا فان التوقيت اجمع لشملهم
واطوع لقلوبهم وابعد من ان يذهب
كل احد الى ما يقتضيه رأيه حسنا
كان او قبيحا وانما تفوض اليهم
الادعية النافلة التي يخاطب بمثلها
السابقون على انها ايضا لم يتركها

اور وجوہ کئی ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے کہ بوجہ تعظیم بیت اللہ اس
کی طرف منہ کرنا واجب ہے اس کو نماز کے ساتھ
اس واسطے موقت کر دیا تاکہ ایک سے دوسرے کی تکمیل
ہو جائے۔

ازانجملہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا دین حنیفی
کی بڑی مشہور پہچان ہے جس کی وجہ سے لوگ دوسروں
سے متمیز ہو سکتے ہیں اس واسطے ضروری ہوا کہ ایسی چیز
اسلام کے اندر داخل ہونے کی علامت مقرر کی جائے
پس اس کا وقت سب سے زیادہ عظمت والی اور سب
سے زیادہ مشہور عبادت کے ساتھ مقرر کیا گیا۔ چنانچہ
آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ہمارے
سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے
اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے جس کا خدا
تعالٰے اور اس کا رسول ذمہ دار ہے"۔

ازانجملہ یہ ہے کہ قیام بغیر استقبال کے
تعظیم نہیں ہو سکتا تھا۔

ازانجملہ یہ ہے کہ ہر حالت کے لئے جو احکام کے اندر
باقی حالات سے جدا ہو ایک ابتدا اور ایک انتہا ہونی
چاہیے اس کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے
"نماز کی تحریم اللہ اکبر کہنا ہے اور اس کی تحلیل السلام علیکم کہنا
ہے"۔

اب رہا جسم سے تعظیم کرنا سو اس میں اصل تین
حالات ہیں: ایک تو اس کے سامنے کھڑا ہونا اور ایک
رکوع کرنا اور ایک سجدہ کرنا۔

اور عمدہ تعظیم وہ ہے جس میں یہ تینوں ہوں، اور
خضوع کے بارے میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف بتدریج
انتقال کرنا دوسری چیزوں کی بہ نسبت نفس کی زیادہ
مناسب طور پر تنبیہ کرتا ہے۔ اور سجدہ کرنا اعلیٰ درجہ
کی تعظیم ہے گویا کہ یہ مقصود بالذات ہے اور باقی قیام اور

النبي صلى الله عليه وسلم بغير توقيت والواسع حبابا.

واذا تعين التوقيت فلا احق من الفاتحة لانها دعاء جامع انزله الله تعالى على السنة عباده يعلمهم كيف يحمدون الله ويثنون عليه ويقرون له بتوحيد العبادة والاستعانة، وكيف يسألون الطريقة الجامعة لانواع الخير ويتعوذون به من طريقة المغضوب عليهم والضالين، واحسن الدعاء اجمعه ولما كان تعظيم القران وتلاوته واجبا في الملة ولا شيء من التعظيم مثل ان ينوه به في اعظم اركان الاسلام وام القربات واشهر شعائر الدين، وكانت تلاوته قربة كاملة تكمل الصلاة وتتمها شرع لهم قراءة سورة من القران لان السورة كلام تام تحدى النبي صلى الله عليه وسلم ببلاغته المنكرين للنبوة، ولانها منفرزة بمبدئها ومنتهاها، ولكل واحد منها اسلوب انيق، واذا قدر من الشارع قراءة بعض السورة في بعض الاحيان جعل ان معناها ثلاث آيات قصار او آية طويلة ولما كان القيام لا تستوي افراده، فمنهم من يقوم مطرقا، ومنهم من يقوم منحنيا، وبعض جميع ذلك

رکوع وغیرہ اتنا فرق۔ واسطہ میں اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کو کما حقہ ادا کیا جائے اور وہ سجدہ کو دو بار کرنے سے ادا ہو جاتا ہے، اب رہا ذکر الٰہی تو اس کے لئے بھی پابندی اوقات مشہور نہیں ہے اس واسطے کہ وقت کی پابندی سے لوگوں میں جمعیت رہتی ہے اور لوگوں کے دل اس چیز کو خوب مان لیتے ہیں، اور اس بات سے بھی اجتناب ہو جاتا ہے کہ ہر شخص اپنی رائے کے موافق چلے خواہ بھلی ہو یا بری البتہ ان کے سپرد دعائے نافلہ کی گئی ہیں جن سے سابقین مخاطب کئے جاتے ہیں، علاوہ بریں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بدون پابندی وقت کے ان کو بھی نہیں چھوڑا ہے اگرچہ وہ پابندی بطور استحباب کے ہے،

اور جب ذکر اللہ میں تعیین وقت ضروری ہوئی تو اس کے لئے سورہ فاتحہ سے زیادہ مناسب کوئی چیز نہ تھی کیونکہ وہ ایک جامع دعا ہے جس کو اللہ تعالے نے اپنے بندوں کی زبان میں اس بات کی تعلیم کے لئے نازل فرمایا ہے کہ کس طرح وہ اللہ تعالے کی حمد کریں اور کس طرح اس کی ثناء بیان کریں اور کس طرح خاص اسی کی عبادت کا اقرار کریں اور خاص اسی سے استعانت کا اقرار کریں اور کس طرح اس راستہ کو مانگیں جو ہر طرح کی خیر کا جامع ہو کس طرح اللہ تعالے کی پناہ چاہیں اور ان لوگوں کی راہ سے جن پر اللہ تعالے ناراض ہے اور جو گمراہ ہیں، اور عمدہ دعا وہ ہے جس میں یہ سب باتیں ہوں، اور چونکہ قرآن کی تعظیم اور اس کی تلاوت دین کے اندر واجب ہے اور اس سے بڑھ کر تعظیم کی کوئی صورت نہیں کہ اسلام کے سب سے بڑے رکن اور عبادات کی اصل اور دین کے سب سے مشہور شعار میں قرآن کو ملحوظ رکھا جائے اور تلاوت قرآن خود ایک مستقل عبادت ہے جو نماز کو کامل اور تمام کرتی ہے اس وجہ سے قرآن کی کسی سورت کا پڑھنا لوگوں کے لئے ضروری کیا گیا کیونکہ سورت ایک ایسا

من القيام مست الحاجة الى أن
تميز الانحناء المقصود مما
يسمى نياما، فضبط بالركوع
وهو الانحناء المفرط الذي تصل
به رؤوس الاصابع الى الركبتين
ولما لم يكن الركوع ولا السجود
تعظيما الا بان يلبث على تلك الهيئة
زمانا ويخضع لرب العالمين
ويستشعر التعظيم قلبه في تلك
الحالة جعل ذلك ركنا لازما. ولما
كان السجود والاستلقاء على البطن
وسائر الهيئات القريبة منه
مشتركة في وضع الرأس على الارض
والاول تعظيم دون الباقي مست
الحاجة الى ان يضبط الفارق بينهما
فقال امرت ان اسجد على سبعة
آراب الحديث. ولما كان كل
من يهوي الى السجود لا بد له من الانحناء
حتى يصل اليه، وليس ذلك ركوعا
بل هو طريق الى السجدة مست
الحاجة الى التفريق بين الركوع
والسجود بفعل اجنبي يتميز به
كل من الآخر فيكون كل واحد طاعة
مستقلة يقصدها مستأنفا فتتنبه
النفس لثمرة كل واحد بانفرادها
وهو القومة، ولما كان السجدتان
لا تصيران اثنتين الا بتخلل فعل
اجنبي شرعت الجلسة بينهما، و

پورا کلام ہے جس کی بناوٹ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے منکرین نبوت کو عاجز کر دیا۔ اور یہ بات بھی ہے کہ ہ
سورت اپنی ابتدا اور انتہا کی وجہ سے ایک جدا کلا
ہے۔ اور ہر ایک کا ایک عمدہ اسلوب ہے اور عجیب ش
کی جانب سے بعض مرتبہ نماز میں سورت کے ایک ٹکڑ
کا پڑھنا ثابت ہے تو علماء نے تین چھوٹی آیات یا ایک
بڑی آیت کو اسی کے حکم میں داخل کیا۔ اور جبکہ کھڑے
ہونے میں تمام افراد ایک طرح پر نہ تھے کیونکہ کوئی سر نگو
ہو کر کھڑا ہوتا ہے اور کوئی جھک کر کھڑا ہوتا ہے اور یہ
کھڑے ہونے میں شمار ہوتا ہے اس واسطے اس بات
ضرورت ہوئی کہ جو جھکنا مقصود ہے وہ قیام سے تمیز
جائے پس شرع نے اس کو رکوع کے ساتھ منضبط کر
جو اس قدر جھکنے کا نام ہے جس میں ہاتھوں کی انگلیا
گھٹنوں کو لگ جائیں، اور جبکہ رکوع اور سجود سے
اللہ تعالے کی تعظیم اسی وقت ہو سکتی ہے کہ اس حا
پر کچھ دیر تک رہے اور پروردگار عالم کے سامنے اپ
آپ کو پست کرے اور اس حالت میں اس کا دل اس
تعظیم سے خبردار ہو جائے اس واسطے اس کو ایک رکن ا
قرار دیا گیا

اور جبکہ سجدہ کرنا اور پیٹ کے بل لیٹ جانا ا
جو حالتیں اس کے قریب قریب ہیں سب کے اندر ز
پر سر رکھنا پایا جاتا ہے حالانکہ تعظیم صرف سجدہ کرنے میں
ہے نہ کہ باقی ہیئات میں اس واسطے اس بات کی ضر
ہوئی کہ ان میں کوئی مابہ الفرق مقرر کیا جائے پس
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ کو سات اعضاء
سجدہ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ الحدیث۔

اور جبکہ آدمی سجدہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو سج
تک پہنچنے کے لئے جھکنا ضروری ہوتا ہے۔ اور وہ جھکنا

الطمانينة فيهما واعبا منافيا
للطاعة امر بالطمانينة فيهما، ولما كان الخروج من الصلاة بنقض
الطهارة او غيرها من مواثيق
الصلاة ومفسداتها قبيحا مستنكرا
منافيا للتعظيم ولا بد من فعل
تنتهي به الصلاة ويباح به ما
حرم في الصلاة ولو لم ينضبط لذهب
كل واحد الى هواه وجب ان لا يكون
الخروج الا بكلام هو احسن كلام
الناس اعني السلام وان يوجب
ذلك وهو قوله صلى الله عليه
وسلم تحليلها التسليم، وكان
الصحابة استحبوا ان يقدموا على
السلام قولهم السلام على الله
قبل عباده، السلام على جبرائيل
السلام على فلان، فغيره رسول
الله صلى الله عليه وآله وسلم
ذلك بالتحيات، وبين سبب
التغيير حيث قال لا تقولوا السلام
على الله فان الله هو السلام يعني
ان الدعاء بالسلامة انما يناسب
من لا تكون السلامة من العدم
ولواحقه ذاتيا له، ثم اختار
بعده السلام على النبي تنويها بذكره
واثباتا للاقرار برسالته واداء
لبعض حقوقه ثم عمم بقوله السلام
علينا وعلى عباد الله الصالحين،

رکوع نہیں ہوتا بلکہ سجدہ تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے اس
واسطے اس بات کی ضرورت ہوئی کہ رکوع اور سجود کے
درمیان ایک ایسے اجنبی فعل کو لا کر تفریق کی جائے جس
سے ہر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائے تاکہ ہر ایک مستقل
عبادت قرار پائے اور نفس اس کا جداگانہ ارادہ کرے
تاکہ نفس ہر ایک کے ثمرات جداگانہ حاصل کرنے کے لئے آمادہ
رہے اور وہ فعل قومہ ہے، اور جبکہ دو سجدے بغیر
اجنبی فعل کے حائل ہوئے جدا جدا نہیں ہو سکتے تھے
اس واسطے ان کے درمیان جلسہ مشروع ہوا، اور
جبکہ سجدہ اور قومہ بدون اطمینان کے ایک طرح کا
ہلکا پن اور کھیل تھا جو شان عبادت کے بالکل منافی
تھا اس واسطے ان دونوں کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنے
کا حکم دیا گیا، اور جبکہ طہارت کو زائل کر کے یا اس
کے علاوہ کوئی ایسا فعل کر کے جو نماز کو فاسد اور باطل
کرنے والا ہو نماز سے باہر آنا قبیح، مکروہ اور تعظیم کے منافی
تھا اور ایسے فعل کا ہونا ضروری تھا جس سے نماز کا اتمام
ہو جائے، اور جو امور نماز کے اندر حرام تھے وہ حلال ہو جائیں
اور اگر کسی خاص فعل کو اس میں مقرر نہ کیا جاتا تو ہر شخص اپنی
خواہش کی پیروی کرتا اس واسطے ضروری ہوا کہ نماز سے
باہر ہونا صرف ایسے کلام کے ساتھ ہو جو لوگوں کے کلام میں
بہترین کلام ہو اور وہ سلام ہے اور اس کو واجب کر دیا جائے
چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز سے
باہر آنا سلام پھیرنا ہے" اور صحابہ کو یہ امر مرغوب تھا
کہ سلام سے پہلے یہ کہتے تھے "خدا تعالے کے اوپر اس
کے بندوں سے پہلے سلام، جبرائیل کے اوپر سلام،
فلاں کے اوپر سلام، پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم نے اس کو التحیات کے ساتھ بدل دیا اور اس
بدلنے کا سبب یہ کہہ کر بیان فرمایا کہ مت

قال فاذا قال ذلک اصاب کل عبد صالح فی السماء والارض، ثم امر بالتشهد لانہ اعظم الاذکار، ثم قال ثم لیتخیر من الدعاء اعجبہ الیہ، وذلک لان وقت الفراغ من الصلاۃ وقت الدعاء لانہ تغشی بغاشیۃ عظیمۃ من الرحمۃ وحینئذ یستجاب الدعاء، ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ والتوسل بنبی اللہ لیستجاب ثم تقرر الامر علی ذلک وجعل التشہد رکنا لانہ لولا ھذہ الامور لکان الفراغ من الصلاۃ مثل فراغ المعرض او النادم، وھنالک وجوہ کثیرۃ بعضھا خفی المأخذ وبعضھا ظاھرۃ لم نذکرھا اکتفاء بما ذکرنا۔

وبالجملۃ من تأمل فیما ذکرنا وفی القواعد التی اسلفناھا علم قطعا ان الصلاۃ بھذہ الکیفیۃ ھی التی ینبغی ان تکون وانھا لا یتصور العقل احسن منھا ولا اکمل، وانھا ھی الغنیمۃ الکبری لمغتنم ولما کان القلیل من الصلاۃ لا یفید فائدۃ معتدا بھا، والکثیر جدا یعسر اقامتہ اقتضت حکمۃ اللہ ان لا یشرع لھم اقل من رکعتین فالرکعتان اقل الصلاۃ، ولذلک قال فی کل رکعتین التحیۃ، وھھنا دقیق، وھو ان سنۃ اللہ تعالے

کیونکہ خدا کے اوپر سلام کیونکہ خدا تعالے تو خود سلام ہے"

یعنی سلامتی کی دعا تو اس کے لئے مناسب ہے جس کے لئے بسبب عدم کے اور اس کے لواحق کے سلامتی ذاتی نہ ہو پھر اس کے بعد نبی پر سلام کو مقرر کیا تاکہ نبی کے ذکر کی تعظیم ہو اور اس کی رسالت کا اقرار ہو اور اس کے کچھ حقوق بھی ادا ہو جائیں پھر یہ فرما کر سلام کی تعمیم کر دی "ہم پر سلام اور خدا تعالے کے نیک بندوں پر سلام ہو" آپ نے فرمایا جب کوئی یہ کہتا ہے تو اس کا سلام ہر نیک بندے کو پہونچتا ہے خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں ہو"

پھر تشہد کا حکم دیا کیونکہ وہ اعظم الاذکار ہے آپ نے فرمایا "اس کے بعد جو دعا اس کو پسند ہو اختیار کرے" اور یہ اس واسطے کہ نماز سے فارغ ہونے کا وقت دعا کرنے کا وقت ہے کیونکہ اس وقت رحمت الٰہی اس پر چھا جاتی ہے اور ایسی حالت میں دعا قبول ہوتی ہے، اور دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے خدا کی ثنا کرے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنائے تاکہ دعا قبول ہو پھر اسی پر تعین ہو گیا اور تشہد نماز کے لئے رکن قرار دیا گیا کیونکہ اگر یہ امور نہ ہوتے تو نماز سے آدمی اس طرح فارغ ہوتا جیسے کوئی اعراض کرنے والا یا نادم آدمی فارغ ہوتا ہے

اور اس مقام کے متعلق بہت سے وجوہ ہیں۔ جن میں سے بعض پوشیدہ ہیں اور بعض ظاہر ہیں ہم نے ان کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ پہلے ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں وہ کافی ہے،

مختصر یہ کہ جو شخص ہمارے مذکورہ کلام میں غور کرے گا اور ان قواعد میں فکر کرے گا جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں تو یقیناً وہ یہ جان لے گا کہ نماز اسی کیفیت کے ساتھ ہونی چاہئے اور عقل اس سے بہتر اور کامل صورت کو

في عدد الركعات، وزاد فيها استحب طول القراءة لمن اطاقه، وهو قوله تعالى وقرآن الفجر ان قرآن الفجر كان مشهودا، والله اعلم ؃

اس واسطے مغرب کے اندر اس مقدار کا زیادہ کرنا مناسب نہیں ہے جو بعد میں نمازوں میں کی گئی ہے، اور فجر کا وقت خواب اور غفلت کا وقت ہے اس واسطے اس کی عدد رکعات میں زیادتی نہیں کی گئی بلکہ جس پڑھ سکتا ہے اس کے لئے طول قرأت کو مستحب کر دیا، اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول ہے "اور فجر میں قرآن کا پڑھنا بلاشبہہ فجر میں قرآن کا پڑھنا رو برو ہوتا ہے" واللہ اعلم ؃

اذكار الصلاة وهيأتها المندوب اليها

اعلم ان الحد الاكمل الذي يستوفي فائدة الصلاة كاملة زائد على الحد الذي لا بد منه بوجهين بالكيف والكم، اما الكيف فاعني به الاذكار والهيئات ومؤاخذة الانسان نفسه بان يصلي لله كأنه يراه ولا يحدث فيها نفسه، وان يحترز من هيئات مكروهة ونحو ذلك، واما الكم فصلوات يتنفلون بها، وسيأتيك ذكر النوافل من بعد ان شاء الله تعالى، والاصل في الاذكار حديث علي رضي الله عنه في الجملة، وابي هريرة، وعائشة، وجبير بن مطعم وابن عمر وغيرهم رضي الله عنهم في الاستفتاح، وحديث عائشة، وابن مسعود، وابي هريرة، وثوبان، وكعب بن عجرة رضي الله عنهم في سائر المواضع وغير هؤلاء ممن نذكره تفصيلا،

نماز کے اذکار اور اس کی ہیئات مستحبہ کا بیان ؃

واضح ہو کہ اس حد کو جس سے نماز کا پورا فائدہ حاصل ہوتا ہے اس حد پر جو نماز کے اندر ضروری ہے دو وجہ سے زیادتی ہے۔ بالکیف اور بالکم، کیف سے ہماری مراد اذکار اور ہیأت ہیں اور اپنے نفس کو اس طرح سے پابند کرنا ہے کہ یہ خیال کرے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھ رہا ہے گویا وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور نماز کے دوران وسوسے کو نہ آنے دے، اور مکروہ ہیئتوں سے اور اسی طرح کی اور باتوں سے احتراز کرے،

اور زیادتی بالکم سے ہماری مراد وہ نمازیں ہیں جن کے ساتھ لوگ نوافل پڑھتے ہیں، اور انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب بعد میں نوافل کا ذکر آئے گا،

اور اذکار کے اندر اصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور استفتاح یعنی قرآن پڑھنے سے قبل کچھ دعا پڑھنے میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت جبیر بن مطعم اور عبداللہ بن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم کی احادیث اصل ہیں اور باقی مواضع میں حضرت عائشہ، ابن مسعود، ابوہریرہ، ثوبان اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں، ان کے علاوہ اور احادیث ہیں جن کو آگے تفصیل سے ذکر کریں گے، اور نماز کی ہیئت

والاصل في الهيئات حديث ابي حميد الساعدي الذي حدثه في عشرة من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فسلموا له، وحديث عائشة ووائل بن حجر رضي الله عنهما في الجملة، وحديث ابن عمر رضي الله عنه في رفع اليدين، وغير هؤلاء مما سنذكره. والهيئات المندوبة ترجع الى معان، منها تحقيق الخضوع وضم الاطراف والتنبيه للنفس على مثل الحالة التي تعتري السوقة عند مناجاة الملوك من الهيبة والدهش، كصف القدمين ووضع اليمنى على اليسرى، وقصر النظر، وترك الالتفات، ومنها محاكاة ذكر الله وايثاره على من سواه باصابعه ويده حذو ما يعقله بجنانه، ويقوله بلسانه، كرفع اليدين، والاشارة بالمسبحة ليكون بعض الامر معاضد البعض ومنها اختيار هيئات الوقار ومحاسن العادات والاحتراز عن الطيش والهيئات التي يذمها اهل الرأي وينسبونها الى غير ذوي العقول كنقر الديك واقعاء الكلب، واحتفاز الثعلب، وبروك البعير وافتراش السبع، والتي تكون للمتجبرين واهل البلاء كالاختصار ومنها ان تكون الطاعة بطمانينة وسكون وعلى رسل

کے اندر اصل ابو حمید الساعدیؓ کی وہ حدیث ہے جس کو انہوں نے دس صحابہ کے سامنے بیان کیا اور سب نے اس کو تسلیم کیا اور حضرت عائشہ اور وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث بھی فی الجملہ اس میں مروی ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث رفع الیدین کے بارے میں مروی ہے اور ان کے علاوہ اور احادیث ہیں جن کو ہم عنقریب ذکر کریں گے

ہئیات مستحبہ کا مدار چند باتوں پر ہے ان میں سے ایک خضوع کا پیدا کرنا اور تمام اعضاء کو خدا تعالیٰ کے سامنے سکوڑ لینا اور نفس کو ایسی حالت پر متنبہ کرنا جو عام لوگوں کو بادشاہوں کے سامنے عرض و معروض کرتے وقت پیدا ہوتی ہے کہ ان پر ہیبت اور دہشت طاری ہو جاتی ہے، مثلاً دونوں قدموں کو برابر رکھنا اور داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا اور نظر کو پست کرنا اور ادھر اور اُدھر نہ دیکھنا،

اور ان میں سے ایک خدا تعالیٰ کا ذکر کرنا اور ماسوا پر اس کے اختیار کر لینے کو دل میں سمجھتے وقت اور زبان سے کہتے وقت اپنی انگلیوں اور اپنے ہاتھ سے ظاہر کرنا مثلاً رفع الیدین کرنا اور انگشت شہادت سے اشارہ کرنا تاکہ ایک دوسرے کا معاون ہو جائے

اور ان میں سے ایک وقار اور محاسن آداب کے طریقوں کو عمل میں لانا اور طیش اور ان طریقوں سے پرہیز کرنا جن کو اہل عقل ناپسند کرتے ہیں اور حیوانات کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے مرغ کی طرح ٹھونگیں مارنا اور کتے کی طرح بیٹھنا اور لومڑی کی طرح سجدہ میں سمٹنا اور اونٹ کی طرح بیٹھنا اور درندے کی طرح ہاتھ و بازو پھیلا دینا اور ان ہئیات سے پرہیز کرنا جو اہل بلاء اور متکبر لوگوں کو عارض ہوتی ہیں جیسے پہلو پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا،

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ عبادت نہایت اطمینان

كجلسة الاستراحة ونصب اليمنى وافتراش اليسرى في القعدة الأولى لأنه أيسر لقيامه والقعود على الورك في الثانية لأنه أكثر راحة، وأما الأذكار فترجع إلى معان، منها إيقاظ النفس لتتنبه للخضوع الذي وضع له الفعل كأذكار الركوع والسجود، ومنها الجهر بذكر الله ليكون تنبيها للقوم بانتقال الإمام من ركن إلى ركن كالتكبيرات عند كل خفض ورفع، ومنها أن لا تخلو حالة في الصلاة من ذكر كالتكبيرات وكأذكار القومة والجلسة فإذا كبر رفع يديه إيذانا بأنه أعرض عما سوى الله تعالى، ودخل في حيز المناجاة ويرفع إلى أذنيه أو منكبيه، وكل ذلك سنة، ووضع يده اليمنى على اليسرى وصف القدمين، وتقصر النظر على محل السجدة تعظيما وجمعا لأطراف البدن وجمع الخاطر، ودعاء الاستفتاح تمهيد لحضور القلب وإزعاج للخاطر إلى المناجاة، وقد صح في ذلك صيغ، منها اللهم باعد بيني وبين خطاياي كما باعدت بين المشرق والمغرب، اللهم نقني من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، اللهم اغسل خطاياي بالماء والثلج والبرد ۔

اور سکون سے ادا کی جائے اور اس میں وقار پایا جائے جیسے دونوں سجدوں کے بعد جلسۂ استراحت اور قعدۂ اولیٰ میں دائیں پاؤں کا کھڑا رکھنا اور بائیں کا لٹا لینا کیونکہ کھڑا ہونے کے لئے اس میں آسانی ہے، اور قعدہ ثانیہ میں سرین پر بیٹھنا کیونکہ اس میں زیادہ راحت ہے، اور اذکار کا مدار بھی چند باتوں پر ہے ان میں سے ایک نفس کو اس خضوع کے لئے بیدار کرنا ہے جس کے لئے یہ فعل مقرر کیا گیا ہے جیسے رکوع اور سجود کے اذکار، اور ان میں سے ایک ذکر الٰہی کو بآواز بلند کہنا تاکہ لوگوں کو امام کا ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونا معلوم ہو جائے جیسے ہر دفعہ جھکتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا،

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ نماز میں کوئی حالت ذکر سے خالی نہ ہو جیسے تکبیرات اور قومہ اور جلسہ کے اذکار ہیں، پس جب تکبیر کہے تو دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ اس نے خدا تعالیٰ کے سوا سب سے اعراض کر لیا اور حیز مناجات میں داخل ہو گیا اور ان کو کانوں تک یا مونڈھوں تک اٹھائے اور یہ دونوں طریق مسنون ہیں، اس کے بعد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے اور دونوں قدم برابر رکھے، اور تعظیم کے لئے اور اس لئے کہ اجتماع خاطر کے ساتھ اجتماع اعضا بھی پایا جائے، نظر کو سجدہ کی جگہ پر جھکائے رکھے اور دعائے استفتاح پڑھے تاکہ حضورِ قلب پیدا ہو اور دل مناجات کی طرف مائل ہو اور اس بارے میں چند دعائیں صحیح صحیح وارد ہیں ازاں جملہ یہ ہے:۔ اے اللہ مجھ کو میری خطاؤں سے دور رکھ جس طرح تو نے مشرق کو مغرب سے دور رکھا، اے اللہ مجھ کو گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح کپڑے کو میل سے پاک کیا جاتا ہے، اے اللہ

اقول الغسل بالثلج والبرد کنایۃ عن تکفیر الخطایا مع ایجاد الطمانینۃ وسکون القلب، والعرب تقول برد قلبہ ای سکن واطمأن، واتاہ الثلج ای الیقین ومنہا وجہت وجہی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین، وفی روایۃ وانا من المسلمین ، ومنہا سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک، اللہ اکبر کبیرا ثلاثا، الحمد للہ کثیرا ثلاثا، وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا ثلاثا، ثم یتعوذ لقولہ تعالیٰ فاذا قرأت القراٰن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم ؛

اقول السر فی ذلک ان من اعظم ضرر الشیطان ان یوسوس لہ فی تاویل کتاب اللہ مالیس بمرضی او یصدہ عن التدبر، وفی التعوذ صیغ، منہا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، ومنہا استعیذ باللہ من الشیطان الرجیم، ومنہا اعوذ باللہ من الشیطان من نفخہ ونفثہ وھمزہ، ثم یبسمل سر المشروع اللہ لنا من تقدیم التبرک باسم اللہ علی القراءۃ، ولان فیہ احتیاطا

میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھودے، میں کہتا ہوں برف اور اولوں کے ساتھ دھونے سے مراد گناہوں کا دور کرنا ہے اور اس کے ساتھ سکونِ قلب اور اطمینان کا پیدا کرنا ہے، اور اہلِ عرب کہا کرتے ہیں برد قلبہ، یعنی اس کا دل مطمئن ہوگیا اور اتاہ الثلج، یعنی اس کو یقین آگیا،

اور ازانجملہ یہ ہے "میں اس ذات کی طرف متوجہ ہوا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، حق کی طرف متوجہ ہونے والا بنکر، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز میری عبادت میری زندگی اور میری موت سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو ہر عالم کا پروردگار ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سب سے پہلا مسلمان ہوں"، اور ایک روایت میں ہے "اور میں مسلمانوں میں سے ہوں"،

ازانجملہ یہ ہے سبحنک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک اللہ اکبر کبیرا تین بار والحمد للہ کثیرا تین بار سبحان اللہ بکرۃ واصیلا تین بار، اس کے بعد تعوذ پڑھے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے پس جب تو قرآن پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان رجیم سے پناہ مانگ،

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ شیطان کا سب سے بڑا ضرر یہ ہے کہ کتابِ الٰہی کے اندر اس تاویل کا وسوسہ ڈالتا ہے جو خدا کے نزدیک ناپسند ہے یا انسان کو اس کتاب کے اندر فکر کرنے سے باز رکھتا ہے، اور تعوذ کئی طرح سے مروی ہے ازانجملہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہے، ازانجملہ استعیذ باللہ من الشیطان الرجیم ہے، ازانجملہ اعوذ باللہ من الشیطان من نفخہ

اذ قد اختلفت الرواية هل هي اية
من الفاتحة ام لا ، وقد صح عن النبي
صلى الله عليه وسلم انه كان يفتتح الصلاة
اى القراءة بالحمد لله رب العالمين،
ولا يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم.

اقول ولا يبعد ان يكون جهر بها
فى بعض الاحيان ليعلمهم سنة
الصلاة، والظاهر انه صلى الله عليه
وسلم كان يخص بتعليم هذه الاذكار
الخواص من اصحابه ولا يجعلها
بحيث يؤاخذ بها العامة ويلامون
على تركها، وهذا تاويل ما قاله
مالك رحمة الله تعالى عليه عنه،
وهو مفهوم قول ابى هريرة رضى الله
عنه كان النبى صلى الله عليه وسلم
يسكت بين التكبير وبين
القراءة اسكاتة، فقلت بابى
وامى اسكاتك بين التكبير والقراءة
ما تقول فيه؟ ثم يرتل سورة
الفاتحة وسورة من القرآن ترتيلا
يمد الحروف ويقف على رؤس الاى
يخافت فى الظهر والعصر، ويجهر الامام
فى الفجر، واوليى المغرب والعشاء،
وان كان ماموما وجب عليه الانصات
والاستماع، فان جهر الامام لم يقرأ
الا عند الاسكاتة، وان خافت فله
الخيرة. فان قرأ فليقرأ الفاتحة قراءة
لا يشوش على الامام، وهذا اولى الاقوال
عندى، وبه يجمع بين احاديث

ونفثہ وہمزہ ہے اس کے بعد آہستہ سے بسم اللہ پڑھے
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے قرأت سے بیشتر اپنے
نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا ہے، اس کے
علاوہ بسم اللہ کے پڑھ لینے میں احتیاط بھی ہے کیونکہ اس
کے جزو فاتحہ ہونے میں یا نہ ہونے میں مختلف روائیتں ہیں
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح طریقہ سے ثابت ہے. کہ
آپ نماز کو یعنی قرأت کو الحمد للہ رب العلمین سے شروع
کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آواز سے نہیں
پڑھتے تھے۔

میں کہتا ہوں یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ نے بعض
اوقات میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھا ہو تاکہ آپ
لوگوں کو نماز کی سنت بتلا دیں اور ظاہر یہ ہے. کہ
نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنے مخصوص صحابہ کو یہ اذکار تعلیم
فرمایا کرتے تھے اور آپ ان اذکار کو یہ درجہ نہیں دیتے تھے. کہ
عام لوگوں سے ان کا مطالبہ کیا جائے اور ان کے
ترک سے وہ قابل ملامت ہوں، امام مالک رحمہ اللہ کے
قول کی میرے نزدیک یہی تاویل ہے اور ابو ہریرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے یہی سمجھا جاتا ہے انہوں
نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قرأت کے
درمیان کس قدر سکوت فرمایا کرتے تھے، میں نے عرض کیا.
میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں قرأت اور تکبیر کے
درمیان جو سکوت آپ کرتے ہیں اس میں آپ کیا پڑھا
کرتے ہیں؟

اس کے بعد سورہ فاتحہ اور کوئی اور سورت ترتیل کے
ساتھ پڑھے یعنی حروف کو مد کے ساتھ ادا کرے اور آیات
کے تمام ہونے پر ٹھیر جائے ظہر اور عصر میں قرأت آہستہ
کرے اور فجر کی نماز میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعات
میں امام قرأت پکار کر کرے اور مقتدی پر واجب ہے. کہ
خاموش کھڑا رہے اور قرآن سنتا رہے، پس اگر امام جہر

الباب، والسر فيه ما نص عليه من ان القراءة مع الامام تشوش عليه وتفوت التدبر وتخالف تعظيم القران، ولم يعزم عليهم ان يقرءوا سرا لان العامة متى ارادوا ان يصححوا الحروف باجمعهم كانت لهم لجبة مشوشة فسجل في النهي عن التشويش ولم يعزم عليهم ما يؤدي الى النهي وابقى خيرة لمن استطاع وذلك غاية الرحمة بالامة والسر في مخافتة الظهر والعصر انهما مظنة الصخب واللغط في الاسواق والدور، واما غيرهما فوقت هدو الاصوات والجهر اقرب الى تذكر القوم واتعاظهم ؛

قوله صلى الله عليه وسلم اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامينه تامين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه ؛

اقول الملائكة يحضرون الذكر رغبة منهم فيه ويؤمنون على ادعيتهم لاجل ما يترشح اليهم من الملاء الاعلى، وفيه اظهار التاسي بالامام واقامة لسنة الاقتداء، وروي سكتتان: سكتة بين التكبير والقراءة ليتحرم القوم باجمعهم فيما بين ذلك فيقبلوا على استماع القراءة بعزيمة، وسكتة بين قراءة الفاتحة والسورة، قيل ليتيسر

کرتا ہے تو اس کے سکوت کے اوقات میں پڑھ لیا کرے اور اگر امام آہستہ پڑھ رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے پس اگر پڑھنا چاہے تو سورہ فاتحہ کو اس طرح پڑھ لے کہ اس کے پڑھنے سے امام کو تشویش نہ ہو۔ اور میرے نزدیک یہ سب اقوال سے بہتر ہے اور اس کے ساتھ اس باب کی احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور اس میں راز وہی ہے جس کی تصریح کردی گئی ہے کہ امام کے ساتھ قرآن پڑھنا امام کی تشویش کا سبب بنتا ہے اور اس سے قرآن کے اندر تدبر فوت ہو جاتا ہے اور وہ قرآن کی تعظیم کے خلاف ہے اور شارع نے لوگوں پر یہ واجب نہیں کیا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھا کریں اس واسطے کہ جب تمام اہل جماعت صحیح صحیح حروف ادا کرنے کی کوشش کریں گے تو ان سب کی ایک آواز پیدا ہوگی جو امام کے لئے خلجان کا باعث ہوگی اس واسطے خلجان پیدا کرنے والی شئی سے آپ نے تاکیداً نہی فرمادی اور جو منہی عنہ کی طرف مؤدی ہو اس کا آپ نے لوگوں کو حکم نہیں دیا۔ اور ان کو اختیار دیدیا کہ جس سے ہو سکے وہ کرے اور یہ امت کے لئے بہت بڑی رحمت ہے، ظہر اور عصر کی نماز میں قرآن آہستہ پڑھنے میں یہ راز ہے کہ دن کے وقت بازاروں اور گھروں میں شوروغل ہوتا ہے اور ان دو وقتوں کے سوا اور اوقات میں آوازوں کو سکون ہو جاتا ہے اور جہر کے ساتھ پڑھنے میں لوگوں کو وعظ وتذکیر خوب اچھی طرح ہوتی ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس وقت امام آمین کہے تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ ملجاتی ہے اس کے سب پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں"

میں کہتا ہوں مجالس ذکر میں فرشتے مشتاق ہو کر حاضر ہوتے ہیں اور لوگوں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں کیونکہ ملاء اعلیٰ سے ان کے اوپر القاء ہو جاتا ہے اور اس حدیث میں

لهم القراءة من غير تشويش و
ترك انصات ٭

اقول الحديث الذي رواه
اصحاب السنن ليس بصريح
في الاسكاتة التي يفعلها الامام
لقراءة المامومين فان الظاهر
انها للتلفظ بامين عند من يسر
بها او سكتة لطيفة تميز بين
الفاتحة وامين لئلا يشتبه غير
القرآن بالقرآن عند من يجهر
بها او سكتة لطيفة ليرد الى القارئ
نفسه وعلى التنزل فاستغراب
القرن الاول اياها يدل على انها
ليست سنة مستقرة ولا مما
عمل به الجمهور والله اعلم ٭

ويقرأ في الفجر ستين آية
الى مائة تداركا لقلة ركعاته
بطول قراءته، ولان زمن الاشغال
المعاشية لم يستحكم بعد فيغتنم
الفرصة لتدبر القرآن، وفي العشاء
سبح اسم ربك الاعلى، والليل
اذا يغشى، ومثلها، وقصة معاذ، وما
كره النبي صلى الله عليه وسلم من تنفير القوم
مشهورة وجعل الظهر على الفجر، والعصر على العشاء
في بعض الروايات، والظهر على العشاء
والعصر على المغرب في بعضها، وفي
المغرب بقصار المفصل لضيق الوقت
وكان رسول الله صلى الله عليه
وسلم يطول ويخفف على ما يرى

امام کی اقتداء کا اظہار ہے اور اقتداء کا طریقہ قائم ہوتا ہے
نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے دو سکوت مروی ہیں۔ ایک
سکوت تکبیر اور قرأت کے درمیان ہے تاکہ اس عرصہ میں
تمام لوگ تکبیر تحریمہ کرلیں اور قرأت کے سننے پر بالقصد متوجہ
ہو جائیں، اور ایک سکوت سورہ فاتحہ اور دوسری سورت
کی قرأت کے درمیان ہے، لوگوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی
ہے کہ بلا تشویش اور بلا ترک سکوت مقتدیوں کو قرأت
آسان ہو جائے۔

میں کہتا ہوں اصحاب سنن نے آنحضرتؐ سے جو حدیث
روایت کی ہے اس سے صراحۃً وہ سکوت جو مقتدیوں
کے پڑھنے کے لئے امام کرتا ہے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ
ظاہر یہ ہے کہ یہ سکوت آمین کہنے کے لئے ہے ان کے
نزدیک جو آہستہ آمین کہتے ہیں یا جو آمین بالجہر کہتے ہیں ان
کے نزدیک یہ ایک سکتہ لطیفہ ہے جو سورہ فاتحہ اور آمین
میں تمیز کر دیتا ہے تاکہ مقتدیوں کے آمین کہنے سے قرآن غیر
قرآن کے ساتھ مخلوط نہ ہو جائے۔ یا یہ ہلکا سا سکتہ اس
لئے ہے کہ قاری دم لے لے اور اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ
سکوت قرأت مقتدی کے لئے ہے پھر بھی قرن اول کا اس
کوئی بات سمجھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کوئی
سنت مستقرہ نہیں ہے اور نہ ان سنن میں سے ہے جن پر
جمہور نے عمل کیا ہے، واللہ اعلم ٭

اور فجر کی نماز میں ساٹھ آیت سے لیکر سو آیت تک
پڑھنا چاہئے تاکہ اس کی کمی رکعات کا بدل طول قرأت سے
ہو جائے اور کیونکہ ہنوز اشغال معاش کی کدورت اس کے
دل میں مستحکم نہیں ہے اسواسطے قرآن میں تدبر کرنے کے لئے
اس فرصت کو غنیمت جانے، اور عشاء کی نماز میں سبح
اسم ربک الاعلی، واللیل اذا یغشی، اور ان جیسی
سورتیں پڑھنی چاہئیں، اور حضرت معاذ کا قصہ اور آں
حضرتؐ کا لوگوں کو نفرت دلانے سے ناراض ہونا مشہور

من المصلحة الخاصة بالوقت، وانما امر الناس بالتخفيف فان فيهم الضعيف والسقيم وذا الحاجة، وقد اختار رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بعض السور في بعض الصلوات لفوائد من غير حتم ولا طلب مؤكد فمن اتبع فقد احسن ومن لا فلا حرج كما اختار في الاضحى والفطر، ق، واقتربت لبديع اسلوبهما وجمعهما لعامة مقاصد القرآن في اختصار، والى ذلك حاجة عند اجتماع الناس، او سبح اسم وهل اتاك للتخفيف واسلوبهما البديع، وفي الجمعة سورة الجمعة، والمنافقين، للمناسبة والتحذير، فان الجمعة تجمع من المنافقين واشباههم من لا يجمعه غير الجمعة وفي الفجر يوم الجمعة الم تنزيل، وهل اتى تذكيرا للساعة وما فيها، والجمعة تكون البهائم فيها مسيخة ان تكون الساعة فكذلك ينبغي لبني ادم ان يكونوا فزعين بها، واذا مر القارئ على سبح اسم ربك الاعلى قال سبحان ربي الاعلى. ومن قرأ اليس الله باحكم الحاكمين فليقل بلى وانا على ذلك من الشاهدين ذلك بقادر على ان يحيي الموتى. فليقل بلى، ومن قرأ فباي حديث بعده يؤمنون فليقل آمنا بالله. ولا يخفى

ہی ہے۔ اور بعض روایات میں ظہر کی نماز کو فجر پر اور عصر کی نماز کو عشاء پر محمول کیا ہے اور بعض روایات میں ظہر کی نماز کو عشاء پر اور عصر کی نماز کو مغرب پر محمول کیا ہے اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھنا چاہئے کیونکہ وقت تنگ ہوتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصلحتِ وقت کے لحاظ سے کبھی طول قرأت کرتے تھے اور کبھی تخفیف کیا کرتے تھے اور لوگوں کو تخفیف کا حکم اس لئے دیا ہے کہ جماعت میں ضعیف ہوتے ہیں، مریض ہوتے ہیں اور کام والے لوگ ہوتے ہیں، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چند فوائد کی وجہ سے بعض نمازوں میں بعض سورتوں کو پسند فرمایا ہے مگر ان نمازوں میں انہی سورتوں کا پڑھنا واجب نہیں کیا اور نہ ان کی تاکید کی پس جو ایسا کرے تو اس نے بہت اچھا کیا اور جو ایسا نہ کرے تو اس پر کچھ حرج نہیں مثلاً آپ عید الضحٰی اور عید الفطر میں سورہ ق اور اقترب الساعۃ کی تلاوت پسند فرماتے تھے۔ کیونکہ ان کا اسلوب بہت ہی انوکھا ہے اور ان میں عام مقاصد قرآن علی سبیل اختصار جمع ہیں، اور لوگوں کے اجتماع کے وقت ایسی ہی چیز کی ضرورت ہے یا آپ سبح اسم اور ھل اتاك پڑھا کرتے تھے اس واسطے کہ آپ تخفیف کا قصد فرماتے تھے اور ان کا اسلوب بھی بہت عمدہ ہے، اور جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان سورتوں میں ایک طرح کی مناسبت اور تحذیر پائی جاتی ہے اس واسطے کہ جمعہ کی نماز میں منافقین اور ہر طرح کے لوگ جو جمعہ کے سوا اور دنوں میں نہیں آتے جمع ہو جاتے ہیں، اور جمعہ کے روز نماز فجر میں الم تنزیل اور ھل اتی پڑھا کرتے تھے تاکہ قیامت اور اس کے واقعات لوگوں کو یاد دلائے جائیں اور جمعہ کے روز چوپائے ڈرتے رہتے ہیں کہ اسی روز قیامت واقع ہو جائے پس اسی طرح بنی آدم کو بھی مناسب ہے کہ اس دن سے ڈرتے رہیں، اور جب قرآن پڑھنے والا سبح اسم

ما فيه من الادب والمسارعة الى الخير، فاذا اراد ان يركع رفع يديه حذو منكبيه او اذنيه، وكذلك اذا رفع رأسه من الركوع ولا يفعل ذلك فى السجود-

اقول السر فى ذلك ان رفع اليدين فعل تعظيمى ينبه النفس على ترك الاشغال المنافية للصلاة والدخول فى حيز المناجاة، فشرع ابتداء كل فعل من التعظيمات الثلاث به لتتنبه النفس لثمرة ذلك الفعل مستانفا وهو من الهيئات فعله النبى صلى الله عليه وسلم مرة وتركه مرة والكل سنة، واخذ بكل واحد جماعة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم، وهذا احد المواضع التى اختلف فيها الفريقان اهل المدينة والكوفة، ولكل واحد اصل اصيل، والحق عندى فى مثل ذلك ان الكل سنة ونظيره الوتر بركعة واحدة او بثلاث، والذى يرفع احب الى ممن لا يرفع، فان احاديث الرفع اكثر واثبت غير انه لا ينبغى لانسان فى مثل هذه الصور ان يثير على نفسه فتنة عوام بلده، وهو قوله صلى الله عليه وسلم لولا حدثان قومك بالكفر لنقضت الكعبة ولا يبعد ان يكون ابن مسعود رضى الله تعالىٰ

الاعلیٰ پڑھے تو اس کو سبحان ربی الاعلیٰ کہنا چاہیئے۔ اور جو شخص الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے تو اس کو بلیٰ وانا علی ذٰلک من الشاھدین کہنا چاہیئے اور جو شخص الیس ذٰلک بقادر علیٰ ان یحیی الموتیٰ پڑھے تو اس کو بلیٰ کہنا چاہیئے۔ اور جو شخص فبای حدیث بعدہٗ یؤمنون پڑھے تو اس کو اٰمنا باللہ کہنا چاہیئے، اور یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اس میں ادب اور مسارعت الی الخیر پائی جاتی ہے، پھر جب رکوع کرنا چاہے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک یا کانوں تک اٹھائے اور اسی طرح اس وقت رفع الیدین کرے جب رکوع سے اپنے سر کو اٹھائے، اور سجدہ میں ایسا نہ کرے۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ رفع الیدین ایک تعظیمی فعل ہے جو نفس کو ان اشغال کے ترک کرنے پر جو نماز کے منافی ہیں، اور حیز مناجات میں داخل ہونے پر تنبیہ کرتا ہے پس تعظیمات ثلٰثہ میں سے ہر فعل کی ابتدا رفع الیدین سے مشروع ہوئی تاکہ ازسر نو ہر مرتبہ نفس کو اس فعل کے ثمرہ پر آگاہی ہوتی رہے اور یہ ان ہیأت میں سے ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہے اور کبھی ترک کیا ہے اور دونوں میں سے ہر ایک سنت ہے، ان میں سے ہر ایک کو صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے، اور رفع الیدین کا مسئلہ ان مسائل میں سے ایک ہے جن میں دونوں فریق اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا اختلاف ہے اور ہر ایک کے پاس قوی دلیل ہے۔

میرے نزدیک ایسے مسائل میں حق یہ ہے کہ سب سنت ہیں اور اس کی نظیر وتر کو ایک رکعت کے ساتھ پڑھنا یا تین رکعت کے ساتھ پڑھنا ہے۔ اور جو شخص رفع الیدین کرتا ہے میرے نزدیک رفع الیدین نہ کرنے والے سے بہتر ہے کیونکہ رفع الیدین والی احادیث اکثر اور خوب ثابت ہیں، مگر ایسی صورتوں میں انسان کو مناسب نہیں ہے کہ

عنه ظن ان السنة المتقررة اخرا هو تركه لما تلقن من ان مبنى الصلاة على سكون الاطراف، ولم يظهر له ان الرفع فعل تعظيمي ولذلك ابتدا به في الصلاة اولما تلقن من انه فعل ينبئ عن الترك فلا يناسب كونه في اثناء الصلاة ولم يظهر له ان تجدد التنبه لترك ما سوى الله عند كل فعل اصل من الصلوٰة مطلوب والله اعلم ؛

قوله لا يفعل ذلك في السجود ؛

اقول القومة شرعت فارقة بين الركوع والسجود فالرفع معها رفع للسجود فلا معنى للتكرار، ويكبر في كل خفض ورفع للتنبيه المذكور وليسمع الجماعة فيتنبهوا للانتقال، ومن هيأت الركوع ان يضع راحتيه على ركبتيه، ويجعل اصابعه اسفل من ذلك كالقابض، ويجافي بيديه ويعتدل فلا يصبي رأسه ولا يقنع، ومن اذكاره سبحانك اللهم ربنا وبحمدك واللهم اغفرلي، وفيه العمل بقوله تعالى فسبح بحمد ربك واستغفره

ومنها سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح، ومنها

اپنے شہر کے عوام کا فتنہ اپنے اوپر لیوے، اسی کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضہ سے فرمایا" اگر تیری قوم کو کفر ترک کئے تھوڑا زمانہ نہ ہوا ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم کی بنیاد کے موافق بناتا۔ اور کچھ بعید نہیں ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا ہو کہ اخیر میں سنت متقررہ رفع الیدین کا ترک کرنا ہے کیونکہ انہوں نے خیال کیا کہ نماز کا مدار اعضاء کے سکون پر ہے اور ان کو یہ بات معلوم نہ ہوئی کہ رفع الیدین ایک تعظیمی فعل ہے اور اسی وجہ سے نماز کی ابتدا اس سے کی گئی، یا انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ رفع الیدین ایک ایسا فعل ہے جو ترک کو بتلاتا ہے پس اس کا اثناء نماز میں ہونا مناسب نہیں ہے اور وہ یہ بات نہ سمجھے کہ نماز کے ہر فعلِ مقصود کے وقت بار بار نفس کو ماسوا اللہ کے ترک پر متنبہ کرنا ایک امرِ مطلوب ہے واللہ اعلم ؛

یہ قول کہ " سجدہ میں جاتے وقت رفع الیدین نہ کرے۔

اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ قومہ رکوع اور سجود میں فرق کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے پس قومہ کے وقت رفع الیدین کرنا سجدہ کے لئے ہی رفع الیدین کرنا ہے پس اس کو دوبارہ کرنے کے کوئی معنی نہیں، ہر دفعہ جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہے تاکہ نفس کو تنبہ مذکور حاصل ہوتا رہے اور تاکہ جماعت کے لوگ تکبیر کو سنکر امام کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا معلوم کرتے رہیں، رکوع کی ہیأت میں سے یہ ہے کہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو ان سے نیچے رکھے جس طرح کسی چیز کو ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور دونوں کہنیوں کو بدن سے دور رکھے اور بدن کو برابر رکھے کہ سر کو نہ اٹھا ہوا رکھے اور نہ نیچے کو جھکا ہوا رکھے۔

اور رکوع کے اذکار میں یہ آیا ہے:- سبحانک اللہم ربنا وبحمدک اللہم اغفرلی، اور اس میں اللہ تعالیٰ

نے خلق الافراد والاشخاص من
الحیوان والنبات ان یکون ھنالک
شقان یضم کل واحد بالآخر ویجعلان
شیئا واحدا، وھو قولہ تعالی
والشفع والوتر اما الحیوان فشقاہ
معلومان، وربما تعرض الآفة
شقا دون شق کالفالج واما النبات
فالنواة والحبة فیھما شقان، واذا نبتت
الخامة فانما تنبت ورقتان کل
ورقة میراث احد شقی النواة
والحبة، ثم یتحقق النمو علی ذلک
النمط فانتقلت ھذہ السنة من
باب الخلق الی باب التشریع فی
حظیرة القدس لان التدبیر
فرع الخلق، وانعکس من ھنالک
فی قلب النبی صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم، فاصل الصلاة ھو
رکعة واحدة، ولم یشرع
اقل من رکعتین فی عامة الصلاة
وضمت کل واحدة بالاخری
وصارتا شیئا واحدا، قالت
عائشة رضی اللہ عنہا فرض اللہ
الصلاة حین فرضہا رکعتین
رکعتین فی الحضر والسفر فاقرت
صلاة السفر وزید فی صلاة
الحضر وفی روایة الا المغرب
فانہا کانت ثلاثا.
(قولہ الاصل فی عدد الرکعات
ان الواجب الذی لا یسقط بعال

تصور نہیں کر سکتی، اور غنیمت حاصل کرنے والے کے لئے
یہی غنیمت کبریٰ ہے، اور چونکہ تھوڑی سی نماز معتدبہ فائدہ
نہیں پہنچا سکتی تھی اور کثیر نماز کا قائم کرنا لوگوں پر گراں
تھا اس واسطے حکمت الٰہی کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ ان کے لئے
دو رکعت سے کم مقرر نہ کی جائے۔ پس دو رکعتیں نماز کا کم
سے کم درجہ قرار پایا اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "ہر دو رکعت کے بعد التحیات ہے"۔ اور یہاں
ایک دقیق راز ہے اور وہ یہ ہے کہ حیوانات اور نباتات
کے اشخاص اور افراد کے پیدا کرنے میں خدا تعالے
کی عادت اس طور پر جاری ہے کہ ہر فرد کے دو پہلو
ہوتے ہیں اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر دونوں کو
شئی واحد کر دیا جاتا ہے اس کے متعلق خدا تعالیٰ کا فرمان ہے۔
والشفع والوتر، پس حیوان کی دو طرفیں تو معلوم ہیں
اور بسا اوقات ایک جانب کو کوئی مرض لاحق ہو جاتا
اور دوسری جانب اس سے محفوظ رہتی ہے جیسے فالج کے
مرض میں ہوتا ہے، اور نباتات کے اندر گٹھلی اور تخم کی
دو طرف ہوتی ہیں اور جب پہلی شاخ پھوٹتی ہے تو اس کے
دو ہی پتے اگتے ہیں ہر ایک پتا دونوں گٹھلی اور تخم کی ایک
ایک جانب کی میراث ہوتا ہے پھر اسی طریق پر نشوونما
ہوتا رہتا ہے پس خدا تعالے کا یہ طریق حظیرۃ القدس اس
باب خلق سے باب تشریع کی طرف منتقل ہو گیا کیونکہ تدبیر
خلق کی فرع ہے اور حظیرۃ القدس سے نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کے قلب کے اندر اس کا فیضان ہوا پس اصل نماز
ایک رکعت ہے اور تمام نمازوں میں دو رکعت سے کم
مقدار مقرر نہیں ہوئی اور ہر رکعت دوسری رکعت کے
ساتھ ملکر دونوں بمنزلہ شئی واحد کے ہو گئیں، حضرت
عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ
نے نماز فرض کی تھی تو سفر اور حضر میں دو دو رکعت فرض
کی تھی پس سفر کی نماز بدستور رہی اور حضر کی نماز بڑھا دی

وإنما هو واحد في عشرة ركعة، وذلك لأنه اقتضت حكمة الله أن لا يشرع في اليوم والليلة إلا عدد مبارك متوسط لا يكون كثيرا جدا فيعسر إقامته على المكلفين جميعا ولا قليلا جدا فلا يفيد لهم ما يراد من الصلاة، وقد علمت فيما سلف أن الاحدعشر من بين الأعداد أشبهها بالوتر الحقيقي ثم لما هاجر النبي صلى الله عليه وسلم واستقر الإسلام وكثر أهله وتوفرت الرغبات في الطاعة زيدت ستة ركعات وابقيت صلاة السفر على الحد الأول، وذلك لأن الزيادة لا ينبغي أن تصل إلى مثل الشيء أو أكثر وكان المناسب أن يجعل نصف الأول لكن ليس لاحد عشر نصف بغير كسر لا بد أن خمسة وستة وبخمسة يصير عدد الركعات شفعا غير وتر، فتعينت الستة، وأما توزيع الركعات على الأعداد فمبني على آثار الأنبياء السابقين على ما يذكر في الأخبار، وأيضا فالمغرب آخر الصلاة من وجه لأن العرب يعدون الليالي قبل الأيام فناسب أن يكون الواحد الموتر للركعات فيها، ووقتها ضيق فلذا ناسب زيادة ما يزيد فيها أخرا ووقت الفجر وقت نوم وكسل فلم يزد

گئی ہے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے بجز مغرب کے کیونکہ وہ تین رکعات تھیں۔

میں کہتا ہوں تعداد رکعت میں اصل یہ ہے کہ فرض جو کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا وہ گیارہ رکعتیں ہیں اور یہ اس واسطے کہ حکمت الٰہی اس بات کی مقتضی ہوئی کہ دن اور رات میں کوئی ایسا مبارک متوسط عدد مقرر ہونا چاہیے جو نہ تو بہت زیادہ ہو جس کا ادا کرنا تمام مکلفین پر دشوار ہو جائے اور نہ بہت کم ہو جس سے نماز کا مقصود ہی لوگوں کو حاصل نہ ہو سکے اور سابق میں تم یہ بات جان چکے ہو کہ تمام اعداد میں سے گیارہ کا عدد طاق حقیقی کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے۔

پھر جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور اسلام کو استحکام ہو گیا اور اسلام کرنے والے بہت ہو گئے اور عبادت کرنے میں لوگوں کی رغبت بہت بڑھ گئی تو چھ رکعات اور زیادہ کر دی گئیں، اور سفر کی نماز بدستور باقی رہی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شئی پر زیادتی اس قدر نہیں ہونی چاہیے جو اصل شئی کے برابر ہو یا اس سے بڑھ جائے بلکہ مناسب یہ ہے کہ زیادتی اصل شئی کا نصف ہو لیکن گیارہ کا نصف بدون کسر کے نہیں ہوتا اس واسطے دو عدد قریب ہو سکتے تھے پانچ کا عدد اور چھ کا عدد، اور گیارہ میں پانچ زیادہ کرنے سے پورا عدد جفت ہو جاتا ہے طاق نہیں رہتا اس لئے چھ کو زیادہ کرنا متعین ہو گیا، اب رہا ہر عدد پر رکعات کو تقسیم کرنا تو وہ انبیاء سابقین کے آثار پر مبنی ہے جیسا کہ اخبار میں مذکور ہے، اور نیز چونکہ مغرب کی نماز ایک وجہ سے سب سے اخیر کی نماز ہے اس واسطے کہ عرب کے لوگ راتوں کو دنوں سے پہلے شمار کرتے ہیں پس ایک کے عدد کا جو پوری رکعات کو طاق کرنے والا ہے اسی میں پایا جانا مناسب ہوا، اور مغرب کا وقت چونکہ تنگ ہوتا ہے

سبحان ربي العظيم ثلاثا، و
منها اللهم لك ركعت وبك آمنت
وبك اسلمت خشع لك سمعي و
بصري ومخي وعظمي وعصبي، و
من هيآت القومة ان يستوي
قائما حتى يعود كل فقار مكانه،
وان يرفع يديه، ومن اذكارها
سمع الله لمن حمده، ومنها
اللهم ربنا لك الحمد حمدا
كثيرا طيبا مباركا فيه، وجاءت
زيادة ملء السموات وملء الارض
وملء ما شئت من شيء بعد، وزاد
في رواية اهل الثناء والمجد
احق ما قال العبد وكلنا لك عبد
اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي
لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك
الجد، ومنها اللهم طهرني بالثلج
والبرد والماء البارد، اللهم طهرني
من الذنوب والخطايا كما ينقى
الثوب الابيض من الدنس
واختلفت الاحاديث، ومذاهب
الصحابة والتابعين في قنوت
الصبح، وعندي ان القنوت
وتركه سنتان، ومن لم يقنت
الا عند حادثة عظيمة او كلمات
يسيرة اخفاء اقبل الركوع احب
الي لان الاحاديث شاهدة على
ان الدعاء على رعل وذكوان كان
اولا ثم ترك، وهذا وان لم

کے اس قول پر عمل پایا جاتا ہے "تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ
تسبیح کر اور اس سے بخشش طلب کر"

اور ان اذکار میں سے یہ ہے "سبوح قدوس
ربنا ورب الملائکۃ والروح" اور یہ ہے "سبحان
ربی العظیم" تین بار، اور یہ ہے اللھم لک رکعت
وبک آمنت وبک اسلمت خشع لک سمعی و
بصری ومخی وعظمی وعصبی،

اور قومہ کی یہ صورت ہے کہ سیدھا کھڑا ہو جائے
کہ ہر ہر جوڑ اپنی جگہ پر آجائے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے
اور قومہ کے اذکار یہ ہیں: سمع اللہ لمن حمدہ
اور اللھم ربنا لک الحمد حمداً کثیرا طیباً
مبارکا فیہ،

اور ایک روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی آیا ہے: ملء
السموات وملء الارض وملء ما شئت
من شیء بعد

اور ایک روایت میں یہ عبارت زائد ہے۔
اھل الثناء والمجد احق ما قال العبد
وکلنا لک عبد اللھم لا مانع لما اعطیت
ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک
الجد، اور قومہ کے اذکار میں سے یہ بھی ہے:-
اللھم طھرنی بالثلج والبرد والماء البارد، اللھم
طھرنی من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب
الابیض من الدنس،

صبح کی قنوت کے بارے میں احادیث اور صحابہ
وتابعین کے اقوال مختلف ہیں، اور میرے نزدیک
قنوت اور ترک قنوت دونوں سنت ہیں اور جو شخص
بڑے حادثہ کے وقت ہی قنوت پڑھے یا قنوت کے
چند کلمات رکوع سے پہلے آہستہ سے پڑھ لیا کرے تو
ایسا کرنا میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے کیونکہ احادیث

يدل على نسخ مطلق القنوت لكنها تومئ الى ان القنوت ليس سنة مستقرة، او نقول ليس وظيفة راتبة، وهو قول الصحابي اى بني محدث يعني المواظبة عليه وكان النبي صلى الله عليه وسلم وخلفاؤه اذا نابهم امر دعوا للمسلمين وعلى الكافرين بعد الركوع او قبله ولم يتركوه بمعنى عدم القول عند النائبة ومن هيأت السجود ان يضع ركبتيه قبل يديه ولا يبسط ذراعيه انبساط الكلب ويجافي يديه حتى يبدو بياض ابطيه ويستقبل باطراف اصابع رجليه القبلة ومن اذكاره سبحان ربي الاعلى ثلاثا ومنها سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفر لي، ومنها اللهم لك سجدت وبك امنت ولك اسلمت سجد وجهي للذي خلقه وصوره وشق سمعه وبصره فتبارك الله احسن الخالقين، ومنها سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح. ومنها اللهم اغفرلي ذنبي كله دقه وجله واوله واخره وعلانيته وسره ومنها اللهم اني اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك

اس بات پر شاہد ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً رعل اور ذکوان پر بددعا کی تھی اور پھر ترک کردی تھی اور اس سے اگرچہ قنوت کے بالکل منسوخ ہونے پر دلالت نہیں ہوتی لیکن اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ قنوت سنتِ مستقرہ نہیں ہے یا ہم کہتے ہیں کہ قنوت ہمیشہ کرنے کی چیز نہیں ہے چنانچہ ایک صحابی نے کہا تھا اے بیٹے یہ ایک نئی بات ہے یعنی ہمیشہ قنوت کرنا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء پر جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو رکوع کے بعد یا رکوع سے پہلے مسلمانوں کے لئے دعا اور کفار پر بددعا کرتے تھے اور اس کو کبھی ترک نہیں کیا بایں معنی کہ حادثہ پیش آنے پر آپ اس کو عمل میں نہ لائے ہوں،

اور سجدہ کرنے کی یہ صورت ہے کہ زمین پر ہاتھ رکھنے سے پیشتر اپنے دونوں گھٹنے ٹکائے اور کتے کی طرح اپنی باہیں زمین پر نہ پھیلائے اور اپنے دونوں بازوؤں کو بدن سے جُدا رکھے کہ اس کے بغلوں کی سفیدی نظر آسکے اور اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کی پوروں کو قبلہ کی طرف کو رکھے، اور سجدہ کے اذکار میں سے یہ ہے:۔ سبحان ربی الاعلے تین بار، اور ان اذکار میں سے یہ ہے:۔ سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی، اور ان اذکار میں سے یہ ہے:۔ اللھم لک سجدت وبک اٰمنت ولک اسلمت سجد وجھی للذی خلقہٗ وصورہ وشق سمعہ وبصرہ فتبارک اللہ احسن الخالقین،

اور ان اذکار میں سے یہ ہے:۔ سبوح قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح، اور ان اذکار میں سے یہ ہے:۔ اللھم اغفرلی ذنبی کلہ دقہ وجلہ واوّلہ واٰخرہ وعلانیتہ وسرہ،

اور ان اذکار میں سے یہ ہے:۔ اللھم انی اعوذ برضا

واعوذ بك منك لا احصى ثناءً
عليك انت كما اثنيت على نفسك
وانما قال صلى الله عليه وسلم
فاعنى على نفسك بكثرة السجود
لان السجود غاية التعظيم فهو
معراج المؤمن ووقت خلوص
ملكيته من اثر البهيمية، و
من مكن من نفسه للغاشية
الالهية فقد اعان مفيض الخير،
قوله صلى الله عليه وسلم امتى
يوم القيامة غرّ من السجود
محجلون من الوضوء.

اقول عالم المثال مبناه
على مناسبة الارواح بالاشباح
كما ظهر منع الصائمين عن
الاكل والجماع بالختم على الافواه
والفروج، ومن هيأت ما بين
السجدتين ان يجلس على
رجله اليسرى، وينصب اليمنى و
يضع راحتيه على ركبتيه، و
من اذكاره اللهم اغفرلى وارحمنى
واهدنى وعافنى وارزقنى، ومن
هيأت القعدة ان يجلس على
رجله اليسرى وينصب اليمنى،
وروى فى الاخيرة قدم رجله
اليسرى ونصب الاخرى وقعد
على مقعدته، وان يضع يده
على ركبتيه، وورد يلقم كفه
اليسرى ركبته وان يعقد ثلاثا

من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذ
بك منك لا احصى ثناءً عليك انت كما اثنيت
على نفسك.

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ بن کعب کو جبکہ انہوں
نے جنت میں آپ کے ساتھ ہونے کی درخواست کی تھی جو یہ
فرمایا "کثرت سجود سے اپنے نفس پر تو میری مدد کر"، تو یہ اس
لئے انہوں نے فرمایا تھا کہ سجدہ غایت درجہ کا تعظیمی فعل ہے پس
سجدہ مؤمن کی معراج ہے اور اس کی ملکیت کا بہیمیت کی
قید سے آزاد ہونے کا وقت ہے، اور جس نے اپنے اوپر
رحمت الٰہی کے نزول کو جگہ دی تو گویا اس نے مفیض الخیر یعنی
خدا تعالیٰ کی اعانت کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت
کے روز میری امت کی پیشانی سجدہ کی وجہ سے اور ان کے
دست و پا وضو کی وجہ سے روشن ہوں گے"۔

میں کہتا ہوں عالم مثال کا مبنیٰ ایک مناسبت پر ہے
جو ارواح و اجسام میں پائی جاتی ہے جس طرح عالم مثال
میں روزہ داروں کو کھانا کھانے سے روکنا اور جماع سے
روکنا شرم گاہ اور منہ پر مہر لگانے کی صورت میں ظاہر
ہوا اور دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھنے کی صورت
یہ ہے کہ اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے
اور دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے، اور اس
کے اذکار میں سے یہ ہے:- اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی
وعافنی وارزقنی،

اور قعدہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے بائیں پاؤں
پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے، اور قعدہ اخیرہ کے
اندر ایک روایت یہ بھی ہے کہ اپنے بائیں پاؤں کو باہر نکالے
اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے اور سرین پر بیٹھ جائے اور
دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھے اور یہ بھی آیا ہے کہ
بائیں ہاتھ سے گھٹنے کو پکڑ لے اور ترپن ۵۳ کی شکل بنا کر شہادت
کی انگلی سے اشارہ کرے اور یہ بھی مروی ہے کہ چھوٹی انگلی اور

وخمسين واشار بالسبابة، و
روى نبض ثنتين وحلق حلقة، و
السر في رفع الاصبع الاشارة الى
التوحيد ليتعاضد القول والفعل
ويصيرا لمعنى متمثلا متصورا، و
من قال ان مذهب ابي حنيفة رحمة
الله ترك الاشارة بالسبحة فقد
اخطا، ولا يعضده رواية ولا دراية
قاله ابن الهمام. نعم لم يذكره
محمد رحمه الله في الاصل، وذكره
في المؤطا، ووجدت بعضهم لا يميز
بين قولنا ليست الاشارة سنة
ظاهر المذهب، وقولنا المذهب
انها ليست، ومفاسد الجهل والتعصب
اكثر من ان تحصى، وجاء في التشهد
صيغ اصحها تشهد ابن مسعود رضي
الله عنه، ثم تشهد ابن عباس
وعمر رضي الله عنهما، وهي كاحرف
القرآن كلها شاف كاف، واصح صيغ
الصلاة اللهم صل على محمد وعلى
آل محمد كما صليت على ابراهيم
وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل
محمد كما باركت على ابراهيم
وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد
واللهم صل على محمد وازواجه وذريته
كما صليت على آل ابراهيم وبارك
على محمد وازواجه وذريته كما
باركت على آل ابراهيم انك حميد

اس کے پاس والی انگلی کو سمیٹ لے اور درمیان کی انگلی
اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ
کرے، اور شہادت کی انگلی اٹھانے میں راز یہ ہے کہ توحید
کی طرف اشارہ ہو تاکہ قول و فعل میں مطابقت ہو جائے
اور توحید کے معنی محسوس اور متشکل ہو جائیں، اور جو
شخص یہ کہتا ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب انگشت
شہادت سے اشارہ نہ کرنا ہے تو وہ شخص خطا پر ہے اور
اس کی اس بات پر نہ نقل شاہد ہے اور نہ عقل، یہ قول ابن
ہمام کا ہے ہاں! امام محمد رحمہ اللہ نے اس کو اپنی کتاب
مبسوط میں ذکر نہیں کیا اور مؤطا میں اس کو ذکر کیا ہے
اور میں نے بعض ایسے لوگوں کو پایا ہے کہ جن کو ہمارے اس
قول میں کہ ظاہر مذہب میں اشارہ نہیں ہے، اور ہمارے
اس قول میں کہ ظاہر مذہب اشارہ نہ کرنا ہے، کچھ بھی تمیز
نہیں ہے، اور جہل و تعصب کی خرابیاں بے شمار ہیں تشہد
کے اندر مختلف روایات وارد ہیں ان میں سے سب سے
زیادہ صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا تشہد ہے
اور اس کے بعد عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ
عنہما کا تشہد ہے اور وہ سب قرآن کی قراتوں کی طرح
ہیں کہ ہر ایک شافی اور کافی ہے،

اور درود کے کلمات میں صحیح تر یہ ہے:۔ اللھم صل
على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم
وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد۔ اللهم
بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت
على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد
مجيد، اور اللهم صل على محمد وازواجه وذريته
كما صليت على آل ابراهيم وبارك
على محمد وازواجه وذريته كما باركت
على آل ابراهيم انك حميد مجيد،

اور تشہد کے بعد چند دعائیں مروی ہیں۔ ازانجملہ

مجید، وقد ورد فی صیغ الدعاء فی التشہد اللہم انی اعوذ بک من عذاب جہنم واعوذ بک من عذاب القبر واعوذ بک من شر المسیح الدجال واعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات، وورد اللہم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم، وورد اللہم اغفر لی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت المؤخر لا الہ الا انت، ومن اذکار ما بعد الصلاۃ استغفر اللہ ثلاثا واللہم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر اللہم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ ولہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون، اللہم انی اعوذ بک من الجبن واعوذ بک من البخل واعوذ بک من ارذل العمر واعوذ بک من فتنۃ الدنیا وعذاب القبر، وثلاث وثلاثون تسبیحۃ، وثلاث وثلاثون تحمیدۃ واربع وثلاثون تکبیرۃ، وروی

اللہم انی اعوذ بک من عذاب جہنم واعوذ بک من عذاب القبر واعوذ بک من شر المسیح الدجال واعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات،

اور یہ دعا بھی وارد ہے:- اللہم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم،

اور یہ دعا بھی وارد ہے:- اللہم اغفر لی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت المؤخر لا الہ الا انت

اور نماز کے بعد کے اذکار یہ ہیں:- استغفر اللہ تین بار اور اللہم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر، اللہم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ ولہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون، اللہم انی اعوذ بک من الجبن واعوذ بک من البخل واعوذ بک من ارذل العمر واعوذ بک من فتنۃ الدنیا وعذاب القبر، پھر تینتیس ۳۳ بار سبحان اللہ اور تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھے، اور یہ بھی روایت ہے کہ ہر ایک کو تینتیس ۳۳ بار پڑھے اور اس کے بعد سو کے پورا کرنے کو لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اخیر تک پڑھے اور ہر ایک کا پچیس ۲۵ پچیس بار پڑھنا بھی مروی ہے، تین تو وہ اور چہارم لا الہ الا اللہ اخیر تک، اور ایک روایت یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ اور دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر

من كل ثلاث وثلاثون، وتمام
المائة لا اله الا الله وحده لا شريك
له الخ، وروي من كل خمس و
عشرون، والرابع لا اله الا الله، و
يروي يسبحون في دبر كل صلاة
عشرا ويحمدون عشرا ويكبرون
عشرا، وروي من كل مائة، و
الادعية كلها بمنزلة احرف القرآن
من قرأ منها شيا فاز بالثواب
الموعود، والاولى ان يأتي بهذه
الاذكار قبل الرواتب فانه جاء
في بعض الاذكار مايدل على ذلك
نصا كقوله من قال قبل ان ينصرف
ويثني رجليه من صلاة المغرب
والصبح لا اله الا الله الخ، وكقول الراوي
كان اذا سلم من صلاته يقول
بصوته الاعلى لا اله الا الله - الخ،
قال ابن عباس كنت اعرف
انقضاء صلاة رسول الله صلى الله
عليه وسلم بالتكبير، وفي
بعضها ما يدل ظاهرا كقوله دبر كل
صلاة واما قول عائشة كان اذا
سلم لم يقعد الا مقدار ما يقول
اللهم انت السلام فيحتمل وجوها
منها انه كان لا يقعد بهيئة الصلاة
الا هذا القدر ولكنه كان يتيامن
ويتياسر او يقبل على القوم بوجهه
فياتي بالاذكار لئلا يظن الظان ان
الاذكار من الصلاة، ومنها انه

پڑھے، اور ہر ایک کا سو مرتبہ پڑھنا بھی مروی ہے۔ اور
اور تمام دعاؤں کا حال قرآن کی قرأت کا سا ہے۔
ان میں سے جس کسی کو کوئی شخص پڑھے گا ثواب موعود
پائے گا، اور اولیٰ یہ ہے کہ ان اذکار کو نوافل سے قبل
پڑھ لیا کرے کیونکہ بعض اذکار میں ایسی چیز آئی ہے
جو ان کے قبل از نوافل پڑھنے پر صراحۃً دلالت کرتی
ہے۔ جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو کوئی
نماز سے پھرنے سے پیشتر اور نماز مغرب وصبح کے بعد
نشست بدلنے سے پہلے لا الہ الا اللہ اخیر تک پڑھے
اور جیسا کہ راوی نے بیان کیا نبی صلے اللہ علیہ
وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تھے تو باواز بلند
لا الہ الا اللہ اخیر تک پڑھتے تھے حضرت عبد اللہ
بن عباس نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا نماز سے فارغ ہونا تکبیر سے معلوم کرلیتا تھا، اور
بعض حدیثوں سے یہ بات بظاہر ثابت ہوتی ہے
جیسا کہ آپ نے فرمایا "ہر نماز کے بعد" اور حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ "جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نماز سے سلام پھیرتے تھے تو اس قدر بیٹھتے تھے جس میں
صرف اللھم انت السلام پڑھ لیں" کئی وجوہ کا احتمال
رکھتا ہے:۔

از انجملہ یہ ہے کہ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھتے
تھے لیکن اس کے بعد دائیں یا بائیں طرف پھر جاتے
تھے یا لوگوں کی طرف منہ کر لیتے تھے اور اذکار پڑھتے تھے
تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ اذکار بھی نماز میں داخل ہیں،
از آں جملہ یہ ہے کہ آپ گاہے گاہے سوائے ان
کلمات کے اور اذکار کو ترک کر دیتے تھے تا
لوگوں کو ان کا فرض نہ ہونا بتلا دیں، اور کان
مقتضی اس فعل کا بہت سی بار پایا جانا ہے نہ کہ ایک
یا دو بار، اور نہ ہی ہمیشہ کرنا اس کا مقتضی ہے۔

كان حينا بعد حين يترك الاذكار غير هذه الكلمات يعلمهم انها ليست فريضة، وانما مقتضى كان وجود هذا الفعل كثير الامرة ولا مرتين ولا المواظبة، والاصل في الرواتب ان يأتي بها في بيته، والسر في ذلك كله ان يقع الفصل بين الفرض والنوافل بما ليس من جنسهما، و ان يكون فصلا معتدا به يدرك ببادي الرأي، وهو قول عمر رضي الله عنه لمن اراد ان يشفع بعد المكتوبة اجلس فانه لم يهلك اهل الكتاب الا انه لم يكن بين صلاتهم فصل فقال النبي صلى الله عليه وسلم اصاب الله بك يا ابن الخطاب، و قوله صلى الله عليه وآله وسلم اجعلوها في بيوتكم والله اعلم۔

ما لا يجوز في الصلاة و سجود السهو والتلاوة

واعلم ان مبنى الصلاة على خشوع الاطراف وحضور القلب و كف اللسان الا عن ذكر الله وقراءة القرآن، فكل هيئة باينت الخشوع و كل كلمة ليست بذكر الله فان ذلك ينافي الصلاة لا تتم الصلاة الا بتركه والكف عنه لكن هذه الاشياء متفاوتة وما كل نقصان يبطل الصلاة بالكلية

اور نوافل میں اصل یہ ہے کہ اپنے گھر میں ادا کیا کرے اور اس میں سارا راز یہ ہے کہ فرض اور نوافل میں کسی ایسی چیز سے جو ان دونوں کی جنس سے نہیں ہے فصل ہو جائے اور وہ فصل بھی قابل اعتبار ہو جو بظاہر معلوم ہو سکے،

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے جو فرض نماز کے بعد نفل ملا کر پڑھنا چاہتا تھا یہ فرمایا "بیٹھ جا کیونکہ اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ ان کی نمازوں میں فصل نہیں تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب تجھ کو خدا تعالیٰ نے رائے صواب عطا کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" ان کو یعنی نوافل کو اپنے گھروں میں پڑھا کرو"

واللہ اعلم۔

ان چیزوں کا بیان جو نماز میں ناجائز ہیں، اور سجدۂ سہو اور سجدۂ تلاوت کا بیان

واضح ہو کہ نماز کی بنیاد خشوع اعضاء، حضور قلب اور سوائے ذکر اللہ کے اور چیزوں سے زبان کے روکنے اور قرآن شریف کے پڑھنے پر ہے، پس جو ہیئت خشوع کے خلاف ہے اور جو کلمہ ذکر الٰہی کے قبیل سے نہیں ہے وہ نماز کے منافی ہے کہ بغیر اس کو ترک کئے اور بغیر اس سے باز رہے نماز پوری نہیں ہوتی لیکن یہ چیزیں متفاوت ہیں اور ہر نقصان نماز کو بالکل باطل نہیں کرتا، اور [illegible]

والتمييز بين ما يبطلها بالكلية
وبين ما ينقصها فى الجملة تشريع
موكول الى نص الشارع، وللفقهاء
فى ذلك كلام كثير، وتطبيق الاحاديث
الصحيحة عليه عسير، واوفق
المذاهب بالحديث فى هذا الباب
اوسعها ولا شك ان الفعل الكثير الذى
يتبدل به المجلس، والقول الكثير
الذى يستكثر جدا ناقص، فمن
الثانى قوله صلى الله عليه وسلم
ان هذه الصلاة لا يصلح فيها شئ من
كلام الناس انما هى التسبيح
والتكبير وقراءة القران، وتعليله
صلى الله عليه وسلم ترك رد السلام
بقوله ان فى الصلاة لشغلا، وقوله
صلى الله عليه وسلم فى الرجل
يسوى التراب حيث يسجد ان
كنت فاعلا فواحدة، ونهيه صلى الله
عليه وسلم عن الخصر وهو وضع
اليد على الخاصرة فانه راحة اهل
النار، يعنى هيئة اهل البلاء المتحيرين
المدهوشين، وعن الالتفات
فانه اختلاس يختلسه الشيطان
من صلاة العبد يعنى ينقص
الصلاة وينافى كماله، وقوله صلى
الله عليه وسلم اذا تثاءب احدكم
فى الصلاة فليكظم ما استطاع فان
الشيطان يدخل فى فيه؛
اقول يريد ان التثاؤب مظنة

بات کی تمیز کرنا کہ کون سی چیز نماز کو بالکل باطل کر دیتی ہے
اور کون سی اس میں فی الجملہ نقصان پیدا کرتی ہے ایک تشریع
ہے جو نص شارع کی طرف موکول ہے اور فقہاء کے درمیان
اس میں بہت کچھ بحث ہے، اور احادیث صحیحہ کی ان کے
کلام پر تطبیق مشکل ہے اور اس باب میں حدیث کے ساتھ
وہ مذہب زیادہ موافق ہے جس میں گنجائش زیادہ ہے،
اور اس میں شک نہیں کہ جس فعل کثیر سے مجلس بدل
جائے اور قول کثیر جو بہت زیادہ ہو نماز میں نقصان پیدا
کرتا ہے، قول کثیر کے متعلق یہ حدیث ہے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "اس نماز میں لوگوں کی بول چال میں سے کچھ
درست نہیں ہے وہ تو صرف تسبیح وتکبیر اور قرات قرآن ہے"
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب نہ دینے
کی وجہ یہ بیان فرمائی "بلا شک نماز میں نمازی کے لئے
ایک شغل ہے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے
فرمایا تھا جو اپنے سجدہ کی جگہ سے مٹی کو صاف کرتا تھا کہ "اگر
تو کرتا ہے تو ایک دفعہ کرلے" اور آپ نے خصر سے منع
فرمایا اور وہ پہلو پر ہاتھ رکھنا ہے کیونکہ وہ دوزخیوں کی
راحت ہے، یعنی یہ ان لوگوں کی ہیئت ہے جو مصیبت
میں مبتلاء متحیر و مدہوش ہوتے ہیں،
اور آپ نے ادھر ادھر دیکھنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ
اچکنا ہے کہ بندہ کی نماز میں سے شیطان اچک لیتا ہے
یعنی یہ فعل نماز کو ناقص کرتا ہے اور نماز کے کمال کے
منافی ہے، اور آپ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو نماز
میں جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کو روکے اس لئے
کہ شیطان اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے"
میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے. کہ
جمائی لینے میں اس بات کا احتمال ہے کہ مکھی وغیرہ
اس کے منہ میں چلی جائے جس سے اس کا
دل پریشان ہو جائے اور اصل مقصد سے

لدخول ذباب ونحوه مما يشوش خاطره ويصده عما هو بسبيله وقوله صلى الله عليه وسلم اذا قام احدكم الى الصلاة فلا يمسح الحصى فان الرحمة تواجهه، وقوله صلى الله عليه وسلم لا يزال الله تعالى مقبلا على العبد وهو في صلاته مالم يلتفت فاذا التفت اعرض عنه، وكذا ما ورد من اجابة الله للعبد في الصلاة ؛

اقول هذا اشارة الى ان جود الحق عام فائض وانه انما تتفاوت النفوس فيما بينها باستعدادها الجبلي اوالكسبي، فاذا توجه الى الله فتح له باب من جوده، واذا اعرض حرمه بل استحق العقوبة باعراضه، قوله صلى الله عليه وسلم العطاس والنعاس والتثاؤب في الصلاة والحيض والقئ والرعاف من الشيطان ؛

اقول يريد انها منافية لمعنى الصلاة ومبناها، واما الاول فان النبي صلى الله عليه وسلم قد فعل اشياء في الصلاة بيانا للشرع، و قرر على اشياء فذلك وما دونه لا يبطل الصلاة، والحاصل من الاستقراء ان القول اليسير مثل العنك بلعنة الله ثلاثا، ويرحمك الله، ويا ثكل اماه، وما شانكم تنظرون الي، والبطش

اس کو روک دے، اور آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو ٹھیکریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے"۔ اور آپ نے فرمایا "جبتک بندہ نماز میں کسی اور طرف التفات نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے پس جب وہ کسی اور طرف التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا" اور اسی طرح وہ حدیث ہے جو نماز میں بندہ کو خدا تعالیٰ کے جواب دینے کے بارے میں وارد ہے

میں کہتا ہوں یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش تمام بندوں پر عام وفائض ہے اور اس کا بندوں میں متفاوت ہونا ان کی استعداد جبلی یا کسبی کے اعتبار سے ہے پس جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے لئے اس کی بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جب بندہ اس سے اعراض کرتا ہے تو اس سے محروم رہ جاتا ہے بلکہ اعراض کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نماز کے اندر چھینک، اونگھ اور جمائی لینا اور حیض قے اور نکسیر شیطان کی طرف سے ہے:

میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں نماز کے معنی اور اس کے مبنی کے منافی ہیں لیکن فعل کثیر، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر بہت سی چیزیں ان کی مشروعیت بیان کرنے کے واسطے کی ہیں اور بہت سی چیزوں کو جو لوگوں نے نماز کے اندر کی ہیں ثابت رکھا اور منع نہیں کیا پس ان سب افعال سے اور ان سے کم سے نماز باطل نہیں ہوتی، اور تلاش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑا سا کلام جیسے میں تجھ پر خدا کی لعنت کرتا ہوں، تین بار اور خدا تجھ پر رحم کرے اور تجھ کو تیری ماں روئے اور تمہارا کیا حال ہے جو تم میری طرف دیکھتے ہو، اور تھوڑا سا گرفت کرنا جیسے اپنے بچے کو کندھے سے اتار دینا یا اس پر سنبھالنا اور پاؤں کا دبانا اور جیسے دروازہ کا کھولنا اور تھوڑا چلنا جیسے منبر کی سیڑھیوں سے اتر کر اس کے نیچے سجدہ کے لئے آنا اور امام کی جگہ سے

اليسير مثل وضع صبيته من
العاتق ورفعها وغمز الرجل، ومثل
فتح الباب، والمشي اليسير كالنزول
من درج المنبر الى مكان ليتأتى منه
السجود في اصل المنبر والتأخر من
موضع الامام الى الصف، والتقدم
الى الباب المقابل ليفتح، والبكاء
خوفا من الله، والاشارة المفهمة
وقتل الحية والعقرب، واللحظ
يمينا وشمالا من غير لي العنق
لا يفسد، وان تعلق القذر بجسده
او ثوبه اذا لم يكن بفعله او كان لا
يعلمه لا يفسد هذا والله اعلم
بحقيقة الحال ؛

وسن رسول الله صلى الله عليه
وسلم فيما اذا قصر الانسان في
صلاته ان يسجد سجدتين تداركا
لما فرط ففيه شبه القضاء وشبه
الكفارة، والمواضع التي ظهر فيها
النص اربعة، الاول قوله صلى الله
عليه وسلم اذا شك احدكم في
صلاته ولم يدر كم صلى ثلاثا او
اربعا فليطرح الشك وليبن على ما
استيقن، ثم يسجد سجدتين
قبل ان يسلم فان كان صلى خمسا
شفعها بهاتين السجدتين وان
كان صلى تماما لاربع كانتا ترغيما
للشيطان، اي زيادة في الخير، وفي
معناه الشك في الركوع والسجود، الثاني

ہٹ کر صف میں آنا اور سامنے کے دروازہ کی طرف جا کر اس کو
کھولدینا اور خدا کے خوف سے رونا اور اشارہ کرنا جس سے کچھ
سمجھا جائے اور سانپ بچھو کا مار ڈالنا اور بغیر گردن موڑنے کے
دائیں بائیں دیکھنا، ان میں سے کوئی چیز نماز کو باطل نہیں کرتی
اور اسی طرح اس کے بدن یا کپڑے کو ناپاکی لگ جانا جبکہ
وہ اس کے فعل سے نہ لگی ہو یا اس کو ناپاکی کا علم نہ ہو نماز
کو فاسد نہیں کرتا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس صورت
میں جب کہ انسان اپنی نماز میں کوئی قصور کرے
دو سجدے کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کی کوتاہی
کی تلافی ہو جائے پس اس کو قضاء کے ساتھ
بھی مناسبت ہے اور کفارہ کے ساتھ بھی
مناسبت ہے۔

اور وہ مواضع جن میں نص حدیث سے سجدہ
کرنا ثابت ہے چار ہیں، اول یہ ہے کہ نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو نماز میں
شک ہو اور اس کو معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں تین یا چار تو وہ
شک کی بات کو دور کرے اور جس مقدار پر یقین ہے اس پر نماز کی
پھر سلام پھیرنے سے پیشتر دو سجدے کرے پس
اگر اس نے پانچ پڑھی ہیں تو وہ ان دونوں سجدوں
ان کو شفع کرے گا۔ اور اگر اس نے پڑھ کر چار کو پورا
کیا ہے تو یہ دونوں سجدے شیطان کے لئے سزا
ہیں" یعنے نیکی میں زیادتی ہے، اور رکوع اور سجود
میں شک کرنا بھی اسی حکم میں ہے،

دوم یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ظہر
پانچ رکعت پڑھی پس آپ نے سلام کے بعد
دو سجدے کئے، نماز کے اندر کسی رکن کا بڑھ جانا
ایسا ہی ہے جیسے رکعت کا زیادہ ہو جانا۔

انه صلى الله عليه وسلم صلى الظهر
خمسا فسجد سجدتين بعد ما
سلم، وفي معنى زيادة الركعة زيادة
الركن، الثالث انه صلى الله عليه وسلم
في ركعتين فقيل له في ذلك فصلى ما
ترك ثم سجد سجدتين، وايضا
روي انه سلم وقد بقي عليه ركعة
بمثله، وفي معناه ان يفعل سهوا
ما يبطل عمده، الرابع انه صلى الله
عليه وسلم قام في الركعتين لم
يجلس حتى اذا قضى الصلاة سجد
سجدتين قبل ان يسلم، وفي معناه
ترك التشهد في القعود، قوله
صلى الله عليه وسلم اذا قام الامام
في الركعتين فان ذكر قبل ان
يستوي قائما فليجلس وان استوى
قائما فلا يجلس ويسجد سجدتي
السهو؛

اقول وذلك انه اذا قام فات
موضعه فان رجع لا احكم ببطلان
صلاته، وفي الحديث دليل على
ان من كان قريب من الاستواء ولما
يستو فانه يجلس خلافا لما عليه
العامة؛

ورسن رسول الله صلى الله عليه
وسلم لمن قرأ اية فيها امر بالسجود
او بيان ثواب من سجد وعقاب
من ابى عنه ان يسجد تعظيما لكلام
ربه ومسارعة الى الخير، وليس منها

سوم یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت
پڑھ کر سلام پھیر دیا پس کسی صحابی نے اس کے بارے میں
آپ سے عرض کیا تو جو رکعات رہ گئی تھیں وہ آپ
نے پڑھ لیں پھر دو سجدے کر لئے، اور یہ بھی مروی ہے
کہ آں حضرتؐ نے سلام پھیر دیا اور آپ کی ایک
رکعت باقی تھی پھر اس کی بابت کسی نے عرض کیا تو آپ
نے ایسا ہی کیا، اور جس فعل کا عمداً کرنا نماز کو باطل
کر دیتا ہے اس کا سہواً کرنا اسی حکم میں ہے،

چہارم یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم دو رکعت کے
بعد بجائے بیٹھنے کے کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ جب آپ
نماز پوری کر چکے تو سلام پھیرنے سے پہلے آپ نے
دو سجدے کر لئے، قعدہ کے اندر تشہد کا نہ پڑھنا
بھی اسی حکم میں ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جب امام دو رکعت میں کھڑا ہو جائے پس اگر سیدھا کھڑے ہونے سے پیشتر اسکو
یاد آجائے تو بیٹھ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہو جائے تو نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کرلے"

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ کھڑا
ہو گیا تو قعدہ فوت ہو گیا پس اگر وہ لوٹ آئے
تو میں اس کے بطلان نماز کا حکم نہیں دیتا اور حدیث
میں اس امر پر دلیل ہے کہ جو سیدھا ہونے کے قریب
ہو اور ہنوز سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو تو وہ بیٹھ جائے اور یہ عام
فقہاء کے خلاف ہے،

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے جو
ایسی آیت پڑھے جس میں سجدہ کا حکم ہے یا سجدہ کرنیوالے
کے ثواب اور اس کے منکر کے عذاب کا بیان ہے یہ حکم
فرمایا کہ اپنے رب کے کلام کی تعظیم کے اور خیر کی طرف سرعت
کرنے کے لئے سجدہ کرے، اور جن مواضع میں ملائکہ کو حضرت
آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کرنے کا حکم ہے وہ ان
میں سے نہیں ہے کیونکہ کلام، اللہ تعالےٰ کے لئے سجدہ
کرنے میں ہے۔ اور جن آیات میں نص سے سجدہ

مواضع سجود الملائکۃ لآدم علیہ السلام لان الکلام فی السجود للہ تعالیٰ، والآیات التی ظھر فیھا النص اربع عشرۃ آیۃ اوخمس عشرۃ، وبین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انھا مستحبۃ ولیست بواجبۃ علیٰ رأس المنبر، فلم ینکر السامعون وسلموا لہ، وتاویل حدیث سجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالنجم وسجد معہ المسلمون والمشرکون والجن والانس، عندی ان فی ذلک الوقت ظھر الحق ظھورا بینا فلم یکن لاحد الا الخضوع والاستسلام، فلما رجعوا الی طبیعتھم کفر من کفر واسلم من اسلم، ولم یقبل شیخ من قریش تلک الغاشیۃ الالٰھیۃ لقوۃ الختم علی قلبہ الا بان رفع التراب الی الجبھۃ فعجل تعذیبہ بان قتل ببدر،

ومن اذکار سجدۃ التلاوۃ سجد وجھی للذی خلقہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہ وقوتہ، ومنھا اللھم اکتب لی بھا عندک اجرا وضع بھا عنی وزرا واجعلھا لی عندک ذخرا وتقبلھا منی کما تقبلتھا من عبدک داؤد؛

کرنا ثابت ہے وہ چودہ یا پندرہ آیات ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر یہ بیان کیا کہ یہ سجدہ مستحب ہیں اور واجب نہیں ہیں پس سامعین میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا بلکہ سب نے ان کا قول تسلیم کرلیا،

اور اس حدیث کی تاویل کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ تمام مسلمان اور مشرکین اور جن اور انس نے سجدہ کیا، میرے نزدیک یہ ہے کہ اس وقت میں حق خوب ظاہر اور روشن ہوگیا تھا پس کسی کو سوائے نیازمندی اور تابعداری کے کچھ چارہ نہ تھا پس جب وہ اپنی اپنی طبیعت کی طرف آئے تو جو کافر تھا وہ کافر ہو گیا اور جو مسلمان تھا وہ مسلمان رہا۔،

اور ایک بوڑھے قریشی نے اس رحمت عامۃ کو اس وجہ سے قبول نہیں کیا کہ اس کے دل پر مضبوط مہر لگی ہوئی تھی اور بجائے سجدہ کرنے کے مٹی اٹھا کر پیشانی تک لے گیا پس اس کو جلدی یہ سزا ملی کہ جنگ بدر میں مارا گیا

اور سجدۂ تلاوت کے اذکار میں سے یہ ہے:

سجد وجھی للذی خلقہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہ وقوتہ،

اور از اں جملہ یہ ہے:۔ اللھم اکتب لی بھا عندک اجراً وضع بھا عنی وزراً واجعلھا لی عندک ذخراً وتقبلھا منی کما تقبلتھا من عبدک داؤد؛

النوافل

لما کان من الرحمۃ المرعیۃ فی الشرائع ان یبین لھم مالا بد منہ وما یحصل بہ فائدۃ الطاعۃ

نوافل کا بیان؛

جبکہ اس رحمت کا جس کا شرائع کے اندر لحاظ رکھا گیا ہے مقتضی یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ضروری چیزیں بیان کر دی جائیں اور وہ چیزیں بھی بتلا دی جائیں جن سے

كاملة ليأخذ كل انسان حظه ويتمسك
المشغول والمقبل على الارتفاقات بما
لا بد منه ويؤدى الفارغ المقبل على
تهذيب نفسه واصلاح آخرته الكامل
توجهت العناية التشريعية الى
بيان صلوات يتنفلون بها وتوقيتها
باسباب واوقات تليق
بها وان يحث عليها ويرغب فيها
ويفصح عن فوائدها والى ترغيبهم
فى الصلاة النافلة غير الموقتة اجمالا
الا عند مانع كالاوقات المنهية
فمنها رواتب الفرائض والاصل
فيها ان الاشغال الدنيوية لما كانت
منسية ذكر الله صادة عن تدبر
الاذكار وتحصيل ثمرة الطاعات
فانها تورث اخلادا الى الهيئة البهيمية
وقسوة ردهشا للملكية، وجب ان
يشرع لهم مصقلة يستعملونها قبل
الفرائض ليكون الدخول فيها على حين
صفاء القلب وجمع الهمة، وكثيرا
ما لا يصلى الانسان بحيث يستوفى
فائدة الصلاة، وهو المشار اليه
فى قوله صلى الله عليه وسلم كم من
مصل ليس له من صلاته الا
نصفها او ثلثها او ربعها، فوجب ان
يسن بعدها صلاة تكملة للمقصود
واكدها عشر ركعات او اثنتا
عشرة ركعة متوزعة على الاوقات،
وذلك انه اراد ان يزيد بعد الركعات

طاعت کا پورا پورا فائدہ ان کو حاصل ہو سکے تاکہ ہر شخص
اپنا حصہ حاصل کر سکے اور جو شخص دنیوی کاروبار میں
مصروف رہتا ہے وہ ضروری باتوں کو اپنے ذمہ لازم
کرلے۔ اور جو شخص دنیوی کاروبار سے فارغ ہے اور اپنے نفس
کی اصلاح اور آخرت کی اصلاح چاہتا ہے وہ کامل طور سے
ان عبادات کو ادا کرے اسواسطے عنایت تشریعیہ اس
طرف متوجہ ہوئی کہ ان کے لئے نفل نمازیں اور ان کے اوقات
کی پابندی ان اسباب اور اوقات کے ساتھ بیان
کردیجائے جو ان نمازوں کے مناسب ہے اور لوگوں کو
ان پر ابھارا جائے اور ان کی ترغیب دیجائے اور ان
کے فوائد بیان کئے جائیں اور اس نفل نماز کی بھی اجمالاً
ترغیب دی جائے جس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں، مگر
جب کہ کوئی مانع موجود ہو جیسے وہ اوقات جن میں نماز
کا پڑھنا منع ہے، پس منجملہ ان نوافل کے وہ نوافل ہیں
جو فرائض کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، اور ان میں اصل
یہ ہے کہ اشغال دنیویہ چونکہ ذکر الٰہی کو بھلاتے ہیں اور
اذکار کے اندر تدبر کرنے سے اور عبادات کا ثمرہ
حاصل کرنے سے روکتے ہیں کیونکہ ان اشغال سے
ہیئت بہیمیہ کا جماؤ سخت دلی اور ملکیت کے لئے دباؤ
پیدا ہوتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ ان کے لئے کدورت
صاف کرنے والی شئ مشروع ہو جس کو فرائض سے پہلے
عمل میں لائیں تاکہ فرائض کے اندر ایسے وقت میں شروع
پایا جائے جبکہ قلب اشغال سے خالی ہو اور جمع خاطر ہو
اور لبسا اوقات انسان نماز پڑھتا ہے اور اس کو پورا
فائدہ حاصل نہیں ہوتا چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے
اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے " بہت سے نمازیوں
کو ان کی نماز سے صرف نصف، تہائی، چوتھائی ثواب ملتا
ہے۔" پس ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد مقصود کی تکمیل
کے لئے اور نماز مقرر کی جائے، اور ان سب سنن میں

الاصلية، وهي احدى عشرة لكنها شفع، فاختار احد العددين،

قوله صلى الله عليه وسلم بنى له بيت في الجنة ؛

اقول هذا اشارة الى انه مكن من نفسه لحظ عظيم من الرحمة

قوله صلى الله عليه وسلم ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها ؛

اقول انما كانتا خيرا منها لان الدنيا فانية ونعيمها لا يخلو عن كدر النصب والتعب وثوابهما باق غير كدر، قوله صلى الله عليه وسلم من صلى الفجر في جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كاجر حجة وعمرة ؛

اقول هذا هو الاعتكاف الذي سنه رسول الله صلى الله عليه وسلم كل يوم، وقد مر فوائد الاعتكاف.

قوله صلى الله عليه وسلم في اربع قبل الظهر تفتح لهن ابواب السماء وقوله صلى الله عليه وسلم انها ساعة تفتح فيها ابواب السماء فاحب ان يصعد لي فيها عمل صالح وقوله صلى الله عليه وسلم ما من شيء الا يسبح في تلك الساعة ؛

اقول قد ذكرنا من قبل ان المتعالي عن الوقت له تجليات في الاوقات، وان الروحانية تنتشر

مؤکد دس یا بارہ رکعات ہیں جو اوقات پنجگانہ پر منقسم ہیں اور یہ اس لئے کہ جس قدر اصل رکعات ہیں اسی قدر زیادہ کرنا مقصود ہوا اور وہ گیارہ رکعات ہیں لیکن وہ شفع ہیں، پس دو عددوں میں سے ایک عدد اختیار کر لیا

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے بارہ رکعت رات دن میں پڑھیں اس کے لئے جنت میں گھر بنایا گیا"

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے اپنے لئے رحمت کا ایک بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صبح کی دو رکعتیں دنیا وما فیہا سے بہتر ہیں"

میں کہتا ہوں دو رکعتوں کے بہتر ہونے کا سبب یہ ہے کہ دنیا فانی ہے اور اس کی نعمتیں رنج و مصیبت کی کدورتوں سے خالی نہیں ہیں اور ان دو رکعتوں کا ثواب ایسا باقی ہے جو مکدر نہیں ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے جماعت سے صبح کی نماز پڑھی پھر طلوع آفتاب تک بیٹھا ذکر الٰہی کرتا رہا پھر دو رکعت پڑھی تو اس کو حج اور عمرہ کے برابر ثواب ملے گا"

میں کہتا ہوں یہ وہ اعتکاف ہے جو ہر دن کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسنون فرمایا ہے اور اعتکاف کے فوائد پہلے بیان ہو چکے ہیں، ظہر سے پہلے چار رکعت کے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں" اور آپ نے فرمایا "وہ ایسی ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں پس میں چاہتا ہوں میرے نیک عمل آسمانوں میں چڑھیں" اور آپ نے فرمایا "ہر چیز اس وقت تسبیح کرتی ہے"

في بعض الاوقات فراجع هذا الفصل، و
انما سن اربع بعد الجمعة لمن
صلاها في المسجد وركعتان بعدها
لمن صلاها في بيته لئلا يحصل مثل
الصلاة في وقتها ومكانها في اجتماع
عظيم من الناس، فان ذلك يفتح على
العوام ظن الاعراض عن الجماعة
ونحو ذلك من الاوهام، وهو امره
صلى الله عليه وآله وسلم ان لا
يوصل صلاة بصلاة حتى يتكلم او يخرج،
وروى اربع قبل العصر وست بعد
المغرب ولم يسن بعد الفجر لان
السنة فيه الجلوس في موضع الصلاة
الى صلاة الاشراق فحصل المقصود،
ولان الصلاة بعده تفتح باب المشابهة
بالمجوس ولا بعد العصر للمشابهة
المذكورة، ومنها صلاة الليل:

اعلم انه لما كان آخر الليل وقت
صفاء الخاطر عن الاشغال المشوشة
وجمع القلب وهدء الصوت ونوم
الناس وابعد من الرياء والسمعة،
وافضل اوقات الطاعة ما كان فيه
الفراغ واقبال الخاطر، وهو قوله صلى
الله عليه وسلم وصلوا بالليل و
الناس نيام، وقوله تعالى ان ناشئة
الليل هي اشد وطئا واقوم قيلا
ان لك في النهار سبحا طويلا، و
ايضا فذلك الوقت وقت نزول
الرحمة الالهية واقرب ما يكون

میں کہتا ہوں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس ذات کی
جو وقت کی قید سے پاک ہے خاص خاص اوقات میں تجلیات
ہوتی ہیں اور بعض اوقات میں تمام عالم میں روحانیت
پھیلتی ہے پس اس فصل کی طرف رجوع کیجئے،

اور جمعہ کے بعد اس شخص کے لئے جو مسجد میں پڑھے
چار رکعتیں اور اس شخص کے لئے جو گھر میں پڑھے دو
رکعتیں اس لئے مسنون ہیں کہ مجمع عام میں جمعہ کی نماز
کے ہی وقت میں اور اس کی جگہ میں جمعہ کی نماز کے
مثل کوئی اور نماز نہ پائی جائے کیونکہ اس سے عوام کو
جماعت سے اعراض کا گمان اور اسی طرح کے اوہام پیدا
ہوتے ہیں اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا
کہ کوئی نماز دوسری نماز کے ساتھ نہ ملائی جائے
جب تک کہ کلام نہ کرلے یا باہر نہ آجائے، اور عصر سے
پہلے چار رکعتیں اور مغرب کے بعد چھ رکعتیں مروی
ہیں، اور فجر کے بعد کوئی سنت نہیں ہے کیونکہ اس
وقت نماز کی جگہ اشراق کی نماز تک بیٹھنا مسنون
ہے پس اس سے مقصود حاصل ہوگیا، اور یہ بات
بھی ہے کہ اس کے بعد نماز پڑھنے سے مجوس کے
ساتھ مشابہت کا دروازہ کھلتا ہے اور اسی مشابہت
کی وجہ سے عصر کے بعد بھی کوئی نماز مسنون نہ ہوئی
اور از انجملہ رات کے نوافل ہیں،

واضح ہو کہ رات کا اخیر وقت ایسا وقت ہے جس
میں تمام اشغال مشوشہ سے قلب کو صفائی اور دل کو
جمعیت ہوتی ہے اور شور وغل سے خموشی ہوتی ہے۔ اور
لوگ سوتے ہوتے ہیں اور اس وقت میں ریا کاری اور
سمعہ نہیں ہوتا اور نماز کے لئے بہترین وقت وہ ہے جس
میں قلب کو فراغت ہو اور دل اللہ تعالے کی طرف
متوجہ ہو چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں "رات کو اس وقت نماز پڑھو کہ

الرب الی العبد فیه، وقد ذکرنا من
قبل، وایضا للسهر خاصیة عجیبة
فی اضعاف البهیمیة وهو بمنزلة التریاق
ولذلك جرت عادة طوائف الناس
انهم اذا ارادوا تسخیر السباع و
تعلیمها الصید لم یستطیعوه الا من
قبل السهر، والجوع، وهو قوله صلی
الله علیه وسلم ان هذا السهر جهد
وثقل الحدیث كانت العنایة بصلاة
التهجد اكثر فبین النبی صلی الله علیه
وسلم فضائلها وضبط آدابها واذكارها

قوله صلی الله علیه وسلم یعقد
الشیطان علی قافیة رأس احدكم
اذا هو نام ثلاث عقد الحدیث

اقول الشیطان یلقی ذالیة النوم
ویوسوس الیه ان اللیل طویل
ووسوسة تلك اكیدة شدیدة
لا تنقشع الا بتدبیر بالغ یندفع
به النوم وینفتح به باب من
التوجه الی الله، فلذلك سن ان یذكر
الله اذا هب وهو یمسح النوم عن
وجهه، ثم یتوضأ ویتسوك، ثم
یصلی ركعتین خفیفتین ثم یطول
بالآداب والاذكار ما شاء وانی جربت
تلك العقد الثلاث وشاهدت ضربها
وتاثیرها علی حینئذ بانه من
الشیطان وذكری هذا الحدیث. قوله
صلی الله علیه وسلم رب كاسیة
فی الدنیا ای باصناف اللباس

لوگ سوتے ہوں؛ اور اللہ تعالے نے فرمایا ہے
"بے شک رات کا اٹھنا نفس بہیمی کو سخت پامال کرتا
ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے
بے شک دن کے وقت تمہیں اور بہت سے شغل ہوتے
ہیں"

اور یہ بھی ہے کہ وہ وقت نزول رحمت کا وقت
ہوتا ہے اور اس وقت میں رب کو بندے سے
نہایت قرب ہوتا ہے جیسا کہ ہم اس کو پہلے بیان
کر چکے ہیں،

اور یہ بھی ہے کہ اس وقت کی بیداری میں قوت
بہیمیہ کے ضعیف کرنے کے لئے ایک عجیب خاصیت
ہے اور وہ بمنزلہ تریاق کے ہے اور اسی لئے تمام لوگوں
کا دستور ہے کہ جب وہ درندوں کو تابع کرنا چاہتے
ہیں اور ان کو شکار کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو وہ بغیر
نیند سے باز رکھے اور بغیر بھوکا رکھے نہیں کر سکتے چنانچہ
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک اس جاگنے
میں مشقت اور گرانی ہے" الحدیث، اس واسطے تہجد
کی نماز کی طرف شارع کو بہت اہتمام ہوا، پس
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے فضائل بیان
فرمائے۔ اور اس کے آداب واذکار منضبط کر دیے

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جب
کوئی شخص سوتا ہے تو شیطان اس کی گردن پر تین
گرہیں لگا دیتا ہے" الحدیث،

میں کہتا ہوں شیطان اس کے دل میں نیند کی لذت
ڈالتا ہے اور اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے
کہ ابھی رات بڑی ہے اور اس کا یہ وسوسہ بہت مضبوط ہوتا
ہے اور بغیر ایسی تدبیر بلیغ کے جس سے نیند دفع ہو اور جس سے
خدا کی طرف توجہ کا دروازہ کھلے وہ وسوسہ دور نہیں ہوتا
اس واسطے یہ بات مسنون کی گئی کہ جب خواب سے بیدار

عارية فى الآخرة، اى جزاء اوفاقاً لخلو نفسها من الفضائل النفسانية.

قوله صلى الله عليه وسلم ماذا انزل الحديث .

اقول هذا دليل واضح على تمثل المعانى ونزولها الى الارض قبل وجودها المحسوس، قوله صلى الله عليه وسلم ينزل ربنا تبارك وتعالى الى السماء الدنيا الحديث، قالوا هذا كناية عن تهيؤ النفوس لاستنزال رحمة الله من جهة هدء الاصوات الشاغلة عن الحضور وصفاء القلب من الاشغال المشوشة والبعد من الرياء، وعندى انه مع ذلك كناية عن شئ متجدد يستحق ان يعبر عنه بالنزول، وقد اشرنا الى شئ من هذا، ولهذين السرين قال النبى صلى الله عليه وسلم اقرب ما يكون الرب من العبد فى جوف الليل الأخر، وقال ان فى الليل لساعة لا يوافقها عبد مسلم يسأل الله فيها خيرا الا اعطاه، وقال عليكم بقيام الليل فانه داب الصالحين قبلكم وهو قربة لكم الى ربكم مكفرة للسيأت منهاة عن الاثم .

قد ذكرنا اسرار التكفير والنهى عن الاثم وغيرهما فراجع قوله صلى الله عليه وسلم من اوى الى فراشه طاهرا يذكر الله حتى يدركه

ہو اور آنکھیں ملے تو ذکر الٰہی کرے اور اس کے بعد وضو کرے اور مسواک کرے پھر ہلکی سی دو رکعت پڑھے بعد ازاں آداب و اذکار سے جس قدر چاہے پڑھتا رہے، اور میں نے ان تین گرہوں کا تجربہ کیا ہے اور ان گرہوں کے کھلنے کو اور ان کی تاثیر کو دیکھا ہے اس کے ساتھ ساتھ میں اس وقت یہ جانتا تھا کہ وہ شیطان کی طرف سے ہے اور اس وقت مجھ کو یہ حدیث بھی یاد تھی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا میں بہت سی پہننے والیاں یعنی طرح طرح کے لباس پہنتے والیاں آخرت میں ننگی ہوں گی"۔ یعنی فضائل نفسانیہ کے خالی ہونے کے سبب سے ان کو پوری جزا ملے گی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ آپ رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوئے "دیکھو آج کی رات آسمان سے کیسے کیسے خزانے اتارے گئے"۔

الحدیث،

میں کہتا ہوں یہ اس بات پر صریح دلیل ہے کہ معانی متشکل ہوتے ہیں اور اپنے وجود حسی سے پیشتر زمین کی طرف نازل ہوتے ہیں،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے" الحدیث،

علماء کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ آوازوں کے سکون کی وجہ سے جو حضور قلب میں خلل انداز ہوتی ہیں اور مشاغل مشوشہ سے دل کے صاف ہونے اور ریا کا احتمال نہ ہونے کے سبب سے اس وقت نفوس طلب نزول رحمت کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں، اور میرے نزدیک اس کے ساتھ ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ ہے جو قلب کے اندر پیدا ہوتی ہے جس کو نزول کے ساتھ تعبیر کیا جا سکتا ہے اور اس کی طرف کسی قدر ہم نے اشارہ بھی کر دیا ہے انہیں دو اسرار کی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اخیر شب میں اللہ تعالیٰ بندہ سے نہایت ہی قریب ہوتا ہے" اور آپ نے فرمایا بے شک رات میں

الناس لم ينقلب ساعة من
الليل يسأل الله شيئاً من الدنيا
والآخرة الا اعطاه ۞

اقول معناه من نام على حالة
الاحسان الجامع بين التشبه بالملكوت
والتطلع الى الجبروت لم يزل طول
ليلته على تلك الحالة وكانت
نفسه راجعة الى الله في عبادة المقربين
ومن سنن التهجد ان يذكر الله
اذا قام من النوم قبل ان يتوضأ، و
قد ذكر فيه صيغ، منها اللهم لك الحمد
انت قيم السموات والارض ومن
فيهن، ولك الحمد انت نور السموات
والارض ومن فيهن، ولك
الحمد انت ملك السموات والارض
ومن فيهن، ولك الحمد انت الحق
ووعدك الحق ولقاؤك حق وقولك
حق والجنة حق والنار حق والنبيون
حق ومحمد حق والساعة حق، اللهم
لك اسلمت وبك آمنت وعليك
توكلت واليك انبت وبك خاصمت
واليك حاكمت فاغفر لي ما قدمت
وما اخرت وما اسررت وما اعلنت
وما انت اعلم به مني انت المقدم وانت المؤخر
لا اله الا انت ولا اله غيرك، ومنها ان كبر الله عشرا
وحمد الله عشرا او قال سبحان الله وبحمده
عشرا، وقال سبحان الملك القدوس
عشرا واستغفر الله عشرا وهلل
الله عشرا ثم قال اللهم اني اعوذ بك

ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ اس وقت بندہ جو کچھ بھلائی اللہ
تعالیٰ سے مانگتا ہے وہ اس کو عطا کرتا ہے۔" اور آپ نے
فرمایا "شب میں اٹھنے کا التزام کرو کیونکہ یہ صالحین کی عادت
ہے جو تم سے پہلے تھے اور وہ تمہارے لئے تمہارے رب کی
جانب قریب ہے اور وہ تمہاری برائیوں کا دور کرنے والا
اور گناہ سے روکنے والا ہے۔

گناہوں کے دور کرنے اور ان سے باز رکھنے وغیرہ کے
اسرار ہم بیان کر چکے ہیں وہاں ان کو دیکھنا چاہیئے، نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے بستر پر باوضو
آئے اور ذکر الٰہی کرتے کرتے سو جائے تو رات کی جس ساعت
میں کروٹ لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت
کی کسی بھلائی کو مانگے گا اللہ اس کو عطا فرمائے گا۔"

میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ جو شخص احسان
کی حالت پر جو تشبّہ بالملکوت اور باری تعالیٰ کی کبریائی
پر تنبّہ کو جامع ہے، سوئے گا تو تمام رات اسی حالت
پر رہے گا، اور اس کا نفس عباد مقربین کے زمرہ میں
ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا، اور تہجد میں مسنون
یہ ہے کہ جب خواب سے بیدار ہو تو وضو کرنے سے
پہلے ذکر الٰہی کرے اور وہ ذکر الٰہی کئی طرح سے مروی ہے
از آں جملہ یہ ہے: اللهم لك الحمد انت قيم السموات
والارض ومن فيهن ولك الحمد انت نور السموات
والارض ومن فيهن ولك الحمد انت ملك السموات
والارض ومن فيهن، ولك الحمد انت الحق ووعدك
الحق ولقاؤك حق وقولك حق والجنة حق والنار حق
والنبيون حق ومحمد حق والساعة حق اللهم لك
اسلمت وبك آمنت وعليك توكلت واليك انبت
وبك خاصمت واليك حاكمت فاغفر لي ما
قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت
وما انت اعلم به مني انت المقدم وانت المؤخر

من ضيق الدنيا وضيق يوم القيامة
عشراً، ومنها لا اله الا انت سبحانك
اللهم وبحمدك واستغفرك
لذنبي واسألك رحمتك. اللهم
زدني علما ولا تزغ قلبي بعد اذ هديتني
وهب لي من لدنك رحمة انك
انت الوهاب، ومنها تلاوة ان في
خلق السموات والارض واختلاف
الليل والنهار لآيات لاولي الالباب
الى اخر السورة ثم يتسوك ويتوضأ
ويصلي احدى عشرة ركعة او
ثلاث عشرة ركعة منها
الوتر؛

ومن آداب صلاة الليل

ان يواظب على الاذكار التي
سنها رسول الله صلى الله عليه
وسلم في اركان الصلاة وان
يسلم على كل ركعتين، ثم يرفع
يديه يقول يا رب يا رب يبتهل
في الدعاء، وكان في دعائه صلى الله
عليه وسلم اللهم اجعل في قلبي
نورا وفي بصري نورا وفي سمعي نورا
وعن يميني نورا وعن يساري
نورا وفوقي نورا وتحتي نورا وامامي
نورا وخلفي نورا واجعل لي نورا،
وقد صلاها النبي صلى الله عليه
وآله وسلم على وجوه، ولكل سنة
والاصل ان صلاة الليل هو الوتر،

لا اله الا انت ولا اله غيرك ؛
اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اللہ اکبر دس بار اور الحمد
للہ دس بار کہے اور سبحان اللہ وبحمدہ دس
بار کہے اور استغفر اللہ دس بار اور لا اله الا اللہ دس بار کہے
اس کے بعد دس بار یہ پڑھے۔ اللھم انی
اعوذ بك من ضيق الدنيا وضيق يوم القيمة،
اور ازاں جملہ یہ ہے:۔ لا اله الا انت سبحانك
اللهم وبحمدك استغفرك لذنبي واسألك
رحمتك. اللهم زدني علما ولا تزغ قلبي بعد اذ هديتني
وهب لي من لدنك رحمة انك انت الوهاب،
اور ازاں جملہ یہ ہے کہ یہ آیت پڑھے:۔ ان فی خلق السموات
والارض واختلاف الليل والنهار لآيات لاولي الالباب
اخیر سورۃ تک اس کے بعد مسواک کرے اور وضو کرے اور
وتر سمیت گیارہ یا تیرہ رکعتیں پڑھے،

اور تہجد کی نماز کے آداب میں سے یہ ہے

اور نماز تہجد کے آداب میں سے یہ ہے کہ ان اذکار
پر مداومت کرے جن کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
ارکان نماز میں مسنون کیا ہے اور دو دو رکعت پر سلام
پھیرے پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر یا رب یا رب کہے اور خوب
دعا مانگے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں یہ کہتے
تھے:۔ اللهم اجعل في قلبي نورا وفي بصري نورا
وفي سمعي نورا وعن يميني نورا وعن يساري نورا وفوقي
نورا وتحتي نورا وامامي نورا وخلفي نورا واجعل لي نورا
اور اس نماز تہجد کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی
طریقوں سے پڑھا ہے اور سب طریقے مسنون ہیں معلوم
اصل یہ ہے کہ شب کی نماز وتر ہے اور نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کے اس قول کے یہی معنی ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نے
تمہاری ایک نماز کے ساتھ مدد کی ہے اور وہ وتر ہے

وهو معنى قوله صلى الله عليه وآله و
سلم ان الله امدكم بصلاة هي الوتر
فصلوها ما بين العشاء الى الفجر، و
انما شرعها النبي صلى الله عليه وسلم
وترا لان الوتر عدد مبارك، وهو
قوله صلى الله عليه وسلم ان الله وتر
يحب الوتر فاوتروا يا اهل القرآن
لكن لما رأى النبي صلى الله عليه
وسلم ان القيام لصلاة الليل جهد
لا يطيقه الا من وفق له لم يشرعه
تشريعا عاما، ورخص في تقديم
الوتر اول الليل ورغب في تاخيره
وهو قوله صلى الله عليه وسلم من
خاف ان لا يقوم من آخر الليل فليوتر
اوله، ومن طمع ان يوتر آخره فليوتر
آخره فان صلاة الليل مشهودة و
ذلك افضل، والحق ان الوتر سنة
هو آكد السنن بينه علي وابن
عمر، وعبادة بن صامت رضي الله
عنهم قوله صلى الله عليه وآله وسلم
ان الله امدكم بصلاة هي خير لكم
من حمر النعم.

اقول هذا اشارة الى ان الله تعالى
لم يفرض عليهم الا مقدارا يتأتى منهم
تفرض عليهم اولا احدى عشرة ركعة
ثم اكملها بباقي الركعات في الحضر
ثم امدها بالوتر للمحسنين لعلمه
صلى الله عليه وسلم ان المستعدين
للاحسان يحتاجون الى مقدار زائد

پس اس کو عشاء سے فجر تک کے درمیان پڑھ لیا کرو"۔
اور اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے طاق اس واسطے مقرر کیا
ہے کہ طاق مبارک عدد ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "اللہ تعالےٰ طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے۔ اس
واسطے اے اہل قرآن تم نماز طاق پڑھا کرو"۔ لیکن جب
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ نماز تہجد کے لئے اٹھنے
میں مشقت ہوتی ہے اور اس کی برداشت وہی کر سکتا
ہے جس کو خدا تعالےٰ نے توفیق عطا کی ہو اسی لئے
اس کو تمام امت پر لازم نہیں کیا اور اول رات میں
وتر پڑھنے کی اجازت دی اور تاخیر سے پڑھنے کی
رغبت دلائی، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جس کو یہ خوف ہو کہ اخیر شب میں نہ اٹھ سکے گا تو
اول شب میں وتر پڑھ لے اور جس کو اخیر شب میں
پڑھنے کی امید ہو تو وہ اخیر شب میں وتر پڑھے کیونکہ
شب کی نماز پر ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور وہ افضل
ہے"۔

اور حق یہ ہے کہ وتر سنت ہیں اور وہ سب سنتوں
سے زیادہ مؤکد ہیں، حضرت علی، ابن عمر اور عبادہ
بن الصامت رضی اللہ عنہم نے اس کو بیان کیا ہے،
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالےٰ نے تم کو
ایک ایسی نماز زیادہ دی جو تمہارے لئے سرخ
اونٹوں سے بہتر ہے"۔

میں کہتا ہوں: یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نماز کی وہ مقدار فرض کی ہے
جس کو وہ ادا کر سکیں پس اولاً ان پر گیارہ رکعتیں فرض
کیں بعد ازاں حضرت کے اندر باقی رکعات سے ان کو
پورا کر دیا پھر محسنین کے لئے ان کو وتر کے ساتھ اور
بڑھا دیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے
تھے کہ جو لوگ احسان کے درجہ کی استعداد رکھتے ہیں

فجعل الزيادة بقدر الاصل احدى
عشرة ركعة وهو قول ابن مسعود رضي
الله عنه للاعرابي ليس لك ولا صحابك
ومن اذكار الوتر كلمات علمها النبي
صلى الله عليه وسلم الحسن بن علي
رضي الله عنهما فكان يقولها في قنوت
الوتر، اللهم اهدني فيمن هديت
وعافني فيمن عافيت وتولني فيمن
توليت وبارك لي فيما اعطيت وقني
شر ما قضيت فانك تقضي ولا يقضى
عليك انه لا يذل من واليت ولا يعز
من عاديت تباركت ربنا وتعاليت ومنها
ان يقول في اخره اللهم اني اعوذ برضاك
من سخطك واعوذ بمعافاتك من عقوبتك
واعوذ بك منك لا احصي ثناء عليك
انت كما اثنيت على نفسك، ومنها ان
يقول اذا سلم سبحان الملك القدوس
ثلاث مرات يرفع صوته في الثالثة
وكان النبي صلى الله عليه وسلم
اذا صلاها ثلاثا يقرأ في الاولى سبح
اسم ربك الاعلى وفي الثانية قل يايها
الكافرون وفي الثالثة قل هو الله احد
والمعوذتين، ومنها قيام شهر رمضان
والسر في مشروعيته ان المقصود من
رمضان ان يلحق المسلمون بالملائكة
ويتشبهوا بهم، فجعل النبي صلى
الله عليه وسلم ذلك على درجتين
درجة العوام وهي صوم رمضان و
والاكتفاء على الفرائض ودرجة المحسنين

وہ زائد مقدار کے حاجت مند ہیں اس واسطے اصل نماز
کے برابر گیارہ رکعتیں زیادہ کردیں اسی وجہ سے حضرت
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اعرابی سے کہا تھا کہ
تیرے لئے اور تیرے ساتھیوں کے لئے یہ نہیں ہیں
اور وتر کے اذکار میں سے وہ کلمات ہیں جو نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو تعلیم فرمائے
پس آپ قنوت وتر میں یہ پڑھا کرتے تھے :- اللھم
اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی
فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی
شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک
انہ لا یذل من والیت ولا یعز من
عادیت تبارکت ربنا وتعالیت،

اور ان اذکار میں سے یہ ہے جس کو آپ آخر میں پڑھتے
تھے :- اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک واعوذ
بمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک لا
احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک

اور ان اذکار میں سے یہ ہے جسکو آپ سلام پھیرنے کے
بعد پڑھتے تھے :- سبحان الملک القدوس تین
بار، تیسری مرتبہ میں آپ باآواز بلند کہتے تھے، اور نبی صلی
اللہ علیہ وسلم جب وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے تو پہلی
رکعت میں سورہ سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری
رکعت میں سورہ قل یاایھا الکفرون اور تیسری
رکعت میں سورہ قل ھو اللہ احد اور سورہ قل اعوذ
برب الفلق اور سورہ قل اعوذ برب الناس
پڑھتے تھے،

اور ان نوافل میں سے ماہ رمضان میں نماز تراویح
کا قیام ہے اور اس کے مشروع ہونے میں یہ راز ہے
کہ رمضان سے شارع کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان ملائکہ
کے ساتھ ملحق ہوجائیں اور اوصاف میں ان کے مشابہ

وهي صوم رمضان وقيام لياليه، وتنزيه اللسان مع الاعتكاف وشد المئزر في العشر الاواخر، وقد علم النبي صلى الله عليه وسلم ان جميع الامة لا يستطيعون الاخذ بالدرجة العليا ولا بد من ان يفعل كل واحد مجهوده

قوله صلى الله عليه وآله وسلم ما زال بكم الذي رأيت من صنيعكم حتى خشيت ان يكتب عليكم ولو كتب عليكم ما قمتم به ؛

اعلم ان العبادات لا توقت عليهم الا بما اطمأنت به نفوسهم فخشي النبي صلى الله عليه وسلم ان يعتاد ذلك اوائل الامة فتطمئن به نفوسهم ويجدوا في نفوسهم عند التقصير فيها التفريط في جنب الله او يصير من شعائر الدين فيفرض عليهم، وينزل القرآن فيثقل على اواخرهم وما خشي ذلك حتى تفرس ان الرحمة التشريعية تريد ان تكلفهم بالتشبه بالملكوت وان ليس ببعيد ان ينزل القرآن لادنى تشهير فيهم واطمئنانهم به وعضهم عليه بالنواجذ، ولقد صدق الله عز وجل فراسته فنفث في قلوب المؤمنين من بعده ان يعضوا عليها بنواجذهم، قوله صلى الله عليه وسلم من قام رمضان ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه، وذلك لانه بالاخذ بهذه الدرجة امكن من

ہو جائیں پس اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درجوں میں کر دیا ایک درجہ عوام کا ہے اور وہ رمضان کے روزے رکھنا اور فرائض پر اکتفا کرنا ہے اور دوسرا درجہ محسنین کا ہے اور وہ رمضان کے روزہ رکھنا، راتوں میں عبادت کرنا اور اعتکاف کے ساتھ زبان کو بچانا اور عشرہ اخیرہ میں نہایت آمادگی ظاہر کرنا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ تمام امت اس درجۂ علیا پر قائم نہ ہوسکے گی اور یہ ضروری تھا کہ ہر شخص اپنی طاقت کے موافق عمل کرے،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس کام کو تم نے ہمیشہ کیا میں اس کو دیکھتا رہا ہوں یہاں تک کہ مجھ کو خوف ہوا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے اور اگر فرض ہو جاتا تو تم سے نہ ہو سکتا؛"

واضح ہو کہ عبادات کی توقیت بندوں پر اسی قدر ہوتی ہے جس سے ان کے دل مطمئن رہیں اس واسطے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں اوائل امت اس کی عادی نہ ہو جائے پس اس سے ان کے دل مطمئن ہو جائیں۔ اور عبادات میں کمی کرنے سے اپنے دل میں طاعت الٰہی میں کوتاہی سمجھیں یا وہ عبادت شعائر دین میں داخل ہو جائے اور ان پر فرض ہو جائے اور اس کے متعلق قرآن نازل ہو جائے پھر خیر امت پر وہ ناقابل برداشت ہو جائے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم خائف نہ ہوئے یہاں تک کہ آپ نے فراست سے یہ معلوم کر لیا کہ رحمت تشریعیہ ان کو ملائکہ کے مشابہ بنانا چاہتی ہے اور یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ ان میں ذرا سی تشہیر سے اور ان کے مطمئن ہو جانے سے اور التزام کرنے سے قرآن نازل ہو جائے اور اللہ تعالے نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فراست کو سچ کر دکھایا کہ آپ کے بعد مؤمنین کے دلوں میں اس پر التزام کرنے کا الہام کر دیا،

نفسه لنفحات ربه المقتضية لظهور الملكية وتكفير السيئات. وزادت الصحابة ومن بعدهم في قيام رمضان ثلاثة أشياء، الاجتماع له في مساجدهم، وذلك لأنه يفيد التيسير على خاصتهم وعامتهم وأداؤه في أول الليل مع القول بأن صلاة آخر الليل مشهودة وهي أفضل كما نبه عمر رضي الله عنه لهذا التيسير الذي أشرنا إليه، وعدده عشرون ركعة، وذلك أنهم رأوا النبي صلى الله عليه وسلم شرع للمحسنين إحدى عشرة ركعة في جميع السنة وحكموا أنه لا ينبغي أن يكون حظ المسلم في رمضان عند قصده الاقتحام في لجة التشبه بالملكوت أقل من ضعفها. ومنها الضحى وسرها أن الحكمة الإلهية اقتضت أن لا يخلو كل ربع من أرباع النهار من صلاة تذكر لما ذهل عنه من ذكر الله لأن الربع ثلاث ساعات، وهي أول كثرة للمقدار المستعمل عندهم في أجزاء النهار عربهم وعجمهم، ولذلك كانت الضحى سنة الصالحين قبل النبي صلى الله عليه وسلم.

وأيضاً فأول النهار وقت ابتغاء الرزق والسعي في المعيشة فسن في ذلك الوقت صلاة ليكون ترياقاً للسم الغفلة الطارئة فيه بمنزلة ما سن

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کے اندر قیام کیا تو اس کے سب پہلے گناہ بخشے گئے" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس درجہ کو حاصل کر کے اپنے نفس کو ان برکات الٰہیہ کا مورد بنالیا جو ظہور ملکیت اور گناہوں کے مٹنے کا باعث ہیں، صحابہ اور تابعین نے قیام رمضان میں تین چیزیں اور زیادہ کی ہیں، اوّل مساجد میں اس قیام کے لئے جمع ہونا تاکہ ہر خاص و عام کو آسان ہو جائے، دوم اول شب میں ادا کرنا باوجودیکہ سب لوگ کہتے ہیں کہ اخیر شب کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ افضل ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آسانی پر جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں متنبہ کیا ہے، سوم بیس رکعت کے ساتھ اس کی تعداد مقرر کرنا، اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے محسنین کے لئے تمام سال میں گیارہ رکعتیں مقرر کی ہیں پس اس پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ رمضان کے اندر مسلمان کا حصہ جبکہ وہ تشبہ بالملکوت کے سمندر میں داخل ہونے کا قصد کرے گیارہ رکعت کے دوچند سے کم نہیں ہونا چاہئے،

اور ان نوافل میں سے چاشت کی نماز ہے اور اس میں یہ راز ہے کہ حکمت الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ دن کے چاروں حصوں میں سے کوئی حصہ نماز سے خالی نہ ہو جو اس کو وہ ذکر الٰہی جو بھول گیا ہے یاد دلا دے کیونکہ چوتھائی حصہ تین ساعت کا ہے اور یہ تین ساعت اس مقدار کی جو دن کے حصوں میں تمام عرب و عجم کے نزدیک مستعمل ہے پہلی کثرت ہے اور اسی لئے چاشت کی نماز ان صالحین کی سنت ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر تھے، اور نیز دن کا اول حصہ روزی تلاش کرنے کا اور معاش میں سعی کرنے کا ہوتا ہے اس واسطے اس وقت میں ایک نماز مسنون کی

النبي صلى الله عليه وسلم لداخل
السوق من ذكر لا اله الا الله وحده
لا شريك له الخ ؛

وللضحى ثلاث درجات اقلها
ركعتان، وفيها انها تجزئ عن الصدقات
الواجبة على كل سلامى ابن آدم وذلك
ان ابقاء كل مفصل على صحته المناسبة
له نعمة عظيمة تستوجب الحمد باداء
الحسنات لله، والصلاة اعظم الحسنات
تتأتى بجميع الاعضاء الظاهرة والقوى
الباطنة، وثانيها اربع ركعات، وفيها
عن الله تعالى يا ابن آدم اركع لي اربع
ركعات من اول النهار اكفك آخره ؛

اقول معناه انه نصاب صالح من
تهذيب النفس وان لم يعمل عملا
مثله الى آخر النهار، وثالثها ما زاد عليها
كثماني ركعات وثنتي عشرة، واكمل
اوقاته حين يترحل النهار وترمض
الفصال، ومنها صلاة الاستخارة،
وكان اهل الجاهلية اذا عنت لهم
حاجة من سفر او نكاح او بيع استقسموا
بالازلام فنهى عنه النبي صلى الله تعالى
عليه وسلم لانه غير معتمد على اصل
وانما هو محض اتفاق ولانه افتراء
على الله بقولهم امرني ربي ونهاني ربي
فعوضهم من ذلك الاستخارة، فان
الانسان اذا استمطر العلم من ربه
وطلب منه كشف مرضاة الله في ذلك
الامر ولج قلبه بالوقوف على بابه

تاکہ وہ اس غفلت کے زہر کا تریاق ہو جائے۔ جو اس وقت
میں نفس پر طاری ہوتی ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے بازار میں جانے والے کے لئے لا الہ الا اللہ وحدہ لا
شریک لہ اخیر تک پڑھنا مسنون کیا،

چاشت کی نماز کے لئے تین درجے ہیں اس کا اقل درجہ
دو رکعتیں ہیں اور اس میں یہ بات حاصل ہو جاتی ہے کہ یہ
نماز ان صدقات کا بدلہ ہو جاتی ہے جو بنی آدم پر ہر ہر عضو
کے مقابلہ میں واجب ہے اور یہ اس لئے کہ ہر عضو کا اس کی
صحت پر جو اس کے مناسب ہے باقی رکھنا خدا تعالیٰ کی
بڑی نعمت ہے جس کے شکریہ میں اللہ تعالے کے لئے
حسنات کر کے حمد کرنا واجب ہے اور نماز تمام نیکیوں سے
بڑھ کر عبادت ہے جو تمام اعضاء ظاہرہ اور قوی باطنہ
سے ادا ہوتی ہے،

اس کا دوسرا درجہ چار رکعات ہیں اور اس کے متعلق
اللہ تعالے کی طرف سے منقول ہے کہ اے ابن آدم تو اول
دن میں میرے لئے چار رکعت ادا کر میں اخیر دن تک
تیرے لئے کافی ہوں گا"

میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ تہذیب نفس
کے لئے یہ ایک کامل نصاب ہے اگرچہ اخیر دن تک اس
جیسا کوئی اور عمل نہ کرے،

اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ چار رکعت سے زیادہ پڑھے۔
مثلاً آٹھ رکعات یا بارہ رکعات، اور چاشت کامل کا
وقت وہ ہے کہ جب دن چڑھ جائے اور اونٹنیوں کے
بچے گرمی کے سبب سے بیٹھ جائیں،

ان نوافل میں سے نماز استخارہ ہے اہل جاہلیت
کی یہ عادت تھی کہ جب ان کو کوئی حاجت مثلاً سفر یا نکاح
یا بیع کی پیش آتی تھی تو وہ تیر ڈالا کرتے تھے پس نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کیونکہ وہ ایک بے
اصل اور محض اتفاقی چیز ہے اور نیز اس میں اللہ تعالیٰ

لم يتراخ من ذلك فيضان سر الهي، وايضا فمن اعظم فوائدها ان يفنى الانسان عن مراد نفسه وتنقاد بهيميته لملكيته ويسلم وجهه لله، فاذا فعل ذلك صار بمنزلة الملائكة في انتظارهم لالهام الله فاذا الهموا سعوا في الامر بداعية الهية لا داعية نفسانية ؛

وعندي ان اكثار الاستخارة في الامور ترياق مجرب لتحصيل شبه الملائكة، وضبط النبي صلى الله عليه وسلم آدابها ودعاءها فسن ركعتين، وعلم اللهم اني استخيرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسألك من فضلك العظيم فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغيوب اللهم ان كنت تعلم ان هذا الامر خير لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري او قال في عاجل امري وآجله فاقدره لي ويسره لي ثم بارك لي فيه، وان كنت تعلم ان هذا الامر شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري او قال في عاجل امري وآجله فاصرفه عني واصرفني عنه واقدر لي الخير حيث كان ثم ارضني به، قال ويسمي حاجته، ومنها صلاة الحاجة والاصل فيها ان الابتغاء من الناس وطلب الحاجة منهم مظنة ان يرى

پر بہتان باندھنا پایا جاتا ہے کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھ کو میرے رب نے یہ حکم دیا اور مجھ کو میرے رب نے اس سے منع کیا، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی بجائے استخارہ مقرر فرمایا کیونکہ جب انسان اپنے رب سے کسی شئی کے علم کا فیضان چاہتا ہے اور اس امر میں اللہ تعالےٰ کی مرضی کا انکشاف چاہتا ہے اور اس کا دل اس کے دروازہ پر قیام چاہتا ہے تو بلا تاخیر سر الٰہی کا فیضان ہو جاتا ہے اور نیز استخارہ کے بڑے فوائد میں سے یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی مراد کو فنا کر دیتا ہے اور اس کی بہیمیت ملکیت کے تابع ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے پس جب وہ ایسا کرتا ہے تو اس کی حالت فرشتوں کی سی ہو جاتی ہے جو اللہ تعالےٰ کے الہام کے منتظر رہتے ہیں پس جب ان کو الہام ہوتا ہے تو وہ اس کام میں ارادۂ خداوندی کی وجہ سے سعی کرتے ہیں نہ کہ نفسانی ارادہ کی وجہ سے

اور میرے نزدیک امور میں کثرت سے استخارہ کرنا ملائکہ کے ساتھ مشابہت حاصل کرنے کے لئے تریاق مجرب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استخارہ کے آداب اور دعا کو منضبط کر دیا ہے، پس اولاً دو رکعت نماز مشروع فرمائی اور یہ دعا تعلیم فرمائی:- اللهم اني استخيرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسألك من فضلك العظيم فانك تقدر ولا اقدر ...... وتعلم ولا اعلم وانت علام الغيوب اللهم ان كنت تعلم ان هذا الامر خير لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري، یا آپ نے یہ فرمایا:- في عاجل امري وآجله فاقدره لي ويسره لي ثم بارك لي فيه، وان كنت تعلم ان هذا الامر شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري، یا یہ فرمایا:- في عاجل امري وآجله فاصرفه عني واصرفني عنه واقدر لي الخير حيث كان ثم ارضني به، اور اپنی حاجت کا نام لے۔ ان نوافل میں سے نماز حاجت ہے اور اس میں اصل

اعانة ما من غير الله تعالى فيخل بتوحيد الاستعانة فشرع لهم صلاة ودعاء ليدفع عنهم هذا الشر ويصير وقوع الحاجة مؤيدا له فيما هو بسبيله من الاحسان، فسن لهم ان يركعوا ركعتين ثم يثنوا على الله ويصلوا على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يقولوا لا اله الا الله الحليم الكريم سبحان الله رب العرش العظيم والحمد لله رب العلمين اسألك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والغنيمة من كل بر والسلامة من كل اثم لاتدع لي ذنبا الاغفرته ولا هما الا فرجته ولا حاجة هي لك رضا الا قضيتها يا ارحم الراحمين

ومنها صلاة التوبة، والاصل فيها ان الرجوع الى الله لاسيما عقيب الذنب قبل ان يرتسخ في قلبه رين الذنب مكفر مزيل عنه السوء ومنها صلاة الوضوء، وفيها قوله صلى الله عليه وسلم لبلال رضي الله عنه اني سمعت دف نعليك بين يدي في الجنة۔

اقول وسرها ان المواظبة على الطهارة والصلاة عقيبها نصاب صالح من الاحسان لا يأتي الا من ذي حظ عظيم، وقوله صلى الله عليه وسلم بم سبقتني الى الجنة۔

اقول معناه ان السبق في هذه الواقعة شبح التقدم في الاحسان،

یہ ہے کہ لوگوں سے مدد چاہنا اور ان سے اپنی حاجت طلب کرنا اس بات کا مظنہ ہے کہ یہ شخص غیر اللہ سے مدد لینے کو جائز سمجھتا ہے پس یہ صورت توحید استعانت میں مخل ہے اس واسطے آپ نے لوگوں کے لئے نماز و دعا مشروع کی تاکہ ان سے یہ شر دور ہو اور وقوع حاجت حالت احسان میں اس کی موید ہو جائے پس ان کے لئے مسنون یہ ہے کہ اول دو رکعت پڑھیں پھر خدا کی ثنا کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں پھر کہیں: لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العلمین اسالک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل اثم لاتدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا ھما الا فرجتہ ولا حاجۃ ھی لک رضا الا قضیتھا یا ارحم الراحمین۔

اور ان نوافل میں سے نماز توبہ ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ خدا کی طرف رجوع کرنا بالخصوص گناہ کے بعد پیشتر اس کے کہ گناہ کا زنگ دل میں جمے، اس کے گناہ کو مٹانے والا اور دور کرنے والا ہے۔

اور ان نوافل میں سے نماز وضو ہے اس کے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا "جنت میں میں نے اپنے سامنے تیری جوتیوں کی آواز سنی"۔

میں کہتا ہوں اس کا راز یہ ہے کہ طہارت پر مداومت کرنا اور اس کے بعد نماز پڑھنا احسان کے درجہ کے لئے ایک کامل نصاب ہے جو اسی سے ہو سکتا ہے جو بڑا نصیب ور ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رض سے کہا۔ کس چیز کی وجہ سے تو مجھ سے پہلے جنت میں گیا؟"

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ میں سبقت کرنا تقدم فی الاحسان کی صورت ہے اور امام المحسنین پر حضرت بلال کے سبقت کرنے میں یہ راز ہے

والسرفی تقدم بلال علی امام المحسنین۔ ان للکمل بازاء کل کمال من شعب الاحسان تدلیا ھو مکشاف حالہ، ومنہ یفیض علی قلبہ معرفۃ ذلک الکمال ذوقا ووجدانا نظیرہ ذلک من المألوف ان زید الشاعر المحاسب ربما یحضر فی ذھنہ کونہ شاعرا، وانہ فی ای منزلۃ من الشعر فیذھل عن الحساب وربما یحضر فی ذھنہ کونہ محاسبا فیستغرق فی بھجتھا ویذھل عن الشعر، والانبیاء علیہم السلام اعرف الناس بتدلی الایمان العامی لان اللہ تعالی اراد ان یتبینوا حقیقتہ بالذوق فیسنوا للناس سنتھم فیما ینوبھم تلک المرتبۃ وھذا سر طھور الانبیاء علیہم السلام من استیفاء اللذات الحسیۃ وغیرھا فی صورۃ عامۃ المؤمنین، فرأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تدلیہ الایمانی بتقدمۃ بلال، فعرف رسوخ قدمہ فی الاحسان، ومنھا صلاۃ التسبیح، سرھا انھا صلاۃ ذات حظ جسیم من الذکر بمنزلۃ الصلاۃ التامۃ الکاملۃ التی سنھا رسول اللہ علیہ وسلم باذکارھا للمحسنین، فتلک تکفی عنھا لمن لم یحط بھا، ولذلک بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر خصال فی فضلھا، ومنھا صلاۃ الآیات کالکسوف والخسوف، والظلمۃ، والاصل فیھا

کہ ہر کامل کو احسان کے شعبوں میں سے ہر کمال کے بدلہ میں ایک تقرب حاصل ہوتا ہے جس کا اس کو حال منکشف ہوتا ہے اور جس سے اس کے قلب پر اس کمال کی معرفت کا ذوق و وجدان میں فیضان ہوتا ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ زید جو شاعر محاسب ہے کبھی اس کے ذہن میں یہ بات حاضر ہوتی ہے۔ کہ وہ شاعر ہے اور شعر کا فلاں درجہ اس کو حاصل ہے پس اس وقت حساب سے وہ بالکل غافل ہو جاتا ہے، اور کبھی اس کے ذہن میں یہ بات حاضر ہوتی ہے کہ وہ حساب داں ہے اور اس کی خوشی میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ شعر سے بالکل غافل ہو جاتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام ایک عام انسان کے ایمان کے تقرب کو تمام لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ انبیاء کو ذوق سلیم سے اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تاکہ وہ لوگوں کے لئے ان کے طریقہ کو اس امر میں جو ان کو اس مرتبہ میں پیش آتا ہے مقرر کر دیں اور عام مسلمانوں کی صورت میں لذات حسیہ وغیرہ حاصل کرنے سے انبیاء علیہم السلام کے پاک ہونے کی یہی وجہ ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تقرب ایمانی کو بلال کی پیش قدمی کی صورت میں دیکھا اور آپ نے احسان میں اپنی ثابت قدمی کو پہچان لیا،

اور ازاں نوافل میں سے صلوٰۃ تسبیح ہے، اس کا راز یہ ہے کہ یہ ایک ایسی نماز ہے جس میں ذکر الٰہی کا ایک بہت بڑا حصہ ہے یہ اس کامل نماز کے درجہ میں ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اذکار محسنین کے لئے مقرر فرمایا، پس اس شخص کے لئے جس نے صلوٰۃ کا ملہ سے کوئی حصہ نہ پایا یہ نماز اس کی بجائے کافی ہو جاتی ہے اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فضیلت میں دس خصلتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

اور منجملہ نوافل میں سے صلوٰۃ آیات ہے جیسا کہ

ان الآيات اذا ظهرت انقادت لها
النفوس والتجأت الى الله وانفكت
عن الدنيا نوع انفكاك، فتلك الحالة
غنيمة المؤمن ينبغي ان يبتهل في
الدعاء والصلاة وسائر اعمال البر،
وايضا فانها وقت قضاء الله الحوادث
في عالم المثال، ولذلك يستشعر فيها
العارفون الفزع، وفزع رسول الله
صلى الله عليه وآله وسلم عندها
لاجل ذلك، وهي اوقات سريان
الروحانية في الارض فالمناسب
المحسن ان يتقرب الى الله في تلك
الاوقات، وهو قوله صلى الله عليه
وآله وسلم في الكسوف في حديث
نعمان بن بشير فاذا تجلى الله لشئ
من خلقه خشع له، وايضا فالكفار يسجدون
للشمس والقمر فكان من حق المؤمن
اذا رأى آية عدم استحقاقها العبادة ان
يتضرع الى الله ويسجد له، وهو قوله
تعالى لا تسجدوا للشمس ولا للقمر
واسجدوا لله الذي خلقهن فيكون شعارا
للدين وجوابا مسكتا لمنكريه،
وقد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم
انه قام قيامين وركع ركوعين حملا
لهما على السجدة في موضع الابتهال،
فانه خضوع مثلها فينبغي تكرارها
وانه صلاها جماعة، وامر ان ينادى
بها الصلاة جامعة، وجهر بالقراءة
فمن اتبع فقد احسن ومن صلى صلاته

کسوف، خسوف اور تاریکی کی نماز ہے، اور اس میں اصل
یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں تو ان
کی وجہ سے نفوس مطیع اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاتے
ہیں اور ان کو دنیا سے ایک قسم کی جدائی ہو جاتی ہے۔ پس ایمان
والے کے لئے یہ وقت بہت غنیمت ہے اسے تو چاہئے کہ ایسے
وقت میں دعا، نماز اور تمام اعمال صالحہ میں کوشش کرے،
اور نیز اسی وقت میں اللہ تعالیٰ عالم مثال میں حوادث
مقدر کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل معرفت کو بےچینی سی ہو
ہوتی ہے اور اسی لئے ایسے اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
گھبرا جاتے تھے اور یہ اوقات زمین میں روحانیت کے
نزول کے ہوتے ہیں، پس نیک آدمی کے لئے ان اوقات
میں اللہ تعالیٰ کی طرف قرب حاصل کرنا بہت مناسب
ہے، چنانچہ نعمان بن بشیر کی حدیث میں کسوف کے
بارے میں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پس جب
خدا تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر تجلی ہو
ہے تو وہ چیز اس کے سامنے جھک جاتی ہے: اور نیز
کفار لوگ آفتاب و ماہتاب کو سجدہ کرتے ہیں لہذا ایمان
دار کو لازم ہے کہ جب وہ کوئی علامت ان کے عدم استحقاق
عبادت کی دیکھے تو خدا تعالیٰ کی طرف التجا کرے۔ اور
اس کو سجدہ کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "نہ سورج
کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو جس اللہ تعالیٰ نے اس کو
پیدا کیا ہے اس کو ہی سجدہ کرو" تاکہ یہ سجدہ کرنا دین
شعار بن جائے، اور منکرین کے لئے جواب مسکت
ہو جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث
مروی ہے کہ آپ نے اس نماز میں دو قیام اور دو رکوع
ان دونوں کو سجدہ پر قیاس کر کے تضرع کے وقت کیا
گئے ہیں کیونکہ قیام اور رکوع خضوع کے اندر سجدہ کے
مانند ہیں لہذا ان کی تکرار بھی مناسب ہے اور حدیث
صحیح میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس نماز کو باجماعت پڑھا

معتدٍ بها في الشرع فقد عمل بقوله عليه
السلام فاذا رأيتم ذلك فادعوا الله
وكبروا وصلوا وتصدقوا، ومنها صلاة
الاستسقاء، وقد استسقى النبي صلى
الله عليه وسلم لامته مرات على انحاء
كثيرة لكن الوجه الذي سنه لامته
ان خرج بالناس الى المصلى متبذلا
متواضعا متضرعا فصلى بهم ركعتين
جهر بهما بالقراءة ثم خطب واستقبل
فيها القبلة يدعو ويرفع يديه وحول
رداءه، وذلك لان لاجتماع المسلمين
في مكان واحد راغبين في شئ واحد باقصى
همهم واستغفارهم وفعلهم الخيرات
اثرا عظيما في استجابة الدعاء، والصلاة
اقرب احوال العبد من الله، ورفع اليدين
حكاية عن التضرع التام والابتهال العظيم
تنبه النفس على التخشع، وتحويل
ردائه حكاية عن تقلب احوالهم كما
يفعل المستغيث بحضرة الملوك، وكان
من دعائه عليه السلام اذا استسقى
اللهم اسق عبادك وبهيمتك وانشر
رحمتك واحي بلدك الميت، ومنه
ايضا. اللهم اسقنا غيثا مغيثا مريئا
مريعا نافعا غير ضار عاجلا غير آجل.
ومنها صلاة العيدين، وسيأتيك
بيانها.

ومما بيّنا سببها سجود الشكر عند
مجئ امر يسره او اندفاع نقمة او عند
بلعه باحد الامرين لان الشكر فعل

اور حکم دیا کہ اس بات کی منادی کی جائے :۔ الصلوٰۃ
جامعۃ" اور قرآن کو نماز میں پکار کر پڑھا پس جس نے
اتباع کیا تو وہ درجۂ احسان کو پہنچا اور جس نے وہ نماز
پڑھی جو شرع میں معتبر ہے تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کے اس قول پر عمل کیا "جب تم ایسا حادثہ دیکھو تو
تکبیر کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ دو،

اور ان نوافل میں سے نماز استسقاء ہے، نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے دعاء استسقاء کئی
بار مختلف طور سے کی ہے لیکن وہ طریقہ جس کو امت کے لئے
مقرر فرمایا یہ ہے کہ آپ عیدگاہ کی طرف لوگوں کے ساتھ نہایت
عجز اور تواضع اور انکساری کے ساتھ تشریف لے گئے اور
وہاں جاکر دو رکعت نماز پڑھائی اور ان دو رکعتوں میں
جہر کیا بعد ازاں خطبہ پڑھا اور خطبہ میں قبلہ کی طرف منہ
کر کے دعاء مانگی اور ہاتھ اٹھائے اور اپنی چادر مبارک کو پھیرا
اور یہ اسلئے کہ ایک ہی جگہ ایک ہی چیز کی آرزو میں نہایت
اہتمام اور گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کے ساتھ اور
نیک عمل کرنے کے ساتھ مسلمانوں کے اجتماع کو دعاء کے
قبول ہونے میں بہت بڑا اثر ہے اور بندہ کی تمام حالتوں
میں سے اللہ تعالےٰ سے قریب ترین حالت نماز ہے اور
ہاتھوں کو اٹھانا نہایت تضرع اور نہایت عاجزی کی
علامت ہے جس سے نفس کو خضوع اور فرماں برداری
پر تنبیہ ہوتا ہے اور چادر کا لوٹنا ان کے احوال کے بدلنے
کی نقل ہے جیسا کہ مستغیث بادشاہوں کے دربار
میں کیا کرتے ہیں،

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم استسقاء میں یہ دعا
مانگا کرتے تھے :۔ اللھم اسقی عبادک وبھیمتک و
انشر رحمتک واحی بلدک المیت، اور یہ دعاء
بھی پڑھتے تھے :۔ اللھم اسقنا غیثا مغیثا مریئا مریعا
نافعاً غیر ضار عاجلا غیر آجل،

القلب ولا بد له من شبح في الظاهر
ليعتضد به، ولان للنعم بطرا فيعالج
بالتذلل للمنعم، فهذه هي الصلوات
التي سنها رسول الله صلى الله عليه
وسلم لمستعدي الاحسان والسبق
من امته زيادة على الواجب المحتوم
على خاصتهم وعامتهم ثم الصلاة خير
موضوع، فمن استطاع ان يستكثر
منها فليفعل غيرانه نهى عن خمسة
اوقات ثلاثة منها اوكد نهيا عن
الباقيين، وهي الساعات الثلاث اذا
طلعت الشمس بازغة حتى ترتفع،
وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل
وحين تتضيف للغروب حتى تغرب
لانها اوقات صلاة المجوس، وهم
قوم حرفوا الدين جعلوا يعبدون
الشمس من دون الله واستحوذ
عليهم الشيطان، وهذا معنى
قوله صلى الله عليه وآله وسلم فانها
تطلع حين تطلع بين قرني
الشيطان، وحينئذ يسجد لها الكفار
فوجب ان يميز ملة الاسلام من
ملة الكفر في اعظم الطاعات من
جهة الوقت ايضا، واما الاخران فقوله
صلى الله عليه وسلم لا صلاة بعد
الصبح حتى تبزغ الشمس ولا بعد
العصر حتى تغرب ؛

اقول انما نهى عنهما لان الصلاة
فيهما تفتح باب الصلاة في الساعات

اور ان نوافل میں سے نماز عیدین ہے اور ان کا بیان
عنقریب آتا ہے اور نوافل سے مناسب سجدۂ شکر ہے
جبکہ کوئی خوشی حاصل ہو یا کوئی تکلیف دور ہو یا ان دونوں
میں سے کسی کا علم ہو، اس واسطے کہ شکر قلب کا فعل ہے
اور ظاہر میں اس کے لئے کوئی صورت ضرور ہونی چاہئیے
تاکہ اس سے قلب کے فعل کو قوت حاصل ہو، اس کے
علاوہ نعمتوں کے حاصل ہونے سے کس قدر تکبر ہو جاتا ہے
پس اس کا علاج منعم کے سامنے ذلیل اور عاجز بنکر کرے
پس یہ وہ نمازیں ہیں جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے ان لوگوں کے لئے جو درجۂ احسان میں مستعد ہیں اور
آپ کی امت میں سے سابقین ہیں، فرض نماز پر جس کا کرنا
ہر خاص و عام پر ضروری ہے زیادہ کر کے مسنون بنایا،
پھر نماز ایسی چیز ہے جو بھلائی کے لئے وضع کی گئی ہے پس
جو شخص جس قدر اس کی کثرت کر سکتا ہے اس کو کرنا چاہئے
مگر پانچ وقتوں میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔
ان پانچ اوقات میں سے تین اوقات میں باقی دو وقتوں کی
بہ نسبت بہت سخت ممانعت ہے، اور وہ تین وقت یہ
ہیں ایک وہ وقت ہے کہ آفتاب برآمد ہو حتی کہ بلند ہو جائے
دوسرا وہ وقت ہے کہ بالکل دوپہر ہو حتی کہ سورج ڈھل جائے
تیسرا وہ وقت ہے کہ آفتاب قریب الغروب ہو حتی کہ بالکل
چھپ جائے کیونکہ یہ اوقات مجوس کی نماز کے ہیں اور وہ
ایسی قوم ہے جنہوں نے دین کو بدل ڈالا اور اللہ تعالیٰ کو
چھوڑ کر آفتاب کی پرستش کرنے لگے اور ان کے اوپر شیطان
کا غلبہ ہو گیا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث
کا یہی مطلب ہے "جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو شیطان
کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے" اور
اس وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں لہذا ضروری ہوا کہ
عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت کے اندر باعتبار
وقت کے بھی ملت اسلام ملت کفر سے جدا اور ممتاز ہو

الثلاث، ولذلك صلی فیهما النبی صلی الله علیه وسلم تارة لانه مامون ان یهجم علیه المکروه، وروی استثناء نصف النهار یوم الجمعة، واستنبط جوازها فی الاوقات الثلاث فی المسجد الحرام من حدیث یا بنی عبد مناف من ولی منکم من امر الناس شیئا فلا یمنعن احدا طاف بهذا البیت و صلی ای ساعة شاء من لیل او نهار، وعلی هذا فالسر فی ذلك انهما وقت ظهور شعائر الدین ومکانه فعارضا المانع من الصلاة ٭

ان تین کے علاوہ دو اوقات یہ ہیں:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے"۔

میں کہتا ہوں ان دونوں وقتوں میں نماز پڑھنے سے اس لئے منع فرمایا کہ ان میں نماز پڑھنے سے ان تینوں اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھنے کی راہ نکل آتی ہے اور اسی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں وقتوں میں کبھی کبھی نماز پڑھی ہے کیونکہ آپ ان اوقات میں داخل ہونے سے محفوظ تھے۔ اور جمعہ کے روز نصف النہار میں نماز پڑھنا بعض روایات سے مستثنیٰ معلوم ہوتا ہے، اور مسجد حرام کے اندر اوقات ثلثہ میں نماز پڑھنے کا جواز اس حدیث سے مستنبط ہے "اے ابنی عبد مناف! تم میں سے جو کوئی شخص لوگوں کے امور میں سے کسی امر کا سردار ہو تو وہ کسی کو اس گھر کے طواف سے منع نہ کرے اور نہ نماز سے روکے، رات و دن میں جس وقت چاہے نماز پڑھے" اور اس تقدیر پر اس میں یہ راز ہے کہ جمعہ شعائر دین کے ظاہر ہونیکا وقت ہے اور مسجد حرام شعائر دین کے ظاہر ہونے کی جگہ ہے اس سبب سے یہ دونوں نماز سے مانع کے معارض ہو گئے،

الاقتصاد فی العمل

اعلم ان ادوا الداء فی الطاعات ملال النفس، فانها اذا ملت لم تتنبه لصفة الخشوع، وکانت تلك المشاق خالیة عن معنی العبادة، وهو قوله صلی الله علیه وسلم ان لکل شیء شرة وان لکل شرة فترة، ولهذا السر کان اجر الحسنة عند اندراس الرسم بعملها وظهور التهاون فیها مضاعفا اضعافا کثیرة لانها فی هذه الحالة لاتکون الا من تنبه شدید

اعمال کے اندر میانہ روی کا بیان

واضح ہو کہ عبادت کے اندر سب سے بڑا مرض دل کی تنگی ہے کیونکہ جب دل تنگ ہو جاتا ہے تو اس کو خشوع کی کیفیت معلوم نہیں ہوتی اور وہ مشقت عبادت کے معنی سے خالی رہ جاتی ہے اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر چیز کو ایک حرص ہوتی ہے اور ہر حرص کو کمی ہوتی ہے"۔ اور یہی وجہ ہے کہ کسی عمل صالح کے رواج کے مٹ جانے کے وقت اور اس عمل میں لوگوں کے سستی ہو جانے کے وقت اس نیکی کے کرنے کا اجر چند در چند ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں یہ عمل بغیر سخت تنبہ کے اور بغیر مستحکم ارادہ کے ظہور

وعزم مؤكد، ولهذا جعل الشارع
للطاعات قدرا كمقدار الدواء في حق
المريض لا يزاد ولا ينقص، وايضا
فالمقصود هو تحصيل صفة الاحسان
على وجه لا يفضي الى اهمال الارتفاقات
اللازمة ولا الى غمط حق من الحقوق،
وهو قول سلمان رضي الله عنه ان
لعينيك عليك حقا وان لزوجك
عليك حقا، نصدقه النبي صلى الله عليه
وسلم، وقول النبي صلى الله عليه وسلم اني
اصوم وافطر واقوم وارقد واتزوج النساء
فمن رغب عن سنتي فليس مني،

وايضا فالمقصود من الطاعات
هو استقامة النفس ودفع اعوجاجها
... لا الاحصاء فانه كالمتعذر في
حق الجمهور، وهو قوله صلى الله
عليه وسلم استقيموا ولن تحصوا
وأتوا من الاعمال بما تطيقون، و
الاستقامة تحصل بمقدار معين ينبه
النفس لالتذاذها بلذات الملكية
وتألمها من خسائس البهيمية، ويفطنها
بكيفية انقياد البهيمية للملكية، فلوانه
اكثر منها اعتادتها النفس واستجلتها
فلم تتنبه لثمرتها، وايضا فمن
المقاصد الجليلة في التشريع ان
يسد باب التعمق في الدين لئلا
يعضوا عليها بنواجذهم فيأتي من بعدهم
قوم فيظنوا انها من الطاعات السماوية
المفروضة عليهم، ثم تأتي طبقة اخرى

میں نہیں آسکتا اور اسی لئے شارع نے عبادات کی
مقدار مقرر کی ہے جیسے مریض کے حق میں دوا کی مقدار
ہوتی ہے جس میں کمی بیشی نہیں کی جاتی۔

اور نیز مقصود صفتِ احسان کا اس طرح پر حاصل
کرنا ہے جس سے تدابیر ضروریہ کا ترک یا حقوق میں سے
کسی حق کا تلف نہ لازم آئے، اور اسی لئے حضرت سلمان
رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: تیری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے
اور تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔

پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں روزہ بھی رکھتا
ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی
ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے
اعراض کیا تو وہ میرا نہیں ہے"

اور نیز عبادات سے مقصود نفس کا راستی پر لانا
اور اس کی کجی کا دور کرنا ہے نہ کہ تمام عبادات کا احاطہ
کرنا، کیونکہ تمام لوگوں کے حق میں یہ بات دشوار سی معلوم
ہوتی ہے، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "استقامت
اختیار کرو۔ اور تم ہرگز احاطہ نہ کرسکوگے۔ اور جس قدر
اعمال کی طاقت رکھتے ہو اس قدر کرو" اور استقامت
ایک مقدار معین سے حاصل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے
لذات ملکیہ سے لذت حاصل کرنے پر اور بہیمیہ کے خسائس
سے رنجیدہ ہونے پر نفس کو تنبہ ہو اور جس کی وجہ سے
نفس کو بہیمیت کی ملکیت کے لئے تابع ہو جانے کی
کیفیت کا ادراک ہو جائے، پس اگر وہ اس کی کثرت
کرے گا تو نفس اس کا عادی ہو جائے گا اور اس
عبادت کے ثمرہ پر نفس کو تنبہ نہ ہوگا،

اور نیز تشریع کے اندر مقاصد جلیلہ میں سے یہ بھی ہے
کہ دین میں تعمق کا دروازہ بند کردیا جائے تاکہ لوگ ایک
عمل کو اپنے اوپر مرغوب لازم نہ کرلیں پھر اس کے بعد

فيصير الظن عندهم يقينا، والمحتمل
مطمأنا به فيظل الدين محرّفا، وهو
قوله تعالى "رهبانية ابتدعوها ما
كتبناها عليهم" وايضاً فمن ظن من
نفسه، وان اقرّ بخلاف ذلك
من لسانه ان الله لا يرضى الا بتلك
الطاعات الشاقة وانه لو قصر في حقها
فقد وقع بينه وبين تهذيب نفسه
حجاب عظيم، وانه فرط في جنب الله
فانه يؤاخذ بما ظن ويطالب
بالخروج عن التفريط في جنب الله
حسب اعتقاده، فاذا قصر انقلبت
علومه عليه ضارة مظلمة فلم تقبل
طاعاته لهنة في نفسه، وهو قوله
صلى الله عليه وسلم ان الدين
يسر ولن يشاد الدين احد
الا غلبه، فلهذه المعاني عزم النبي صلى
الله عليه وسلم على امته ان يقتصدوا
في العمل وان لا يجاوز الى حد يفضي
الى ملال واشتباه في الدين او اهمال
الارتفاقات وبين تلك المعاني تصريحا
او تلويحا قوله صلى الله عليه وسلم
احب الاعمال الى الله ادومها وان قل
اقول وذلك لان ادامتها، والمواظبة
عليها آية كونه راغبا فيها، وايضا
فالنفس لا تقبل اثر الطاعة ولا تتشح
فائدتها الا بعد مدة ومواظبة واطمئنان
بها ووجدان اوقات تصادف من
النفس فراغا بمنزلة الفراغ الذي

ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس کو عبادات سماویہ میں سے سمجھیں اور
اپنے اوپر فرض جانیں بعد ازاں اور لوگ پیدا ہوں پس ان
کے نزدیک یہ ظن یقین بن جائے، اور جس عبادت کی فضیلت
کا احتمال تھا اب ان لوگوں کو اس کی فرضیت پر اطمینان
ہی ہو جائے پس اس طرح دین بتحریف ہو جائے، چنانچہ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا "درویشی جو انہوں نے اپنی طرف
سے ایجاد کی ہے ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی"
اور نیز جو شخص اپنے دل میں یہ گمان کرے اگرچہ
زبان سے اس کے خلاف کہتا ہو کہ خدا تعالیٰ عبادات
شاقہ کے بغیر راضی نہیں ہوتا اور جو شخص ان میں کمی کرتا ہے
تو اس میں اس کے نفس کی تہذیب میں ایک حجاب عظیم
حائل ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی جناب میں کوتاہی ہوتی
ہے تو اس شخص سے اس کے ظن اور اعتقاد کے موافق مواخذہ
کیا جائے گا اور اس کے اعتقاد کے موافق اس سے اس کی
زیادتی کا مطالبہ ہوگا پس اگر اس میں کمی کرے گا تو اس کے
علوم اس کے حق میں مضر اور موجب ظلمت بن جائیں گے
اور اس سستی کی وجہ سے اس کے اعمال مقبول نہ ہوں گے
چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دین آسان ہے
اور جو دین میں تشدد اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب
آجائے گا" پس ان وجوہات کی بنا پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے اپنی امت پر ضروری کر دیا کہ وہ عمل میں میانہ روی
اختیار کریں اور اس قدر تجاوز نہ کریں جس سے ملال اور
دل میں اشتباہ پیدا ہو یا تدابیر ضروریہ متروک ہو جائیں
اور ان امور کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً یا اشارۃً
بیان فرما دیا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "
اللہ تعالیٰ کو اعمال میں سب سے زیادہ وہ اعمال
پسند ہیں جو ہمیشہ کئے جائیں اگرچہ اس کی مقدار
قلیل ہی ہو"
میں کہتا ہوں ان اعمال کا زیادہ پسندیدہ ہونا اس لئے

يكون سببا لانطباع العلوم من
الملاء الاعلى فى رؤياه ، وذلك غير
معلوم القدر، فلا سبيل الى تحصيل
ذلك الا الادامة واكثار، وهو قول لقمان
عليه السلام وعوّد نفسك كثرة
الاستغفار فان لله ساعة لا يرد
فيها سائلا ، قوله صلى الله عليه وسلم
خذوا من الاعمال ما تطيقون فان الله
لا يمل حتى تملوا اى لا يترك الاثابة
الا عند ملالهم فاطلق الملال مشاكلة
قوله صلى الله عليه وآله وسلم ان
احدكم اذا صلى وهو ناعس لا يدرى
لعله يستغفر فيسب نفسه .

اقول يريد انه لا يميز بين
الطاعة وغيرها من شدة الملال ،
فكيف يتنبه بحقيقة الطاعة ، قوله
صلى الله عليه وسلم فسددوا يعني
خذوا طريقة السداد وهي التوسط
الذى يمكن مراعاته والمواظبة
عليه وقاربوا، يعني لا تظنوا انكم بعد
لا تصلون الا بالاعمال الشاقة، وابشروا
يعني حصلوا الرجاء والنشاط، واستعينوا
بالغدوة والروحة وشئ من الدلجة،
هذه الاوقات اوقات نزول الرحمة
وصفاء لوح القلب من احاديث النفس
وقد ذكرنا من ذلك فصلا ، قوله صلى
الله عليه وسلم، من نام عن حزبه
اوعن شئ منه فقراه فيما بين صلاة
الفجر وصلاة الظهر كتب له كانما

ہے کہ ان کو ہمیشہ عمل میں لانا اور ان پر مواظبت کرنا اس
بات کی دلیل ہے کہ اس کو ان اعمال میں رغبت ہے اور نیز
نفس طاعت کا اثر جب ہی قبول کرتا ہے اور اس کے فائدہ
سے مستفیض ہوتا ہے کہ ایک مدت گذر جائے اور اس پر مطمئن
ہو کر ہمیشہ اسکو عمل میں لایا جائے اور اس کو ایسے اوقات ملجائیں
جن میں نفس کو اس قسم کی فراغت اور تخلیہ حاصل ہو جیسے
خواب میں ہوتا ہے جس کے سبب سے عالم بالا سے علوم منتشر
ہو جاتے ہیں اور اس کی مقدار معلوم نہیں ہے کہ نفس کے لئے
کتنی مدت درکار ہے اس واسطے اس کے ہونے کا یہی
طریقہ ہے کہ وہ کام ہمیشہ اور بکثرت کیا جائے چنانچہ حضرت
لقمان علیہ السلام کا قول ہے "اپنے نفس کو زیادہ استغفار
کرنے کا عادی بنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک ایسا وقت
ہے جس میں وہ سائل کی درخواست کو رد نہیں کرتا ہے نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اعمال میں سے اس قدر اختیار
کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو پس تحقیق اللہ تعالیٰ ملول نہیں ہوتا
یہانتک کہ تم تنگدل ہو جاؤ" یعنی اللہ تعالیٰ عمل پر ثواب
دینا ترک نہیں کرتا مگر جبکہ لوگ عمل کرنے سے تنگدل ہو
جائیں پس ترک ثواب کو مشابہت کی وجہ سے ملال کہدیا
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص سونے
کی حالت میں نماز پڑھتا ہے تو اس کو معلوم نہیں رہتا کہ وہ استغفار
کی بجائے اپنے حق میں بددعا کر رہا ہے"

میں کہتا ہوں کہ آں حضرت کی مراد یہ ہے کہ اس کو بسبب
شدت ملال کے عبادت اور غیر عبادت میں تمیز نہیں رہتی پس وہ
عبادت کی حقیقت کو کیونکر جان سکتا ہے نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کا قول ہے "پس تم راہ راست اختیار کرو" یعنی میانہ روی
کا طریقہ اختیار کرو جسکی نگرانی ہو سکے اور اس کو ہمیشہ عمل میں
لاسکو، وقاربوا، یعنی یہ نہ سمجھو کہ تم خدا تعالے سے اس
قدر دور ہو کہ بغیر اعمال شاقہ کے نہیں پہنچ سکتے۔ وابشروا
یعنی امید اور سرور حاصل کرتے رہو اور صبح

قراءة من الليل ؛

اقول السبب الاصلي في القضاء شيئان احدهما ان لا تسترسل النفس بترك الطاعة فيعتاده ويعسر عليه التزامها من بعد، والثاني ان يخرج عن العهدة ولا يضمر انه فرط في جنب الله فيؤاخذ عليه من حيث يعلم اولا يعلم ؛

اور تھوڑی سی آخری شب کے ساتھ مدد حاصل کرو ان اوقات میں رحمتِ الٰہی نازل ہوتی ہے اور دل کی لوح نفسانی تذکروں سے پاک وصاف ہوتی ہے اور اس کے متعلق ہم ایک فصل بیان کر چکے ہیں ،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جو شخص سونے کے سبب سے اپنا وظیفہ یا اس میں سے کچھ حصہ فوت کر دے پھر وہ اس کو نماز فجر اور ظہر کے درمیان میں پڑھ لے تو اس کیلئے اس کا ثواب ایسا ہی لکھا جاتا ہے کہ گویا اس کو رات میں ہی پڑھا تھا "

میں کہتا ہوں قضاء کے باب میں دو چیزیں سبب اصلی ہیں، ایک یہ ہے کہ نفس عبادت کے ترک کرنے میں بے پرواہ نہ ہو کہ وہ اس کے ترک کا عادی ہو جائے اور بعد میں اس طاعت کی پابندی کرنا اس پر دشوار ہو جائے، دوسرے یہ کہ نفس اس کو کر کے بری الذمہ ہو جائے اور یہ امر دل میں نہ رکھے کہ اس نے خدا تعالیٰ کی جناب میں کوتاہی کی ہے اور خدا تعالیٰ اس کے علم یا بے علمی کی حالت میں اس سے مواخذہ کرے گا ،

صلاة المعذورين

ولما كان من تمام التشريع ان يبين لهم الرخص عند الاعذار ليأتي المكلفون من الطاعة بما يستطيعون و يكون قدر ذلك مفوضا الى الشارع ليراعى فيه التوسط لا اليهم فيفرطوا او يفرّطوا اعتنى رسول الله صلے الله عليه وسلم بضبط الرخص والاعذار ومن اصول الرخص ان ينظر الى اصل الطاعة حسبما تأمر به حكمة البر فيعض عليها بالنواجذ على كل حال، و ينظر الى حدود وضوابط شرعها الشارع ليتيسر لهم الاخذ بالبر فيتصرف فيها اسقاطا وابدالا حسبما تؤدي اليه الضرورة ؛

معذور لوگوں کی نماز کا بیان

جبکہ شریعت کی تکمیل کے لئے یہ بات ضروری تھی کہ عذر پیش آنے کے وقت لوگوں کے لئے رخصتیں بیان کی جائیں تاکہ مکلفین جس قدر طاقت رکھتے ہوں عبادت ادا کر سکیں اور ان رخصتوں کا اندازہ شارع پر موقوف ہونا چاہیے تاکہ شارع اس میں اعتدال کا لحاظ کر سکے اور لوگوں پر موقوف ہونا نہیں چاہیے کیونکہ وہ ان میں کبھی زیادتی کریں گے اور کبھی کمی کریں گے اسی واسطے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رخصتوں اور عذروں کے انضباط کا اہتمام فرمایا، اور رخصتوں کے اصولوں میں سے یہ بات ہے کہ اصل طاعت کو اس طرح پر دیکھا جائے جس کا کہ حکمتِ بر حکم دیتی ہے پس ہر حال میں اس کا التزام کیا جائے اور اسکے ان حدود اور ضوابط کو دیکھا جائے جن کو شارع نے اصل نیکی پر عمل کرنے کی آسانی کے لئے مقرر فرمایا ہے، پس ان حدود میں ضرورت کے موافق بعض کو ساقط اور بعض کو بعض سے مبدل کیا جائے ،

فمن الاعذار السفر، وفيه من
الحرج مالا يحتاج الى بيان، فشرع رسول
الله صلى الله عليه وآله وسلم له رخصا
منها القصر فابقى اصل اعداد الركعات
وهي احدى عشرة ركعة واسقط مازيد
بشرط الطمانينة والحضر، ولما كان
هذا العدد فيه شائبة العزيمة لم يكن
من حقه ان يقدر بقدر الضرورة و
يضيق في ترخيصه كل التضييق فلذلك
بيّن رسول الله صلى الله عليه وآله
وسلم ان شرط الخوف في الآية لبيان
الفائدة ولا مفهوم له، فقال صدقة
تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته
والصدقة لا يضيق فيها اهل المروءات
ولذلك ايضا واظب رسول الله صلى
الله عليه وآله وسلم على القصر وان
جوّز الاتمام في الجملة فهو سنة
مؤكدة، ولا اختلاف بين ما روي
من جواز الاتمام، وان الركعتين
في السفر تمام غير قصر لانه يمكن
ان يكون الواجب الاصلي هو ركعتين
ومع ذلك يكون الاتمام مجزئا بالاولى
كالمريض والعبد يصليان الجمعة
فيسقط عنهما الظهر، او كالذي وجب
عليه بنت مخاض فتصدق بالكل
ولذلك كان من حقه انه اذا صح على
المكلف اطلاق اسم المسافر جاز
له القصر الى ان يزول عنه هذا الاسم
بالكلية لا ينظر في ذلك الى وجود

پس عذروں میں سے ایک سفر ہے، اور اس میں جو
حرج ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے، اس واسطے رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے اس میں چند رخصتیں مشروع فرمائی
ہیں، ان رخصتوں میں سے ایک قصر ہے پس رکعات کی اصل
تعداد کو جو گیارہ رکعت ہے باقی رکھا اور اطمینان اور
قیام کی شرط کے ساتھ جو زیادہ تھیں ان کو ساقط کر دیا، اور
چونکہ گیارہ رکعتوں میں عزیمت کا احتمال تھا اس لئے
مناسب نہ تھا کہ بقدر ضرورت اندازہ کیا جائے اور رخصت
دینے میں زیادہ تنگی کی جائے پس اسی وجہ سے رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ آیت میں خوف کی
شرط فائدہ بیان کرنے کے لئے ہے اور اس کا کوئی اصلی
مفہوم نہیں ہے پس آپ نے فرمایا "یہ خدا کا صدقہ ہے جو
خدا تعالے نے تم کو دیا ہے پس اس کے صدقہ کو قبول کرو"
اور صدقہ میں اہل مروت تنگی نہیں کرتے اسی لئے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نماز بالقصر ہی پڑھی
اگرچہ پوری نماز پڑھنا بھی کسی قدر جائز رکھا،

پس نماز میں قصر کرنا سنت مؤکدہ ہے، اور اس روایت
میں کہ نماز میں اتمام جائز ہے، اور اس روایت میں کہ سفر
میں دو رکعتیں پڑھنا پوری نماز ہے قصر نہیں ہے" کوئی اختلاف
نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ واجب اصلی وہ صرف دو رکعتیں
ہوں اور اس کے باوجود پورا پڑھنا بدرجہ اولیٰ کافی ہو
جیسے مریض اور غلام جو جمعہ پڑھتے ہیں ان سے ظہر کی
نماز ساقط ہو جاتی ہے، یا جیسے وہ شخص جس پر زکوٰۃ میں
بنت مخاض واجب ہو اور وہ اپنا تمام مال صدقہ کر دے
اسی لئے اس کا یہ حق ہے کہ جب تک مکلف پر اسم مسافر
کا اطلاق صحیح ہے. اس کے لئے قصر جائز ہے یہاں تک کہ
اس سے یہ نام بالکل زائل ہو جائے، قصر میں نہ تو
حرج کے پائے جانے کا لحاظ رکھا گیا ہے اور نہ ہی پوری نماز پڑھنے پر قادر
نہ ہونے کا لحاظ رکھا گیا ہے کیونکہ دو رکعت ابتداً ایسے مسافر
کے لئے مقرر ہیں، اور حضرت......

الخروج ولا الی عدم القدرۃ علی الاتمام لانہ وظیفۃ من ھذا شانہ ابتداءً وھو قول ابن عمر رضی اللہ عنہ سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ السفر رکعتین وھما تمام غیر قصر۔

واعلم ان السفر والاقامۃ والزنا والسرقۃ وسائر ما ادار الشارع علیہ الحکم امور یستعملھا اھل العرف فی مظانھا ویعرفون معانیھا ولا ینال حدہ الجامع الا بضرب من الاجتھاد والتأمل ومن المھم معرفۃ طریق الاجتھاد فنحن نعلم نموذجا منھا فی السفر فنقول ھو معلوم بالقسمۃ، والمثال یعلم جمیع اھل اللسان ان الخروج من مکۃ الی المدینۃ، ومن المدینۃ الی خیبر سفر لا محالۃ وقد ظھر من فعل الصحابۃ وکلامھم ان الخروج من مکۃ الی جدۃ الی طائف والی عسفان وسائر ما یکون المقصد فیہ علی اربعۃ برد سفر، ویعلمون ایضا ان الخروج من الوطن علی اقسام تردد الی المزارع والبساتین، وھیمان بدون تعیین مقصد وسفر، ویعلمون ان اسم احد ھذہ لا یطلق علی الآخر وسبیل الاجتھاد ان یستقرا الامثلۃ التی یطلق علیھا الاسم عرفا وشرعا، ان یسبر الاوصاف التی بھا یفارق

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر کی نماز دو رکعتیں مقرر فرمائی ہیں اور وہ دونوں پوری نماز ہیں۔ قصر نہیں،

واضح ہو کہ سفر اور اقامت اور زنا اور چوری اور وہ تمام امور جن پر شارع نے حکم کا مدار رکھا ہے ایسی چیزیں ہیں جن کو اہل عرف ان کے مواقع میں استعمال کرتے ہیں اور ان کے معانی جانتے ہیں لیکن ان کی جامع مانع تعریف جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ ان میں ایک قسم کا اجتہاد اور تامل کیا جائے، اور طریق اجتہاد کی معرفت ایک دشوار امر ہے پس ہم اس میں سے نمونہ کے طور پر سفر کے اندر بیان کرتے ہیں۔

پس ہم کہتے ہیں، سفر تقسیم اور مثال سے معلوم ہو سکتا ہے، ہر اہل زبان جانتا ہے کہ مکہ سے مدینہ تک جانا اور مدینہ سے خیبر تک جانا ضرور سفر ہے اور صحابہ کے فعل اور ان کے کلام سے بھی ظاہر ہے کہ مکہ سے جدہ تک جانا اور طائف تک جانا اور عسفان تک جانا اور تمام ان مواضع تک جانا جو اڑتالیس میل کے فاصلہ پر ہیں سفر ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وطن سے نکلنا کئی طور سے ہوتا ہے، ایک تو اپنی کھیتی اور باغات تک آمد و رفت کرنا اور ایک بغیر تعیین مقصد اور سفر کے مارا مارا پھرنا،

اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا نام دوسرے پر نہیں بولا جاتا، اور اجتہاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان مثالوں کو تلاش کیا جائے جن پر ایک نام کا اطلاق ہوتا ہے اور ان اوصاف کی پڑتال کی جائے جن کی وجہ سے ہر ایک اپنے قسیم سے مبائن اور جدا ہے پس جو عام ہو اس کو جنس کی جگہ اور جو خاص ہو اس کو فصل کی جگہ کر دیا جائے اس سے ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ وطن سے منتقل

احدها قسيمه فيجعل اعمها في موضع الجنس واخصها في موضع الفصل، فعلمنا ان الانتقال من الوطن جزء نفسي اذ من كان ثاويا في محل اقامته لا يقال له مسافر، وان الانتقال الى موضع معين جزء نفسي والا كان هيمانا لا سفرا، وان كون ذلك الموضع بحيث لا يمكن له الرجوع منه الى محل اقامته في يومه واوائل ليلته جزء نفسي، والا كان مثل التردد الى البساتين والمزارع، ومن لازمه ان يكون مسيرة يوم تام وبه قال سالم لكن مسيرة اربعة برد متيقن وما دونه مشكوك، وصحة هذا الاسم يكون بالخروج من سور البلد او حلة القرية او بيوتها بقصد موضع هو على اربعة برد، وزوال هذا الاسم انما يكون بنية الاقامة مدة صالحة يعتد بها في بلدة او قرية، ومنها الجمع بين الظهر والعصر، والمغرب والعشاء، والاصل فيه ما اشرنا ان الاوقات الاصلية ثلاثة، الفجر والظهر والمغرب، وانما اشتق العصر من الظهر، والعشاء من المغرب لئلا تكون المدة الطويلة فاصلة بين الذكرين، ولئلا يكون النوم على صفة الغفلة، فشرع لهم جمع التقديم والتاخير لكنه لم يواظب عليه ولم يعزم عليه مثل ما فعل في القصر، ومنها ترك السنن فكان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم وابو بكر و

ہونا سفر کا جزء ذاتی ہے اس واسطے کہ جو اپنے محلِ اقامت ہی میں پھر تا رہے اس کو مسافر نہیں کہتے،

اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کسی خاص مقام کی طرف جانا بھی سفر کا جزء ذاتی ہے ورنہ وہ جانا بدحواسی کا پھرنا سمجھا جائے گا نہ کہ سفر،

اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس جگہ کا اتنی دور ہونا کہ وہاں سے اپنے محلِ اقامت کو اسی روز یا اس روز کی اول شب تک واپس نہ آسکے سفر کا جزء ذاتی ہے ورنہ وہ اپنے باغ اور کھیت کی طرف آنا جانا سا سمجھا جائے گا،

اور سفر کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وہ پورے ایک دن کی مسافت ہو اور سالم کا یہی قول ہے لیکن اڑتالیس میل کی مسافت یقیناً سفر ہے اور اس سے کم مسافت کو سفر کہنا مشکوک ہے، اور سفر کا اطلاق شہر پناہ سے نکلنے یا گاؤں کی حد یا اس کے مکانات سے نکلنے اور ایسی جگہ جانے کا ارادہ کرنے سے جو اڑتالیس میل کی مسافت پر واقع ہے صحیح ہوتا ہے، اور کسی شہر یا گاؤں میں کافی اور معتد بہ مدت تک اقامت کی نیت کرنے سے سفر کا نام زائل ہو جاتا ہے،

اور ان رخصتوں میں سے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کا جمع کرنا ہے اور اس میں اصل یہی ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے کہ نماز کے اصل اوقات تین ہیں، فجر اور ظہر اور مغرب اور عصر کو ظہر سے نکالا گیا ہے اور عشاء کو مغرب سے نکالا گیا ہے تاکہ دو ذکروں کے درمیان زیادہ مدت کا فصل نہ ہو جائے اور تاکہ نیند غفلت کی حالت پر نہ آئے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لئے تقدیم و تاخیر کا جمع کرنا مشروع کر دیا لیکن اس پر آپ نے مداومت نہیں کی اور نہ اس پر ایسا حکم فرمایا جیسا آپ نے قصر نماز میں کیا ہے،

اور ان رخصتوں میں سنتوں کا ترک کرنا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت

عمر وعثمان رضی اللہ عنہم لا یسبحون الا سنۃ الفجر والوتر، ومنها صلاۃ علی الراحلۃ حیث توجهت بہ یؤمی ایماء وذلک فی النوافل، وسنۃ الفجر والوتر لا الفرائض ؛

ومن الاعذار الخوف، وقد صلّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلاۃ الخوف علی انحاء کثیرۃ ومنها ان رتب القوم صفین فصلی بهم فلما سجد سجد معہ صف سجدتیہ وحرس صف، فلما قاموا سجد من حرس ولحقوہ وسجد معہ فی الثانیۃ من حرس اولا وحرس الآخرون، فلما جلس سجد من حرس وتشهد بالصفین وسلم، والحالۃ التی تقتضی هذا النوع ان یکون العدو فی جهۃ القبلۃ، ومنها ان صلی مرتین کل مرۃ بفرقۃ والحالۃ التی تقتضی هذا النوع ان یکون العدو فی غیرها، وان یکون توزیع الرکعتین علیهم مشوشا لهم ولا یحیطوا باجمعهم بکیفیۃ الصلاۃ ؛ ومنها ان وقفت فرقۃ فی وجهہ وصلی رکعۃ بفرقۃ فلما قام للثانیۃ فارقتہ واتمت وذهبت وجاه العدو، وجاء الواقفون فاقتدوا بہ فصلی بهم الثانیۃ فلما جلس للتشهد قاموا فاتموا ثانیتهم ولحقوہ وسلم بهم والحالۃ المقتضیۃ لهذا النوع ان یکون العدو فی غیر القبلۃ ولا یکون توزیع الرکعتین علیهم مشوشا

عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سوائے فجر کی سنتوں اور وتر کے کچھ نہ پڑھتے تھے،

اور ان رخصتوں میں سے سواری پر نماز پڑھنا ہے، جس طرف کو وہ جا رہی ہو اسی طرف کو ہی اشارہ سے نماز پڑھ لے لیکن ایسا کرنا نوافل اور سنت فجر اور وتر میں ہے نہ کہ فرائض میں،

اور منجملہ عذروں کے ایک خوف ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف کئی طریقوں سے پڑھی ہے،

ازاں جملہ یہ ہے کہ قوم کی دو صفیں مرتب کیں اور ان کو نماز پڑھائی پس جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ ایک صف نے دونوں سجدے کئے اور دوسری صف نے نگہبانی کی پس جب صف اولی کھڑی ہوئی تو جس صف نے نگہبانی کی تھی اس نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئی اور جس صف نے اولاً حفاظت لی تھی اس نے آپ کے ساتھ دوسری رکعت میں سجدہ کیا اور دوسری صف محافظ رہی پس جب آپ بیٹھے تو جو صف نگہبان تھی اس نے بھی سجدہ کیا اور آپ نے دونوں صفوں کے ساتھ تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیا اور یہ طریقہ اس وقت میں ہو سکتا ہے جب دشمن قبلہ کی طرف ہو،

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ دو مرتبہ نماز پڑھائے ایک بار ایک ٹکڑی کو اور دوسری بار دوسری ٹکڑی کو اور یہ اس حالت میں مناسب ہے جب دشمن جہت قبلہ میں نہ ہو اور دونوں رکعت کی تقسیم سے ان کو تشویش ہوتی ہو اور سب کو کیفیت نماز پر احاطہ نہ ہو سکتا ہو،

ازانجملہ یہ ہے کہ ایک ٹکڑی دشمن کے روبرو کھڑی ہو گئی اور دوسری ٹکڑی کو آپنے نماز پڑھا دی پس جب آپ دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوئے تو یہ ٹکڑی آپ سے جدا ہو گئی اور اپنی ایک اور رکعت تمام کر کے

لهم، ومنها انه صلى بطائفة منهم واقبلت
طائفة على العدو فركع بهم ركعة، ثم
انصرفوا بمكان الطائفة التي لم تصل
وجاء اولئك فركع بهم ركعة، ثم
اتم هؤلاء وهؤلاء، ومنها ان يصلي كل
واحد كيفما امكن راكبا وماشيا القبلة
او غيرها رواه ابن عمر رضي الله
عنهما، والحالة المقتضية لهذا
النوع ان يشتد الخوف او يلتحم
القتال، وبالجملة فكل نحو روى
عن النبي صلى الله عليه وآله و
سلم فهو جائز ويفعل الانسان
ما هو اخف عليه واوفق بالمصلحة
حالتئذ، ومن الاعذار المرض، و
فيه قوله صلى الله عليه وآله وسلم
صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان
لم تستطع فعلى جنب، وقال صلى
الله عليه وسلم في النافلة من
صلى قائما فهو افضل ومن صلى
قاعدا فله نصف اجر القائم.

اقول لما كان من حق الصلاة
ان يكثر منها، واصل الصلاة يتأتى
قائما وقاعدا كما بينا، وانما وجب
القيام عند التشريع، وما لا يدرك
كله اقتضت الرحمة ان يسوغ لهم ......
الصلاة النافلة قاعدا وبين لهم ما
بين الدرجتين وقد وردت صلاة
الطالب وصلاة المطر وصلاة الوحل
ولم يترخص احد من الصحابة

دشمن کے سامنے چلی گئی اور جو لوگ دشمن کے سامنے
کھڑے تھے آئے اور آپ کی اقتدا کی پس آپ نے ان
کو دوسری رکعت پڑھائی پھر جب آپ تشہد کے
لئے بیٹھے تو یہ لوگ کھڑے ہو گئے اور اپنی دوسری رکعت
تمام کرکے آپ کے ساتھ مل گئے اور آپ نے ان کے
ساتھ سلام پھیرا، اور یہ حالت اس وقت کے مناسب
ہے کہ جب دشمن قبلہ کی جانب نہ ہو اور دونوں رکعتوں
کی تقسیم کرنے سے ان کو تشویش نہ ہو،

ازاں جملہ یہ ہے کہ آپ نے ایک گروہ کو نماز پڑھائی اور باقی
گروہ دشمن کے سامنے کھڑا رہا پس ان کے ساتھ ایک رکعت پڑھی
پھر یہ لوگ اس گروہ کی جگہ چلے گئے جنھوں نے ہنوز نماز نہیں
پڑھی تھی اور وہ لوگ آئے پس ان کے ساتھ ایک رکعت
پڑھی پھر دونوں نے اپنی اپنی نماز پوری کرلی،

الجملہ یہ ہے کہ جس شخص کو جس طرح ممکن ہو سوار
ہو یا پیدل، قبلہ کی طرف ہو یا غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ
لے، حضرت عبداللہ بن عمر نے اس طریقہ کی روایت کی اور
اس وقت مناسب ہے جب خوف زیادہ ہو یا لڑائی گرم ہو
حاصل کلام یہ ہے کہ جو طریق نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی
ہے وہ جائز ہے اور آدمی کو وہ طریقہ عمل میں لانا چاہیے
اس پر آسان ہو اور بلحاظ وقت کی مصلحت کے مناسب ہو،

اور منجملہ اعذار کے ایک مرض ہے اور اس
بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کھڑے ہو کر نماز
اگر تجھ سے یہ نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھ لیں اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کر
سے لیٹ کر پڑھ" اور نفل کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو یہ افضل
ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے تو اس کو کھڑے ہونے والے سے
نصف اجر ملے گا"

میں کہتا ہوں جبکہ نماز اس قابل ہے کہ اس کی کثرت
کی جائے اور اصل نماز کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر ادا ہو سکتی

فی الضوابط والحدود من ضرورة لا یجد منها بدا من غیر شائبة الانکار والتهاون الا وسلمه النبی صلے اللہ علیه وآله وسلم، وقوله صلے اللہ علیه وآله وسلم فاذا امرتکم بامر فأتوا منه ما استطعتم کلمة جامعة، واللہ اعلم۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور قیام محض تشریح کے وقت واجب ہے اور جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے تو وہ تمام کی تمام متروک بھی نہ ہو اس واسطے رحمت کا یہ مقتضیٰ ہوا کہ لوگوں کے لئے نفل نماز بیٹھ کر جائز کر دی جائے اور دونوں درجوں میں جو فرق ہے وہ ان کے لئے بیان کر دیا گیا، نماز طالب، نماز بارش اور نماز کیچڑ کا بیان حدیث شریف میں آیا ہے، اور کبھی کسی صحابی نے ضوابط اور حدود کے اندر کسی ایسی ضرورت کے سبب سے جس سے آدمی مجبور ہو رخصت نہیں مانگی مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو تسلیم فرمایا بشرطیکہ وہ رخصت انکار اور سستی کی بنا پر نہ ہو، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "جب میں تم کو کوئی حکم دوں تو حتی المقدور اس کو عمل میں لاؤ" ایک کلمہ جامع ہے، واللہ اعلم،

الجماعة

اعلم انه لا شئ انفع من غائلة الرسوم من ان یجعل شئ من الطاعات رسما فاشیا یؤدی علی رءوس الخامل والنبیه ویستوی فیه الحاضر والباد ویجری فیه التفاخر والتباهی حتی تدخل فی الارتفاقات الضروریة التی لا یمکن لهم ان یترکوها ولا ان یهملوها لتصیر مؤید العبادة اللہ والسنة تدعو الی الحق، ویکون الذی یخاف منه الضرر هو الذی یجلبهم الی الحق ولا شئ من الطاعات اتم شانا ولا اعظم برهانا من الصلاة فوجب اشاعتها فیما بینهم والاجتماع لها وموافقة الناس بها۔ وایضا فالملة تجمع ناسا علماء یقتدی بهم وناسا یحتاجون

جماعت کا بیان

واضح ہو کہ رسوم کی خرابی دور کرنے میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں کہ ایک عبادت کو عام رسم بنایا جائے جس کو ہر خبردار اور بے خبر کے سامنے ادا کیا جائے اور تمام شہری اور دیہاتی اس میں برابر ہوں اور اس عبادت کے اندر فخر اور عزت جتانے کا موقع ہو یہاں تک کہ وہ عبادت ان تدابیر ضروریہ میں داخل ہو جائے جن کو نہ وہ ترک کر سکتے ہیں اور نہ ان میں تاخیر کر سکتے ہیں تاکہ وہ رسم عبادت الٰہی کے لئے مؤید ہو جائے اور زبان ہو جائے جو لوگوں کو حق کی طرف بلائے اور جس سے ان کو ضرر کا خوف تھا وہ ایسی چیز ہو جائے جو ان کو حق کی طرف کھینچ کر لائے، اور تمام عبادات میں کوئی عبادت نماز سے زیادہ عظیم الشان اور قوی البرہان نہیں ہے اس واسطے لوگوں میں اس کی اشاعت اور اس کے لئے اجتماع اور اس میں لوگوں کی موافقت ضروری ہوئی اور نیز ہر ملت میں کئی طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں، علماء ہوتے ہیں جن کی پیروی کی جاتی ہے اور ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو نیکی حاصل کرنے میں رغبت کے ساتھ کہنے کے

في تحصيل احسانهم الى دعوة حثيثة
وناسا ضعفاء البدنية لو لم يكلفوا
ان يؤدوا على اعين الناس
تهاونوا فيها ؛

فلا انفع ولا اوفق بالمصلحة
في حق هؤلاء جميعا ان يكلفوا ان يطيعوا
الله على اعين الناس ليتميز فاعلها
من تاركها وراغبها من الزاهد فيها و
يقتدى بعالمها ويعلم جاهلها وتكون
طاعة الله فيهم كسبيكة تعرض على
طائف الناس ينكر منها المنكر ويعرف
منها المعروف ويرى غشها وخالصها.

وايضا فلاجتماع المسلمين
راغبين في الله راجين راهبين
منه مسلمين وجوههم اليه خاصية
عجيبة في نزول البركات و
تدلي الرحمة كما بينا في الاستسقاء
والحج. وايضا فمراد الله من نصب
هذه الامة ان تكون كلمة الله
هي العليا وان لا يكون في الارض
دين اعلى من الاسلام، ولا يتصور
ذلك الا بان يكون سنتهم ان يجتمع
خاصتهم وعامتهم وحاضرهم و
باديهم وصغيرهم وكبيرهم
لما هو اعظم شعائره واشهر طاعاته
فلهذه المعاني انصرفت العناية
التشريعية الى شرع الجمعة و
الجماعات، والترغيب فيها و
تغليظ النهي عن تركها، والاشاعة

محتاج ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ضعیف الفطرت ہوتے ہیں
اگر ان کو سب لوگوں کے سامنے عبادت ادا کرنے کا حکم
نہ دیا جائے تو وہ عبادت میں سستی کرنے لگیں

اس واسطے ان سب کے حق میں کوئی چیز اس سے
زیادہ نافع اور زیادہ تر مصلحت کے موافق نہیں ہے کہ
ان سب لوگوں کے روبرو عبادت الٰہی کرنے کا حکم دیا
جائے تاکہ تمیز ہو جائے کہ کون اس عبادت کو کرتا ہے اور
کون نہیں کرتا اور کون اس میں رغبت کرتا ہے اور کون بے
رغبتی کرتا ہے، اور عالم کی اقتدار کی جائے اور جاہل کو تعلیم
دی جائے،

اور اللہ تعالےٰ کی طاعت لوگوں کے حق میں بمنزلہ بھٹی
کے ہے جس کو لوگوں پر پیش کیا جاتا ہے جس سے برا اور
بھلا معلوم ہو جاتا ہے اور کھرا اور کھوٹا پرکھا جاتا ہے، اور
نیز مسلمانوں کے اجتماع کو جس میں خدا کی طرف رغبت کرنے
والے اور اس سے امید رکھنے والے اور اس سے ڈرنے والے
اور اس کے آگے سر جھکانے والے ہوتے ہیں، برکات کے
نازل ہونے اور رحمت الٰہی کے جھک پڑنے میں ایک
عجیب خاصیت ہے جیسا کہ ہم نے استسقاء اور حج میں
بیان کیا ہے اور نیز اس امت کے قائم کرنے سے اللہ تعالیٰ
کا مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا بول بالا ہو اور روئے زمین
پر دین اسلام سے اعلیٰ اور کوئی دین نہ پایا جائے اور یہ بات
اسی وقت متصور ہو سکتی ہے کہ ان کا یہ دستور ہو کہ اس
عبادت کے لئے جو دین کا سب سے بڑا شعار اور عبادت
میں سب سے مشہور عبادت ہے، ہر خاص و عام، شہری
و دیہاتی اور چھوٹا و بڑا سب مجتمع ہوا کریں، اسی سبب
سے عنایت شرعیہ جمعہ اور جماعات کے مقرر کرنے اور
ان میں رغبت دلانے اور ان کے ترک سے سخت ممانعت
کرنے کی طرف متوجہ ہوئی،

اور اشاعت دو قسم کی ہے، ایک اشاعت محلہ میں

اشاعتان، اشاعة فی الحی، واشاعة فی المدینة، واشاعة الحی تتیسر فی کل وقت صلاة، والاشاعة فی المدینة لاتتیسر الا غب طائفة من الزمان کالاسبوع، اما الاولی فهی الجماعة وفیها قوله صلی الله علیه وآله وسلم صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرین درجة، وفی روایة بخمس وعشرین درجة، وقد صرح النبی صلی الله علیه وآله وسلم اولوح ان من المرجحات انه اذا توضأ فاحسن وضوءه، ثم توجه الی المسجد لاینهضه الا الصلاة کان مشیه فی حکم الصلاة، وخطواته مکفرات لذنوبه وان دعوة المسلمین تحیط بهم من ورائهم، وان فی انتظار الصلوات معنی الرباط والاعتکاف الی غیر ذلک، ثم ما نوه باحد العددین المذکورین الا لنکتة بلیغة تمثلت عنده صلی الله علیه وسلم وقد ذکرناها من قبل فراجع ولیس فی الحق الذی لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه جزاف بوجه من الوجوه، وفیها قوله صلی الله علیه وسلم ما من ثلاثة فی قریة او بدو لا تقام فیهم الصلاة الا قد استحوذ علیهم الشیطان ٭

ہوتی ہے اور ایک اشاعت شہر میں ہوتی ہے۔ محلہ میں اشاعت ہر وقت کی نماز سے ہو سکتی ہے اور شہر میں اشاعت ایک زمانہ کے گذر جانے کے بغیر نہیں ہو سکتی مثلاً ہفتہ بھر کی مدت، پس پہلی اشاعت، تو جماعت ہے، اور اسی کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جماعت کی نماز اکیلے شخص کی نماز سے ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے" اور ایک روایت میں پچیس درجہ آیا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً یا اشارۃً بیان فرمایا ہے کہ ان باتوں سے نماز کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ کہ جب کسی نے وضو کیا اور اچھی طرح سے کیا پھر مسجد کی طرف محض نماز کے لئے گیا تو اس کا یہ چلنا بھی نماز کے حکم میں ہے، اور اس کے قدم اس کے گناہ دور کرنے والے ہیں، اور یہ کہ مسلمانوں کی دعا پیچھے سے ان کا احاطہ کر لیتی ہے، اور یہ کہ نمازوں کے انتظار میں رباط اور اعتکاف کے معنی پائے جاتے ہیں وغیر ذالک، پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں عددوں میں سے ایک کا نام بغیر کسی نکتہ بلیغہ کے نہیں لیا ہے جو آپ کے نزدیک متمثل تھا اور ہم اس نکتہ کو پہلے بیان کر چکے ہیں اس کو دیکھ لینا چاہئے، اور اس دین حق کے اندر جس میں نہ سامنے سے باطل آتا ہے اور نہ پیچھے سے کسی طرح سے اٹکل کو دخل نہیں ہے اور اسی جماعت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور پھر وہاں جماعت نہ ہو تو بلا شک ان پر شیطان نے غلبہ کر لیا ہے"

میں کہتا ہوں اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جماعت کے ترک کرنے سے سستی کا دروازہ کھلتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے اس بات کا قصد کر لیا تھا کہ میں لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دوں کہ وہ اکھٹی کی جائیں" الحدیث[1]

[1] اس کا اخیر یہ ہے۔ پھر نماز کا حکم دوں کہ اذان دی جائے اور ایک شخص کو امامت کرنے کا حکم دوں پھر میں ان لوگوں کے پاس

اقول هو اشارة الى ان تركها يفتح باب التهاون، وقوله صلى الله عليه وسلم والذي نفسي بيده لقد هممت ان آمر بحطب فيحتطب الحديث ۔

اقول الجماعة سنة مؤكدة تقام اللائمة على تركها لانها من شعائر الدين. لكنه صلى الله عليه وسلم رأى من بعض هنالك تأخرا واستبطاء وعرف ان سببه ضعف النية في الاسلام فشدد النكير عليهم واخاف قلوبهم ثم لما كان في شهود الجماعة حرج للضعيف والسقيم وذي الحاجة اقتضت الحكمة ان يرخص في تركها عند ذلك ليتحقق العدل بين الافراط والتفريط، فمن انواع الحرج ليلة ذات برد ومطر، ويستحب عند ذلك قول المؤذن الا صلوا في الرحال ومنها حاجة يعسر التربص بها كالعشاء اذا حضر فانه ربما تتشوف النفس اليه. وربما يضيع الطعام، وكمدافعة الاخبثين فانه بمعزل عن فائدة الصلاة مع ما به من اشتغال النفس، ولا اختلاف بين حديث لا صلاة بحضرة طعام وحديث لا تؤخروا الصلاة لطعام ولا غيره اذ يمكن تنزيل كل واحد على صورة او معنى اذ المراد نفي وجوب

میں کہتا ہوں جماعت سنت مؤکدہ ہے اس کے ترک پر ملامت متوجہ ہوتی ہے کیونکہ وہ دین کے شعائر میں سے ہے لیکن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے بعض لوگوں میں تاخیر اور ڈھیل پائی اور آپ نے معلوم کر لیا کہ اس کا سبب اسلام میں ان کی نیت کا ضعف ہے اس واسطے ان پر سخت وعید کی اور ان کے دلوں کو ڈرایا۔ پھر چونکہ جماعت کے اندر حاضر ہونے میں ضعیف اور مریض اور حاجت مند لوگوں کے لئے ایک طرح کی دقت تھی تو حکمت الٰہی کا مقتضی یہ ہوا کہ ان کو ایسے وقت میں ترک جماعت کی رخصت دیجائے تاکہ افراط و تفریط میں اعتدال ہو جائے، پس حرج کی قسموں میں سے یہ ہے کہ رات کا وقت ہو جس میں پالا پڑتا ہو یا بارش ہوتی ہو، اور ایسے وقت میں مؤذن کو یہ کہنا مستحب ہے:۔ اے لوگو خبردار! تم اپنی اپنی جگہ پر نماز پڑھو،

اور اقسام حرج میں سے وہ حاجت ہے جس سے رکنا مشکل ہو مثلاً رات کا کھانا جبکہ موجود ہو کیونکہ بسا اوقات دل کھانے کی طرف لگا رہتا ہے اور کبھی یہ خوف ہوتا ہے کہ کھانا ضائع ہو جائے گا، اور جیسے پیشاب پاخانہ کی حاجت رفع کرنا کیونکہ نفس کے مشغول ہو جانے کی وجہ سے نماز کے فائدہ سے محروم رہے گا، اور اس حدیث میں کہ "کھانے کے وقت نماز نہیں" اور اس حدیث میں کہ "کھانے کے لئے یا کسی اور چیز کے لئے نماز میں تاخیر نہ کرو" کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ ہر حدیث کو ایک صورت خاص یا ایک معنی خاص پر محمول کر سکتے ہیں کیونکہ پہلی حدیث میں یہ مراد ہے کہ حاضر ہونا واجب نہیں تاکہ تکلف کا سد باب ہو اور دوسری حدیث میں عدم تاخیر کا حکم اس کے لئے ہے جو تعمق کی قباحت سے مامون ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے روزہ دار کیلئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۵ سے آگے) جاؤں جو نماز جماعت میں حاضر نہیں ہوتے پھر ان کے گھر جلا دوں لیکن ان کے بیوی بچوں کا خیال آتا ہے۔ ۱۲

الحضور، سد الباب التعمق، وعدم التاخير هو الوظيفة لمن امن شر التعمق، وذلك كتنزيل فطر الصائم وعدمه على الحالين والتاخير اذا كان تشوف الى الطعام او خوف ضياع وعدمه اذا لم يكن، وذلك ماخوذ من حال العلة، ومنها ما اذا كان خوف فتنة كامرأة اصابت بخورا، ولا اختلاف بين قوله صلى الله عليه وسلم اذا استاذنت امرأة احدكم الى المسجد فلا يمنعها وبين ما حكم به جمهور الصحابة من منعهن اذ المنهى الغيرة التي تنبعث من الانفة دون خوف الفتنة، والجائز ما فيه خوف الفتنة، وذلك قوله صلى الله عليه وآله وسلم الغيرة غيرتان الحديث، وحديث عائشة ان النساء احدثن الحديث، ومنها الخوف، والمرض، والامر فيهما ظاهر، ومعنى قوله صلى الله عليه وآله وسلم للاعمى اتسمع النداء بالصلاة؟ قال نعم، قال فاجب، ان سواله كان في العزيمة فلم يرخص له ثم وقعت الحاجة الى بيان الاحق بالامامة، وكيفية الاجتماع، ووصية الامام ان يخفف بالقوم، والماموين ان يحافظوا على اتباعه، وقصة معاذ رضي الله عنه في الاطالة مشهورة فبين هذه المعاني باوكد وجه، وهو قوله صلى الله عليه وسلم يؤم القوم

افطار اور عدم افطار کا حکم دو وقتوں کے ساتھ متعلق ہے، یا تاخیر نماز اسوقت ہے جب کھانے کا بہت زیادہ شوق ہو یا اس کے ضائع ہونے کا خوف ہو، اور عدم تاخیر نماز اسوقت میں ہے جبکہ ان میں سے کوئی بات نہ ہو اور علت کے حال سے یہ بات سمجھی جاتی ہے۔

اور اقسام حرج میں سے وہ ہے کہ جب کسی فتنہ کا خوف ہو جیسے کوئی عورت خوشبو لگا کر جائے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ "جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو منع نہ کرو"، اور اس میں کہ جمہور صحابہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے، کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ مسجد میں جانے سے روکنے میں جس غیرت سے منع کیا ہے وہ غیرت ہے جو تکبر سے پیدا ہو نہ کہ فتنہ کے خوف سے اور وہ غیرت جائز ہے جو فتنہ کے خوف کی وجہ سے ہو، اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیرت دو قسم کی ہے، الحدیث۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا "عورتوں نے جو نئی باتیں پیدا کی ہیں اگر ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیں تو اجازت نہ دیتے"۔

اور اقسام حرج میں سے خوف اور مرض ہیں اور ان دونوں میں حکم ظاہر ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معنی جو آپ نے ایک نابینا سے فرمایا تھا "کیا تو اذان سنتا ہے؟" اس نے عرض کیا ہاں، آپ نے فرمایا اس کی تعمیل کر، یہ ہیں کہ اس کا سوال عزیمت میں تھا لیکن آپ نے اس کو اجازت نہ دی، پھر اس بات کے بیان کرنے کی حاجت ہوئی کہ امامت کے لائق تر کون شخص ہے اور اجتماع کی کیا صورت ہے اور اس بات کے بیان کرنے کی حاجت ہوئی کہ امام کو مختصر نماز پڑھانے کی وصیت کی جائے اور مقتدی امام کی اطاعت کریں، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا قصہ نماز کے طویل کرنے میں مشہور ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور کو نہایت

أقرؤهم لكتاب الله فإن كانوا في
القراءة سواء فأعلمهم بالسنة
فإن كانوا في السنة سواء فأقدمهم
هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء
فأقدمهم سنا، ولا يؤمن الرجل
الرجل في سلطانه، وسبب تقديم
القرآن أنه صلى الله عليه وسلم حد
للعلم حدا معلوما كما بينا،
وكان أول ما هنالك معرفة كتاب
الله لأنه أصل العلم، وأيضا فإنه
من شعائر الله فوجب أن يقدم
صاحبه وينوه بشأنه ليكون ذلك
داعيا إلى التنافس فيه، وليس كما
ظن السبب احتياج المصلي إلى القراءة
فقط ولكن الأصل حملهم على
المنافسة فيها، وإنما تدرك الفضائل
بالمنافسة، وسبب خصوص
الصلاة باعتبار المنافسة احتياجها
إلى القراءة فليتدبر، ثم من بعدها
معرفة السنة لأنها تلو لكتاب
وبها قيام الملة، وهي ميراث النبي
صلى الله عليه وسلم في قومه، ثم
بعده اعتبرت الهجرة إلى النبي
صلى الله عليه وسلم لأن النبي
عليه الصلاة والسلام عظم أمر
الهجرة ورغب فيها ونوه بشأنها
وهذا من تمام الترغيب والتنويه، ثم زيادة السن إذ السنة
الفاشية في الملل جميعها توقير

تاکیدی طور سے بیان فرمایا، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا" لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جو ان سب سے
زیادہ قرآن کو اچھا پڑھتا ہو پس اگر قرأت میں برابر ہیں تو
امامت وہ شخص کرے جو سنت کا زیادہ عالم ہو پس اگر علم سنت
میں بھی برابر ہیں تو وہ شخص امامت کرے جو ہجرت میں مقدم
ہو پس اگر ہجرت میں بھی برابر ہیں تو وہ امامت کرے جو عمر
میں زیادہ ہو، اور کوئی شخص دوسرے کی سلطنت میں اس
کا امام نہ بنے" اور زیادہ قاری کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے
کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے علم کی ایک معلوم حد معین کر دی
جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور صحابہ میں سب سے پہلی چیز کتاب
اللہ کی معرفت تھی کیونکہ وہ تمام علوم کی اصل ہے اور نیز وہ
اللہ تعالے کے شعائر میں سے ایک شعار ہے اسواسطے اس کے
پڑھنے والے کا مقدم کرنا ضروری ہوا اور اس کی تعظیم واجب
ہوئی تاکہ اس سے لوگوں کو کتاب اللہ میں رغبت پیدا
ہو، اور یہ بات نہیں ہے جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے کہ اس
کے مقدم کرنے کی محض یہ وجہ ہے کہ مصلی کو قرآن پڑھنے کی ضرورت
ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ ان کو قرآن سیکھنے کی ترغیب اور حرص
دلانا منظور ہے اور باہم حرص کرنے سے فضائل حاصل
ہوتے ہیں، اور اس ترغیب میں نماز کے خاص ہونے کا
یہ سبب ہے کہ نماز کو قرأت کی ضرورت ہے پس اس میں
غور و فکر کرنا چاہیئے اس کے بعد ہے معرفت سنت کا درجہ
ہے کیونکہ سنت کتاب اللہ کے بعد ہے اور اسی سے دین کا
قیام ہے اور امت کے اندر یہی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ورثہ
ہے، پھر اس کے بعد ہجرت کا اعتبار کیا کیونکہ نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے امر ہجرت کی تعظیم کی ہے اور اس میں رغبت
دلائی اور اس کو عظیم الشان سمجھا، اور امامت کے اندر ہجرت
کرنے والے کو مقدم کرنا بھی اسی ترغیب اور تعظیم کا تتمہ ہے، اس
کے بعد زیادتی عمر کا لحاظ کیا کیونکہ تمام مذاہب میں بڑوں
کی تعظیم کا عام دستور ہے علاوہ بریں عمر رسیدہ آدمی زیادہ

الكبير، ولانه اكثر تجربة واعظم
حلما، وانما نهى عن التقدم
على ذى سلطان فى سلطانه
لانه يشق عليه ويقدح فى
سلطانه فشرع ذلك ابقاء عليه
قوله صلى الله عليه وآله وسلم اذا
صلى احدكم للناس فليخفف فان
فيهم السقيم والضعيف والكبير
واذا صلى احدكم لنفسه فليطول
ما شاء۔

اقول الدعوة الى الحق لا تتم
الا بالتيسير، والتنفير
يخالف الموضوع، والشيء الذى يكلف
به جمهور الناس من حقه التخفيف
كما صرح النبى صلى الله عليه وسلم
حيث قال ان منكم منفرين، قوله
صلى الله عليه وآله وسلم انما جعل
الامام ليؤتم به فلا تختلفوا
عليه فاذا ركع فاركعوا، واذا قال
سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم
ربنا لك الحمد، واذا سجد فاسجدوا
واذا صلى جالسا فصلوا جلوسا اجمعين
وفى رواية واذا قال ولا الضالين
فقولوا آمين۔

اقول بدء الجماعة ما اجتهده
معاذ رضى الله عنه برايه فقرره
النبى صلى الله عليه وآله وسلم
واستصوبه، وانما اجتهد لانه به
تصير صلاتهم واحدة ودون

تجربہ والا اور زیادہ حلم والا ہوتا ہے،
اور صاحب سلطنت کا اس کی سلطنت میں امام بننے سے
سے جو آپ نے منع فرمایا تو اس کا سبب یہ ہے کہ یہ بات
صاحب سلطنت پر شاق گذرے گی اور اس کی سلطنت
میں نقصان پیدا ہوگا پس صاحب سلطنت کا سلطنت
باقی رکھنے کے واسطے ایسا حکم فرمایا، اور آں حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی لوگوں
کا امام بنے تو اختصار کرے کیونکہ ان میں بیمار، ضعیف
اور بوڑھے ہوتے ہیں، اور جب تم میں سے کوئی تنہا
نماز پڑھے تو جتنا چاہے نماز کو طویل کرے۔"

میں کہتا ہوں دعوت الی الحق کا فائدہ بغیر
آسانی کے پورے طور پر حاصل نہیں ہوتا اور لوگوں
کو نفرت دلانا دین کے مقصد کے خلاف ہے، اور جس
چیز کا سب لوگوں کو حکم دیا جائے۔ اس کے لئے آسانی
زیبا ہے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول
سے اس بات کی تصریح کردی "بعض تم میں سے نفرت دلانے
والے ہیں" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امام اس
لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے پس تم اس
کے خلاف نہ کرو، سو جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، اور
جب وہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہو
اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ
کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو" اور ایک روایت
میں ہے "اور جب وہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو،

میں کہتا ہوں جماعت کی ابتدا، حضرت معاذ رضی
اللہ عنہ کے اجتہاد سے ہوئی ہے پس نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے ان کے اجتہاد کو برقرار رکھا اور اس کو صحیح بتایا
اور انہوں نے یہ اجتہاد اس لئے کیا کہ جماعت کی وجہ
سے سب لوگوں کی نماز ایک ہو جاتی ہے اور بدون
جماعت کے مسجد میں جمع ہونے سے صرف اتفاق فی المکان

ذلك انما هو اتفاق في المكان دون الصلاة، وقوله صلى الله عليه وسلم اذا صلى جالسا فصلوا جلوسا منسوخ بدليل امامة النبي صلى الله عليه وسلم في اخر عمره جالسا والناس قيام، والسر في هذا النسخ ان جلوس الامام وقيام القوم يشبه فعل الاعاجم في افراط تعظيم ملوكهم كما صرح به في بعض روايات الحديث فلما استقرت الاصول الاسلامية و ظهرت المخالفة مع الاعاجم في كثير من الشرائع رجح قياس اخر، وهو ان القيام ركن الصلاة فلا يترك من غير عذر ولا عذر للمقتدي

قوله صلى الله عليه وسلم ليلني منكم اولوا الاحلام والنهى ثم الذين يلونهم ثلاثا واياكم وهيشات الاسواق.

اقول ذلك ليستقر عندهم توقير الكبير وليتنافسوا في عادة اهل السؤدد، ولئلا يشق على اولي الاحلام تقدم من دونهم عليهم ونهى عن الهيشات تأدبا و ليتمكنوا من تدبر القران وليتشبهوا بقوم ناجوا الملك، قوله صلى الله عليه واله وسلم الا تصفون كما تصف الملائكة عند ربها

اقول لكل ملك مقام معلوم وانما وجدوا على مقتضى الترتيب العقلي في الاستعدادات، فلا يمكن

ہوتا ہے اور ان سب کی نماز ایک نماز نہیں ہوتی

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بیٹھ کر نماز پڑھو" منسوخ ہے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخیر عمر میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، اس کے منسوخ ہونے میں راز یہ ہے کہ امام کا بیٹھا رہنا اور لوگوں کا اس کے پیچھے کھڑا ہونا عجمیوں کے اس فعل کے ساتھ مشابہ ہے جو وہ اپنے بادشاہوں کی حد سے زیادہ تعظیم میں کرتے ہیں جیساکہ حدیث کی بعض روایات میں اس کی تصریح پائی جاتی ہے، پس جب اصول اسلامی مستحکم ہوگئے اور بہت سے احکام میں عجمیوں کی مخالفت ظاہر ہوگئی تو اس پر ایک دوسرے قیاس کو ترجیح دی گئی، اور وہ یہ ہے کہ قیام نماز کا رکن ہے پس بغیر عذر کے اس کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور اس صورت میں مقتدی کے لئے کوئی عذر نہیں ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو لوگ عقل مند اور سمجھدار ہیں وہ مجھ سے ملکر کھڑے ہوا کریں پھر وہ جو ان کے قریب ہیں (آپ نے تین بار اس کلمہ کو فرمایا) اور بازاروں کی طرح شور وغل سے اجتناب کرو"

میں کہتا ہوں یہ آپ نے اس لئے فرمایا تاکہ ان میں بڑوں کی عظمت پیدا ہو اور شرفاء کی عادت اختیار کرنے کی طرف رغبت ہو اور تاکہ اہل عقل پر کم درجہ کے لوگوں کا مقدم ہونا شاق نہ گذرے. اور شور وغل سے منع کرنا ادب سکھانے کے لئے ہے اور تاکہ وہ قرآن کے اندر خوب غور وفکر کرسکیں اور ان لوگوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں جو بادشاہ کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس طرح فرشتے خدا تعالیٰ کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تم اس طرح کیوں نہیں کھڑے ہوتے"

ان يكون هنالك فرجة، قوله صلى الله عليه وسلم انى لارى الشيطان يدخل فى خلل الصف كأنها الحذف ؀

اقول قد جربنا ان التراص فى حلق الذكر سبب جمع الخاطر ووجدان الحلاوة فى الذكر، وسد الخطرات، وتركه ينقص من هذه المعانى، والشيطان يدخل كما انتقص شئ من هذه المعانى، فرأى ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم متمثلا بهذه الصورة، وانما رأى فى هذه الصورة لان دخول الحذف اقرب ما يرى فى العادة مع هجوم شئ فى المضائق مع السواد المشعر بقبح السريرة، فتمثل الشيطان بتلك الصورة، قوله صلى الله عليه وسلم لتسون صفوفكم او ليخالفن الله بين وجوهكم، وقوله صلى الله عليه وسلم اما يخشى الذى يرفع رأسه قبل الامام ان يحول الله رأسه رأس حمار ؀

اقول كان النبى صلى الله عليه وسلم امرهم بالتسوية والاتباع ففرطوا، وسجل عليهم فلم ينزجروا فغلظ التهديد وخاف منهم ان اصروا على المخالفة ان يلعنهم الحق اذ منابذة التدليات الالهية جالبة للعن، واللعن اذا احاط باحد يورث المسخ او وقوع

میں کہتا ہوں ہر فرشتہ کے لئے ایک مقام معین ہے اور استعدادوں کے اندر ترتیب عقلی کے موافق وہ پیدا لئے گئے ہیں اس واسطے وہاں خالی جگہ نہیں ہو سکتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ بھیڑ کے سیاہ بچے کی صورت میں صف کی خالی جگہ سے گھس آتا ہے"

میں کہتا ہوں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ذکر کے حلقہ میں مل کر بیٹھنے سے جمع خاطر اور ذکر میں حلاوت پیدا ہوتی ہے اور خطرات بند ہوتے ہیں اور اس کے ترک کرنے سے یہ سب باتیں کم ہو جاتی ہیں، اور جب ان معانی میں سے کچھ کم ہوا تو شیطان داخل ہو جاتا ہے پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو اسی صورت میں متشکل دیکھا ہے اور اس صورت میں دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بھیڑ کے بچہ کا داخل ہونا عادۃً ایسی تنگ جگہوں میں اکثر ہوتا ہے اور سیاہی کی صفت کے ساتھ دیکھنا جو باطن کی خباثت پر دلالت کرتی ہے اسی واسطے شیطان اس صورت میں آپ کے سامنے متمثل ہوا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ خدا تعالیٰ تمہارے منہ بگاڑ دے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے کیا اس کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ خدا اس کا گدھے کا سا سر بنا دے"

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو صفیں برابر کرنے کا اور امام کی اتباع کا حکم دیا تھا لیکن انہوں نے اس میں کوتاہی کی اور آپ نے ان کو روکا وہ باز نہ آئے تب آپ نے ان پر سخت تہدید کی اور ان کو خوف دلایا کہ اگر مخالفت پر اصرار کریں گے تو ان پر خدا تعالےٰ لعنت کرے گا کیونکہ متقربات الٰہی سے مخالفت کرنا لعنت کا سبب ہے، اور لعنت جب کسی کو محیط ہوتی ہے تو مسخ یا ان میں خلاف کے واقع ہونے کو پیدا کرتی ہے۔

اور گدھے کی خصوصیت میں نکتہ یہ ہے کہ یہ ایسا

الخلاف بينهم، والنكتة في خصوص الحمار أنه بهيمة يضرب به المثل في الحمق والإهانة فذلك هذا العاصي غلب عليه البهيمية والحمق، وفي خصوص تحويل الوجه أنهم أساءوا الأدب في إسلام الوجه لله، فجوزي العضو الذي أساء به، كما في كي الوجوه، أو اختلفوا سوءً بالتقدم والتأخر فجوزوا بالاختلاف معنى والمناقشة، قوله صلى الله عليه وآله وسلم إذا جئتم إلى الصلاة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوه شيئا ومن أدرك الركعة فقد أدرك الصلاة.

اقول ذلك لأن الركوع أقرب شبهها بالقيام، فمن أدرك الركوع فكأنه أدركه، وأيضا فالسجدة أصل أصول الصلوة والقيام والركوع تمهيد له وتوطئة، وقوله صلى الله عليه وآله وسلم إذا صليتما في رحالكما ثم أتيتما مسجد جماعة فصليا معهم فإنها لكما نافلة.

اقول ذلك لئلا يعتذر تارك الصلاة بأنه صلى في بيته فيمتنع الإنكار عليه، ولئلا تفترق كلمة المسلمين ولو بادي الرأي.

الجمعة

الأصل فيها أنه لما كانت

جانور ہے جو حماقت اور اہانت میں ضرب المثل ہے اسی طرح اس گناہگار پر جب اس نے سر اٹھانے میں سبقت کی بہیمیت اور حماقت کا غلبہ ہوگیا اور چہروں کے پھرنے کی تخصیص میں یہ راز ہے کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کے لئے چہرہ جھکانے میں بے ادبی کی تھی اس لئے ان کے اسی عضو کو سزا دی گئی جس کے ساتھ ان سے برائی سرزد ہوئی تھی، جس طرح چہروں پر داغ دینے کی سزا، یا ظاہر میں انہوں نے آگے پیچھے ہوکر یہ اختلاف کیا تھا اس واسطے ان کو اختلاف معنوی اور باہم مخالفت کے ساتھ یہ سزا دی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم نماز کے لئے آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو تم سجدہ میں شریک ہوجاؤ اور اس کو حساب میں نہ لگاؤ اور جس کو رکوع مل گیا اس کو نماز مل گئی"۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رکوع قیام کے ساتھ بہت مشابہ ہے پس جس نے رکوع پالیا تو گویا اس نے قیام کو پالیا اور نیز سجدہ نماز میں اصل اصول ہے اور قیام اور رکوع اس کے لئے تمہید اور واسطہ ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم دونوں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکو پھر تم ایسی مسجد میں آؤ جس میں جماعت ہو رہی ہو تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لو کیونکہ وہ تمہارے لئے نفل ہے"۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تارک نماز کو اس عذر کا موقع نہ رہے کہ میں نے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی ہے پس اس پر کچھ باز پرس نہ ہوسکے، اور دوسرے یہ ہے کہ مسلمانوں کی بات میں علیحدگی نہ ہو اگرچہ وہ علیحدگی ظاہر میں ہی کیوں نہ ہو۔

جمعہ کا بیان

اس میں اصل بات یہ ہے کہ شہر میں ہر روز نماز کی اشاعت

اشاعة الصلاة فی البلد بان یجتمع لها
اهلها متعذرة كل یوم وجب
ان یعین لها حد لا یسرع دورانه
جدا فیتعسر علیهم ولا یبطؤ
جدا فیفوتهم المقصود، وكان
الاسبوع مستعملا فی العرب
والعجم واكثر الملل، وكان صالحا
لهذا الحد، فوجب ان یجعل میقاتها
ذلك، ثم اختلف اهل الملل فی
الیوم الذی یوقت به، فاختار
الیهود السبت، والنصاری الاحد
لمرجحات ظهرت لهم، وخص
الله تعالی هذه الامة بعلم عظیم
نفثه اولا فی صدور اصحابه صلی
الله علیه وسلم حتی اقاموا الجمعة
فی المدینة قبل مقدمه صلی الله
علیه وسلم، وكشفه علیه
ثانیا بان اتاه جبرائیل علیه
السلام بمرآة فیها نقطة سوداء
یعرفه ما ارید بهذا المثال
فعرف:

وحاصل هذا العلم ان احق
الاوقات باداء الطاعات هو الوقت
الذی یتقرب فیه الله تعالی
الی عباده، ویستجاب فیه ادعیتهم
لانه ادنی ان تقبل طاعتهم وتؤثر
فی صمیم النفس وتنفع عدة كثیرة
من الطاعات، وان لله وقتا
دوارا بدوران الاسبوع یتقرب

اس طرح پر ہو کہ تمام اہل شہر نماز کے لئے جمع ہوا
کریں چونکہ متعذر تھا اس لئے ضروری ہوا کہ اس کے لئے
ایک حد مقرر کی جائے جس کا دوران نہ تو اس قدر جلدی
ہو کر لوگوں پر وہ دشوار ہو جائے اور نہ بہت دیر سے
ہو جس سے کہ ان سے مقصود ہی فوت ہو جائے اور ہفتہ
ایسی مدت ہے جو عرب وعجم اور بہت سے مذاہب میں مستعمل
تھا اور اس حد کی صلاحیت رکھتا تھا اس واسطے
ضروری ہوا کہ اس کو نماز کا وقت بنایا جائے پھر اہل ملل
کا دین کے بارے میں اختلاف ہوا جس کو ایسی عبادت
کے لئے مخصوص کیا جائے، پس یہود نے ہفتہ کو اور
نصاریٰ نے اتوار کو ان ترجیحات کی بنا پر جو ان پر ظاہر
ہوئیں پسند کیا اور اس امت کو خدا تعالےٰ نے علم عظیم
کے ساتھ خاص کیا، اولاً اس کو آپ کے اصحاب کے
دلوں میں القا فرمایا حتیٰ کہ انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کے تشریف لے آنے سے پیشتر مدینہ میں جمعہ قائم کیا
بعد ازاں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اس کا انکشاف
فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس ایک آئینہ لیکر
تشریف لائے جس میں ایک سیاہ نقطہ تھا پس اس مثال
سے جو مقصود تھا وہ آپ کو بتلایا پس آپ نے اس کو
معلوم کر لیا،

اس علم کا حاصل یہ ہے کہ عبادات ادا کرنے کا بہترین
وقت وہ ہے جس میں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے قریب
ہوتا ہے اور جس میں ان کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں کیونکہ
ایسے وقت میں عبادت کے قبول ہونے میں سرعت ہوتی
ہے اور عبادت دل میں اثر کرتی ہے اور بہت سی عبادتوں
کا نفع بخشتی ہے، اور یہ کہ اللہ تعالےٰ کا ایک وقت ہے جو
ہفتوں کی گردش کے ساتھ گردش کرتا ہے، جس میں
اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے نزدیک ہوتا ہے اور یہ وہ
وہ وقت ہے جس میں خدا تعالےٰ جنت کے ٹیلوں پر اپنے

فیہ الی عباد ،۔ وھوالذی یتجلی فیہ لعبادہ فی جنۃ الکثیب ، وان اقرب مظنۃ لھذا الوقت ھو یوم الجمعۃ فانہ وقع فیہ امور عظام ، وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ ادخل الجنۃ وفیہ اخرج منھا ولا تقوم الساعۃ الا یوم الجمعۃ ، والبھائم تکون فیہ مسیخۃ یعنی نزعۃ موعوبۃ کالذی مالہ صوت شدید وذلک لما یترشح علی نفوسھم من الملاء السافل ، ویترشح علیھم من الملاء الاعلیٰ حین تفزع اولا لنزول القضاء ، وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کسلسلۃ علی صفوان حتی اذا نزع عن قلوبھم الحدیث ، وقد حدث النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھذہ النعمۃ کما امرہ ربہ فقال نحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ ، یعنی فی دخول الجنۃ او العرض للحساب بید انھم اوتوا الکتاب من قبلنا واوتیناہ من بعدھم ، یعنی غیر ھذہ الخصلۃ فان الیھود والنصاریٰ تقدموا فیھا ، ثم ھذا یومھم الذی فرض علیھم یعنی الفرد المنتشر الصادق بالجمعۃ فی حقنا وبالسبت والاحد فی حقھم فاختلفوا

بندوں پر تجلی کرے گا اور اس وقت کا زیادہ تر گمان جمعہ کے دن میں ہے کیونکہ اس دن میں بڑے بڑے امور واقع ہوئے ہیں ،

چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بہترین دنوں کا جس میں آفتاب طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے اس دن میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے اور اسی روز قیامت قائم ہوگی اور اسی روز بہائم گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں" یعنی خوف زدہ اور ڈرے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح کوئی سخت آواز سنکر ڈرتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ملاء سافل سے ان کے نفوس پر گھبراہٹ کا اثر ہوتا ہے اور ان پر ملاء اعلیٰ سے ترشح ہوتا ہے جس وقت کہ وہ قضاء کے نازل ہونے سے اول بار ڈرتے ہیں اور اسی کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جیسے سخت پتھر پر ایک زنجیر ماری جاتی ہے تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے یہانتک کہ ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے" الحدیث، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے حکم کے موافق اس نعمت کا ذکر کیا پس آپ نے فرمایا" ہم بعد میں پیدا ہونے والے ہیں ، قیامت کے دن سابق رہنے والے ہیں (یعنی جنت میں داخل ہونے میں یا حساب کے لئے پیش ہونے میں سابق ہیں) مگر اتنی بات ہے کہ ان کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور ہمیں ان سے بعد کو عطا ہوئی ہے (یعنی سوائے اس خصلت کے کہ اس میں یہود اور نصاریٰ ہم سے مقدم ہیں) پھر یہ ان کا دن ہے جو ان پر فرض کیا ہے (آپ کی مراد اس دن سے فرد منتشر ہے جو ہمارے جو ہمارے حق میں جمعہ کے ساتھ پایا جاتا ہے ان کے حق میں ہفتہ اور اتوار کے ساتھ پایا جاتا ہے) اس دن میں انہوں نے اختلاف کیا پس اللہ تعالےٰ ہم کو اس کی ہدایت کی" یعنی اس دن کی ہدایت کی

فيه فهدانا الله له اى لهذا اليوم كما
هو عند الله، وبالجملة فتلك فضيلة
خص الله بها هذه الامة، واليهود
والنصارى لم يفتهما اصل ما ينبغي
في التشريع، وكذلك الشرائع
السماوية لاتخطئ قوانين التشريع
وان امتاز بعضها بفضيلة زائدة،
ونوه صلى الله عليه وسلم بهذه
الساعة وعظم شانها فقال لايوافقها
مسلم يسأل الله فيها خيرا الا اعطاه
اياه ⁂

ثم اختلفت الرواية في
تعيينها فقيل هي ما بين ان يجلس
الامام الى ان تقضى الصلاة لانها
ساعة تفتح فيها ابواب السماء و
يكون المؤمنون فيها راغبين
الى الله فقد اجتمع فيها بركات
السماء والارض ⁂

وقيل بعد العصر الى غيبوبة
الشمس لانها وقت نزول القضاء
وفي بعض الكتب الالهية ان فيها
خلق آدم، وعندى ان الكل
بيان اقرب مظنة وليس بتعيين
ثم مست الحاجة الى بيان
وجوبها والتاكيد فيه فقال النبي
صلى الله عليه وسلم لينتهين
اقوام عن ودعهم الجمعات او
ليختمن الله على قلوبهم ثم ليكونن
من الغافلين ⁂

اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے۔

الحاصل وہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کے ساتھ خدا
تعالیٰ نے اسی امت کو خاص کیا اور شرع میں جو چیز اصل
ہونی چاہیئے اس سے یہود و نصاریٰ بھی محروم نہیں، اور
اسی طرح آسمانی شریعتیں قوانین شرعیہ کو نہیں چھوڑتیں
اگرچہ بعض کسی فضیلت زائدہ کے ساتھ ممتاز ہوں، اور آں
حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ساعت کا اہتمام فرمایا
اور اس کی عظمت شان بیان کی، پس آپ نے فرمایا "جو
کوئی مسلمان اس گھڑی میں خدا تعالےٰ سے سوال کرے گا
اللہ تعالےٰ اس کو عطا فرمائے گا"

پھر اس گھڑی کی تعیین میں مختلف روایتیں وارد ہیں،
پس بعض نے کہا یہ ساعت مابین اس کے ہے کہ امام بیٹھے
یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو کیونکہ وہ ایسی ساعت
ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں
اور اس ساعت میں ایمان والے خدا تعالےٰ کی طرف
متوجہ ہوتے ہیں پس اس وقت میں آسمان و زمین کی برکات مجتمع
ہو جاتی ہیں،

اور بعض کہتے ہیں وہ گھڑی عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک
ہے کیونکہ وہ وقت احکام الٰہی کے نزول کا ہے۔ اور بعض کتب
الہیہ میں ہے کہ اس گھڑی میں حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے ہیں، اور
میرے نزدیک یہ سب تخمینی بیان ہے اور ان سے تعیین ثابت
نہیں ہوتی، پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ جمعہ کے وجوب
کو اور اس کے بارے میں تاکید کو بیان کیا جائے پس نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" لوگوں کو ترک جمعہ سے باز آنا چاہیئے ورنہ
خدا تعالےٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ بے خبر ہو جائیں
گے۔"

میں کہتا ہوں یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کے
ترک کرنے سے سستی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اس
سبب سے شیطان غالب آجاتا ہے،

اقول هذا اشارة الى ان تركها يفتح باب التهاون وبه يستحوذ الشيطان، وقال صلے الله عليه وسلم تجب الجمعة على كل مسلم الا امرأة او صبي او مملوك، وقال صلے الله عليه وسلم الجمعة على من سمع النداء۔

اقول هذا رعاية للعدل بين الافراط والتفريط وتخفيف لذوي الاعذار، والذين يشق عليهم الوصول اليها او يكون في حضورهم فتنة، والى استحباب التنظيف بالغسل والسواك والتطيب ولبس الثياب لانها من مكملات الطهارة فيتضاعف التنبه لخلة النظافة وهو قوله صلے الله عليه وسلم لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك ولانه لابد لهم من يوم يغتسلون فيه ويتطيبون لان ذلك من محاسن ارتفاقات بني آدم، ولما لم يتيسر كل يوم امر بذلك يوم الجمعة لان التوقيت يحض عليه ويكمل الصلاة، وهو قوله صلے الله عليه وسلم حق على كل مسلم ان يغتسل في كل سبعة ايام يوما يغسل فيه راسه وجسده، ولانهم كانوا عملة انفسهم، وكان لهم اذا اجتمعوا ريح كريح الضان،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بجز عورت اور بچے اور غلام کے ہر مسلمان پر جمعہ واجب ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو اذان کی آواز سُنے اس پر جمعہ واجب ہے"

میں کہتا ہوں یہ افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کی رعایت معذوروں کے لئے اور ان کے لئے جن کو وہاں تک پہنچنا دشوار ہے یا ان کے وہاں جانے سے فتنہ کا خوف ہے ان کے لئے تخفیف ہے، اور اس بات کی بھی ضرورت پڑی کہ ان کے لئے نہانے اور مسواک کرنے اور خوشبو لگانے اور کپڑوں کے پہننے کے ساتھ پاکیزگی مستحب کی جائے کیونکہ یہ چیزیں طہارت کو کامل کرنے والی ہیں پس ان کے سبب سے طہارت کی عادت پر اور زیادہ تنبیہ ہوتی ہے اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا" اور نیز لوگوں کے لئے ایک دن ایسا بھی ہونا ضروری ہے جس میں غسل کریں اور خوشبو لگائیں کیونکہ یہ بنی آدم کی عمدہ عادات میں سے ہے اور چونکہ ہر دن ان چیزوں کا کرنا آسان نہ تھا اس لئے جمعہ کے دن ان کو کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ اس پابندی سے اس کی رغبت بھی ہوتی ہے اور نماز بھی کامل ہوتی ہے، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر مسلمان کو لازم ہے کہ سات روز میں سے ایک روز غسل کیا کرے جس میں اپنا سر اور بدن دھویا کرے" اور نیز وہ اپنا کام خود کیا کرتے تھے اور جب جمع ہوتے تھے تو ان میں سے بھیڑوں کی سی بو آتی تھی اس واسطے ان کو نہانے کا حکم دیا گیا تاکہ نفرت کا سبب دور ہو اور ان کا باہم خوب اجتماع ہو حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ نے اس کو بیان فرمایا ہے، اور نیز اس بات کی ضرورت پڑی کہ ان کو خاموش رہنے کا اور امام سے قریب ہونے کا اور

فامروا بالغسل ليكون رافعا لسبب التنفير، وادعى للاجتماع بينه ابن عباس وعائشة رضي الله عنهما، والى الامر بالانصات والدنو من الامام، وترك اللغو والتبكير ليكون ادنى الى استماع الموعظة والتدبر فيها، وبالمشي وترك الركوب لانه اقرب الى التواضع والتذلل لربه ولان الجمعة تجمع المملق والمثري فلعل من لا يجد المركوب يستحي، فاستحب سد هذا الباب، والى استحباب الصلاة قبل الخطبة لما بينا في سنن الرواتب، فاذا جاء الامام يخطب فليركع ركعتين، وليتجوز فيهما رعاية لسنة الراتبة وادب الخطبة جميعا بقدر الامكان، ولا تغتر في هذه المسالة بما يلهج به اهل بلدك فان الحديث صحيح واجب اتباعه، والى النهي عن التخطي والتفريق بين اثنين واقامة احد ليخالف الى مقعده لانها مما يفعله الجهال كثيرا ويحصل بها فساد ذات البين وهي بذر الحقد، ثم بين رسول الله صلى الله عليه وسلم ثواب من ادى الجمعة كاملة موفرة باد ابها انه يغفر له ما بينه و

لغویات ترک کرنے کا اور جلد آنے کا حکم دیا جائے تاکہ نصیحت سننے کا اور اس میں تدبر کرنے کا زیادہ موقع ملے، اور اس بات کی ضرورت پڑی کہ جمعہ کی نماز کے لئے پیدل آنے کا اور سواری ترک کرنے کا حکم دیا جائے کیونکہ اس میں اپنے رب کے لئے تواضع اور خاکساری زیادہ پائی جاتی ہے، اور نیز جمعہ میں تنگدست اور غنی سب جمع ہوتے ہیں اس واسطے یہ احتمال ہے کہ جس کو سواری نہ ملے تو وہ شرم محسوس کرے، پس اس دروازہ کا بند کرنا مناسب ہوا، اور اس بات کی بھی ضرورت ہوئی کہ خطبہ سے پیشتر نماز مستحب کی جائے جس کی وجہ نماز پنجگانہ کی سنتوں میں ہم بیان کر چکے ہیں، پس جب کوئی شخص ایسے وقت میں آئے کہ امام خطبہ پڑھتا ہے تو اس کو دو رکعت مختصر سی پڑھنی چاہئے تاکہ سنت راتبہ اور ادب خطبہ دونوں کی بقدر امکان رعایت ہو جائے اور اس مسئلہ کے بارے میں تمہارے شہر کے لوگ جو شور کرتے ہیں ان کے دھوکہ میں نہ آنا کیونکہ اس کے حق میں حدیث صحیح وارد ہے جس کا اتباع واجب ہے، اور نیز اس بات کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں کی گردنوں پر سے اور دو شخصوں کو ہٹا کر چلنے سے اور کسی کو اپنی جگہ پر بٹھانے سے تاکہ وہ اس بات کی نیابت کرے اور کوئی دوسرا شخص نہ بیٹھے منع کیا جائے کیونکہ جاہل لوگ اکثر ایسا کرتے ہیں اور اس سے باہم فساد پیدا ہوتا ہے اور وہ کینہ کا بیج ہے پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا ثواب بیان فرمایا جس نے جمعہ کو تمام آداب کے ساتھ اچھی طرح سے ادا کیا کہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور اس کا سبب یہ کہ نور الٰہی اور مؤمنین کی دعا اور ان کی صحبت کی برکات اور وعظ اور ذکر الٰہی وغیرہ کی برکت دریا میں غرق ہونے کے لئے یہ نماز کافی مقدار ہے پھر آپ نے اس نماز میں جلد

بين الجمعة الاخرى، وذلك لانه مقدار صالح للحلول في لجة النور ودعوة المؤمنين وبركات صحبتهم وبركة الموعظة والذكر وغير ذلك، وبين درجات التبكير وما يترتب عليها من الاجر بما ضرب من مثل البدنة والبقرة والكبش والدجاجة، وتلك الساعات ازمنة خفيفة من وقت وجوب الجمعة الى تمام الخطبة، و

اعلم ان كل صلاة تجمع الاقاصي والادانى فانها شفع واحد لئلا تثقل عليهم وان فيهم الضعيف والسقيم وذا الحاجة، ويجهر فيها بالقراءة ليكون امكن لتدبرهم في القرآن وانسوة بكتاب الله، ويكون فيها خطبة ليعلم الجاهل ويذكر الناسي، وسن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الجمعة خطبتين يجلس بينهما ليتوفر المقصد مع استراحة الخطيب وتطرية نشاطه ونشاطهم وسنة الخطبة ان يحمد الله ويصلي على نبيه ويتشهد و يأتي بكلمة الفصل وهي اما بعد، ويذكر ويأمر بالتقوى ويحذر عذاب الله في الدنيا والآخرة، و يقرأ شيئا من القرآن، ويدعو للمسلمين، وسبب ذلك انه ضم مع التذكير التنويه بذكر

آنے کے درجات اور ان کے اوپر جو ثواب مرتب ہوتا ہے، اس کو اونٹ اور گائے اور دنبہ اور مرغی کے ساتھ مثال دیکر بیان فرمایا، اور یہ ساعتیں وجوب جمعہ کے وقت سے تمام خطبہ تک مختصر اوقات ہیں،

واضح ہو کہ جس نماز میں ادنیٰ اور اعلیٰ سب جمع ہوتے ہیں وہ ایک ہی شفع (دو رکعت) ہے تاکہ لوگوں پر گراں نہ گذرے اس کے علاوہ ان میں کمزور اور مریض اور صاحب حاجت اشخاص بھی ہوتے ہیں، اور اس نماز میں قرأت جہراً پڑھی جاتی ہے تاکہ وہ قرآن میں غور و فکر کر سکیں اور کتاب اللہ کی عظمت بھی پائی جائے، اور ایسی نماز میں خطبہ بھی مقرر کیا گیا ہے تاکہ ناواقف واقف ہو جائے اور غافل کو یاد آجائے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جمعہ میں دو خطبے اور ان کے درمیان جلسہ مسنون فرمایا کہ مقصد پورا حاصل ہو اور اس کے ساتھ خطیب کو آرام مل جائے اور اس کا اور لوگوں کا نشاط تازہ ہو جائے،

اور خطبہ پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ خدا تعالے کی حمد کرے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور کلمۂ شہادتین پڑھے اور کلمۂ فصل لائے اور وہ کلمہ "اما بعد" ہے اور لوگوں کو نصیحت کرے اور تقویٰ کا حکم کرے اور دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی سے ڈرائے اور کچھ قرآن پاک پڑھے اور مسلمانوں کے لئے دعا خیر کرے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے نصیحت کے ساتھ خدا تعالیٰ اس کے نبی اور قرآن پاک کو ملایا ہے اس واسطے کہ خطبہ دین کے شعائر میں سے ہے پس اذان کی طرح یہ چیزیں خطبہ میں بھی ضرور ہونی چاہئیں،

حدیث شریف میں آیا ہے: "جس خطبہ میں کلمۂ شہادت نہ ہو تو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے" اور معناً نہ کہ لفظاً، امت کو یہ بات مسلسل حاصل ہوتی رہی کہ جمعہ میں جماعت اور ایک قسم کی شہرت شرط ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم

الله ونبيه وبكتاب الله لان الخطبة
من شعائر الدين فلا ينبغي
ان يخلوا منها كالاذان، وفي الحديث
كل خطبة ليس فيها تشهد فهي كاليد
الجذماء وقد تلقت الامة تلقيا
معنويا من غير تلقي لفظ انه
يشترط في الجمعة الجماعة ونوع
من التمدن، وكان النبي صلى
الله عليه وسلم وخلفاؤه رضي الله
عنهم، والائمة المجتهدون رحمهم
الله تعالى يجمعون في البلدان ولا
يؤاخذون اهل البدو، بل ولا يقام
في عهدهم في البدو ففهموا من ذلك
قرنا بعد قرن وعصرا بعد عصر
انه يشترط لها الجماعة والتمدن،

اقول وذلك لانه لما كان
حقيقة الجمعة اشاعة الدين في البلد
وجب ان ينظر الى تمدن وجماعة،
والاصح عندي انه يكفي اقل ما يقال
فيه قرية، لما روي من طرق شتى
يقوي بعضها بعضا، خمسة لاجمعة
عليهم، وعد منهم اهل البادية
قال صلى الله عليه وسلم الجمعة
على الخمسين رجلا،

اقول الخمسون يتقرى بهم قرية
وقال صلى الله عليه وسلم الجمعة
واجبة على كل قرية، واقل ما يقال
فيه جماعة لحديث الانفضاض،
والظاهر انهم لم يرجعوا والله اعلم،

اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ
تعالیٰ جمعہ شہروں ہی میں قائم کرتے تھے اور دیہات
کے لوگوں سے کچھ تعرض نہ کرتے تھے بلکہ ان کے عہد میں دیہات
میں جمعہ نہ ہوتا تھا پس اس بات سے لوگ قرناً بعد قرنٍ
وعصراً بعد عصرٍ یہ سمجھنے لگے کہ جمعہ کے لئے
جماعت اور شہریت شرط ہے،

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ
جمعہ کی حقیقت شہر میں دین کی اشاعت ہے
اس واسطے شہریت اور جماعت کا اعتبار ضروری
ہوا، اور میرے نزدیک صحیح تر قول یہ ہے کہ کم سے
کم جس پر قریہ کا اطلاق ہوتا ہو وہ نماز جمعہ
کے لئے کافی ہے کیونکہ چند ایسے طرق سے جو بعض
بعض کی تائید کرتے ہیں یہ مروی ہے کہ :- "پانچ قسم
کے لوگوں پر جمعہ نہیں" اور ان میں دیہات والوں
کو بھی شمار کیا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جمعہ
پچاس آدمیوں پر واجب ہے"

میں کہتا ہوں پچاس آدمیوں سے قریہ
بن جاتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"ہر قریہ پر جمعہ واجب ہے" اور کم سے کم جس پر جماعت
کا اطلاق ہوتا ہو وہ جمعہ کے لئے کافی ہے اور
حدیث انفضاض (۱) پر دلالت کرتی ہے، اور ظاہر
یہ ہے کہ وہ لوگ نماز جمعہ سے چلے جانے کے
بعد پھر واپس نہیں آئے، واللہ اعلم،

پس جب جماعت حاصل ہو جائے تو جمعہ
واجب ہو جاتا ہے اور جو اس میں شامل نہ
ہو تو وہ گنہگار ہے اور چالیس آدمیوں کی تعداد

(۱) حدیث انفضاض سے اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر قرآن
شریف کی ان آیتوں میں ہے :- واذا رأوا تجارة او لهوا انفضوا اليها

فاذا حصل ذلك وجبت الجمعة ومن تخلف عنها فهو الآثم، ولا يشترط اربعون، وان الامراء احق باقامة الصلاة، وهو قول علي كرم الله وجهه اربع الى الامام الخ، وليس وجود الامام شرطا، والله اعلم بالصواب۔

شرط نہیں ہے، اور نیز اس حکم کا دینا بھی ضروری تھا کہ نماز قائم کرنے کے مستحق امراء ہیں، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "امام سمیت چار ہوں، الخ۔ اور امام کا ہونا شرط نہیں ہے، واللہ اعلم۔

العيدان
عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا بیان

الاصل فيهما ان لكل قوم يوم يتجملون فيه ويخرجون من بلادهم بزينتهم، وتلك عادة لا ينفك عنها احد من طوائف العرب والعجم، وقدم صلى الله عليه وسلم المدينة ولهم يومان يلعبون فيهما فقال: ما هذان اليومان؟ قالوا كنا نلعب فيهما في الجاهلية، فقال: قد ابدلكم الله بهما خيرا منهما يوم الاضحى ويوم الفطر، قيل هما النيروز والمهرجان، وانما بدلا لانه ما من عيد في الناس الا وسبب وجوده تنويه بشعائر دين، او موافقة ائمة مذهب، او شيء مما يضاهي ذلك، فخشي النبي صلى الله عليه وسلم ان تركهم وعادتهم ان يكون هنالك تنويه بشعائر الجاهلية

اصل ان میں یہ ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک دن مقرر ہوتا ہے کہ اس میں تجمل کرتے ہیں اور خوب زینت کے ساتھ اپنے شہروں سے نکلتے ہیں اور یہ ایک ایسی رسم ہے کہ اس سے عرب و عجم کی کوئی قوم خالی نہیں ہے، اور جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ان کے لئے دو دن مقرر تھے کہ ان میں کھیل کود کرتے تھے، آپ نے فرمایا یہ دو روز کیسے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا! ان دونوں دنوں میں ایام جاہلیت میں ہم کھیل کود کرتے تھے، آپ نے فرمایا: خدا تعالیٰ نے تم کو ان کے بدلہ میں ان سے بھی بہتر دو روز عطا فرمائے وہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر ہیں، بعض نے کہا کہ وہ دو روز جن میں وہ کھیلتے تھے نیروز اور مہرجان تھے، اور ان دونوں کو اس لئے بدلا کہ لوگوں میں کوئی دن خوشی کا نہیں ہوتا مگر اس کے پائے جانے کا سبب شعائر دین کی تعظیم یا ائمہ مذہب کی موافقت یا اسی قسم کی کوئی بات ہوتی ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا خوف ہوا کہ اگر آپ نے ان کو اسی عادت پر چھوڑ دیا تو شعائر جاہلیت کی تعظیم یا ان کے اسلاف کے

او ترويج لسنة اسلافهم، فابدلهما بيومين فيهما تنويه بشعائر الملة الحنيفية وضم مع التجمل فيهما ذكر الله وابوابا من الطاعة لئلا يكون اجتماع المسلمين بمحض اللعب، ولئلا يخلو اجتماع منهم من اعلاء كلمة الله، احدهما يوم فطر صيامهم واداء نوع من زكاتهم، فاجتمع الفرح الطبيعي من قبل تفرغهم عما يشق عليهم واخذ الفقير الصدقات والعقلي من قبل الابتهاج مما انعم الله عليهم من توفيق اداء ما افترض عليهم واسبل عليهم من ابقاء رؤس الاهل والولد الى سنة اخرى، والثاني يوم ذبح ابراهيم ولده اسمعيل عليهما السلام وانعام الله عليهما بان فداه بذبح عظيم، اذ فيه تذكر حال ائمة الملة الحنيفية والاعتبار بهم فى بذل المهج والاموال فى طاعة الله وقوة الصبر وفيه تشبه بالحاج وتنويه بهم وشوق لما هم فيه ولذلك سن التكبير، وهو قوله تعالى ولتكبروا الله على ما هداكم يعني شكرا لما وفقكم للصيام، ولذلك سن الاضحية والجهر بالتكبير

طریقہ کی ترویج پائی جائے گی اس واسطے آپ نے ان کو دو اور دنوں کے ساتھ بدل دیا کہ ان میں ملت حنفیہ کے شعائر کی تعظیم پائی جاتی ہے، اور ان دونوں دنوں میں تجمل کے ساتھ ذکر الٰہی اور ابواب بندگی کو بھی ملایا تاکہ مسلمانوں کا اجتماع محض کھیل کود ہی نہ ہو، اور تاکہ ان کا اجتماع اعلاء کلمۃ اللہ سے خالی نہ ہو، ان دونوں دنوں میں سے ایک وہ دن ہے جس میں وہ اپنے روزہ سے فارغ ہوتے ہیں اور ایک قسم کی زکوٰۃ ادا ہوتی ہے اس لئے دو فرحتیں حاصل ہوتی ہیں، ایک فرحت طبعی جوان کو روزہ کی عبادت شاقہ سے فراغت پانے سے اور فقیر کو صدقات لینے سے حاصل ہوتی ہے اور ایک فرحت عقلی جو خداتعالیٰ کی طرف سے عبادت مفروضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمانے کی وجہ سے اور ان کے اہل وعیال کو دوسرے سال تک سلامتی سے رکھنے کا انعام عطا فرمانے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرا وہ دن ہے جس میں ابراہیم علیہ نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کیا ہے اور خداتعالے نے ان کے عوض میں ذبح عظیم عنایت کیا کیونکہ اس میں ملتِ حنفیہ کے ائمہ کے حالات کی یاد دہانی اور خداتعالےٰ کی طاعت میں ان کے جان ومال خرچ کرنے اور ان کے بہت زیادہ صبر کرنے کے ساتھ لوگوں کو عبرت دلانا ہے اور اس میں حاجیوں کے ساتھ مشابہت اور ان کی تعظیم ہے اور جس کام میں وہ مشغول ہیں اس کا شوق دلانا ہے اسی وجہ سے تکبیر کا کہنا مسنون ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "خداتعالےٰ کی بڑائی بیان کرو بعوض اس کے کہ اس نے تم کو ہدایت فرمائی،، یعنی اس کے شکر میں کہ اس نے تم کو روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی، اور اسی لئے قربانی اور آواز کے ساتھ تکبیر کہنا ایام منیٰ میں مسنون ہوا اور جو شخص

ايام منى، واستحب ترك الحلق لمن قصد التضحية، وسن الصلاة والخطبة لئلا يكون شئ من اجتماعهم بغير ذكر الله وتنويه شعائر الدين، وضم معه مقصدا آخر من مقاصد الشريعة، وهو ان كل ملة لا بد لها من عرضة يجتمع فيها اهلها لتظهر شوكتهم وتعلم كثرتهم، ولذلك استحب خروج الجميع حتى الصبيان والنساء وذوات الخدور والحيض ويعتزلن المصلى ويشهدن دعوة المسلمين، ولذلك كان النبي صلى الله عليه وسلم يخالف فى الطريق ذهابا وايابا ليطلع اهل كلتا الطريقين على شوكة المسلمين، ولما كان اصل العيد الزينة استحب حسن اللباس والتقليس ومخالفة الطريق والخروج الى المصلى.

وسنة صلاة العيدين ان يبدأ بالصلاة من غير اذان ولا اقامة يجهر فيها بالقراءة يقرء عند ارادة التخفيف بسبح اسم ربك الاعلى، وهل اتاك وعند الاتمام ق واقتربت الساعة يكبر فى الاولى سبعا قبل القراءة، والثانية خمسا قبل القراءة، وعمل الكوفيين ان يكبر اربعا كتكبير الجنائز فى الاولى قبل القراءة وفى الثانية

قربانی کا ارادہ کرے اس کے لئے سر نہ منڈانا مستحب ہوا اور نماز اور خطبہ مسنون ہوا تاکہ ان کا کوئی اجتماع اللہ تعالٰی کے ذکر اور شعائر دین کی عظمت کے بدون نہ پایا جائے، اور شارع نے اس کے ساتھ منجملہ مقاصد شرع کے ایک اور مقصد رکھا اور وہ یہ ہے کہ ہر ملت کے لئے ایک دن ضرور ہوتا ہے جس میں تمام شہر والے جمع ہوتے ہیں تاکہ ان کی شوکت ظاہر ہو اور ان کی کثرت معلوم ہو، اسی لئے عیدگاہ میں سب کا جانا مستحب ہوا حتی کہ بچوں اور عورتوں اور پردہ والی اور حائضہ عورتوں کا نکلنا بھی مستحب ہے لیکن حائضہ عورتیں عیدگاہ سے علیحدہ ہو کر بیٹھیں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں اور اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے راستہ سے آتے تھے تاکہ دونوں راستوں والے مسلمانوں کی شوکت دیکھیں، اور چونکہ عید کی اصل زینت ہے اس واسطے اچھا لباس پہننا اور دف بجانا اور راستہ کا بدلنا اور عیدگاہ میں جانا مستحب ہوا،

نماز عیدین کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بغیر اذان و اقامت کے نماز شروع کی جائے جس میں قرأت جہر سے کی جائے، جب تخفیف مقصود ہو تو سورۃ سبح اسم ربک الاعلی اور سورہ ھل اتاک پڑھے، اور جب طوالت کے ساتھ پڑھنا ہو تو سورہ ق اور سورہ اقتربت الساعۃ پڑھے، پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہے، اور اہل کوفہ کے نزدیک یہ ہے کہ نماز جنازہ کی تکبیر کی طرح پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے چار تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد چار تکبیریں کہے، اور یہ دونوں طریقے مسنون ہیں لیکن جس پر اہل حرمین کا عمل ہے وہ راجح ہے،

نماز کے بعد خطبہ پڑھے اس میں خدا تعالٰی سے

بعدها، وهما سنتان، وعمل الحرمين ارجح، ثم يخطب يأمر بتقوى الله ويعظ ويذكر، وفي الفطر خاصة ان لا يغدو حتى يأكل تمرات ويأكلهن وترا، وحتى يؤدي زكاة الفطر اغناء للفقراء في مثل هذا اليوم ليشهدوا الصلاة فارغي القلب، وليتحقق مخالفة عادة الصوم عند ارادة التنويه بانقضاء شهر الصيام، وفي الاضحى خاصة ان لا يأكل حتى يرجع فيأكل من اضحيته اعتناء بالاضحية ورغبة فيها وتبركا بها، ولا يضحي الا بعد الصلاة، لان الذبح لا يكون قربة الا بتشبه الحاج، وذلك بالاجتماع للصلاة، والاضحية مسنة من معز، او جذع من ضان في كل اهل بيت، وقاسوها على الهدي فاقاموا البقرة عن سبعة، والجزور عن سبعة مقامها.

ولما كانت الاضحية من باب بذل المال لله تعالى، وهو قوله تعالى لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم كان تسمينها واختيار الجيد منها مستحبا لدلالته على صحة رغبته في الله، فلذلك يتقى من الضحايا اربعا العرجاء البين ظلعها، والعوراء البين عورها،

ڈرنے کا حکم کرے اور وعظ و نصیحت کرے، اور عید الفطر میں یہ بات خاص ہے کہ جب تک چند چھوہارے نہ کھالے نماز کو نہ نکلے اور ان کو طاق عدد میں کھانا چاہئے اور نماز کو جانے سے پہلے ہی صدقۂ فطر ادا کردے تاکہ ایسے دن میں مساکین کو بھی غنا حاصل ہوجائے اور فراغت قلب کے ساتھ وہ نماز میں شریک ہوں اور تاکہ ماہ رمضان کے گذرنے پر جو اس کی تعظیم مراد ہے اس وقت عادت روزہ کے خلاف پایا جائے، اور عید اضحیٰ میں یہ بات خاص ہے کہ جب تک نماز سے فارغ نہ ہو کچھ نہ کھائے پھر اپنی قربانی کا گوشت کھائے کیونکہ اس میں قربانی کی عظمت اور اس کی طرف رغبت کا ہونا اور اس کا متبرک سمجھنا پایا جاتا ہے، اور نماز کے بعد قربانی کرے کیونکہ ذبح کرنا محض حجاج کے ساتھ مشابہت ہونے کی وجہ سے عبادت شمار کیا جاتا ہے اور یہ مشابہت نماز کے لئے جمع ہونے سے ان کو حاصل ہوسکتی ہے، اور قربانی کے لئے بھیڑ کا ایک برس کا بچہ اور دنبہ کا چھ مہینے کا بچہ ہر گھر والے کی طرف سے کافی ہے، اور قربانی کو ہدی پر قیاس کرکے گائے اور اونٹ کی قربانی کو سات آدمیوں کی طرف سے کافی سمجھا،

اور چونکہ قربانی اللہ کے لئے مال خرچ کرنے کے قبیل سے ہے اور اس کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے" ان کے گوشت اور خون خدا کے پاس کبھی نہیں پہنچتے و لیکن تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے" اس واسطے قربانی کے جانور کو موٹا کرنا اور اچھے کو پسند کرنا مستحب ہوا کیونکہ اس سے اللہ تعالےٰ کیطرف صحیح رغبت ہونے پر دلالت پائی جاتی ہے پس اسی وجہ سے چار قسم کی قربانیوں سے منع کیا گیا ہے، ایک لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور ایک وہ جانور جس کی آنکھ صاف پھوٹی ہوئی ہو، اور

والمریضة البین مرضها والعجفاء التی لا تنقی، ونهی عن اعضب القرن والاذن، وسن استشراف العین والاذن، وان لا یضحی بمقابلة ولا مدابرة ولا شرقاء ولا خرقاء .... وسن الفحل الاقرن اسد ن ینظر فی سواد، ویبرک فی سواد، ویطأ فی سواد، لان ذلک تمام شباب المعز، ومن اذکار التضحیة »انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض الخ، اللهم منک والیک ولک من الله، والله اکبر۔

ایک وہ جانور جس کی بیماری ظاہر ہو اور ایک نہایت دبلا جانور جس کی ہڈیوں کا مغز بھی گھل گیا ہو، اور ایسے جانور کی قربانی کرنا بھی منع ہے جس کا سینگ یا کان نہ ہو، اور آنکھ و کان کا دیکھ لینا مستحب ہے اور جس جانور کا کان سامنے سے کٹا ہوا ہو اس کی قربانی نہ کی جائے اور نہ اس جانور کی قربانی کی جائے جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو اور نہ اس جانور کی جس کا کان پھٹا ہوا ہو اور نہ اس جانور کی جس کے کان میں سوراخ ہو، اور نر سینگ والے کی قربانی مسنون ہے جس کی آنکھیں سیاہ ہوں اور پیٹ اور سینہ سیاہ ہو اور پاؤں سیاہ ہوں کیونکہ یہ سب باتیں بکرے کے پورے جوان ہونے کی ہیں، اور قربانی کے وظائف میں سے یہ ہے: انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض الخ، اللهم منک والیک ولک من الله والله اکبر،

الجنائز

اعلم ان عیادة المریض والتمسک بالرقی المبارکة، والرفق بالمحتضر، وتکفین المیت، ودفنه والاحسان الیه، والبکاء علیه، وتعزیة اهله، وزیارة القبور امور تتداولها طوائف العرب، وتتوارد علیها وعلی نظائرها اصناف العجم وتلک عادات لا ینفک عنها اهل الامزجة السلیمة، ولا ینبغی لهم ان ینفکوا، فلما بعث النبی صلی الله علیه وسلم نظر فیما عندهم من العادات فاصلحها وصحح السقیم منها، والمصلحة المرعیة اما راجعة الی

جنازوں کا بیان

واضح ہو کہ مریض کی عیادت کرنا اور مبارک دعاؤں سے اس کا تمسک کرنا اور نزع کے وقت نرمی کی باتیں کرنا اور میت کی تکفین و تدفین کرنا اور اس کے ساتھ نیکی کرنا اور اس پر رونا اس کے پس ماندوں سے ماتم پرسی کرنا اور قبروں کی زیارت کرنا یہ ایسے امور ہیں جو عرب کے تمام لوگوں میں مروج ہیں، اور یہ یا ان کی نظیر تمام عجم میں مستعمل ہیں، اور یہ ایسی رسوم ہیں جن سے سلیم المزاج لوگ خالی نہیں اور نہ ان کے لئے مناسب ہے کہ ان سے جدا رہیں، پس جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ نے ان کی عادات کو ملاحظہ فرمایا اور ان کی اصلاح فرمائی اور ان میں جو ناقص تھیں ان کی تصحیح فرمائی، اور مصلحت جس کا لحاظ رکھا گیا ہے دنیا کے اعتبار سے یا آخرت کے اعتبار سے یا تو وہ خاص مریض

فس المبتلى من حيث الدنيا او
ن حيث الأخرة، او الى اهله من
حدى الحيثيتين، او الى الملة، و
لمريض يحتاج فى حياته الدنيا
لى تنفيس كربته بالتسلية
الرفق، والى ان يتعرض الناس
معاونته فيما يعجز عنه ولا يتحقق
لا ان تكون العيادة سنة لازمة
اخوانه و اهل مدينته وفى اخرته
يحتاج الصبر، وان يتمثل الشدائد
عنده بمنزلة الدواء المر يعاف
لعمها ويرجو نفعها لئلا يكون سببا
لغوصه فى الحياة الدنيا واحتجابه
التنحى من ربه. بل مؤيدة فى
حط ذنوبه مع تحلل اجزاء نسمته
ولا يتحقق الا بان ينبه على فوائد
لصبر ومنافع الآلام، والمحتضر فى
اخر يوم من ايام الدنيا، واول يوم
من ايام الأخرة فوجب ان يحث
على الذكر والتوجه الى الله لتفارق
نفسه وهى فى غاشية من الايمان
فيجد ثمرتها فى معاده، والانسان
عند سلامة مزاجه كما جبل
على حب المال والاهل كذلك جبل
على حب ان يذكره الناس بخير
فى حياته وبعد مماته، وان لا تظهر
سوأته لهم حتى ان اسد الناس
رأيا من كل طائفة يحب ان
يبذل اموالا خطيرة فى بناء شامخ

طرف راجع ہوتی ہے اور زیادہ انہی دونوں اعتباروں میں
سے کسی اعتبار سے اس کے اہل و عیال کی طرف راجع
ہوتی ہے، یا وہ ملت کی طرف راجع ہوتی ہے،

اور مریض اپنی دینوی زندگی میں اس بات کا حاجتمند
ہوتا ہے کہ اس کی تکلیف و مصیبت کو تسلی بخش باتوں
سے دور کیا جائے اور نرمی برتی جائے اور جس کام کو وہ
خود نہ کر سکے اس میں، لوگ اس کی اعانت کریں، اور یہ
امر بغیر اس بات کے ممکن نہیں کہ اس کے بھائی بند
اور شہر والوں کو اس کے ہاں آنا سنت لازمہ قرار
دیا جائے،

اور امور آخرت میں اس بات کی طرف حاجت ہے کہ
صبر کرے اور تمام سختیاں اس کو ایسی دکھائی دیں جیسے تلخ
دوا جس کا ذائقہ اس کو ناگوار لگتا ہے لیکن اس کے نفع
کی امید رکھتا ہے تاکہ بیماری حیات دنیا میں غرق ہونے
کا اور خدا تعالٰے سے محجوب اور کنارہ کش ہونے کا
سبب نہ ہو جائے بلکہ اس کی جان کے اجزاء تحلیل
ہونے کے ساتھ وہ بیماری اس کے گناہوں کی
کمی ہونے کا باعث ہو اور یہ بات بغیر اس کے ممکن
نہیں کہ صبر کے فوائد اور تکالیف کے منافع پر آگاہ کیا
جائے، اور جان نکلنے کا وقت اسکے حق میں دنیا کا اخیر
دن اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے پس اس وقت ضروری
ہے کہ اس کو ذکر الٰہی اور توجہ الی اللہ کی طرف رغبت
دلائی جائے تاکہ اس کی جان ایمان کے جامہ میں اس
دنیا سے مفارقت کرے اور آخرت میں اس کا ثمرہ
اس کو حاصل ہو، اور انسان جبکہ وہ سلیم المزاج ہو
جس طرح اس کی سرشت میں مال اور اولاد کی محبت
داخل ہوتی ہے اسی طرح یہ بات بھی اس کی سرشت
میں داخل ہوتی ہے کہ حالت زندگی میں اور اس کے مرنے
کے بعد اس کو لوگ بھلائی کیساتھ یاد کریں اور اس کا

يبقى به ذكره ويلهجهم على المهالك
ليقال له من بعده انه جرئ و
يوصي ان يجعل قبره شامخا
ليقول الناس هو ذو حظ عظيم
في حياته وبعد موته، وحتى
قال حكماؤهم ان من كان ذكره
حيا في الناس فليس بميت، ولما
كان ذلك امرا يخلقون عليه
ويموتون معه كان تصديق
ظنهم وايفاء وعدهم نوعا من الاحسان
اليهم بعد موتهم؛

وايضا ان الروح اذا فارقت الجسد
بقيت حساسة مدركة بالحس
المشترك وغيره وبقيت على علومها
وظنونها التي كانت معها في الحيوة
الدنيا، ويترشح عليها من فوقها
علوم يعذب بها او ينعم وهمم
الصالحين من عباد الله
ترتقي الى حظيرة القدس فاذا
الحوا في الدعاء للميت او عانوا صدقة
عظيمة لاجله وقع ذلك بتدبير
الله نافعا للميت، وصادف الفيض
النازل عليه من هذه الحظيرة
داعية لرفاهية حاله واهل الميت قد اصابهم حزن
شديد، فمصلحتهم من حيث الدنيا ان يعزوا ليخفف
ذلك عنهم بعض ما يجدونه، وان
يعاونوا على دفن ميتهم، وان يهيأ لهم
ما يشبعهم في يومهم وليلتهم، ومن
حيث الآخرة ان يرغبوا في الاجر

کوئی عیب ان پر ظاہر نہ ہو حتیٰ کہ ہر گروہ کے بڑے
بڑے صحیح العقل اس بات کو دل سے پسند کرتے ہیں
کہ مال کثیر صرف کر کے کوئی بلند عمارت تیار کیجائے
جس سے ان کا ذکر باقی رہے اور ہلاکتوں میں گھس پڑتے
ہیں تاکہ مرنے کے بعد لوگ ان کو بہادر کہیں، اور کوئی
یہ وصیت کرتا ہے کہ اس کی قبر بلند بنائی جائے
تاکہ لوگ یہ کہیں کہ وہ اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد
بھی بڑا صاحب نصیب ہے، اور حتیٰ کہ ان کے حکماء
نے یہ کہدیا کہ جس کا ذکر لوگوں میں موجود ہے وہ مردہ
نہیں ہے،

اور جبکہ یہ ایسی بات تھی کہ اسی پر لوگ پیدا
ہوتے ہیں اور اسی پر مرتے ہیں تو ان کے خیال
کی تصدیق اور ان کے وعدہ کا پورا کرنا ان کے مرنے
کے بعد ایک طرح کا ان کے ساتھ احسان کرنا ہے۔

اور نیز جب روح جسم سے جدا ہوتی ہے تو وہ بدستور
سابق حساس رہتی ہے جو حس مشترک وغیرہ سے
ادراک کرتی ہے اور جو علوم اور خیالات دنیوی زندگی
میں اس کے ساتھ تھے مرنے کے بعد بھی اس میں باقی
رہتے ہیں اور اس پر عالم بالا سے اور زائد علوم مترشح
ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس کو عذاب یا ثواب ہوتا
ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی ہمتیں حظیرۃ القدس
تک پہنچتی ہیں پس جب وہ میت کے لئے نہایت گڑگڑا
کر دعا خیر کرتی ہیں یا اس کے لئے کوئی بڑا صدقہ
دیتی ہیں تو خدا تعالیٰ کی تدبیر سے وہ میت کے لئے
نافع پڑتا ہے اور اس فیض کے ساتھ ملکر جو اس پر
حظیرۃ القدس سے نازل ہوتا ہے اس میت کی درستی
حالت کا سبب ہو جاتا ہے اور اہل میت کو اس کی
موت سے بہت صدمہ اور غم لاحق ہوتا ہے تو دنیوی
اعتبار سے ان کے لئے مصلحت اس میں ہے کہ لوگ ماتم

الجزيل ليكون سد الغوصهم في القلق وفتحا لباب التوجه الى الله وان ينهوا عن النياحة وشق الجيوب وسائر مايذكره الأسف والوجدة ويتضاعف به الحزن والقلق لانه حينئذ بمنزلة المريض يحتاج ان يداوي مرضه لا ينبغي ان يمد فيه، وكان اهل الجاهلية ابتدعوا امورا تفضي الى الشرك بالله فمصلحة الملة ان يسد ذلك الباب، اذا علمت هذا حان ان نشرع في شرح الاحاديث الواردة في الباب، قوله صلى الله عليه وسلم ما من مسلم يصيبه الأذى من مرض فما سواه الاحط الله تعالى به سيأته كما تحط الشجرة ورقها ÷

اقول قد ذكرنا المعاني الموجبة لتكفير الخطايا، ومنها كسر حجاب النفس وتحلل النسمة البهيمية الحاملة للملكات السيئة، وان صاحبها يعرض عن الاطمئنان بالحياة الدنيا نوع اعراض، قوله صلى الله عليه وسلم مثل المؤمن كمثل الخامة ومثل المنافق كمثل الارزة الحديث ÷

اقول السر في ذلك ان لنفس الانسان قوتين قوة بهيمية وقوة ملكية، وان من خاصيته

پرسی کے لئے آئیں تاکہ ان کا غم کچھ کم ہو، اور میت کے دفن کرانے میں ان کی اعانت کریں اور ان کے لئے اتنا کھانا تیار کر کے دینا جو ان کو ایک دن رات سیر کر دے، اور آخرت کے اعتبار سے ان کے لئے بھلائی اس میں ہے کہ ان کو اجر عظیم کی ترغیب دلائی جائے تاکہ ہمہ تن وہ غم میں نہ پڑیں اور توجہ الی اللہ کا دروازہ ان پر کشادہ ہو جائے، اور نوحہ کرنے سے اور گریباں پھاڑنے سے اور تمام ان چیزوں سے منع کیا جائے جو غم اور مصیبت کو یاد دلاتی ہیں اور جو غم اور پریشانی کو زیادہ کرتی ہیں کیونکہ اہل میت اس وقت میں بمنزلہ مریض کے ہوتا ہے اس کو مرض کے علاج کی ضرورت ہے نہ یہ کہ اس کا مرض اور بڑھایا جائے۔ اور اہل جاہلیت نے بہت سی ایسی رسمیں ایجاد کر رکھی تھیں جو شرک کی طرف والی تھیں اس واسطے مصلحت شرعی کا یہ مقتضیٰ ہوا کہ یہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے، جب تم کو یہ سب باتیں معلوم ہو گئیں تو اب ہم تم کو ان احادیث کے معنیٰ بتلاتے ہیں جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس مسلمان کو کوئی مصیبت مرض وغیرہ کی پہنچتی ہے تو اس کے سبب سے خدا تعالیٰ اس کے گناہ کم کر دیتا ہے جس طرح درخت سے اس کے پتے جھڑ جاتے ہیں"۔

میں کہتا ہوں گناہوں کے معاف ہونے کے اسباب کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، منجملہ ان اسباب کے ایک سبب حجاب نفسانی کا کمزور ہو جانا اور روح بہیمیہ کا جو اخلاق رذیلہ کو اٹھائے پھرتی ہے تحلیل ہو جانا ہے اور اہل مصیبت کا دنیوی زندگی کے اطمینان سے ایک طرح کا بیزار ہو جانا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مؤمن کی حالت نرم شاخ کی سی ہے۔ اور منافق کی حالت صنوبر کے درخت کی سی ہے" الحدیث۔

انه قد تتمكن بهيميته وتبرز ملكيته فيصير في اعداد الملائكة وقد تتمكن ملكيته وتبرز بهيميته فيصير كأنه من البهائم لا يعبأ به وانه عند الخروج من سورة البهيمية الى سلطنة الملكية احوال تتعالجان فيها تتأل هذه منها وتلك من هذه، وتلك مواطن المجازاة في الدنيا، وقد ذكرنا لمية المجازاة من قبل فراجع، قوله صلى الله عليه وآله وسلم اذا مرض العبد او سافر كتب له بمثل ما كان يعمل صحيحا مقيما ؛

اقول الانسان اذا كان جامع الهمة على الفعل ولم يمنع عنه الا مانع خارجي فقد ادى بوظيفة القلب وانما التقوى في القلب، وانما الاعمال شروح ومؤكدات يعض عليها عند الاستطاعة ويهمل عند العجز، قوله صلى الله عليه وسلم الشهداء خمسة، او سبعة الحديث ؛

اقول المصيبة الشديدة التي ليست بصنعة العبد تعمل عمل الشهادة في تكفير الذنوب وكونه مرحوما، قوله صلى الله عليه وسلم ان المسلم اذا عاد اخاه المسلم لم يزل في

میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ انسان کے نفس میں دو قوتیں ہیں ایک قوت بہیمیہ اور دوسری قوت ملکیہ، اور انسان کی یہ خاصیت ہے کہ کبھی اس کی بہیمیت دب جاتی ہے اور ملکیت ظاہر ہو جاتی ہے سو اس وقت وہ ملائکہ میں شمار ہونے لگتا ہے اور کبھی ملکیت دب جاتی ہے اور بہیمیت کا ظہور ہو جاتا ہے سو اس وقت وہ انسان چوپائے کی طرح خدا تعالے کے نزدیک بے قدر ہو جاتا ہے، اور جب انسان قوت بہیمیہ سے نکل کر قوت ملکیہ کی سلطنت کی طرف آتا ہے تو اس کو مختلف حالات پیش آتے ہیں جن میں ان دونوں قوتوں کا باہم مقابلہ رہتا ہے کبھی قوت بہیمیہ ملکیہ پر غلبہ کرتی ہے اور کبھی قوت ملکیہ بہیمیہ پر، اور دنیا میں جزاء اور سزا دینے کے یہی مواقع ہیں اور دنیا کے اندر جزا اور سزا کی حقیقت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں پس اس کو دیکھ لیجئے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب بندہ بیمار یا مسافر ہوتا ہے تو اس کے اتنا ہی عمل لکھا جاتا ہے جو بحالت صحت واقامت میں کرتا تھا۔"

میں کہتا ہوں جب آدمی کسی کام کو کرنے کا پورا قصد کر ہے اور بجز مانع خارجی کے اور کوئی چیز نہیں روکتی تو اس نے دل کا کام پورا کر لیا اور تقوی خاص دل ہی میں ہوتا ہے اور باقی اعمال تقوی کی شرح اور اس کے لئے مؤکد ہوتے ہیں جن کو بوقت قدرت کیا جاتا ہے اور بوقت عجز ترک کر دیا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نے فرمایا "شہید پانچ لوگ ہیں، یا یہ فرمایا کہ سات لوگ ہیں" الحدیث،

میں کہتا ہوں وہ سخت مصیبت جو بندے کے اختیار نہیں ہوتی گناہوں کے دور کرنے میں اور اس شخص پر رحمت الہی نازل کرنے میں شہادت کا کام کرتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو واپس آنے تک جنت کے پھل چنتا رہتا ہے

خرفة الجنة حتى يرجع ؛

اقول تألف اهل المدينة فيما بينهم لا يمكن الا بمعاونة ذوى الحاجات والله تعالى يحب ما فيه صلاح مدينتهم، والعيادة سبب صالح لاقامة التألف قال الله تعالى يوم القيامة يا ابن آدم مرضت فلم تعدنى الخ ؛

اقول هذا التجلى مثله بالنسبة الى الروح الاعظم المذكور فى قوله تعالى الملائكة والروح مثل الصورة الظاهرة فى رؤيا الانسان بالنسبة الى ذلك الانسان، فكما ان اعتقاد الانسان فى ربه او حكمه ورضاه فى حق هذا الشخص يتمثل فى رؤياه بربه تعالى ولذلك كان من حق المؤمن الكامل ان يراه فى احسن صورة كما رآه النبى صلى الله عليه وسلم وكان تعبير من يراه يلطمه فى دهليز بابه انه فرط فى جنب الله فى ذلك الدهليز فكذلك يتمثل حق الله وحكمه ورضاه وتدبيره وقيوميته لافراد الانسان، او كونه مبدأ تحققهم ومبلغ اعتقاد افراد الانسان فى ربهم عند صحة مزاجهم واستقامة نفوسهم حسبما تعطيه الصورة النوعية فى افراد الانسان فى المعاد بصور

میں کہتا ہوں شہر والوں کی آپس کی محبت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ایک دوسرے کی حاجت کے وقت مدد کریں اور اللہ تعالےٰ کو وہ چیز پسند ہے جس میں ان کے شہر کی بھلائی ہو اور باہم محبت پیدا کرنے کے لئے عیادت کرنا بہت عمدہ سبب ہے ۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا" اے ابن آدم میں بیمار رہا تو تونے میری عیادت بھی نہ کی" الخ ؛

میں کہتا ہوں اس تجلی کا حال بہ نسبت اس روح اعظم کے جس کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے :" الملئکۃ والروح ۔ اس صورت کا سا حال ہے جو انسان کو خواب میں بہ نسبت اس انسان کے ظاہر ہوتی ہے پس جس طرح انسان کا اعتقاد اپنے رب کی نسبت یا اس کے حکم اور رضا کی نسبت اس شخص کے حق میں عالم خواب میں رب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اسی لئے مؤمن کامل کی یہ شان ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو خواب میں نہایت حسین صورت میں دیکھتا ہے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا، اور اسی لئے جو شخص خواب میں خدا تعالےٰ کو اپنے دروازہ کی دہلیز میں طمانچہ مارتے دیکھے تو اس کی یہ تعبیر ہے کہ اس دہلیز میں اس نے خدا تعالےٰ کا کوئی تصور کیا ہے ۔ اسی طرح خدا تعالےٰ کا حق اور اس کا حکم اور اس کی رضامندی اور اس کی تدبیر اور افراد انسان کے لئے اس کی قیومیت اور اس کا ان کے وجود کا مبدا ہونا اور وہ اعتقاد جو افراد انسان کو بوقت صحت مزاج اور استقامت نفوس اپنے رب کی نسبت ہوتا ہے یہ سب امور افراد انسان کے اندر صورت نوعیہ کے اعطار کے موافق عالم آخرت میں بہت سی شکلوں کے ساتھ متمثل ہو کر ظاہر ہوں گے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان کیا ہے، اور یہ تجلی اس روح اعظم کی تجلی ہے جو افراد انسان کی

كثيرة كما بينه النبي صلى الله عليه وسلم، وهذا التجلي انما هو للروح الاعظم الذي جامع افراد الانسان وملتقى كثرتهم ومبلغ رقيهم في الدنيا والآخرة اعني بذلك ان هنالك لله تعالى شانا كليا بحسب قيوميته له وحكمه فيه، وهو الذي يراه الناس في المعاد عيانا دائما بقلوبهم، واحيانا اذا تمثل بصورة مناسبة با بصارهم، وبالجملة فلذلك كان هذا التجلي مكشافا بحكم الله وحقه في افراد الانسان من حيث تعطيها الصورة النوعية مثل تألفهم فيما بينهم وتحصيلهم للكمال الانساني المختص بالنوع واقامة المصلحة المرضية فيهم فوجب ان ينسب ما للقوم الى نفسه لهذه العلاقة، وامر النبي صلى الله عليه وسلم برقى تامة كاملة فيها ذكر الله واستعانة به يريد ان تغشيهم غاشية من رحمة الله فتدفع بلاياهم وان يكبتهم عما كانوا يفعلون في الجاهلية من الاستعانة بطواغيتهم ويعوضهم عن ذلك باحسن عوض، منها قول الراقي وهو يمسحه بيمينه اذهب الباس رب الناس، واشف

جامع اور ان کی کثرت کا مبلغ اور دنیا و آخرت میں ان کی ترقی کا منتہیٰ ہے، اس سے میری یہ مراد ہے کہ وہاں پر اللہ تعالیٰ کی باعتبار اس کی قیومیت اور اس کے حکم کے ایک شان کلی ہے جس کو آخرت میں اپنے دلوں کی بینائی سے ہمیشہ دیکھتے رہیں گے۔ اور کبھی جب کسی صورت مناسبہ میں وہ شان ظاہر ہوگی تو اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھیں گے، الحاصل پس اسی لئے یہ تجلی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے حق کے ساتھ صورت نوعیہ کے فیضان کے موافق انسان کے افراد میں ظاہر ہوتی ہے جیسے باہم ان کا مانوس ہونا اور ان کا کمال انسانی کو جو نوع انسان کے ساتھ خاص ہے حاصل کرنا، اور پسندیدہ مصلحت کا اپنے اندر قائم کرنا، اس واسطے جو چیز لوگوں کی حالتوں میں سے ہے اس علاقہ کی وجہ سے اپنی طرف اس کا منسوب کرنا ضروری ہوا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان منتروں کی اجازت دی ہے جو پورے اور کامل ہیں جن کے اندر خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس سے مدد مانگنا مذکور ہے، اس سے آپ کو یہ منظور ہے کہ اللہ کی رحمت ان پر چھا جائے اور ان کے مصائب دور ہو جائیں، اور زمانہ جاہلیت میں لوگ جو اپنے بتوں سے مدد مانگا کرتے تھے اس سے ان کو روکنا مقصود تھا اور اس کے عوض میں عمدہ منتر ان کے لئے مقرر کرنا تھا،

منجملہ ان منتروں کے یہ ہے کہ منتر پڑھنے والا اپنا دایاں ہاتھ مریض پر پھیرتا جائے اور یہ پڑھتا جائے

اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافي لا شفاء الا شفاؤك شفاء لا يغادر سقما، اور از انجملہ یہ ہے:۔ بسم الله ارقيك من كل شئ يؤذيك من شر كل نفس او عين حاسد الله يشفيك بسم الله ارقيك، اور از انجملہ یہ ہے:۔ اعيذك بكلمات الله التامة من كل شيطان وهامة ومن

انت الشافی لا شفاء الا شفاؤك شفاءً لا يغادر سقما، وقوله بسم الله ارقيك من كل شئ يؤذيك من شر كل نفس او عين حاسد الله يشفيك باسم الله ارقيك وقوله اعيذك بكلمات الله التامة من كل شيطان وهامة ومن كل عين لامة، وقوله سبع مرات اسأل الله العظيم رب العرش العظيم ان يشفيك، ومنها النفث بالمعوذات والمسح وان يضع يده على الذى يألم من جسده و يقول باسم الله ثلاثا وسبع مرات اعوذ بعزة الله وقدرته من شر ما اجد واحاذر، وقوله باسم الله الكبير اعوذ بالله العظيم من شر كل عرق نعار ومن شر حر النار، وقوله ربنا الله الذى فى السماء تقدس اسمك امرك فى السماء والارض كما رحمتك فى السماء فاجعل رحمتك فى الارض اغفرلنا حوبنا وخطايانا انت رب الطيبين انزل رحمة من رحمتك وشفاء من شفائك على هذا الوجع، قوله صلى الله عليه وسلم لا يتمنين احدكم الموت، الحديث،

اقول من ادب الانسان فى جنب ربه ان لا يجترئ على طلب

کل عین لامۃ، اور از ان جملہ یہ ہے کہ سات مرتبہ اسکو پڑھے اسال اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیك، اور از انجملہ یہ ہے کہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھکر دم کرے اور جس جگہ مریض کے جسم پر درد ہو وہاں ہاتھ پھیرے اور تین بار بسم اللہ کہے اور سات بار کہے اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر، اور از انجملہ یہ ہے کہ پڑھے بسم اللہ الکبیر اعوذ باللہ العظیم من شر کل عرق نعار ومن شر حر النار، اور از انجملہ یہ ہے کہ پڑھے :- ربنا اللہ الذی فی السماء تقدس اسمك امرك فی السماء والارض کما رحمتك فی السماء فاجعل رحمتك فی الارض اغفرلنا حوبنا وخطایانا انت رب الطیبین انزل رحمۃ من رحمتك وشفاء من شفائك علی ھذا الوجع،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے" الحدیث،

میں کہتا ہوں اللہ تعالے کی بارگاہ میں منجملہ آداب انسان سے یہ بھی ہے کہ وہ نعمتِ خداوندی کے زوال کو چاہنے کی جرأت نہ کرے، اور زندگی خدا تعالے کی بڑی نعمت ہے کیونکہ وہ نیکی کمانے کا ذریعہ ہے اس واسطے کہ انسان جب مرجاتا ہے تو اس کے اکثر عمل منقطع ہو جاتے ہیں اور سوائے طبعی ترقی کے کچھ ترقی نہیں کر سکتا، اور نیز موت کی آرزو کرنا نہایت بے باکی اور بے اطمینانی ہے اور یہ دونوں بدترین اخلاق میں سے ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص خدا تعالے سے ملنے کو پسند کرتا ہے خدا اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص خدا سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے خدا اس

سلب نعمة، والحياة نعمة كبيرة
لانها وسيلة الى كسب الاحسان
فانه اذا مات انقطع اكثر عمله، ولا
يترقى الا ترقيا طبيعيا، وايضا
فذلك تهور، وتضجر وهما من
اقبح الاخلاق، قوله صلى الله
عليه وسلم من احب لقاء
الله احب الله لقاءه، ومن كره
لقاء الله كره الله لقاءه ؛

اقول معنى لقاء الله ان ينتقل
من الايمان بالغيب الى الايمان
عيانا وشهادة وذلك ان تنقشع
عنه الحجب الغليظة البهيمية
فيظهر نور الملكية فيترشح عليه
اليقين من حظيرة القدس
فيصير ما وعد على السنة التراجمة
بمرأى منه ومسمع والعبد المؤمن
الذى لم يزل يسعى فى ردع بهيمية
وتقوية ملكيته يشتاق الى
هذه الحالة اشتياق كل عنصر الى
حيزه وكل ذى حس الى ما هو
لذة ذلك الحس، وان كان
بحسب نظام جسده يتألم
ويتنفر من الموت واسبابه،
والعبد الفاجر الذى لم يزل يسعى
فى تغليظ البهيمية يشتاق الى الحياة
الدنيا ويميل اليها كذلك، وحب
الله وكراهيته ورد اعلى المشاكلة
والمراد اعداد ما ينفعه اويؤذيه

سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے :

میں کہتا ہوں خدا تعالےٰ سے ملنے کے یہ
معنی ہیں کہ ایمان بالغیب سے ترقی کرکے ایمان عینی
وبالمشاہدہ کی طرف منتقل ہو جائے، اور اس کی صورت
یہ ہے کہ بہیمیت کے بھاری بھاری پردے اس سے
دور ہو کر ملکیت کا نور اس پر ظاہر ہو جائے اور
عالم قدس سے اس پر یقین مترشح ہونے لگے
اور جن چیزوں کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا وہ سب
اس کو دکھائی اور سنائی دینے لگیں، اور مؤمن بندہ
جو ہمیشہ اپنی بہیمیت کے دفع کرنے میں اور اپنی ملکیت
کو قوی کرنے میں کوشش کرتا ہے تو اس حالت کی
طرف ایسا مشتاق ہوتا ہے جیسے ہر عنصر اپنے مکان
طبعی کا مشتاق ہوتا ہے اور ہر ذی حس اس چیز
کی طرف مشتاق ہوتا ہے جو اس حس کی لذت ہے،
اگرچہ باعتبار نظام جسمانی کے اس کو موت اور اس کے
اسباب سے نفرت اور تکلیف ہوتی ہے اور نافرمان
بندہ جو ہمیشہ بہیمیت کے فربہ کرنے کی کوشش کرتا
ہے دنیوی زندگی کا مشتاق اور اس کی طرف مائل رہتا
ہے اور اللہ تعالےٰ کی محبت اور اس کی کراہیت
جو حدیث میں وارد ہوئی ہے وہ بطور مشاکلۃ کے
ہے اور اس سے مراد نافع یا مضر چیزوں کا موجود مہیا
کرنا اور اس کی گھات میں لگا رہنا ہے۔

وتهيئته وكونه بمرصاد من ذلك.

ولما اشتبه على عائشة رضي الله عنها احد الشيئين بالآخر نبه رسول الله صلى الله عليه وسلم على المعنى المراد بذكر اصرح حالات الحب المترشح من فوق الذي لا يشتبه بالآخر وهي حالة ظهور الملائكة، قوله صلى الله عليه وآله وسلم لا يموتن احد كم الا وهو يحسن ظنه بربه.

اعلم انه ليس عمل صالح انفع للانسان بعد ادنى ما تستقيم به النفس ويندفع به اعوجاجها اعني اداء الفرائض والاجتناب من الكبائر من ان يرجو من الله خيرا فان التحلي من الرجاء بمنزلة الدعاء الحثيث والهمة القوية في كونه معد التنزول رحمة الله، وانما الخوف سيف يقاتل به اعداء الله من الحجب الغليظة الشهوية والسبعية ووساوس الشيطان وكما ان الرجل الذي ليس بحاذق في القتال قد يسطو بسيفه فيصيب نفسه كذلك الذي ليس بحاذق في تهذيب النفس ربما يستعمل الخوف في غير محله فيتهم بجميع اعمالها الحسنة بالعجب والرياء وسائر الآفات حتى لا يحتسب

اور چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ مشتبہ ہوگئی تھیں اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کی ظاہر ترین حالت کا جس کا عالم بالا سے فیضان ہوتا ہے اور جو دوسری حالت کے ساتھ مشتبہ نہیں ہوتی اور وہ ملائکہ کے ظاہر ہونے کی حالت ہے ذکر کر کے معنی مراد پر مطلع کر دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اس حال میں کہ وہ اپنے رب سے حسن ظن رکھتا ہو۔"

واضح ہو کہ کوئی عمل صالح اس چیز کے ادا کرنے کے بعد جس سے نفس راستی پر آتا ہے اور جس سے اس کی کجی دور ہوتی ہے یعنی فرائض کو ادا کرنا اور کبائر سے بچنا، انسان کے لئے اس سے زیادہ نافع نہیں ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے بھلائی کی امید کرے کیونکہ پر امید ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نازل ہونے کا سبب بننے میں بمنزلہ ایسی دعا کے ہے جس میں کمال رغبت ہو اور بمنزلہ مضبوط ارادہ کے ہے، اور خوف الٰہی تو ایک تلوار ہے جس سے دشمنان خدا سے جو قوت شہوانیہ اور قوت سبعیہ اور وساوس شیطانی کے مستحکم پردے ہیں مقابلہ کیا جاتا ہے، اور جس طرح کوئی شخص جو لڑائی میں مہارت نہیں رکھتا کبھی تلوار سے حملہ کرتے وقت اپنے ہی لگا لیتا ہے اسی طرح جو آدمی تہذیب نفس میں کامل نہیں ہوتا کبھی کبھی خوف الٰہی کو بے محل استعمال کرتا ہے اور وہ اپنے تمام اعمال حسنہ کو عجب اور ریا اور تمام آفات میں آلودہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے اجر سے بالکل نا امید ہو جاتا ہے اور اپنے تمام صغیرہ گناہوں اور لغزشوں کے متعلق یہی گمان کرتا ہے کہ ان کا وبال ضرور بالضرور واقع ہوگا پس جب وہ مرجاتا ہے تو اس کے گناہ متمثل ہو کر اس کے گمان میں اس کو

لشیئ منها اجرا عند الله، ویری جمیع صغائره وزلاته واقعة به لا محالة فاذا مات تمثلت سیئاته عاضة علیه فی ظنه، فکان ذلک سببا لفیضان قوة مثالیة فی تلک المثل الخیالیة فیعذب نوعا من العذاب ولم ینتفع بحسناته من اجل تلک الشکوک والظنون انتفاعا معتدا به، وهو قوله صلی الله علیه وسلم عن الله تبارک وتعالی انا عند ظن عبدی بی ولما کان الانسان فی مرضه وضعفه کثیرا ما لا یتمکن من استعمال سیف الخوف فی محله او یشتبه علیه کانت السنة فی حقه ان یکون رجاءه اکثر من خوفه.

قوله صلی الله علیه وسلم اکثروا ذکر هاذم اللذات.

اقول لا شیئ انفع فی کسر حجاب النفس وردع الطبیعة عن خوضها فی لذة الحیاة الدنیا من ذکر الموت فانه یمثل بین عینیه صورة الانفکاک عن الدنیا وهیئة لقاء الله، ولهذا التمثل اثر عجیب وقد ذکرنا شیئا من ذلک فراجع قوله صلی الله علیه وسلم من کان آخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة.

کاٹتے ہیں اور ان خیالی صورتوں میں قوت مثالیہ کے فیضان کا وہ سبب بن جاتا ہے پس وہ ایک قسم کے عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ان شکوک اور خیالات کی وجہ سے وہ اپنے اعمال صالحہ کا معتدبہ فائدہ نہیں حاصل کرتا چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰے سے نقل کرتے ہوئے فرمایا" میں اپنے بندہ کے گمان کے مواقف پیش آتا ہوں" اور چونکہ انسان اپنے مرض اور ضعف کی حالت میں بسا اوقات خوف کی تلوار کو اس کے موقع پر نہیں استعمال کرسکتا یا موقع اس پر مشتبہ ہو جاتا ہے اس واسطے اس کے حق میں یہی مسنون کیا گیا کہ بہ نسبت خوف کے اس کی امید زیادہ ہونی چاہیے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" لذتوں کو قطع کرنے والی چیز کا ذکر اکثر کیا کرو۔"

میں کہتا ہوں حجاب نفسانی کے توڑنے میں اور طبیعت کو دنیا کی زندگی کے لذائذ سے باز رکھنے میں ذکر موت سے زیادہ کوئی چیز نافع نہیں کیونکہ موت کی یاد دنیا سے مفارقت کی صورت کو اور اللہ تعالٰے کے روبرو کھڑے ہونے کی ہیئت کو اس کی آنکھوں کے سامنے متشکل کر دیتی ہے اور اس تصویر کا عجیب اثر ہو جاتا ہے اور اس کا تھوڑا سا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں وہاں دیکھ لینا چاہیے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ موت اس کو گھیرے ہوئے ہے اس کا اللہ تعالٰے کی یاد میں اپنے دل کو لگانا اس کے ایمان کی صحت کی اور دل میں محبت ایمان کے داخل ہونے کی

اقول ذلك لان مؤاخذته نفسه، وقد احيط بنفسه بذكر الله تعالیٰ دليل صحة ايمانه ودخول بشاشته القلب، وايضا فذكره ذلك مظنة انصباغ نفسه بصبغ الاحسان، فمن مات وهذه حالته وجبت له الجنة، قوله صلی الله عليه وسلم لقنوا موتاكم لا اله الا الله، وقوله صلی الله عليه وسلم اقرءوا علی موتاكم يٰس ۔

اقول هذا غاية الاحسان بالمحتضر بحسب صلاح معاده، وانما خص لا اله الا الله لانه افضل الذكر مشتمل علی التوحيد ونفي الاشراك، وانوه اذكار الاسلام ويٰس لانه قلب القرآن، وسيأتيك ولانه مقدار صالح للعظة، قوله صلی الله عليه وسلم ما من مسلم تصيبه مصيبة فيقول ما امره الله انا لله وانا اليه راجعون اللهم اجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا منها الا اخلف الله له خيرا منها ۔

اقول وذلك ليتذكر المصاب ما عند الله من الاجر وما الله قادر عليه من ان يخلف عليه خيرا لتخفف موجدته، قوله صلی الله عليه وسلم اذا حضرتم الميت فقولوا خيرا، كقول صلی الله عليه وسلم اللهم اغفر لابي سلمة وارفع درجته الحديث ۔

دلیل ہے اور نیز مرتے وقت اس کا اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا دل نیکی کے رنگ میں رنگا ہوا ہے پس جو ایسی حالت میں مرگیا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو، اور آپ نے فرمایا اپنے مرنے والوں کے پاس سورہ یٰسین پڑھا کرو۔"

میں کہتا ہوں مرنے والے کے ساتھ باعتبار اس کی آخرت کی درستی کے یہ بہت بڑا احسان ہے، اور لا الہ الا اللہ کو اس لئے خاص کیا کہ وہ افضل الذکر ہے جو توحید پر اور نفی شرک پر مشتمل ہے، اور اذکار اسلام میں سب سے عمدہ ہے، اور سورہ یٰسین کو اس لئے خاص کیا کہ وہ قرآن کا دل ہے اور اس کا بیان عنقریب آئے گا، دوسرے یہ کہ وہ نصیحت کے لئے کافی مقدار ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کسی مسلمان پر کوئی مصیبت پڑے اور پھر وہ حسب حکم الٰہی یہ کہے :- انا للہ وانا الیہ راجعون اللهم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منها، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر معاوضہ دے گا۔"

میں کہتا ہوں یہ حکم اس لئے ہے کہ مصیبت زدہ کو وہ ثواب یاد آجائے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اور وہ یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر بدلہ دینے پر قادر ہے تاکہ اس کا رنج کم ہوجائے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جب تم کسی مردہ کے پاس جاؤ تو اس کے لئے خیر کی بات کہو" جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو سلمہ کے حق میں کہا تھا :- اے اللہ تعالیٰ ابو سلمہ کی مغفرت فرما اور اس کا درجہ بلند کر" الحدیث ۔

اقول كان من عادة الناس الجاهلية ان يدعوا على انفسهم وعسى ان يتفق ساعة الاجابة فيستجاب، فبدل ذلك بما هو انفع له ولهم، وايضا فهذه هي الصدمة الاولى، فيسن هذا الدعاء ليكون وسيلة الى التوجه تلقاء الله،

میں کہتا ہوں زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے اوپر بددعا کیا کرتے تھے اور کبھی وہ قبولیت کی ساعت میں واقع ہوتی تھی پس وہ بددعا قبول ہو جاتی تھی پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو بدل کر ایسے کلمہ کا حکم فرمایا جو میت کے لئے اور لوگوں کے لئے نافع ہے، اور نیز یہ پہلا صدمہ ہوتا ہے پس یہ دعا مسنون ہوئی تاکہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ کرنے کا وسیلہ بن جائے

قال النبي صلى الله عليه وسلم في ابنته اغسلنها وترا، ثلاثا، او خمسا، او سبعا بماء وسدر واجعلن في الآخرة كافورا، وقال ابدأن بميامنها ومواضع الوضوء منها۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی زینب کے لئے عورتوں سے کہا تھا "اس کو طاق طاق نہلاؤ تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ پانی اور بیسری کے پتوں سے اور اخیر مرتبہ میں کافور لگاؤ اور فرمایا کہ اس کی دائیں طرف سے شروع کرو اور اس کے وضوء کے مواضع سے شروع کرو۔"

اقول الاصل في غسل الموتى ان يحمل على غسل الاحياء لانه هو الذي كان يستعمله في حياته وهو الذي يستعمله الغاسلون في انفسهم فلا شيء في تكريم الميت مثله، وانما امر بالسدر وزيادة الغسلات لان المرض مظنة الاوساخ والرياح المنتنة، وانما امر بالكافور في الآخرة لان من خاصيته ان لا يسرع التغير فيما استعمل، ويقال من فوائده انه لا يقرب منه حيوان مؤذ، وانما بدأ بالميامن ليكون غسل الموتى بمنزلة غسل الاحياء وليحصل اكرام هذه الاعضاء، وانما جرت السنة في الشهيد ان لا يغسل ويدفن ثيابه

میں کہتا ہوں مردہ کے نہلانے میں اصل یہ ہے کہ اس کو زندہ کے غسل پر قیاس کیا جائے کیونکہ وہ اپنی زندگی میں ایسا ہی غسل کرتا تھا اور غسل دینے والے اپنے لئے بھی ایسا ہی غسل کرتے ہیں اس واسطے میت کی تعظیم میں اس غسل سے بڑھ کر نہلانے کی اور کوئی صورت نہیں،

اور بیسری کے پتے اور کئی دفعہ دھونے کا اس لئے حکم دیا کہ مرض میں بدن پر میل اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور اخیر میں کافور لگانے کا اس لئے حکم دیا کہ اس کی تاثیر یہ ہے کہ جس چیز میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے وہ جلدی نہیں بگڑتی، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے لگانے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ موذی جانور اس کے قریب نہیں آتا، اور دائیں جانب سے شروع کرنے کا اس لئے حکم دیا تاکہ مردوں کا غسل بمنزلہ زندوں کے غسل کے ہو جائے اور تاکہ ان اعضاء کی تعظیم معلوم ہو،

اور شہید کے بارے میں غسل نہ دینے کی اور اس

ود مائة تنويها بما فعل، وليتمثل صورة
بقاء عمله بادی الرای، ولان النفوس
لبشرية اذا فارقت اجسادها
بقيت حساسة عالمة بانفسها و
يكون بعضها مدركا لما يفعل بها
اذا بقى اثر عمل مثل هذه كان
عانة فى تذكر العمل وتمثله عندها
هذا قوله صلى الله تعالى عليه وآله
سلم جروحهم تدمى اللون لون
دم والريح ريح مسك وصح في
المحرم ايضا، كفنوه فى ثوبيه ولا
تمسوه بطيب ولا تخمروا راسه
فانه يبعث يوم القيامة ملبيا. فوجب
مصيراليه ؛

والى هذه النكتة اشار النبى
صلى الله عليه وسلم بقوله الميت
يبعث فى ثيابه التى يموت فيها، و
الاصل فى التكفين التشبه بحال
نائم المسجى بثوبه، اكمله فى الرجل
زار وقميص وملحفة اوحلة، وفى
مراة هذه مع زيادة ما لانها يناسبها
زيادة الستر، قوله صلى الله عليه
وسلم لا تغالوا فى الكفن فانه يسلب
سلبا سريعا، اراد العدل بين
الافراط والتفريط وان لا ينتحلوا
زيادة الجاهلية فى المغالاة، قوله
صلى الله عليه وسلم اسرعوا
بالجنازة فانها ان تك صالحة ؛
اقول السبب فى ذلك ان

کے کپڑوں میں اور اس کے خون میں دفن کرنے کی جو سنت جاری ہے وہ اس لئے کہ اس کے اس فعل کی عظمت ہو اور ظاہر میں اس کے بقاء عمل کی صورت متمثل ہو اور اس لئے کہ نفوس بشریہ جب اپنے جسموں کو چھوڑتے ہیں تو وہ حساس ہوتے ہیں اور ان کو اپنی جانوں کا علم رہتا ہے اور ان میں سے بعض کو ان چیزوں کا بھی علم رہتا ہے جو ان کے ساتھ کی جاتی ہیں، پس جب اس جیسے عمل کا اثر باقی رکھا جائے گا تو اس کو اس عمل کے یاد دلانے میں مدد دے گا اور اس کے سامنے متشکل رہے گا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے یہی مراد ہے "قیامت کے روز شہیدوں کے زخموں سے خون جاری ہوں گے، رنگ خون کا سا ہوگا اور خوشبو مشک کی سی ہوگی، اور محرم کے حق میں بھی حدیث صحیح وارد ہے" اس کو دونوں کپڑوں میں کفنادو اور نہ اس کو خوشبو لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانکو کیونکہ وہ قیامت کے روز تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا پس اس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا،

اور اسی نکتہ کی طرف نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا" قیامت کے روز مردہ اپنے ان کپڑوں میں اٹھیگا جن میں وہ مرا ہے" اور کفن میت میں اصل اس سونے والے کے ساتھ مشابہت کا ہونا ہے جو اپنے کپڑے میں لپٹ کر سوتا ہے، مرد کے حق میں پورا کفن تہبند اور کرتا اور اوپر کی چادر ہے یا حلہ یعنی دو کپڑے ہیں، اور عورت کے حق میں پورا کفن ان کپڑوں کے ساتھ کچھ اور بھی ہے کیونکہ اس کے لئے زیادہ ستر مناسب ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" زیادہ قیمتی کفن نہ دو کیونکہ وہ بہت جلد اس سے جدا ہو جائے گا" اس سے افراط تفریط کے درمیان

الابطاء مظنة فساد جثة الميت وتلق الاولياء فانهم متى ما رأوا الميت اشتدت موجدتهم و اذا غاب عنهم اشتغلوا عنه، و قد اشار النبي صلى الله عليه وسلم الى كلا السببين في كلمة واحدة حيث قال لا ينبغي لجيفة مسلم ان تحبس بين ظهراني اهله، قوله عليه السلام فان كانت صالحة الخ

اقول هذا عندنا محمول على حقيقته، وبعض النفوس اذا فارقت اجسادها تحس بما يفعل بجسدها وتتكلم بكلام روحاني انما يفهم من الترشح على النفوس دون المالوف عند الناس من الاستماع بالاذن، وذلك قوله صلى الله عليه وسلم الا الانسان قوله صلى الله عليه وسلم من اتبع جنازة مسلم ايمانا و احتسابا الخ۔

اقول السر في شرع اتباع اكرام الميت وجبر قلوب الاولياء وليكون طريقا الى اجتماع امة صالحة من المؤمنين للدعاء له وتعرضا لمعاونة الاولياء في الدفن، ولذلك رغب في الوقوف لها الى ان يفرغ من الدفن، قوله صلى الله عليه وسلم ان الموت فزع فاذا رأيتم الجنازة

اعتدال مراد ہے اور یہ کہ زیادہ قیمتی کفن دینے میں جاہلیت کی عادت نہ اختیار کریں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنازہ کو جلدی لے جاؤ"۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ دیر کرنے میں میت کی لاش کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے اور اس کے قرابت والوں کو بیقراری ہوتی ہے کیونکہ جب وہ میت کو دیکھیں گے تو ان کو بے چینی زیادہ ہوگی اور جب وہ ان کی نظر سے غائب ہو جائے گا تو وہ اور کام میں مشغول ہو جائیں گے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سببوں کی طرف ایک کلمہ میں اشارہ فرمایا، آپ نے فرمایا "کسی مسلمان کی لاش کو اس کے گھر والوں کے سامنے روکے رکھنا مناسب نہیں ہے"۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ "اگر وہ نیک ہے[1] الخ۔

میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک یہ کلام حقیقی معنی پر محمول ہے اور بعض نفوس جب اپنے بدن سے جدا ہوتے ہیں تو جو کچھ ان کے بدن کے ساتھ کیا جاتا ہے اس کو وہ محسوس کرتے ہیں اور روحانی کلام کے ساتھ کلام کرتے ہیں جو نفوس پر مترشح ہونے کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے اور کانوں کے ذریعہ نہیں سنا جاتا جو لوگوں کا طریق مالوف ہے، اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سوائے انسان کے اس کی آواز کو ہر چیز سنتی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ایمان و ثواب سمجھ کر مسلمان کے جنازے کے پیچھے چلا" الخ

میں کہتا ہوں جنازہ کے ساتھ چلنے کا حکم دینے میں راز یہ کہ اس میں میت کی تعظیم اور اس کے رشتہ داروں کے دلوں کی تسلی ہوتی ہے اور تاکہ وہ مسلمانوں کے ایک صالح گروہ کا میت کے حق میں دعا کرنے کے واسطے، اس کے دف

[1] اس کا اخیر جملہ یہ ہے "تو کہتا ہے مجھے جلدی پہنچاؤ اور اگر بد ہے تو کہتا ہے ہائے مجھے کہاں لئے جاتے ہو"۔

[2] اور اس کی نماز پڑھی اور دفن سے فارغ ہو کر واپس آیا تو دو قیراط کے برابر اس کو ثواب ملے گا۔

نقوموا ؛

اقول لما كان ذكرها ذم اللذات والاتعاظ من انقراض حياة الاخوان مطلوبا وكان امرا خفيا لا يدرى العامل به من التارك له ضبط بالقيام لها، ولكنه صلى الله عليه وسلم لم يعزم عليه ولم يكن سنة قائمة، وقيل منسوخ، وعلى هذا فالسر فى النسخ انه كان اهل الجاهلية يفعلون افعالا مشابهة بالقيام فخشى ان يحمل ذلك على غير محمله فيفتح باب الممنوعات والله اعلم ؛

وانما شرعت الصلوة على الميت لان اجتماع امة من المؤمنين شافعين للميت له تاثير بليغ فى نزول الرحمة عليه، وصفة الصلاة عليه ان يقوم الامام بحيث يكون الميت بينه وبين القبلة ويصطف الناس خلفه ويكبر اربع تكبيرات يدعو فيها للميت ثم يسلم، وهذا ما تقرر فى زمان عمر رضى الله عنه، واتفق عليه جماهير الصحابة ومن بعدهم، وان كانت الاحاديث متخالفة فى الباب، ومن السنة قراءة فاتحة الكتاب لانها خير الادعية واجمعها، علمها الله تعالى عباده فى محكم كتابه ومما حفظ من دعاء النبى صلى الله عليه وسلم على الميت: اللهم اغفر

کرنے میں اس کے رشتہ داروں کی مدد کرنے کے واسطے اجتماع کا ذریعہ ہے اسی واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کے لئے ٹھیرنے میں رغبت دلائی یہانتک کہ اس کے دفن کرنے سے لوگوں کو فراغت ہوجائے اور جب تک جنازہ اتار کر زمین پر نہ رکھدیا جائے لوگوں کو بیٹھنے سے منع کیا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تحقیق موت پریشانی کی چیز ہے پس جب تم کسی جنازہ کو دیکھو تو کھڑے ہوجاؤ"

میں کہتا ہوں جبکہ لذتوں کے دور کرنے والی شی کا یاد کرنا اور اپنے بھائیوں کی عمر تمام ہوجانے سے عبرت پکڑنا مقصود تھا اور یہ ایک پوشیدہ بات تھی کہ اس کے کرنیوالے اور نہ کرنے والے میں تمیز نہ ہوسکتی تھی اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مطلوب کا انضباط قیام کے ساتھ کردیا لیکن آپ نے ان کو ضروری قرار نہیں دیا اور نہ ہی وہ سنت قائمہ ہے، اور بعض نے اس کو منسوخ کہا ہے اور نسخ کی تقدیر پر اس کے منسوخ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ اہل جاہلیت ایسے افعال کیا کرتے تھے جو کھڑے ہونے کے مشابہ تھے پس آپ کو اس بات کا خوف ہوا کہ یہ کھڑا ہونا غیر محل پر محمول کرلیا جائے اور اس طرح ممنوعات کا دروازہ کھلجائے، واللہ اعلم ؛

اور نماز جنازہ اس لئے مقرر کی گئی کہ مؤمنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش کرنے کے واسطے جمع ہونا میت پر رحمت الٰہی نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے، اور نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ امام اس طرح پر کھڑا ہو کہ میت اس کے اور قبلہ کے درمیان ہو اور لوگ اس کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں اور امام چار تکبیریں کہے اور ان میں میت کے لئے دعا کرے پھر سلام پھیر دے، اور یہ وہ طریقہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مقرر ہوا اور اس پر تمام صحابہ اور تابعین نے اجماع کیا اگرچہ اس باب میں متخالف حدیثیں بھی وارد ہیں، اور اس نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی مسنون ہے کیونکہ وہ سب دعاؤں میں

لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا وصغيرنا وكبيرنا وذكرنا وانثانا اللهم من احييته منا فاحيه على الاسلام ومن توفيته منا فتوفه على الايمان اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده اللهم ان فلان بن فلان فى ذمتك وحبل جوارك فقه من فتنة القبر وعذاب النار وانت اهل الوفاء والحق اللهم اغفرله وارحمه انك انت الغفور الرحيم، واللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وابدله دارا خيرا من داره واهلا خيرا من اهله وزوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار، وفى رواية وقه فتنة القبر وعذاب النار۔

قوله صلى الله عليه وسلم ان هذه القبور مملوءة ظلمة على اهلها وان الله ينورها لهم بصلاتى وقوله صلى الله عليه وآله وسلم ما من مسلم يموت فيقوم على جنازته اربعون رجلا لا يشركون بالله شيئا الا شفعهم الله فيه، وفى رواية يصلى عليه امة من المسلمين يبلغون مائة۔

اقول لما كان المؤثر هو الدعاء ممن له بال عند الله لم يخرق دعاؤه

بہتر اور جامع ہے، خدا تعالے نے اپنی کتاب محکم میں بندوں کو اس کی تعلیم فرمائی ہے، اور ان دعاؤں میں سے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے میت پر پڑھی ہیں اور محفوظ چلی آئی ہیں یہ ہے:۔ اللھم اغفر لحینا و میتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ، اور اللھم ان فلان بن فلان فی ذمتک وحبل جوارک فقہ من فتنۃ القبر و عذاب النار وانت اھل الوفاء والحق اللھم اغفرلہ وارحمہ انک انت الغفور الرحیم، اور اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ وزوجا خیرا من زوجہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر ومن عذاب النار، اور ایک روایت میں ہے:۔ وقہ فتنۃ القبر وعذاب النار،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ قبریں اہل قبور تاریکی سے پر ہوتی ہیں اور خدا تعالیٰ میری نماز سے ان پرنور کرتا ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "جو مسلمان ایسا مرتا ہے کہ اس کے جنازہ پر ایسے چالیس جو خدا تعالے کے ساتھ شرک نہیں کرتے کھڑے ہوکر دعا ہیں تو خدا تعالے ان کی شفاعت اس میت کے حق قبول فرماتا ہے، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر جنازہ پر سو مسلمانوں کا گروہ نماز پڑھے"

میں کہتا ہوں جبکہ اس شخص کی دعا کا پورا اثر ہو جو خدا تعالے کے نزدیک معزز ہے تاکہ اس کی دعا حجاب کو پھاڑ کر رحمت الہی نازل کرنے کا باعث ہو جس طرح ہیں اس واسطے دو امروں میں سے ایک میں رغبت

الحجب، ويعد لنزول الرحمة بمنزلة الاستسقاء وجب ان يرغب في احد الامرين ان يكون من نفس عالية تعد امة من الناس او جماعة عظيمة، قوله صلى الله عليه وآله وسلم هذا اثنيتم عليه خيرا وجبت له الجنة، الحديث:

اقول ان الله تعالى اذا احب عبدا احبه الملأ الاعلى، ثم ينزل القبول في الملأ السافل، ثم الى الصالحين من الناس، واذا ابغض عبدا ينزل البغض كذلك فمن شهد له جماعة من صالحي المسلمين بالخير من صميم قلوبهم من غير رياء ولا موافقة عادة فانه آية كونه ناجيا، واذا اثنوا عليه شرا فانه آية كونه هالكا، ومعنى قوله صلى الله عليه وسلم انتم شهداء الله في الارض، انهم مورد الالهام وتراجمة الغيب، قوله صلى الله عليه وآله وسلم لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الى ما قدموا:

اقول لما كان سب الاموات سبب غيظ الاحياء وتاذيهم ولا فائدة فيه، وان كثيرا من الناس لا يعلم حالهم الا الله نهى عنه، وقد بين النبي صلى الله عليه وسلم هذا السبب في قصة سب جاهلي وغضب العباس لاجله، وهل يمشي امام الجنازة او خلفها، وهل يحملها اربعة او اثنان، وهل يسل من قبل رجليه او من

ضروری ہوا، یا تو ایک شخص عالی مرتبہ ہو جو ایک جماعت کے برابر ہو یا ایک جماعت کثیر ہو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے اس میت کی ثنا خیر کی ہے اس کے لئے جنت واجب ہوگئی" الحدیث،

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالے کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ کو بھی اس سے محبت ہوتی ہے پھر اس کی قبولیت ملاء سافل میں نازل ہوتی ہے پھر نیک بندے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور جب کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو اسی طرح اس کی ناراضگی درجہ بدرجہ نازل ہوتی ہے، پس جس بندہ کے لئے نیک مسلمانوں کی ایک جماعت خلوص دل سے بلا ریا اور بغیر اتفاق عادت کے نیکی کی گواہی دے تو یہ اس شخص کے ناجی ہونے کی دلیل ہے اور جب وہ کسی کی برائی بیان کریں تو یہ اس کے ہلاک ہونے کی علامت ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو" تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم مورد الہام اور ترجمان غیب ہو

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مردوں کو برا مت کہو کیونکہ وہ اپنے اعمال کی جزا تک پہنچ چکے ہیں۔"

میں کہتا ہوں چونکہ مردوں کو برا کہنا زندوں کی دلسوزی اور ایذاء کا سبب ہے اور اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے اور نیز بہت سے لوگوں کا حال سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اس لئے برا کہنے سے لوگوں کو روکا گیا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سبب کو اہل جاہلیت کے ایک مردہ کو برا کہنے اور حضرت عباس کا اس کی وجہ سے غصہ ہونے کے قصہ میں بیان فرما دیا ہے اب رہی یہ بات کہ جنازہ کے

القبلة؛ والمختار ان الكل واسع، وانه قد صح في الكل حديث او اثر؛

قوله صلى الله عليه وآله وسلم اللحد لنا والشق لغيرنا؛

اقول ذلك لان اللحد اقرب من اكرام الميت واهالة التراب على وجهه من غير ضرورة سوء ادب، وانما بعث النبي صلى الله وسلم عليا رضي الله عنه ان لا يدع تمثالا الا طمسه ولا قبرا مشرفا الا سواه، ونهى ان يجصص القبر، وان يبنى عليه وان يقعد عليه، وقال لا تصلوا اليها لان ذلك ذريعة ان يتخذها الناس معبودا وان يفرطوا في تعظيمها بما ليس بحق فيحرفوا دينهم كما فعل اهل الكتاب، وهو قوله صلى الله عليه وسلم، لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد، ومعنى ان يقعد عليه قيل ان يلازمه المزورون وقيل ان يطئوا القبور، وعلى هذا فالمعنى اكرام الميت، فالحق التوسط بين التعظيم الذي يقارب الشرك وبين الاهانة وترك الموالاة به، ولما كان البكاء على الميت والحزن عليه طبيعة لا يستطيعون ان ينفكوا عنها لم يجز ان يكلفوا تركه كيف وهو ناشئ من رقة الجنسية وهي محمودة لتوقف تألف اهل

آگے چلنا چاہیے یا پیچھے اور اس کو چار آدمی اٹھائیں یا دو اور قبر میں پاؤں کی طرف سے اتاریں یا قبلہ کی طرف سے، پس اس میں مختار قول یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی گنجائش ہے اور ہر امر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث یا کوئی اثر مروی ہے؛

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم لوگوں کے لئے لحد ہے اور ہمارے سوا دوسروں کے لئے شق ہے؛"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ لحد میت کی تعظیم کے مناسب ہے اور بلا ضرورت میت کے منہ پر مٹی ڈالنا بے ادبی ہے،

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص اس لئے بھیجا تھا کہ کوئی تصویر مٹائے بغیر نہ چھوڑیں اور جس قبر کو اونچا دیکھیں اس کو گرا کر زمین کے برابر کر دیں، اور قبر کو پختہ کرنے سے اور اس پر عمارت بنانے سے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا اور آپ نے فرمایا قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو کیونکہ یہ اس بات کا ذریعہ ہے کہ لوگ قبروں کی پرستش کرنے لگیں اور لوگ ان قبروں کی اتنی زیادہ تعظیم کرنے لگیں جس کی وہ مستحق نہیں، پس لوگ اپنے دین میں تحریف کر ڈالیں جیسا کہ اہل کتاب نے کیا، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا، اور قبر پر بیٹھنے کے معنی بعض نے یہ بیان کئے ہیں کہ اس سے زیارت کرنے والوں کا قبر پر ٹھیرنا مراد ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے قبروں پر پیر رکھنا مراد ہے اور اس تقدیر پر میت کی تعظیم ملحوظ ہے پس حق یہ ہے کہ توسط اختیار کرے نہ تو مردہ کی اس قدر تعظیم کرے جو شرک کے قریب ہو اور نہ اس کی اہانت اور اس

المدينة فيما بينهم عليها، ولانها
مقتضى سلامة مزاج الانسان
وهو قوله صلى الله عليه وسلم
انما يرحم الله من عباده
الرحماء ؛

قوله صلى الله عليه وسلم ان
الله لا يعذب بدمع العين ولا
بحزن القلب ولكن يعذب بهذا
واشار الى لسانه او يرحم، قوله
صلى الله عليه وسلم ليس منا من
ضرب الخدود وشق الجيوب ودعا
بدعوى الجاهلية. السر فيه ان
ذلك سبب تهيج الغم وانما المصاب
بالثكل بمنزلة المريض يعالج ليتخفف
مرضه ولا ينبغي ان يسعى في تضاعف
وجعه، وكذلك المصاب يشغل
عما يجده ولا ينبغي ان يغوص بقصده
وايضا فلعل هيجان القلق يكون سببا
لعدم الرضاء بالقضاء، وايضا فكان
اهل الجاهلية يراءون الناس باظهار
التفجع وتلك عادة خبيثة ضارة
فنهوا عنها، وقوله صلى الله عليه وسلم
فى النائحة تقام يوم القيامة وعليها سربال
من قطران ودرع من جرب ؛

اقول انما كان كذلك لانها
احاطت بها الخطيئة فجوزيت بتمثل
الخطيئة نتنا محيطا بجسدها وانما
تقام تشهيرا ولانها كانت تائمة
عند النوحة، قوله صلى الله عليه وسلم

کے ساتھ عداوت کرے،

اور جبکہ میت پر رونا اور اس پر غم کرنا ایک طبعی
امر ہے جو لوگوں سے دور نہیں ہو سکتا اس واسطے نبی صلے اللہ
علیہ وسلم اس کے ترک کی تکلیف دینے کو جائز نہ رکھا اور
یہ ہونا بھی نہ چاہئے کیونکہ رونا اور غم کرنا ہم جنس ہونے
کی رقت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور یہ رقت قلبی قابل
حمد ہے کیونکہ اہل مدینہ کا باہم مالوف ومانوس ہونا
اس پر موقوف ہے، اور نیز انسان کی سلامت مزاج
کا یہ مقتضیٰ ہے، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالےٰ اپنے رحم دل
بندوں پر ہی رحم کرتا ہے "نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اللہ
تعالےٰ آنکھ کے آنسوؤں اور دل کے غمگین ہونے
کی رو سے عذاب نہیں دیتا لیکن اس کے سبب سے
عذاب دیتا یا رحم کرتا ہے اور آپ نے زبان کی طرف
اشارہ فرمایا" اور آپ نے فرمایا "جس نے رخساروں
کو پیٹا اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی طرح چیخا چلایا وہ
ہم میں سے نہیں ہے"

اس میں راز یہ ہے کہ ان باتوں سے غم بڑھتا ہے
اور مصیبت زدہ جس کا کوئی مر گیا ہو وہ بمنزلہ مریض کے
ہوتا ہے جو قابل علاج ہے تاکہ اس کا مرض کم ہو، اور یہ
مناسب نہیں ہے کہ اس کے درد کے زیادہ کرنے میں
کوشش کی جائے اور اسی طرح وہ مصیبت زدہ اس
مصیبت سے فارغ ہو گیا ہے جو اس پر پڑ چکی اور اب
مناسب نہیں ہے کہ قصداً اس مصیبت میں پڑا رہے
اور نیز اس بات کا بھی امکان ہے کہ بیقراری کا بڑھنا
حکم الٰہی پر راضی نہ ہونے کا سبب بن جائے، اور نیز
اہل جاہلیت لوگوں کے دکھانے کو رویا کرتے تھے
اور یہ عادت خبیث اور ضرر رساں ہے اس واسطے
اس سے لوگوں کو منع کیا گیا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے نوحہ کرنے والی عورت کے بارے میں فرمایا کہ حشر
کے روز اس کو کھڑا کیا جائے گا اس پر قصور

اربع فی امتی من امر الجاهلیة لا یترکونهن الحدیث.

اقول انما تفطن النبی صلی الله علیه وسلم انهم لا یترکون لان ذلك مقتضی افراط الطبیعة البشریة بمنزلة الشبق، فان النفوس لها تیه یظهر فی الانساب والفة بالاموات تستلزم النیاحة ورصد یؤدی الی الاستسقاء بالنجوم ولذلك لن تری امة من البشر من عربهم وعجمهم الا وهذه سنة فیهم، وقوله صلی الله علیه وسلم فی النساء یتبعن الجنازة ارجعن مازورات غیر ماجورات.

اقول انما نهین عن ذلك لان حضورهن مظنة الصخب والنیاحة وعدم الصبر وانکشاف العورات، قوله صلی الله علیه وسلم لا یموت لمسلم ثلاثة من الولد فیلج النار.

اقول ذلك لجهاد نفسه بالاحتساب ولمعان ذکرناها فراجع، قوله صلی الله علیه وسلم من عزی مصابا فله مثل اجره.

اقول ذلك لسببین، احدهما ان الحاضر یرق رقة المصاب. وثانیهما ان عالم المثال مبناه علی ظهور المعانی التضایفیة، ففی تعزیة

اور گندھک کی چادر ہو گی۔

میں کہتا ہوں یہ اس لئے ہوا کہ اس کے گناہ نے ہر طرف سے اس کو گھیر لیا اس واسطے گناہ کی صورت میں اس کو سزا دی گئی کہ بدبو اس کے سارے جسم کو گھیر لے، اور اس کو کھڑا اس لئے کیا جائے گا تاکہ اس کی شہرت ہو یا اس لئے کہ نوحہ کرتے وقت وہ کھڑی ہوئی تھی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں جاہلیت کی چار باتیں ہیں[1] جن کو وہ نہ چھوڑیں گے" الحدیث۔

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بات کہ وہ ان خصلتوں کو ترک نہ کریں گے اس وجہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ باتیں طبیعت بشریہ کے حد سے بڑھ جانے کا مقتضیٰ ہیں جیسا کہ حد سے زیادہ شہوتِ جماع کا بڑھ جانا کیونکہ نفوس کے اندر ایک طرح کی غیرت ہے جو انساب میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور مردوں کے ساتھ ان کو محبت ہے جو رونے پیٹنے پر آمادہ کرتی ہے، اور ایک طرح کی اٹکل ہے جو ستاروں سے بارش طلب کرنے کا سبب بنتی ہے اور اسی لئے عرب و عجم سب قوموں میں تم اس طریقہ کو دیکھتے ہو، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کے بارے میں فرمایا جو جنازہ کے پیچھے چلتی تھیں "لوٹ جاؤ تمہارے لئے گناہ ہے نہ کہ ثواب۔"

میں کہتا ہوں عورتوں کو اس لئے منع کیا گیا کہ ان کے حاضر ہونے سے شور اور رونے پیٹنے اور بے صبری اور بے پردگی کا احتمال ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس مسلمان کے تین بچے مر جائیں تو وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے صبر

[1] وہ چار چیزیں یہ ہیں: احساب میں فخر کرنا۔ انساب میں طعن کرنا۔ ستاروں سے بارش چاہنا، اور نوحہ کرنا ۱۲

الشكل صورة الشكل فجوزى شبه جزائه، قوله صلى الله عليه وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد اتاهم ما يشغلهم،

اقول هذا نهاية الشفقة باهل المصيبة وحفظهم من ان يتضرروا بالجوع، قوله صلى الله عليه وآله وسلم نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها،

اقول كان نهى عنها لانها تفتح باب العبادة لها فلما استقرت الاصول الاسلامية واطمأنت نفوسهم على تحريم العبادة لغير الله اذن فيها وعلل التجويز بان فائدته عظيمة وهي انها تذكر الموت، وانها سبب صالح للاعتبار بتقلب الدنيا، ومن دعاء الزائر لاهل القبور السلام عليكم يا اهل الديار من المؤمنين والمسلمين وانا ان شاء الله بكم لاحقون نسأل الله لنا ولكم العافية وفي رواية السلام عليكم يا اهل القبور يغفر الله لنا ولكم وانتم سلفنا ونحن بالاثر، والله اعلم،

کرکے اپنے نفس سے جہاد کیا ہے اور دیگر وجوہات ہیں جنکا ذکر ہم کرچکے پس انکو وہاں دیکھنا چاہئیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے گا تو اس کو بھی اس کے برابر ثواب ملے گا"

میں کہتا ہوں اس کے دو سبب ہیں ایک یہ ہے کہ آنیوالے کو ایسی ہی رقت ہوتی ہے جیسی مصیبت زدہ کو، اور دوسرے یہ ہے کہ عالم مثال کا مبنی معانی مناسب کے ظاہر ہونے پر ہے پس مصیبت زدہ کی تعزیت کرنے میں مصیبت کی صورت ظاہر ہوتی ہے اسواسطے اس کی جزاء کے مشابہ اس کو جزا دی گئی،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کو ایسا حادثہ پیش آیا ہے جس نے ان کو اور کاموں سے روکدیا ہے"

میں کہتا ہوں یہ اہل مصیبت کے ساتھ انتہائی ہمدردی ہے اور بھوک سے مرنے سے ان کی حفاظت کرنا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے تم کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کردیا تھا اب تم ان کی زیارت کرو"

میں کہتا ہوں آپؐ نے ان کو قبروں کی زیارت سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ اس سے قبر پرستی کا دروازہ کھلتا تھا پس جب اسلامی اصول مستحکم ہوگئے اور غیر اللہ کی عبادت کی حرمت لوگوں کے دلوں میں پیوست ہوگئی تو آپ نے ان کو زیارت کرنے کی اجازت دیدی اور اجازت دینے کی علت بھی بیان فرمادی کہ اسکا بڑا فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے موت یاد آتی ہے اور دنیا کے انقلاب پر عبرت حاصل ہونے کا کافی سبب ہے اور زیارت کرنے والا اہل قبور کے لئے یہ دعا پڑھے:- السلام علیکم یا اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسأل اللہ لنا ولکم والعافیۃ،

اور ایک روایت میں ہے:- السلام علیکم یا اهل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر، واللہ اعلم

من ابواب الزكاة

اعلم ان عمدة ما روعي في الزكاة مصلحتان، مصلحة ترجع الى تهذيب النفس وهي انها احضرت الشح، والشح اقبح الاخلاق ضار بها في المعاد، ومن كان شحيحا فانه اذا مات بقي قلبه متعلقا بالمال، وعذب بذلك ومن تمرن بالزكاة وازال الشح من نفسه كان ذلك نا فعاله، وانفع الاخلاق في المعاد بعد الاخبات الله تعالى هو سخاوة النفس فكما ان الاخبات يعد للنفس هيئة التطلع الى الجبروت، فكذلك السخاوة تعد لها البراءة عن الهيات الخسيسة الدنيوية، وذلك لان اصل السخاوة قهر الملكية البهيمية، وان تكون الملكية هي الغالبة وتكون البهيمية منصبغة بصبغها آخذة حكمها، ومن المنبهات عليها بذل المال مع الحاجة اليه والعفو عمن ظلم والصبر على الشدائد في الكريهات بان يهون عليه الم الدنيا لايقانه بالآخرة، فامر النبي صلى الله عليه وسلم بكل ذلك وضبط اعظمها وهو بذل المال بحدود وقرنت بالصلاة والايمان في مواضع كثيرة من القرآن، وقال تعالى عن اهل النار

زکوٰۃ سے متعلق امور کا بیان

واضح ہو کہ زکوٰۃ میں سب سے زیادہ جس کی رعایت کی گئی ہے وہ دو مصلحتیں ہیں۔ ان میں سے ایک مصلحت انجام کار تہذیب نفس کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نفوس کے اندر بخل پایا جاتا ہے اور بخل اخلاق میں سے بدترین عادت ہے جو آخرت کے اندر نہایت ضرر رساں ہے اور جب بخیل شخص مرجاتا ہے تو اس کا دل مال کے ساتھ الجھا رہتا ہے اور اس وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے، اور جو زکوٰۃ کا عادی ہو جاتا ہے اور بخل کو اپنے نفس سے دور کر دیتا ہے تو وہ اس کے لئے نافع ہے اور آخرت میں خدا تعالیٰ کی فرماں برداری کے بعد تمام اخلاق میں سب سے زیادہ نافع دل کی سخاوت ہے پس جس طرح خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری نفس کے لئے خدا تعالیٰ کی کبریائی پر مطلع ہونے کی صفت پیدا کر دیتی ہے اسی طرح سخاوت اس کو دنیاوی صفات رذیلہ سے بری کر دیتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سخاوت کی اصل یہ ہے کہ ملکیت بہیمیت پر غالب آجائے اور ملکیت اس پر حاکم ہو جائے اور بہیمیت ملکیت کے رنگ میں رنگین ہو کر اس کا حکم قبول کرنے لگے،

اور ان اوصاف میں سے جن سے نفس کو تنبیہ ہوتی ہے اپنی ضرورت کے باوجود مال کا خرچ کرنا ہے اور ظالم کے ظلم کو معاف کرنا ہے اور حوادث کی سختیوں پر صبر کرنا ہے اس طرح سے کہ آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے دنیا کی تکلیف اس کو آسان معلوم ہو اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کا حکم فرمایا اور ان میں سب سے زیادہ جو مشکل امر تھا یعنی مال کا خرچ کرنا اس کو چند حدود کے ساتھ منضبط فرمایا اور اس کا ذکر قرآن میں بہت سی جگہ نماز اور ایمان کے ساتھ آیا۔

لم نك من المصلين ولم نك نطعم
المسكين وكنا نخوض مع الخائضين
وايضا فانه اذا عنت للمسكين حاجة
شديدة واقتضى تدبير الله ان
يسد خلته بان يلهم الانفاق عليه
في قلب رجل فكان هو ذلك انبسط
قلبه للالهام وتحقق له بذلك
انشراح روحاني وصار معدا لرحمة
الله تعالى نافعا جدا في تهذيب نفسه
والالهام الجملي المتوجه الى الناس
في الشرائع تلو الالهام التفصيلي في
فوائده، وايضا فالمزاج السليم
مجبول على رقة الجنسية، وهذه
خصلة عليها يتوقف اكثر الاخلاق
الراجعة الى حسن المعاملة مع الناس
فمن فقدها ففيه ثلمة يجب عليه
سدها، وايضا فان الصدقات
تكفر الخطيئات وتزيد في البركات
على ما بينا فيما سبق، ومصلحة
ترجع الى المدينة وهي انها تجمع
لا محالة الضعفاء وذوي الحاجة و
تلك الحوادث تغدو على قوم و
تروح على آخرين، فلو لم تكن
السنة بينهم مواساة الفقراء
واهل الحاجات لهلكوا وماتوا جوعا
وايضا فنظام المدينة يتوقف على
مال يكون به قوام معيشة الحفظة
الذابين عنها والمدبرين
السائسين لها، ولما كانوا

اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے حال کی حکایت میں فرمایا ہے۔
"ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور نہ مسکینوں کو
کھانا کھلاتے تھے اور بکنے والوں کے ساتھ بکا کرتے تھے"
اور نیز جب کسی مسکین کو کوئی سخت حاجت پیش آتی ہے،
اور تدبیر الٰہی یہ چاہتی ہے کہ اس کی ضرورت اس طرح پر
دور کی جائے کہ کسی شخص کے دل میں اس پر کچھ مال صرف
کرنے کا الہام ہو تو وہ یونہی ہوتا ہے کہ اس کا دل الہام
کے لئے کشادہ ہوجاتا ہے اور وہ رحمت الٰہی کے لئے
سبب اور اس کے نفس کی تہذیب میں نہایت نافع ہوتا
ہے اور وہ الہام جو احکام کے اندر لوگوں کی طرف بالاجمال
متوجہ ہوتا ہے فوائد میں الہام تفصیلی سے کم درجہ کا ہوتا
ہے اور نیز مزاج سلیم کی سرشت میں جنسی ہمدردی داخل
ہوتی ہے اور یہ ایسی خصلت ہے جس پر بہت سے اخلاق
جنکا انجام لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہوتا ہے موقوف
ہوتے ہیں پس جس شخص میں یہ خصلت نہیں اس میں
ایک عیب ہے جس کا دور کرنا ضروری ہے۔ اور نیز صدقات
سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور برکات زیادہ ہوتے
ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، اور دوسری مصلحت
شہر سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر میں ناتوان اور
حاجتمند ضرور ہوتے ہیں اور یہ حوادث صبح ایک پر
اور شام کو دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں پس اگر
فقراء اور حاجتمندوں کے ساتھ ہمدردی کا طریقہ لوگوں
میں نہ ہو تو وہ ہلاک ہوجائیں اور بھوکے مرجائیں، اور
نیز شہر کا انتظام اس پر موقوف ہے کہ ایک مال مجتمع
رہے جس سے ان لوگوں کی پرورش کی جائے جو شہر کی
حفاظت میں مصروف رہتے ہیں اور اس کی تدبیر اور
سیاست میں رہتے ہیں، اور چونکہ وہ لوگ جو شہر کے
رفاہ عام کے کاموں میں مشغول ہوکر اپنے اکتساب
معاش سے باز رہتے ہیں تو ان کی پرورش بھی شہر کے

عاملين للمدينة عملا نافعا مشغولين
به عن اكتساب كفافهم وجب
ان يكون قوام معيشتهم عليها
والانفاقات المشتركة لاتسهل
على البعض اولا يقدر عليها البعض
فوجب ان تكون جباية الاموال
من الرعية سنة ؛

ولما لم يكن اسهل ولا اوفق
بالمصلحة من ان تجعل احدى
المصلحتين مضمومة بالاخرى
ادخل الشرع احداهما في الاخرى
ثم مست الحاجة الى تعيين مقادير
الزكاة اذ لولا التقدير لفرط المفرط
ولاعتدى المعتدى، ويجب ان
تكون غير يسيرة لا يجدون بها
بالا ولاتنجع من بخلهم ولا ثقيلة
يعسر عليهم اداؤها، والى تعيين
المدة التي تجبى فيها الزكوات، و
يجب ان لا تكون قصيرة يسرع
دورانها فتعسر اقامتها فيها، وان لا
تكون طويلة لا تنجع من بخلهم
ولا تدر على المحتاجين و
الحفظة الا بعد انتظار شديد،
ولا ارفق بالمصلحة من ان يجعل
القانون في الجباية ما اعتاده الناس
في جباية الملوك العادلة من رعاياهم
لان التكليف بما اعتاده العرب
والعجم وصار كالضروري الذي
لا يجدون في صدورهم حرجا منه

ذمہ ہونی چاہئے، اور مشترک اخراجات کے بعض تو
بسہولت کفیل نہیں ہو سکتے یا بعض ان کو برداشت ہی
نہیں کر سکتے اس واسطے ضروری ہوا کہ رعایا کے مال
میں سے کچھ حصہ لینا مقرر کیا جائے،

اور چونکہ آسان تر اور مصلحت کے زیادہ موافق
اس سے بڑھ کر کوئی طریقہ نہ تھا کہ دونوں مصلحتوں
میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے
اس واسطے شرع نے ایک کو دوسرے کے اندر
داخل کر دیا،

پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ مقدار زکوٰۃ
کو معین کیا جائے کیونکہ اگر کوئی اندازہ مقرر نہ ہوتا تو
دینے والا کم کر کے دیتا اور لینے والا زیادتی سے لینا چاہتا
اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مقدار نہ تو نہایت کم ہو کہ
اس کے دینے سے ان کو بار نہ گذرے اور ان کے بخل
کی بیخ کنی میں کوئی اثر نہ ہو، اور نہ اس قدر زیادہ ہو
جس کا ادا کرنا ان پر مشکل ہو جائے، اور اس بات کی
بھی ضرورت پڑی کہ ایک مدت مقرر کی جائے جس
میں لوگوں سے زکوٰۃ لی جائے، اور نیز یہ بات بھی ضروری
تھی کہ وہ مدت نہ تو اس قدر کم ہو کہ اس کا دوران جلد
جلد ہونے لگے اور ان میں زکوٰۃ کا ادا کرنا مشکل پڑ جائے
اور نہ وہ مدت اس قدر دراز ہو کہ اس میں ادا کرنے سے
ان کے بخل میں کوئی اثر نہ ہو اور محتاج اور محافظین کو بہت
زیادہ انتظار کے بعد حاصل ہو اور مصلحت کے مناسب
یہی ہے کہ زکوٰۃ لینے میں اس قانون کی رعایت کی جائے
کہ لوگ عادل بادشاہوں کا اپنی رعایا سے زکوٰۃ وصول
کرنے میں اس کے عادی ہوں کیونکہ جس چیز کے
تمام عرب و عجم عادی ہیں اور وہ مثل ایک ضروری چیز کے
ہے جس سے ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہیں ہوتی اور
وہ لوگوں کے نزدیک ایسی مسلم ہے جس کی محبت نے

والمسلم الذی اذہبت الالفۃ عنہ الکلفۃ اقرب من اجابۃ القوم و اوفق للرحمۃ بھم ؛

والابواب التی اعتادھا طوائف الملوک الصالحین من اھل الاقالیم الصالحۃ وھو غیر ثقیل علیھم، و قد تلقتھا العقول بالقبول اربعۃ.

الاول ان تؤخذ من حواشی الاموال النامیۃ، فانھا احوج الاموال الی الذب عنھا لان النمو لا یتم الا بالتردد خارج البلاد. ولان اخراج الزکاۃ اخف علیھم لما یرون من التزاید کل حین، فیکون الغرم بالغنم والاموال النامیۃ ثلاثۃ اصناف: الماشیۃ المتناسلۃ السائمۃ والزروع والتجارۃ ؛

والثانی ان تؤخذ من اھل الدثور والکنوز لانھم احوج الناس الی حفظ المال من السراق وقطاع الطریق وعلیھم انفاقات لا یعسر علیھم ان تدخل الزکاۃ فی تضاعیفھا ؛

والثالث ان تؤخذ من الاموال النافعۃ التی ینالھا الناس من غیر تعب کدفائن الجاھلیۃ وجواھر العادیین، فانھا بمنزلۃ المجان یخف علیھم الانفاق منہ ؛

والرابع ان تلزم ضرائب علی رءوس الکاسبین فانھم عامۃ الناس واکثرھم، واذا جبی من کل منھم شیء یسیر کان خفیفا فھم

ان کی کوفت کو دور کر دیا ہے اس چیز سے لوگوں کو مکلف کرنا ان کے قبول کرنے کے قریب اور ان پر مہربانی کرنے کے مناسب ہے۔

اور معتدل ملکوں کے صالح بادشاہ جن ابواب کے عادی ہیں اور وہ ان پر گراں بھی نہیں ہیں اور ان کو عقول نے قبول بھی کیا ہے وہ چار باب ہیں،

اول یہ ہے کہ زکوٰۃ اموال نامیہ میں سے لیجائے کیونکہ انہی اموال کی زیادہ حفاظت کرنی پڑتی ہے اس واسطے کہ اموال کا بڑھنا شہر کے باہر آمد و رفت سے ہی پورا ہوتا ہے، اور نیز ان میں سے زکوٰۃ نکالنا ان پر بھی آسان تر ہے کیونکہ ہر وقت اس مال کو زیادہ ہوتے دیکھتے ہیں پس زکوٰۃ کی ادائیگی زاید مال سے ہو جاتی ہے، اور بڑھنے والے اموال کی تین قسمیں ہیں،۔

ایک تو جنگل میں چرنے والے مویشی جن کی نسلیں چلتی رہتی ہیں، دوسری زراعت، تیسری تجارت۔

اور دوم یہ ہے کہ زکوٰۃ ان لوگوں سے لیجائے جو متمول اور صاحب خزانہ ہیں کیونکہ سب سے زیادہ ان کو چوروں سے اور لٹیروں سے مال کی حفاظت کی ضرورت ہے اور ان پر اور اخراجات بھی پڑتے رہتے ہیں جن میں زکوٰۃ کو داخل کرنے سے ان پر کوئی بار نہیں پڑتا۔

اور سوم یہ ہے کہ زکوٰۃ ان اموال نافعہ سے لیجائے جو لوگوں کو بغیر مشقت کے حاصل ہوتے ہیں جیسے زمانہ جاہلیت کے دفینے اور دشمنوں سے ہاتھ لگے ہوئے خزائن کیونکہ وہ بمنزلہ مفت کے ہوتے ہیں جن میں سے زکوٰۃ کا دینا آسان ہے،

چہارم یہ ہے کہ کمانے والوں پر کچھ ٹیکس مقرر کیا جائے کیونکہ وہ مخلوق میں عام اور بہ کثرت ہوتے ہیں اور جب ہر ایک سے تھوڑا تھوڑا نکالا جائیگا

عظيم الحرج في نفسه، ولما كان
دوران التجارات من البلدان
النائية وحصاد الزرع وجني الثمار
في كل سنة، وهي اعظم انواع الزكاة
قدر الحول لها، ولانها تجمع نصولا
مختلفة الطبائع وهي مظنة النماء
وهي مدة صالحة لمثل هذه التقدير
والاسهل والاوفق بالمصلحة ان لا
تجعل الزكاة الا من جنس تلك الاموال
فتؤخذ من كل صرمة من الابل ناقة،
ومن كل قطيع من البقر بقرة، ومن
كل ثلة من الغنم شاة مثلا، ثم
وجب ان يعرف كل واحد من هذه
بالمثال والقسمة والاستقراء ليتخذ
ذلك ذريعة الى معرفة الحدود الجامعة
المانعة، فالماشية في اكثر البلدان
الابل والغنم والبقر ويجمعها اسم
الانعام، واما الخيل فلا تكثر صرمها
ولا تتناسل نسلا وافرا الا في اقطار
يسيرة كتركستان، والزرع
عبارة عن الاقوات، والثمار الباقية
سنة كاملة، وما دون ذلك يسمى
بالخضروات. والتجارة عبارة
عن ان يشتري شيئا يريد ان
يربح فيه اذ من ملك بهبة او ميراث
واتفق ان باعه فربح لا يسمى تاجرا
والكنز عبارة عن مقدار كثير من
الذهب والفضة محفوظ مدة طويلة
ومثل عشرة دراهم وعشرين درهما

تو ان کو اس کا ادا کرنا آسان ہوگا اور فی نفسہ وہ کثیر ہوگا، اور
چونکہ دور کے شہروں سے تجارتوں کا جاری رہنا اور
کھیتوں کا کٹنا اور پھلوں کا توڑا جانا سال میں ایک بار
ہوتا ہے اور زکوٰۃ کی قسموں میں یہ قسم سب سے بڑی
ہے اس واسطے ان چیزوں کے لئے ایک سال کی مدت
مقرر کی گئی، اور نیز سال کے اندر ہر قسم کی فصلیں آتی ہیں
جن کی طبائع مختلف ہیں اور سال کے اندر ان کے
بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اور ایک سال مدت اس
اس قسم کے اندازوں کے لئے نہایت موزوں ہے،
اور زیادہ سہل اور مصلحت کے موافق یہ صورت ہے،
کہ زکوٰۃ اموال کی قسم ہی سے لیجائے پس اونٹوں کی قطار
میں سے ایک اونٹنی اور گایوں کے گلہ میں سے ایک
گائے اور بکریوں کے ریوڑ میں سے ایک بکری لیجائے پھر
یہ ضرور ہے کہ مثال اور تقسیم اور تلاش سے ان اموال
میں سے ہر ایک کو معلوم کیا جائے تاکہ وہ ان کی جامع
مانع تعریفوں کی پہچان کا ذریعہ بن جائے پس اکثر شہروں
میں اونٹ گائے اور بکریوں کو مویشی کہا جاتا ہے اور ان
سب کو انعام کہتے ہیں اور گھوڑوں کے گلے اور ان کی نسلیں
بہت کم ملکوں میں پائی جاتی ہیں جیسے ترکستان ہے، اور
کھیتیاں اور اناجوں کو اور پورے ایک برس تک باقی
رہنے والے پھلوں کو کہتے ہیں اور جو ایک برس تک باقی
نہ رہ سکیں ان کو ترکاریاں کہتے ہیں، اور تجارت اس کا
نام ہے کہ کوئی چیز اس غرض سے خریدی جائے کہ
اس میں نفع ہو کیونکہ جو شخص ہبہ یا میراث سے کسی
چیز کا مالک ہو جائے اور اتفاقاً اس نے اس کو فروخت
کیا اور اس میں اس کو نفع ہوا تو اس کو تاجر نہیں کہتے، اور
خزانہ سونے چاندی کی بڑی مقدار کو کہتے ہیں جو مدت
دراز تک محفوظ رہے پس دس درہم یا بیس درہم کو خزانہ
نہیں کہتے اگرچہ وہ سالہا سال تک باقی رہیں، اور اسی

لایسمی کنزا، وان بنی سنن، وسائر الامتعۃ لا تسمی کنزا، وان کثرت، والذی یغدو ویروح ولا یکون مستقرا لا یسمی کنزا فھذہ المقدمات تجری مجری الاصول المسلمۃ فی باب الزکاۃ، ثم اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یضبط المبھم منھا بحدود معروفۃ عند العرب مستعملۃ عندھم فی کل باب۔

طرح سونے چاندی کے علاوہ تمام اسباب کو بھی خزانہ نہیں کہتے گو وہ کثیر ہی ہو، اور جو چیز صبح اور شام آتی جاتی رہے اور وہ مستقل طور پر نہ ہو تو اس کو بھی خزانہ نہیں کہتے، پس یہ وہ مقدمات ہیں جو زکوٰۃ کے باب میں مسلمہ اصول کے مرتبہ میں قرار دیئے گئے ہیں پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ان اشیاء میں سے جو مبہم ہیں ان کو ان تعریفوں کے ساتھ منضبط فرمادیں، جو عرب میں مشہور تھیں اور ان کے ہاں ہر امر میں مستعمل تھیں ؛

فصلُ الانفاقِ وکراھیۃ الامساکِ

سخاوت کی فضیلت اور بخل کی قباحت کا بیان

ثم مست الحاجۃ الی بیان فضائل الانفاق والترغیب فیہ لیکون برغبۃ وسخاوۃ نفس وھی روح الزکاۃ، وبھا قوام المصلحۃ الراجعۃ الی تھذیب النفس، والی بیان مساوی الامساک والتزھید فیہ اذ الشح ھو مبدأ اکثر مانع الزکاۃ، وذلک امافی الدنیا، وھو قول الملک اللھم اعط منفقا خلفا، والاخر اللھم اعط ممسکا تلفا، قولہ صلے اللہ علیہ وسلم اتقوا الشح فان الشح اھلک من قبلکم، الحدیث، وقولہ صلے اللہ علیہ وسلم ان الصدقۃ لتطفیٔ غضب الرب، وقولہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم ان الصدقۃ تطفیٔ الخطیئۃ کما یطفیٔ الماء النار، وقولہ صلے اللہ علیہ والہ

امور مذکورہ بالا کے بعد اس کی ضرورت پڑی کہ خرچ کرنے کے فضائل اور اس کی ترغیب بیان کی جائے تاکہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا دلی رغبت اور سخاوت سے ہو اور یہی زکوٰۃ کی روح ہے اور اسی سے وہ اصلاح حاصل ہوتی ہے جس پر تہذیب نفس کا مدار ہے، اور نیز اس بات کی ضرورت ہوئی کہ بخل کی برائیاں اور اس سے بے رغبتی کا حال بیان کیا جائے کیونکہ بخل ہی زکوٰۃ نہ دینے والے کے لئے ضرر کا مبدا ہے اور یہ ضرر یا تو دنیا میں ہوتا ہے کہ فرشتہ کہتا ہے اے اللہ تعالیٰ خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا کر، اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے اے اللہ تعالیٰ بخیل کو برباد کردے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے تباہ کردیا" الحدیث، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صدقہ خدا تعالیٰ کی غضب کو فرو کرتا ہے"، اور آپ نے فرمایا "صدقہ گناہوں کو اس طرح سے دبا دیتا ہے جس طرح پانی

وسلم فان الله يتقبلها بيمينه ثم
يربيها لصاحبها، الحديث ۔
اقول سر ذلك كله ان دعوة الملاء
الاعلى فى اصلاح حال بنى آدم والرحمة
بمن يسعى فى اصلاح المدينة او فى
تهذيب نفسه تنصرف الى هذا
المنفق فتورث تلقى علوم للملاء
السافل وبنى آدم ان يحسنوا
اليه، و يكون سببا لمغفرة خطاياه
ومعنى يتقبلها ان تتمثل صورة
العمل فى المثال منسوبة الى صاحبها
فتنسبغ هنالك بدعوات الملأ الاعلى
ورحمة الله به او فى الآخرة، وهو
قوله صلى الله عليه وسلم
ما من صاحب ذهب ولا فضة
لا يؤدى منها حقها الا اذا كان
يوم القيامة صفحت له صفائح،
وقوله صلى الله عليه وسلم
مثل له شجاعا اقرع، وقوله صلى
الله عليه وآله وسلم فى الابل و
البقر والغنم قريبا من ذلك ۔
اقول السبب الباعث على كون
جزاء مانع الزكاة على هذه الصفة
شيئان احدهما اصل، والثانى
كالمؤكد له، وذلك انه كما ان
الصورة الذهنية تجلب صورة
اخرى كسلسلة احاديث النفس
الجالب بعضها بعضا وكما ان حضور
صورة متضايف فى الذهن يستدعى

آگ کو بجھا دیتا ہے" اور آپ نے فرمایا "پس خدا تعالے
صدقہ کو اپنے داہنے ہاتھ میں قبول فرماتا ہے اور پھر صدقہ
دینے والے کے لئے اس کی پرورش کرتا ہے" الحدیث
میں کہتا ہوں اس سب کا بھید یہ ہے کہ عالم بالا
کی دعا جو بنی آدم کے حال کی اصلاح میں ہوتی ہے
اور رحمت جو اصلاح شہر یا تہذیب نفس میں کوشش
کرنے والے کی طرف جھک پڑتی ہے اور ملاء سافل اور
بنی آدم کے قلوب میں اس بات کا القاء کرتی ہے
کہ اس کے ساتھ احسان کریں اور وہ رحمت اس
کے گناہوں کی معافی کا سبب ہو جاتی ہے اور خدا تعالے
کے اس صدقہ کو قبول فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ عالم
مثال میں اس عمل کی صورت صاحب عمل کی طرف
منسوب ہو کر پیدا ہو جاتی ہے پس اس جگہ ملاء اعلے
کی دعاؤں اور خدا تعالے کی رحمت سے وہ صورت
مکمل ہو جاتی ہے، اور یا زکوٰۃ نہ دینے والے کے لئے
یہ جزا آخرت میں ہوتا ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "جو کوئی سونا یا چاندی رکھتا ہے اور
اس میں سے اس کا حق ادا نہیں کرتا قیامت کے روز اس
کی تختیاں بنا کر اس کو داغ دیا جائے گا" اور آپ نے
فرمایا "اس کا مال اس کے لئے زہریلہ سانپ کی شکل
میں ظاہر ہوگا" اور اونٹ اور گائے اور بکری کے
بارے میں بھی آپ نے ایسا ہی ارشاد کیا ہے۔
میں کہتا ہوں زکوٰۃ نہ دینے والے کو ایسی سزا
ملنے کے دو سبب ہیں، ایک تو اصلی سبب ہے اور
دوسرا اس کے لئے بمنزلہ تاکید کے ہے، وہ سبب
یہ ہے کہ جس طرح ایک صورت ذہنیہ دوسری صورت
کو کشش کر لیتی ہے جیسا کہ نفس کے خیالات کا سلسلہ
کہ ایک خیال سے دوسرا خیال پیدا ہوتا چلا جاتا ہے
اور جس طرح ذہن کے اندر ایک صورت متضایفہ کا

حضور صورۃ متضایف اٰخر کالبنوۃ
والابوۃ، وکما ان امتلاء اوعیۃ
المنی بہ وثوران بخارہ فی القوی
الفکریۃ یھز النفس لمشاھدۃ
صور النساء فی الحلم، وکما ان
امتلاء الاوعیۃ ببخار ظلمانی
یھیج فی النفس صور الاشیاء المؤذیۃ
الھائلۃ کالفیل مثلا، فکذلک الملکات
تقتضی بطبیعتھا اذا افیضت قوۃ مثالیۃ
علی النفس ان یتمثل بخلھا بالاموال
ظاھرا سابغا، وان یجلب ذلک تمثیل
ما بخل بہ وتعانی فی حفظہ وامتلأت
قواہ الفکریۃ بہ ایضا ظاھرا سابغا
یتألم منہ حسبما جرت سنۃ اللہ
ان یتألم منھا بذلک، فمن الذھب
والفضۃ الکی، ومن الابل الوطأ و
العض، وعلی ھذا القیاس ٭

ولما کان الملأ الاعلی علموا ذلک
وانعقد فیھم وجوب الزکاۃ
علیھم وتمثل عندھم تأذی النفوس
البشریۃ بھا کان ذلک معد الفیضان
ھذہ الصورۃ فی موطن الحشر و
الفرق بین تمثلہ شجاعا وتمثلہ
صفائح ان الاول فیما یغلب علیہ
حب المال اجمالا، فتتمثل فی نفسہ
صورۃ المال شیئا واحدا وتتمثل
احاطتھا بالنفس تطوقا وتأذی
النفس بھا بلسع الحیۃ البالغۃ فی
السم اقصی الغایات، والثانی فیما

حاضر ہونا دوسری صورت متضائفہ کے حاضر ہونے کا
تقاضہ کرتی ہے مثلاً بیٹا ہونا اور باپ ہونا، اور جس
طرح منی کے ظروف کا منی سے بھر جانا اور قوائے فکریہ
کے اندر اس کے بخارات کا جوش مارنا، خواب
میں عورتوں کی صورتیں دیکھنے کی طرف نفس میں تحریک
پیدا کرتا ہے، اور جس طرح دماغ کا تاریک بخارات
سے پُر ہو جانا نفس کے اندر ان چیزوں کی صورتیں
پیدا کر دیتا ہے جو ایذا دینے والی اور ہولناک ہوتی ہیں
مثلاً ہاتھی کی صورت، پس اسی طرح جب نفس پر قوت
مثالیہ کا فیضان ہوتا ہے تو ادراکات کی طبیعت اس
بات کو چاہتی ہے کہ اس کا بخل مال کی صورت میں اس
کے سامنے ظاہر ہو اور اس صورت سے جس مال کے
ساتھ بخل کرتا تھا اور جس کی نگرانی میں بہت تکلیف
اٹھاتا تھا اور جس سے اس کے قوائے فکریہ پُر تھے
اس کی صورت بھی ظاہر ہو جس سے وہ اسی طریقہ کے
موافق تکلیف اٹھائے جو طریقہ ان چیزوں سے تکلیف پہنچانے
کا خدا تعالے نے جاری کیا ہے، پس سونے اور چاندی
سے تکلیف پہنچنے کی صورت داغ لگایا جانا ہے اور اونٹ
سے تکلیف پہنچنے کی صورت اس کا پیروں تلے دابنا اور
کاٹنا ہے وعلی ہذا القیاس،

اور چونکہ ملاء اعلیٰ کو یہ معلوم تھا اور ان کے نزدیک
بندوں پر وجوب زکوٰۃ متعین تھا اور نفوس بشریہ کا ان
چیزوں سے ایذا پانا بھی ان کے نزدیک متمثل تھا
اس واسطے یہ میدان حشر میں اس صورت کے
فیضان کا سبب ہو گیا، اور اس مال کا سانپ اور
تختیوں کی صورت میں ظاہر ہونے میں فرق یہ ہے
کہ سانپ کی صورت اس شخص کے لئے ظاہر ہوگی جس
پر اجمالاً مال کی محبت غالب ہے اس واسطے ان کے نفس
مال کی صورت ایک چیز کی صورت میں ظاہر ہوگی

يغلب عليه حب الدراهم والدنانير ويهيم بها ويتعانى في حفظها وتمثل قواه الفكرية بصورها فتمثل تلك الصور كاملة تامة مؤلمة، قوله صلى الله عليه وآله وسلم السخي قريب من الله قريب من الجنة قريب من الناس بعيد من النار، والبخيل بعيد من الناس قريب من النار، والجاهل سخي احب الى الله من عابد بخيل ؛

اقول قربه من الله تعالى كونه مستعد المعرفته وكشف الحجاب عنه، وقربه من الجنة ان يكون مستعد الطرح الهيئات الخسيسة التي تنافي الملكية لتكون البهيمية الحاملة لها بلون الملكية وقربه من الناس ان يحبوه ولا يناقشوه لان اصل المناقشة هو الشح، وهو قوله صلى الله عليه وسلم ان الشح اهلك من كان قبلكم حملهم على ان يسفكوا دماءهم ويستحلوا محارمهم، وانما كان الجاهل السخي احب من العابد البخيل لان الطبيعة اذا سمحت بشيء كان اثره وافر مما يكون بالقسر ؛

قوله صلى الله عليه وآله وسلم مثل البخيل والمتصدق

اور اس مال کا نفس پر طوق کی طرح احاطہ کر لینا اور نفس کا اس سے ایذا پانا نہایت زہریلے سانپ کے ڈسنے کی صورت میں ظاہر ہوگا اور دوسری صورت ایسے شخص کے لئے ظاہر ہوگی جس کو سونے چاندی سے بعینہ محبت ہے اور اس کی حفاظت میں اپنی جان کھوتا ہے اور اس کے قوائے فکریہ درہم و دینار کی صورتوں سے پُر ہیں پس یہ صورتیں اس کے لئے بڑی بڑی تکلیف دینے والی صورتوں میں ظاہر ہوں گی ،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سخی اللہ تعالےٰ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، دوزخ سے دور ہے، اور بخیل اللہ تعالےٰ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے، اور جاہل سخی خدا تعالےٰ کو عابد بخیل سے پیارا ہے۔"

میں کہتا ہوں اس کا خدا تعالےٰ سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ وہ شخص خدا تعالےٰ کی معرفت کے اور حجاب نفسانی کے دور کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، اور جنت سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ وہ شخص صفات رذیلہ کو جو قوت ملکی کے بالکل منافی ہیں ترک کرکے اس بات کے قابل ہو جاتا ہے کہ اس کی قوت بہیمی جو ان صفات کا محل تھی قوت ملکی کے رنگ میں رنگ جائے، اور اس کا لوگوں سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور کوئی منازعت سے پیش نہیں آتا کیونکہ لڑائی جھگڑے کی اصل بخل ہی ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا اسی نے ان کو باہم خونریزی کرنے پر اور اپنے محارم کو حلال سمجھنے پر آمادہ کیا" اور اللہ تعالےٰ کو جاہل سخی عابد بخیل سے زیادہ محبوب اس وجہ

کمثل رجلین علیهما جنتان،
الحدیث۔

اقول فیه اشارة الی حقیقة
الانفاق والامساك وروحهما، و
ذلك ان الانسان اذا احاطت به
مقتضیات الانفاق واراد ان
یفعله یحصل له ان کان سمح
النفس سمحها انشراح وحالة
وصولة علی المال، ویتمثل المال
بین یدیه حقیرا ذلیلا یکون
بعضه عنه هینا بل یستریح
لذلك وتلك الخصلة هی العملیة
نقض النفس علاقاتها بالهیئات
الخسیسة البهیمیة المنطبعة
فیها، وان کان شحیحا غاصت
نفسه فی حب المال وتمثل بین عینیه
حسنه وملك قلبه فلم یستطع
منه محیصا، وتلك الخصلة هی
عمدة فی لحاج النفس بالهیئات
انیة واشتباکها بها، ومن هذا
التحقیق ینبغی ان تعلم معنی
قوله صلی الله علیه وآله وسلم
لا یدخل الجنة خب ولا بخیل
ولا منان، وقوله صلی الله علیه
وسلم لا یجتمع الشح والایمان فی
قلب عبد ابدا، وقوله صلی الله علیه
وسلم للجنة ابواب ثمانیة فمن
کان من اهل الصلاة، الحدیث
وقوله علوان الجنة حقیقتها

سے ہے کہ طبیعت جب کسی چیز کی سخاوت کرتی ہے تو اس کا اثر بہ نسبت اس کے زیادہ اور پورا ہوتا ہے کہ دباؤ اور مجبور ہو کر کچھ دیا جائے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخیل اور سخی کی حالت ان دو شخصوں کی سی ہے جن پر لوہے کی دو ڈھالیں ہوں، الحدیث.

میں کہتا ہوں اس حدیث میں سخاوت اور بخل کی حقیقت اور ان کی روح کیطرف اشارہ ہے اور یہ اس لئے کہ جب انسان کو خرچ کرنے کے مقتضیات ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور وہ خرچ کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص اگر سخی النفس ہے تو اس کو ایک روحانی مسرت اور مال پر ایک طرح کا غلبہ حاصل ہوتا ہے اور اس کے سامنے مال حقیر و ذلیل معلوم ہوتا ہے اور اس کو اس مال کا خرچ کرنا آسان ہوتا ہے بلکہ اس کے خرچ کرنے سے اس کو راحت ہوتی ہے، اور نفس کو صفاتِ رذیلہ بہیمیہ کے ساتھ جو تعلقات ہوتے ہیں اور جو نفس میں منقش ہوتی ہیں ان سب تعلقات کے ترک کرنے کے لئے یہ خصلت بہت عمدہ ہے، اور اگر وہ شخص بخیل ہے تو اس کا نفس مال کی محبت میں غرق ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس مال کی خوبی متمثل ہو جاتی ہے اور اس کے دل پر قبضہ کر لیتی ہے پس وہ اس سے رہائی نہیں پا سکتا، اور نفس کے اندر صفاتِ رذیلہ جم جاتے ہیں اور نفس کو ان صفات کے ساتھ الجھا دینے میں یہ خصلت بخل نہایت مؤثر ہے، اور اس تحقیق سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معنی بھی معلوم ہو جاتے ہیں "جنت میں نہ چغلخور داخل ہوگا اور نہ بخیل اور نہ احسان جتلانے والا" اور نیز اس قول کے بھی "کسی بندہ کے دل میں ایمان اور بخل کبھی جمع نہیں ہوگا"

راحة للنفس بما يترشح عليها من فوقها من الرضا والموافقة والطمانينة وهو قوله تعالى ففي رحمة الله هم فيها خالدون، وقوله تعالى في ضدها اولئك عليهم لعنة الله والملائكة والناس اجمعين خالدين فيها، وطريق خروج النفس اليها من ظلمات البهيمية انما يكون من الخلق الذي جبلت النفس على ظهور الملكية فيه وانقهار البهيمية، فمن النفوس من تكون مجبولة على قوة الملكية في خلق الخشوع والطهارة، ومن خاصيتها ان تكون ذات حظ عظيم من الصلاة، او في خلق السماحة، ومن خاصيتها ان تكون ذات حظ عظيم من الصدقات والعفو عمن ظلمه وخفض الجناح للمؤمنين مع كبر النفس، او في خلق الشجاعة فينفث تدبير الحق لاصلاح عباده فيها، فيكون اول ما يقبل النفث منه هو الشجاعة فتكون ذات حظ عظيم من الجهاد، او يكون من الانفس المتجاذبة فيهدى لها الهام او تجربة على نفسها ان كسر البهيمية بالصوم والاعتكاف منقذ من ظلماتها فيتلقى ذلك بسمع قبول واجتهاد من صميم قلب فيجازى جزاءً وفاقاً بعلم قان ❊

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت کے آٹھ دروازے ہیں پس جو نمازی ہے وہ نماز کے دروازے سے داخل ہوگا" الحدیث۔

میں کہتا ہوں، واضح ہو کہ جنت کی حقیقت ان امور سے نفس کا راحت پانا ہے جو عالم بالا سے نفس پر مترشح ہوتے ہیں اور وہ امور رضامندی اور موافقت اور اطمینان وغیرہ ہیں چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے "خدا تعالےٰ کی رحمت میں آکر وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے" اور اس کے خلاف خدا تعالےٰ کا دوسرا قول ہے "یہی لوگ ہیں جن پر خدا تعالےٰ اور ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے اور ہمیشہ وہ اس میں رہیں گے" اور بہیمیت کی تاریکیوں سے راحت کی طرف نفس کے نکلنے کا راستہ اسی خلق سے ہو سکتا ہے جس خلق میں ملکیت کے غالب ہونے پر اور بہیمیت کے مغلوب ہونے پر نفس پیدا کیا گیا ہے، پس بعض نفوس خشوع اور طہارت کی صفت میں ملکیت پر پیدا کئے گئے ہیں اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو نماز سے بڑا حصہ ملتا ہے اور بعض نفوس سخاوت کی صفت میں ملکیت پر پیدا کئے گئے ہیں اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس شخص کا صدقات کے دینے میں اور ظالموں سے درگذر کرنے میں اور مسلمانوں کے ساتھ تواضع کرنے میں باوجود اپنی عزت نفس کے بڑا حصہ ہوتا ہے، اور بعض نفوس وصف شجاعت ملکیت پر پیدا کئے گئے ہیں پس بندوں کی اصلاح کے لئے تدبیر الٰہی کا نفوس میں القار ہوتا ہے پس اس القار کو قبول کرنے والی پہلی چیز جو ہے وہ شجاعت ہے پس اس شخص کو جہاد سے بڑا حصہ ملتا ہے، یا اس کا نفس ان لوگوں کے نفوس میں سے ہوتا ہے جن کے قوائے بہیمیہ اور ملکیہ میں باہم کشمکش رہتی ہے پھر اس کو الہام یا اس کا اپنا تجربہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ روزہ رکھنے سے اور اعت

فهذه هي الابواب التي صرح بها
النبي صلى الله عليه وسلم في
هذا الحديث، ويشبه ان يكون
منها باب العلماء الراسخين و
باب اهل البلايا والمصائب، و
الفقر، وباب العدالة، وهو قوله
صلى الله عليه وسلم في سبعة
يظلهم الله في ظله، امام عادل،
وآيته ان يكون عظيم السعي في
التاليف بين الناس، وباب
التوكل، وترك الطيرة، وفي كل باب
من هذه الابواب احاديث كثيرة
مشهورة، وبالجملة فهذه اعظم
ابواب خروج النفس الى رحمة الله
ويجب في حكمة الله ان يكون
للجنة التي خلقها الله لعباده ايضا ثمانية
ابواب بازائها، والكمل من السابقين
يفتح عليهم الاحسان من بابين
وثلاثة واربعة، فيدعون يوم
القيامة منها، وقد وعد بذلك ابو بكر
الصديق رضي الله عنه ومعنى قوله
صلى الله عليه وسلم من انفق
زوجين الحديث، انه يدعى من
بعض ابوابها انما خصه بالذكر
زيادة لاهتمامه.

کرنے سے قوت بہیمی کو شکست ہوتی ہے اور نفس کی تاریکیاں
دور ہوتی ہیں پس وہ اس کو خوب سنکر خلوص دل سے قبول
کر کے عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے تب اس کو رب الرّیان
سے پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے،

یہ وہی دروازے ہیں جن کی نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے اس حدیث میں تصریح کی ہے اور ممکن ہے کہ انہیں میں
علماء راسخین کا دروازہ ہو اور مصیبت زدہ اور فقراء
کا دروازہ ہو اور اہل انصاف کا دروازہ ہو، چنانچہ نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سات شخصوں میں جنکو
خدا تعالےٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا امام عادل کا بھی
ذکر فرمایا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ لوگوں کے
درمیان باہمی اتفاق میں وہ بڑی کوشش کرتا ہے۔
اور ممکن ہے کہ باب التوکل اور بدشگونی پر عمل نہ کرنے
کا باب بھی انہیں میں سے ہو اور ان ابواب میں سے ہر
باب کے متعلق بہت سی احادیث مشہورہ وارد ہیں

حاصل کلام یہ ہے کہ نفس کے رحمت الہی میں داخل
ہونے کے یہ بڑے بڑے دروازے ہیں اور
حکمت الہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس جنت کے بھی جس کو
اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔
ان دروازوں کے مقابلہ میں آٹھ دروازے ہوں اور
سابقین میں سے جو کاملین ہیں ان پر دو دو تین تین اور
چار چار احسان کے دروازے کھولے جاتے ہیں پس
قیامت کے روز ان کو ان دروازوں سے بلایا جائے گا
اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا وعدہ کیا گیا
ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ جس
نے خدا کی راہ میں جوڑا خرچ کیا اس کو جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا" اس کے یہ معنی ہیں کہ
اس کے بعض دروازوں سے بلایا جائے گا، اس امر کو زیادہ اہتمام کی غرض سے ذکر کے
ساتھ خاص کیا ہے،

مقادیر الزکاۃ

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیس فیما دون خمسۃ اوسق من التمر صدقۃ، ولیس فیما دون خمس اواق من الورق صدقۃ ولیس فیما دون خمس ذود من الابل صدقۃ۔

اقول انما قدر من الحب والتمر خمسۃ اوسق لانہا تکفی اقل اہل بیت الی سنۃ، وذلک لان اقل البیت الزوج والزوجۃ وثالث خادم او ولد بینہما وما یضاہی ذلک من اقل البیوت، وغالب قوت الانسان رطل او مد من الطعام، فاذا اکل کل واحد من ہولاء ذلک المقدار کفاہم لسنۃ وبقیت بقیۃ لنوائبہم او ادامہم، وانما قدر من الورق خمس اواق لانہا مقدار یکفی اقل اہل بیت سنۃ کاملۃ اذا کانت الاسعار موافقۃ فی اکثر الاقطار، واستقری عادات البلاد المعتدلۃ فی الرخص والغلاء تجد ذلک، وانما قدر من الابل خمس ذود وجعل زکاتہ شاۃ، وان کان الاصل ان لا تؤخذ الزکاۃ الا من جنس المال وان

زکوٰۃ کی مقدار کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پانچ وسق[1] سے کم کھجوروں میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اوقیہ[2] سے کم چاندی میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ[3] ہے"۔

میں کہتا ہوں غلہ اور کھجوروں میں پانچ وسق کی مقدار اس لئے مقرر فرمائی کہ یہ مقدار ایک چھوٹے سے کنبے کے لئے ایک سال تک کافی ہو سکتی ہے اس واسطے کہ چھوٹے سے کنبے میں خاوند، بیوی اور ایک نوکر یا ان کا ایک بچہ ہوتا ہے اور جو اس کے قریب قریب ہو وہ بھی اقل بیوت سے ہے، اور آدمی کی اکثر و بیشتر خوراک ایک رطل یا ایک مد ہوتی ہے پس جب ان میں سے ہر شخص اس غلہ میں سے اس قدر کھائیگا تو وہ ان کو سال بھر کو کافی ہو سکتا ہے اور کسی قدر دیگر حوائج اور سالن کے لئے باقی رہ سکتا ہے، اور چاندی میں پانچ اوقیہ کی مقدار اس لئے مقرر فرمائی کہ یہ مقدار بھی ایک چھوٹے سے چھوٹے گھر کو پورے سال کے لئے کافی ہو سکتی ہے بشرطیکہ اکثر ملکوں میں غلہ کا نرخ قریب قریب ہو، اور معتدل ملکوں کے لوگوں کی عادات کو تلاش کرنے سے گرانی اور ارزانی میں اس بات کا علم ہو سکتا ہے، اور اونٹ کی مقدار پانچ مقرر کی گئی اور اس کی زکوٰۃ ایک بکری قرار دی گئی اگرچہ زکوٰۃ میں اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ اسی مال میں سے لیجائے اور نیز زکوٰۃ کا

[1] وسق عرب میں ایک پیمانہ ہے جس میں ساٹھ صاع اناج آتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے ۱۲ [2] ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم چار آنہ سے کسی قدر کم ہوتا ہے ۱۲ [3] صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے ۱۲

يجعل النصاب على الإبل لأن الإبل أعظم المواشي جثة وأكثرها فائدة يمكن أن تذبح وتركب وتحلب ويطلب منها النسل ويستدفأ بأوبارها وجلودها، وكان بعضهم يقتني نجائب قليلة تكفي كفاية الصرمة وكان البعير يسوى في ذلك الزمان بعشر شياه، وبثمان شياه، واثنتي عشرة شاة، كما ورد في كثير من الأحاديث فجعل خمس ذود في حكم أدنى نصاب من الغنم وجعل فيها شاة.

قوله صلى الله عليه وسلم ليس على المسلم صدقة في عبده ولا في فرسه.

أقول ذلك لأنه لم تجر العادة باقتناء الرقيق للتناسل، وكذا الخيل في كثير من الأقاليم لا تكثر كثرة يعتد بها في جنب الأنعام، فلم يكونا من الأموال النامية اللهم إلا باعتبار التجارة، وقد استفاض من رواية أبي بكر الصديق وعمر بن الخطاب وعلي بن أبي طالب وابن مسعود وعمرو بن حزم وغيرهم رضي الله عنهم، بل صار متواترا

نصاب ایک کثیر مقدار کو مقرر کیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ تمام مویشیوں میں عظیم الجثہ اور سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا جانور ہے اس کو ذبح کرکے بھی کھا سکتے ہیں اور اس کی سواری بھی لے سکتے ہیں، اس کا دودھ بھی پی سکتے ہیں، اور اس سے نسل بھی بڑھا سکتے ہیں اور اس کے بال اور کھال سے بھی نفع حاصل کر سکتے ہیں، اور بعض لوگ صرف تھوڑی سی اونٹنیاں پال لیتے تھے اور وہ ایک پوری دانگ کو کافی ہو جاتی تھیں، اور اس زمانہ میں ایک اونٹ دس بکریوں اور کوئی آٹھ بکریوں اور کوئی بارہ بکریوں کے برابر شمار کیا جاتا تھا جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے اس واسطے پانچ اونٹ بکریوں کے ادنیٰ نصاب کے برابر مقرر کئے گئے اور ان میں ایک بکری ان کی زکوٰۃ مقرر کی گئی۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ نسل بڑھانے کے لئے غلاموں کو جمع کرنے کا دستور نہیں ہے اور اسی طرح بہت سے ملکوں میں گھوڑوں کی ایسی کثرت نہیں ہے جس کا مویشیوں کے بڑھنے کے لحاظ سے اعتبار کیا جائے اس واسطے غلام اور گھوڑا اموال نامیہ میں سے نہیں ہیں مگر جبکہ ان کو تجارت کی غرض سے پالا جائے، اور ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، ابن مسعود اور عمرو بن حزم وغیرہم رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہے بلکہ تمام مسلمانوں میں یہ بات متواتر ہے کہ ہر پانچ اونٹ کی زکوٰۃ ایک بکری ہے پس جب پچیس ہو جائیں تو پینتیس تک ایک بنت مخاض (وہ بچہ جو ایک برس کا ہو کر دوسرے میں لگ جائے) ہے، پس جب

بين المسلمين ان زكاة الابل
فى كل خمس شاة فاذا بلغت خمسا
وعشرين الى خمس وثلاثين ففيها
بنت مخاض فاذا بلغت ستا و
ثلاثين الى خمس واربعين
ففيها بنت لبون، واذا بلغت ستا
واربعين الى ستين ففيها حقة،
فاذا بلغت واحدة وستين
الى خمس وسبعين ففيها جذعة
فاذا بلغت ستا وسبعين الى
تسعين ففيها بنتا لبون، فاذا
بلغت احدى وتسعين الى عشرين
ومائة ففيها حقتان، فاذا زادت
على عشرين ومائة ففى كل اربعين
بنت لبون وفى كل خمسين حقة۔

اقول الاصل فى ذلك انه اذا
اراد توزيع النوق على الصرم فجعل
الناقة الصغيرة للصرمة الصغيرة
والكبيرة للكبيرة رعاية للانصاف
ووجد الصرمة لا تنطلق فى عرفهم
الا على اكثر من عشرين فضبط بخمس
وعشرين ثم جعل فى كل عشرة
زيادة سن من الاسنان المرغوب
فيها عند العرب غاية الرغبة
فجعل زيادتها فى كل خمسة
عشر، وقد استفاض من روايتهم
ايضا فى زكاة الغنم انه اذا كانت
اربعين الى عشرين ومائة
ففيها شاة فاذا زادت على عشرين

چھتیس ہو جائیں تو پینتالیس تک ایک بنت لبون (وہ بچہ
جو تیسرے برس میں لگ جائے) ہے اور جب چھیالیس
ہو جائیں تو ساٹھ تک ایک حقہ (وہ بچہ جو چوتھے برس
میں ہو) ہے، پس جب اکسٹھ ہو جائیں تو پچھتر تک ایک
جذعہ (وہ بچہ جو پانچویں برس میں شروع ہوا) ہے،
پس جب چھہتر ہو جائیں تو نوے تک دو بنت لبون
ہیں، پس جب اکیانوے ہو جائیں تو ایک سو بیس
تک دو حقے ہیں، پس جب ایک سو بیس سے زیادہ
ہوں تو ہر چالیس اونٹوں پر ایک بنت لبون اور ہر
پچاس پر ایک حقہ ہے،

میں کہتا ہوں اس میں اصل یہ ہے کہ جب اونٹنیوں
کو اونٹوں کے گلوں پر تقسیم کرنا چاہا تو چھوٹی اونٹنی
کو چھوٹے گلہ کے لئے اور بڑی اونٹنی کو بڑے گلے کے
لئے انصاف کی رعایت رکھتے ہوئے مقرر کیا اور یہ
بات بھی دیکھی گئی کہ گلہ کا اطلاق ان کے عرف میں بیس
سے زیادہ پر ہوتا ہے اس واسطے پچیس سے اس کو
منضبط کیا، پھر ہر دس پر ایک عمر کی زیادتی کو جو عرب
میں نہایت مرغوب ہے مقرر کیا اس کے بعد ہر پندرہ
میں اس زیادتی کو مقرر کیا،

اور نیز بکریوں کی زکوٰۃ میں ان کی روایت سے یہ بات ثابت ہو چکی
ہے کہ جب چالیس ہو جائیں تو ایک سو بیس تک میں ایک بکری ہے پس جب
ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو دو سو تک میں
دو بکریاں ہیں، پس جب دو سو سے زیادہ ہو جائیں
تو تین سو تک میں تین بکریاں ہیں، پس جب تین
سو سے زیادہ ہو جائیں تو ہر سو پر ایک بکری ہے،

میں کہتا ہوں اس میں اصل یہ ہے کہ
بکریوں کا گلہ بڑا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی ہوتا
ہے اور اس کے گلوں میں باہم بڑا فرق ہوتا
ہے کیونکہ بکریوں کا پالنا آسان ہے اور ہر شخص

ومائة الى مائتين ففيها شاتان
فاذا زادت على مائتين الى ثلثمائة
ففيها ثلاث شياه، فاذا زادت
على ثلثمائة ففي كل مائة شاة.
اقول الاصل فيه ان ثلة من
الشاء تكون كثيرة وثلة منها
تكون قليلة والاختلاف فيها
يتفاحش لانها يسهل اقتناؤها
كل يقتني بحسب التيسير نضبط النبي
صلى الله عليه وسلم اقل ثلة
باربعين، واعظم ثلة بثلاث
اربعينات، ثم جعل في كل مائة
شاة، تيسيرا في الحساب وصح
من حديث معاذ رضي الله عنه في
البقر في كل ثلاثين تبيع او
تبيعة، وفي كل اربعين مسن، او
مسنة، وذلك لانها متوسطة بين
الابل والشاء، فروعي فيها شبههما،
واستفاض ايضا ان زكاة الرقة
ربع العشر فان لم يكن الا تسعون
ومائة فليس فيها شيء، وذلك لان
الكنوز انفس المال يتضرر بانفاق
المقدار الكثير منها، فمن حق زكاتها
ان تكون اخف الزكوات، والذهب
محمول على الفضة، وكان في ذلك
الزمان صرف دينار بعشرة دراهم
فصار نصابه عشرين مثقالا، و
فيما سقت السماء والعيون، او
كان عثريا العشر، وفيما سقي بالنضح

اپنی گنجائش کے موافق پال سکتا ہے اس واسطے
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے گلہ کا اندازہ
چالیس بکریوں کے ساتھ کیا اور بڑے گلہ کا اندازہ
چالیس کے سہ چند کے ساتھ کیا پھر ہر سو پر ایک
بکری مقرر کی تاکہ حساب میں آسانی رہے اور
گائے بیل کی زکوٰۃ میں حدیث صحیح مروی ہے کہ
ہر تیس میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھیہ ہے اور ہر
چالیس میں دو سال کا بچھڑا یا بچھیہ ہے اور یہ
اس لئے ہے کہ .... گائے بیل کی جنس اونٹ
اور بکری کے درمیان میں ہے اس لئے اس میں
دونوں کی مشابہت کا لحاظ رکھا گیا، اور احادیث سے یہ
بات بھی ثابت ہے کہ چاندی کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ
ہے پس اگر ایک سو نوے درہم چاندی ہے تو اس میں
کچھ زکوٰۃ نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا چاندی
نہایت عمدہ مال ہے جس کے اندر معتدار کثیر صرف
کرنے سے لوگوں کو ضرر ہوتا ہے اس واسطے اس
کی زکوٰۃ سب اموال کی زکوٰۃ سے کم ہونا مناسب
ہے، اور سونے کو چاندی پر محمول کیا گیا ہے اور اس
زمانہ میں ایک دینار دس درہم میں چلتا تھا اس واسطے
سونے کا نصاب بیس[1] مثقال مقرر ہوا، اور جو کھیت بارش
یا چشموں سے سیراب ہوں یا وہ زمین عشری ہو تو
اس میں دسواں حصہ ہے اور جن کھیتوں میں ہاتھ سے
پانی دیا جائے تو ان میں بیسواں حصہ ہے کیونکہ جس
میں محنت کم ہے اور پیداوار زیادہ ہے اس میں لگان
زیادہ ہونا چاہیئے اور جس میں محنت زیادہ ہے
اور پیداوار کم ہے تو اس کے لگان میں تخفیف
مناسب ہے،

[1] بیس مثقال ساڑھے چار (۴½) ماشہ کے برابر ہوتے ہیں ۱۲

فنصف العشر، فان الذي هو اثقل تعانيا واكثر ريعا احق بزيادة الضريبة، والذي هو اكثر تعانيا واقل ريعا احق بتخفيفها۔

قوله صلى الله عليه وسلم في الخرص دعوا الثلث فان لم تدعوا الثلث فدعوا الربع۔

اقول السر في مشروعية الخرص دفع الحرج عن اهل الزراعة فانهم يريدون ان ياكلوا بسرا ورطبا وعنبا ونيئا ونضيجا، وعن المصدقين لانهم لا يطيقون الحفظ عن اهلها الا بشق الانفس، ولما كان الخرص محل الشبهة، والزكاة من حقها التخفيف امر بترك الثلث او الربع، والذي يعد للبيع لا يكون له ميزان الا القيمة، فوجب ان يحمل على زكاة النقد، وفي الركاز الخمس لانه يشبه الغنيمة من وجه ويشبه المجان فجعلت زكاته خمسه۔

فرض رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم زكاة الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعير على العبد والحر والذكر والانثى والصغير والكبير من المسلمين وفي رواية او صاعا من اقط او صاعا من زبيب، وانما قدر بالصاع لانه يشبع اهل بيت ففيه غنية معتد بها للفقير، ولا يتضرر الانسان بانفاق هذا القدر غالبا، وحمل في

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے انگور اور چھوہاروں کے تخمینہ کرنے میں فرمایا "تہائی چھوڑ دو اور اگر تہائی نہ چھوڑو تو چوتھائی چھوڑ دو۔"

میں کہتا ہوں تخمینہ کے جائز کرنے میں یہ راز ہے کہ اس میں کاشتکاروں کے لئے سہولت ہے کیونکہ وہ لوگ کچا پکا سب کھاتے ہیں اور صدقہ لینے والوں کے لئے بھی آسانی ہے کیونکہ وہ کھیتی کی حفاظت کرنے میں بڑی دقت برداشت کرتے ہیں اور چونکہ تخمینہ کرنے میں کمی بیشی کا احتمال ہوتا ہے اور زکوٰۃ میں تخفیف مناسب ہے اس واسطے تہائی یا چوتھائی چھوڑ دینے کا حکم فرمایا، اور جو چیز تجارت کے لئے ہو تو اس کی زکوٰۃ میں قیمت کا اعتبار ہے پس نقد کی زکوٰۃ پر اس کو قیاس کرنا ضروری ہے اور دفینہ میں پانچواں حصہ زکوٰۃ ہے کیونکہ اس کو ایک طرح سے مال غنیمت سے اور ایک طرح سے مفت سے مشابہت ہے اس واسطے اس کی زکوٰۃ پانچواں حصہ مقرر کی گئی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور حر اور مرد اور عورت اور چھوٹے و بڑے پر صدقہ فطر میں ایک صاع چھوہارے یا ایک صاع جو فرض کئے ہیں اور ایک روایت میں ایک صاع پنیر یا ایک صاع مویز منقی بھی آیا ہے۔ اور ایک صاع کی مقدار اس لئے مقرر کی کہ یہ ایک گھر کو شکم سیر کر سکتا ہے پس اس مقدار میں فقیر پورے طور پر بے پرواہ ہو سکتا ہے، اور غالباً دینے والے کو بھی اس مقدار میں کچھ ضرر نہیں ہوتا، اور بعض روایات میں نصف صاع گیہوں کو ایک صاع جو کے برابر رکھا ہے کیونکہ اس وقت میں گیہوں کی گرانی تھی اس کو مالدار ہی کھا سکتے

بعض الروایات نصف صاع من قمح علی صاع من شعیر لانه کان غالیا فی ذلك الزمان لا یاکله الا اهل التنعم، ولم یکن من ماکل المساکین بینه زید بن ارقم فی قصة السرقة ثم قال علی رضی الله عنه اذا وسع الله فوسعوا، وانما وقت بعید الفطر لمعان، منها انها تکمل کونه من شعائر الله وان فیها طهرة للصائم وتکمیلا لصومهم بمنزلة سنن الرواتب فی الصلاة، وهل فی الحلی زکاة؟ الاحادیث فیه متعارضة واطلاق الکنز علیه بعید، ومعنی الکنز حاصل، والخروج من الاختلاف احوط:

تھے اور غریب لوگ نہیں کھا سکتے تھے، زید بن ارقم نے سرقہ کے قصہ میں اس کو بیان کیا ہے، پھر حضرت علی نے فرمایا جب خدا تعالےٰ تمہارے لئے وسعت کرے تو تم بھی وسعت کرو۔ اور صدقہ فطر کا وقت عید الفطر میں چند وجوہ سے مقرر کیا، ازانجملہ یہ ہے کہ اس کے سبب سے عید الفطر کے شعائر الٰہی ہونے کی تکمیل ہوتی ہے اور اس میں روزہ داروں کے لئے طہارت اور ان کے روزہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ جس طرح فرض نمازوں کی تکمیل سنتوں سے ہوجاتی ہے اور زیورات میں زکوٰۃ ہے یا نہیں اس امر میں مختلف احادیث وارد ہیں اور اس پر کنز کا اطلاق کرنا بعید ہے البتہ اس میں کنز کے معنی پائے جاتے ہیں۔ مگر زیور کی زکوٰۃ ادا کرکے اختلاف سے بچنے میں زیادہ احتیاط ہے۔

المصارف

الاصل فی المصارف ان البلاد علی نوعین، منها ما خلص للمسلمین لا یشرکهم احد من سائر الملل، ومن حقها ان یخفف علیها، وهی لا تحتاج الی جمع رجال ونصب قتال، وکثیرا ما یخرج منها من یباشر الاعمال المشترك نفعها بصدق یقا لما وعد الله من اجر المحسنین، وله کفاف فی خویصة مالی اذالجماعات الکثیرة من المسلمین لا تخلو من مثل ذلك منها ما فیه جماعات من اهل

زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

مصارف کے اندر اصل یہ ہے کہ شہر دو قسم کے ہوتے ہیں ان میں سے بعض ایسے شہر ہیں جہاں خالص مسلمان رہتے ہیں اور کسی غیر ملت کے لوگ ان کے ساتھ نہیں رہتے ایسے شہروں پر تخفیف کرنا مناسب ہے کیونکہ ایسے شہروں کو فوج جمع کرنے کی اور لڑائی کرنے کی ضرورت نہیں اور بسا اوقات ان شہروں میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو عوام کے نفع کے کام اپنے متعلق کر لیتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے محسنین کے لئے جس اجر کا وعدہ کیا ہے اس کی تصدیق کی وجہ سے وہ رفاہ عام کے کام کرتے ہیں اور ان لوگوں کی معاش اپنے مالوں میں ہوتی ہے کیونکہ مسلمانوں کی بہت سی جماعتیں ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوتیں، اور

سائر الملل، ومن حقها ان يشدد فيها وذلك قوله تعالىٰ اشداء على الكفار رحماء بينهم وهي تحتاج الى جنود كثيرة واعوان قوية. و تحتاج الى ان يقبض على كل عمل نافع من يباشره، ويكون معيشته في بيت المال، فجعل النبي صلى الله عليه وسلم لكل من هذين سنة، وجعل الجباية بحسب المصارف، وسياتي مباحث الثاني في كتاب الجهاد، والبلاد الخاصة بالمسلمين عمدة ما يتخلص فيها من المال نوعان، بازاء نوعين من المصرف، نوع هو المال الذي زالت عنه يد مالكه كتركة الميت لا وارث له، و ضوال من البهائم لا مالك لها، و لقطة اخذها اعوان بيت المال وعرفت فلم يعرف لمن هي وامثال ذلك، ومن حقه ان يصرف الى المنافع المشتركة مما ليس فيها تمليك لاحد ككري الانهار و بناء القناطر والمساجد وحفر الآبار والعيون وامثال ذلك ونوع هو صدقات المسلمين جمعت في بيت المال، ومن حقه ان يصرف الى ما فيه تمليك لاحد، و في ذلك قوله تعالىٰ انما الصدقات للفقراء والمساكين. الاية ؛

بعض ایسے شہر ہوتے ہیں جن میں ہر مذہب کے لوگ رہتے ہیں پس ایسے شہروں میں سختی کرنا مناسب ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کافروں پر سخت ہیں باہم مہربان ہیں" اور ایسے شہروں میں بہت سی فوج اور قوی مددگاروں کی ضرورت پڑتی ہے نیز اس کی بھی ضرورت ہے کہ ہر نافع کام پر اسی کے قابل آدمی کو متعین کیا جائے اور اس کی ضروریات بیت المال سے پوری کی جائیں پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں قسم کے شہروں میں سے ہر ایک کے لئے ایک طریقہ مقرر فرمایا اور محاصل کو مصارف کے لحاظ سے مقرر فرمایا، دوسری قسم کے مباحث عنقریب کتاب الجہاد میں آتے ہیں، خالص مسلمان آبادی کے شہروں سے جو عمدہ مال حاصل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں جس طرح مصرف کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ مال ہے جو مالک کے قبضہ سے نکل گیا جیسے میت کا ترکہ جس کا کوئی وارث نہیں ہے اور گم شدہ مویشی جن کے مالک کا پتہ نہیں اور وہ گری پڑی چیز جو بیت المال کے لوگوں کو دستیاب ہوئی اور اس کی تشہیر کی گئی اور اس کا کوئی مالک نہ معلوم ہوا اور اسی قسم کے اموال، ان سب اموال کو ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہیئے جن کا نفع عام ہو اور اس میں کسی کی تملیک نہ پائی جائے جیسے نہروں کا جاری کرنا، پلوں کا بنانا، مساجد کی تعمیر کرنا، چشموں اور کنوؤں کا کھودنا اور اسی قسم کے کام، اور دوسری قسم مسلمانوں کے صدقات ہیں جو بیت المال میں جمع کئے جاتے ہیں ایسے اموال کو ان مواقع میں خرچ کرنا چاہیئے جس میں کسی کو مالک بنایا جائے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "انما الصدقات للفقراء والمساکین، الایۃ ؛

والجملة في ذلك ان الحاجات
من هذا النوع وان كانت كثيرة
جدا لكن العمدة فيها ثلاثة ،
محتاجون وضبطهم الشارع
بالفقراء والمساكين وابناء السبيل
والغارمين في مصلحة انفسهم، و
حفظة، وضبطهم بالغزاة والعاملين
على الجبايات، والثالث مال يصرف
في دفع الفتن الواقعة بين المسلمين
والمتوقعة عليهم من غيرهم
وذلك اما ان يكون بمواطاة ضعيف
النية في الاسلام بالكفار او برد
كافر عما يريد من المكيدة
بالمال، ويجمع ذلك اسم المؤلفة
قلوبهم او المشاجرات بين المسلمين
وهو الغارم في حمالة يتحملها، و
كيفية التقسيم عليهم وانه بمن
يبدأ وكم يعطى ؛ مفوض الى رأي
الامام ؛

وعن ابن عباس يعتق من
زكاة ماله ويعطي في الحج، وعن
الحسن مثله ثم تلا انما الصدقات
للفقراء في ايها اعطيت اجزأت، وعن
ابي الأس حملنا النبي صلى الله عليه
وسلم على ابل الصدقة للحج، و
في الصحيح واما خالد فانكم تظلمون
خالدا وقد احتبس ادراعه واعتده
في سبيل الله، وفيه شيئان جواز
ان يعطى مكان شئ شيئا اذا كان

اور اس میں مختصر بیان یہ ہے کہ اس نوع کی حوائج
اگرچہ بے شمار ہیں لیکن سب سے بڑھ کر انہیں
تین ہیں:۔ ایک محتاج لوگ اور ان کو شارع نے
فقراء، اور مساکین اور مسافروں اور قرضداروں کے
اندر منحصر کیا ہے، دوسرے محافظین ہیں اور شارع
نے ان کو مجاہدین اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں میں
منحصر کیا ہے، اور تیسرے یہ ہے کہ وہ مال ان فتنوں
کے دور کرنے میں صرف کیا جائے جو مسلمانوں میں
واقع ہو گئے ہیں یا غیر مسلموں کی طرف سے ان فتنوں
کے واقع کرنے کا خطرہ ہے،

اور یہ اس طور سے ہوتا ہے کہ کسی ضعیف الاسلام
کی معاونت کیجائے جو کفار کے ساتھ میل پیدا کرلیتا
ہے یا کوئی کافر جو فریب کا ارادہ رکھتا ہے اس کو مال کے
ذریعہ روک دیا جاتا ہے اور ان سب کو مولفۃ قلوب
کا لفظ شامل ہے، یا مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں میں
اس مال کو صرف کیا جاتا ہے اور وہ لفظ غارم میں آتا ہے
جو تاوان دینے والا ہے کسی کے بوجھ میں جس کو اس نے
اٹھالیا ہے، اور ان پر تقسیم کرنے کی صورت کہ کن لوگوں
کو پہلے دیا جائے اور کس قدر دیا جائے امام کی رائے
پر موقوف ہے،

اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اپنے مال
کی زکوٰۃ سے آزاد کر سکتا ہے اور حج کے لئے دے سکتا
ہے اور امام حسن سے بھی ایسا ہی مروی ہے پھر انہوں
نے اس آیت کو پڑھا:۔ انما الصدقات للفقراء، ان
مواقع سے جس میں دیگا کافی ہوگا، اور ابو الاس سے
مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے، ہم کو حج میں زکوٰۃ کے
اونٹوں پر سوار کیا، حدیث صحیح میں وارد ہے "بے شک
تم زکوٰۃ طلب کر کے خالد پر ظلم کرتے ہو حالانکہ اس
نے اپنی زرہ اور ہتھیار خدا کی راہ میں محبوس کر دیئے ہیں"

انفع للفقراء، وان الحبس مجزئ عن الصدقة، قلت وعلى هذا فالحصر في قوله تعالى انما الصدقات اضافي بالنسبة الى ما طلبه المنافقون في صرفها فيما يشتهون على مايقتضيه سياق الآية والسر في ذلك ان الحاجات غير محصورة وليس في بيت المال في البلاد الخالصة للمسلمين غير الزكاة كثير مال، فلا بد من توسعة لتكفى نوائب المدينة والله اعلم،

قوله صلى الله عليه وسلم ان هذه الصدقات انما هي من اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد۔

اقول انما كانت اوساخا لانها تكفر الخطايا وتدفع البلاء وتقع فداء عن العبد في ذلك، فيتمثل في مدارك الملأ الاعلى انها هي كما يتمثل في الصورة الذهنية واللفظية والخطية انها وجودات للشيء الخارجي الذي جعلت بازائه، وهذا يسمى عندنا بالوجود التشبيهي، فتدرك بعض النفوس العالية ان فيها ظلمة، وينزل الامر الى بعض الاحياز السافلة وقد يشاهد اهل المكاشفة تلك الظلمة ايضا، وكان سيدي الوالد قدس سره يحكي ذلك من نفسه كما قد يكره اهل الصلاح

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ ہے کہ ایک چیز کا بدلہ دوسری چیز کا دینا جبکہ اس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو درست ہے، دوسرے یہ ہے کہ راہ خدا میں صرف کر دینا صدقہ کی جگہ کافی ہو سکتا ہے،

میں کہتا ہوں اس تقدیر پر اس آیت "انما الصدقات للفقراء" میں حصر اضافی ہے، یعنی بہ نسبت ان مصارف کے حصر ہے جن میں منافقین اپنی خواہش کے موافق صرف کرنے کے لئے مانگتے تھے جیسا کہ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ حاجات بے شمار ہوتی ہیں اور ان شہروں میں جن کے باشندے صرف مسلمان ہی ہیں بیت المال کے اندر سوائے زکوٰۃ کے اور کوئی مال کثیر نہیں ہوتا اس واسطے اس میں وسعت دینا ضروری ہے تاکہ وہ مال شہر کی ضروریات کو کافی ہو سکے، واللہ اعلم،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ صدقات لوگوں کے میل ہوتے ہیں اور وہ نہ محمد کے لئے حلال ہیں اور نہ محمد کی اولاد کے لئے حلال ہیں"

میں کہتا ہوں صدقات کے میل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صدقات گناہوں کو دور کرتے ہیں اور بلاء کو دفع کرتے ہیں اور بندہ کی طرف سے ان باتوں میں وہ فدیہ بن جاتے ہیں پس ملاء اعلیٰ کی نظروں میں یہ صدقات بالکل میل ہی دکھائی دیتے ہیں جس طرح صورت ذہنیہ ولفظیہ وخطیہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورتیں اس شئی خارجی کا وجود ہیں جس کے مقابلہ میں یہ صورتیں ہیں اور اس کو ہم وجود تشبیہی کہتے ہیں، پس بعض نفوس عالیہ کو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ان صدقات میں ایک قسم کی تاریکی ہے اور بعض امکنہ سافلہ کی طرف اس امر کا نزول ہوتا ہے اور کبھی بعض اہل مکاشفہ کو

ذكر الزنا وذكر اعضاء الخبيثة
ويحبون ذكر الاشياء الجميلة، و
يعظمون اسم الله، وايضا فان
المال الذي ياخذه الانسان من
غير مبادلة عين او نفع ولا يراد به
احترام وجهه فيه ذلة ومهانة،
ويكون لصاحب المال عليه فضل
ومنة، وهو قوله صلى الله عليه و
سلم اليد العليا خير من يد السفلى
فلا جرم ان التكسب بهذا النوع
شر وجوه المكاسب لا يليق
بالمطهرين والمنوه بهم في الملة،
وفي هذا الحكم سر اخر وهو انه
صلى الله عليه وسلم ان اخذها
لنفسه وجوز اخذها لخاصته
والذين يكون نفعهم بمنزلة
نفعه كان مظنة ان يظن الظانون
ويقول القائلون في حقه ما ليس
بحق، فاراد ان يسد هذا الباب
بالكلية، ويجهر بان منافعها
راجعة اليهم، وانما تؤخذ من
اغنيائهم وترد الى فقرائهم رحمة
بهم وحدبا عليهم وتقريبا لهم
من الخير وانقاذا لهم من الشر، و
لما كانت المسألة تعرضا للذلة و
خوضا في الوقاحة وقدحا في المروة
شدد النبي صلى الله عليه وسلم
فيها الا لضرورة لا يجد منها بدا،
وايضا اذا جرت العادة بها ولم

کبھی یہ تاریکی معلوم ہو جاتی ہے،

اور میرے والد ماجد قدس سرہ بھی اس امر میں اپنا
مکاشفہ بیان فرماتے تھے جس طرح صالحین کو زنا اور اعضاء
خبیثہ کا ذکر ناگوار معلوم ہوتا ہے اور وہ اچھی چیزوں
کے ذکر کو محبوب رکھتے اور اللہ پاک کے نام کی تعظیم
کرتے ہیں۔

اور نیز جس مال کو انسان بغیر کسی چیز کے عوض
کے یا نفع کے لیتا ہے اور اس دینے میں اس انسان
کی عزت مقصود نہیں ہوتی تو اس مال کے لینے میں
اس شخص کو ذلت اور اہانت حاصل ہوتی ہے اور مال
دینے والے کو اس پر فضیلت اور احسان ہوتا ہے
چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اوپر کا
ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے"، پس اس طرح کا کمانا
تمام پیشوں میں بد ترین پیشہ ہے اور جو لوگ
دین کے بزرگ اور پاک ہیں ان کی شان کے بالکل
لائق نہیں، اور اس حکم میں ایک اور راز ہے اور وہ
یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اگر خود صدقہ لیتے اور
اپنے خاص لوگوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے
جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے اس کے لینے کو جائز فرماتے
تو لوگ آپ سے بدگمانی کرتے اور آپ کے حق میں
نامناسب باتیں کرتے اس واسطے نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے اس دروازہ کو بالکل بند کر دیا اور یہ
بات ظاہر کر دی کہ صدقات کے منافع انہیں کے
لئے ہیں اور انہیں کے اغنیاء سے لیکر انہیں کے فقراء
کو دیدیئے جاتے ہیں تاکہ ان پر رحمت اور شفقت
ہو اور ان کو نیکی نصیب ہو اور شر سے امان ہو،

اور جبکہ سوال کرنے میں بڑی ذلت ہوتی ہے
اور سوال کرنے والا حیا سے نکل جاتا ہے اور اس کی
مروت میں نقصان آجاتا ہے اسی واسطے نبی صلی اللہ

يستنكف الناس عنها وصاروا يستكثرون اموالهم بها كان ذلك سببا لاهمال الاكساب التي لا بد منها او تقليلها وتضييقها على اهل الاموال بغير حق، فاقتضت الحكمة ان يمثل الاستنكاف منها بين اعينهم لئلا يقدم عليها احد الا عند الاضطرار۔

قوله صلى الله عليه وسلم من سأل الناس ليثري ماله كان خموشا في وجهه او رضفا ياكله من جهنم۔

اقول السر فيه انه يتمثل تألمه مما ياخذه من الناس بصورة ما جرت العادة بان يحصل الالم باخذه كالجمر او باكله كالرضف، وتتمثل ذلته في الناس وذهاب ماء وجهه بصورة هي اقرب شبيه له من الخموش، وجاء في الرجل الذي اصابته جائحة اجتاحت ماله انه حلت له المسألة حتى يجد قواما من عيش، وجاء في تقدير الغنية المانعة من السؤال انها اوقية او خمسون درهما، وجاء ايضا انها ما يغديه ويعشيه، وهذه الاحاديث ليست متخالفة عندنا لان الناس على منازل شتى، ولكل واحد كسب لا يمكن ان يتحول عنه، اعني الامكان الماخوذ في العلوم الباحثة عن سياسة

علیہ وسلم نے بجز ایسی ضرورت کے جس کی وجہ سے آدمی مجبور ہو سوال کرنے میں بڑی سختی فرمائی، اور نیز جب لوگوں کو سوال کرنے کی عادت پڑ جائے اور ان کو سوال کرنے میں کچھ غیرت معلوم نہ ہو اور بھیک کے ذریعہ ان کو زیادہ مال حاصل ہو جائے تو اس کی وجہ سے ضروری پیشوں کا متروک ہونا لازم آتا ہے یا ان پیشوں کی قلت ہو جاتی ہے اور مالداروں پر بلا وجہ تنگی لازم آتی ہے پس حکمت شرعیہ کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ سوال سے عار کرنے کی صورت ان کے سامنے ظاہر کی جائے تاکہ بلا سخت ضرورت کے کوئی اس پر اقدام نہ کرے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو لوگوں سے اس لئے سوال کرتا ہے کہ مال زیادہ ہو تو اس کا منہ چھلا ہوا ہوگا یا انگارہ ہوگا جس کو وہ جہنم سے کھائے گا

میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ اس کا رنج جو لوگوں سے سوال کرتے وقت اس کو پہنچتا ہے اس چیز کی صورت میں ظاہر ہوگا جس کے پکڑنے سے تکلیف ہوتی ہے جیسے انگارہ، یا اس کے کھانے سے تکلیف ہوتی ہے جیسے آگ میں بریاں کیا ہوا پتھر اور اس کا لوگوں میں ذلیل ہونا اور اس کی آبرو کا برباد ہونا اس صورت میں ظاہر ہوگا جو منہ پر خراش ہونے کے بہت مشابہ ہے، اور اس شخص کے بارے میں جس کو ایسی مصیبت پہنچی جس کی وجہ سے اس کا تمام مال برباد ہو گیا یہ آیا ہے کہ اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ اس کی معاش حاصل ہو جائے، اور اس غنا کا اندازہ جس کی وجہ سے سوال کرنا منع ہے ایک اوقیہ یا پچاس درہم حدیث میں آیا ہے، اور نیز ایک حدیث میں اس کا اندازہ لئے کھانے کے ساتھ آیا ہے جو اس کو صبح کے لئے یا شام

المدن لا المأخوذ فی علم تهذیب النفس، فمن کان کاسبا بالحرفة فهو معذور حتی یجد آلات الحرفة، ومن کان زارعا حتی یجد آلات الزرع، ومن کان تاجرا حتی یجد البضاعة، ومن کان علی الجهاد مسترزقا بما یروح ویغدو من الغنائم، کما کان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم، فالضابط فیه اوقیة او خمسون درهما، ومن کان کاسبا بحمل الاثقال فی الاسواق، او احتطاب الحطب وبیعه وامثال ذلک فالضابط فیه ما یغدیه ویعشیه ؛

قوله صلی الله علیه وسلم لا تلحفوا فی المسألة فوالله لا یسألنی احد منکم شیئا فتخرج له مسألته منی شیئا وانا کاره فیبارک له فیما اعطیته ؛

اقول سره ان النفوس اللاحقة بالملأ الاعلی تکون الصورة الذهنیة فیها من الکراهیة والرضا بمنزلة الدعاء المستجاب، قوله صلی الله علیه وسلم ان هذا المال خضرة حلوة فمن اخذه بسخاوة النفس بورک له فیه ومن اخذه باشراف نفس لم یبارک له فیه فکان کالذی یاکل ولا یشبع

اقول البرکة فی الشئ علی انواع احدها طمانینة النفس به وثلج الصدر

کے لئے کافی ہوسکے اور ہمارے نزدیک ان احادیث میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے مختلف درجے ہوتے ہیں اور ہر شخص کا ایک جدا پیشہ ہوتا ہے جس سے جدا ہونا اس کے لئے ناممکن ہے، میری مراد امکان سے وہ امکان ہے جو ان علوم میں مستعمل ہوتا ہے جن میں سیاست مدن سے بحث کیجاتی ہے نہ کہ وہ امکان جو علم تہذیب النفس میں بولا جاتا ہے پس جو شخص دستکاری سے کماتا ہے تو جب تک اس کے پاس اس کے حرفہ کے آلات نہ ہوں وہ اس حرفہ سے معذور ہے اور جو شخص تاجر ہے وہ اس وقت تک معذور ہے جب تک اس کے پاس سرمایہ تجارت نہ ہو، اور جو شخص مجاہد ہو کہ صبح و شام غنائم ہی سے کھاتا ہے جیسا کہ اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم تھے تو اس کے لئے اس مقدار کا اندازہ ایک اوقیہ یا پچاس درہم ہے، اور جو شخص بازار میں بار برداری کرکے یا لکڑیاں فروخت کرکے اوقات بسر کرتا ہے اور اسی قسم کے پیشے کرتا ہے تو اس کے حق میں غنا، کا اندازہ یہ ہے کہ صبح یا شام کو شکم سیر ہوجائے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" سوال کرنے میں لپٹا نہ کرو، خدا کی قسم ایسا نہیں ہوتا کہ تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کچھ مانگے اور اس کا مانگنا مجھ سے اس کو کچھ دلوادے مگر میں خوش نہ ہوں اور پھر میری دی ہوئی چیز میں اس کے لئے برکت ہو"

میں کہتا ہوں اس کا راز یہ ہے کہ جو نفوس ملاء اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہیں ان میں کراہیت اور رضامندی کی صورت ذہنیہ بمنزلہ دعائے مستجاب کے ہوتی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" یہ مال سبز اور شیریں ہے پس جو اس کو دل کی خوشی سے حاصل کرے گا اس کے لئے اس میں برکت دی جائے گی اور جو اس کو حرص سے لیگا تو اس کیلئے

كرجلين عندهما عشرون درهما، احدهما يخشى الفقر، والآخر مصروف الخاطر عن الخشية غلب عليه الرجاء ثم زيادة النفع كرجلين مقدار مالهما واحد صرفه احدهما الى مهمه ونفعه والهم التدبير الصالح في صرفه، والآخر اضاعه ولم يقتصد في التدبير، وهذه البركة تجلبها النفس بمنزلة جلب الدعاء، قوله صلى الله عليه وسلم من يستعفف يعفه الله الحديث۔

اقول هذا اشارة الى ان هذه الكيفيات النفسانية في تحصيلها اثر عظيم لجمع الهمة وتاكد العزيمة۔

اس میں برکت نہ ہوگی اور اس کا حال اس شخص کا سا ہوگا جو کھاتا ہے اور شکم سیر نہیں ہوتا،

میں کہتا ہوں کسی چیز میں برکت ہونے کی چند قسمیں ہیں۔ ادنیٰ قسم یہ ہے کہ اس شئی سے دل مطمئن ہو اور دل کو بیقراری نہ ہو مثلاً دو شخص ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس بیس بیس درہم ہیں ان میں سے ایک کو اپنے تنگدست ہونے کا خوف ہے اور دوسرے کا دل خوف سے دور ہے اور اس پر امید کا غلبہ ہے اس کے بعد زیادتی نفع برکت کی دوسری قسم ہے جیسے دو شخصوں کے پاس مساوی مال ہے ان میں سے ایک نے ضروری اور نافع کام میں اس کو صرف کیا اور اس کے صرف کرنے میں صالح تدبیر کا الہام ہوا، اور دوسرے شخص نے اس مال کو ضائع کر دیا اور اس کو تدبیر نصیب نہ ہوئی، اور نفس اس برکت کو اس طرح کھینچ لیتا ہے جس طرح دعا کھینچ لیجاتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص سوال کرنے سے بچیگا خدا تعالےٰ اس کو محفوظ رکھے گا"، الحدیث

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کیفیات نفسانیہ کے حاصل کرنے میں ہمت کے مجتمع ہونے اور ارادہ کے مضبوط ہونے کو بڑا دخل ہے،

امور تتعلق بالزكاة

ثم مست الحاجة الى وصية الناس ان يؤدوا الصدقة الى المصدق بسخاوة نفس وفيها قوله صلى الله عليه وسلم اذا اتاكم المصدق فليصدر عنكم وهو عنكم راض، وذلك لتحقق المصلحة الراجعة الى النفس، واراد ان يسد باب اعتدائهم في المنع بالجور، وهو قوله صلى الله عليه وسلم فان

زکوٰۃ سے متعلق امور کا بیان

اس کے بعد لوگوں کو اس بات کی نصیحت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ صدقہ وصول کرنے والے کو خوش دلی سے صدقہ ادا کیا کریں، اور اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارے پاس صدقہ وصول کرنے والا آئے تو چاہیئے کہ وہ تم سے خوش ہو کر رخصت ہو"، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ اصلاح جو نفس سے متعلق ہے پائی جائے اور آپ نے یہ بھی چاہا کہ زکوٰۃ روکنے میں لوگوں کے

عدلوا فلانفسهم وان ظلموا فعليها، ولا اختلاف بين هذا الحديث و بين قوله صلى الله عليه وسلم فمن سئل فوقها فلا يعط اذ الجور نوعان، نوع اظهر النص حكمه، و نيه لا يعط، ونوع فيه للاجتهاد مساغ وللظنون، تعارض، وفيه سد باب الاعتذار، والى وصية المصدق ان لا يعتدى فى اخذ الصدقة، وان يتقى كرائم اموالهم وان لا يغل ليتحقق الانصاف وتتوفر المقاصد وسر قوله صلى الله عليه وسلم لوالذى نفسى بيده لا ياخذ منه شيئا الا جاء به يوم القيامة يحمله على رقبته ان كان بعيرا له رغاء يتضح من مراجعة ما بينا فى مانع الزكاة، والى سد مكايد اهل الاموال وفيها لا يجمع بين متفرق، ولا يفرق بين مجتمع خشية الصدقة. قوله صلى الله عليه وسلم لان يتصدق المرء فى حياته بدرهم خير له من ان يتصدق بمائة عند موته، وقال صلى الله عليه وسلم مثله كمثل الذى يهدى اذا شبع

اقول سر كان الانفاق مالا يحتاج اليه ولا يتوقع الحاجة اليه لنفسه ليس بمتمحض على سخاوة يعتد بها ثم ان النبى صلى الله عليه وسلم عمد الى خصال مما يفيد ازالة

اس عذر کا دروازہ بند ہو جائے کہ ان سے بہ جبر وصول کیجاتی ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پس اگر صدقہ وصول کرنیوالے انصاف کریں گے تو اپنے لئے کریں گے اور اگر ظلم کریں گے تو اپنے اوپر کریں گے"، اور اس حدیث میں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کوئی اختلاف نہیں کہ "جس شخص سے اس سے زیادہ مانگا جائے تو وہ نہ دے" اس واسطے کہ ظلم کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک وہ صورت ہے جس کا حکم نص نے ظاہر کر دیا اور اس کے متعلق یہ ہے کہ نہ دینا چاہیئے اور ایک صورت ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور گمان متعارض ہوتے ہیں ان مواضع میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عذر کے دروازہ کو بند کر دیا اور صدقہ وصول کرنے والے کو بھی اس بات کی وصیت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ صدقہ وصول کرنے میں زیادتی نہ کرے اور ان کے نفیس نفیس مال سے بچے اور خیانت نہ کرے تاکہ انصاف پایا جائے اور بہت سے مقاصد حاصل ہو سکیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے "پس قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس میں سے وہ کچھ نہ لیگا مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لائے گا اگر وہ اونٹ ہے تو بلبلاتا ہوگا" اس کا راز ہمارے اس بیان سے خوب ظاہر ہوتا ہے جو ہم نے مانعین زکوٰۃ کے بارے میں ذکر کیا، اور نیز اس بات کی بھی ضرورت ہوئی کہ مال والوں کے حیلے اور فریب کا دروازہ بند کیا جائے اور اس کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کے ڈر سے متفرق اموال کو مجتمع نہ کیا جائے اور نہ مجتمع اموال کو متفرق کیا جائے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمی کا اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرنا مرتے وقت سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے"، اور

البخل او تهذيب النفس او تالف الجماعة فجعلها صدقات تنبيها على مشاركتها الصدقات في الثمرات وهو قوله صلى الله عليه وسلم يعدل بين اثنين صدقة ويعين الرجل على دابته صدقة والكلمة الطيبة صدقة وكل خطوة يخطوها الى الصلاة صدقة وكل تهليلة وتكبيرة وتسبيحة صدقة وامثال ذلك ؛

قوله صلى الله عليه وسلم ايما مسلم كسا مسلما ثوبا على عرى الحديث ؛

اقول قد ذكرنا مرارا ان الطبيعة المثالية تقتضى ان لا يكون تجسد المعانى الا بصورة هى اقرب شبها من الصور، وان الاطعام مثلا فيه صورة الطعام ولذلك عبرة بالمنامات والواقعات وتمثل المعانى بصور الاجسام ؛

ومن هنالك ينبغي ان تعرف لم رأى النبي صلى الله عليه وآله وسلم وباء المدينة بصورة امرأة سوداء، ثم كان من الناس من يترك اهله واقاربه ويتصدق على الاباعد، وفيه اهمال من رعايته اوجب سوء التدبير وترك تالف الجماعة القريبة منه فمست الحاجة الى سد هذا الباب

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ایسے وقت میں دینے والے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص سیر ہو جائے اور پھر اوروں کو ہدیہ دے؛

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ جس چیز کی اس کو حاجت نہیں ہے اور نہ اس کو اپنے لئے اس کی حاجت کی امید ہے ایسی چیز کا صدقہ کرنا پوری پوری سخاوت پر بنی نہیں ہے، پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان خصلتوں کی تعلیم کا قصد کیا جو بخل کو دور کر دیں یا تہذیب نفس یا باہم الفت و محبت میں کام آئیں پس ان کو بھی صدقہ کے قبیل سے گردانا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ثمرات میں وہ صدقات کے ساتھ شریک ہیں، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" دو شخصوں میں انصاف کر دینا صدقہ ہے اور اپنی سواری پر بٹھا کر کسی کی مدد کرنا صدقہ ہے اور اچھی بات کہنا صدقہ ہے اور ہر قدم جو نماز کے لئے اٹھتا ہے صدقہ ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ کہنا اور اللہ اکبر کہنا اور سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور اسی قسم کی باتیں،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو کوئی مسلمان کسی ننگے بدن مسلمان کو کپڑا پہنائے گا خدا تعالےٰ اس کو جنت کا لباس پہنائے گا" الحدیث،

میں کہتا ہوں، ہم کئی بار یہ ذکر کر چکے ہیں کہ طبیعت مثالیہ یہ چاہتی ہے کہ معانی اپنے مناسب اور مشابہ صورت میں متشکل ہوں اور مثلاً کھانا کھلانے میں کھانے کی صورت پائی جاتی ہے اور خواب اور واقعات میں اور معانی کا جسموں کی صورتوں کے ساتھ متشکل ہونے میں اس بات کا معتبر ہونا تم کو ظاہر ہو سکتا ہے،

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی وباء کو بصورت سیاہ عورت کی صورت میں دیکھا اس کی وجہ اس مقام سے تم کو معلوم ہو سکتی ہے، پھر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے اہل و

فقال النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دینار انفقتہ فی سبیل اللہ و دینار انفقتہ فی رقبۃ الحدیث ولا اختلاف بین قولہ خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی وابدأ بمن تعول وحدیث قیل ای الصدقۃ افضل؟ قال الجھد المقل وابدأ بمن تعول، لتنزیل کل علی معنی او جہۃ، فالغنی لیس ھو المصطلح علیہ، وانما ھو غنی النفس او کفایۃ الاھل، او نقول صدقۃ الغنی اعظم برکۃ فی مالہ، وصدقۃ المقل اکثر ازالۃ لبخلہ، وھو اتعد لقوانین الشرع ۔

قولہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم الخازن المسلم الامین، الحدیث ۔

اقول ربما یکون انفاذ ما وجب الیہ ولیس لہ ان یمتنع عنہ ایضا معروا لسخاوۃ النفس من جہۃ طیب الخاطر والتونیۃ وانثلاج الصدر، فلذلک کان متصدقا بعد المتصدق الحقیقی، ولا اختلاف بین حدیث، اذا انفقت المرأۃ من کسب زوجھا من غیر امرہ فلھا نصف الاجر، وبین قولہ صلے اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع لا تنفق امرأۃ شیئا من بیت زوجھا الا باذنہ، قیل ولا الطعام

اقارب کو چھوڑ کر غیروں کو صدقہ کر دیا کرتے ہیں اور اس کے اندر ان لوگوں کی رعایت کا جن کی رعایت کرنا زیادہ ضروری ہے ترک پایا جاتا ہے اور اس میں سوء تدبیر ہے، اور قریب لوگوں کے ساتھ الفت اور محبت کو ترک کرنا ہے اس واسطے ضرورت ہوئی کہ اس دروازہ کو بھی بند کر دیا جائے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک وہ دینار ہے جس کو تو خدا کی راہ میں خرچ کرے اور ... وہ دینار ہے جس کو تو کسی کی جان چھڑا لے میں خرچ کرے اور ایک وہ دینار ہے جو تو کسی مسکین کو دے اور ایک وہ دینار ہے جس کو تو اپنے اہل پر خرچ کرے ان سب میں اس دینار کا اجر زیادہ ہے جس کو تو نے اپنے اہل پر خرچ کیا ہے" اور اس حدیث میں کہ "بہتر صدقہ وہ ہے جو حالت غناء میں دیا جائے اور پہلے اس کو دو جو تمہارے اہل وعیال میں سے ہے" اور اس حدیث میں کہ "کسی نے آپ سے عرض کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا تنگدست کا صدقہ کی وجہ سے تکلیف برداشت کرنا، اور اپنے اہل وعیال سے دینا شروع کرو"، کچھ منافات نہیں ہے کیونکہ ہر حدیث ایک معنی اور ایک خاص وجہ پر محمول ہو سکتی ہے، پس غناء سے اصطلاحی غناء مراد نہیں ہے بلکہ غناء نفس یا کنبہ کے لئے رزق کا کافی ہونا مراد ہے یا ہم کہتے ہیں غنی کے صدقہ سے اس کے مال میں برکت ہوتی ہے، اور مفلس کا صدقہ اس لئے افضل ہے کہ وہ بخل کو خوب دور کرتا ہے اور وہ قوانین شرعیہ کے زیادہ مناسب ہے،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خزانچی مسلمان امانت دار جو مالک کے حکم کے موافق پورا پورا دیتا ہے وہ بھی بمنزلہ صدقہ دینے والے کے ہے"

میں کہتا ہوں کسی ایسی چیز کا نکالنا جو اس پر واجب ہے اور طیب خاطر اور خوش دلی کی وجہ سے دینے سے انکار نہ

قال ذلك افضل اموالنا، وحديث قالت امرأة انا كل على ابنائنا وآبائنا وازواجنا فما يحل لنا من اموالهم قال الرطب تاكلنه وتهدينه لان الاول فيما امره عموما اودلالة ولم يأمره خصوصا ولا صريحا، ويكون الزوج لا يبدأ بالصدقة فلما بدأت المرأة سلم ذلك منها، وانما يجوز التصرف في ماله بما هو معروف عندهم، وفيه اصلاح ماله كالرطب لولم يهد لفسد وضاع، ولا يجوز في غير ذلك وان كان من الطعام،

قوله صلى الله عليه وسلم لا تعد في صدقتك فان العائد في صدقته كالعائد في قيئه،

اقول سبب ذلك ان المتصدق اذا اراد الاشتراء يسامح في حقه ويطلب هو المسامحة فيكون نقصا للصدقة في ذلك القدر لان روح الصدقة نفض القلب تعلقه بالمال، واذا كان في قلبه ميل الى الرجوع اليها بمسامحة لم يتحقق كمال النقض، وايضا فتوفير صورة العمل مطلوب، وفي الاسترداد نقص لها، وهو سر كراهية الموت في ارض هاجر منها، والله اعلم.

کرنا اس شخص کی سخاوت کی پہچان ہے لہذا اصل متصدق کے بعد یہ شخص بھی متصدق ہے اور ان دونوں حدیثوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے یعنی جو عورت اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی بلا اجازت صدقہ دیگی تو اس کو نصف اجر ملے گا۔ اور یہ کہ آپ نے حجۃ الوداع میں فرمایا "کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر میں سے بلا اجازت کچھ خرچ نہ کرے اس پر کسی نے کہا کیا کھانا بھی نہ دے؟ آپ نے فرمایا وہ تو ہمارے مالوں میں سب سے افضل مال ہے" اور نہ اس حدیث میں کوئی تعارض ہے کہ "ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کہ ہم اپنی اولاد اور اپنے ماں باپ اور اپنے خاوندوں پر بوجھ ہوئے ہیں پس ان کے مالوں میں سے ہم کو کس قدر حلال ہے؟ آپ نے فرمایا تر چیزیں کہ تم ان کو کھا سکتی ہو اور دے سکتی ہو" اور تعارض نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اول حدیث اس موقع میں ہے جہاں خاوند نے عموماً یا دلالۃً اجازت دی ہو اور کسی چیز کی صراحت کے ساتھ اور خصوصیت کے ساتھ اجازت نہ دی ہو اور خاوند صدقہ نہ دیتا ہو پس جب عورت نے صدقہ نکالا ہے تو یہ اس سے تسلیم کیا جائے گا اور خاوند کے مال میں اس قدر تصرف درست ہے جس قدر لوگوں میں دستور ہے اور اس میں خاوند کے مال کی اصلاح بھی ہو جیسے ہری چیزیں کہ اگر وہ کسی کو نہ دیجائیں تو خراب ہو کر ضائع ہو جائیں اور ان کے سوا اور چیزوں میں تصرف درست نہیں ہے اگرچہ کھانے کی قسم سے ہو، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صدقہ دیکر واپس نہ لو کیونکہ جو دیکر پھر لیتا ہے گویا وہ اپنی قے کو کھاتا ہے"۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ صدقہ کرنیوالا جب خریدنا چاہتا ہے تو اس کے حق میں رعایت کی جاتی ہے یا وہ خود رعایت چاہتا ہے پس اسی قدر اس صدقہ کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے کیونکہ صدقہ کی روح مال سے قلبی تعلق کا ہٹا لینا ہے اور جب اس کے دل میں یہ خیال رہا کہ وہ چیز اسکو بہ رعایت مل جائے تو اسکو اس چیز سے پوری بے تعلقی نہ ہوئی اور نیز شارع کو عمل کی صورت کا کامل ہونا مطلوب ہے اور اس کے واپس لینے میں نقصان پایا جاتا ہے اور جس زمین سے ہجرت کر جائے پھر اس میں آکر مرنیکی کراہت

من ابواب الصوم

لما كانت البهيمية الشديدة مانعة
عن ظهور احكام الملكية وجب الاعتناء
بقهرها، ولما كان سبب شدتها
وتراكم طبقاتها غزارتها هو الاكل
والشرب، والانهماك في اللذات
الشهوية فانه يفعل ما لا يفعله الاكل
الرغد، وجب ان يكون طريق
القهر تقليل هذه الاسباب، و
لذلك اتفق جميع من يريدون
ظهور احكام الملكية على تقليلها
ونقصها مع اختلاف مذاهبهم
وتباعد اقطارهم، وايضا فالمقصود
اذعان البهيمية للملكية بان تتصرف
حسب وحيها وتنصبغ بصبغها و
تمنع الملكية منها بان لا تقبل الوانها
الدنية ولا تنطبع فيها نقوشها الخسيسة
كما تنطبع نقوش الخاتم في الشمعة
ولا سبيل الى ذلك الا ان تقتضي
الملكية شيئا من ذاتها وتوحيه
الى البهيمية وتقترحه عليها فتنقاد
لها ولا تبغي عليها ولا تمتنع منها، ثم
تقتضي ايضا وتنقاد هذه ايضا، ثم
وثم حتى تعتاد ذلك وتتمرن، ومن
الاشياء التي تقتضيها هذه من ذاتها
وتقسر تلك عليها على رغم انفها انما
يكون من جنس ما فيه اقتراح

روزہ کی تفصیلات

چونکہ قوت بہیمی کی شدت قوت ملکی کے احکام ظاہر ہونے
سے مانع تھی اسواسطے اسکا مغلوب کرنا ضروری ہوا اور چونکہ
اس کی شدت اور جوش کا باعث کھانا پینا اور لذائذ شہوانیہ
میں منہمک ہونا تھا اور اس انہماک کا وہ اثر ہوتا ہے جو
شکم سیر کھانے پینے کا بھی نہیں ہوتا اس واسطے ضروری
ہوا کہ اس کے مغلوب کرنے کا طریق ان اسباب میں
کمی کرنے سے ہو اسی وجہ سے جو لوگ احکام ملکی کا ظاہر
ہونا چاہتے ہیں وہ سب باوجود اختلاف مذاہب کے اور
ملکوں کے دور دراز ہونے کے ان اسباب کی تقلیل
اور نقص میں متفق ہیں، اور یہ بھی مقصود ہے کہ بہیمیت
ملکیت کی اس طرح تابع ہو جائے کہ اس کے کہنے پر عمل
کرے اور اسی کے رنگ میں رنگین ہو جائے، اور یہ بھی
مقصود ہے کہ ملکیت اس سے اس طرح علیحدہ رہے
کہ اس کے خراب رنگ کو قبول نہ کرے اور اس میں
اس کے نقوش رذیلہ منقش نہ ہوں جس طرح مہر کے
نقوش موم کے اندر منقش ہو جاتے ہیں اور اس کا
سوائے اس کے کوئی طریقہ نہیں ہے کہ قوت ملکی کسی شئی
کا تقاضا کرے اور قوت بہیمی کو اس کا اشعار کرے
اور اس سے سرکشی نہ کرے اور کسی طرح سے انکار نہ
کرے اور پھر کسی بات کا تقاضا کرے اور پھر بار بار یہی
امر پیش ہو حتی کہ اس کو اطاعت کی عادت ہو جائے
اور وہ امور جن کو ملکیت چاہتی ہے اور وہ بہیمیت پر
بہت شاق گذرتے ہیں ایسے ہیں جن سے ملکیت کو سرور
اور بہیمیت کو انقباض ہوتا ہے جیسے عالم ملکوت سے
تشبیہ پیدا کرنا اور خدا تعالے کی کبریائی پر معرفت حاصل
کرنا کیونکہ یہ امور ملکیت کا خاصہ ہیں بہیمیت کو ان سے

لهذه الانقباض لتلك، وذلك كالتشبه
بالملكوت والتطلع للجبروت،
فانهما خاصية الملكية بعيدة
عنهما البهيمية غاية البعد، او
ترك ما تقتضيه البهيمية وتستلذه
وتشتاق اليه فى غلوائها وهذا هو
الصوم، ولما لم تكن المواظبة
على هذه من جمهور الناس ممكنة
مع ما هم فيه من الارتفاقات
المهمة ومعافسة الاموال والازواج
وجب ان يلتزم بعد كل طائفة
من الزمان مقدار يعرف حالة
ظهور الملكية وابتهاجها بمقتضياتها
ويكفر ما فرط منه قبلها، ويكون
مثله كمثل حصان طوله مربوط
باخية يستن يمينا وشمالا ثم
يرجع الى اخيته، وهذه مداومة
بعد المداومة الحقيقية، ثم
وجب تعيين مقداره لئلا
يفرط احد فيستعمل منه ما لا
ينفعه وينجع فيه، او يفرط مفرط
فيستعمل منه ما يوهن اركانه
ويذهب نشاطه وينهك نفسه
ويزيره القبور، وانما الصوم
ترياق تستعمل لدفع السموم
النفسانية مع ما فيه نكاية
بمطية اللطيفة الانسانية و
منصتها فلا بد من ان يتقدر بقدر
الضرورة، ثم ان تقليل الاكل و

بہت بعد ہے یا ان چیزوں کا ترک کرنا جن کو بہیمیت
چاہتی ہے اور ان سے لذت حاصل کرتی ہے اور ہیجان
کی حالت میں ان چیزوں کی بہت مشتاق رہتی ہے
اور یہ بات روزہ سے حاصل ہو سکتی ہے، اور چونکہ
ان امور پر مداومت کرنا باوجود تدابیر ضروریہ اور
ازواج واموال کے ساتھ مشغول ہونے کے سب لوگوں
سے ممکن نہ تھا اس واسطے یہ امر ضروری ہوا کہ کچھ زمانہ
کے بعد ایک مقدار معین کا التزام کیا جائے جس
میں ملکیت کے ظہور کا حال اور اس کے مقتضیات
سے خوش ہونا معلوم ہو جایا کرے اور اس سے پیشتر
جو کوتاہی ہوگئی ہے اس کا کفارہ ہو جایا کرے اور
اس کا حال اس گھوڑے کا سا ہو جا جس کا رستہ
کسی میخ سے بندھا ہوتا ہے اور وہ دائیں بائیں چکر
لگا کر پھر وہیں تھان پر آکھڑا ہوتا ہے، مداومت
حقیقی کے بعد اس مداومت کا درجہ ہے، پھر یہ ضروری
ہوا کہ اس کی ایک مقدار مقرر کیجائے تاکہ اس میں کوئی
کمی نہ کر سکے، اور وہ کمی کرنے والا اس عبادت کو اس
قدر عمل میں لائے جو اس کے لئے کافی و نافع نہ ہو،
یا افراط کرنے والا اس قدر زیادتی کرے کہ اس
کو اتنا عمل میں لائے جس سے اس کے ارکان میں
کاہلی پیدا ہو اور اس کا نشاط جاتا رہے اور
اپنے نفس کو ہلاک کر کرکے درگور ہو جائے، روزہ
ایک تریاق ہے جو سموم نفسانیہ کے دور کرنے
کے لئے استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ اس کے اندر
لطیفۂ انسانیہ کے مقام اور اس کے جائے
ظہور یعنی بدن کو تکلیف اور مشقت بھی پہنچتی ہے
اس واسطے بقدر ضرورت اس کا معین کرنا
ضروری ہوا، پھر خورد و نوشش کم کرنے کے
دو طریق ہیں ایک تو یہ کہ بہت ہی کم کھایا پیا جائے

الشرب له طريقان، احدهما ان لا
يتناول منهما الا قدرا يسيرا، و
الثاني ان تكون المدة المتخللة بين
الاكلات زائدة على القدر المعتاد،
والمعتبر في الشرائع هو الثاني لانه
يخفف وينفعهم ويذيق بالفعل مذاق
الجوع والعطش ويلحق البهيمية حيرة
ودهشة ويأتي عليها اتيانا محسوسا
والاول انما يضعف ضعفا يسيرا ولا
يجد بالاحتمي يد نفعه، وايضا فان
الاول لا يأتي تحت التشريع العام
الا بجهد، فان الناس على منازل
مختلفة جدا يأكل الواحد منهم
رطلا والآخر رطلين، والذي يحصل
به وفاء الاول هو اجحاف الثاني
اما المدة المتخللة بين الاكلات
فالعرب والعجم وسائر اهل
الامزجة الصحيحة يتفقون
فيها وانما طعامهم غداء وعشاء او
اكلة واحدة في اليوم والليلة و
يحصل مذاق الجوع بالكف الى
الليل ولا يمكن ان يفوض المقدار
اليسير الى المبتلين المكلفين
فيقال مثلا ليأكل كل واحد منكم
ما تنقهر به بهيميته لانه يخالف
موضوع التشريع ۔
ومن المثل السائر من استرعى
الذئب فقد ظلم، وانما يسوغ
مثل ذلك في الاحسانيات ثم يجب

دوسرے یہ کہ کھانے پینے میں مقدار معتاد سے زیادہ
دیر کرے اور شرع کے اندر تقلیل کا دوسرا طریق معتبر ہے
کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی کمزور ہوتا ہے اور تھکتا ہے
اور اس وقت بھوک و پیاس کی کیفیت محسوس ہو
جاتی ہے اور بہیمیت کو اس کی وجہ سے پریشانی اور
خوف لاحق ہو جاتا ہے، اور ان امور کا طاری ہونا
اس کو محسوس ہوتا ہے، اور تقلیل کے پہلے طریق میں
ایک طرح کا ضعف برابر ہوتا رہتا ہے اور نفس کو
اس کی پرواہ نہیں ہوتی حتی کہ انسان اس سے
بالکل تھک جاتا ہے، اور نیز تقلیل کے پہلے طریق کا
بغیر مشقت کے سب لوگوں کو حکم نہیں دیا جاسکتا
کیونکہ لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں کسی کی خوراک
ایک رطل اور کسی کی خوراک دو رطل ہوتی ہے، اور
جو خوراک ایک کے لئے پوری ہوتی ہے وہ دوسرے
کے لئے باعث ہلاکت ہوتی ہے اور جس قدر مدت
کا کھانے میں فصل ہوتا ہے اس پر تمام عرب
وعجم اور تمام صحیح المزاج لوگوں کا اتفاق ہے اور
وہ سب صبح وشام کھاتے ہیں یا رات اور
دن میں ایک بار کھاتے ہیں، اور رات تک کھانا نہ
کھانے سے بھوک کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے
اور یہ نہیں ہوسکتا کہ مکلفین کی رائے پر مقدار
قلیل کو چھوڑا جائے اور یہ کہدیا جائے کہ ہر
ایک اتنا کھا لیا کرے جس سے قوت بہیمی مغلوب
ہو کیونکہ یہ قاعدہ شرعیہ کے خلاف ہے۔
مثل مشہور ہے کہ جس نے بھیڑیئے کو بکریوں
کا چرواہا بنایا تو اس نے ظلم کیا، اور احسانیات
میں ایسی باتوں کی گنجائش ہے، پھر یہ بھی ضروری ہے
کہ یہ درمیانی مدت مہلک نہ ہو جیسے تین شب دروز
کیونکہ یہ بھی مقصود شرعی کے خلاف ہے اور نہ

ان تکون تلک المدۃ المتخللۃ غیر مجحفۃ ولا مستاصلۃ کثلاثۃ ایام بلیالیہا لان ذلک خلاف موضوع الشرع ولا یعمل بہ جمہور المکلفین ویجب ان یکون الامساک فیہا متکررا لیحصل التمرن والانقیاد والا فجوع واحد ای فائدۃ یفید، وان قوی واشتد، ووجب ان یذہب فی ضبط الانہار الغیر المجحف وضبط تکرارہ الی مقادیر مستعملۃ عندہم لا تخفی علی الخامل والنبیہ والحاضر والبادی، والی ما یستعملہ اویستعمل نظیرہ طوائف عظیمۃ من الناس لتذہب شہرتہا وتسلیمہا غایۃ التعب منہم، و اوجبت ہذہ الملاحظات ان یضبط الصوم بالامساک من الطعام والشراب والجماع یوما کاملا الی شہر کامل فان ما دون الیوم ہو من باب تاخیر الغداء وامساک اللیل معتاد لا یجدون لہ بالا والاسبوع والاسبوعان مدۃ یسیرۃ لا تؤثر، والشہران تغور فیہما الاعین وتنفہ النفس. وقد شاہدنا ذلک مرات لا یحصی، ویضبط الیوم بطلوع الفجر الی غروب الشمس لانہ ہو حساب العرب ومقدار یومہم، والمشہور عندہم فی صوم یوم عاشوراء، والشہر برؤیۃ

ہی تمام مکلفین اس پر عمل کر سکتے ہیں اور نیز یہ بھی ضروری ہے کہ بھوکا رہنا بار بار ہو تاکہ وہ اس کے عادی ہو جائیں اور ان میں تابعداری کا مادہ پیدا ہو ورنہ ایک مرتبہ بھوکا رہنے میں کچھ فائدہ نہیں ہے خواہ کیسی ہی سخت بھوک ہو، اور یہ بات بھی ضروری تھی کہ نفس کا مغلوب ہونا جو غیر مہلک ہے اس کا انضباط اور اس کی تکرار کا انضباط ان مقداروں سے کیا جائے جو ان میں مستعمل ہیں جن کو ذی عقل اور بے وقوف، شہری اور دیہاتی سب جانتے ہیں اور ان کو یا ان کی نظیر کو لوگوں کی بڑی بڑی جماعتیں استعمال میں لاتی ہیں تاکہ ان کی شہرت اور تسلیم سے ان کی دشواری جاتی رہے۔ ان امور کے اعتبار کرنے سے یہ بات ضروری ہوئی کہ روزہ کا انضباط پورے مہینہ تک ہر روز کھانے اور پینے اور جماع سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ کیا جائے کیونکہ ایک دن سے کم کی مقدار کھانا دیر سے کھانے میں شمار ہے اور رات میں ان امور کا ترک کر دینا، اور ہفتہ دو ہفتہ ایسی قلیل مقدار ہے جو نفس پر پورا اثر نہیں کرتی، اور دو ماہ کی مقدار ایسی ہے جس میں آنکھیں بیٹھ جاتی ہیں اور نفس تھک جاتا ہے، اور ہم نے اس امر کا بے شمار دفعہ مشاہدہ کیا ہے، اور ان امور کے اعتبار کرنے سے یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ دن کا انضباط صبح صادق کے طلوع سے غروب آفتاب تک کیا جائے کیونکہ عرب کا یہی حساب ہے اور یہی ان کے دن کی مقدار ہے، اور عاشورہ کے دن روزہ رکھنے میں ان کے ہاں یہی حساب مشہور ہے، اور مہینہ کا حساب ایک چاند دیکھنے سے دوسرے چاند دیکھنے تک ہے کیونکہ اسی کو عرب

الهلال الى رؤية الهلال لانه هو شهر
العرب، وليس حسابهم على الشهور
الشمسية واذا وقع التصدي لتشريع
عام واصلاح جماهير الناس و
طوائف العرب والعجم وجب ان
لا يخير في ذلك الشهر ليختار كل واحد
شهرا يسهل عليه صومه لان في
ذلك فتحا لباب الاعتذار والتسلل
وسد الباب الامر بالمعروف والنهي
عن المنكر واخمالا لما هو من اعظم
طاعات الاسلام، وايضا فان اجتماع
طوائف عظيمة من المسلمين على
شئ واحد في زمان واحد يرى بعضهم
بعضا معونة لهم على الفعل ميسر
عليهم ومشجع اياهم، وايضا فان
اجتماعهم هذا لنزول البركات
الملكية على خاصتهم وعامتهم وادنى
ان ينعكس انوار كملهم على من
دونهم وتحيط دعوتهم من ورائهم
واذا وجب تعيين ذلك الشهر فلا احق
من شهر نزل فيه القرآن وارتفعت
فيه الملة المصطفوية وهو مظنة
ليلة القدر على ما سنذكره،
ثم لابد من بيان المرتبة التي
لابد منها لكل حاصل ونبيه
فارغ ومشغول والتي ان اخطاها
اخطأ اصل المشروع والمرتبة
المكملة التي هي مشروع المحسنين
وورد السابقين فالاولى صومه

مہینہ کہتے ہیں اور شمسی مہینوں سے وہ حساب نہیں
کرتے ، اور جبکہ سب کو مکلف بنانا اور تمام
لوگوں کی اصلاح اور تمام عرب وعجم کی بہبود کی
مطلوب تھی تو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں
کو اس مہینہ میں اختیار نہ دیا جائے تاکہ ہر شخص اپنے
لئے اس مہینہ کو اختیار کرلیا کرے جس میں روزہ
رکھنا آسان ہو کیونکہ اس میں عذر کرنے کا اور بچکر
نکل جانے کا دروازہ کھلتا ہے اور امر بالمعروف اور
نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہوتا ہے، اور اس
میں اسلام کے ایک عظیم الشان عبادت کا گمنام
کر دینا ہے، اور نیز اہل اسلام کی بڑی بڑی
جماعتوں کا ایک زمانہ میں ایک چیز پر اجتماع
کرنا اور ایک کا دوسرے کو دیکھنا ان کے لئے
اس عبادت کے عمل پر ہمت کے پیدا ہونے
کا اور اس کے آسان ہونے کا سبب ہے اور
نیز ان کے اس اجتماع سے ہر خاص وعام
پر قوت ملکی کی برکات نازل ہوتی ہیں اور کاملین
سے کم درجہ کے لوگوں پر ان کے انوار کا پرتو پڑتا
ہے اور پھر ان کی دعائیں سب کو گھیر لیتی ہیں،

اور جب ایک مہینہ کا مقرر کرنا ضروری ہوا تو
اس مہینہ سے کوئی مہینہ بہتر نہیں ہے
جس میں قرآن نازل ہوا اور ملت مصطفوی کی
تکمیل ہوئی اور شب قدر کے پائے جانے کا بھی اس
مہینہ میں قوی احتمال ہے جیسا کہ ہم عنقریب
ذکر کریں گے، پھر اس مرتبہ کا بیان کرنا بھی ضروری
ہے جو ہر غافل وہوشیار اور ہر فارغ ومشغول
کے لئے درکار ہے اور جس نے اس میں کوتاہی کی
اس نے اصل حکم میں کوتاہی کی، اور مرتبہ کمال
کا بیان کرنا بھی ضروری تھا جو نیک لوگوں کا طریقہ

رمضان والاکتفاء علی الفرائض الخمس، ونور من صلے العشاء و الصبح فی جماعۃ نکأنما قام اللیل، والثانیۃ زائدۃ علی الاولی کما و کیفا دھی قیام لیالیہ وتنزیہ اللسان والجوارح، وستۃ من شوال، وثلاثۃ من کل شھر، و صوم یوم عاشوراء ویوم عرفۃ، واعتکاف العشر الاواخر، فھذہ المقدمات تجری مجری الاصول فی باب الصوم، فاذا تمھدت حان ان نشتغل بشرح احادیث الباب۔

اور سابقین کا دستور ہے، پس اول مرتبہ رمضان کا روزہ رکھنا اور پنج گانہ نماز پر اکتفا کرنا ہے اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا اس نے تمام شب عبادت کی، اور دوسرا مرتبہ پہلے مرتبہ پر کمیت اور کیفیت میں بڑھا ہوا ہے اور وہ رمضان کی راتوں میں عبادت کرنا اور تمام اعضاء اور زبان کو بری باتوں سے روکنا ہے اور ماہ شوال میں چھ روزے اور ہر ماہ میں تین روزے اور یوم عاشورہ اور یوم عرفہ کا روزہ رکھنا اور رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنا ہے، پس یہ مقدمات روزہ کے باب میں بمنزلہ اصول کے ہیں پس جب یہ مقدمات ثابت ہو گئے تو اب ہم ان احادیث کی شرح کرتے ہیں، جو روزہ کے باب میں وارد ہیں۔

فصل الصوم

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنۃ، وفی روایۃ ابواب الرحمۃ وغلقت ابواب جھنم و سلسلت الشیاطین۔

اقول اعلم ان ھذا الفضل انما ھو بالنسبۃ الی جماعۃ المسلمین فان الکفار فی رمضان اشد عمھا واکثر ضلالا منھم فی غیرہ لتمادیھم فی ھتک شعائر اللہ، ولکن المسلمین اذا صاموا وقاموا وخاض کملھم فی لجۃ الانوار واحاطت دعوتھم من وراءھم وانعکست اضواؤھم

روزہ کی فضیلت کا بیان

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھولدیئے جاتے اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں سے باندھ دیئے جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں:۔ واضح ہو کہ رمضان کے مہینہ میں یہ فضل صرف جماعت مسلمین کے لئے ہے کیونکہ کفار رمضان کے مہینہ میں بہ نسبت اور مہینوں کے زیادہ اندھے اور گمراہ ہوتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ شعائر الہی کی ہتک کرنے میں اور بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں لیکن مسلمان جب روزہ رکھتے ہیں اور نماز میں پڑھتے ہیں اور جوان میں سے کاملین ہیں وہ انوار کے دریا میں

علی من دونهم وشملت برکاتهم جمیع لُمّتهم وتقرب کل حسب استعداده من المنجیات وتباعد من المهلکات صدق ان ابواب الجنة تفتح علیهم وان ابواب جهنم تغلق عنهم لان اصلهما الرحمة واللعنة، ولان اتفاق اهل الارض فی صفة تجلب ما یناسبها من جود الله کما ذکرنا فی الاستسقاء والحج، وصدق ان الشیاطین تسلسل عنهم، وان الملائکة تنتشر فیهم لان الشیطان لا یؤثر الا فیمن استعدت نفسه لاثره وانما استعداده بالغلواء البهیمیة وقد انقهرت، وان الملك لا یقرب الا ممن استعد له، وانما استعداده بظهور الملکیة وقد ظهرت، وایضا فرمضان مظنة اللیلة التی یفرق فیها کل امر حکیم، فلاجرم ان الانوار المثالیة و الملکیة تنتشر حینئذ، وان اضدادها تنقبض، قوله صلی الله علیه وآله وسلم من صام شهر رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه *

اقول وذلك لانه مظنة غلبة الملکیة ومغلوبیة البهیمیة و نصاب صالح من الخوض فی لجة الرضا والرحمة فلاجرم

غوطہ لگاتے ہیں اور ان کی دعائیں ان کو چاروں طرف سے احاطہ کرلیتی ہیں اور ادنیٰ لوگوں پر ان کے انوار کا پرتو پڑتا ہے اور انکی برکات تمام جماعت پر چھا جاتی ہیں اور ہر شخص حسب استعداد عبادات سے قریب اور معاصی سے بعید ہوتا ہے تو اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ ان پر جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ جنت کی اصل خدا تعالیٰ کی رحمت اور دوزخ کی اصل خدا تعالیٰ کی لعنت ہے، اور کیونکہ زمین والوں کا ایک صفت پر متفق ہونا اس کے موافق خدا تعالیٰ کے رجود کو متوجہ کرلیتا ہے جیسا کہ ہم نے استسقار اور حج میں بیان کیا ہے اور اس بات کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ شیاطین قید کر لئے جاتے ہیں اور فرشتے ان میں پھیلا دیئے جاتے ہیں کیونکہ شیطان اسی شخص میں اثر کرتا ہے جو اس کے اثر کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہے اور یہ استعداد بہیمیت کے غلبہ سے پیدا ہوتی ہے اور وہ روزہ کے سبب سے مغلوب ہو جاتی ہے اور فرشتے بھی اسی کے قریب ہوتے ہیں جن میں ان کے اثر کو قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے اور وہ استعداد قوت ملکی کے ظہور سے ہوتی ہے اور روزہ کے سبب سے قوت ملکی کا ظہور ہو جاتا ہے، اور نیز رمضان میں اس رات کے ہونے کا احتمال ہے جس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر چیز کی تقسیم ہوتی ہے پس ضرور بالضرور اس وقت میں انوار مثالیہ اور ملکیہ منتشر ہو جاتی ہیں اور ان کی اضداد سمٹ جاتی ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور ثواب کے ارادہ سے رکھے اس کے تمام پہلے گناہ بخشے جاتے ہیں"

ان ذلک مغیر للنفس من لون الی لون، قوله صلی الله علیه وسلم من قام لیلة القدر ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ؛

اقول وذلک لان الطاعة اذا وجدت فی وقت انتشار الروحانیة وظهور سلطنة المثال اثرت فی صمیم النفس ما لا یؤثر اعدادها فی غیره، قوله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنة بعشر امثالها الی سبعمائة ضعف قال الله تعالی الا الصوم فانه لی وانا اجزی به یدع شهوته وطعامه من اجلی ؛

اقول سر مضاعفة الحسنة ان الانسان اذا مات وانقطع عنه مدد بهیمیة وادبر عن اللذات الملائمة لها ظهرت الملکیة و لمع انوارها بالطبیعة وهذا هو سر المجازاة، فان کان العمل خیرا فقلیله کثیر حینئذ لظهور الملکیة ومناسبته بها، وسر استثناء الصوم ان کتابة الاعمال فی صحائفها انما تکون بتصویر صورة کل عمل فی موطن من المثال مختص بهذا الرجل بوجه یظهر منها صورة جزائه المترتب علیه عند تجرده عن غواشی الجسد، وقد شاهدنا

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے روزے رکھنے میں قوت ملکی کے غالب ہونے اور قوت بہیمی کے مغلوب ہونے کا احتمال ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی رحمت کے دریا میں غوطہ لگانے کے لئے یہ کامل مقدار ہے اس واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ نفس کو ایک حال سے دوسرے حال میں بدل دیتا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے ایمان اور ثواب کے قصد سے شب قدر میں عبادت کی اس کے پہلے گناہ بخشے گئے"۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ روحانیت کے انتشار کے وقت اور عالم مثال کے غلبہ کے ظاہر ہوتے وقت جب کوئی عبادت پائی جاتی ہے تو اس وقت میں وہ عبادت نفس میں وہ اثر کرتی ہے جو دوسرے اوقات میں کئی مرتبہ اس عبادت کو کرنے سے بھی اس جیسا اثر نہیں کرتی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بنی آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک زیادہ کیا جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا سوائے روزے کے کیونکہ وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دونگا، روزہ دار میرے لئے اپنی خواہش اور کھانے کو ترک کر دیتا ہے"۔

میں کہتا ہوں نیکی کے بڑھ جانے کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب مرجاتا ہے اور قوت بہیمی کی مدد اس سے منقطع ہو جاتی ہے اور جو لذتیں اس کے مناسب تھیں ان سے روگردانی کرلیتا ہے تو قوت ملکی کا ظہور ہوتا ہے اور بالطبع اس کی انوار روشن ہو جاتے ہیں اور اعمال کی جزا اور سزا ملنے کی یہی وجہ ہے، پس اگر نیک عمل ہوتا ہے تو تھوڑا عمل بھی ملکیت کے ظہور اور اس عمل کے اسکے مناسب ہونے کی وجہ سے اس وقت بہت ہو جاتا ہے، اور روزہ کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کا صحائف میں لکھا جانا اس

ذلك مرارا وشاهدنا ان الكتبة
كثيرا ما تتوقف فى ابداء جزاء
العمل الذى هو من قبيل مجاهدة
شهوات النفس اذ فى ابدائه دخل
لمعرفة مقدار خلق النفس الصادر
هذا العمل منه وهم لم يذوقوه
ذوقا ولم يعلموه وجدانا، وهو
سر اختصامهم فى الكفارات
والدرجات على ما ورد فى الحديث
فيوحى الله اليهم حينئذ ان اكتبوا
العمل كما هو وفوضوا جزاءه الى،
وقوله فانه يدع شهوته وطعامه
من اجلى اشارة الى انه من الكفارات
التى لها نكاية فى نفسه البهيمية،
ولهذا الحديث بطن آخر قد اشرنا
اليه فى اسرار الصوم فراجعه، قوله
صلى الله عليه وسلم للصائم
فرحتان فرحة عند فطره و
فرحة عند لقاء ربه، فالاولى
طبيعية من قبل وجدان ما تطلبه
نفسه، والثانية الهية من قبل
تهيئته لظهور اسرار التنزيه
عند تجرده عن غواشى الجسد
وترشح اليقين عليه من
فوقه كما ان الصلاة تورث
ظهور اسرار التجلى الثبوتى، وهو
قوله صلى الله عليه وسلم فلا
تغلبوا على صلاة قبل الطلوع
وقبل الغروب ۔

طرح پر ہوتا ہے کہ ہر عمل کی صورت عالم مثال کے ایک
مقام میں جو اس شخص کے لئے خاص ہے اس طرح
متصور ہوتی ہے کہ اس کے سبب سے اس کے عمل کی
جزا کی صورت جب وہ شخص جسمانی حجابات سے الگ
ہو جاتا ہے ظاہر ہو جاتی ہے اور ہم نے بارہا اس کا مشاہدہ
کیا ہے اور نیز اس امر کا مشاہدہ کیا ہے کہ اعمال کی جزا
لکھنے والے فرشتے بسا اوقات اس عمل کی جزا کے ظاہر
کرنے میں جو شہوات نفسانیہ کے ساتھ مجاہدہ کرنے
کے قبیل سے ہے توقف کرتے ہیں کیونکہ اس کے ظاہر
کرنے میں اس خلق نفسی کی مقدار معلوم کرنے کو
دخل ہے جس سے یہ عمل صادر ہوا ہے۔ اور فرشتے اس
ذوق سے اور اس وجدان سے بھی آگاہ نہیں ہوتے ہیں
اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ فرشتے کفارات اور درجات
کے بارے میں باہم نزاع کرتے ہیں اس کی بھی یہی وجہ
ہے پس اس وقت خدا تعالے فرشتوں کو وحی کرتا ہے
کہ اس عمل کو بعینہ لکھ لو اور اس کی جزا میرے سپرد
کر دو، اور اللہ تعالے کا یہ قول کہ "میرا بندہ روزہ دار
اپنی خواہش اور کھانا میرے لئے ترک کرتا ہے"
اس طرف اشارہ ہے کہ روزہ ان کفارات میں سے
ہے جن کی سختی نفس بہیمیہ کو پہنچتی ہے اور اس حدیث
کے لئے ایک بطن اور ہے جس کی طرف اسرار صوم
میں ہم نے اشارہ کر دیا ہے اس کو وہاں دیکھنا
چاہیئے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "روزہ دار کے لئے
دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک خدا
تعالے سے ملنے کے وقت پہلی خوشی تو طبعی ہے کہ جو نفس
کو مطلوب ہے کے حاصل ہونے کے وقت ہوتی ہے اور
دوسری خوشی الہیہ ہے کہ جو روزہ دار کے حجاب جسمانی
سے الگ ہونے اور عالم بالا سے علم الیقین کا فیضان کئے

وههنا اسرار يضيق هذا الكتاب عن كشفها، قوله صلى الله عليه وسلم لخلوف فم الصائم اطيب عند الله من ريح المسك.

اقول سره ان اثر الطاعة محبوب لحب الطاعة متمثل في عالم المثال مقام الطاعة، فجعل النبي صلى الله عليه وسلم انشراح الملائكة بسببه ورضا الله عنه في كفة وانشراح نفوس بني آدم عند استنشاق رائحة المسك في كفة ليوضح السر الغيبي رأي عين، قوله صلى الله عليه وسلم الصيام جنة ؛

اقول ذلك لانه يقي شر الشيطان والنفس ويباعد الانسان من تاثيرهما ويخالفه عليهما، فلذلك كان من حقه تكميل معنى الجنة بتنزيه لسانه عن الاقوال والافعال الشهوية، واليها الاشارة في قوله فلا يرفث، والسبعية واليه الاشارة في قوله ولا يصخب والى الاقوال بقوله سابه، والى الافعال بقوله قاتله، قوله صلى الله عليه وسلم فليقل اني صائم

کے وقت تقدس کے آثار ظاہر ہوتے کے قابل ہونے سے ہوتی ہے جس طرح نماز سے تجلی ثبوتی کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "طلوع اور غروب کے پہلے تم کسی نماز پر مغلوب نہ کئے جاوے"

اس مقام پر اور بہت سے اسرار ہیں جن کو ظاہر کرنے کی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "البتہ روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔

میں کہتا ہوں اس کا راز ہے کہ عبادت کے پسندیدہ ہونے سے اس کا اثر بھی پسندیدہ ہو جاتا ہے اور عالم مثال میں عبادت کی جگہ وہ اثر متمثل ہو جاتا ہے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے ملائکہ کے خوش ہونے اور خدا تعالےٰ کی رضامندی کو ایک پلہ میں رکھ اور مشک سونگھنے سے بنی آدم کے سرور کو ایک پلہ میں رکھا تاکہ یہ غیبی راز آپ ان پر ظاہر کردیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "روزے ڈھال ہیں"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ شیطان اور نفس کے شر سے بچاتا ہے اور ان کے اثر سے انسان کو دور رکھتا ہے اور ان کی مخالفت پر آمادہ کرتا ہے اسی واسطے روزہ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آدمی اپنی زبان کو اقوال اور افعال شہوانی سے محفوظ رکھ کر کامل طور پر اس کو ڈھال بنائے اور اسی طرف آپ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے "کہ روزہ دار بری بات نہ کہے" اور بہیمیت کے افعال سے بھی باز رہے اور اس کی طرف آپ نے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ روزہ دار

قیل: بلسانہ، وقیل بقلبہ، وقیل: بالفرق بین الفرض و النفل، والکل واسع ؛

شور وشغب نہ کرے" اور اقوال کی طرف اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ "جو کوئی روزہ دار کو گالی دے" اور افعال کی طرف اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ "جو کوئی اس سے لڑے" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پس روزہ دار کو کہنا چاہئے کہ میں روزہ دار ہوں" بعض کے نزدیک تو اس کو زبان سے ہی کہہ دینا کافی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دل میں یہ کہہ دے، اور بعض کے نزدیک فرض کے روزے اور نفل کے روزے میں فرق ہے اور ہر ایک میں گنجائش کا موقع ہے ؛

احکام الصوم

قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا تصوموا حتی تروا الھلال و لا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہ، وفی روایۃ فاکملوا العدۃ ثلاثین ؛

اقول لما کان وقت الصوم مضبوطا بالشھر القمری باعتبار رؤیۃ الھلال وھو تارۃ ثلاثون یوما و تارۃ تسعۃ وعشرون، وجب فی صورۃ الاشتباہ ان یرجع الی ھذا الاصل، وایضا مبنی الشرائع علی الامور الظاھرۃ عند الامیین دون التعمق والمحاسبات النجومیۃ، بل الشریعۃ واردۃ باخمال ذکرھا، وھو قولہ صلے اللہ علیہ وسلم انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب، وقولہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شھرا عید لا ینقصا رمضان وذوالحجۃ قیل لا ینقصان معا، وقیل لا ینقص اجر ثلاثین وتسعۃ وعشرین، و

روزہ کے احکام کا بیان ؛

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہ بغیر چاند دیکھے روزہ رکھو اور نہ بغیر چاند دیکھے افطار کرو، پھر اگر ابر ہو جائے تو اندازہ کر لو، اور ایک روایت میں ہے کہ تیس روز پورے کر لو۔

میں کہتا ہوں چونکہ روزہ کا زمانہ قمری مہینہ کے ساتھ رویت ہلال کے اعتبار سے منضبط تھا اور وہ کبھی تیس دن اور کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے اس واسطے اشتباہ کی صورت میں اس اصل کی طرف رجوع کرنا واجب ہوا اور نیز احکام کی بنیاد ان امور پر ہونی چاہیئے جن کو ان پڑھ لوگ بھی جانتے ہوں نہ کہ تعمق اور محاسبات نجومیہ پر بلکہ شریعت نے ان چیزوں کو مٹایا ہے، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہم ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب کرنا" اور آپ نے فرمایا "عید کے دونوں مہینے کم نہیں ہوتے رمضان اور ذی الحجہ" بعض کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ دونوں مہینے ایک ساتھ انتیس انتیس کے نہیں ہوتے۔ اور بعض نے کہا کہ تیس اور انتیس کا اجر برابر ہے اور باہم کچھ فرق نہیں ہے، اور یہ اخیر معنی تو عدد شرعیہ کے زیادہ مناسب ہیں گویا آپ نے اس بات کو دفع کرنا چاہا

وهذا الأخير اقعد بقواعد التشريع كأنه اراد سد ان يخطر في قلب احد ذلك ۔

واعلم ان من المقاصد المهمة في باب الصوم سد ذرائع التعمق وردّ ما احدثه فيه المتعمقون فان هذه الطاعة كانت شائعة في اليهود والنصارى ومتحنثي العرب ولما رأوا ان اصل الصوم هو قهر النفس تعمقوا وابتدعوا اشياء فيها زيادة القهر، وفي ذلك تحريف دين الله، وهو اما بزيادة الكم او الكيف، فمن الكم قوله صلى الله عليه وسلم لا يتقدمن احدكم رمضان بصوم يوم او يومين الا ان يكون رجل كان يصوم يوما فليصم ذلك اليوم، ونهيه عن صوم يوم الفطر، ويوم الشك، وذلك لانه ليس بين هذه و بين رمضان فصل، فلعله ان اخذ ذلك المتعمقون سنة فيدركه منهم الطبقة الاخرى وهلم جرا يكون تحريفا. واصل التعمق ان يؤخذ موضع الاحتياط لازما، ومنه يوم الشك. ومن الكيف النهي عن الوصال والترغيب في السحور والامر بتاخيره وتعجيل الفطر، فكل ذلك تشدد وتعمق من صنيع الجاهلية ولا اختلاف بين قوله صلى الله عليه

کہ کسی کے دل میں یہ خیال نہ گذرے کہ انتیس کا اجر کم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ روزہ کے باب میں تعمق کے اسباب بند کرنا اور جو تکلفات لوگوں نے پیدا کر لئے ہیں ان کا رد کرنا اہم مقاصد میں سے تھا کیونکہ یہ عبادت یہود اور نصاریٰ اور عرب میں سے ان لوگوں میں جنہوں نے اہل کتاب کا دین پسند کیا تھا شائع اور جاری تھی، اور چونکہ انہوں نے اس بات کا خیال کیا کہ روزہ میں اصل نفس کا مغلوب کرنا ہے اس واسطے انہوں نے تعمق کیا اور روزہ کے اندر وہ امور ایجاد کئے جن سے نفس اور زیادہ مغلوب ہوتا ہے اور اس کے اندر دین الہی کی تحریف ہوتی ہے اور یہ تحریف یا زیادتی کم سے ہوتی ہے اور یا زیادتی کیف سے ہوتی ہے، پس کمیت کی زیادتی سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح منع فرمایا کہ "رمضان سے ایک یا دو روز پہلے کوئی روزہ نہ رکھے مگر جو شخص پہلے سے اس دن روزہ رکھتا ہو سو وہ روزہ رکھ لے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن اور شک کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روزہ میں اور رمضان میں کوئی فصل نہیں ہے پس شاید وہی لوگ اس کو سنت سمجھ لیں اور پھر متاخرین اس کو ان سے لے لیں اور اسی طرح ان کے بعد کا طبقہ اور دین میں تحریف ہو جائے، اور حقیقت میں تعمق یہ ہے کہ موضع احتیاط کو لازم بنا لیا جائے اور یوم شک اسی میں داخل ہے،

اور کیف کے اندر زیادتی سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح منع فرمایا ہے کہ آپ نے لوگوں کو صوم وصال سے منع فرمایا ہے اور سحری کھانے کی رغبت دلائی ہے اور سحری کو دیر سے کھانے کا حکم دیا ہے

وسلم اذا انتصف شعبان فلا تصوموا، وحديث ام سلمة رضي الله عنها ما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يصوم شهرين متتابعين الا شعبان ورمضان، لان النبي صلى الله عليه وسلم كان يفعل في نفسه ما لا يأمر به القوم، واكثر ذلك ما هو من باب سد الذرائع وضرب مظنات كلية، فانه صلى الله عليه وسلم مأمون من ان يستعمل الشيء في غير محله او يجاوز الحد الذي امر به الى اضعاف المزاج وملال الخاطر وغيره ليس بمأمون فيحتاجون الى ضرب تشريع وسد تعمق، ولذلك كان صلى الله عليه وسلم ينهاهم ان يجاوزوا اربع نسوة وكان احل له تسع نسا فوقها لان علة المنع ان لا يفضي الى جور، ثم الهلال يثبت بشهادة مسلم عدل او مستور انه رآه وقد سن رسول الله صلى الله عليه وسلم في كلتا الصورتين جاء اعرابي فقال اني رأيت الهلال، قال اتشهد؟ الحديث واخبر ابن عمر انه رآه فصام، وكذلك الحكم في كل ما كان من امور الملة فانه يشبه الرواية، وقال صلى الله عليه وسلم تسحروا فان في السحور بركة۔

اقول فيه بركتان:- احدهما راجعة الى اصلاح البدن ان لا ينفه ولا يضعف اذا الامساك يوما

اور روزہ جلد افطار کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ یہ سب باتیں تشدد اور تعمق کی ہیں جو جاہلیت کے افعال میں سے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ "جب نصف مہینہ شعبان کا گذر جائے تو اس میں روزے نہ رکھو" اور ام سلمہ کی اس حدیث میں کہ "میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو سوائے شعبان اور رمضان کے کبھی پے درپے دو مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا" کچھ تعارض نہیں ہے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بذات خود ایسے افعال کیا کرتے تھے جن کا اپنی امت کو حکم نہیں دیتے تھے اور اکثر یہ افعال ذرائع بند کرنے اور مظنات کلیہ کے مقرر کرنے کے قبیل سے ہوتے تھے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کسی شئ کو بے محل استعمال کرنے یا جس حد تک ان افعال کو عمل میں لانے کا حکم دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر ملال خاطر اور ضعف جسمانی کی طرف پہنچنے سے مامون ومحفوظ تھے اور بجز آپ کے اور کوئی شخص مامون نہیں ہے پس وہ قانون شرعی کے مقرر کرنے اور باب تعمق کے بند کرنے کی طرف محتاج ہیں، اسی واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو چار بیویوں سے زیادہ رکھنے سے منع کرتے تھے اور آپ کے لئے نو بلکہ اس سے بھی زیادہ حلال کی گئی تھیں کیونکہ منع کرنے کی علت یہ ہے کہ ظلم لازم نہ آئے،

پھر چاند کا دیکھنا ایک نیک مسلمان یا مستور الحال کی اس شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے کہ میں نے چاند دیکھا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے دونوں صورتوں میں چاند کا ہو جانا ثابت ہوتا ہے" ایک اعرابی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے؟

كاملا نصاب فلا يضاعف، والثانية
راجعة الى تدبير الملة ان لا يتعمق
فيها ولا يدخلها تحريف او تغيير،
وقوله صلى الله عليه وسلم لا يزال
الناس بخير ما عجلوا الفطر، وقوله
عليه السلام فصل ما بين صيامنا
وصيام اهل الكتاب اكلة السحر،
وقال الله تعالى احب عبادي الى
اعجلهم فطرا ؛

اقول هذا اشارة الى ان هذه
مسالة دخل فيها التحريف من
اهل الكتاب فبمخالفتهم رد تحريفهم
قيام الملة، ونهى صلى الله عليه و
سلم عن الوصال، فقيل انك
تواصل، قال وايكم مثلي؟ اني ابيت
يطعمني ربي ويسقيني ؛

اقول النهي عن الوصال انما
هو لامرين، احدهما ان لا يصل
الى حد الاجحاف كما بينا، والثاني
ان لا تحرف الملة، وقد اشار النبي
صلى الله عليه وسلم الى انه لا
ياتيه الاجحاف لانه مؤيد بقوة
ملكية نورية وهو مامون، ولا
اختلاف بين قوله صلى الله عليه
وسلم من لم يجمع الصوم قبل
الفجر فلا صيام له وبين قوله عليه
الصلاة والسلام حين لم يجد طعاما
اني اذا صائم لان الاول في الفرض، و
الثاني في النفل، والمراد بالنفي نفي

الحدیث۔ اور ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ
انہوں نے چاند دیکھا ہے تو آپؐ نے روزہ رکھ لیا۔
اور جس قدر امور دینیہ ہیں ان سب کا یہی حکم ہے اور
ان کا حال مثل روایت حدیث کے ہے۔ نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے
میں برکت ہے"۔

میں کہتا ہوں اس میں دو برکتیں ہیں ان میں سے
ایک اصلاح بدن سے تعلق رکھتی ہے کہ وہ خراب نہیں
ہوتا اور نہ وہ ضعیف ہوتا ہے کیونکہ ایک پورے دن
کا امساک روزہ کی مقدار ہے پس اس میں زیادتی
نہیں کرنی چاہئے، اور دوسری برکت تدبیر دینی سے
تعلق رکھتی ہے کہ دین کے اندر تعمق نہ ہو اور اس میں
تحریف اور تغیر داخل نہ ہو، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں
گے خیریت سے رہیں گے"۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "ہمارے اور اہل کتاب کے روزہ میں فرق
سحری کھانے کا ہے"۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا "میرے
سب بندوں میں میرے نزدیک وہ زیادہ محبوب
ہیں جو جلدی افطار کرتے ہیں"۔

میں کہتا ہوں یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس مسئلہ
میں اہل کتاب سے تحریف ہوگئی ہے پس ان کی مخالفت
کرنے اور انکی تحریف رد کرنے میں ملت اسلامی کا قیام
ہے، اور جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے روزہ پر روزہ
رکھنے سے منع فرمایا تو کسی نے عرض کیا کہ آپؐ تو پے درپے
روزہ رکھتے ہیں، آپؐ نے فرمایا تم میں سے مجھ سا کون ہے مجھ کو
اللہ تعالیٰ رات میں کھلاتا ہے اور پلاتا ہے،

لہ کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا
اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر ہیں؟
اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اے بلال! لوگوں میں اس بات کا اعلان
کردو کہ کل وہ روزہ رکھیں ۱۲۔

الكمال، وقوله صلى الله عليه وسلم
اذا سمع النداء احدكم الخ

اقول المراد بالنداء هو نداء
خاص اعني نداء بلال، وهذا
الحديث مختصر حديث ان بلالا
ينادي بليل، وقوله صلى الله عليه
وسلم اذا افطر احدكم فليفطر على
تمر فانه بركة فان لم يجد فليفطر
على ماء فانه طهور ؛

اقول الحلو يقبل عليه الطبع
لاسيما بعد الجوع ويحبه الكبد،
والعرب يميل طبعهم الى التمر، و
الميل في مثله اثر، فلاجرم انه
يصرفه في المحل المناسب من
البدن، وهذا نوع من البركة ؛

قوله صلى الله عليه وسلم من
فطر صائما او جهز غازيا فله مثل
اجره ؛

اقول من فطر صائما لانه صائم
يستحق التعظيم، فان ذلك صدقة
وتعظيم للصوم وصلة باهل الطاعة
فاذا تمثلت صورته في الصحف كان
متضمنا لمعنى الصوم من وجوه
فجوزي بذلك ؛

ومن اذكار الافطار: ذهب الظمأ
وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء
الله، وفيه بيان الشكر على الحالات
التي يستطيبها الانسان بطبيعته

میں کہتا ہوں صوم وصال سے منع کرنے کے دو سبب
ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ روزہ جان کی ہلاکت کا سبب نہ
ہو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور دوسرا سبب یہ ہے کہ
دین کی تحریف نہ ہو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات
کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ آپ ہلاک نہیں ہو سکتے کیونکہ
آپ کو قوت ملکیہ نوریہ سے تائید ہوتی رہتی ہے اور
آپ ہلاکت سے مامون ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
کے اس قول میں کہ "جس نے فجر سے پیشتر روزہ کی نیت
نہ کی اس کا روزہ نہیں ہوتا" اور اس قول میں جس وقت
آپ کو کھانا نہیں ملتا تھا کہ "میں اس وقت روزہ رکھنے والا
ہوں" کوئی تعارض نہیں، کیونکہ اول قول فرض روزہ کے
بارے میں ہے اور دوسرا نفل روزہ کے بارے میں ہے
اور نفی سے مراد نفی کمال ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی جب
اذان سنے اور اس کے ہاتھ میں برتن ہو تو جب تک اپنی
حاجت پوری نہ کرلے برتن نہ رکھے"

میں کہتا ہوں اذان سے مراد خاص اذان ہے یعنی حضرت
بلالؓ کی اذان اور یہ حدیث اس حدیث کا اختصار ہے
کہ "بلال رات میں اذان دیتا ہے"، نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص افطار کرے تو چھوارے
سے افطار کرے کیونکہ اس سے روزہ کھولنے میں برکت
ہے اور اگر چھوارے نہ ملے تو پانی سے افطار کرے کیونکہ
وہ پاک چیز ہے:

میں کہتا ہوں شیریں چیز کی طرف طبیعت کا میلان
ہوتا ہے بالخصوص بھوک لگنے کے بعد اور جگر شیریں چیز کو
پسند کرتا ہے اور عرب کے طبائع چھوارے کیطرف مائل ہوتی
ہیں اور ایسے امور میں میلان طبع کو ایک اثر ہوتا ہے پس لامحالہ
طبیعت اس شئی کو بدن کے ایک محل مناسب میں استعمال
کرلیتی ہے اور یہ ایک قسم کی برکت ہے،

او عقله معا، ومنها اللهم لك صمت
وعلى رزقك افطرت، وفيه تاكيد
الاخلاص في العمل والشكر على النعمة
وقوله صلى الله عليه وآله وسلم
لا يصوم احدكم يوم الجمعة الا
ان يصوم قبله او يصوم بعده، و
قوله صلى الله عليه وسلم لا تختصوا
ليلة الجمعة، الحديث.

اقول السر فيه شيئان، احدهما
سد التعمق لان الشارع لما خصه
بطاعات وبين فضله كان مظنة
ان يتعمق المتعمقون فيلحقون
بها صوم ذلك اليوم، وثانيهما تحقيق
معنى العيد، فان العيد يشعر بالفرح
واستيفاء اللذة، وفي جعله عيدا ان
يتصوروا عندهم انها من الاجتماعات
التي يرغبون فيها من طبائعهم من
غير تسر.

قوله صلى الله عليه وسلم
لا صوم في يومين الفطر والاضحى،
وقوله صلى الله عليه وسلم ايام
التشريق ايام اكل وشرب وذكر
الله.

اقول فيه تحقيق معنى العيد
وكبح عنانهم عن التنسك اليابس
والتعمق في الدين. قوله صلى الله
عليه وآله وسلم لا يحل لمراة ان
تصوم وزوجها شاهد الا باذنه.

اقول وذلك لان صومها مفوت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے روزہ دار کا روزہ افطار
کرایا یا کسی مجاہد کو سامان جنگ دیا تو اس شخص کو بھی صائم اور
مجاہد کے برابر اجر ملے گا"۔

میں کہتا ہوں جو شخص روزہ دار کا روزہ یہ سمجھ کر افطار کرائے
کہ روزہ دار تعظیم کا مستحق ہے تو اس کا یہ افطار کرانا ایک قسم کا صد
اور روزہ کی تعظیم اور اہل طاعت کے ساتھ سلوک کرنا ہے پس جب
اس کی صورت نامہ عمل میں متمثل ہوئی تو کئی طرح پر وہ صورت
روزہ کے معنی پر مشتمل تھی تو اس کو بھی روزہ کے ساتھ جزا دی
گئی، اور روزہ افطار کرتے وقت جن اذکار کا پڑھنا مسنون
ہے ان میں سے ایک یہ ہے: ذهب الظمأ وابتلت العروق
وثبت الاجر ان شاء الله، اور ان کلمات کے اندر ان
حالات پر شکر ہے جن کو انسان طبیعت اور عقل دونوں سے پسند
کرتا ہے،

اور ان اذکار میں سے یہ بھی ہے: اللهم لك صمت
وعلى رزقك افطرت، اس میں اخلاص عمل اور نعمت پر شکر
کرنے کی تاکید ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے
کوئی شخص جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے مگر وہ شخص جو اس سے
پہلے یا اس کے بعد رکھ لیا کرے"، اور آپ نے فرمایا "جمعہ
کی رات کو قیام کے ساتھ خاص نہ کرو" الحدیث،

میں کہتا ہوں اس میں دو حکمتیں ہیں ایک تو تعمق کا بن
کرنا کیونکہ جب شارع نے روز جمعہ کو عبادات کے لئے خاص کیا
اور اس کی فضیلت بیان کی تو اس میں یہ احتمال تھا کہ تعمق
کرنے والے تعمق کر کے اس دن میں روزہ کو عبادات میں
شمار کر لیں، دوسری حکمت عید کے معنی کا ثابت کرنا ہے کیونکہ
عید میں سرور اور لذت حاصل کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں
اور جمعہ کے عید قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ لوگوں کو اس بات کا
خیال رہے کہ جمعہ کے اندر اس قسم کا اجتماع ہوتا ہے جس کی طرف
انکے دل بغیر جبر کے راغب ہوتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دونوں ں روزہ رکھنا

لبعض حقه ومنغص عليه بشاشتها ونكاهتها ولا اختلاف بين قوله صلى الله عليه وآله وسلم الصائم المتطوع أمير نفسه ان شاء صام وان شاء افطر وقوله عليه الصلاة لعائشة وحفصة رضي الله عنهما اقضيا يوما آخر مكانه، اذ يمكن ان يكون المعنى ان شاء افطر مع التزام القضاء، وامرهما بالقضاء للاستحباب فان الوفاء بما التزمه اثلج للصدر، او كان امرا لهما خاصة حين رأى في صدرهما حرجا من ذلك كقول عائشة رضي الله عنها رجعوا بحج وعمرة ورجعت بحجة" فاعمرها من التنعيم، قوله صلى الله عليه وآله وسلم من نسي وهو صائم فأكل او شرب فليتم صومه فانما اطعمه الله وسقاه ۔

اقول انما عذر بالنسيان في الصوم دون غيره لان الصوم ليس له هيئة مذكرة بخلاف الصلاة والاحرام فان لهما هيئات من استقبال القبلة والتجرد عن المخيط، فكان احق ان يعذر فيه قوله صلى الله عليه وسلم لمن وقع على امرأته في نهار رمضان اعتق رقبة، الحديث ۔

اقول لما هجم على هتك حرمة شعائر الله وكان مبدؤه افراطا

جائز نہیں یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن، اور آپ نے فرمایا "ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں ۔"

میں کہتا ہوں اس کے اندر عید کے معنی کا ثابت کرنا اور خشک عبادت اور دین کے اندر تعمق کرنے سے ان کی طبیعت کو روکنا ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی عورت کو اپنے خاوند کی موجودگی میں بغیر اس کی اجازت کے روزہ رکھنا جائز نہیں ۔"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے روزہ رکھنے سے مرد کے بعض حقوق فوت ہوتے ہیں اور اس کی بشاشت اور خوشی میں خلل پڑتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ "نفل روزہ رکھنے والا اپنے دل کا مختار ہے چاہے روزہ رکھے اور چاہے افطار کرے، اور اس قول میں جو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ "اس کی بجائے دوسرے دن تم روزہ قضاء کر لینا" کچھ تعارض نہیں، کیونکہ اول قول کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اگر روزہ رکھنے والا چاہے تو اپنے اوپر قضاء لازم کر کے روزہ افطار کر لے اور دونوں بیبیوں کو بطور استحباب کے قضاء کا حکم دیا ہو کیونکہ جس چیز کو لازم کر لیا اس کے پورا کرنے سے ہی دل خوش ہوتا ہے یا آپ کا امر ان دونوں کے لئے مخصوص تھا جبکہ آپ نے اس سے ان کے دلوں کے لئے مخصوص تھا جبکہ آپ نے اس سے ان کے دلوں میں حرج محسوس کیا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا" لوگ حج وعمرہ کر کے واپس ہوئے اور میں فقط حج کر کے واپس ہوئی تو آپ نے حضرت عائشہ کو مقام تنعیم سے عمرہ کا حکم دیا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا لیا یا پی لیا تو وہ اپنے روزہ کو پورا کرلے کیونکہ اس کو خدا تعالےٰ نے کھلایا اور پلایا ہے ۔"

میں کہتا ہوں صرف روزہ کے اندر اللہ تعالےٰ نے نسیان کی وجہ سے آدمی کو معذور قرار دیا اور کسی عبادت میں وہ معذور قرار نہیں دیا گیا کیونکہ روزہ کے اندر کوئی ایسی ہیئت نہیں ہے جو روزہ یاد دلانے والی ہو بخلاف

طبيعيا وجب ان يقابل بإيجاب
طاعة شاقة غاية المشقة ليكون
بين يديه مثل ملك نيزجره
عن غلواء نفسه ولا اختلاف بين
حديث تسوكه صلے اللہ عليه
وسلم، وبين قوله عليه الصلاة
والسلام لخلوف فم الصائم اطيب
الحديث فان مثل هذا الكلام انما
يراد به المبالغة كانه قال انه محبوب
بحيث لو كان له خلوف لكان
محبوبا بالحبه، ولا اختلاف بين
قوله صلے اللہ عليه وسلم ليس
من البر الصيام في السفر ذهب
المفطرون بالاجر، وقوله صلے اللہ
عليه وسلم من كانت له حمولة
تاوى الى شبع فليصم رمضان
حيثما ادركه لان الاول فيما اذا
كان شاقا عليه مفضيا الى الضعف
والغشي كما هو مقتضے قول الراوي
قد ظلل عليه او كان بالمسلمين
حاجة لا تنجبر الا بالافطار، وهو قول
الراوي فسقط الصوامون وقام
المفطرون، او كان يرى في نفسه
كراهية الترخص في مظانه و
امثال ذلك من الاسباب. والثاني
فيما اذا كان السفر خاليا عن المشقة
التي يعتد بها، والاسباب التي ذكرنا
ولا اختلاف بين قوله صلے اللہ عليه
وسلم من مات وعليه صوم صام

نماز اور احرام کے کیونکہ ان دونوں کی ہیئت مثلاً استقبال
قبلہ اور بے سلا ہوا کپڑہ پہننا ہیئت مذکورہ ہے اس واسطے
روزہ کی حالت میں معتذر رکھنا مناسب ہوا، نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جس نے روزہ کے دن میں
اپنی عورت سے مجامعت کر لی تھی فرمایا "ایک غلام آزاد
کر، الحدیث،

میں کہتا ہوں اس نے چونکہ شعائر الٰہی کی حرمت
کا ہتک کیا تھا اور اس کا مبدا، افراط طبعی تھا اس واسطے
اس کے مقابلہ میں نہایت سخت، و شاق عبادت واجب
ہوئی تاکہ اس کے سامنے اس کی صورت پیش رہے اور
نفس کی سرکشی سے اسکو باز رکھے۔ اور اس حدیث میں کہ
نبی صلے اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں مسواک کرتے
تھے، اور آپ کے اس فرمان میں کہ "روزہ دار کے منہ
کی بو خدا تعالے کو مشک کی بو سے زیادہ پسندیدہ
ہے" کچھ تعارض نہیں ہے کیونکہ ایسے کلام سے مبالغہ
مقصود ہوتا ہے گویا آپ نے یہ فرمایا کہ وہ خدا تعالے
کو ایسا محبوب ہے کہ اگر اس کے منہ کی بو بھی ہوتی تو
وہ بھی اس کی محبت کیوجہ سے اچھی معلوم ہوتی۔ اور
نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں "سفر میں روزہ
رکھنا اچھا نہیں ہے، جو لوگ روزہ نہیں رکھتے وہ اجر
والے ہیں" اور آپ کے اس فرمان میں "جس شخص کے
پاس سواری موجود ہو منزل تک اس کو آرام سے پہونچا
سکے تو رمضان کو جس جگہ چاہے روزہ رکھے کچھ تعارض
نہیں ہے کیونکہ اول قول اس شخص کے حق میں ہے
جس کو روزہ رکھنا شاق ہو جس سے ضعف اور غشی
تک نوبت پہنچے جیساکہ راوی کے اس قول سے معلوم
ہوتا ہے کہ اس پر سایہ کر دیا گیا تھا یا مسلمانوں کو
ایسی ضرورت در پیش ہے جو بغیر افطار کے سرانجام نہیں
پا سکتی جیساکہ راوی کا قول ہے کہ روزہ دار گر پڑے

عنه وليه، وقوله عليه الصلاة و
السلام فيه ايضا فليطعم عنه مكان
كل يوم مسكينا اذ يجوز ان يكون
كل من الامرين مجزئا، والسر
فى ذلك شيئان احدهما راجع
الى الميت فان كثيرا من النفوس
المفارقة اجسادها تدرك ان
وظيفة من الوظائف التى يجب
عليها وتؤاخذ بتركها فاتت منها
فتتألم ويفتح ذلك بابا من
الوحشة، فكان الحدب على مثله
ان يقوم اقرب الناس منه و
اولاهم به فيعمل عملا على قصد
ان يقع عنه فان همته تلك تفيد
كما فى القرابين، او يفعل فعلا اخر
مثله، وكذلك حال من مات قد
اجمع على صدقة تصدق عنه
وليه. وقد ذكرنا فى الصلاة على
الميت ما اذا عطف على صدقة
الاحياء للاموات انعطف، والثانى
راجع الى الملة، وهو التاكيد البالغ
ليعلموا ان الصوم لا يسقط بحال
حتى الموت.

اور بے روزہ کھڑے ہو گئے یا کوئی شخص اپنے دل میں اس
رخصت کو مکروہ سمجھتا ہے اور اسی قسم کے دیگر اسباب
کی صورت میں یہ حکم ہے، اور دوسرا قول اس صورت
میں ہے کہ جب سفر میں چنداں مشقت نہ ہو اور اسباب
مذکورہ سے خالی ہو، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس
قول میں "جس شخص کے ذمہ کوئی روزہ ہو اور وہ
مرجائے تو اس کی طرف سے اس کا وارث روزہ رکھے" اور
اسی کے بارے میں آپ کے اس قول میں "پس اس کو
چاہیئے کہ ہر دن کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے کیونکہ
دونوں باتوں کا کافی ہونا ممکن ہے، اور اس میں دو راز
ہیں ایک تو میت کے اعتبار سے ہے کیونکہ بہت سے نفوس
جو اپنے جسموں سے مفارقت کرتے ہیں اور اس بات کا
ادراک کرتے ہیں کہ عبادت میں سے کوئی سی عبادت جو
ان پر واجب تھی اور جس کے ترک کرنے سے ان سے
مؤاخذہ کیا جاتا ہے ان سے فوت ہو گئی ہے پس ان کو
رنج والم ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان پر وحشت کا دروازہ
کھل جاتا ہے ایسی حالت میں ان پر بڑی شفقت یہ ہے
کہ لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ اس میت کا قریبی ہے
یعنی وہ اس کا ساعمل کرے اور اس بات کا قصد کرے کہ وہ
یہ عمل اسی کی طرف سے کرتا ہے کیونکہ اسکی ہمت اس امر میں
مفید ہوگی جیسا کہ قرابت داروں میں ہوتا ہے یا کوئی دوسرا
کام اسی کام کے مثل کرے، اور ایسا ہی حال اس شخص
کا ہے جس نے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ بغیر
صدقہ کئے مرگیا تو اس کا وارث اس کی طرف سے صدقہ کرے،

اور ہم نے نماز جنازہ میں یہ بات بیان کر دی ہے کہ جب زندہ لوگ مردوں کی طرف سے صدقہ دیتے
ہیں تو ان کو نفع پہنچتا ہے، اور دوسرا راز دین کے اعتبار سے ہے اور وہ نہایت درجہ تاکید کرنا ہے
تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ روزہ کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتا حتیٰ کہ مرنے سے بھی۔

امور تتعلق بالصوم

اعلم ان كمال الصوم انما هو
تنزيهه عن الافعال والاقوال الشهوية
والسبعية والشيطانية فانها
تذكر النفس الاخلاق الخسيسة
وتهيجها لهيأت فاسدة والاحتراز
عما يفضي الى الفطر ويدعو اليه فمن
الاول قوله صلى الله عليه وسلم
فلا يرفث ولا يصخب فان سابه
احد او قاتله فليقل اني صائم، و
قوله صلى الله عليه وسلم من
لم يدع قول الزور والعمل به
فليس لله حاجة في ان يدع طعامه
وشرابه، والمراد بالنفي نفي الكمال
ومن الثاني افطر الحاجم والمحجوم،
فان المحجوم تعرض للافطار
من الضعف، والحاجم لانه لا يامن
من ان يصل شئ الى جوفه بمص
الملازم، والتقبيل والمباشرة،
وكان الناس قد افرطوا وتعمقوا
وكادوا ان يجعلوه من مرتبة
الركن فبين النبي صلى الله عليه
وسلم قولا وفعلا انه ليس
مفطرا ولا منقصا للصوم، واشعر
بانه ترك الاولى في حق غيره بلفظ
الرخصة، واما هو فكان مامورا
ببيان الشريعة فكان هو الاولى

روزہ سے متعلق امور کا بیان

واضح ہو کہ روزہ کا کمال یہ ہے کہ وہ افعال اور اقوال
شہوانیہ سبعیہ اور شیطانیہ سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ یہ امور
نفس کو اخلاق رذیلہ یاد دلاتے ہیں اور اوصاف قبیحہ
کے لئے نفس کو برانگیختہ کرتے ہیں اور جو چیزیں روزہ
ٹوٹنے کے دواعی اور اسباب ہیں ان سے محفوظ رکھتا ہے
پس اول کی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "
"پس بیہودہ گفتگو نہ کرے اور شور نہ مچائے اگر کوئی اس
کو گالی دے یا اس سے لڑے تو اس کو یہ کہنا چاہیئے
کہ میں روزہ سے ہوں"! اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "جو شخص روزہ میں جھوٹ بات کہنے اور
اس پر عمل کرنے سے باز نہ آئے تو خدا تعالے کو
اس کے کھانا پینا ترک کرنے کی کوئی حاجت نہیں" یہاں
نفی سے مراد کمال کی نفی کرنا ہے، اور دوسرے
امر کے متعلق آپ نے فرمایا "پچھنے لگانے والا اور
لگوانے والا دونوں نے روزہ افطار کر لیا" کیونکہ
پچھنے لگوانے والا تو ضعف کے سبب سے افطار کے
لئے آمادہ ہو گیا اور لگانے والا اس سے محفوظ نہیں
رہتا کہ چوسنے سے کوئی چیز اس کے پیٹ میں چلی جائے
اور بوسہ لینا اور مباشرت کرنا بھی اسی قبیل سے
ہے اور لوگوں نے اس کے اندر زیادہ افراط اور تعمق کر لیا
تھا اور اس سے بچنے کو رکن کے درجہ میں سمجھنے لگے تھے
اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قول و فعل
سے اس بات کو بیان کر دیا کہ اس سے نہ روزہ ٹوٹتا
ہے اور نہ اس سے روزہ کو کوئی نقصان پہنچتا ہے
اور لفظ رخصت سے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ آپ
کے سوا دوسرے کیلئے یہ ترک اولیٰ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ

فی حقه وکذا سائر ما تنزل فیه عن درجة المحسنین الی درجة عامة المؤمنین، واللّٰہ اعلم۔

واختلفت سنن الانبیاء علیهم السلام فی الصوم فکان نوح علیه السلام یصوم الدهر، وکان داؤد علیه السلام یصوم یوما ویفطر یوما، وکان عیسیٰ علیه السلام یصوم ویفطر یومین او ایاما، وکان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی خاصة نفسه یصوم حتی یقال لا یفطر ویفطر حتی یقال لا یصوم ولم یکن یستکمل صیام شهر الا رمضان وذلک ان الصیام تریاق والتریاق لا یستعمل الا بقدر المرض، وکان قوم نوح علیه السلام اشد ید الامزجة حتی روی عنهم ما روی وکان داؤد علیه السلام ذا قوة ورزانة، وهو قوله صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم وکان لا یفر اذا لاقی وکان عیسیٰ علیه السلام ضعیفا فی بدنه فارغا لا اهل له ولا مال، فاختار کل واحد ما یناسب الاحوال، وکان نبینا صلی اللّٰہ علیه وسلم عارفا بفوائد الصوم والافطار مطلعا علی مزاجه وما یناسبه فاختار بحسب مصلحة الوقت ما شاء واختار لامته صیاما منها یوم عاشوراء

وسلم چونکہ بیان شریعت پر مامور تھے اس لئے آپ کے حق میں ان کا کرنا اولیٰ تھا اور یہی حال ان سب چیزوں کا ہے جن میں محسنین سے درجے نزول ہوکر عامۂ مؤمنین کے درجہ کی طرف نوبت پہنچتی ہے واللہ اعلم

روزہ کے اندر انبیاء علیہم السلام کے طریقے مختلف رہے ہیں پس نوح علیہ السلام ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک روز روزہ رکھتے تھے اور دو روز یا کئی روز افطار کرتے تھے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم بذات خود کبھی اس قدر روزہ رکھتے تھے کہ یہ کہا جاتا تھا کہ آپ افطار نہیں کریں گے اور کبھی اس قدر افطار کرتے تھے کہ گویا آپ روزہ نہ رکھیں گے اور بجز رمضان کے مہینہ کے آپ پورا مہینہ روزہ نہ رکھتے تھے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ روزہ تریاق ہے اور تریاق کا استعمال بقدر مرض ہوتا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی امت بڑی مضبوط تھی حتیٰ کہ ان کے بڑے بڑے حالات مروی ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام نہایت قوی اور مضبوط آدمی تھے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کسی سے بھڑ جاتے تھے تو بھاگتے نہ تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضعیف البدن فارغ البال تھے نہ ان کے گھر تھا اور نہ مال پس ان میں سے ہر ایک نے جو صورت مناسب حال دیکھی اس کو اختیار کر لیا اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے فوائد سے خوب واقف تھے اور اپنے مزاج اور اس کے مناسب امور سے خوب مطلع تھے پس مصلحت وقت کے موافق جو مناسب سمجھا اس کو اختیار کر لیا اور اپنی امت کے لئے بھی چند روزے پسند فرمائے،

از آں جملہ عاشورہ کے دن کا روزہ ہے اور تلی

والسر مشروعيته انه وقت نصر الله
تعالى موسى عليه السلام على فرعون
وقومه، وشكر موسى بصوم ذلك
اليوم وصار سنة بين اهل الكتاب
والعرب فاقره رسول الله صلى الله
عليه وسلم، ومنها صوم عرفة،
السر فيه انه تشبه بالحاج وتشوق
اليهم وتعرض للرحمة التي تنزل عليهم وسر فضله على صوم
يوم عاشوراء انه اخوض في لجة الرحمة
النازلة ذلك اليوم، والثاني تعرض
للرحمة التي مضت وانقضت نعم
النبي صلى الله عليه وسلم الى
ثمرة الخوض في لجة الرحمة وهي
كفارة الذنوب السابقة والنبوة
عن الذنوب اللاحقة بان لا يقبلها
صميم قلبه فجعلها بصوم عرفة
ولم يصمه رسول الله صلى الله عليه
وسلم في حجته لما ذكرنا في التضحية
وصلاة العيد من ان مبناها
كلها على التشبه بالحاج وانما
المتشبهون غيرهم. ومنها ستة
الشوال، قال صلى الله عليه وسلم
من صام رمضان فاتبعه ستا
من شوال كان كصيام الدهر كله،
والسر في مشروعيتها انها بمنزلة
السنن الرواتب في الصلاة تكمل
فائدتها بالنسبة الى امزجة لم
تتام فائدتها بهم، وانما خص
في بيان فضله التشبه بصوم الدهر

مشروعیت میں یہ حکمت ہے کہ وہ ایسا وقت ہے کہ خدا تعالیٰ
نے فرعون اور اس کی قوم کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ
علیہ السلام کی مدد فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے اس دن روزہ رکھ کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا
اور یہ روزہ اہل کتاب اور عرب میں مروج تھا پس
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو برقرار رکھا
ازانجملہ عرفہ کے دن کا روزہ ہے اس میں راز یہ ہے
کہ اس روزہ سے حاجیوں کے ساتھ مشابہت اور ان
کی طرف شوق اور اس رحمت کی امید ہوتی ہے جو ان پر
نازل ہوتی ہے اور عاشوراء کے روزہ پر اس روزہ کو
فضیلت حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عرفہ کا روزہ رکھنا
اس رحمت کے دریا میں غوطہ لگانا ہے جو اس روز بندوں
پر نازل ہوتی ہے اور عاشوراء کے دن روزہ رکھنے میں
اس رحمت کی امید ہوتی ہے جو گذر چکی، پس نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے رحمت الٰہی کے دریا میں غوطہ لگانے کے
ثمرہ کی طرف ملاحظہ کیا اور وہ ثمرہ سابقہ گناہوں کا مٹ
جانا اور آئندہ گناہوں سے دور رہنا ہے بایں معنی کہ
آدمی کا دل ان کو قبول نہیں کرتا پس یہ ثمرہ آپ نے عرفہ
کے روزہ میں مقرر کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اپنے حج میں عرفہ کا روزہ نہیں رکھا اس کی
وجہ وہی ہے جو قربانی اور عید کی نماز میں ہم ذکر
کر چکے ہیں کہ ان سب کی بنیاد حجاج کے ساتھ مشابہت
پیدا کرنے پر ہے اور مشابہت وہی لوگ پیدا کر سکتے
ہیں جو حجاج نہیں ہیں،

ازاں جملہ ماہ شوال کے چھ روزے ہیں نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے رمضان کے روزے
رکھے اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے
تمام سال روزے رکھے" اور ان روزوں کی مشروعیت
میں یہ راز ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے فرض نمازوں میں سنتیں

لان من القواعد المقررة ان الحسنة بعشر امثالها، وبهذه الستة يتم الحساب، ومنها ثلاثة من كل شهر لانها بحساب كل حسنة بعشر امثالها تضاهي صيام الدهر، ولان الثلاثة اقل حد الكثرة، وقد اختلفت الرواية في اختيار تلك الايام، فورد يا اباذر اذا صمت من الشهر الثلاثة فصم ثلاث عشرة واربع عشرة وخمس عشرة،

وورد كان يصوم من الشهر السبت والاحد والاثنين، ومن الشهر الأخر الثلاثاء والاربعاء والخميس وورد من غرة كل شهر ثلاثة ايام، وورد انه امر ام سلمة بثلاثة اولها الاثنين والخميس، ولكل وجه،

واعلم ان ليلة القدر ليلتان احدهما ليلة فيها يفرق كل امر حكيم، وفيها نزل القرآن جملة واحدة ثم نزل بعد ذلك نجما نجما، وهي ليلة في السنة، ولايجب ان تكون في رمضان، نعم رمضان مظنة غالبة لها، واتفق انها كانت في رمضان عند نزول القرآن، و الثانية يكون فيها نوع من انتشار الروحانية ومجئ الملائكة الى الارض فيتفق المسلمون فيها

کا درجہ ہے جن کی وجہ سے ان لوگوں کے فائدہ کی تکمیل ہو جاتی ہے جو اصل نماز سے پورہ فائدہ حاصل نہیں کرتے، اور ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات کہ "وہ پورے سال روزہ رکھنے کے برابر ہے" اس واسطے مخصوص کی کہ قواعد مقررہ میں سے یہ امر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا ہو جاتا ہے،

ازاں جملہ ہر ماہ میں تین روزوں کا رکھنا ہے کیونکہ وہ بھی ایک نیکی کے دس گنا اجر کے حساب سے سال بھر کے روزوں کے برابر ہیں اور یہ بھی بات ہے کہ کثرت کا ادنیٰ درجہ تین ہے اور ان ایام کے اختیار کرنے میں مختلف روایات وارد ہیں پس ایک روایت میں آیا ہے" اے ابوذر! جب تو مہینہ میں تین روزے رکھے تو مہینہ کی تیرہویں اور چودہویں اور پندرہویں کو روزہ رکھا کر" اور ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ میں ہفتہ اور اتوار اور پیر کو روزہ رکھتے تھے اور دوسرے مہینہ میں منگل اور بدھ اور جمعرات کے دن روزے رکھا کرتے تھے اور ہر مہینہ کی پہلی تاریخ سے لیکر تین دن تک روزہ رکھنا بھی آیا ہے، اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ کو تین دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا تھا جن کا پہلا دن پیر اور جمعرات تھا اور ہر ایک کی ایک وجہ ہے،

واضح ہو کہ شب قدر کی دو راتیں ہیں ایک تو وہ رات ہے جس میں تمام امور حکیمہ کی تقسیم ہوتی ہے اور اسی رات میں پورا قرآن شریف یکبارگی پہلے آسمان پر اترا ہے پھر تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اور یہ سال بھر میں ایک رات ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ رمضان ہی میں ہو ہاں، رمضان میں اس کے پائے جانے کا ظن غالب ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ جس سال قرآن اترا ہے اس سال یہ رات رمضان کے مہینہ میں واقع ہوئی

على الطاعات فتتعاكس انوارهم فيما بينهم ويتقرب منهم الملائكة ويتباعد منهم الشياطين ويستجاب منهم ادعيتهم وطاعاتهم، وهي ليلة في كل رمضان في اوتار العشر الاواخر تتقدم وتتاخر فيها ولا تخرج منها، فمن قصد الاولى قال هي في كل السنة ومن قصد الثانية قال هي في العشر الاواخر من رمضان، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ارى رؤيا قد تواطات في السبع الاواخر فمن كان متحريها فليتحرها في السبع الاواخر، وقال اريت هذه الليلة ثم انسيتها وقد رايتني اسجد في ماء وطين، فكان ذلك في ليلة احدى وعشرين، واختلاف الصحابة فيها مبني على اختلافهم في وجدانها ؛

وَمِنْ أَدْعِيَةِ مَنْ وَجَدَهَا

اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عني، ولما كان الاعتكاف في المسجد سببا لجمع الخاطر وصفاء القلب والتفرغ للطاعة والتشبه بالملائكة والتعرض لوجدان ليلة القدر اختاره النبي صلى الله عليه وآله وسلم في العشر الاواخر وسنه للمحسنين من امته قالت عائشة رضي الله عنها السنة على المعتكف

تھی ،

اور دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا ایک قسم کا پھیلاؤ ہوتا ہے اور ملائکہ مقربین زمین کی طرف آتے ہیں پس مسلمان اس شب میں عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں اور باہم ان کے انوار کا سایہ ایک دوسرے پر پڑتا ہے، اور ملائکہ ان کے پاس آتے ہیں اور شیاطین ان سے دور بھاگتے ہیں اور ان کی دعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں، اور یہ رات ہر رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے لیکن عشرہ اخیرہ سے باہر نہیں ہوتی، پس جو شخص شب قدر سے پہلی شب مراد لیتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ شب قدر سال بھر میں کبھی نہ کبھی ہوتی ہے اور جو شخص شب قدر سے دوسری شب مراد لیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہارے خواب کو ستائیسویں شب میں متفق پاتا ہوں پس جو اس کو تلاش کرے تو اخیر ہفتہ میں تلاش کرے" اور آپ نے فرمایا "مجھے یہ رات دکھائی گئی پھر میں اس کو بھول گیا اور میں نے اپنے آپ کو پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے دیکھا"

اور یہ بات یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پانی اور مٹی کا اثر اکیسویں شب کی صبح کو لوگوں نے دیکھا اور صحابہ کے درمیان شب قدر کے بارے میں اختلاف اس کے دیکھنے کی وجہ سے ہوا ہے،

جو شخص شب قدر کو دیکھے اس کو یہ دعا پڑھنی چاہیئے

اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی،

اور چونکہ مسجد کے اندر اعتکاف کرنا دل جمعی اور قلب کی صفائی اور عبادت کیلئے فراغت اور ملائکہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے اور شب قدر پانے کیلئے منتظر رہنے کا سبب تھا اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو عشرہ اخیرہ میں پسند فرمایا اور اپنی امت کے محسنین کیلئے

ان لا يعود مريضا ولا يشهد جنازة ولا يمس المرأة ولا يباشرها، ولا يخرج الا لحاجة الا ما لا بد منه ولا اعتكاف الا بصوم ولا اعتكاف الا في مسجد جامع۔

اقول وذلك تحقيقا لمعنى الاعتكاف وليكون الطاعة لها بال ومشقة على النفس ومخالفة للعادة، والله اعلم۔

اس کو مسنون فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "معتکف کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ کسی مریض کی عیادت کو نہ جائے اور نہ کسی کے جنازہ میں شریک ہو اور نہ عورت کو ہاتھ لگائے اور نہ اس سے مباشرت کرے اور نہ بغیر ضرورت کے مسجد سے باہر آئے، اور بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں ہوتا اور نہ ہی مسجد جامع کے سوا کہیں اعتکاف ہوتا ہے"

میں کہتا ہوں ایسا کرنا اعتکاف کے معنی ثابت کرنے کے لئے ہے اور تاکہ عبادت کی قدر ہو اور نفس پر مشقت ہو اور عادت کی مخالفت پائی جائے۔ واللہ اعلم

من ابواب الحج

المصالح المرعية في الحج امور، منها تعظيم البيت فانه من شعائر الله وتعظيمه هو تعظيم الله تعالى ومنها تحقيق معنى العرضة فان لكل دولة وملة اجتماعا يتوارده الاقاصي والاداني ليعرف فيه بعضهم بعضا، ويستفيدوا احكام الملة ويعظموا شعائرها والحج عرضة المسلمين وظهور شوكتهم واجتماع جنودهم وتنويه ملتهم، وهو قوله تعالى واذ جعلنا البيت مثابة للناس وامنا، ومنها موافقة ما توارث الناس عن سيدنا ابراهيم واسمعيل عليهما السلام فانهما اماما الملة الحنيفية ومشرعاها للعرب، والنبي صلى الله عليه وسلم

حج کی تفصیلات

حج کے اندر جن مصلحتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ چند امور ہیں از انجملہ تعظیم بیت اللہ ہے کیونکہ وہ شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم خدا تعالیٰ کی تعظیم ہے، اور از انجملہ اجتماع کے معنی کا ثابت کرنا ہے کیونکہ ہر دولت اور ہر ملت کے لئے ایک اجتماع کا دن ہوتا ہے جس میں ادنیٰ اور اعلیٰ سب جمع ہوتے ہیں تاکہ ایک دوسرے کی معرفت حاصل کریں اور دین کے احکام سیکھیں اور اس کے شعائر کی تعظیم کریں، اور حج مسلمانوں کے اجتماع کا اور ان کی عظمت کے ظاہر ہونے کا اور ان کے لشکروں کے جمع ہونے کا اور دین کی تعظیم کا دن ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اور جبکہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کا مرجع اور ان کے لئے امن کی جگہ بنایا"

اور از انجملہ اس دستور کے ساتھ موافقت کرنا ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام سے لوگوں میں چلا آتا ہے کیونکہ وہ دونوں ملت حنیفیہ کے

بعث لتظهر به الملة الحنيفية وتعلو به كلمتها، وهو قوله تعالى ملة ابيكم ابراهيم فمن الواجب المحافظة على ما استفاض عن امامها كخصال الفطرة ومناسك الحج، وهو قوله صلى الله عليه وسلم قفوا على مشاعركم فانكم على ارث من ارث ابيكم ابراهيم، ومنها الاصطلاح على حال يتحقق بها الرفق لعامتهم وخاصتهم كنزول منى، والمبيت بمزدلفة فانه لولم يصطلح على مثل هذا الشق عليهم، ولو لم يسجل عليه لم تجتمع كلمتهم عليه مع كثرتهم وانتشارهم، ومنها الاعمال التي تعلن بان صاحبها موحد تابع للحق متدين بالملة الحنيفية شاكر لله على ما انعم على اوائل هذه الملة كالسعي بين الصفا والمروة، ومنها ان اهل الجاهلية كانوا يحجون وكان الحج اصل دينهم ولكنهم خلطوا اعمالا ما هو ماثورة عن ابراهيم عليه السلام، وانما هي اختلاق منهم وفيها اشراك لغير الله كتعظيم اساف ونائلة، وكالاهلال لمناة الطاغية، وكقولهم في التلبية لا شريك لك الا شريكا هو لك، ومن حق هذه الاعمال ان ينهى عنها ويؤكد في

امام اور عرب کے لئے اس کے احکام مقرر کرنے والے ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اسی ملت کو ظاہر کرنے کے لئے اور سب ملتوں پر اس کو غالب کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے "تمہارے باپ ابراہیم کی ملت"۔ پس اس کے اماموں سے جو طریقہ چلا آتا ہے اس کی حفاظت کرنا ضروری ہوا جیسے فطرت کے خصائل اور امور حج۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اپنے مشاعر پر قائم رہو کیونکہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کے ورثہ میں سے تم کو یہ ورثہ ملا ہے۔

اور ازانجملہ ایک ایسے امر کا پایا جانا ہے جس میں ہر خاص و عام کے لئے سہولت ہے جیسے منیٰ میں اترنا اور مزدلفہ میں رات کو قیام کرنا، کیونکہ اگر ایسی بات مقرر نہ کیجاتی تو ان کو سخت دشواری پیش آتی اور اگر اس کی تاکید نہ کی جاتی تو باوجود اس کثرت اور انتشار کے سب لوگ ایک بات پر متفق نہ ہوتے۔

اور ازانجملہ ایسے اعمال ہیں جن سے ان کے کرنے والے کا موحد ہونا اور حق کا تابع ہونا اور ملت حنیفی کا پابند ہونا اور اس ملت کے پیشواؤں پر جو کچھ خدا تعالے نے احسان کیا ہے اس پر خدا تعالے کا شکر گذار ہونا معلوم ہوتا ہے جیسے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا،

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اہل جاہلیت حج کیا کرتے تھے اور حج ان کے دین کے اصول میں سے تھا لیکن انہوں نے اس کے اندر ایسے اعمال کو، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول نہیں تھے اور انہوں نے ان کو از خود پیدا کیا تھا شامل کر لیا تھا اور ان اعمال میں شرک پایا جاتا تھا جیسے اساف و نائلہ کی تعظیم اور مناۃ طاغیہ کے لئے احرام باندھنا اور جیسے تلبیہ میں ان کا یہ کہنا: لا شریک لک الا شریکا ھو لک، اور یہ اعمال ایسے تھے جن سے نہایت تاکید کے ساتھ رد کرنا

ذلك، واعمالا انتحلوها فخرا وعجبا
كقول حمس، نحن قطان الله فلا
نخرج من حرم الله فنزل ثم
افيضوا من حيث افاض الناس،
وكذكرهم اباءهم ايام منى فنزل
فاذكروا الله كذكركم اباءكم او
اشد ذكرا، ولما استشعر الانصار
هذا الاصل تحرجوا في السعي بين
الصفا والمروة من شعائر الله، و
منها انهم كانوا ابتدعوا قياسات
فاسدة هي من باب التعمق
في الدين، وفيها حرج للناس ومن
حقها ان تنسخ وتهجر كقولهم يجتنب
المحرم دخول البيوت من ابوابها
وكانوا يتسورون من ظهورها
ظنا منهم ان الدخول من الباب
ارتفاق ينافي هيئة الاحرام فنزل
وليس البر بان تاتوا البيوت من
ظهورها، وككراهيتهم في التجارة
موسم الحج ظنا منهم انها تخل
باخلاص العمل لله، فنزل ولا جناح
عليكم ان تبتغوا فضلا من ربكم
وكاستحبابهم ان يحجوا بلا زاد، و
يقولوا نحن المتوكلون وكانوا
يضيقون على الناس ويعتدون،
فنزل فتزودوا فان خير الزاد التقوى
وكقولهم من افجر الفجور العمرة
في ايام الحج، وقولهم اذا انسلخ
صفر وبرا الدبر وعفا الاثر حلت

ضروری تھا، اور بعض اعمال ایسے تھے جن کو وہ بطور فخر
اور خود پسندی کے اپنی طرف سے کیا کرتے تھے جیسے قریش
کا یہ کہنا کہ ہم خدا تعالٰے کے ہمسایہ ہیں اس واسطے ہم اللہ
تعالٰے کے حرم سے نہ نکلیں گے اس لئے یہ آیت کریمہ
نازل ہوئی "پھر تم چلو جس راستہ سے لوگ چلدیئے" اور
جیسے ایام منیٰ میں وہ لوگ اپنے آباء واجداد کی بڑائیاں
بیان کیا کرتے تھے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی: "خدا
تعالٰے کی یاد ایسی کیا کرو جیسے اپنے دادا کا ذکر کیا کرتے
ہو یا اس سے بھی زیادہ" اور جب انصار کو یہ اصل
معلوم ہوئی تو انہوں نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی
کرنے سے عذر کیا یہانتک کہ یہ آیت نازل ہوئی "صفا اور
مروہ خدا تعالٰے کی نشانیوں میں سے ہیں"

اور ازانجملہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی طرف سے قیاسات
فاسدہ ایجاد کر رکھے تھے جو دین میں رائے زنی کے قبیل
سے تھے اور جن سے لوگوں کو بڑی دقت تھی اور وہ اس
قابل تھے کہ ان کو مٹایا جائے اور ترک کیا جائے جیساکہ
ان کا یہ کہنا کہ محرم گھر کے دروازوں سے داخل نہ ہوں اور پشت
کی طرف سے چڑھ کر گھروں میں آیا کرتے تھے یہ سمجھ کر کہ دروازہ
سے مکان کے اندر آنا ایک ایسا ارتفاق ہے جو احرام کی ہیئت
کے منافی ہے اسواسطے یہ آیت نازل ہوئی "پشت کی طرف
سے تمہارا گھروں میں آنا کچھ بھلائی کی بات نہیں ہے" اور
جیساکہ ایام حج میں خرید و فروخت کو برا جاننا اس خیال
سے کہ ایام حج میں تجارت کرنا اخلاص عمل کے منافی ہے
پس یہ آیت نازل ہوئی "اپنے پروردگار سے فضل کی تلاش
میں تم پر کچھ مضائقہ نہیں" اور جیساکہ بغیر سامان کے
حج کرنا مستحب سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو توکل کرنے والا
کہتے تھے اور لوگوں پر تنگی اور زیادتی کرتے تھے پس یہ آیت
نازل ہوئی "اور راستہ کے لئے سامان لے لو البتہ بہتر
سامان بچاؤ کرنا ہے" اور جیساکہ ان کا یہ کہنا کہ حج کے

العمرة لمن اعتمر، وفی ذلك حرج للآفاق حیث یحتاجون الی تجدید السفر للعمرة، فامرهم النبی صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع ان یخرجوا من الاحرام بعمرة ویحجوا بعد ذلك، وشدد الامر فی ذلك ینكلهم علی عادتهم وما ركن فی قلوبهم، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا ایها الناس قد فرض علیكم الحج فحجوا فقال رجل اكل عام یا رسول؟ فسكت حتی قالها ثلاثا، فقال لو قلت نعم لوجبت ولما استطعتم:

اقول سره ان الامر الذی یعد لنزول وحی الله بتوقیف خاص هو اقبال القوم علی ذلك وتلقی علومهم وهممهم له بالقبول وكون ذلك القدر هو الذی اشتهر بینهم وتداولوها، ثم عزیمة النبی صلی الله علیه وسلم وطلبه من الله، فاذا اجتمعا لا بد ان ینزل الوحی علی حسبه، ولذلك عبرة بان الله ما انزل كتابا الا بلسان قومه وبما یفهمونه ولا القی علیهم حكما ولا دلیلا الا مما هو قریب من فهمهم كیف ومبنی الوحی اللطف، وانما اللطف اختیار اقرب ما یمكن هنالك للاجابة، وقیل، ای الاعمال افضل؟ قال الایمان بالله ورسوله

احرام میں عمرہ کرنا بڑا سخت گناہ ہے اور ان کا یہ کہنا جب صفر کا مہینہ گذر جائے اور اونٹوں کی پشت اچھی ہو جائیں اور سفر کے آثار جاتے رہیں تو عمرہ کرنے والے کے لئے عمرہ کرنا درست ہو گیا اور اس میں دور دراز سے آنیوالوں کے لئے بڑی دقت تھی کیونکہ عمرہ کے لئے ان کو دوبارہ سفر کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اس بات کا حکم دیا کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھیں اس کے بعد حج کریں اور اس امر میں بہت سختی کی اور ان کی عادت پر اور جو چیز ان کے دلوں میں پیوست ہو گئی اس پر نہایت توبیخ کی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے لوگو! خدا تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے پس تم حج کرو، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر سال؟ آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا پس آپ نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہدیتا تو ہر سال کے لئے واجب ہو جاتا اور تم سے ادا نہ ہوتا"۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ وہ بات جو کسی خاص وقت پر وحی الٰہی نازل ہونے کا تقاضا کرتی ہے وہ لوگوں کا ایک امر پر متوجہ ہونا اور ان کے علوم اور ان کی ہمتوں کا اس امر کو قبول کر لینا اور اس مقدار کا لوگوں میں مشہور اور متداول ہونا پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قصد کرنا اور خدا تعالےٰ سے اس کا طلب کرنا ہوتا ہے پس جب یہ دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں تو اس کے موافق وحی کا نازل ہونا ضروری ہو جاتا ہے اور یہ بات تم اس سے معلوم کر سکتے ہو کہ خدا تعالےٰ نے کوئی کتاب ایسی نازل نہیں کی جو اس قوم کی زبان میں نہ ہو اور جس کو وہ سمجھتے نہ ہوں اور کوئی دلیل اور کوئی حکم ایسا بیان نہیں کیا جو قریب الفہم نہ ہو، اور یہ ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ وحی کا مدار خدا تعالےٰ کی عنایت پر ہے اور عنایت اس

قيل ثم ماذا؟ قال الجهاد في سبيل
الله، قيل ثم ماذا؟ قال حج مبرور
ولا اختلاف بينه وبين قوله
صلى الله عليه وآله وسلم في
فضل الذكر الا انبئكم بافضل اعمالكم
لان الفضل يختلف باختلاف الاعتبار و
والمقصود ههنا بيان الفضل باعتبار تنويه دين الله
وظهور شعائر الله وليس بهذا الاعتبار
بعد الايمان كالجهاد، والحج، قال
النبي صلى الله عليه وسلم من
حج لله فلم يرفث ولم يفسق
رجع كيوم ولدته امه، وقال عليه
السلام العمرة الى عمرة كفارة
لما بينهما والحج المبرور ليس له
جزاء الا الجنة، وقال عليه السلام
تابعوا بين الحج والعمرة ٭

اقول تعظيم شعائر الله والخوض
في لجة رحمة الله يكفر الذنوب
ويدخل الجنة، ولما كان الحج
المبرور والمتابعة بين الحج و
العمرة والاكثار منها نصابا صالحا
لتعرض رحمته اثبت لهما ذلك و
انما شرط ترك الرفث والفسق
ليتحقق ذلك الخوض فان من نعله
اعرضت عنه الرحمة ولم تكمل
في حقه، وقال النبي صلى الله عليه
وسلم ان عمرة في رمضان تعدل
حجة ٭

اقول سره ان الحج انما يفضل

میں پائی جاتی ہے کہ جس امر کو آسانی سے وہ قبول کر سکیں وہی
بات ان کے لئے تجویز کی جائے، اور کسی نے آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا سب اعمال میں کونسا عمل
افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول
پر ایمان لانا، پھر عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے
آپ نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، پھر سوال کیا
اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا حج
مبرور" اور اس حدیث میں اور آپ کے اس قول میں
جو آپ نے ذکر کی فضیلت میں فرمایا کہ "کیا میں تمہارے
اعمال میں سے افضل ترین عمل نہ بتلا دوں" کچھ اختلاف
نہیں ہے کیونکہ فضیلت اعتبار کے مختلف ہونے سے مختلف
ہو جاتی ہے اور یہاں پر فضیلت کا دین الٰہی کی تعظیم
اور شعائر الٰہی کے ظہور کے اعتبار سے بیان کرنا
مقصود ہے اور اس اعتبار سے ایمان کے بعد جہاد اور
حج جیسا کوئی عمل نہیں ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے اللہ
تعالیٰ کے لئے حج کیا اور لغو باتیں نہ بکیں اور فسق کے
کام نہ کئے تو حج کرنے سے ایسا ہو گیا جیسے اپنی ماں
کے بطن سے آج پیدا ہوا" اور آپ نے فرمایا "ایک
عمرہ سے دوسرا عمرہ درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے
اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں" اور آپ
نے فرمایا "حج اور عمرہ ملایا کرو"

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم اور
رحمت الٰہی کے سمندر میں غوطہ لگانا گناہوں کو مٹا دیتا
ہے اور دخول جنت کا سبب بنتا ہے۔ اور چونکہ حج مبرور
اور حج وعمرہ کا ملانا اور ان کو زیادہ عمل میں لانا رحمت
الٰہی کے قابل ہونے کے لئے ایک پورا نصاب تھا اس
واسطے اس کو ان دونوں کی طرف منسوب کیا، اور
لغو باتیں اور فسق کے کام ترک کرنا اس لئے شرط کیا

العمرۃ بانہ جامع بین تعظیم شعائر اللہ واجتماع الناس علی استنزال رحمۃ اللہ دونہا، والعمرۃ فی رمضان تفعل فعلہ فان رمضان وقت تعاکس اضواء المحسنین و نزول الروحانیۃ، وقال صلی اللہ علیہ وسلم من ملک زادا ورا حلۃ تبلغہ الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یہودیا او نصرانیا۔

اقول ترک رکن من ارکان الاسلام یشبہ بالخروج من الملۃ، وانما شبہ تارک الحج بالیہودی والنصرانی وتارک الصلاۃ بالمشرک لان الیہود و النصاری یصلون ولا یحجون و مشرکو العرب یحجون ولا یصلون۔ قیل ما الحاج؟ قال الشعث التفل، قیل ای الحج افضل؟ قال العج والثج، قیل ما السبیل؟ قال زاد وراحلۃ۔

اقول الحاج من شانہ ان یذلل نفسہ للہ، والمصلحۃ المرعیۃ فی الحج اعلاء کلمۃ اللہ وموافقۃ سنۃ ابراہیم علیہ السلام وتذکر نعمۃ اللہ علیہ ووقت السبیل بالزاد والراحلۃ اذ بہما یتحقق التیسیر الواجب رعایتہ فی امثال الحج من الطاعات الشاقۃ، وقد ذکرنا فی صلاۃ الجنازۃ والصوم عن المیت ما اذا عطف علی الحج عن الغیر انعطف۔

تاکہ یہ غوطہ لگانا پایا جائے کیونکہ جو فسق اور لغو باتیں کرتا ہے اس سے رحمت دور ہو جاتی ہے اور اس کے حق میں پوری نہیں پائی جاتی، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ماہ رمضان میں عمرہ کرنا ایک حج کرنے کے برابر ہے۔"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کو عمرہ پر جو فضیلت ہے تو محض اس لئے ہے کہ حج میں شعائر اللہ کی تعظیم اور لوگوں کا نزول رحمت کے لئے مجتمع ہونا پایا جاتا ہے اور عمرہ میں یہ بات نہیں ہے، رمضان کے مہینہ میں جو عمرہ پایا جاتا ہے وہ حج کا کام دیتا ہے کیونکہ ماہ رمضان محسنین کے انوار کا پرتو پڑنے کا اور روحانیت کے نازل ہونے کا وقت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کے پاس سفر کا سامان اور سواری ہو جو بیت اللہ تک پہنچا سکے اور اس نے حج نہیں کیا تو کچھ عجب نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔"

میں کہتا ہوں ارکان اسلام میں سے کسی رکن کا ترک کرنا دین سے خارج ہونے کے مشابہ ہے اور تارک حج کو یہودی اور نصرانی کے ساتھ اور تارک نماز کو مشرک کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی کہ یہود و نصاری نماز پڑھتے تھے، حج نہیں کرتے تھے اور مشرکین عرب حج کرتے تھے نماز نہیں پڑھتے تھے، کسی نے آپ سے عرض کیا حج کرنیوالا کیسا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا سر میں خاک، بدن میں بدبو، پھر عرض کیا گیا کون سا حج افضل ہے؟ آپ نے فرمایا بآواز بلند تلبیہ کہنا اور قربانی کرنا، پھر عرض کیا گیا سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا خرچہ راہ اور سواری۔

میں کہتا ہوں حج کرنے والوں کی یہ شان ہے کہ اللہ تعالے کے لئے اپنے نفس کو عاجز اور ذلیل بنا دے، اور حج کے اندر جس مصلحت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ اعلاء کلمۃ اللہ اور حضرت ابراہیم کی سنت کی موافقت اور اللہ تعا

کی نعمتوں کا یاد کرنا ہے اور خرچ راہ اور سواری سے راستہ کی توقیت اس لئے کی گئی کہ ان دونوں چیزوں سے وہ آسانی پائی جاتی ہے جس کی رعایت کرنا حج جیسی عبادت شاقہ میں ضروری اور واجب ہے اور ہم نماز جنازہ میں اور میت کی طرف سے روزہ رکھنے میں وہ بیان ذکر کر چکے ہیں کہ جب اس کو دوسرے شخص کی طرف سے حج کرنے کے متعلق بیان کیا جائے تو ہو سکتا ہے ؛

صفة المناسك

اعلم ان المناسك على ما استفاض من الصحابة والتابعين وسائر المسلمين اربعة، حج مفرد وعمرة مفردة، وتمتع وقران، فالحج لحاضر مكة ان يحرم منها ويجتنب في الاحرام الجماع ودواعيه، والحلق، وتقليم الاظفار، ولبس المخيط، وتغطية الراس والتطيب، والصيد، و يجتنب النكاح على قول، ثم يخرج الى عرفات ويكون فيها عشية عرفة ثم يرجع منها بعد غروب الشمس ويبيت بمزدلفة ويدفع منها قبل شروق الشمس فياتي منى ويرمي العقبة الكبرى ويهدي ان كان معه ويحلق او يقصر، ثم يطوف للافاضة في ايام منى ويسعى بين الصفا والمروة وللآفاقي ان يحرم من الميقات فان دخل مكة قبل الوقوف طاف للقدوم ورمل فيه وسعى بين الصفا والمروة ثم بقي على احرامه حتى يقوم بعرفة ويرمي ويحلق ويطوف ولا رمل ولا سعي حينئذ ؛

مناسک کا بیان

واضح ہو کہ صحابہ اور تابعین اور تمام مؤمنین سے جو مناسک ثابت ہیں وہ چار ہیں: حج مفرد، عمرہ مفردہ، حج تمتع، اور حج قران، پس مکہ کے رہنے والوں کے لئے حج کی یہ صورت ہے کہ مکہ سے احرام باندھیں احرام کی حالت میں جماع اور اس کے دواعی اور سر منڈوانے اور ناخن کترشوانے اور سلا ہوا کپڑا پہنے اور سر ڈھکنے اور خوشبو لگانے اور شکار کرنے سے پرہیز کرے اور ایک قول کے موافق نکاح سے بھی پرہیز کرے پھر عرفات کو جائے اور عرفہ کی شام کو وہاں رہے پھر بعد غروب آفتاب وہاں سے واپس ہو اور رات کو مزدلفہ میں رہے اور آفتاب نکلنے سے پیشتر وہاں سے چلکر منی میں آئے اور بڑے منارے پر کنکریاں مارے، اگر قربانی ساتھ ہو تو وہیں اس کو ذبح کرے اور سر منڈوائے یا بال کتروائے پھر ایام منیٰ میں طواف افاضہ کرے اور صفا مروہ میں سعی کرے،

اور دور سے آنے والے کے لئے حج کی صورت یہ ہے کہ میقات سے احرام باندھے اور عرفات میں ٹھہرنے سے پہلے اگر وہ مکہ میں آگیا تو طواف قدوم کرے اور اس میں اکڑ کر چلے اور صفا مروہ میں سعی کرے پھر احرام اسی طرح سے قائم رکھے یہانتک کہ عرفات میں مقیم ہو اور رمی کرے اور سر منڈوائے اور طواف کرے اور اسوقت نہ رمل کرے اور نہ سعی کرے،

والعمرة ان يحرم من الحل فان كان آفاقيا فمن الميقات فيطوف ويسعى ويحلق او يقصر۔

والتمتع ان يحرم الآفاقي للعمرة في اشهر الحج فيدخل مكة ويتم عمرته ويخرج من احرامه ثم يبقى حلالا حتى يحج وعليه ان يذبح ما استيسر من الهدى۔

والقران ان يحرم الآفاقي بالحج والعمرة معا، ثم يدخل مكة ويبقى على احرامه حتى يفرغ من افعال الحج، وعليه ان يطوف طوافا واحدا ويسعى سعيا واحدا في قول وطوافين وسعيين، ثم يذبح ما استيسر من الهدى، فاذا اراد ان ينفر من مكة طاف للوداع۔

اقول اعلم ان الاحرام في الحج والعمرة بمنزلة التكبير في الصلاة فيه تصوير الاخلاص والتعظيم وضبط عزيمة الحج بفعل ظاهر، وفيه جعل النفس متذللة خاشعة لله بترك الملاذ والعادات المألوفة وانواع التجمل، وفيه تحقيق معاناة التعب والتشعث والتغير لله، وانما شرع ان يجتنب المحرم هذه الاشياء تحقيقا للتذلل وترك الزينة والتشعث وتنويها لاستشعار خوف الله وتعظيمه ومؤاخذة نفسه ان لا تسترسل في هواها، وانما الصيد تلهٍ وتوسع

اور عمرہ کی ترکیب مکہ والوں کے لئے یہ ہے کہ حل سے احرام باندھے اور اگر دور سے آنے والا ہے تو اپنے میقات سے احرام باندھے اس کے بعد طواف کرے اور سعی کرے اور سر منڈوائے یا بال کتروائے

اور حج تمتع کی صورت یہ ہے کہ آفاقی حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے پھر مکہ میں آئے اور اپنا عمرہ پورا کر کے احرام سے باہر آئے اور حج کرنے تک بغیر احرام کے رہے اور جو اس کو میسر ہو اس کی قربانی کرے

اور حج قران کی صورت یہ ہے کہ باہر کا آدمی حج اور عمرہ کے لئے احرام باندھے پھر مکہ میں آئے اور اپنے احرام کو قائم رکھے یہاں تک کہ افعال حج سے فارغ ہو جائے اور اس کو ایک طواف اور ایک سعی کرنی چاہیے اور ایک قول کے موافق دو طواف اور دو سعی کرنی چاہیے بعد ازاں جو گائے بکری میسر ہو ذبح کرے پھر جب مکہ سے کوچ کرنے کا قصد کرے تو طواف وداع کرے،

میں کہتا ہوں:- واضح ہو کہ حج و عمرہ میں احرام باندھنا ایسا ہے جیسا نماز میں تکبیر کہنا، احرام کے اندر اخلاص وتعظیم کی صورت اور ایک ظاہری فعل کے ساتھ حج کے ارادہ کا انضباط پایا جاتا ہے اور اس میں لذت کی چیزوں کے ترک کرنے کے سبب سے اور عادات مالوفہ اور ہر قسم کی زینت کی باتیں ترک کرنے کے سبب سے نفس خدا تعالے کے سامنے ذلیل اور متواضع بن جاتا ہے اور اس میں مشقت اور پریشانی اور اللہ تعالی کے لئے اپنی حالت کا بدلنا پایا جاتا ہے، اور محرم کو ان اشیاء کے ترک کرنے کا اس لئے حکم دیا گیا تاکہ ذلت اور ترک زینت اور خراب خستہ ہونا پایا جائے اور خوف الہی اور اس کی تعظیم ظاہر ہونے کا موقع پایا جائے اور نفس کو اپنی خواہشات پورا کرنے میں مطلق العنانی نہ ہو،

ولذلك قال النبي صلى الله عليه و
سلم من اتبع الصيد لها، ولم يثبت
فعله عن النبي صلى الله عليه وسلم
ولا كبار اصحابه وان سوغه في الجملة
والجماع انهماك في الشهوة البهيمية،
واذا لم يجز سد هذا الباب بالكلية
لانه يخالف قانون الشرع فلا اقل
من ان ينهى في بعض الاحوال كالاحرام
والاعتكاف والصوم وبعض المواضع
كالمساجد، سئل :- ما يلبس المحرم
من الثياب؟ فقال لا تلبسوا القمص
ولا العمائم ولا السراويلات ولا
البرانس ولا الخفاف، وقال للاعرابي
اما الطيب الذي بك فاغسله ثلاث
مرات واما الجبة فانزعها، الفرق
بين المخيط وما في معناه وبين
غيره ذلك، ان الاول ارتفاق وتجمل
وزينة والثاني ستر عورة، وترك
الاول تواضع لله، وترك الثاني سوء
ادب قال النبي صلى الله عليه و
سلم لا ينكح المحرم ولا ينكح ولا
يخطب، وروى انه تزوج ميمونة
محرما.

اقول اختار اهل الحجاز من
الصحابة والتابعين والفقهاء ان
السنة للمحرم ان لا ينكح، واختار
اهل العراق انه يجوز له ذلك، و
لا يخفى عليك ان الاخذ بالاحتياط
افضل، وعلى الاول السر فيه ان

اور شکار کرنا لہو میں داخل ہے اور ایک قسم کا توسع
ہے اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس
شخص نے شکار کا پیچھا کیا اس نے لہو کیا" اور نبی صلے
اللہ علیہ وسلم سے اور کبار صحابہ سے شکار کرنا ثابت
نہیں ہے اگرچہ آپ نے فی الجملہ اس کی اجازت دی ہے
اور جماع کرنا شہوت بہیمیہ میں منہمک ہونا ہے
اور جبکہ اس باب کو بالکلیہ بند کرنا درست نہ تھا کیونکہ
وہ قانون شرعی کے خلاف تھا اس واسطے کم ازکم بعض
حالات میں منع کرنا ضروری ہوا جیسے احرام اور اعتکاف
اور روزہ کی حالت اور نیز بعض مقامات میں اس سے
ممانعت کی گئی جیسے مساجد کے اندر، کسی شخص نے نبی
صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا محرم کو کس قسم کے کپڑے
پہننے چاہئیں؟ آپ نے فرمایا "نہ قمیص پہنو نہ عمامے
باندھو اور نہ پائجامہ پہنو اور نہ باران کوٹ اور نہ موزے"
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا "یہ خوشبو
جو تیرے لگی ہوئی ہے اس کو تین مرتبہ دھوا ور جبہ کو اتار دے"
سلے ہوئے کپڑے میں اور اس جیسے کپڑے میں اور اس
کپڑے میں جو سلا ہوا نہ ہو یہ فرق ہے کہ پہلی قسم میں
ارتفاق اور تجمل اور زینت ہے اور دوسری قسم میں
محض ستر عورت ہے اور پہلے کے ترک کرنے میں اللہ
تعالے کے سامنے تواضع پائی جاتی ہے اور دوسرے
کے ترک کرنے میں بے ادبی پائی جاتی ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "محرم نہ نکاح کرے
اور نہ نکاح کرائے اور نہ نکاح کی بات چیت کرے" اور
یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے حالت احرام میں میمونہ رضی
اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا،

میں کہتا ہوں صحابہ، تابعین اور فقہاء میں سے اہل
حجاز کے نزدیک محرم کے لئے سنت یہ ہے کہ نکاح نہ کرے
اور اہل عراق کے نزدیک محرم کا نکاح کرنا جائز ہے اور

النكاح من الارتفاقات المطلوبة اكثر من الصيد ولا يقاس الانشاء على الابقاء لان الفرح والطرب انما يكون من الابتداء، ولذلك يضرب بالعروس المثل في هذا الباب دون البقاء، ثم لا بد من ضبط الصيد فان الانسان قد يقتل ما يريد اكله، وقد تقتل ما لا يريد اكله وانما يريد التمرن بالاصطياد، وقد يقتل يريد ان يدفع شره عنه او عن ابناء نوعه، وقد يذبح بهيمة الانعام فايها الصيد؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم خمس لا جناح على من قتلهن في الحرم والاحرام الفارة، والغراب، والحداة، والعقرب، والكلب العقور، والجامع المؤذي الصائل على الانسان او على متاعه، فانه اذا رجع الى استقراء العرف لا يقال له صيد وكذلك بهيمة الانعام والدجاج وامثالهما جرت العادة باقتنائه في البيوت لا تسمى صيدا، واما الاقسام الاخر، فالظاهر انها صيد، ووقت لاهل المدينة ذا الحليفة، ولاهل الشام الجحفة، ولاهل نجد قرن المنازل، ولاهل اليمن يلملم فهن لهن، ولمن اتى عليهن من غير اهلهن لمن كان يريد الحج والعمرة فمن كان دونهن فمهله من اهله حتى اهل مكة يهلون

تم پر یہ مخفی نہیں ہے کہ احتیاط پر عمل کرنا افضل ہے، اور اول قول کے موافق اس میں یہ راز ہے کہ نکاح کرنا ارتفاقات مطلوبہ میں داخل ہے اور بہ نسبت شکار کے زیادہ مطلوب چیز ہے اور نکاح کرنے کو نکاح کے باقی رکھنے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خوشی اور سرور ابتدا میں ہوتا ہے اور اسی لئے اس امر میں عروس ضرب المثل ہے اور اس کا باقی رکھنا ضرب المثل نہیں ہے،

پھر شکار کے معنی کو بھی منضبط کرنا ضروری تھا کیونکہ انسان کبھی تو اس چیز کو قتل کرتا ہے جس کو کھانا چاہتا ہے اور کبھی ایسی چیز کو قتل کرتا ہے جس کو کھانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف شکار کی مشق کرنا منظور ہوتا ہے، اور کبھی کسی چیز کو اس غرض سے قتل کر دیتا ہے کہ اس کے شر سے خود بچنا چاہتا ہے یا لوگوں کو بچانا چاہتا ہے اور کبھی کسی گائے بکری کو ذبح کرتا ہے پس ان میں سے کس کو شکار کہنا چاہئیے لہذا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کے حرم اور احرام میں مار ڈالنے پر مارنے والے پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ چوہا، چیل کوا، بچھو اور دیوانہ کتا" اور ان سب میں علت مشترکہ یہ ہے کہ یہ سب جانور موذی اور انسان یا اس کے متاع پر حملہ کرنے والے ہیں اور اگر عرف سے بھی تلاش کیجائے تو ان کے مارنے کو عرف میں شکار نہیں کہتے، اور اسی طرح گائے بکری اور مرغی اور ان جیسے جانور جنکو گھروں میں پالنے کا دستور ہے ان کے ذبح کرنے کو بھی شکار نہیں کہتے لیکن دیگر اقسام میں ظاہر یہ ہے کہ ان پر شکار کا اطلاق ہوتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میقات کی تعیین اس طرح فرمائی کہ اہل مدینہ کیلئے ذو الحلیفہ اور اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے لئے یلملم ہے پس جو لوگ ان مواقیت میں رہتے ہیں اور جو لوگ باہر سے ان مواقیت میں آتے ہیں جو حج اور عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں

منها ؛

اقول الاصل فی المواقیت انه لما
کان الاتیان الی مکة شعثا تفلا تارکا
غلواء نفسه مطلوبا وکان فی تکلیف
الانسان ان یحرم من بلده حرج
ظاهر فان منهم من یکون قطره علی
مسیرة شهر و شهرین واکثر وجب
ان یخص امکنة معلومة حول مکة
یحرمون منها ولا یؤخرون الاحرام
بعدها، ولا بد ان تکون تلك المواضع
ظاهرة مشهورة ولا تخفی علی احد
علیها مرور اهل الآفاق فاستقراء
ذلك وحکم بهذه المواضع، واختار
لاهل المدینة ابعد المواقیت
لانها مهبط الوحی ومأرز الایمان ودار
الهجرة واول قریة امنت بالله ورسوله
فاهلها احق بان یبالغوا فی اعلاء کلمة
الله، وان یخصوا بزیادة طاعة الله
وایضا فهی اقرب الاقطار التی امنت
فی زمان رسول الله صلی الله علیه
وسلم واخصلت ایمانها بخلاف
جوائی والطائف، ویمامة وغیرها
فلا حرج علیها، والسر فی الوقوف
بعرفة ان اجتماع المسلمین
فی زمان واحد ومکان واحد راغبین
فی رحمة الله تعالی داعین له متضرعین
الیه له تاثیر عظیم فی نزول البرکات
وانتشار الروحانیة، ولذلك کان
الشیطان یومئذ ادحر واحقر ما

ان سب کے لئے یہ مواقیت ہیں اور جو لوگ ان میقاتوں
ہی سے ورے ہیں تو ان کو اپنی جائے سکونت سے احرام
باندھنا چاہئیے حتیٰ کہ اہل مکہ خاص مکہ سے احرام باندھیں،
میں کہتا ہوں مواقیت کے اندر اصل یہ ہے کہ جبکہ
مکہ میں ایسی حالت میں آنا مطلوب تھا کہ سر میں خاک
ہو اور بدن میں بدبو آنے لگی ہو اور نفس ذلت کی حالت میں
ہو اور لوگوں کو اس بات کا حکم کرنے میں کہ وہ اپنے اپنے
شہروں سے احرام باندھ کر آیا کریں بڑی دقت تھی جو
کہ ظاہر ہے کیونکہ ان میں سے بعض شہر مکہ سے ایک ماہ کی
مسافت پر اور بعض دو ماہ کی مسافت پر رہتے ہیں
اور بعض اس سے بھی زیادہ مسافت پر رہتے ہیں،
تو ضروری ہوا کہ مکہ کے چاروں طرف چند معلوم مقامات
خاص کئے جائیں جہاں سے لوگ احرام باندھا کریں اور
ان مقامات کے بعد احرام کو مؤخر نہ کریں، اور ضروری
ہے کہ یہ مقامات ظاہر اور مشہور ہوں اور ان کو ہر شخص
جانتا ہو اور اہل آفاق وہاں سے گذرتے ہوں پس
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تحقیق فرما کر ان مقامات
کا حکم فرمایا، اور اہل مدینہ کے لئے سب سے دور میقات
مقرر کیا کیونکہ وہ شہر وحی نازل ہونے کی جگہ اور ایمان
کا مرکز اور دار الہجرت اور پہلی بستی ہے جو خدا اور رسول پر
ایمان لائی اس واسطے اس کے رہنے والے اس قابل
ہیں کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں نہایت درجہ کوشش کریں اور
زیادہ عبادت کے ساتھ مخصوص کئے جائیں، اور نیز
مدینہ تمام ان اطراف سے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم کے زمانہ میں ایمان لائے تھے اور اپنے ایمان میں
خالص تھے سب سے زیادہ قریب ہے بخلاف جوائی
طائف اور یمامہ وغیرہ کے پس مدینہ والوں کو اس
میں کچھ دقت نہیں،

اور عرفات پر قیام کرنے میں یہ راز ہے کہ ایک زمانہ

يكون، وايضا فاجتماعهم ذلك
تحقيق لمعنى العرضة وخصوص
هذا اليوم ؂

وهذا المكان متوارث عن
الانبياء عليهم السلام على ما يذكر
في الاخبار عن آدم فمن بعده، و
الاخذ بما جرت به سنة السلف
الصالح اصل اصيل في باب التوقيت
والسر في نزول منى انها كانت سوقا
عظيما من اسواق الجاهلية مثل
عكاظ والمجنة، وذي المجاز وغيرها
وانما اصطلحوا عليه لان الحج
يجمع اقواما كثيرة من اقطار
متباعدة، ولا احسن للتجارة ولا
ارفق بها من ان يكون موسمها عند
هذا الاجتماع، ولان مكة تضيق
عن تلك الجنود المجندة فلو لم
يصطلح حاضرهم وباديهم وخاملهم
ونبيههم على النزول في فضاء مثل
منى لحرجوا، وان اختص بعضهم
بالنزول لوجدوا في انفسهم، و
لما جرت العادة بنزولها اقتضى
ديدن العرب وحميتهم ان يجتهد
كل حي في التفاخر والتكاثر، وذكر مآثر
الآباء واراءة جلدهم وكثرة اعوانهم
ليرى ذلك الاقاصي والاداني ويعد به
الذكر في الاقطار، وكان للاسلام
حاجة الى اجتماع مثله يظهر به
شوكة المسلمين وعدتهم ليظهر

اور ایک مکان میں مسلمانوں کا اجتماع خدا تعالیٰ کی رحمت
کی طرف راغب ہوتے ہوئے اور خشوع وخضوع کرساتھ
اس سے دعا کرتے ہوئے برکات الٰہی کے نازل ہونے
اور روحانیت کے انتشار میں بڑا اثر رکھتا ہے اور اسی
لئے شیطان اس دن سب دنوں سے زیادہ حقیر وذلیل
ہوتا ہے، اور نیز اس اجتماع میں مسلمانوں کی شان
وشوکت معلوم ہوتی ہے اور اس دن اور اس مقام
کی خصوصیت تمام انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہوتی
چلی آئی ہے جیسا کہ اخبار میں حضرت آدم اور ان کے
بعد کے انبیاء سے مذکور ہے اور توقیت وتعیین کے باب
میں اس طریقہ کی پابندی کرنا جو سلف صالح سے منقول
ہے بڑا اصل الاصول ہے۔

اور منیٰ میں اترنے میں یہ راز ہے کہ یہ جگہ جاہلیت
کے بازاروں میں سے ایک بڑا بازار تھا جیسا کہ عکاظ
اور مجنہ اور ذی المجاز وغیرہ، اور انہوں نے اس جگہ
کو اس لئے مقرر کیا کہ حج میں دور دور کے بے شمار لوگ جمع
ہوتے ہیں اور تجارت کے لئے اس سے زیادہ مناسب
اور بہتر کوئی صورت نہیں ہے کہ اس کا موسم اس اجتماع کے
وقت مقرر کیا جائے اور نیز اس بے شمار فوج کے لئے مکہ
میں گنجائش نہیں پس اگر شہری اور دیہاتی غافل اور ہوشیار
کے لئے منیٰ جیسے میدان میں اترنا مقرر نہ کریں تو ان کو
بڑی دقت پڑے، اور اگر بعض لوگوں کو خاص کرکے
منیٰ میں اتارا جائے تو ان کو ملال گذرے اور جب وہاں
ٹھہرنے کا دستور عام ہوگیا تو عرب کی عادت اور حمیت
کا یہ مقتضیٰ ہوا کہ ہر قبیلہ اپنا فخر اور اپنی کثرت ثابت
کرنے میں اور اپنے بزرگوں کی سوانح بیان کرنے میں
اور ان کی بہادری اور ان کے انصار کی کثرت ظاہر
کرنے میں کوشش کرے تاکہ اس بات کو سب نزدیک
ودور کے لوگ دیکھیں اور دور دراز ملکوں میں اس

دين الله ويبعد صيته ويغلب في كل قطر من الاقطار فابقاه النبي صلى الله عليه وسلم وحث عليه وندب اليه، ونسخ التفاخر وذكر الآباء وابدل لهم بذكر الله بمنزلة ما ابقى من ضيافاتهم ووليمة النكاح وعقيقة المولود لما رأى فيها من فوائد جليلة في تدبير المنازل، والسر في المبيت بمزدلفة انه كان سنة قديمة فيهم، ولعلهم اصطلحوا عليها لما رأوا من ان للناس اجتماعا لم يعهد مثله في غير هذا الموطن ومثل هذا مظنة ان يزاحم بعضهم بعضا ويحطم بعضهم بعضا، وانما يراحهم بعد المغرب وكانوا طول النهار في تعب يأتون من كل فج عميق فلو تجشموا ان يأتوا منى والحال هذه لتعبوا، وكان اهل الجاهلية يدفعون من عرفات قبل الغروب ولما كان ذلك قدرا غير ظاهر ولا يتعين بالقطع، ولا بد في مثل هذا الاجتماع من تعيين لا يحتمل الابهام وجب ان يعين بالغروب، وانما شرع الوقوف بالمشعر الحرام لانه كان اهل الجاهلية يتفاخرون يتراءون فابدل من ذلك اكثار ذكر الله ليكون كابحا عن عادتهم وليكون التنويه بالتوحيد في ذلك الموطن كالمنافسة كانه قيل هل

کی شہرت ہو اور اسلام کو بھی ایسے اجتماع کی ضرورت تھی جس سے مسلمانوں کی شوکت اور ان کا سامان اور ان کی کثرت ظاہر ہو تاکہ دینِ الٰہی غالب ہو اور دور دور تک اس کا آوازہ پہنچے اور تمام اطراف میں اس کا غلبہ ہو جائے اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اجتماع کو باقی رکھا اور اس پر شوق دلایا اور اس کی طرف متوجہ کیا لیکن تفاخر اور آبا و اجداد کے حالات ذکر کرنے سے ممانعت فرمائی اور اس کی جگہ ذکرِ الٰہی کو مقرر فرمایا جس طرح نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی ضیافتوں اور ولیموں میں سے نکاح کے ولیمہ اور اولاد کے عقیقہ کو باقی رکھا کیونکہ ان میں آپ نے تدبیر منزل کے بارے میں بڑے بڑے فوائد کا ملاحظہ فرمایا، اور مزدلفہ میں شب میں رہنے میں یہ راز ہے کہ یہ عرب کے اندر قدیم دستور تھا اور شاید انہوں نے اس کو اس لئے مقرر کر رکھا تھا کہ وہاں لوگوں کا اس قدر اجتماع ہوتا ہے کہ پھر کہیں ایسا نہیں ہوتا اور ایسے موقع پر اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ لوگ آپس میں دب نہ جائیں اور مغرب کے بعد عرفات سے لوٹتے ہیں اور تمام دن لوگ مشقت اور تکان میں رہتے ہیں جو دور دراز سے وہاں آکر جمع ہوتے ہیں، پس اگر ایسی حالت میں منیٰ آنے کا قصد کریں تو تھک جائیں، اور اہلِ جاہلیت غروب سے پہلے عرفات سے اتر آتے تھے اور چونکہ یہ اندازہ ظاہر نہ تھا اور نہ قطعاً متعین ہو سکتا تھا اور ایسے اجتماع میں وقت کی ایسی تعیین ضروری تھی جس میں ابہام کا احتمال بھی نہ رہے اس واسطے غروبِ آفتاب کے ساتھ اس کی تعیین ضروری ہوئی اور مشعرِ حرام میں ٹھہرنے کا اس لئے حکم دیا گیا کہ اہلِ جاہلیت باہم تفاخر اور شوکت دکھلانے کے لئے قیام کرتے تھے پس اس کی بجائے کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ ان کی عادت کو دور کرے اور اس جگہ میں توحید کی تعظیم ہو اور یہ ایسا ہے جیسا کہ آپس کی حرص

يكون ذكرهم الله اكثر او ذكر اهل الجاهلية مفاخرهم اكثر۔

والسر فى رمى الجمار ما ورد فى نفس الحديث من انه انما جعل لاقامة ذكر الله عزوجل، وتفصيله ان احسن انواع توقيت الذكر واكملها واجمعها لوجوه التوقيت ان يوقت بزمان وبمكان ويقام معه ما يكون حافظا لعدده محققا لوجوده على رءوس الاشهاد حيث لايخفى شئ وذكر الله نوعان نوع يقصد به الاعلان بانقياده لدين الله، والاصل فيه اختيار مجامع الناس دون الاكثار ومنه الرمى ولذلك لم نؤمر بالاكثار هناك، ونوع يقصد به انصباغ النفس بالتطلع للجبروت وفيه الاكثار، وايضا ورد فى الاخبار ما يقتضى انه سنة سنها ابراهيم عليه السلام حين طرد الشيطان، ففى حكاية مثل هذا الفعل تنبيه للنفس اى تنبيه، والسر فى الهدى التشبه بفعل سيدنا ابراهيم عليه السلام فيما قصد من ذبح ولده فى ذلك المكان طاعة لربه وتوجها اليه والتذكر لنعمة الله به وبابيهم اسمعيل عليه السلام وفعل مثل هذا الفعل فى هذا الوقت والزمان ينبه النفس اى تنبه۔

وانما وجب على المتمتع ما

گویا ان سے یہ کہا گیا کہ تم خدا تعالےٰ کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت اپنے مفاخر زیادہ بیان کرتے ہیں؛

اور رمیِ جمار میں وہی راز ہے جو نفس حدیث میں وارد ہے کہ رمیِ جمار اللہ عزّ وجل کا ذکر قائم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ توقیت ذکر کے اقسام میں احسن اور اکمل اور وجوہ توقیت کے لئے جامع تر یہ ہے کہ اس کو ایک زمانہ اور مقام کے ساتھ معین کیا جائے اور اس کے ساتھ ایسی چیز قائم کیجائے جو اس کی تعداد کو محفوظ رکھے اور اس کے پائے جانے کو سب کے سامنے ثابت کرے اور کچھ مخفی نہ رہے، اور ذکر الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ جس سے خدا تعالےٰ کے دین کی فرمانبرداری مقصود ہوتی ہے اور اس قسم کے ذکر میں اصل یہ ہے کہ اس کو لوگوں کے مجمع میں اختیار کیا جائے نفس ذکر کی کثرت ضروری نہیں اور رمی جمار اسی قبیل سے ہے اسی وجہ سے اس میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، اور ایک قسم وہ ہے جس سے نفس کو خدا تعالےٰ کی کبریائی کے لئے مطلع کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس ذکر میں کثرت کی حاجت ہے، اور نیز احادیث میں آیا ہے کہ رمی جمار کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جس وقت آپ نے شیطان کو دفع کیا تھا تو اس پر عمل کیا تھا پس ایسے فعل کی حکایت کرنے میں نفس کو خوب تنبیہ ہوتی ہے،

اور ہدی میں یہ راز ہے کہ اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس فعل کے ساتھ مشابہت ہے جو انہوں نے اس جگہ خدا تعالےٰ کی طاعت اور اس کی طرف متوجہ ہونے کے لئے اپنے فرزند کو ذبح کرنے کا قصد کیا تھا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی یاددہانی ہوتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوگوں کے باپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر خدا تعالےٰ نے فرمائی تھی اور اس وقت میں اور اسی زمانہ میں ایسے فعل کے کرنے سے نفس کو نہایت

القارن شكر النعمة الله حيث
وضع عنهم اصر الجاهلية في تلك المناسك
والسر في الحلق انه تعيين طريق
للخروج من الاحرام بفعل لا ينافي
الوقار، فلو تركهم وانفسهم لذهب
كل مذهبا، وايضا ففيه تحقيق
انقضاء التشعث والتغبر بالوجه
الاتم، ومثله كمثل السلام من
الصلاة، وانما قدم هو طواف
الافاضة ليكون شبيها بحال الداخل
على الملوك في مؤاخذته نفسه
بازالة تشعثه وغباره ؛

وصفة الطواف ان ياتي الحجر
فيستلمه ثم يمشي على يمينه سبعة
اطوفة يقبل فيها الحجر الاسود،
او يشير اليه بشئ في يده كالمحجن
ويكبر، ويستلم الركن اليماني
وليكن في ذلك على طهارة وستر عورة
ولا يتكلم الا بخير، ثم ياتي مقام
ابراهيم فيصلي ركعتين، اما
الابتداء بالحجر فلانه وجب عند
التشريع ان يعين محل البداءة
وجهة المشي، والحجر احسن مواضع
البيت لانه نازل من الجنة، و
اليمين ايمن الجهتين وطواف
القدوم بمنزلة تحية المسجد
انما شرع تعظيما للبيت ولان
الابتداء بالطواف في مكانه رجحانه
عمل تهيئ اسبابه بسوء ادب، و

تنبیہ ہوتی ہے، اور متمتع اور قارن پر یہ ہدی واجب ہوئی
تاکہ خدا تعالے کی اس نعمت کا شکریہ ادا کیا جائے کہ اس
نے اس مسئلہ میں جاہلیت کے وبال کو ان سے دور
کر دیا، اور سر منڈانے میں یہ راز ہے کہ سر منڈانے سے
احرام سے نکلنے کے لئے ایسے فعل کے ساتھ ایک طریقہ کی
تعیین ہوتی ہے جو وقار کے منافی نہیں ہے پس اگر ان کو
ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ہر شخص جدا جدا راہ اختیار
کرتا، اور نیز اس میں پراگندگی کے ختم ہونے کا پورا
ثبوت ہے، اور سر منڈانا ایسا ہے کہ جیسا نماز میں سلام
اور طواف الافاضہ سے قبل سر منڈانے کا حکم اس لئے
دیا گیا ہے تاکہ اس کی حالت اس شخص کی حالت کے
مشابہ ہو جائے جو پراگندگی اور غبار دور کر کے سلاطین
کے سامنے حاضر ہوتا ہے،

اور طواف کرنے کی یہ صورت ہے کہ حجر اسود کے
پاس آئے اور اس کو بوسہ دے پھر اس کے دائیں
طرف سے چلکر سات مرتبہ طواف کرے اور ہر مرتبہ
حجر اسود کو بوسہ دے یا لکڑی وغیرہ سے جو اس کے
ہاتھ میں ہو اس کی طرف اشارہ کرے اور تکبیر کہے اور
رکن یمانی کو بوسہ دے اور طواف کی حالت میں طہارت
سے ہو اور ستر کھلا نہ ہو اور سوائے اچھی بات کے وہاں
سے کچھ نہ کہے پھر مقام ابراہیم میں آئے اور دو رکعت
نماز پڑھے، لیکن حجر اسود سے شروع کرنا اس کی
وجہ یہ ہے کہ تشریع کے وقت ابتداء کا مقام اور چلنے
کی جانب کا معین کرنا ضروری ہے اور حجر اسود بیت
اللہ کے تمام مواضع اس سب سے بہتر ہے کیونکہ
یہ جنت سے نازل ہوا ہے اور دونوں طرفوں میں اس
طرف تبرک ہوتی ہے، اور طواف قدوم بمنزلہ تحیۃ المسجد
کے ہے۔ یہ خانہ کعبہ کی تعظیم کے لئے مشروع ہوا ہے۔ اور
نیز طواف کی جگہ اور اس کے زمانہ میں اس کے....

اول طواف بالبیت فیہ رمل و
اضطباع، وبعدہ سعی بین الصفا
والمروۃ، وذلک لمعان منہا ماذکرہ
ابن عباس رضی اللہ عنہما من
اخافۃ قلوب المشرکین، واظہار
صولۃ المسلمین، وکان اہل
مکۃ یقولون وہنتہم حمی یثرب
فہو فعل من افعال الجہاد، وہذا
السبب قد انقضی ومضی، ومنہا
تصویر الرغبۃ فی طاعۃ اللہ، وانہ
لم یزدہ السفر الشاسع والتعب
العظیم الا شوقا ورغبۃ کما قال
الشاعر ؎

اذا اشتکت من کلال السیر اوعدہا
اعاودہا الوصال فتحیا عند میعام

وکان عمر رضی اللہ عنہ اراد ان
یترک الرمل والاضطباع لانقضاء
سببہما ثم تفطن اجما لا ان لہما
سببا اٰخر غیر منقض فلم یترکہما
وانما لم یشرع الوقوف بعرفۃ فی
العمرۃ لانہا لیس لہا وقت معین
لیتحقق معنی الاجتماع فلا فائدۃ
للوقوف بہا ولو شرع لہا وقت
معین کانت حجا، وفی الاجتماع
مرتین فی السنۃ مالا یخفی۔

وانما العمدۃ فی العمرۃ تعظیم
بیت اللہ وشکر نعمۃ اللہ، والسعی
فی السعی بین الصفا والمروۃ علی
ما ورد فی الحدیث ان ہاجرام

تمام اسباب مہیا ہوتے ہوئے اس میں دیر کرنا ایک
قسم کی بے ادبی ہے، اور بیت اللہ کے پہلے طواف
میں اکڑنا اور سینہ نکال کر چلنا ہے اور اس کے بعد
صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا ہے اور اس کی
چند وجوہ ہیں:۔

ازاں جملہ وہ ہے جو حضرت ابن عباس نے ذکر کیا ہے
یعنی مشرکین کے دلوں کو خائف کرنا اور مسلمانوں کے غلبہ
کا ظاہر کرنا اور اہل مکہ یہ کہتے تھے کہ یثرب کے بخار نے
ان کو ضعیف کر دیا پس یہ فعل جہاد کے افعال میں داخل
ہے اور یہ سبب باقی نہیں رہا اور گذر گیا،

اور ازاں جملہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں رغبت
کرنے کا اظہار کرنا ہے اور یہ کہ دور دراز کے سفر نے اور
زحمت عظیم نے ان میں شوق اور رغبت ہی کو زیادہ
کیا جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

اونٹنی چلتے چلتے جبکہ تکان کی شکایت کرتی ہے تو اس کا سوار
وصال کی راحت کا وعدہ کرتا ہے تو اس وعدہ کے سننے سے اس میں جان پڑ جاتی ہے

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قصد کیا تھا کہ طواف کے
اندر اکڑ کر چلنے کو اور کپڑے کو بغل کے نیچے سے نکالنے کو ترک
کر دیں کیونکہ ان دونوں کا سبب باقی نہیں رہا ہے پھر
اجمالاً انہوں نے اس بات کو سمجھا کہ ان دونوں کا ایک
اور سبب بھی ہے جو باقی رہنے والا ہے اس واسطے انہوں
نے ان دونوں کو ترک نہیں کیا، اور عمرہ کے اندر عرفات
میں ٹھہرنا اس لئے مشروع نہیں ہوا کہ اس کا کوئی وقت معین نہیں
ہے کہ اجتماع کے معنی پائے۔ الغرض اس واسطے عمرہ میں قیام
کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر اس کے لئے کوئی وقت مقرر ہوتا
تو وہ حج ہو جاتا، اور ایک سال میں دو بار اجتماع میں
بڑی دقت تھی جو مخفی نہیں ہے،

اور عمرہ میں عمدہ بات بیت اللہ کی تعظیم اور اس کی
نعمت کا شکر ہے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے

اسمٰعيل عليه السلام لما اشتمل بها الحال سعت بينهما سعي الانسان المجهود فكشف الله عنهما الجهد بابداء زمزم، والهام الرغبة في الناس ان يعمروا تلك البقعة فوجب شكر تلك النعمة على اولاده ومن تبعهم وتذكر تلك الآية الخارقة لتبهت بهيميتهم و تدلهم على الله، ولا شئ في هذا مثل ان يعهد عقد القلب بهما بفعل ظاهر منضبط مخالف لمألوف القوم فيه تذلل عند اول دخولهم مكة وهو محاكاة ما كانت فيه من العناء والجهد، وحكاية الحال في مثل هذا ابلغ بكثير من لسان المقال، قال النبي صلى الله عليه وسلم لا ينفرن احدكم حتى يكون آخر عهده بالبيت وخفف عن الحائض ؛

اقول السر فيه تعظيم البيت بان يكون هو الاول وهو الآخر تصويرا لكونه هو المقصود من السفر، و موافقة لعادتهم في توديع الوفود ملوكها عند النفر، والله اعلم،

ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے یہ راز ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ کو جب زیادہ پریشانی ہوئی تو انہوں نے صفا اور مروہ کے درمیان تیز رفتاری سے چلنا شروع کیا جیسے کوئی مصیبت زدہ دوڑتا پھرتا ہے پس خدا تعالےٰ نے ان کی مشقت کو اس طرح دور کر دیا کہ زمزم برآمد کر دیا اور لوگوں کے اندر اس جنگل میں آباد ہونے کا الہام کر دیا اس واسطے حضرت اسمٰعیل کی اولاد پر اور اس کے متبعین پر اس نعمت کا شکر اور اس نشانی خارق عادت کا یاد کرنا ضروری ہوا تاکہ ان کی قوت بہیمی حیران ہو جائے اور خدا تک ان کی رہنمائی کرے اور اس بارے میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ مکہ میں داخل ہوتے ہی اپنے دل کو ان کے ساتھ ایسے فعل کے ذریعہ لگا دے جو ظاہر منضبط اور قوم کی عادت کے خلاف ہے جس میں ان کے لئے ایک قسم کی ذلت ہے اور یہ اس فعل کا نقل کرنا ہے جس میں حضرت ہاجرہ کو تکلیف اور مشقت ہوئی تھی اور ایسے امور میں کسی حال کا نقل کرنا زبانی ذکر سے بدرجہا مفید ہوتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص اخیر وقت خانہ کعبہ کا طواف کئے بغیر مکہ سے نہ جائے اور حائض کو آپ نے معاف کیا"؛

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ اخیر وقت پر خانہ کعبہ کا طواف کرنے میں اس کی تعظیم ہے اس طرح سے کہ ابتدا بھی اسی سے ہوئی تھی اور انتہا بھی اسی پر ہوئی تاکہ ان کے اس سفر سے خانہ کعبہ کا مقصود بالذات ہونا ظاہر ہو جائے اور لوگوں کی اس عادت کے ساتھ موافقت بھی ہو جائے کہ قاصد لوگ رخصت ہوتے وقت اپنے بادشاہوں سے ملکر جاتے ہیں واللہ اعلم

قصة حجة الوداع

الاصل فيها حديث جابر؛ و

حجۃ الوداع کا بیان؛

حجۃ الوداع میں حضرت جابرؓ، حضرت عائشہ

و عائشة، و ابن عمر و غيرهم رضي الله عنهم، اعلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مكث في المدينة تسع سنين لم يحج، ثم اذن في الناس في العاشرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حاج فقدم المدينة بشر كثير فخرج حتى اتى ذا الحليفة فاغتسل وتطيب وصلى ركعتين في المسجد ولبس ازارا ورداء واحرم ولبى، لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك

اقول اختلف ههنا في موضعين احدهما ان نسكه ذلك كان حجا مفردا او متعة بان حل من العمرة واستأنف الحج او انه احرم بالحج ثم اشار له جبريل عليه السلام ان يدخل العمرة عليه فبقي على احرامه حتى فرغ من الحج ولم يحل لانه كان ساق الهدي، وثانيهما انه اهل حين صلى او حين ركب ناقته او حين اشرف على البيداء، وبين ابن عباس رضي الله عنهما ان الناس كانوا يأتون ارسالا فاخبر كل واحد بما راه، وقد كان اول اهلاله حين صلى ركعتين، وانما اغتسل وصلى ركعتين، لان ذلك اقرب

اور حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہم کی حدیث اصل ہے،

واضح ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نو برس تک مدینہ میں تشریف فرما رہے اور اس عرصہ میں آپ نے حج نہیں کیا تھا پھر دسویں سال لوگوں میں اس بات کا اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ علیہ وسلم حج کرنے والے ہیں پس مدینہ میں بہت لوگ آگئے پس آپ مدینہ سے نکل کر ذو الحلیفہ میں تشریف لائے اور وہاں غسل کر کے خوشبو لگائی اور مسجد میں دو رکعت پڑھیں اور ایک تہبند اور ایک چادر پہن کر احرام باندھا اور اس طرح تلبیہ پڑھا۔ لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک،

میں کہتا ہوں اس مقام پر دو باتوں میں اختلاف ہے ایک یہ ہے کہ آپ کا حج مفرد تھا یا حج تمتع، اس طرح پر کہ عمرہ سے باہر ہو کر حج کے لئے احرام باندھا ہو یا یہ کہ حج کا احرام باندھا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے اندر عمرہ داخل کرنے کا اشارہ کر دیا پس آپ اپنے اسی احرام پر قائم رہے یہاں تک کہ حج سے فارغ ہوئے اور احرام سے باہر نہیں آئے کیونکہ آپ ہدی روانہ کر چکے تھے، دوم یہ ہے کہ آپ نے تلبیہ نماز کے وقت پڑھا تھا یا جس وقت آپ اونٹنی پر سوار ہوئے تھے یا جس وقت آپ ٹیلہ بیدار پر چڑھے تھے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد لوگ آتے تھے پس ہر ایک جس طرح کرتے دیکھتا ویسی ہی خبر دیتا، اور شروع احرام آپ کا اس وقت تھا جبکہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور آپ کا غسل کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا اس لئے تھا کہ اس میں شعائر اللہ کی زیادہ تعظیم ہے اور اس لئے تھا کہ اس میں ایسے فعل کے ساتھ نیت کا ضبط کرنا پایا جاتا ہے جو

لتعظيم شعائر الله، ولانه ضبط للنية بفعل ظاهر منضبط يدل على الاخلاص لله والاهتمام بطاعة الله، ولان تغيير اللباس بهذا النحو ينبه النفس ويوقظها للتواضع لله تعالى، وانما تطيب لان الاحرام حال الشعث والتفل فلا بد من تدارك له قبل ذلك، انما اختار هذه الصيغة فى التلبية لانها تعبير عن قيامه بطاعة مولاه وتذكر له ذلك، وكان اهل الجاهلية يعظمون شركاءهم فادخل النبى صلى الله عليه وآله وسلم لا شريك لك ردا لهؤلاء وتمييز المسلمين منهم، ويستحب زيادة سوال الله رضوانه والجنة واستعفاءه برحمته من النار، واشار جبريل عليه السلام برفع اصواتهم بالاحرام والتلبية وقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ما من مسلم يلبى الا لبى ما عن يمينه وشماله من حجر او شجر او مدر حتى تنقطع الارض من ههنا وههنا۔

اقول: سره انه من شعائر الله، وفيه تنويه ذكر الله وكل ما كان من هذا الباب فانه يستحب الجهر به، وجعل

ظاہر ہے منضبط ہے اور جو خدا تعالےٰ کے ساتھ اخلاص اور اس کی فرمانبرداری کے اہتمام پر دلالت کرتا ہے اور اس لئے کہ اس طرح سے لباس کا بدلنا خدا تعالےٰ کی فرمانبرداری کے لئے نفس کو تنبیہ کرتا ہے اور اس کو بیدار کرتا ہے، اور آپ کے خوشبو لگانے کا سبب یہ ہے کہ احرام کا زمانہ گرد و غبار میں آلودہ رہنے کا وقت ہے اس واسطے احرام سے پہلے کسی قدر اس کا تدارک ضروری ہے، اور تلبیہ میں آپ نے اس وجہ سے ان کلمات کو اختیار کیا کہ ان کے اندر اپنے مولیٰ کی فرمانبرداری میں کھڑے رہنے کا بیان ہے اور ان میں خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی یاد دہانی ہے، اور اہل جاہلیت اپنے بتوں کی تعظیم کیا کرتے تھے اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے خیال کو رد کرنے کے لئے اور مسلمانوں کو ان سے ممتاز کرنے کے لئے لا شریک لک کے کلمات اس میں داخل کر دیئے اور یہ مستحب ہے کہ خدا تعالےٰ سے اس کی رضاء کا اور جنت کا کثرت سے سوال کرے اور اس کی رحمت سے دوزخ سے بچنے کی دعا کرے اور جبرئیل علیہ السلام نے احرام اور تلبیہ کے وقت آوازوں کو بلند کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی مسلمان تلبیہ کرنے والا نہیں مگر جو چیز دائیں اور بائیں ہے، پتھر یا درخت یا ڈھیلہ سب تلبیہ کہتے ہیں یہاں تک کہ زمین اِدھر سے اُدھر تک ختم ہو جکتی ہے۔

میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ تلبیہ شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس میں ذکر الٰہی کی تعظیم ہے اور اس قسم کے اذکار کو پکار کر کہنا مستحب ہے اس طرح سے کہ ہر غافل اور خبردار کو اس کی خبر ہو اور اس طرح سے کہ وہ دار دار الاسلام ہو جائے پس جب ایسا ہو گا تو

بحيث يكون على رأس الحامل والنبية وبحيث تصير الدار دار الاسلام، فاذا كان كذلك كتب في صحيفة عمله صورة تلبية تلك المواضع، واشعر رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ناقته في صفحة سنامها الايمن وسلت الدم عنها وقلدها نعلين ۔

اقول :۔ السر في الاشعار التنويه بشعائر الله واحكام الملة الحنيفية يرى ذلك منه الاقاصي والاداني وان يكون فعل القلب منضبطا بفعل ظاهر، وولدت اسماء بنت عميس بذي الحليفة فقال لها اغتسلي واستثفري بثوب واحرمي ۔

اقول :۔ ذلك لتاتي بقدر الميسور من سنة الاحرام، وقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم حين حاضت عائشة رضي الله عنها بسرف ان ذلك شئ كتبه الله على بنات آدم فافعلي ما يفعل الحاج غير ان لا تطوفي بالبيت حتى تطهري ۔

اقول :۔ هذا الكلام بانه شئ يكثر وقوعه، فمثل هذا الشئ يجب في حكمة التشريع ان يدفع عنه الحرج وان يسن له سنة ظاهرة فلذلك سقط عنها الطواف القدوم وطواف الوداع فلما دنا من مكة نزل بذي طوى ودخل

اس شخص کے نامۂ اعمال میں ان مواضع کی لبیک کی صورت لکھی جائے گی،

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کے کوہان میں دائیں جانب ایک زخم سا کر دیا اور وہاں سے خون پونچھ دیا اور نعلین اس کی گردن میں لٹکائیں،

میں کہتا ہوں اس خون بہانے میں یہ راز ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم پائی جائے اور ملت حنیفیہ کا استحکام سب ادنیٰ اور اعلیٰ پر ظاہر ہو جائے اور قلب کا فعل ظاہری فعل سے منضبط ہو جائے اور اسماء بنت عمیس کے ہاں ذوالحلیفہ پہنچ کر ولادت ہوگئی تو آپ نے ان سے فرمایا "تو غسل کر لے اور ایک کپڑے کی گدی باندھ لے اور احرام باندھ لے"

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ حتی الامکان احرام کی سنت ادا ہوتی رہے، اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقام سرف میں حیض لاحق ہوا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر مقرر کیا ہے پس جو کچھ حج کرنے والا کرتا ہے تو بھی وہی کر بجز اس کے کہ جب تک تو پاک نہ ہو بیت اللہ کا طواف نہ کیجیو"

میں کہتا ہوں آپ نے کلام میں اس بات کی تمہید بیان کی کہ حیض کا آنا کثیر الوقوع ہے پس حکمت شرائع کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ایسی شئی سے دقت دفع کر دی جائے اور اس کے لئے ایک ظاہر طریقہ مقرر ہو، پس اس واسطے حائضہ سے طواف قدوم اور طواف وداع ساقط ہوگیا، اس کے بعد جب آپ مکہ کے قریب پہنچے تو ذی طویٰ میں نزول فرمایا اور

مكة من اعلاها نهاراً وخرج من اسفلها وذلك ليكون دخول مكة في حال اطمئنان القلب دون التعب ليتمكن من استشعار جلال الله وعظمته وايضاً ليكون طوافه بالبيت على اعين الناس فانه انوه بطاعة الله، وايضاً فكان النبي صلى الله عليه وآله وسلم يريد ان يعلمهم سنة المناسك فامهلهم حتى يجتمعوا اليه جامعين متهيئين وانما خالف في الطريق ليظهر شوكة المسلمين في كلتا الطريق ونظيره العيد، فلما اتى البيت استلم الركن وطاف سبعاً ورمل ثلاثاً ومشى اربعاً وخص الركنين اليمانيين بالاستلام، وقال فيما بينهما ربنا آتنا الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، ثم تقدم الى مقام ابراهيم فقرأ واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى، فصلى ركعتين، وجعل المقام بينه وبين البيت وقرأ فيهما قل هو الله احد، وقل يا ايها الكافرون، ثم رجع الى الركن فاستلمه.

اقول:- اما سر الرمل والاضطباع فقد ذكرناه، وانما خص الركنين اليمانيين

دن کے وقت مکہ میں بالائی طرف سے داخل ہوئے اور پست جانب سے نکلے اور یہ آپ نے اس لئے کیا تاکہ مکہ میں داخل ہونا اطمینان قلب کی حالت میں ہو نہ کہ تھکاوٹ کی حالت میں تاکہ اللہ تعالےٰ کے جلال اور اس کی عظمت پر آگاہی ہو سکے اور تاکہ سب لوگ آپ کو بیت اللہ کا طواف کرتا ہوا دیکھیں کیونکہ اس میں اللہ تعالےٰ کی طاعت کی زیادہ عظمت ہے، اور نیز آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مناسک کی تعلیم منظور تھی اس لئے آپ نے ان کو یہاں تک مہلت دی کہ سیکھنے کے لئے آمادہ ہو کر کثرت سے آپ کے پاس جمع ہو جائیں اور آمد ورفت میں آپ نے راستہ اس لئے بدلا تاکہ دونوں راستوں میں مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہو اور اس کی نظیر عید ہے، پھر جب آپ بیت اللہ کے پاس آئے تو رکن یمانی کو ہاتھ لگایا اور سات طواف کئے، تین طواف میں سینہ نکال کر چلے اور چار طواف میں معمولی رفتار سے چلے اور صرف دونوں رکن یمانی کو ہاتھ لگایا اور ان کے درمیان یہ دعا پڑھی ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار، پھر مقام ابراہیم کی طرف آگے بڑھے اور یہ آیت پڑھی:- واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ، اور دو رکعت نماز پڑھی اور مقام ابراہیم کو اپنے کعبہ کے درمیان کر لیا اور آپ نے ان دو رکعتوں میں قل ھو اللہ احد اور قل یا ایھا الکفرون پڑھیں پھر رکن یمانی کی طرف واپس تشریف لائے اور اس کو ہاتھ سے چھوا،

میں کہتا ہوں سینہ نکال کر چلنے اور دائیں بغل سے بائیں کاندھے پر چادر ڈالنے کا سبب تو ہم بیان کر چکے ہیں اور باقی رہی دو تو رکن یمانیوں کی

بالاستلام لما ذكره ابن عمر
من انهما باقيان على بناء ابراهيم
عليه السلام دون الركنين الأخريين
فانهما من تغييرات اهل الجاهلية
وانما اشترط له شروط الصلاة
لما ذكره ابن عباس رضي الله عنهما
من ان الطواف يشبه الصلاة في
تعظيم الحق وشعائره فحمل عليها
وانما سن ركعتين بعده انما
ما لتعظيم البيت فان تمامه ان
يستقبل في صلاتهم، وانما خص
بهما مقام ابراهيم لانه اشرف
مواضع المسجد وهو آية من
آيات الله ظهرت على سيدنا ابراهيم
وتذكر هذه الامور هي العمدة
في الحج، وانما استحب ان يقول
بين الركنين ربنا آتنا في الدنيا
حسنة وفي الآخرة حسنة الخ لانه
دعاء جامع نزل به القرآن وهي
قصير اللفظ يناسب تلك الفرصة
القليلة. ثم خرج من الباب الى
الصفا، فلما دنا من الصفا قرأ ان الصفا
والمروة من شعائر الله. ابدأ
بما بدأ الله به، فبدأ بالصفا و
رقى عليه حتى رأى البيت فاستقبل
القبلة فوحد الله وكبره، وقال لا
اله الا الله وحده لا شريك له له
الملك وله الحمد وهو على كل شئ
قدير، لا اله الا الله وحده انجز

چھونے کی وجہ وہی ہے جو حضرت ابن عمرؓ نے بیان کی
کہ یہ دونوں رکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد
پر باقی ہیں ان کے علاوہ دونوں رکن ایسے نہیں ہیں
کیونکہ اہل جاہلیت نے ان کو بدل دیا ہے اور طواف
کے اندر نماز کی شرطیں لگانے کا وہی سبب ہے
جو حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا کہ خدا تعالےٰ اور
اس کے شعائر کی تعظیم میں طواف نماز کے ساتھ
مشابہ ہے اس واسطے طواف کو نماز پر قیاس کیا
گیا اور اس کے بعد دو رکعتیں اس لئے مسنون کی
گئیں کہ بیت اللہ کی پوری تعظیم پائی جائے کیونکہ
اس کی پوری تعظیم یہ ہے کہ نماز میں اس کی طرف
منہ کیا جائے، اور ان دو رکعتوں کو پڑھنے کے
لئے مقام ابراہیم کو اس لئے خاص کیا کہ مسجد میں
سب سے اچھی جگہ یہی ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کی
نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو حضرت ابراہیم
علیہ السلام پر ظاہر ہوئی اور ان امور کی یاد دہانی
ہی حج کے اندر مقصود ہے، اور دونوں رکنوں کے
درمیان یہ دعا مانگنا: ربنا آتنا فی الدنیا
حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ۔ الخ اس لئے
مستحب ہوا کہ یہ ایک جامع دعا ہے جو قرآن پاک میں
نازل ہوئی ہے اور اس کے کلمات مختصر ہیں جو اس
قلیل فرصت کے مناسب ہیں، پھر دروازہ سے نکل
کر کوہ صفا کی طرف آپ تشریف لے گئے پس جب
آپ صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی "تحقیق صفا و
مروہ اللہ تعالےٰ کے شعائر میں سے ہیں" اور جس چیز کو
تعالےٰ نے پہلے ذکر کیا ہے اسی سے آپ نے ابتدا فر
پس صفا سے آپ نے ابتدا کی اور اس پر آپ چڑھ
یہاں تک کہ آپ نے بیت اللہ کو اس پر سے دیکھا پس
کی طرف منہ کرکے خدا تعالےٰ کی توحید اور اس کی

وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب
وحدہ، ثم دعا بین ذلک قال
مثل ھذا ثلاث مرات، ثم
نزل ومشی الی المروۃ حتی اذا
انصبت قدماہ فی بطن الوادی
سعی حتی اذا صعدتا مشی حتی
اتی المروۃ ففعل علی المروۃ
کما فعل علی الصفا۔

اقول:۔ فھم النبی صلی اللہ علیہ
وسلم من ھذہ الآیۃ ان
تقدیم الصفا علی المروۃ انما
ھو لتوفیق المذکور بالمشروع،
وانما خص من الاذکار ما فیہ
توحید وبیان لانجاز الوعد و
نصرہ علی اعدائہ تذکیر النعمۃ
واظھار البعض معجزاتہ وقطعا
لدابر الشرک وبیانا ان کل
ذلک موضوع تحت قدمیہ واعلاءً
لکلمۃ اللہ ودینہ فی مثل ھذا
الموضع ثم قال لو انی استقبلت
من امری ما استدبرت لم اسق
الھدی وجعلتھا عمرۃ فمن کان
منکم لیس معہ ھدی فلیحل
ولیجعلھا عمرۃ، قیل العامنا ھذا
ام للابد؟ قال لابل لابد الابد
فحل الناس کلھم وقصروا الا النبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ومن
کان معہ ھدی۔

اقول:۔ الذی بدل الرسول اللہ

بیان کی اور یہ کہا:۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ
لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر۔ لا الہ
الا اللہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم
الاحزاب وحدہ، پھر اس کے درمیان میں دعا کر کے
تین مرتبہ یہی پڑھا پھر آپ اتر کر مروہ کی طرف چلے یہاں تک
کہ آپ کے دونوں پاؤں بطن وادی میں پڑنے لگے تو
آپ جلدی جلدی چلنے لگے یہانتک کہ جب بلندی شروع
ہوگئی تو آپ معمول کے موافق چلنے لگے یہانتک کہ آپ کوہ
مروہ پر چڑھ گئے اور جیسا کہ آپ نے کوہ صفا پر توحید
اور تکبیر بیان کی تھی ویسا ہی کوہ مروہ پر کیا،

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس آیت سے یہ سمجھے
کہ خدا تعالیٰ نے مروہ پر صفا کے ذکر کو جو مقدم کیا ہے اس سے
مشروع کے ساتھ مذکور کا مطابق کرنا مقصود ہے اور
تمام اذکار میں سے ان اذکار کو جن کے اندر خدا تعالے
کی توحید اور اس کے ایفاء عہد اور دشمنوں پر فتحیاب
کرنیکا بیان ہے اس وجہ سے خاص کیا تاکہ خدا تعالے
کی نعمت کی یاد دہانی اور بعض معجزات کا اظہار اور شرک
کی بیخ کنی ہو اور تاکہ اس بات کا بیان ہو کہ یہ سب چیزیں
آپ کے قدموں تلے ہیں اور تاکہ ایسی جگہ میں کلمۃ اللہ
کا اور اس کے دین کا اعلان ہو جائے، پھر آپ نے
فرمایا "جو حال مجھ کو بعد میں معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم
ہوتا تو ہدی روانہ نہ کرتا اور حج کو عمرہ کر لیتا پس تم
میں سے جس کے پاس ہدی نہیں ہے وہ احرام سے باہر
آجائے اور حج کو عمرہ کر لے، کسی نے کہا "کیا اسی سال
کے لئے یا ہمیشہ کے لئے؟ آپ نے فرمایا "نہیں" بلکہ ابد
الاباد کے لئے" پس سب لوگ احرام سے باہر آ گئے
اور بال کترا لئے بجز نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اور ان
لوگوں کے جن کے ساتھ ہدی تھی،

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو چند امور کا

صلی اللہ علیہ وسلم امور، منہا ان الناس کانوا قبل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یرون العمرۃ فی ایام الحج من افجر الفجور فاراد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یبطل تحریفہم ذلک باتم وجہ، ومنہا انہم کانوا یجدون فی صدورہم حرجا من قرب عہدہم بالجماع عند انشاء الحج حتی قالوا انأتی عرفۃ ومذاکیرنا تقطر منیا؟ وہذا من التعمق، فاراد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یسد ہذا الباب، ومنہا ان انشاء الاحرام عند الحج اتم لتعظیم البیت وانما کان سوق الہدی مانعا من الاحلال لان سوق الہدی بمنزلۃ النذر ان یبقی علی ہیئتہ تلک حتی یذبح الہدی، والذی یلتزمہ الانسان اذا کان حدیث نفس او نیۃ غیر مضبوطۃ بالفعل لا عبرۃ بہ، واذا اقترن بہا فعل وصارت مضبوطۃ وجبت رعایتہا والضبط مختلف فادناہ باللسان واقواہ ان یکون مع القول فعل ظاہر علانیۃ یختص بالحالۃ التی ارادہا کالسوق، فلما کان یوم الترویۃ توجہوا الی منی فاہلوا بالحج ورکب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصلی

انکشاف ہوا، ازآں جملہ یہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل لوگ ایام حج میں عمرہ کرنا بڑا ہی گناہ سمجھتے تھے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ارادہ فرمایا کہ ان کی اس تحریف کو پورے طور پر مٹا دیں

اور ازآں جملہ یہ ہے کہ وہ اپنے دلوں میں اس بات سے تنگی محسوس کرتے تھے کہ حج شروع کرنے سے پہلے جماع کر لیا جائے حتیٰ کہ انہوں نے یہ بات کہی کیا ہم عرفہ کو ایسی حالت میں آئیں کہ ہمارے اعضاء سے منی ٹپکتی ہو!! اور ان کی یہ بات رائے زنی کے قبیل سے تھی پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دروازہ کو بند کرنے کا ارادہ فرمایا، اور ازآں جملہ یہ ہے کہ حج کے وقت احرام باندھنے میں خانہ کعبہ کی پوری پوری تعظیم پائی جاتی ہے اور ہدی کا روانہ کرنا احرام سے باہر آنے سے اس لئے مانع ہے کہ ہدی کا روانہ کرنا گویا یہ نذر کر لینا ہے کہ وہ ہدی کے ذبح ہو لے تک اسی حالت پر باقی رہے گا اور جس چیز کو انسان اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے تو جس وقت وہ دل کا خیال ہوتا ہے یا ارادہ ہوتا ہے جو کسی فعل کے ساتھ منضبط نہیں ہوتا تو ایسی بات کا اعتبار نہیں ہوتا اور جس وقت اس ارادہ کے ساتھ کوئی فعل بھی مل جاتا ہے اور اس کا انضباط ہو جاتا ہے، تو اس ارادہ کی رعایت واجب ہو جاتی ہے اور انضباط مختلف طرح سے ہوتا پس اس کا ادنیٰ درجہ زبان سے کہہ دینا ہے اور اس کا اعلیٰ درجہ قول کے ساتھ کسی ایسے فعل ظاہر کا ملانا ہے جو علانیہ ہو اس حالت کے ساتھ مخصوص ہو جس کا اس نے ارادہ کیا ہے جیسے ہدی کا روانہ کرنا پھر جب ترویہ کا دن ہوا تو سب لوگ منیٰ کو چلے اور حج کا احرام باندھا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور منیٰ میں ظہر اور عصر اور مغرب اور

بها الظهر والعصر والمغرب والعشاء
والفجر، ثم مكث قليلاً حتى طلعت
الشمس فسار حتى نزل بنمرة

اقول: انما توجه يوم التروية
ليكون ارفق به وبمن معه لان
الناس مجتمعون في ذلك اليوم
اجتماعاً عظيماً وفيهم الضعيف و
السقيم فاستحب الرفق بهم
ولم يدخل عرفة قبل وقتها
لئلا يتخذها الناس سنة و
يعتقدوا ان دخولها في غير وقتها
قربة: فلما زاغت الشمس بنمرة
امر بالقصواء فرحلت له فاتى بطن
الوادي فخطب الناس. وحفظ
من خطبته يومئذ ان دماءكم حرام
الخ ثم اذن بلال ثم اقام فصلى الظهر ثم اقام فصلى العصر
ولم يصل بينهما شيئاً:

اقول: انما خطب يومئذ
بالاحكام التي يحتاج الناس اليها
ولا يسعهم جهلها لان اليوم يوم
اجتماع، وانما تنتهز مثل هذه
الفرصة لمثل هذه الاحكام
التي يراد تبليغها الى جمهور الناس
وانما جمع بين الظهر والعصر وبين
المغرب والعشاء لان للناس
يومئذ اجتماعا لم يعهد في غير
هذا الموطن والجماعة الواحدة
مطلوبة، ولا بد من اقامتها في مثل
هذا الجمع لبراءة جميع من هنالك

عشاء، اور فجر کی نماز پڑھی پھر تھوڑی سی دیر ٹھیرے یہاں تک
کہ آفتاب نکل آیا، تب آپ چلے حتیٰ کہ آپ نے نمرہ میں نزول
فرمایا،

میں کہتا ہوں ترویہ کے دن منیٰ کا اس لئے قصد فرمایا
تاکہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو آسانی رہے کیونکہ
اس روز لوگ کثیر تعداد میں مجتمع ہوتے ہیں اور ان میں
ضعیف اور مریض بھی ہوتے ہیں پس آپ نے ان کے
ساتھ آسانی کرنے کو مناسب جانا، اور وقت سے پیشتر
عرفات میں اس لئے نہیں گئے کہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھنے
لگیں اور بے وقت جانے کو بھی عبادت سمجھنے لگیں، پھر
نمرہ میں سورج خوب روشن ہو گیا تو آپ نے ناقہ
قصواء کو طلب کیا پس وہ کسی گئی اور آپ سوار ہو کر
بطن وادی میں آئے اور لوگوں کو خطبہ سنایا، اور
آپ کے اس دن کے خطبہ میں سے یہ جملہ یاد رہ گیا ہے
"تمہارے خون تمہارے اوپر حرام ہیں" پھر بلال نے
اذان دی اسکے بعد اقامت کہی پھر آپ نے نماز ظہر ادا کی پھر بلال نے اقامت
کہی بعد آپ نے نماز عصر پڑھی اور ان کے درمیان کچھ اور نماز نہ پڑھی،

میں کہتا ہوں اس روز آپ نے خطبہ کے اندر وہ
احکام بیان فرمائے جن کی لوگوں کو حاجت تھی اور جن
کا جاننا ضروری تھا کیونکہ وہ دن لوگوں کے جمع ہونے
کا دن ہوتا ہے اور ایسی فرصت کو ایسے احکام کے لئے
غنیمت سمجھا جاتا ہے جن کی تبلیغ تمام مخلوق کے لئے
مقصود ہوتی ہے، اور ظہر و عصر اور عشاء و مغرب کو
اس لئے ملا کر پڑھا کہ اس روز لوگوں کا ایسا اجتماع ہوتا
ہے جو بجز اس مقام کے کہیں نہیں ہوتا اور شارع کو ایک
جماعت کا ہونا مطلوب ہے اور ایسے اجتماع میں ایک
جماعت کا قائم کرنا ضروری ہے تاکہ سب لوگ اس کو
دیکھیں اور دو وقتوں میں سب کا مجتمع ہونا مشکل تھا
اور نیز اس روز لوگ ذکر اور دعا میں مشغول ہوتے ہیں

ولا يتيسر اجتماعهم في وقتين
وايضا فلان للناس اشتغالا
بالذكر والدعاء وهما وظيفة
هذا اليوم ورعاية الاوقات و
ظيفة جميع السنة، وانما يرجع
في مثل هذا الشئ البديع النادر
ثم ركب حتى اتى الموقف واستقبل
القبلة فلم يزل واقفا حتى غربت
الشمس وذهبت الصفرة قليلا
ثم دفع :

اقول :- انما دفع بعد الغروب
رد التحريف الجاهلية فانهم كانوا
لا يدفعون الا قبل الغروب، ولان
قبل الغروب غير مضبوط وبعد
الغروب امر مضبوط، وانما يؤمر
في مثل ذلك اليوم بالامر المضبوط،
ثم دفع حتى اتى المزدلفة فصلى بها
المغرب والعشاء باذان واقامتين
ولم يسبح بينهما، ثم اضطجع
حتى طلع الفجر فصلى الفجر حين
تبين له الصبح باذان واقامة
ثم ركب القصواء حتى اتى المشعر
الحرام فاستقبل القبلة فدعا
الله وكبره وهلله ووحده فلم
يزل واقفا حتى اسفر جدا فدفع
قبل ان تطلع الشمس حتى اتى
بطن محسر وحركه قليلا :

اقول :- انما لم يتهجد رسول
الله صلى الله عليه واله وسلم

اور وہ اسی روز کا وظیفہ ہیں اور اوقات کی پابندی
تمام سال کا وظیفہ ہے، اور ایسے وقت میں بدیع
ونادر شئی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ پھر آپ وہاں سے
سوار ہو کر موقف میں تشریف لائے اور قبلہ کی
طرف متوجہ ہوئے پس آپ وہیں کھڑے رہے
یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوا اور زردی کم ہو گئی پھر
وہاں سے علیحدہ ہوئے،

میں کہتا ہوں غروب کے بعد وہاں سے
اس لئے علیحدہ ہوئے تاکہ جاہلیت کی تحریف
مٹ جائے کیونکہ وہ لوگ غروب سے پہلے ہی
ہٹ جاتے تھے اور نیز غروب سے پہلے کا وقت غیر
معین ہے اور بعد غروب معین ہے اور ایسے
دن میں امر منضبط کا حکم دینا چاہئے، پھر وہاں سے
چلکر مزدلفہ میں تشریف لائے اور وہاں مغرب و
عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی
اور ان کے درمیان کوئی نفل نماز نہیں پڑھی پھر سو گئے
یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی پھر جب صبح
خوب روشن ہو گئی تو فجر کی نماز ایک اذان اور ایک
اقامت سے پڑھی پھر قصواء پر سوار ہوئے حتی
کہ مشعر الحرام میں تشریف لائے اور قبلہ کی طرف
منہ کر کے خدا تعالے سے دعا مانگی اور تکبیر وتہلیل
اور توحید بیان کی اور برابر کھڑے ہو گئے یہاں
تک کہ خوب سویرا ہو گیا پھر آفتاب طلوع
ہونے سے بیشتر چل پڑے حتی کہ بطن محسر میں
تشریف لائے اور سواری کو تھوڑا تیز کر دیا۔

میں کہتا ہوں مزدلفہ کی رات میں رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز اس لئے
نہیں پڑھی کہ آپ جم غفیر کے اندر بہت سے مستحبات
کو ترک کر دیا کرتے تھے تاکہ لوگ ان کو سنت نہ سمجھیں

فی لیلة مزدلفة لانه کان لا یفعل کثیرا من الاشیاء المستحبة فی المجامع لئلا یتخذها الناس سنة، وقد ذکرنا سر الوقوف بالمشعر الحرام، وانما اوضع بمحسر لانه محل هلاک اصحاب الفیل فمن شان من خاف الله وسطوته ان یستشعر الخوف فی ذلک الموطن ویهرب من الغضب ولما کان استشعاره امرا خفیا ضبط بفعل ظاهر مذکر له منبه للنفس علیه، ثم اتی جمرة العقبة فرماها بسبع حصیات یکبر مع کل حصاة منها مثل حصی الخذف رمی من بطن الوادی؛

اقول: انما کان رمی الجمار فی الیوم الاول غدوة وفی سائر الایام عشیة لان من وظیفة الاول النحر والحلق والافاضة، وهی کلها بعد الرمی ففی کونه غدوة توسعة، واما سائر الایام فایام تجارة وقیام اسواق، فالاسهل ان یجعل ذلک بعد ما یفرغ من حوائجه، واکثر ما کان الفراغ فی آخر النهار، وانما کان رمی الجمار وترا والسعی بین الصفا والمروة وترا لما ذکرنا من ان الوتر عدد محبوب وان خلیفة الواحد الحقیقی هو الثلاثة او السبعة، فبالحری ان لا یتعدی من السبعة ان حصل فیها کفایة،

لگیں، اور مشعر حرام میں قیام کا راز ہم بیان کر چکے ہیں، اور بطن محسر میں اس لئے سواری کو تیز کیا کہ وہ جگہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کا مقام ہے پس جس شخص کی شان یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اور اس کی طاقت سے ڈرتا ہے اس کو اس مقام میں خوف معلوم ہوتا ہے اور غضب الٰہی سے ڈر کر بھاگتا ہے اور چونکہ اس خوف کا معلوم کرنا ایک امر خفی تھا اس واسطے اس کا انضباط ایسے ظاہری فعل سے کیا جو خوف کو یاد دلانے والا ہو اور اس خوف پر نفس پر تنبیہ کرنے والا ہو، پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم جمرۃ العقبہ میں تشریف لائے اور اس کی طرف سات کنکریاں پھینکیں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور بطن وادی سے انگلیوں سے کنکریاں پھینکیں،

میں کہتا ہوں اول دن میں رمی الجمار صبح کے وقت اور باقی دنوں میں شام کے وقت ہونیکی یہ وجہ ہے کہ اول دن میں قربانی اور سر منڈانا اور طواف افاضہ کرنا ہوتا ہے اور یہ سب کام بعد رمی کے ہوتے ہیں اس واسطے صبح کے وقت رمی جمار کرنے میں دوسرے کاموں کی وسعت ہے اور باقی ایام تجارت اور بازار قائم کرنے کے ہوتے ہیں اس واسطے ضروریات سے فراغت پانے کے بعد رمی الجمار میں سہولت ہے اور فراغت اکثر اخیر دن میں ہوتی ہے، اور رمی الجمار میں طاق عدد کا مقرر ہونا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کے اعداد کا طاق ہونا اسی وجہ سے ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ طاق عدد خدا تعالےٰ کو پسند ہے اور واحد حقیقی کا قائم مقام تین یا سات کا عدد ہے پس سات سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے اگر اس میں کفایت ہو سکے۔ اور انگلیوں سے کنکریوں کو اس لئے پھینکے کہ اس سے کم میں وہ محسوس نہیں ہوتیں اور اس سے زیادہ میں ایسے حجم

وانما رمى بمثل حصى الخذف لان
دونها غير محسوس وفوقها ربما
يؤذي في مثل هذا الموضع، ثم
انصرف الى المنحر فنحر ثلاثا و
ستين بدنة بيده، ثم اعطى
عليا رضي الله عنه لينحر ما غبر،
واشركه في هديه، ثم امر من
كل بدنة ببضعة فجعلت في قدر
فطبخت فاكلا من لحمها وشربا
من مرقها ٭

اقول :- انما نحر بيده هذا
العدد ليشكر ما اولاه الله في كل
سنة من عمره ببدنة، وانما اكل منها
وشرب اعتناء بالهدي وتبركا
بما كان لله تعالى، قال صلى الله عليه
وسلم نحرت ههنا ومنى كلها منحر
فانحروا في رحالكم ووقفت ههنا
وعرفة كلها موقف ووقفت ههنا
وجمع كلها موقف، وزاد في رواية
وكل فجاج مكة طريق ومنحر ٭

اقول :- فرق النبي صلى الله عليه
وسلم بين ما فعله تشريعا
لهم وبين ما فعله بحسب الاتفاق
او لمصلحة خاصة بذلك اليوم
او اختيار المحاسن الامر، ثم
ركب رسول الله صلى الله عليه
واله وسلم فافاض الى البيت
فصلى بمكة الظهر وطاف وشرب
من زمزم ٭

پر ایذا پہنچنے کا احتمال ہے پھر آپ قربانی کرنے
کی جگہ میں تشریف لائے پس آپ نے تریسٹھ
بدنے اپنے ہاتھ سے ذبح کئے پھر حضرت علیؓ کو چھری
عطا فرمائی تاکہ باقی کو ذبح کریں اور اپنی قربانی میں
حضرت علیؓ کو شریک کیا پھر حکم دیا کہ ہر بدنہ میں سے
ایک ایک ٹکڑا لیکر سب کو ایک ہانڈی میں پکایا
جائے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم
اللہ وجہہ نے اس گوشت میں سے کچھ کھایا اور کچھ
شوربا پیا،

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ
سے اس قدر قربانیاں اس لئے کیں تاکہ اللہ تعالے کا
شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کی عمر کے ہر سال کے
عوض ایک بدنہ عطا فرمایا، اور اس میں سے اس لئے
کھایا اور پیا تاکہ ہدی کی تعظیم پائی جائے اور اللہ تعالیٰ
کی چیز سے تبرک حاصل کریں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "میں نے اس جگہ قربانی کی ہے اور منیٰ سب کی
سب قربانی کی جگہ ہے پس تم لوگ اپنے اپنے مقام پر
قربانی کرو، اور میں یہاں پر ٹھیرا اور عرفات بھی سب
جگہ ٹھیرنے کی ہے، اور میں یہاں پر ٹھیرا اور جمع یعنی
مزدلفہ سب کی سب ٹھیرنے کی جگہ ہے" اور ایک
روایت میں یہ بھی زاید ہے "مکہ کی ہر گلی، راستہ قربانی
کی جگہ ہے"

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں
جس کو تشریعاً کیا تھا اور اس امر میں جس کو بحسب اتفاق
یا کسی ایسی مصلحت کے اعتبار سے جو اس دن کے
ساتھ خاص تھی یا اچھے امر کے اختیار کرنے کے طور
پر کیا تھا فرق کر دیا، پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم سوار
ہوئے اور مکہ کی طرف چلے پس مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی
اور طواف کیا اور زمزم سے پانی پیا،

اقول: انما بادر الی البیت لتکون الطاعۃ فی اول وقتہا ولانہ لا یامن الانسان ان یکون لہ مانع وانما شرب من زمزم تعظیما لشعائر اللہ وتبرکا بما اظہرہ اللہ رحمۃ فلما انقضت ایام منی نزل بالابطح وطاف للوداع ونفر۔

اقول: اختلف فی نزول الابطح ہل ہو علی وجہ العبادۃ او العادۃ؟ نقلت عائشۃ نزول الابطح لیس بسنۃ انما نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لانہ کان اسمع لخروجہ، واستنبط من قولہ حیث تقاسموا علی الکفر انہ قصد بذلک تنویہا بالدین، والاول اصح۔

امور تتعلق بالحج

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نزل الحجر الاسود من الجنۃ وہو اشد بیاضا من اللبن فسودتہ خطایا بنی آدم وقال فیہ واللہ لیبعثنہ اللہ یوم القیامۃ لہ عینان یبصر بہما ولسان ینطق بہ یشہد علی من استلمہ بحق وقال ان الرکن والمقام یاقوتتان۔

اقول: یحتمل ان یکونا من

میں کہتا ہوں آپ نے بیت اللہ کی طرف اس لئے جلدی کی تاکہ اول وقت میں عبادت ہو اور دوسرے یہ کہ ہر وقت انسان کو کوئی مانع پیش آسکتا ہے۔ اور زمزم سے پانی اس لئے آپ نے پیا تاکہ شعائر اللہ کی تعظیم ہو اور خدا تعالےٰ نے اپنی رحمت سے جو ایک چیز ظاہر کی ہے اس سے برکت حاصل ہو پھر جب منیٰ کے دن پورے ہو چکے تو آپ ابطح میں ٹھہرے اور طواف وداع کر کے تشریف لے گئے،

میں کہتا ہوں ابطح میں نزول فرمانے کے اندر اختلاف ہے کہ وہ عبادت کے طور پر تھا یا عادت کے طور پر، پس حضرت عائشہؓ نے فرمایا ابطح کے اندر اترنا سنت نہیں ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس جگہ اس لئے ٹھیرے تھے کہ وہاں سے کوچ کرنا آسان تھا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ "ہم کل انشاء اللہ اس جگہ ٹھیریں گے جہاں لوگوں نے کفر پر قسم کھائی تھی" اس بات کو اخذ کیا کہ آپنے وہاں پر ٹھیرنے سے دین کی شوکت کا قصد فرمایا تھا، اور پہلی بات زیادہ صحیح ہے،

حج کے ساتھ متعلق امور کا بیان

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حجر اسود جنت سے اتارا گیا ہے اور وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا پس بنی آدم کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر دیا" اور آپ نے اس کے بارے میں فرمایا "اللہ کی قسم اللہ تعالےٰ اس کو قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولیگا اور جس نے اسکو اللہ کے لئے بوسہ دیا ہے اس کی شہادت بیان کریگا" اور فرمایا "رکن یمانی اور مقام دو یاقوت ہیں"،

الجنة فی الاصل فلما جعلا فی الارض
اقتضت الحکمة ان یراعی فیهما حکم
نشاة الارض فطمس نورهما و
یحتمل ان یراد انه خالطهما قوة
مثالیة بسبب توجه الملائکة
الی تنویه امرهما وتعلق همم
الملأ الاعلی والصالحین من بنی
آدم حتی صارت فیهما قوة ملکیة،
وهذا وجه التوفیق بین قول
ابن عباس رضی الله عنهما کلما
هذا، وقول محمد بن الحنفیة
رضی الله عنه حجر من احجار
الارض، وقد شاهدنا عیانا ان
البیت کالمحشو بقوة ملکیة و
لذلك وجب ان یعطی فی المثال ما
هو خاصیة الاحیاء من العینین
واللسان، ولما کان معرفا لایمان
المؤمنین وتعظیم المعظمین
لله وجب ان یظهر فی اللسان
بصورة الشهادة له او علیه کما
ذکرنا من سر نطق الارجل والایدی
قال النبی صلی الله علیه وآله و
سلم من طاف بهذا البیت اسبوعا
یحصیه وصلی رکعتین کان
کعتق رقبة وما وضع رجل قدما
ولارفعها الا کتب الله له بها
حسنة ومحا بها سیئة ورفع
له بها درجة ۔

اقول:۔ السر فی الفضل شیئان

میں کہتا ہوں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ دونوں
جنت سے لائے گئے ہوں پس جب وہ زمین پر نصب
کئے گئے تو حکمت کا یہ مقتضیٰ ہوا کہ ان میں زمین کے
مزاج کی رعایت کی جائے اس واسطے ان کا نور سلب
کر دیا گیا، اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان دونوں
کی عظمت کی طرف ملائکہ کی توجہ اور ملاء اعلیٰ اور
بنی آدم میں صالحین کی ہمتوں کے تعلق کے سبب
سے ان دونوں کے ساتھ ایک قوت مثالیہ کا اختلاط
ہوا حتیٰ کہ ان میں قوت ملکیہ پیدا ہو گئی، اور حضرت
ابن عباسؓ کے اس قول میں اور محمد بن حنفیہ
کے اس قول میں کہ "زمین کے پتھروں میں سے وہ
ایک پتھر ہے۔" تطبیق کی یہی صورت ہے اور ہم نے
آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ خانہ کعبہ
قوت ملکیہ سے گویا پُر ہے اس واسطے ضروری
ہوا کہ عالم مثال میں حجر اسود کو آنکھیں اور زبان
دی جائے جو جاندار چیزوں کی خاصیت ہے۔ اور
چونکہ خانہ کعبہ مؤمنین کے ایمان اور خدا تعالیٰ
کی تعظیم کرنے والوں کی تعظیم کو بتلانے والا تھا
اس واسطے ضروری ہوا کہ زبان میں شہادت کی
صورت کا ظہور ہو جیسا کہ ہم نے پاؤں اور ہاتھ
کے گویا ہونے کے راز میں بیان کیا ہے، نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے اس
گھر کا سات مرتبہ شمار کر کے طواف کیا اور دو
رکعت نماز پڑھی تو یہ ایک غلام آزاد کرنے
کے برابر ہوا اور جو شخص ایک قدم رکھتا یا اٹھاتا
ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے بدلہ میں اس کے لئے
ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ دور کرتا ہے اور ایک
درجہ بلند کرتا ہے"۔

میں کہتا ہوں اس فضیلت میں دو چیزیں

احدهما انه لما كان شبيها
بالخوض في رحمة الله و عطف
دعوات الملأ الاعلى اليه و مظنة
لذلك ذكر له اقرب خاصية
لذلك و ثانيهما انه اذا فعله الانسان
ايمانا بامر الله وتصديقا بموعوده
كان تبيانا لايمانه وشرحا له،
قال صلى الله عليه وسلم ما من
يوم اكثر من ان يعتق الله فيه
عبدا من النار من يوم عرفة و
انه ليدنو ثم يباهي بهم الملائكة ؛
اقول:- ذلك لان الناس اذا
تضرعوا الى الله باجمعهم لم يتراخ
نزول الرحمة عليهم وانتشار الروحانية
بهم، وقال صلى الله عليه وسلم خير
الدعاء دعاء يوم عرفة وخير ما
قلت انا والنبيون قبلي لا اله الا الله
وحده لا شريك له الخ وذلك لانه
جامع لاكثر انواع الذكر، ولذلك
رغب فيه، وفي سبحان الله و
الحمد لله الخ في مواطن كثيرة و
اوقات كثيرة كما ياتي في الدعوات
ومن السنة ان يهدي وان لم
يأت الحج اقامة لاعلاء كلمة الله
قدر الامكان، وانما دعا للمحلقين
ثلاثا وللمقصرين مرة ابانة لفضل
الحلق، وذلك لانه اقرب لزوال
الشعث وانسب لهيئة الداخلين
على الملوك وادل على ان يبقى اثر الطاعة

ایک تو یہ کہ طواف کرنا جبکہ رحمت الٰہی میں غوطہ
لگانے کے اور عالم بالا کی دعاؤں کے متوجہ ہونے
کے مشابہ تھا اور اس کا مظنہ تھا تو اس کی خاصیت
قریبہ کو بیان کر دیا اور دوسرے یہ کہ جب انسان
خدا تعالےٰ پر یقین رکھ کر اور اس کے وعدہ کو سچا
سمجھ کر کسی کام کو کرتا ہے تو یہ کام اس کے ایمان کی
شرح اور بیان ہو جاتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "عرفہ کے دن سے زیادہ کوئی دن ایسا نہیں
ہوتا جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کو دوزخ سے نجات
دے اور اس دن لوگوں سے نہایت قریب ہوتا ہے
پھر ان کے ساتھ فرشتوں سے فخر بیان کرتا ہے"
میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب سب لوگ
ملکر خدا تعالےٰ سے عاجزی کرتے ہیں تو ان پر رحمت
کے نازل ہونے میں اور ان کے اندر روحانیت کے
پھیلنے میں کچھ دیر نہیں لگتی، اور نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "سب دعاؤں سے بہتر عرفہ کے دن
کی دعا ہے اور بہتر بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیا
نے کہی ہے "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ ہے،
اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ کلمہ ذکر کے بہت سے
اقسام کو جامع ہے اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے اس کی اور سبحان اللہ اور الحمد للہ کی
بہت سے مقامات اور اوقات میں بہت ترغیب دی
ہے جیسا کہ دعاؤں کے باب میں اس کا ذکر آتا ہے، اور
ہدی کا بھیجنا مسنون ہے اگرچہ حج کو نہ جائے تاکہ حتی
الامکان اعلاء کلمۃ اللہ کی اقامت ہو، اور نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے بال منڈانے والوں کے لئے تین بار
اور بال ترشوانے والوں کیلئے ایک بار دعا کی تاکہ سر منڈانے کی
فضیلت ظاہر ہو جائے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سر منڈانے سے گرد و
غبار زیادہ دور ہوتا ہے جو بادشاہوں کے پاس جانیوالوں کی

ويرى منه ذلك ليكون انوه بطاعة الله، ونهى ان تحلق المرأة رأسها لانه مثلة وتشبه بالرجال، وافتى فيمن حلق قبل ان يذبح او نحر قبل ان يرمي او رمى بعدما امسى او افاض قبل الحلق انه لاحرج، ولم يأمر بكفارة، والسكوت عند الحاجة بيان، وليت شعري هل في بيان الاستحباب صيغة اصرح من لا حرج، ولا يتم التشريع الا ببيان الرخص في وقت الشدائد فمنها اذى لا يستطيع معه الاجتناب عما حرم عليه في الاحرام وفيه قوله تعالى فمن كان منكم مريضا او به اذى من رأسه ففدية من صيام او صدقة او نسك، وقوله صلى الله عليه وسلم لكعب بن عجرة فاحلق رأسك واطعم فرقا الخ وقد بينا ان احسن انواع الرخص ما يجعل معه شئ يذكر له الاصل ويثلج صدره المجمع على عزيمة الاصل عند تركه، وحمل الافراط في وجوب الكفارة على ذلك بالطريق الاولى، ومنها الاحصار وقد سن فيه حين حال كفار قريش دون البيت فنحر هداياه وحلق وخرج من الاحرام، والسر في حرم مكة والمدينة ان لكل شئ تعظيما وتعظيم البقاع ان لا يتعرض

باقی رہتا ہے اور یہ اثر سر منڈانے سے دکھائی دیتا ہے تاکہ عبادت الٰہی پر تنبیہ ہو، اور آپ نے عورت کو سر منڈانے سے اس لئے منع فرمایا کیونکہ وہ اس کے حق میں مثلہ ہے اور مردوں کے ساتھ مشابہت کا پایا جانا ہے، اور جس شخص نے ذبح سے پیشتر سر منڈایا یا رمی سے پیشتر قربانی کی یا شام ہونے کے بعد رمی کی یا سر منڈانے سے پہلے طواف کیا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے یہ فتوٰی دیا کہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور کفارہ کا حکم نہیں دیا اور ضرورت کے وقت سکوت کرنا بیان ہے اور کاش میں یہ جانتا کہ استحباب کے بیان میں لا حرج کے لفظ کے زیادہ صریح کوئی اور لفظ ہے اور تشریع اس کے بغیر تمام نہیں ہوتی کہ شدائد کے وقت رخصتوں کو بیان کیا جائے، پس منجملہ ان شدائد کے وہ تکلیف ہے جس کی وجہ سے احرام کی حرام چیزوں سے اجتناب نہ کر سکے اور اس امر میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "پس تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو روزوں سے یا صدقہ سے یا قربانی سے اس کا فدیہ ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی ہے جو کعب بن عجرہ سے فرمایا تھا کہ "اپنے سر کو منڈا لے اور ایک فرق[1] چھوارے مساکین کو کھلا دے" الخ۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ رخصت کے اقسام میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کے ساتھ کوئی ایسی چیز مقرر کر دی جائے جو اصل عبادت کو یاد دلاتی ہے اور جس نے اصل عبادت کا قصد کر رکھا تھا اس عبادت کے ترک کرتے وقت اس کی دل جمعی کرے اور وجوب کفارہ میں جو زیادتی کی گئی ہے وہ بطریق اولیٰ اس پر محمول ہے، اور منجملہ ان شدائد کے ایک احصار ہے اور اس امر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ جب کفار قریش نے بیت اللہ جانے سے روکا تو آپ نے اپنی ہدایا کی قربانی کی اور سر منڈایا اور احرام

[1] ایک وزن کا نام ہے ۱۲

لما فيها بسوء، واصله ماخوذ من حمى
الملوك وحلة بلادهم، فانه
كان انقياد القوم لهم وتعظيمهم
اياهم مساوقا لمؤاخذة انفسهم
ان لا يتعرضوا لما فيها من الشجر و
الدواب، وفي الحديث ان لكل ملك
حمى وان حمى الله محارمه، فاشتهر
ذلك بينهم ورسخ في صميم قلوبهم
وسويداء افئدتهم، ومن ادب
الحرم ان يتأكد وجوب ما يجب
في غيره من اقامة العدل وتحريم
ما يحرم فيه، وهو قوله صلى الله
عليه وسلم احتكار الطعام في
الحرم الحاد فيه.

قوله تعالى يا ايها الذين آمنوا
لاتقتلوا الصيد وانتم حرم
الآية.

اقول: لما كان الصيد في
الحرم والاحرام والجماع في الاحرام
افراطا ناشئا من توغل النفس
في شهوتها وجب ان يزجر عن ذلك
بكفارة، واختلفوا في جزاء الصيد
هل تعتبر المثلية في الخلق او
القيمة والحق انه ينبغي ان يسأل ذوي
عدل فان رأيا رأي السلف في تلك
الصور فذاك وان رأيا القيمة فذاك
قال النبي صلى الله عليه وسلم لا
يصبر على لأواء المدينة احد
من امتي الا كنت له شفيعا يوم

سے باہر ہو گئے، اور مکہ اور مدینہ کے حرم میں یہ راز ہے
کہ ہر چیز کے لئے ایک خاص تعظیم ہوتی ہے اور مقامات
کی تعظیم یہ ہے کہ ان کے اندر کی چیزوں میں سے کسی برائی کے
ساتھ تعرض نہ کیا جائے اور اس تعظیم کی اصل بادشاہوں
کی عدا اور ان کی شہر پناہوں سے ماخوذ ہے کیونکہ قوم کا ان
کے سامنے مطیع ہونا اور ان کی تعظیم کرنا یہ ہے کہ وہ اپنے
اوپر اس بات کو مقرر کر لیتی ہے کہ ان حدود کے اندر
جو درخت و چوپائے وغیرہ ہیں ان سے وہ کچھ تعرض
نہ کریں گے، اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ہر بادشاہ
کا ایک حرم ہے اور خدا تعالےٰ کا حرم اس کی حرام کی ہوئی
چیزیں ہیں، پس یہ بات ان میں مشہور ہو گئی تھی
اور ان کے دلوں میں پیوست ہو گئی تھی، اور حرم کا
ادب ایک یہ ہے کہ جو چیز غیر حرم میں واجب ہے
جیسے عدل کا قائم کرنا، یا جو چیز حرام ہے حرم کے اندر اس
کے وجوب کی اور اس کی تحریم کی نہایت تاکید کیجائے
چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حرم کے اندر
غلہ کا بند کرنا اس میں الحاد کرنا ہے"

اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "اے ایمان والو احرام
کی حالت میں شکار نہ کرو" الآیۃ۔

میں کہتا ہوں چونکہ حرم اور احرام کے اندر شکار
کرنا اور احرام کی حالت میں جماع کرنا ایک طرح کی افراط
ہے جو شہوت نفس کے توغل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو
ضروری ہوا کہ کفارہ کے ساتھ اسے روکا جائے، اور شکار
کی جزاء میں اختلاف ہے کہ مثلیت کا اعتبار صورت کے
اندر ہے یا قیمت کے اندر ہے اور حق یہ ہے کہ دو عادل
شخصوں سے یہ بات دریافت کی جائے پس اگر وہ اس
بارے میں سلف کے مانند رائے دیں تو اس پر
عمل کرنا چاہیئے اور اگر قیمت تجویز کریں تو قیمت
دینی چاہیئے۔

القيامة .

اقول: سر هذا الفضل ان عمارة المدينة اعلاء لشعائر الدين، فهذه فائدة ترجع الى الملة، وان حضور تلك المواضع والحلول فى ذلك المسجد مذكر لما كان النبى صلى الله عليه وآله وسلم فيه، هذه فائدة ترجع الى نفس هذا المكلف، قال النبى صلى الله عليه وآله وسلم ان ابراهيم حرم مكة فجعلها حراما وانى حرمت المدينة .

اقول فيه اشارة الى ان دعاء النبى صلى الله عليه وسلم بجهد همته وتأكد عزيمته له دخل عظيم فى نزول التوقيتات، والله اعلم

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں سے جو شخص مدینہ کی مصیبتوں پر صبر کرے گا میں قیامت میں اس کے لیے شفیع ہوں گا۔"

میں کہتا ہوں اس فضیلت کا راز یہ ہے کہ مدینہ کا آباد کرنا دین کے شعائر کا بلند کرنا ہے پس یہ ایسا فائدہ ہے جو دین کی طرف رجوع کرتا ہے اور ایسے مواضع میں جانا اور مسجد نبوی میں داخل ہونا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کو یاد دلاتا ہے اور یہ ایسا فائدہ ہے جو مکلف کی ذات کی طرف رجوع کرتا ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو عزت دی اور اس کو حرم بنا دیا اور میں نے مدینہ کو حرم بنایا۔"

میں کہتا ہوں اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے دعا اور آپ کے پختہ ارادہ کو توقیتات کے نزول میں بہت بڑا دخل ہے۔ واللہ اعلم۔

من ابواب الاحسان

اعلم ان ما كلف به الشارع تكليفا اوليا ايجابا او تحريما هو الاعمال من جهة انها تنبعث من الهيئات النفسانية هى فى المعاد للنفوس او عليها، وانها تمد فيها وتشرحها وهى اشباحها وتماثيلها، والبحث عن تلك الاعمال من جهتين احداهما جهة الزامها جمهور الناس والعمدة فى ذلك اختيار مظان تلك الهيئات من الاعمال، والطريقة

ابواب احسان

واضح ہو کہ ایجاب یا تحریم کی وجہ سے شارع نے بندوں کو بالذات جن امور کی تکلیف دی ہے وہ اعمال ہیں اس اعتبار سے کہ وہ اعمال ان ہیات نفسانیہ سے پیدا ہوتے ہیں جو آخرت میں نفوس کو نفع یا نقصان پہنچائے گی اور یہ اعمال ان ہیات نفسانیہ کو بڑھاتے ہیں اور ان ہیات کا بیان ہیں اور یہ اعمال ان کی اشباح اور صور ہوتے ہیں اور ان اعمال سے دو طرح پر بحث کی جاتی ہے ایک یہ ہے کہ تمام لوگوں کو اس کی پابندی پر مجبور کیا جائے اور اس امر میں عمدہ یہ ہے کہ ان ہیات کے مظان یعنی اعمال کو اختیار کیا جائے اور اس طریق

الظاهرة التي ليدها نهاي ها يؤاخذون بها على اعين الناس فلا يتمكنون من التسلل والاعتذار، ولا بد ان يكون بناؤها على الاقتصاد والامور المضبوطة والثانية جهة تهذيب نفوسهم بها وايصالها الى الهيئات المطلوبة منها، والعمدة في ذلك معرفة تلك الهيئات ومعرفة الاعمال من جهة ايصالها اليها وبناؤها على الوجدان وتفويض الامر الى صاحب الامر، فالباحث عنها من الجهة الاولى هو علم الشرائع وعن الثانية هو علم الاحسان۔

فالناظر في مباحث الاحسان يحتاج الى شيئين، النظر الى الاعمال من حيث ايصالها الى هيئات نفسانية لان العمل ربما يؤدى على وجه الرياء والسمعة او العادة او يقارنه العجب والمن والاذى فلا يكون موصلا الى ما اريد منه، وربما يؤدى على وجه لا تتنبه هذه النفس لارواحه تنبها يليق بالمحسنين وان كان من النفوس من يتنبه بمثله كالمكتفي باصل الفرض لا يزيد عليه كما ولا كيفا وهو ليس بزكي، والنظر الى تلك الهيئات النفسانية ليعرفها حق معرفتها فيباشر الاعمال على بصيرة مما اريد منها فيكون طبيب نفسه يسوس نفسه كما يسوس الطبيب الطبيعة فان من لا يعرف المقصود من الآلات

ظاہر کو اختیار کیا جائے جو ہر شخص پر ظاہر ہو اور جو سب لوگوں کے سامنے ہوں پس وہ لوگ حیلے و بہانہ نہ کر سکیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی بنیاد میانہ روی پر ہو اور امور منضبط پر ہو، اور دوسری قسم یہ ہے کہ ان اعمال سے نفوس کی تہذیب اور ان ہیأت کی طرف پہنچانا مقصود ہو جو ان اعمال سے مطلوب ہیں اور اس امر میں عمدہ ان ہیأت کی معرفت ہے اور اعمال کی معرفت ہے اس جہت سے کہ وہ اعمال ان ہیأت کی طرف پہنچا دیں اور ان کا بنا وجدان اور مکلف کے اختیار میں دیدینے پر ہے پس جس علم میں ان اعمال سے پہلی جہت سے بحث ہوتی ہے وہ علم الشرائع ہے اور جس علم میں دوسری جہت سے بحث ہوتی ہے وہ علم علم الاحسان ہے،

پس مباحث احسان میں نظر کرنے والے کو دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک تو اعمال کی طرف اس طرح پر نظر کرنا کہ وہ ہیأت نفسانیہ کی طرف پہنچا دیں کیونکہ کبھی کبھی عمل ریار اور سمعہ یا عادت کے طور پر ادا کیا جاتا ہے یا اسکے ساتھ خود پسندی اور احسان جتانا اور ایذا رسانی پائی جاتی ہے پس ایسے عمل سے وہ چیز حاصل نہیں ہوتی جو اس سے مقصود ہوتی ہے، اور کبھی اس فعل کو اس طرح پر ادا کیا جاتا ہے کہ نفس کو اس عمل کی روح پر وہ تنبہ حاصل نہیں ہوتا جو محسنین کو حاصل ہونا چاہیئے اگرچہ بعض ایسے نفوس ہوتے ہیں جو اس کے مثل پر متنبہ ہو جاتے ہیں جیسے وہ شخص جو اصل فرائض پر اکتفا کرتا ہے نہ کمیت میں زیادتی کرتا ہے اور نہ اس کی کیفیت میں زیادتی کرتا ہے اور ایسا شخص ذکی نہیں ہوتا، اور دوسرے ان ہیأت نفسانیہ کی طرف نظر کرنا تاکہ ان کی پوری معرفت ہو اور ایسی بصیرت کے ساتھ ان کو عمل میں لائے جو ان سے مقصود ہے پس وہ اپنے نفس کا طبیب بن کر اس پر ایسی حکومت کرے جیسے طبیب طبیب پر حکومت کرتا ہے کیونکہ جو شخص اس چیز کو نہیں جانتا جو آلات سے مقصود ہے

كان اذا استعملها ان يخبط خبط عشواء
او يكون كحاطب ليل، واصول الاخلاق
المبحوث عنها في هذا الفن اربعة كما
نبهنا على ذلك فيما سبق، الطهارة
الكاسبة للتشبه بالملكوت والاخبات
الجالب للتطلع الى الجبروت، وشرع
للاول الوضوء والغسل، وللثاني
الصلاة والاذكار والتلاوة، واذا
اجتمعتا سميناه سكينة ووسيلة
وهو قول حذيفة في عبد الله بن
مسعود رضي الله عنهما لقد علم
المحفوظون من اصحاب محمد صلى
الله عليه وسلم انه اقربهم الى الله و
سيلة وقد سماها الشارع ايمانا في
قوله الطهور شطر الايمان، وقد بين
النبي صلى الله عليه وسلم حال
الاول حيث قال ان الله نظيف يحب
النظافة، واشار الى الثاني حيث قال
الاحسان ان تعبد الله كانك تراه
فان لم تكن تراه فانه يراك، والعمدة
في تحصيلها التلبس بالنواميس
المأثورة عن الانبياء مع ملاحظة
ارواحها وانوارها والاكثار منها
مع رعاية هيأتها واذكارها، فروح
الطهارة هي نور الباطن وحالة الانس
والانشراح وخمود الافكار الجريزة
وركود التشويشات والقلق وتشتت
الفكر والضجر والجزع، وروح الصلاة
هي الحضور مع الله والاستشراف

تو وہ جب ان آلات کو برتتا ہے تو اندھی اونٹنی کی طرح
بدحواس ہو جاتا ہے اور اس کی حالت اس شخص جیسی ہو جاتی
ہے جو رات کے وقت لکڑیاں چنتا پھرتا ہے اور جن اخلاق
سے اس فن میں بحث کی جاتی ہے ان کے چار اصول ہیں
جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں، ایک تو طہارت ہے جس سے
ملکوت کے ساتھ مشابہت حاصل ہوتی ہے اور دوسرے
خدا تعالے کے لئے عاجزی اور فرمانبرداری کرنا ہے جو جبروت
پر اطلاع کا سبب بنتا ہے پہلے کے لئے وضو اور غسل اور
دوسرے کے لئے نماز، اذکار اور تلاوت مقرر کئے گئے،
اور جب دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو ہم اس کو سکینہ اور وسیلہ
کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں چنانچہ حذیفہ کا قول جو عبد اللہ بن
مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم
کے اصحاب میں سے محفوظ لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ
یعنی عبد اللہ بن مسعود سب سے زیادہ وسیلہ کے اعتبار
سے اللہ تعالے کے مقرب ہیں، اور شارع نے طہارت
کو اپنے اس قول میں ایمان فرمایا ہے "پاکی نصف ایمان ہے"
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے طہارت کے حال کو اس طرح
بیان فرمایا "خدا تعالے پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے" اور
دوسرے کی طرف اس قول سے اشارہ فرمایا "احسان اس
کو کہتے ہیں کہ تو اللہ تعالے کی اس طرح پر عبادت کر گویا تو
اس کو دیکھ رہا ہے پس تو اس کو اگر نہیں دیکھتا ہے تو وہ تجھ
کو دیکھ رہا ہے" پس طہارت کے حاصل کرنے میں عمدہ
ان عبادات کا اختیار کرنا جو انبیاء علیہم السلام سے منقول
ہیں اور انکی ارواح اور انکے انوار کا لحاظ کرنا اور کثرت سے
انکو عمل میں لانا اور ان کی ہیأت اور اذکار کا خیال رکھنا ہے
پس طہارت کی روح باطن کا منور ہونا اور انس و سرور
کی حالت کا پیدا ہونا اور پریشان افکار کا دور ہونا اور
پراگندگی اور پریشانی اور حیرانی اور گھبراہٹ کا رک جانا ہے
اور نماز کی روح خدا تعالے کے ساتھ حضور اور جبروت

للجبروت وتذکر جلال اللہ مع تعظیم ممزوج بمحبۃ وطمانینۃ والیہ الاشارۃ فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک، واشار الی کیفیۃ تمرین النفس علیہا بقولہ، قال اللہ تعالی قسمت الصلاۃ بینی وبین عبدی نصفین والعبدی ماسأل، فاذا قال العبد الحمد للہ رب العالمین قال اللہ حمدنی عبدی، واذا قال الرحمن الرحیم قال اللہ اثنی علی عبدی، واذا قال مالک یوم الدین قال مجدنی عبدی، واذا قال ایاک نعبد وایاک نستعین، قال ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سال، واذا قال اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، قال ھذا لعبدی ولعبدی ما سال،

فذلک اشارۃ الی الامر بملاحظۃ الجواب فی کل کلمۃ، فانہ ینبہ للحضور تنبیہا بلیغا، وبادعیۃ سنہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلاۃ وھی مذکورۃ فی حدیث علی رضی اللہ عنہ وغیرہ، وروح تلاوۃ القرآن ان یتوجہ الی اللہ بشوق وتعظیم، ویتدبر فی مواعظہ ویستشعر الانقیاد فی احکامہ ویعتبر بامثالہ وقصصہ ولا یمر بآیۃ صفات اللہ وآیاتہ الا

پر مطلع ہونا اور خدا تعالےٰ کی کبریائی کا یاد کرنا اور اس کے ساتھ تعظیم کا ہونا ہے جس میں محبت اور طمانینت پائی جائے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے "الاحسان ان تعبد اللہ" الخ۔ اور آپ نے نفس کو نماز کے عادی ہونے کی کیفیت پر اس قول سے اشارہ کیا ہے "اللہ تعالےٰ نے فرمایا میں نے نماز کو اپنے اور بندہ کے درمیان نصف نصف تقسیم کر لیا ہے اور میرے بندہ کے لئے وہ چیز ہے جو وہ مانگے پس جب بندہ الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ نے میری حمد کی، اور جب الرحمن الرحیم کہتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ بندہ نے میری ثنا کی اور جب بندہ مالک یوم الدین کہتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ بندہ نے میری بزرگی بیان کی، اور جب بندہ ایاک نعبد وایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرے بندہ کے لئے وہ سب جو وہ مانگتا ہے، اور جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ خاص میرے بندہ کے لئے ہے اور جو کچھ وہ مانگتا ہے وہ اس کیلئے ہے"

پس یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ہر کلمہ میں جواب کا لحاظ ہے کیونکہ اس سے حضور قلبی پر نفس کو تنبیہ بلیغ ہوتی ہے، اور وہ دعائیں جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر مسنون فرمائی ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں مذکور ہیں ان میں بھی اسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے، اور تلاوت قرآن کی روح یہ ہے کہ نہایت شوق اور تعظیم سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کے مواعظ میں غور کرے اور اسکے احکام میں اطاعت کا شعور حاصل کرے اور قرآن کی امثال اور قصص سے عبرت حاصل کرتا جائے اور جب اللہ تعالیٰ کی کسی آیت، صفات اور اسکی نشانیوں پر سے

قال سبحان الله، ولا باية الجنة و
الرحمة الا سال الله من فضله، ولا
بآية النار والغضب الا تعوذ بالله.
فهذا ما سن رسول الله صلى
الله عليه وآله وسلم في تمرين النفس
بالاتعاظ، وروح الذكر الحضور و
الاستغراق في الالتفات الى الجبروت
وتمرينه ان يقول لا اله الا الله والله
اكبر، ثم يسمع من الله انه قال لا اله
الا انا وانا اكبر، ثم يقول لا اله
الا الله وحده لا شريك له، ثم يسمع
من الله لا اله الا انا وحدي لا شريك
لي، وهكذا حتى يرتفع الحجاب و
يتحقق الاستغراق، وقد اشار
النبي صلى الله عليه وآله وسلم الى
ذلك، وروح الدعاء ان يرى كل حول
وقوة من الله ويصير كالميت في
يد الغسال وكالتمثال في يد محرك
التماثيل ويجد لذة المناجاة، وقد
سن رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان يدعو بعد صلاة التهجد في
اثناء اشفاعه دعاء طويلا يقنع فيها
يديه يقول يا رب يا رب، يسال
الله خير الدنيا والآخرة ويتعوذ به
من البلايا ويتضرع ويلح، ويشترط
في ذلك ان يكون بقلب فارغ غير
لاه ولا يكون حاقنا ولا حاقبا ولا
جائعا ولا غضبان فاذا عرف الانسان
حالة المحاضرة ثم فقدها

گذرے تو سبحان اللہ کہے اور جب جنت اور رحمت کی آیت
پڑھے تو اس کے فضل کو مانگے اور جب دوزخ اور غضب کی
آیت پڑھے گذرے تو اس کی پناہ طلب کرے پس یہ وہ امر
ہے جس کو رسول اللہ علیہ وسلم نے نفس کو نصیحت حاصل کرنے
کا خوگر ہونے کے لئے مسنون فرمایا ہے، اور ذکر کی روح حضور
اور جبروت کی طرف متوجہ ہو جانے میں غرق ہو جانا ہے
اور اس کا خوگر اس طرح ہوتا ہے کہ کہے لا الٰہ الا اللہ واللہ
اکبر، پھر خدا تعالے سے اس کے جواب میں اس کا یہ قول
سُنے لا الٰہ الا انا وانا اکبر، پھر کہے لا الٰہ الا اللہ
وحدہٗ لا شریک لہٗ، پھر اللہ تعالے سے اس کے جواب
میں یہ سُنے لا الٰہ الا انا وحدی لا شریک لیٗ اور
اسی طرح کیا کرے حتیٰ کہ حجاب رفع ہو اور استغراق
حاصل ہو جائے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی
طرف اشارہ کیا ہے، اور دعا کی روح یہ ہے کہ یہ سمجھے
کہ ہر چیز سے روکنا اور ہر چیز کی قدرت دینا خدا تعالیٰ
کی طرف سے ہے، اور اس طرح ہو جائے
جس طرح نہلانے والے کے ہاتھ میں مردہ ہوتا
ہے یا جس طرح حرکت دینے والے کے ہاتھ میں مورت
ہوتی ہے، اور مناجات کی لذت حاصل کرے۔
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز کے
بعد اس کے شفعوں کے درمیان میں ایک بڑی دعا
مسنون فرمائی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا
کرے اور یارب یارب کہکر دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگے
اور مصائب سے پناہ مانگے اور نہایت تضرع اور نیاز
مندی سے مانگے، اور اس میں شرط یہ ہے کہ اس کا
دل امور دنیوی سے فارغ ہو اور بول و براز
کی حاجت نہ ہو اور نہ بھوکا ہو اور نہ غضب ناک
ہو، پس جب انسان حضوری کی حالت معلوم
کرلے اور پھر وہ حضور اس سے مفقود ہو جائے

فليفحص عن سبب الفقد، فان كان غزارة الطبيعة نعليه بالصوم فان له وجاء واكثر ما يكون في الصوم ان يصوم شهرين متتابعين وان احتاج الى استفراغ المني والتفرغ من اصلاح المطعم والمشرب او كان ذهب نشاطه وارادة اعادته يملك فرجا يدفع به سوء منيه من غير انهماك في المفاكهة والاختلاط وليجعله كالدواء يحصل نفعه ويحترز من فساده، وان كان الاشتغال بالارتفاقات وصحبة الناس فليعالج بضم العبادات معها وان كان امتلاء اوعية الفكر بخيالات مشوشة وافكار جربزة فليعتزل الناس وليلتزم البيت او المسجد وليمنع لسانه الا من ذكر الله وقلبه الا من الفكر فيما يهمه، وبتعاهد نفسه عند ما يتيقظ ليكون اول ما يدخل في قلبه ذكر الله وعند ما يريد ان ينام ليتخلى قلبه عن تلك الاشغال:

والثالث سماحة النفس وهي ان لا تنقاد الملكية لدواعي البهيمية من طلب اللذة وحب الانتقام والغضب والبخل والحرص على المال والجاه، فان هذه الامور اذا باشرها الانسان اعطاها المناسبة لها فتنشبح الوانها في جوهر النفس ساعة ما فان كانت النفس سمحة

تو اس حضور کے جاتے رہنے کا سبب اس کو سوچنا چاہیئے پس اگر قوت جسمانی اس کا باعث ہے تو اس کو روزہ رکھنا چاہیئے کیونکہ روزہ اس کے لئے قاطع ہے اور اکثر دو مہینہ کے پے درپے روزہ رکھنے سے یہ بات حاصل ہو سکتی ہے اور اگر جماع کی خواہش ہے اور کھانے پینے سے فارغ ہونے کی حاجت ہے یا اس کا سرور جاتا رہا ہے اور اس کا اعادہ چاہتا ہے تو کسی عورت سے نکاح کر کے حاجت جماع کو رفع کرے لیکن لذائذ اور اختلاط میں منہمک نہ ہو اور اس کو دوا کے طور پر سمجھے کہ اس سے نفع اٹھائے اور اس کی مضرت سے بچے اور اگر کاروبار اور لوگوں کی صحبت میں مشغول رہتا ہو تو ان کے ساتھ عبادات کو شامل کر کے علاج کرے اور اگر دماغ میں خیالات مشوشہ اور افکار ناقصہ بھرے ہوئے ہوں تو لوگوں سے کنارہ کش ہو کر گھر یا مسجد میں گوشہ نشینی اختیار کرے اور اپنی زبان کو بجز ذکر الٰہی کے اور اپنے قلب کو بجز اس فکر کے جس کے وہ درپے ہے روکے اور بیدار ہوتے وقت ذکر الٰہی کی عادت ڈالے تاکہ سب سے پہلے اس کے دل میں ذکر الٰہی داخل ہو اور سوتے وقت بھی ایسا کرے تاکہ تمام اشغال سے دل کو فراغت ہو اور تیسرا اصول سماحتِ نفس ہے اور سماحت نفس یہ ہے کہ قوتِ ملکی قوت بہیمی کے دواعی کی مطیع نہ ہو جائے کہ لذت طلب کرے اور انتقام لینے کی خواہش کرے اور غصہ کو اور بخل کو پسند کرے اور مال و جاہ کی حرص کرے کیونکہ جب انسان ان امور کو عمل میں لاتا ہے تو کبھی وقت میں نفس کے اندر ان کے الوان لگ جاتے ہیں پس اگر نفس میں سماحت ہوتی

يسهل عليها رفض الهيئات الخسيسة فصارت كأنه لم يمكن فيها شئ من ذلك الباب قط وخلصت الى رحمة الله واستغرقت فى لجة الانوار التى تقتضيها جبلة النفوس لولا الموانع، وان لم تكن سمحة تشبح الوانها فى النفس كما يتشبح نقوش الخاتم فى الشمعة ولصق بها وضر الحياة الدنيا ولم يسهل عليها رفضها فاذا فارقت جسدها احاطت بها الخطيئات من بين يديها ومن خلفها وعن يمينها وعن شمالها وسدل بينها وبين الانوار التى تقتضيها جبلة النفوس حجب كثيرة غليظة، فكان ذلك سبب تأذيها وتألمها، والسماحة اذا اعتبرت بداعية الشهوتين، شهوة البطن وشهوة الفرج سميت عفة، او بداعية الدعة والرفاهية سميت اجتهادا، او بداعية الضجر والجزع سميت صبرا، او بداعية حب الانتقام سميت عفوا، او بداعية حب المال سميت سخاوة وقناعة، او بداعية مخالفة الشرع سميت تقوى، ويجمعها كلها شئ واحد، وهو ان اصلها عدم انقياد النفس للهواجس البهيمية، والصوفية يسمونها بقطع التعلقات الدنيوية او بالفناء عن الخسائس البشرية، او بالحرية

تو ان ہیئات رذیلہ کا ترک کرنا اس پر آسان ہوتا ہے اور نفس ایسا ہو جاتا ہے گویا اس میں اس قسم کی بات کبھی نہ تھی اور نفس خالص ہو کر رحمت الٰہی میں داخل ہو جاتا ہے اور ان انوار کے دریا میں مستغرق ہو جاتا ہے جن کی نفوس کی جبلت مقتضی ہوتی ہے بشرطیکہ موانع نہ ہوں۔ اگر نفس میں صفت سماحت نہیں ہے تو ان اعمال کے الوان نفس کے اندر اس طرح پیوستہ ہو جاتے ہیں جس طرح موم کے اندر مہر کے نقوش منقش ہو جاتے ہیں اور دنیوی زندگی کا میل اس میں جم جاتا ہے اور ان کا ترک کرنا نفس کیلئے آسان نہیں ہوتا پھر جب ایسا نفس جسم کو جدا ہوتا ہے تو وہ برے اعمال سامنے اور پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں، اور نفس اور ان انوار کے درمیان جن کا جبلت نفوس تقاضا کرتی ہے بہت سے غلیظ پردے پڑ جاتے ہیں اور اس سبب سے نفس کو ایذا اور تکلیف پہنچتی رہتی ہے، اور اس سماحت کو جب خواہش شکم اور خواہش فرج کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو عفت کہتے ہیں اور جب آرام و آرائش کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو اجتہاد کہتے ہیں اور جب بیقراری اور اضطراب کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو صبر کہتے ہیں اور جب حُبّ انتقام کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو عفو کہتے ہیں اور جب حب مال کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو سخاوت اور قناعت کہتے ہیں اور جب مخالفت شرع کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اس کو تقویٰ کہتے ہیں، اور یہ سب باہم ایک میں جمع ہو جاتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ سماحت کی اصل نفس کا خواہشات نفسانیہ کی نافرمانی کرنا ہے اور صوفیہ اس کو تعلقات دنیویہ کے قطع کرنے یا خسائس بشریہ کے فنا کرنے یا حریت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ پس اگر

يعبرون عن تلك الخصلة باسماء
مختلفة، والعمدة في تحصيلها قلة
الوقوع في مظان هذه الاشياء، و
ايثار القلب ذكر الله تعالى وميل
النفس الى عالم التجرد، وهو قول
زيد بن حارثة استوى عندي
حجرها ومدرها الى ان اخبر عن
المكاشفة ؛

والرابع العدالة وهي ملكة يصدر
منها اقامة النظام العادل المصلح
في تدبير المنزل وسياسة
المدينة ونحو ذلك بسهولة واصلها
جبلة نفسانية تنبعث منها الافكار
الكلية والسياسات
المناسبة بما عند الله وعند ملائكته
وذلك ان الله تعالى اراد في العالم
انتظام امرهم وان يعاون بعضهم
بعضا، وان لا يظلم بعضهم بعضا،
وان يتألف بعضهم ببعض ويصيروا
كجسد رجل واحد واذا تألم عضو
منه تداعى له سائر الاعضاء بالحمى
والسهر، وان يكثر نسلهم، وان
يزجر فاسقهم، وينوه بعادلهم، و
يخمل فيهم الرسوم الفاسدة، و
يشهر فيهم الخير والنواميس الحقة
فلله سبحانه في خلقه قضاء اجمالي
كل ذلك شرح له وتفصيل، وملائكته المقربون
تلقوا ذلك وصاروا يدعون لمن سعى
في اصلاح الناس ويلعنون على من سعى في

خصلت کو مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں اور اس
صفت کے حاصل کرنے میں زیادہ ضروری یہ ہے
کہ ان افعال کو اختیار نہ کرے جن سے ان چیزوں
میں گرفتار ہونے کا گمان ہو اور دل کو ذکر الٰہی
میں لگائے رکھے اور نفس کو عالم تجرد کی طرف متوجہ
کرے چنانچہ زید بن حارثہ کا قول ہے "میرے نزدیک
پتھر اور ڈھیلا سب برابر تھے حتیٰ کہ مجھ کو مکاشفہ
سے خبر دی گئی،

چوتھا اصول عدالت ہے اور وہ ایک ملکہ اور صفت
کا نام ہے جس سے بہ سہولت وہ نظام عادل جو تدبیر منزل
اور سیاست مدینہ وغیرہ کے لئے مصلح ہے سرزد ہوتا
ہے اور اس کی اصل جبلت نفسانیہ ہے جس سے افکار
کلیہ اور ایسی سیاستیں پیدا ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور
اس کے فرشتوں کے موافق ہوتی ہیں اور اس کا سبب
ہے کہ خدا تعالےٰ کو منظور ہے کہ عالم میں انتظام قائم رہے
اور ایک دوسرے کی اعانت کرے اور کوئی کسی پر ظلم نہ
کرے اور باہم الفت اور محبت سے رہیں اور اس طرح ملکر
رہیں جس طرح ایک بدن کے اعضاء ہوتے ہیں کہ جب اسکے
ایک عضو میں درد ہوتا ہے تو بخار اور بیخوابی میں باقی تمام
اعضاء اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں، اور لوگوں کی نسل
پھیلے، ان میں سے نافرمانوں کی توبیخ کی جائے اور عادل
لوگوں کی تعظیم کیجائے اور ان میں رسوم فاسدہ کو مٹا دیا
جائے اور لوگوں کے اندر بھلائی اور شرائع حقہ کو پھیلایا
جائے پس اس کے پیدا کرنے میں اللہ سبحانہ کی ایک قضاء
اجمالی ہے اور یہ سب کچھ اس کی شرح اور تفصیل ہے
اور اس کے ملائکہ مقربین نے اس کو معلوم کر لیا ہے اور جو
شخص لوگوں کی اصلاح کرنے میں سعی کرتا ہے اس کے لئے دُ
دعاء کرتے ہیں اور جو ان کے فساد میں سعی کرتا ہے تو اس
پر وہ لعنت کرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالے

فسادهم، وهو قوله تعالى وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا يعبدونني لا يشركون بي شيئا، ومن كفر بعد ذلك فاولئك هم الفاسقون، قوله تعالى الذين يوفون بعهد الله ولاينقضون الميثاق والذين يصلون ما امر الله به ان يوصل الآية، وقوله تعالى والذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه ويقطعون ما امر الله به ان يوصل الآية فمن باشر هذه الاعمال المصلحة شملته رحمة الله وصلوات الملائكة من حيث يحتسب او لا يحتسب، وكان هنالك رقائق تحيط به كاشعة النيرين تحيط بالانسان فتورث الالهام في قلوب الناس والملائكة ان يحسنوا اليه، وتوضع له القبول في السماء والارض، واذا انتقل الى عالم التجرد احس بتلك الرقائق المتصلة به والتذ بها ووجد سعة وقبولا وفتح بينه وبين الملائكة باب، ومن باشر الاعمال المفسدة شملته غضب الله ولعنة الملائكة، وكانت هنالك رقائق مظلمة ناشئة من الغضب تحيط به فتورث الالهام في قلوب الملائكة والناس ان يسيئوا اليه ويوضع له البغضاء في السموات

فرماتا ہے "جو لوگ ... تم میں سے ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کئے ہیں خدا تعالےٰ نے ان سے اس بات کا وعدہ کرلیا ہے کہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائیگا جس طرح ان لوگوں کو اس نے خلیفہ بنایا ہے جو ان سے پہلے تھے۔ اور جس دین کو انکے لئے پسند کیا ہے اس پر ان کو قدرت دیگا اور ان کے خوف کے بعد ان کو بدلہ میں امن دے گا، وہ میری عبادت کرتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں کرتے اور جنہوں نے اسکے بعد کفر کیا وہی لوگ نافرمان ہیں" اور فرمایا ہے "جو لوگ خدا کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو نہیں توڑتے اور جس چیز کے جوڑنے کا حکم خدا نے دیا ہے اس کو جوڑتے ہیں" الآیہ۔ اور فرماتا ہے "اور جو لوگ اللہ تعالےٰ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو قطع کرتے ہیں پس جو شخص ان اعمال صالحہ کو عمل میں لاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا اس کو شامل ہو جاتی ہے خواہ اس شخص کو اسکا علم ہو یا نہ ہو، اور مہربانیاں اس کو اس طرح محیط ہو جاتی ہیں جس طرح چاند اور سورج کی شعاعیں انسان کا احاطہ کرلیتی ہیں اسکے سبب سے بنی آدم اور ملائکہ کے قلوب میں اس شخص کے ساتھ بھلائی کرنے کا الہام ہوتا ہے اور وہ آسمان اور زمین میں مقبول ہو جاتا ہے اور جب وہ عالم تجرد کی طرف جاتا ہے تو یہ مہربانیاں جو اس کے ساتھ متصل تھیں ان کو محسوس کرتا ہے اور لذت حاصل کرتا ہے اور ایک قسم کی کشادگی اور قبولیت پاتا ہے اور اس کے اور فرشتوں کے درمیان ایک دروازہ کھل جاتا ہے، اور جو شخص برے اعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب اور فرشتوں کی لعنت اس کو گھیر لیتی ہے اور ہر طرف سے تاریکیاں اس کو گھیر لیتی ہیں جو غضب سے پیدا ہوتی ہیں، پس اسکے سبب سے ملائکہ اور لوگوں کے دلوں میں اس کے ساتھ برائی سے پیش آنے کا القاء ہوتا ہے اور آسمان اور زمین میں وہ شخص قابل نفرت ٹھیرتا ہے،

والارض، واذا انتقل الى عالم التجرد احس
بتلك الرقائق الظلمانية عاضة عليه و
تألمت نفسه بها ووجد ضيقا ونفرة
واحيط به من جميع جوانبه فضاقت
عليه الارض بما رحبت، والعدالة
اذا اعتبرت باوضاع الانسان فى قيامه
وقعوده ونومه ويقظته ومشيه و
كلامه وزيه ولباسه وشعره سميت
ادبا، واذا اعتبرت بالاموال وجمعها
وصرفها سميت كفاية، واذا اعتبرت
بتدبير المنزل سميت حرية، واذا
اعتبرت بتدبير المدينة سميت سياسة
واذا اعتبرت بتألف الاخوان سميت
حسن المحاضرة اوحسن المعاشرة
والعمدة فى تحصيلها الرحمة والمودة
ورقة القلب وعدم قسوته مع الانقياد
للافكار الكلية والنظر فى عواقب الامور
وبين هاتين الخلتين تنافر و
مناقضة من وجه، وذلك لان ميل
القلب الى التجرد وانقياده للرحمة
والمودة يتخالفان فى حق اكثر الناس
لا سيما اهل التجاذب، ولذلك ترى
كثيرا من اهل الله تبتلوا وانقطعوا
من الناس وباينوا الاهل والولد وكانوا
من الناس على شق بعيد، وترى العامة
قد احاطت بهم معافسة الازواج و
الاولاد حتى انساهم ذكر الله والانبياء
عليهم السلام لا يأمرون الا برعاية
المصلحتين، ولذلك اكثروا الضبط و

اور جب وہ عالم تجرد کیطرف جاتا ہے تو ایسی تاریک شعاعوں
کو پاتا ہے جو اس کو کاٹتی ہیں اور اس سے اس کے نفس کو
تکلیف ہوتی ہے اور ایک قسم کی تنگی اور نفرت کو پاتا ہے اور وہ
ان سے ہر جانب سے گھر جاتا ہے پس باوجود کشادگی کے زمین
اس پر تنگ ہو جاتی ہے، اور عدالت کی صفت کا جب انسان
کے ان اوضاع کے ساتھ لحاظ کیا جاتا ہے جو اس کے قیام
وقعود خواب و بیداری، چلنے کلام کرنے اس کے لباس
اور اس کے شعار سے متعلق ہیں تو اس کو ادب کہتے ہیں
اور جب مال کے ساتھ اور اس کے جمع کرنے اور خرچ کرنے
کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کو کفایت کہتے ہیں، اور جب
تدبیر منزل کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کو حریت
کہتے ہیں اور جب تدبیر شہر کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کو
سیاست کہتے ہیں اور جب عزیزوں کی الفت رکھنے کے
ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کو حسن محاضرہ اور حسن معاشرہ
کہتے ہیں، اور عدالت کے حاصل کرنے میں زیادہ ضروری چیز
رحمت اور محبت اور نرم دلی اور قساوت قلب کا نہ ہونا
اور اسکے ساتھ افکار کلیہ کے تابع ہونا اور انجام کار پر نظر رکھنا ہے
اور ان دونوں خصلتوں یعنی سماحت اور عدالت میں
ایک قسم کا تنافر اور مخالفت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
تجرد کی طرف قلب کا میلان اور رحمت اور مودت کے لئے
اس کا مطیع ہونا اکثر لوگوں کے حق میں یہ دونوں وصف
جمع نہیں ہوتے خصوصاً ان لوگوں کے اندر جن کی قوت
بہیمی و ملکی میں کشاکشی رہتی ہے اسی وجہ سے تم بہت سے
اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے لوگوں سے قطع تعلق کر لیا اور
اہل وعیال سے جدا ہو گئے اور لوگوں سے دور دور رہنے لگے اور عام
لوگوں کو تم اہل وعیال کے ساتھ اتنا مشغول دیکھتے ہو کہ وہ اللہ کے
ذکر کو بھی بھول گئے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام دونوں مصلحتوں کی
رعایت کا حکم دیتے ہیں اسی لئے ان دونوں وصفوں کے
اندر مبہم کے ضبط اور مشکل کے تمیز کی ان کو زیادہ ضرورت پڑی،

تميز المشكل فی ها تين الخلتين، فهذه هی الاخلاق المعتبرة فی الشرائع، وهنالك افعال وهيات تفعل فعل تلك الاخلاق واضدادها من جهة انها تعطيها مزاج الملائكة والشياطين او تنبعث من ميل النفس الی احد هذين القبيلتين فيؤمر بذلك الباب، وقد ذكرنا بعض ذلك.

ومن هذا الباب قوله صلی الله عليه وسلم ان الشيطان يأكل بشماله ويشرب بشماله. وقوله عليه السلام الاجدع شيطان. وقوله عليه الصلاة والسلام الا تصفون كما تصف الملائكة وقد امر النبی صلی الله عليه وسلم بمظان تلك الاخلاق، فامر باذكار تفيد دوام الاخبات والتضرع، وامر بالصبر والانفاق، ورغب فی ذكرها ذم اللذات وذكر الاخرة، وهوّن امر الدنيا فی اعينهم وحضهم علی التفكر فی جلال الله وعظم قدرته ليحصل لهم السماحة وامر بعيادة المريض والبر والصلة وافشاء السلام واقامة الحدود والامر بالمعروف والنهی عن المنكر ليحصل لهم العدالة، وبين تلك الافعال والهيأت اتم بيان اجزی الله تعالی هذا النبی الكريم كما هو اهله عنا وعن سائر المسلمين اجمعين.

اذا علمت هذه الاصول حان ان نشتغل ببعض التفصيل، والله اعلم.

سو یہ وہ اخلاق ہیں جو شرائع میں معتبر ہیں، اور بعض افعال اور ہیأت ایسے بھی ہیں جو ان اخلاق کا اور ان اخلاق کے اضداد کا کام دیتے ہیں اس جہت سے کہ ان افعال وغیرہ سے ملائکہ کا مزاج یا شیاطین کا مزاج پیدا ہوتا ہے یا ...... ملائکہ اور شیاطین کے دونوں قبیلوں میں سے ایک کی طرف نفس کے میلان سے یہ افعال وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اس واسطے انکا بھی انہیں اخلاق کے ساتھ حکم دیا جاتا ہے اور ان میں سے بعض کو ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

اور اسی باب سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مقطوع الاعضاء شیطان ہے" اور آپ نے فرمایا "جس طرح فرشتے صف باندھتے ہیں تم اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے؟" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان افعال کا بھی حکم دیا ہے جن میں ان اخلاق کے پائے جانے کا گمان ہے پس ایسے اذکار کا آپ نے حکم دیا ہے جن سے ہر وقت فرمانبرداری اور تضرع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور صبر کرنے اور خدا کی راہ میں صرف کرنے کا حکم دیا، اور موت اور آخرت کی یاد کرنے کی رغبت دلائی اور دنیا کو انکی آنکھوں میں حقیر ظاہر کیا اور خدا تعالے کے جلال اور اس کی عظیم الشان قدرت میں فکر کرنے کا ان کو شوق دلایا تاکہ انکے اندر صفت سماحت حاصل ہو اور مریض کی عیادت اور نیکی اور صلہ رحمی اور سلام کو رائج کرنے اور حدود کو قائم کرنے اور اچھی باتوں کی نصیحت کرنے اور بری باتوں سے منع کرنے کا حکم دیا تاکہ صفت عدالت ان کے اندر پیدا ہو اور ان افعال اور ہیأت کو نہایت عمدہ طور سے بیان کر دیا۔ خدا تعالے اس نبی کریم کو ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ایسی جزاء خیر دے جس کے وہ لائق ہے۔

جب تم کو یہ اصول معلوم ہو گئے تو اب ہم کسی قدر تفصیل کرتے ہیں، واللہ اعلم۔

الاذکار وما یتعلق بها

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتهم الملائکۃ وغشیتهم الرحمۃ۔

اقول لا شك ان اجتماع المسلمین راغبین ذاکرین یجلب الرحمۃ والسکینۃ ویقرب من الملائکۃ، وقال صلی اللہ علیہ وسلم سبق المفردون

اقول: هم قوم من السابقین سموا بالمفردین لان الذکر خفف عنهم اوزارهم، قال صلی اللہ علیہ وسلم قال تعالی انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر منه۔

اقول: جبلة العبد التی ینشأ منها اخلاقها وعلومها، والهیئات التی اکتسبتها نفسه هی المخصصة لنزول رحمة خاصة به، فرب عبد سمح الخلق یظن بربه انه یتجاوز عن ذنوبه ولا یؤاخذ بکل نقیر وقطمیر ویعامل معه معاملة السماحة فیکون رجاؤه ذلك سببا لنفض خطیاته عن نفسه، ورب عبد شحیح الخلق یظن بربه انه یؤاخذه بکل نقیر وقطمیر ویعامل معه معاملة المتعمقین ولا یتجاوز عن ذنوبه فهذا باشد المنزلة بالنسبة الی هیأت دنیویة

اذکار اور انکے متعلقات کا بیان؛

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کوئی قوم ذکر الٰہی کے لئے بیٹھتی ہے تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے"؛

میں کہتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالٰی کی طرف رغبت اور اس کے ذکر کے ساتھ مسلمانوں کا اجتماع رحمت اور سکینہ کو کھینچ لاتا ہے اور ملائکہ سے قریب کر دیتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مفرد لوگ سبقت کر گئے"

میں کہتا ہوں سابقین میں سے ایک گروہ مفردین کا ہے ان کو مفردین اس لئے کہتے ہیں کہ ذکر الٰہی نے ان کے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ پاک فرماتا ہے میں اپنے بندہ کے اس گمان کے ساتھ ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے اور جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے تو میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھ کو دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسکو دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھکو مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسکو اس کی بہتر مجلس میں

میں کہتا ہوں بندہ کی سرشت جس سے اس کے اخلاق اور علوم پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہیئت جس کو اس کا نفس حاصل کرتا ہے اس رحمت کے نزول کے لئے مخصص ہے جو اس بندہ کے لئے خاص ہے، پس بہت سے بندے جن میں سماحت کی صفت ہوتی ہے خدا تعالےٰ سے یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے گناہوں سے درگذر کرے گا اور ذرا ذرا سی بات پر نہ پکڑیگا اور ان کے ساتھ سماحت کا برتاؤ کرے گا پس ان کی یہ امید ان کے گناہ دور ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہے اور بہت سے بخیل آدمی اپنے رب سے اس بات کا گمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالٰی ان کو ذرا ذرا سی بات پر پکڑیگا اور ان کے ساتھ سخت لوگوں کا سا معاملہ کریگا اور ان کے گناہوں سے تجاوز نہ کرے گا پس یہ بات دنیوی ہیأت سے اعتبار سے دل میں خوب جم جاتی ہے جو اس کو موت

تحیط بہ بعد موتہ وھذا الفرق انما محلہ الامور التی لم یتاکد فی حظیرۃ القدس حکمھا، واما الکبائر وما یشابھھما فلا یظھر فیہ الا بالاجمال، وقولہ "انا معہ" اشارۃ الی معیۃ القبول وکونہ فی حظیرۃ القدس ببال فان ذکر اللہ فی نفسہ وسلک طریق التفکر فی الائہ فجزاؤہ ان اللہ یرفع الحجب فی مسیرہ ذلک حتی یصل الی التجلی القائم فی حظیرۃ القدس، وان ذکر اللہ فی ملأ وکان ھمہ اشاعۃ دین اللہ واعلاء کلمۃ اللہ فجزاؤہ ان اللہ یلھم محبتہ فی قلوب الملأ الاعلی یدعون لہ ویبرکون علیہ ثم ینزل لہ القبول فی الارض، وکم من عارف باللہ وصل الی المعرفۃ ولیس لہ قبول فی الارض ولا ذکر الملأ الاعلی، وکم من ناصر دین اللہ لہ قبول عظیم وبرکۃ جسیمۃ ولم ترفع لہ الحجب، قال صلی اللہ علیہ وسلم قال تعالی من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا وازید ومن جاء بالسیئۃ فجزاء سیئۃ مثلھا او اغفر، ومن تقرب منی شبرا تقربت منہ ذراعا ومن تقرب منی ذراعا تقربت منہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ ومن لقینی بقراب الارض خطیئۃ لا یشرک بی شیئا لقیتہ بمثلھا مغفرۃ:

کے بعد گھیرے گی اور یہ فرق صرف ان امور کے اندر ہے جن کی نسبت حظیرۃ القدس میں تاکیدی حکم نہیں ہوا لیکن کبائر اور ان کے قریب قریب گناہوں کے اندر صرف بالاجمال اس کا ظہور ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "میں بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں" معیت قبول کی طرف اور حظیرۃ القدس میں ایک شان کے ساتھ ہو نیکی طرف اشارہ ہے پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنے دل میں کریگا اور اس کے انعامات میں غور کرنا شروع کریگا تو اس کے بدلہ میں اس کے اس راستہ سے حجاب دور کر دیگا یہانتک کہ اس تجلی تک پہنچ جائیگا جو حظیرۃ القدس میں قائم ہے اور اگر خدا تعالیٰ کا مجلس میں ذکر کریگا اور اس کا قصد اشاعت دین اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ بھی ہوگا تو خدا تعالےٰ اس کے بدلہ میں اس کی محبت عالم بالا کے دلوں میں القاء کریگا کہ وہ اسکے لئے دعا کریں اور برکت کے طالب ہوں پھر زمین میں وہ مقبول ٹھیرایا جاتا ہے، اور بہت سے عارف باللہ ایسے ہیں جنکو معرفت کا درجہ حاصل ہے لیکن نہ تو زمین میں وہ مقبول ہیں اور نہ ملاء اعلیٰ میں ان کا تذکرہ ہے، اور بہت سے ایسے ناصر دین ہیں جو بڑے مقبول اور متبرک ہیں مگر ان کے حجاب دور نہیں ہوئے.
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- اللہ تعالےٰ فرماتا ہے جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس گنا ثواب ملے گا یا اس سے بھی زاید میں کروں گا اور جو کوئی برائی کرے گا تو اس کے برابر بدلہ پائے گا یا میں بخش دوں گا، اور جو کوئی میری طرف ایک بالشت آئے گا میں اس کی طرف گز بھر آؤں گا اور جو میری طرف گز بھر آئے گا تو میں اس کی طرف دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر آؤں گا اور جو میری طرف چلکر آئے گا تو میں اس کی طرف دوڑ کر آؤں گا اور جو مجھ سے زمین کے برابر گناہ لیکر ملے گا بشرطیکہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراتا ہو تو میں اس سے اسی قدر مغفرت کے ساتھ ملوں گا:

اقول:- الانسان اذا مات وادبر
عن الدنيا وضعفت سورة بهيميته
وتلعلعت انوار ملكيته فقليل خيره
كثيرة وما بالعرض ضعيف بالنسبة
الى ما هو بالذات، والتدبير الالهي
بناؤه على افاضة الخير، فالخير اقرب
الى الوجود والشر ابعد منه، وهو
حديث ان لله مائة رحمة انزل
منها واحدة الى الارض، فبين
النبي صلى الله عليه وسلم ذلك
بمثل الشبر والذراع والباع و
المشي والهرولة، وليس شئ انفع
في المعاد من التطلع الى الجبروت
والالتفات تلقاءها، وهو قوله
من لقيني بقراب الارض خطيئة
لا يشرك بي شيئا لقيته بمثلها مغفرة
وقوله تعالى اعلم عبدي ان له ربا
يغفر الذنب ويؤاخذ به، وقال
صلى الله عليه وسلم قال تعالى
من عادى لي وليا فقد آذنته
بالحرب. وما تقرب الى عبد بشئ
احب الى مما افترضت عليه وما
يزال عبدي يتقرب الى بالنوافل
حتى احببته فاذا احببته كنت سمعه
الذي يسمع به وبصره الذي
يبصر به، ويده التي يبطش بها،
ورجله التي يمشي بها وان سألني
لاعطينه وان استعاذني لاعيذنه
وما ترددت في شئ انا فاعله ترددي

میں کہتا ہوں انسان جب مرجاتا ہے اور دنیا کو چھوڑ
دیتا ہے اور اس کی بہیمیت کی تیزی کمزور ہو جاتی ہے اور
اس کی ملکیت کے انوار چمکنے لگتے ہیں تو اس کی تھوڑی نیکی
بھی بہت ہو جاتی ہے اور عارضی چیز ذاتی چیز سے ضعیف
رہتی ہے اور تدبیر الٰہی کی بنیاد بھلائی پہنچانے پر ہے اور
خیر وجود سے نہایت قریب اور شر اس سے بہت بعید ہے، چنانچہ حدیث
شریف میں آیا ہے "خدا تعالیٰ کی رحمت کے سو حصے ہیں جن میں سے
ایک حصہ زمین کی طرف اتار رکھا ہے"، پس نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے اس رحمت کو بالشت اور گز
اور باع اور چلنے اور دوڑنے کے ساتھ بیان کیا ہے، اور
آخرت میں جبروت تک پہنچنے اور اس کی طرف توجہ کرنے
سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ کے اس قول
میں "من لقینی بقراب الارض خطیئۃ لا یشرک
بی شیئا لقیتہ بمثلہا مغفرۃ" یہی مراد ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس قول پر
بھی یہی معنی مراد ہیں "میرا بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اسکا کوئی رب ہے جو
گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ بھی کرتا ہے" اور نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص کسی
میرے دوست سے عداوت کرتا ہے میں اس کو اعلان جنگ
دیتا ہوں اور بندہ کو مجھ سے کسی چیز سے وہ تقرب حاصل نہیں
ہوتا جو فریضہ ادا کرنے سے ہوتا ہے اور بندہ مجھ سے بسبب
نوافل کے جب ہمیشہ تقرب چاہتا ہے تو میں بھی اس سے محبت کرنے
لگتا ہوں اور جب مجھ کو کسی بندہ سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کا
کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا
ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ
پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور جو
مجھ سے مانگتا ہے اس کو ضرور دیتا ہوں اور اگر میری پناہ مانگتا
ہے تو میں اس کو اپنی پناہ میں ضرور لے لیتا ہوں اور مجھ کو
کسی چیز میں جس کے کرنے کا میں نے ارادہ کیا
ہے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا مؤمن کے

عن نفس المؤمن يكره الموت وانا
اكره مساءته ؛

اقول: اذا احب الله عبدا
ونزلت محبته في الملأ الاعلى ثم
نزل له القبول في الارض فما لف
هذا النظام احد وعاداه وسعى
في رد امره وكبت حاله انقلبت
رحمة الله بهذا المحبوب لعنة
في حق عدوه ورضاه به سخطا في
حقه، واذا تدلى الحق الى عباده باظهار
شريعة واقامة دين وكتب في
حظيرة القدس تلك السنن والشرائع
كانت هذه السنن والقربات اجلب
شئ لرحمة الله واوفقه برضا الله،
وقليل هذه كثير، ولا يزال العبد
يتقرب الى الله بالنوافل زيادة على
الفرائض حتى يحبه الله وتغشاه
رحمته، وحينئذ يؤيد جوارحه
بنور الهي ويبارك فيه، وفي اهله
وولده وماله ويستجاب دعاؤه
ويحفظ من الشر وينصر، وهذا
القرب عندنا يسمى بقرب الاعمال
والتردد ههنا كناية عن تعارض
العنايات فان الحق له عناية بكل
نظام نوعي وشخصي، وعنايته
بالجسد الانساني تقتضي القضاء
بموته ومرضه وتضييق الحال
عليه، وعنايته بنفسه المحبوبة
تقتضي افاضة الرفاهية من كل

نفس سے تردد ہوتا ہے وہ موت کو مکروہ سمجھتا
ہے اور مجھے اس کی تکلیف گوارا نہیں ہوتی،

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا
ہے اور اس کی محبت عالم بالا میں نازل ہوتی ہے پھر وہ
زمین میں بھی مقبول ہو جاتا ہے پس کوئی شخص اس نظام الٰہی
کی مخالفت کرتا ہے اور اس بندہ سے عداوت کرتا ہے اور اس
کے کام کے رد کرنے میں اور اس کے بگڑنے میں سعی کرتا ہے
تو وہ رحمت الٰہی جو اس محبوب کے لئے ہے اس کے دشمن کے
حق میں لعنت بن جاتی ہے اور جو رضا اس کے لئے ہوتی ہے وہ
اس کے دشمن کے حق میں غضب الٰہی بن جاتی ہے، اور جب خدا
تعالیٰ شریعت کے ظاہر کرنے اور اقامت دین کی وجہ سے
اپنے بندوں کے قریب ہوتا ہے اور حظیرۃ القدس میں ان سنن اور
شرائع کو تحریر فرماتا ہے تو یہ سنن اور عبادات سب چیزوں سے
زیادہ رحمت الٰہی کو کھینچنے والی اور اس کی رضا مندی کے زیادہ
موافق ہوجاتی ہیں اور یہ تھوڑی سی چیزیں بھی بہت ہوتی ہیں
اور جب بندہ فرائض ادا کرنے کے بعد نوافل زیادہ کر
کے خدا تعالیٰ سے برابر قربت حاصل کرتا رہتا ہے
تو خدا تعالیٰ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے اور اس کی رحمت
اسکو محیط ہوجاتی ہے اور اسوقت میں اس کے اعضاء کو نور الٰہی
سے تائید ہوتی ہے اور اس کی ذات اور اس کے اہل وعیال اور
اس کے مال میں برکت دیجاتی ہے اور اسکی دعا قبول کیجاتی ہے اور یہ
اسکو شر سے بچایا جاتا ہے اور اس کی اعانت کیجاتی ہے، اور ہمارے
نزدیک اس قرب کا نام قربت الاعمال ہے اور اس حدیث میں جو تردد
کا لفظ آیا ہے اس سے عنایت الٰہی کا تعارض مراد ہے کیونکہ خدا
تعالیٰ کو ہر نظام نوعی اور شخصی کے ساتھ ایک توجہ خاص ہے اور اللہ
تعالیٰ کی وہ توجہ جو بدن انسانی سے متعلق ہے اسی بات کی مقتضی ہے
کہ اس کی موت وبیماری اور تکلیف کا حکم دیا جائے اللہ تعالیٰ
کی وہ توجہ جو اس کے محبوب کے ساتھ متعلق ہے
اس کا یہ تقاضا ہے کہ ہر طرف سے اس کے لئے راحت وآرام

جنة عليه وحفظه من كل سوء، قال
صلى الله عليه وسلم الا انبئكم بخير
اعمالكم وازكاها عند مليككم و
ارفعها في درجاتكم وخير لكم من
انفاق الذهب والورق وخير لكم
من ان تلقوا عدوكم فتضربوا اعناقهم
ويضربوا اعناقكم؟ قالوا بلى قال
ذكر الله ۔

اقول :- الافضلية تختلف
باعتبار، ولا افضل من الذكر باعتبار
تطلع النفس الى الجبروت ولاسيما
في نفوس زكية لاتحتاج الى الرياضات
وانما تحتاج الى مداومة التوجه،
وقال صلى الله عليه وآله وسلم من
قعد مقعدا لم يذكر الله فيه كانت
عليه من الله ترة، ومن اضطجع
مضطجعا لا يذكر الله فيه كانت
عليه من الله ترة ۔

وقال :- ما من قوم يقومون
من مجلس لا يذكرون الله فيه الا قاموا
عن مثل جيفة حمار وكان عليهم
حسرة، وقال لا تكثروا الكلام بغير
ذكر الله فان كثرة الكلام بغير ذكر
الله قسوة للقلب وان ابعد الناس
من الله القلب القاسي ۔

اقول :- من وجد حلاوة الذكر
وعرف كيف يحصل له الاطمئنان
بذكر الله وكيف تنقشع الحجب عن
قلبه عند ذلك حتى يصير كأنه

مہیا کرے، اور ہر برائی سے بچائے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتلاؤں جو تمہارے سب اعمال میں
بہتر ہو اور تمہارے بادشاہ کے نزدیک سب سے
زیادہ پاکیزہ ہو اور سب اعمال سے زیادہ تمہارے
درجات بلند کرنے والا ہو اور تمہارے حق میں سونا اور
چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہو اور تمہارے لئے اس بات
سے بہتر ہو کہ تم اپنے دشمن سے مقابلہ کرو اور تم ان کی گردنیں
مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؛ صحابہ نے عرض کیا ہاں آپ نے
فرمایا کہ وہ خدا کا ذکر ہے"۔

میں کہتا ہوں افضلیت مختلف اعتبار سے ہوتی ہے اور اس
اعتبار سے کہ نفس کو جبروت تک پہنچتا ہے ذکر الہی سے زیادہ
کوئی عمل افضل نہیں، بے خاص کر ان نفوس زکیہ میں جن کو
ریاضت کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ صرف توجہ کی ضرورت
ہوتی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کوئی کسی مجلس
میں بیٹھ کر ذکر الہی نہ کرے تو اس کے حق میں خدا تعالیٰ کی
طرف سے ایک خسارہ ہے، اور جو کسی جگہ لیٹے اور ذکر الہی نہ کرے
تو اس پر خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک خسارہ ہے"۔

اور آپ نے فرمایا "جو کوئی قوم کسی مجلس سے
کھڑی ہو جس میں یاد الہی نہ کیا ہو تو گویا وہ مردار گدھے
کو کھا کر اٹھے ہیں اور وہ مجلس ان پر ایک حسرت ہوگی"
اور آپ نے فرمایا "بجز ذکر خداوندی کے کوئی
کلام کثرت سے مت کرو کیونکہ بجز ذکر الہی کے
کثرت کلام سخت دلی پیدا کر دیتا ہے اور سب
لوگوں میں سے خدا تعالیٰ سے دور قاسی القلب
ہے"۔

میں کہتا ہوں جس نے ذکر الہی کی حلاوت پائی
اور ذکر الہی سے اطمینان حاصل ہونے کی کیفیت معلوم
کر لی اور یہ بات جان لی کہ کس طرح دل سے حجاب دور
ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ شخص ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا

يرى الله عيانا لا شك انه اذا توجه الى الدنيا، وعافس الازواج والضيعات ينسى كثيرا و يبقى كأنه فقد ما كان وجد، ويسدل حجاب بينه و بين ما كان بمرأى منه، و هذه الخصلة تدعو الى النار والى كل شر، و فى كل من ذلك ترة، واذا اجتمعت الترات لم يكن سبيل الى النجاة، وقد عالج النبى صلى الله عليه وآله وسلم هذه الترات باتم علاج، و ذلك ان شرع فى كل حالة ذكرا مناسبا له ليكون ترياقا دافعا لسم الغفلة، فنبه النبى صلى الله عليه وآله وسلم على فائدة هذه الاذكار و على عروض الترات بدونها؛

واعلم انه مست الحاجة الى ضبط الفاظ الذكر صونا له من ان يتصرف فيه متصرف بعقله الابتر فيلحد فى اسماء الله او لا يعطى المقام حقه وعمدة ما سن فى هذا الباب عشرة اذكار فى كل واحد سر ليس فى غيره، ولذلك سن النبى صلى الله عليه وسلم فى كل موطن ان يجمع بين الوان منها، وايضا فالوقوف على ذكر واحد يجعله لقلقة اللسان فى حق عامة المكلفين والانتقال من بعضها الى بعض ينبه النفس ويوقظ الوسنان، منها سبحان الله، و حقيقته تنزيهه عن الادناس والعيوب

خدا تعالے کو عیاناً دیکھ رہا ہے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ جب وہ شخص دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اہل و عیال اور مال اسباب میں دل لگاتا ہے تو ان کیفیات میں سے بہت کچھ بھول جاتا ہے اور ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اس چیز کو جو اس کو حاصل ہوئی تھی گم کر دیا ہے اور اس شخص کے اور اس چیز کے درمیان جس کو یہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا ایک پردہ پڑ جاتا ہے اور یہ خصلت دوزخ اور ہر برائی کی طرف انسان کو بلاتی ہے اور ان سب باتوں میں بڑا نقصان ہے اور جب یہ نقصانات جمع ہو جاتے ہیں تو نجات کا کوئی طریق نہیں رہتا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان نقصانات کا پورا پورا علاج بتلایا ہے اس طرح پر کہ ہر وقت کیلئے اس وقت کے مناسب ایک ذکر مقرر فرمایا ہے تاکہ وہ غفلت کے زہر کو دور کرنے والا تریاق ہو پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اذکار کا فائدہ اور ان سے غافل رہنے کے نقصانات ظاہر فرما دیئے

واضح ہو کہ اس کی بھی ضرورت تھی کہ ذکر کے الفاظ کا انضباط کیا جائے تاکہ کوئی تصرف کرنے والا اپنی ناقص عقل سے اس میں تصرف کر کے خدا تعالے کے اسماء میں کجروی نہ کرے یا جو مقام جس ذکر کے مناسب ہے اس کو ادا نہ کرے اور اذکار کے باب میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو مسنون کیا ہے ان میں عمدہ اور بہتر دس اذکار ہیں جن میں سے ہر ایک میں وہ راز ہے جو دوسرے میں نہیں ہے اسی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر ان میں سے کئی کئی ذکر کے جمع کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ صرف ایک ذکر پر وقوف کرنا عام مکلفین کے حق میں اس ذکر کو صرف زبانی حرکت کر دیتا ہے اور بعض اذکار سے بعض کی طرف انتقال کرنے سے نفس کو تنبیہ اور غافل کو بیداری حاصل ہوتی ہے

از انجملہ سبحان اللہ ہے اور اسکی حقیقت خدا تعالے کو تمام ادناس اور عیوب اور نقائص سے پاک سمجھنا ہے

والنقائص، ومنها الحمد لله، وحقيقته
اثبات الكمالات والاوصاف التامة
له، فاذا اجتمعتا في كلمة واحدة
كانت افصح تعبير عن معرفة الانسان
بربه لانه لايستطيع ان يعرفه
الا من جهة اثبات ذات يسلب عنها
ما نشاهده فينا من النقائص و
يثبت لها ما نشاهده فينا من جهات
الكمال من جهة كونه كمالا، فان
استقرت صورة هذا الذكر في الصحيفة
ظهرت هنالك هذه المعرفة تامة
كاملة عند ما يقضي بسبوغها، فيفتح
بابا عظيما من القرب، والى هذا المعنى
اشار النبي صلى الله عليه وسلم في
قوله التسبيح نصف الميزان والحمد
لله يملؤه، ولهذا كانت كلمة سبحان
الله وبحمده كلمة خفيفة على اللسان
ثقيلة في الميزان حبيبة الى الرحمن
ومن يقولها غرست له نخلة، وورد
فيمن يقولها مائة حطت عنه
خطاياه وان كانت مثل زبد البحر
ولم يأت احد يوم القيامة بافضل
مما جاء به الا احد قال مثل ذلك
او زاد عليه، وهي افضل الكلام
اصطفاه الله لملائكته، واما سر
قوله عليه السلام اول من يدعى الى
الجنة الذين يحمدون الله في السراء
والضراء، فهو ان علمهم ثبوتي منبعث
من القوى الثبوتية، واهلها احظى الناس من

اور ان میں سے ایک الحمد للہ ہے اور اس کی حقیقت خداتعالےٰ
کے لئے کمالات اور اوصاف کاملہ کا ثابت کرنا ہے پس
جب یہ دونوں باتیں ایک کلمہ میں جمع ہوگئیں تو انسان کو
اپنے پروردگار کی جو معرفت حاصل ہوسکتی ہے وہ کلمہ اس کا
پورا پورا بیان ہے کیونکہ انسان خداتعالیٰ کو بغیر اس کے نہیں
پہچان سکتا کہ ایک ذات ایسی ثابت کرے جو ان تمام
نقائص سے پاک ہو جن کا ہم اپنے اندر مشاہدہ کرتے ہیں اور
جس قدر کمالات کمال ہونے کی جہت سے ہم اپنے اندر
دیکھتے ہیں وہ سب اس ذات کے لئے ثابت ہوں پس
جب اس ذکر کی صورت صفحۂ خیال میں جم جاتی ہے تو یہ
معرفت پوری کی پوری ظاہر ہوجاتی ہے جس کے کامل ہونیکا
حکم دیا جاتا ہے اور قرب الٰہی کا ایک بڑا دروازہ اس کے
سبب سے کھل جاتا ہے اور اسی معنی کی طرف نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے "سبحان اللہ
نصف میزان ہے اور الحمد للہ اس کو پُر کردیتا
ہے" اسی لئے سبحان اللہ وبحمدہ کا کلمہ زبان پر آسان
اور وزن میں بہت ہے اور خداتعالےٰ کو پیارا
ہے اور اس کے پڑھنے والے کے لئے ایک درخت بویا
جاتا ہے جو شخص اس کو سو مرتبہ پڑھے اس کے حق میں
وارد ہے کہ اس کے تمام گناہ دور ہوجاتے ہیں اگرچہ
سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، اور قیامت کے روز
کوئی شخص ان کلمات کے پڑھنے والے سے افضل نہ آئیگا
مگر جو اس کلمہ کو اس قدر پڑھے یا اس سے بھی زیادہ
کرلے اور یہ افضل الکلام ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے
ملائکہ کے لئے ممتاز کرلیا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے یہ فرمایا ہے "سب سے پہلے جنت میں
وہ لوگ بلائے جائیں گے جو مصیبت اور آرام کے وقت
اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں" اس میں یہ راز ہے کہ ان لوگوں کا عمل
ثبوتی ہو قوی ثبوتیہ سے پیدا ہوا ہے اور جنت کی نعمتوں سے

بنعيم الجنان ؛

وسر قوله عليه السلام افضل الدعاء الحمد لله، ان الدعاء على قسمين كما سنذكر، والحمد لله يفيدهما جميعا، فان الشكر يزيد النعمة ولانها معرفة ثبوتية، وسر قوله عليه السلام الحمد لله رأس الشكر ان الشكر يتأتى باللسان والجنان والاركان، واللسان افصح من ذينك

ومنها لا اله الا الله وله بطون كثيرة فالبطن الاول طرد الشرك الجلي، والثاني طرد الشرك الخفي، والثالث طرد الحجب المانعة عن الوصول الى معرفة الله، واليه الاشارة فى قوله صلى الله عليه وسلم لا اله الا الله ليس لها حجاب دون الله حتى تخلص اليه وكان موسى عليه السلام يعرف من بطونها البطنين الاولين، فاستبعد ان يكون الذكر الذى يخصه الله به ذالك فاوحى الله اليه جلية الحال وكشف عليه انه طارد كل ما سوى الله تعالى عن مستن الايثار، وعن التمثل بين عينيه وانه لو وضع جميع ما سواه فى كفة وهذه فى كفة لمالت بهن فانه يطردهن ويحقرهن والتهليلة مع تفصيل ما للنفى والاثبات وهى لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير ؛

سب لوگوں سے زیادہ ان قوی والوں کا حصہ ہے اور یہ جو فرمایا کہ بہترین دعا الحمد للہ ہے، اس میں یہ راز ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے اور الحمد للہ میں دونوں قسمیں موجود ہیں کیونکہ شکر سے نعمت میں زیادتی ہوتی ہے اور وہ معرفت ثبوتی ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا راز کہ "الحمد للہ شکر کی اصل ہے" یہ ہے کہ شکر زبان، دل اور ہاتھ، پاؤں سے ادا ہوتا ہے اور زبان ان دونوں سے زیادہ شکر پر دلالت کرتی ہے

اور ان اذکار میں سے ایک ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور اس کے کئی بطون ہیں، بطن اول شرک جلی کا دور کرنا ہے اور بطن دوم شرک خفی کا دور کرنا ہے اور بطن سوم ان حجابات کا دور کرنا ہے جو معرفت الٰہی تک پہنچنے سے روکتے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے "لا الٰہ الا اللہ کے لئے خدا سے ورے کوئی پردہ نہیں یہاں تک کہ تو اس کے پاس پہنچ جاتا ہے" اور موسیٰ علیہ السلام اس کے بطون میں سے پہلے دو بطنوں کو جانتے تھے اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بعید سمجھا کہ آپ کے لئے جو ذکر خاص کیا گیا ہے وہ یہی ہے پس خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے اس کا حال ظاہر کردیا اور آپ پر یہ بات روشن کردی کہ یہ کلمہ خدا تعالےٰ کے سوا ہر چیز کے اختیار کرنے اور آنکھوں کے سامنے متمثل ہونے سے روکتا ہے اور یہ کہ اگر اس کے سوا تمام کلمات ایک پلہ میں رکھے جائیں اور یہ کلمہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو ان سب کو جھکا دے کیونکہ اس کے مقابلہ میں سب کلمے کم درجہ کے اور حقیر ہیں۔ اور تہلیل جس میں نفی اور اثبات کی کسی قدر تفصیل ہے یہ ہے :- لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ له الملک وله الحمد وهو على كل شئ قدير۔

وورد في فضل من قالها مائة كانت له عدل عشر رقاب الخ وذلك لانها جامعة بين المعرفة الثبوتية والسلبية اقرب لمحو الذنوب، والثبوتية افيد لوجود الحسنات وتمثل الاجزية، ومنها الله اكبر، وفيه ملاحظة عظمته وقدرته وسلطانه وهو اشارة الى معرفة ثبوتية، ولذلك ورد في فضله انه يملأ ما بين السماء والارض، وهذه الكلمات الاربع افضل الكلام واحبه الى الله وهي غراس الجنة، وسر حديث جويرية لقد قلت بعدك اربع كلمات ثلاث مرات لو وزنت بما قلت منذ اليوم لوزنتهن سبحان الله وبحمده عدد خلقه ورضا نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته ان صورة العمل اذا استقرت في الصحيفة كان انفساحها وانشراحها عند الجزاء حسب معنى تلك الكلمة، فان كانت فيه كلمة مثل عدد خلقه كان انفساحها مثل ذلك۔

واعلم ان من كان اكثر ميله الى تلون النفس بلون معنى الذكر فالمناسب في حقه اكثار الذكر، ومن كان اكثر ميله الى محافظة صورة العمل في الصحيفة وظهورها يوم الجزاء فالانفع في حقه اختيار ذكر راب على الاذكار بالكيفية، وليس

اور اس کلمہ کو سو مرتبہ کہنے والے کی فضیلت میں یہ آیا ہے کہ اس کو دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے الخ کیونکہ اس میں معرفت ثبوتیہ اور سلبیہ دونوں ہیں اور سلبیہ کو گناہوں کے مٹانے میں نہایت مناسبت ہے اور ثبوتیہ کو حسنات کے پائے جانے میں اور جزا کے متمثل ہونے میں بڑا دخل ہے،

اور ان اذکار میں سے ایک اللہ اکبر، ہے اور اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت اور اس کی سلطنت کا ملاحظہ ہے اور اس میں معرفت ثبوتیہ کی طرف اشارہ ہے اور اسی لئے اس کی فضیلت میں یہ وارد ہے کہ یہ کلمہ آسمان اور زمین کی فضاء کو بھر دیتا ہے اور یہ چاروں کلمات سب کلاموں سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں اور جنت میں بوئے جاتے ہیں اور حضرت جویریہ والی حدیث جس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے تیرے بعد چار کلمے تین بار کہے ہیں ان کے مقابلہ میں جو کچھ تو نے آج تک کہا ہے اگر وزن کیا جائے تو یہی کلمات غالب رہیں اور وہ یہ کلمات ہیں:- سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ ورضاء نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ، اس میں یہ راز ہے کہ عمل کی صورت جب نامۂ اعمال میں ثابت ہوتی ہے تو جزا کے وقت اس صورت کا پھیلاؤ اور اس کی وسعت ان کلمات کے معنی کے موافق ہوتی ہے پس اگر اس میں ایسا کلمہ ہے جیسے عدد خلقہ تو اس کا پھیلاؤ بھی اسی قدر ہے؛

واضح ہو کہ جس شخص کا زیادہ میلان اس طرف ہو کہ نفس معنی ذکر کی کیفیت سے رنگین ہو تو اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ کثرت سے ذکر کرے اور جس شخص کا زیادہ میلان اس طرف ہو کہ عمل کی صورت نامۂ اعمال میں محفوظ رہے اور اس کا ظہور جزا کے دن ہو تو اس کے حق میں ایسے ذکر کا اختیار کرنا زیادہ نافع ہے جو کیفیت میں سب اذکار پر فوقیت رکھتا ہو، اور کسی کو یہ کہنے

لاحد ان يقول اذا كانت هذه الكلمات
ثلاث مرات افضل من سائر الاذكار
يكون الاعتناء بكثرة الاذكار واستيعاب
الاوقات فيها ضائعا لان الفضل انما
هو باعتبار دون اعتبار، وكان
النبي صلى الله عليه وسلم ارشد
جويرية رضي الله عنها الى اقرب
الاعمال ورغب في ذلك ترغيبا
بليغا، والسر فيما سنه النبي صلى الله
عليه وسلم في الذكر من ضم الله
اكبر وسائر الالفاظ مع التهليل ان ينبه النفس
للذكر ولا يكون لقلقة لسان، ومنها
سؤال ما ينفعه في بدنه او نفسه
باعتبار خلقه، او باعتبار حصول
السكينة او تدبير منزله وماله
وجاهه وتعوذه عما يضره كذلك
والسر فيه مشاهدة تاثير الحق
في العالم ونفي الحول والقوة عن غيره
ومن اجمع ما سنه النبي صلى
الله عليه وآله وسلم في الباب
اللهم اصلح لي ديني الذي هو عصمة
امري، واصلح لي دنياي التي فيها
معاشي، واصلح لي آخرتي التي فيها معادي، واجعل الحياة
زيادة لي في كل خير، واجعل الموت راحة لي
من كل شر، اللهم اني اسألك الهدى
والتقى والعفاف والغنى، اللهم
اهدني وسددني، وقال اذكر بالهدى
هدايتك الطريق وبالسداد
سداد السهم، اللهم اغفر لي

کی گنجائش نہیں ہے کہ جب ان کلمات کا تین مرتبہ کہنا تمام اذکار
سے افضل ہوا تو اذکار کی کثرت اور ان میں تمام اوقات کا
لگانا بے فائدہ ہوا اس لئے کہ فضیلت ایک اعتبار سے ہے
دوسرے اعتبار سے نہیں ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
حضرت جویریہ کو اقرب اعمال کی طرف رہنمائی کی تھی اور اس
میں بڑی رغبت دلائی تھی، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
ذکر کے اندر تہلیل کے ساتھ اللہ اکبر اور باقی کلمات ملانا جو
مسنون فرمایا ہے اس میں یہ راز ہے کہ نفس کو ذکر پر تنبیہ ہوتی
رہے اور محض زبانی حرکت نہ رہے، اور ان اذکار میں سے
ایسے امور کا سوال کرنا ہے جو اس کے بدن یا
اس کے نفس کے لئے پیدائش کے اعتبار سے یا
حصول اطمینان کے اعتبار سے نافع ہو، یا تدبیر
منزل اور اس کے مال وجاہ کے اعتبار سے فائدہ بخشے
اور ان امور سے پناہ مانگنا ہے جو اس کے لئے
ان اعتبارات سے مضر ہوں اور اس کے
اندر راز اللہ تعالے کی تاثیر کا عالم میں مشاہدہ
کرنا اور بجز اللہ تعالے کے سب کی قدرت
اور طاقت کی نفی کرنا ہے،

اس باب میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں مقرر
فرمائی ہیں ان میں سے یہ دعائیں زیادہ جامع ہیں:

اللہم اصلح لی دینی التی هو عصمة امری، و
اصلح لی دنیای التی فیها معاشی، و
اصلح لی آخرتی التی فیها معادی، واجعل
الحیاة زیادة لی فی کل خیر، واجعل الموت
راحة لی من کل شر، اللہم انی اسألک
الهدی والتقی والعفاف والغنا، اللہم
اهدنی وسددنی،

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لفظ هدی کے ساتھ
هدایتک الطریق اور لفظ سداد کے ساتھ سداد السهم ذکر کر

وارحمنی واھد نی وعافنی وارزقنی،
اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ
وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب
النار، رب اعنی ولا تعن علیّ وانصرنی
ولا تنصر علیّ وامکر لی ولا تمکر علیّ
واھد نی ویسر الھدیٰ لی وانصرنی
علی من بغی علیّ، رب اجعلنی لک شاکرا
لک ذاکرا لک راھبا لک مطواعا لک
مخبتا الیک اوّاھا منیبا، رب تقبل
توبتی واغسل حوبتی واجب
دعوتی وثبت حجتی وسدد لسانی
واھد قلبی واسلل سخیمۃ صدری
اللھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی
حبہ عندک، اللھم ما رزقتنی مما
احب فاجعلہ قوۃ لی فیما تحب،
اللھم ما زویت عنی مما احب فاجعلہ
فراغا لی فیما تحب، اللھم اقسم لنا
من خشیتک ما تحول بہ بیننا وبین
معاصیک ومن طاعتک ما تبلغنا بہ
جنتک ومن الیقین ما تھون بہ علینا
مصیبات الدنیا ومتعنا باسماعنا و
ابصارنا وقوتنا ما احییتنا واجعلہ
الوارث منا واجعل ثارنا علی من ظلمنا
وانصرنا علی من عادانا، ولا تجعل
مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا
اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط
علینا من لا یرحمنا ؛

ومن اجمع ما سنہ النبی صلی
اللہ علیہ وسلم فی الاستعاذۃ اعوذ

اللھم اغفر لی وارحمنی واھد نی وعافنی وارزقنی
اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ
حسنۃ وقنا عذاب النار، رب اعنی
ولا تعن علیّ وانصرنی ولا تنصر علیّ وامکر لی
ولا تمکر علیّ واھد نی ویسر الھدیٰ لی و
انصرنی علی من بغی علیّ، رب اجعلنی لک
شاکرا لک ذاکرا لک راھبا لک
مطواعا لک مخبتا علیک اوّاھا منیبا، رب
تقبل توبتی واغسل حوبتی واجب
دعوتی وثبت حجتی وسدد لسانی
واھد قلبی واسلل سخیمۃ صدری
اللھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی
حبہ عندک اللھم ما رزقتنی
مما احب فاجعلہ قوۃ لی فیما
تحب اللھم ما زویت عنی مما
احب فاجعلہ فراغا لی فیما تحب
اللھم اقسم لنا من خشیتک ما
تحول بہ بیننا وبین معاصیک
ومن طاعتک ما تبلغنا بہ جنتک و
من الیقین ما تھون بہ علینا مصیبات
الدنیا ومتعنا باسماعنا وابصارنا و
قوتنا ما احییتنا واجعلہ الوارث منا
واجعل ثارنا علی من ظلمنا وانصرنا
علی من عادانا ولا تجعل مصیبتنا فی
دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا
مبلغ علمنا ولا تسلط علینا من
لا یرحمنا ؛

اور پناہ مانگنے کے بارے میں جو دعائیں آپ نے
مقرر فرمائی ہیں ان میں سے یہ دعائیں زیادہ جامع ہیں

بالله من جهد البلاء ودرك الشقاء و سوء القضاء وشماتة الاعداء، اللهم انى اعوذ بك من الهم والحزن والعجز والكسل والجبن والبخل وضلع الدين وغلبة الرجال، اللهم انى اعوذ بك من الكسل و الهرم والمغرم والمأثم، اللهم انى اعوذ بك من عذاب النار وفتنة النار وفتنة القبر وعذاب القبر ومن شر فتنة الغنى ومن شر فتنة الفقر ومن شر فتنة المسيح الدجال، اللهم اغسل خطاياى بماء الثلج والبرد ونق قلبى كما ينقى الثوب الابيض من الدنس و باعد بينى وبين خطاياى كما باعدت بين المشرق والمغرب، اللهم آت نفسى تقواها وزكها انت خير من زكاها انت وليها و مولاها، اللهم انى اعوذ بك من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوة لا يستجاب لها، اللهم انى اعوذ بك من زوال نعمتك وتحول عافيتك وفجاءة نقمتك وجميع سخطك، اللهم انى اعوذ بك من الفقر والقلة والذلة واعوذ بك من ان اظلم او اظلم، ومنها التعبير عن الخضوع والاخبات، كقوله صلى الله عليه وسلم سجد وجهى للذى خلقه الخ۔

اعوذ بالله من جهد البلاء ودرك الشقاء و سوء القضاء وشماتة الاعداء، اللهم انى اعوذ بك من الهم والحزن و العجز والكسل والجبن والبخل و ضلع الدين وغلبة الرجال، اللهم انى اعوذ بك من الكسل والهرم والمغرم والمأثم، اللهم انى اعوذ بك من عذاب النار وفتنة النار وفتنة القبر وعذاب القبر ومن شر فتنة الغنى ومن شر فتنة الفقر ومن شر فتنة المسيح الدجال، اللهم اغسل خطاياى بماء الثلج والبرد ونق قلبى كما ينقى الثوب الابيض من الدنس وباعد بينى وبين خطاياى كما باعدت بين المشرق و المغرب، اللهم آت نفسى تقواها و زكها انت خير من زكاها انت وليها مولاها، اللهم انى اعوذ بك من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوة لا يستجاب لها، اللهم انى اعوذ بك من زوال نعمتك وتحول عافيتك وفجاءة نقمتك وجميع سخطك اللهم انى اعوذ بك من الفقر و القلة والذلة واعوذ بك من ان اظلم او اظلم،

ازانجملہ خضوع اور فرمانبرداری کا بیان کرنا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے" میرے منہ نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا" الخ۔

واعلم ان الدعوات التی امرنا
بها النبی صلے اللہ علیہ وسلم علی
قسمین احدهما ما یکون المقصود
منه ان تملأ القوی الفکریة بملاحظة
جلال اللہ وعظمته، او یحصل حالة
الخضوع والاخبات، فان لتعبیر
اللسان عما یناسب هذه الحالة
اثرا عظیما فی تنبه النفس لها واقبالها
علیها، والثانی ما یکون فیه الرغبة
فی خیر الدنیا والآخرة والتعوذ من
شرهما لان همة النفس وتأکد
عزیمتها فی طلب شئ یقرع باب
الجود بمنزلة اعداد مقدمات
الدلیل لفیضان النتیجة، وایضا
فان الحاجة اللاذعة لقلبه توجهه
الی المناجات وتجعل جلال اللہ
حاضرا بین عینیه وتصرف
همته الیه، فتلك الحالة غنیمة
المحسن، قوله صلے اللہ علیہ وسلم
الدعاء هو العبادة۔

اقول ذلك لان اصل العبادة
هو الاستغراق فی الحضور بوصف
التعظیم والدعاء بقسمیه نصاب
تام منه، قوله صلے اللہ علیہ وسلم
افضل العبادة انتظار الفرج۔

اقول:- وذلك لان الهمة الخثیثة
فی استنزال الرحمة تؤثر اشد مما
تؤثر العبادة، قوله صلے اللہ علیہ
وسلم ما من احد یدعو بدعاء

واضح ہو کہ وہ دعائیں جن کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
ہم کو حکم دیا ہے دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ دعائیں ہیں
جن سے مقصود یہ ہے کہ قوی فکریہ جلال الٰہی اور اس کی
عظمت کے ملاحظہ سے پُر ہو جائیں یا خضوع اور فرمانبرداری
کی حالت حاصل ہو کیونکہ زبان سے اس چیز کو جو اس
حالت کے مناسب ہے زبان سے بیان کرنے میں
نفس کو متوجہ کرنے کے لئے بڑا اثر ہے، اور دوسری
قسم کی وہ دعائیں ہیں جن میں دنیا و آخرت کی بھلائی
کی طرف رغبت مقصود ہوتی ہے اور ان کی برائی سے
پناہ مانگی جاتی ہے کیونکہ نفس کا ارادہ اور بہت
کوشش سے اس کا کسی چیز کو طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے
جود کے دروازہ کو کھڑکھڑاتا ہے جس طرح دلیل کے
مقدمات نتیجہ کے فیضان کا سبب ہوتے ہیں اور
نیز اس کے دل کو تکلیف دینے والی حاجت اس کو
مناجات کی طرف متوجہ کر دیتی ہے اور اللہ پاک کی
عظمت کو اس کے روبرو پیش کر دیتی ہے اور ایسے وقت
میں آدمی کی ہمت خدا تعالےٰ کی طرف مائل ہو جاتی ہے
پس یہ حالت نیک آدمی کے لئے بہت غنیمت ہے،
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دعا عبادت ہی ہے"۔

میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ اصل عبادت
تعظیم کی صفت کے ساتھ حضور کے اندر مستغرق
ہو جانا ہے اور دعا اپنی دونوں قسموں کے ساتھ
اس کا کامل نصاب ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "بہترین عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے"
میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ نزول رحمت
کے طلب کرنے میں رغبت کے ساتھ امید کرنا جس
قدر مؤثر ہے اس قدر عبادت کرنا بھی مؤثر نہیں ہے،
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ سے

الا اتاہ اللہ تعالے ما سأل او کف عنہ شر السوء مثلہ ؛

اقول :- ظہور الشئ من عالم المثال الی الارض لہ سنن طبیعی یجری ذلک المجری ان لم یکن مانع من خارج، ولہ سنن غیر طبیعی ان وجد مزاحمۃ فی الاسباب، فمن غیر طبیعی ان تنصرف الرحمۃ الی کف السوء او الی ایناس وحشتہ والھام بہجۃ قلبہ، او میل الحادثۃ من بدنہ الی مالہ وامثال ذلک، قولہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفر لی ان شئت ارحمنی ان شئت ارزقنی ان شئت ولیعزم المسألۃ انہ یفعل ما یشاء ولا مکرہ لہ ؛

اقول :- روح الدعاء وسرہا رغبۃ النفس فی الشئ مع تلبسہا بتشبہ الملائکۃ وتطلع الجبروت والطلب بالشک یشتت العزیمۃ ویفتر الھمۃ، اما الموافقۃ بالمصلحۃ الکلیۃ فحاصل لان سببا من الاسباب لا یصد اللہ عن رعایتہا، وھو قولہ صلے اللہ علیہ وسلم انہ یفعل ما یشاء ولا مکرہ لہ، قولہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یرد القضاء الا الدعاء ؛

اقول :- القضاء ھہنا الصورۃ المخلوقۃ فی عالم المثال التی ھی

کچھ مانگتا ہے تو اللہ تعالے اس کو عطا فرماتا ہے یا اس کے برابر مصیبت کی برائی اس سے روک لیتا ہے ؛

میں کہتا ہوں اشیاء کے لئے عالم مثال سے زمین پر ظاہر ہونے کا ایک تو طبعی طریق ہے۔ اگر کوئی خارجی مانع نہ ہو۔ اور ایک غیر طبعی طریق ہے اگر اسباب میں مزاحمت پائی جائے پس غیر طبعی کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی مصیبت کے دفع کرنے کی طرف یا اس کی وحشت کے دور کرنے کی طرف اور اس کے دل میں خوشی القاء کرنے کی طرف یا اس حادثہ کو اس کی جان سے ٹال کر اس کے مال کی طرف مائل کرنے کے لئے رحمت الٰہی متوجہ ہوتی ہے اور اسی قسم کی اور صورتیں بھی ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یہ دکہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ کو بخشدے اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر اور اگر تو چاہے تو مجھ کو رزق دے بلکہ کوشش کے ساتھ اللہ تعالے سے سوال کیا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کا دباؤ نہیں ہے ؛

میں کہتا ہوں دعا کی روح اور اس کا بھید نفس کا کسی چیز میں رغبت کرنا ہے جس کے ساتھ تشبہ بالملائکہ اور جبروت پر اطلاع پانے کی صفت پائی جائی ہو اور شک کے ساتھ طلب کرنا ارادہ کے اندر پراگندگی پیدا کرتا ہے اور ہمت کو سست کرتا ہے اور مصلحت کلیہ کے ساتھ موافقت حاصل ہوتی ہے کیونکہ کوئی سبب مصلحت کلیہ کی رعایت کرنے سے خدا تعالے کو نہیں روکتا چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بجز دعا کے کوئی چیز قضاء الٰہی کو نہیں ٹالتی ۔

میں کہتا ہوں قضاء سے مراد یہاں وہ صورت ہے جو عالم مثال میں پیدا کیجاتی ہے اور جو عالم کون میں

سبب وجود الحادثة فی الکون وھو
بمنزلة سائر المخلوقات یقبل
المحو والاثبات، قال علیه الصلاة
والسلام ان الدعاء ینفع مما نزل و
مما لم ینزل ۞

اقول:- الدعاء اذا عالج ما لم
ینزل اضمحل ولم ینعقد سببا لوجود
الحادثة فی الارض وان عالج النازل
ظھرت رحمة الله ھناك فی صورة تخفیف
موجدته وایناس وحشته، قال صلی
الله علیه وآله وسلم من سره ان
یستجیب الله له عند الشدائد
فلیکثر الدعاء فی الرخاء ۞

اقول:- وذلك ان الدعاء لا یستجاب
الا ممن قویت رغبته وتأکدت عزیمته
وتمرن بذلك قبل ان یحیط به ما
احاط، واما رفع الیدین ومسحه الوجه
بھما فتصویر للرغبة ومظاھرة بین
الھیئة النفسانیة وما یناسبھا من
الھیئة البدنیة وتنبیه للنفس علی
تلك الحالة، قال صلی الله علیه وسلم
من فتح له باب من الدعاء فتحت
له ابواب الرحمة ۞

اقول:- من علم کیف یدعو
برغبة ناشئة من صمیم قلبه
وعلم فی ای الصورة تظھر الاجابة
وتمرن بصفة الحضور فتح له باب
الرحمة فی الدنیا ونصر فی کل داھیة، واذا
مات واحاطت به خطیئته وغشیته

اس حادثہ کے پیدا ہونے کا سبب ہوتی ہے اور وہ صورت
تمام مخلوقات کی طرح محو و اثبات کو قبول کرتی ہے، نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دعا اس چیز سے جو نازل
ہوئی اور اس چیز سے جو نازل نہیں ہوئی نفع دیتی
ہے"۔

میں کہتا ہوں دعا جب اس حادثہ کا علاج کرتی
ہے جو نازل نہیں ہوا ہے تو وہ مضمحل ہو جاتا ہے اور کسی
چیز کو زمین پر اس حادثہ کے موجود ہونے کا سبب نہیں
ہونے دیتی اور اگر دعا، نازل شدہ بلا کے علاج میں واقع
ہوتی ہے تو وہاں رحمت الٰہی اس کے رنج کی تخفیف کی صورت
میں ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کی وحشت دفع کرنے کیلئے نازل ہو جاتی
ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ خدا سختی کے
وقت اس کی دعا قبول کیا کرے تو اس کو لازم ہے کہ آرام کی حالت
میں بھی دعا مانگا کرے"۔

میں کہتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ دعا اس شخص کی قبول ہوتی ہے
جس کی رغبت قوی اور ارادہ مصمم ہوتا ہے اور اس مصیبت کے
نازل ہونے سے پیشتر اس کو دعا کی عادت بھی ہو، اور ہاتھوں
کا اٹھانا اور منہ پر ہاتھ پھیرنا اس رغبت کی صورت اور ہیئت
نفسانیہ اور اس کے مناسب ہیئت بدنیہ میں مطابقت اور
نفس کو اس حالت پر متنبہ کرنا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کے لئے دعاء
کا دروازہ کھولا گیا اس کے لئے رحمت کے سب
دروازے کھولے گئے"۔

میں کہتا ہوں جو شخص دلی رغبت سے دعا کرنے
کی کیفیت جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کس صورت
میں قبولیت ظاہر ہوتی ہے اور وہ صفت حضور کا عادی
بھی ہے تو اس کے لئے دنیا میں رحمت کا دروازہ کھولدیا
جاتا ہے اور ہر مصیبت میں اس کی مدد کی جاتی ہے، اور جب
وہ مرجاتا ہے اور اس کے گناہ اس کو گھیر لیتے ہیں اور ہیئت دنیوی

غاشية من الهيئات الدنيوية توجه
الى الله توجها حثيثا كما كان تمرّن به
فيستجاب له ويخرج نقيا منها كما تسل
الشعرة من العجين، واعلم ان اقرب
الدعوات من الاستجابة ما اقترن
بحالة هي مظنة نزول الرحمة اما
لكونها كمالا للنفس الانسانية كدعاء
عقيب الصلوات، ودعوة الصائم
حين يفطر، اومعدة لاستنزال جود الله
كدعاء يوم عرفة اولكونها سببا لموافقة
عناية الله في نظام العالم كدعوة المظلوم
فان لله عناية بانتقام الظالم، وهذا
موافقة منه لتلك العناية، وفيه فانه
ليس بينها وبين الله حجاب، او
سببا لانزوا راحة الدنيا عنه فتنقلب
رحمة الله في حقه متوجهة في صورة
اخرى كدعاء المريض والمبتلى، اوسببا
لاخلاص الدعاء مثل دعاء الغائب
لاخيه ودعاء الوالد للولد، اوكانت
في ساعة تنتشر فيها الروحانية و
تدلى فيه الرحمة كليلة القدر و
الساعة المرجوة يوم الجمعة، او
كانت في مكان تحضره الملائكة كمواضع
بمكة اوتتنبه النفس عند الحلول
بها الحالة الحضور والخشوع كمآثر
الانبياء عليهم السلام، ويعلم من
مقايسة ما قلنا سر قوله صلى الله
عليه وسلم يستجاب للعبد مالم يدع
باثم او قطيعة رحم مالم يستعجل

کا پردہ اس کو ڈھانکتا ہے تو وہ شخص جس طرح عادی تھا اسی
طرح رغبت کے ساتھ اللہ تعالٰی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے پس اس
کی دعا مقبول ہو جاتی ہے اور گناہوں میں سے ایسا صاف اور پاک
نکل جاتا ہے جس طرح آٹے میں سے بال نکل جاتا ہے،

واضح ہو کہ دعاؤں میں سے زیادہ قریب بقبولیت وہ دعا
ہوتی ہے جو ایسی حالت میں پائی جائے جس میں نزول رحمت کا موقع
ہوتا ہے یا تو اس لئے کہ اس حالت میں نفس انسانی کو کمال
کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ نمازوں کے بعد دعا کرنا یا افطار
کے وقت روزہ دار کا دعا کرنا یا اس لئے کہ وہ حالت اللہ تعالٰی
بخشش کے طلب نزول کا سبب ہوتی ہے جیسا کہ عرفہ کے
دن دعا مانگنا یا اس لئے کہ وہ حالت نظام عالم میں عنایت الٰہی
کی موافقت کا سبب ہوتی ہے جیسا کہ مظلوم کا دعا مانگنا کیونکہ
خدا تعالٰی کو ظالم سے بدلہ لینے کی طرف نہایت توجہ ہوتی ہے اور یہ دعا
مانگنا اس سے اس توجہ کی موافقت کرتا ہے، اور مظلوم کے باب میں
آیا ہے کہ اسکی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا، یا وہ
حالت اس سے راحت دنیا کے انقلاب کا سبب ہوتی ہے پس
اسوقت اسکے حق میں رحمت الٰہی دوسری صورت میں ہو کر متوجہ ہوتی
ہے جیسا کہ بیمار یا مصیبت زدہ کا دعا کرنا، یا وہ حالت دعا کی اخلاص
کا سبب ہوتی ہے جیسا کہ غائب کا اپنے بھائی کے لئے دعا کرنا یا
والد کا بیٹے کے لئے دعا کرنا، یا وہ دعا ایسے وقت میں ہو جس میں
روحانیت کا انتشار ہوتا ہے اور رحمت الٰہی کا قرب ہوتا ہے جیسا کہ
شب قدر یا وہ ساعت مرجوہ جو جمعہ کے دن ہوتی ہے، یا دعا
مانگنا ایسے مکان میں ہو جہاں فرشتے حاضر ہوتے ہیں جیسا کہ
مکہ کے مقامات، یا ان مقامات میں جانے سے نفس کو حضور و
خضوع کی حالت پر تنبہ ہوتا ہو جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے
کے نشانات، اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے نبی صلے اللہ
علیہ وسلم کے اس قول کا راز بھی معلوم ہو جاتا ہے
"بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک گناہ یا قطع رحم کی
دعا نہ کرے بشرطیکہ جلدی نہ کرے"۔

قوله صلى الله عليه وسلم لكل نبي دعوة مستجابة فتعجل كل نبي دعوته واني اختبأت دعوتي شفاعة لامتي الى يوم القيمة فهي نائلة ان شاء الله من مات من امتي لايشرك بالله شيئا

اقول: للانبياء عليهم السلام دعوات كثيرة مستجابة، وكذا استجيب لنبينا صلى الله عليه وسلم في مواطن كثيرة لكن لكل نبي دعوة واحدة منبجسة من الرحمة التي هي مبدأ نبوته فانها ان آمنوا كانت بركات عليهم وانبجس في قلب النبي ان يدعولهم وان اعرضوا صارت نقمات عليهم وانبجس في قلبه ان يدعو عليهم واستشعر نبينا صلى الله عليه وسلم ان اعظم مقاصد بعثته ان يكون شفيعا للناس واسطة لنزول رحمة خاصة يوم الحشر فاختبأ دعوته العظمى المنبجسة من اصل نبوته لذلك اليوم، قوله صلى الله عليه وسلم اللهم اني اتخذت عندك عهدا الخ:

اقول: اقتضت رحمته عليه الصلاة والسلام بامته وحدبه عليهم ان يقدم عند الله عهدا او يمثل في حظيرة القدس همته لا يزال يصدر منها احكامها، وذلك ان يعتبر في قومه همته الضمينة المكنونة لا الهمة البارزة، وذلك لان قصده في تعزير المسلمين قولا وفعلا اقامة

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر نبی کی ایک دعا مستجاب ہوتی ہے سو ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کی اور میں نے اپنی دعا روز قیامت میں امت کی شفاعت کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے پس یہ دعا انشاء اللہ میری امت میں سے اس شخص کو پہنچے گی جو اس حالت میں مرگیا کہ خدا تعالے کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہوگا"

میں کہتا ہوں انبیاء علیہم السلام کے لئے بہت سی مقبول دعائیں ہوتی ہیں اور اسی طرح ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی دعائیں بہت مقامات میں مستجاب ہوئی ہیں لیکن ہر نبی کے لئے ایک خاص دعا ہوتی ہے جو اس رحمت کا اثر ہوتی ہے جو اس کی نبوت کا مبداء ہے پھر اگر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں تو وہ دعا ان کے حق میں برکات ہو جاتی ہے اور اس نبی کے دل میں ان کے لئے دعا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر وہ لوگ اس کی اطاعت سے اعراض کرتے ہیں تو وہ دعا انکے حق میں عذاب بن جاتی ہے اور نبی کے دل میں ان پر بددعا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ آپ کی بعثت سے عظیم مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کے شفیع ہوں اور روز حشر میں رحمت خاصہ کے نزول کا واسطہ ہو جائیں اس واسطے آپ نے اس بڑی دعا کو جو آپ کی اصل نبوت سے پیدا ہوئی ہے اس دن کے لئے پوشیدہ رکھا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اللہ میں نے تجھ سے ایک عہد لے رکھا ہے" الخ،

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر جو رحم وکرم ہے اس کا مقتضی یہ ہوا کہ آپ پہلے سے خدا تعالے سے ایک عہد کرلیں اور حظیرۃ القدس میں آپ کی ہمت متمثل ہو جائے جس سے اس کے احکام برابر سرزد ہوتے رہیں اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالے آپکی امت کے بارے میں آپکی اس ہمت کا اعتبار کرے جو باطنی اور پوشیدہ ہے نہ کہ اس ارادہ کا جو ظاہر ہے اور یہ اسلئے کہ قول یا فعل کیساتھ مسلمانوں کی تعزیر فرمانے میں آپکا مقصد ان کے درمیان اس

الدين الذي ارتضى الله لهم فيهم، وان
يستقيموا ويذهب عنهم اعوجاجهم
وقصده في التغليظ على المقضي عليهم
بالكفر موافقة الحق في غضبه على
هؤلاء فاختلف المشرعان وان اتحدت
الصورة، ومنها التوكل وروحه توجه
النفس الى الله بوجه الاعتماد عليه ور
ؤية التدبير منه ومشاهدة
الناس مقهورين في تدبيره وهو مشهد
قوله تعالى وهو القاهر فوق عباده
ويرسل عليكم حفظة، وقد سن
رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه اذكارا
منها لاحول ولا قوة الا بالله العلي
العظيم، وفيه انه كنز من كنوز الجنة،
وذلك لانه يعد النفس لمعرفة جليلة
ومنه قوله صلى الله عليه وآله وسلم
بك اصول وبك احول، وما ورد على
هذا الاسلوب، ومنه قوله عليه الصلاة
والسلام توكلت على الله، وقوله عليه
الصلاة والسلام اعلم ان الله على كل
شئ قدير وان الله قد احاط بكل شئ
علما، ونحو ذلك،

ومنها الاستغفار، وروحه
ملاحظة ذنوبه التي احاطت بنفسه
ونفضها عنها بمدد روحاني وفيض
ملكي وله اسباب، منها شمول رحمة
الله اياه بعمل يصرف اليه دعوات
الملأ الاعلى، او يكون هو فيه جارحة
من جوارح التدبير الالهي في اظهار

دین کا قائم کرنا تھا جن کو اللہ تعالٰے نے ان کے لئے پسند فرمایا
ہے اور آپ کا یہ مقصود تھا کہ وہ راستی پر آجائیں اور ان سے کجی
دور ہو جائے اور جن لوگوں پر کفر کا حکم ہوا ان پر سختی کرنے سے آپکا
مقصود اس غضب الٰہی کے ساتھ موافقت کرنا تھا جو ان
لوگوں سے متعلق ہے پس دونوں طریقے مختلف ہیں اگرچہ صورت
ایک ہے، اور ان میں سے ایک توکل ہے اور اس کی روح خدا تعالٰے
کی طرف متوجہ ہونا ہے اس اعتقاد سے کہ اعتماد اسی پر ہے
اور اسی کی طرف سے تدبیر کو دیکھنا ہے اور سب لوگوں
کو اس کی تدبیر میں مقہور سمجھنا ہے اور یہ اللہ تعالی کے اس
قول کا مشہد[1] ہے "وہی خدا تعالٰے اپنے بندوں پر غالب
ہے اور تم پر محافظین کو بھیجتا ہے اور اس امر میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اذکار مسنون فرمائے ہیں۔

ازاں جملہ یہ قول ہے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی
العظیم، اور اس کی فضیلت میں آیا ہے کہ یہ جنت کے
خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ
کلمات نفس کو معرفت جلیلہ کے قابل بنا دیتے ہیں،

ازانجملہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "بک اصول
وبک احول" اور جو اذکار اس اسلوب پر وارد ہیں، اور
ایک آپ کا یہ قول "توکلت علی اللہ" اور آپ کا یہ قول "اعلم
ان اللہ علی کل شئ قدیر وان اللہ قد احاط بکل
شئ علما" اور اس کے امثال،

اور ان میں سے ایک استغفار ہے اور اس کی روح یہ ہے
کہ اپنے ان گناہوں کا ملاحظہ کرے جو نفس کو گھیرے ہوئے
ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی خیال کرے اور نفس سے
مدد روحانی اور فیض ملکی کے ذریعہ ان کا دور کرنا ہے اور
اس کے کئی اسباب ہیں:۔

ازانجملہ اللہ کی رحمت کا کسی ایسے عمل سے اسکو شامل ہو جانا
جو عالم بالا کی دعاؤں کو اس کی طرف متوجہ کرے یا اس عمل میں تدبیر

[1] صوفیہ کی اصطلاح میں مشہد اس کو کہتے ہیں جو آیت کے معانی میں تامل اور فکر کرنے سے فائض ہو ۱۲

مانحة للمجهود او سد خلة للمحتاج
او ما يضاهي ذلك، ومنها التشبه
بالملائكة في هيأتهم ولمعان
انوار الملكية وخمود شرور البهيمية
باضمحلال اجزائها وكسر سورتها
ومنها التطلع الى الجبروت و
معرفة الحق واليقين به، وهو قوله
صلى الله عليه وآله وسلم قال الله
تعالى اعلم عبدي ان له ربا يغفر الذنب
ويأخذ به غفرت لعبدي فاذا
استعمل العبد هذه الامداد الروحانية
في نفض ذنوبه عن نفسه اضمحلت
عنها،

ومن اجمع صيغ الاستغفار
اللهم اغفر لي خطيئتي وجهلي واسرافي
في امري وما انت اعلم به مني، اللهم
اغفر لي جدي وهزلي وخطئي وعمدي
وكل ذلك عندي. اللهم اغفر لي ما
قدمت وما اخرت وما اسررت وما
اعلنت وما انت اعلم به مني انت
المقدم وانت المؤخر وانت على كل
شئ قدير، وسيد الاستغفار اللهم
انت ربي لا اله الا انت خلقتني وانا
عبدك وانا على عهدك ووعدك ما
استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء
لك بنعمتك علي وابوء بذنبي فاغفر لي
فانه لا يغفر الذنوب الا انت، قال
صلى الله عليه وآله وسلم انه ليغان
على قلبي واني لاستغفر الله تعالى في

الٰہی کی کوئی شاخ ہو جس سے جمہور کو نفع ہوتا ہے، یا کسی محتاج
کی حاجت روائی ہوتی ہے یا اس قسم کی کوئی اور بات ہوتی
ہے، اور ازاں جملہ فرشتوں کے ساتھ انکی ہیأت میں اور ملکی
انوار کے روشن ہونے میں اور بہیمیت کے اجزاء کے ضعیف ہوجانے
اور اس کے ہیجان کے ٹوٹ جانے کے سبب سے بہیمیت کی برائیوں
کے فرو ہونے میں مشابہت پیدا کرنا ہے،

اور ازانجملہ جبروت تک پہنچنا اور خدا تعالیٰ کی معرفت اور
اس کا یقین کرنا ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا
کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے،
میں نے اپنے بندہ کو بخشدیا" پس جب بندہ اس اعانت
روحانی کو اپنے نفس سے گناہ دور ہونے میں استعمال کرتا
ہے تو وہ گناہ اس سے دور ہو جاتے ہیں،

استغفار کے سب اذکار میں سب سے زیادہ جامع
یہ ہیں:- اللهم اغفر لي خطيئتي وجهلي
واسرافي في امري وما انت اعلم
به مني، اللهم اغفر لي جدي وهزلي و
خطئي وعمدي وكل ذلك عندي، اللهم
اغفر لي ما قدمت وما اخرت وما اسررت
وما اعلنت وما انت اعلم به مني انت
المقدم وانت المؤخر وانت على كل شئ
قدير، اور سید الاستغفار یہ ہے:- اللهم انت ربي
لا اله الا انت خلقتني وانا عبدك وانا
على عهدك ووعدك ما استطعت
اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك
بنعمتك علي وابوء بذنبي فاغفر لي
فانه لا يغفر الذنوب الا انت،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- میرے
دل پر بھی ابر سا آجاتا ہے اور میں خدا سے دن میں

اليوم مائة مرة؛

اقول: حقيقة هذا الغين انه صلى الله عليه وآله وسلم مامور ان يصير نفسه مع عامة المؤمنين في هيئة امتزاجية بين الملكية والبهيمية ليكون قدوة للناس فيما سن لهم على وجه الذوق والوجدان دون القياس والتخمين وكان من لوازمها الغين. والله اعلم.

ومنها التبرك باسم الله تعالى، وسر ان الحق له تدل في كل نشأة ومن تدليه في النشاة الحرفية الاسماء الالهية النازلة على السنة التراجمة والمتداولة في الملأ الاعلى فاذا توجه العبد اليه وجد رحمة الله قريبة.

قال صلى الله عليه وآله وسلم ان لله تسعة وتسعين اسما مائة الا واحدا من احصاها دخل الجنة؛

اقول: من اسباب هذا الفضل انها نصاب صالح لمعرفة ما يثبت للحق ويسلب عنه، وان لها بركة وتمكنا في حظيرة القدس وان صورتها اذا استقرت في صحيفة عمله وجب ان يكون انفساحها الى رحمة عظيمة، واعلم ان الاسم الاعظم الذي اذا سئل به اعطى واذا دعي به اجاب هو الاسم الذي يدل على اجمع تدل من تدليات الحق، والذي تداوله الملأ الاعلى اكثر تداول ونطقت به التراجمة

سو بار استغفار کرتا ہوں ؛

میں کہتا ہوں اس ابر کی حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ اپنے نفس کو عامۃ المؤمنین کے ساتھ اس ہیئت میں رکھیں جو ملکیت اور بہیمیت سے مرکب ہے تاکہ جو امور لوگوں کے لئے مقرر فرمائیں ان میں لوگوں کی رہنمائی ذوق اور وجدان کے طور پر کریں نہ کہ صرف قیاس وتخمین کے طور پر، اور اس ہیئت پر رہنے میں ابر اور کدورت کا عارض ہونا لازم ہے واللہ اعلم۔

ازانجملہ اللہ تعالےٰ کے نام سے تبرک حاصل کرنا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر عالم میں ایک قرب ہے اور عالم حروف میں اس کا قرب اسماء الٰہیہ ہیں جو اہل لسان کی زبانوں پر جاری اور ملاء اعلیٰ میں مروج ہیں پس جب بندہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو رحمت الٰہی کو قریب پاتا ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو یاد کرلے گا جنت میں داخل ہوگا؛

میں کہتا ہوں اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسماء اللہ تعالےٰ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کی معرفت کے لئے کافی مقدار ہیں اور ان کے لئے حظیرۃ القدس میں عزت اور برکت ہے اور ان اسماء کی صورت جب صحیفۂ عمل مندرج ہوجاتی ہے تو اس صورت کی وسعت ضرور رحمت عظیمہ ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم جس کے ساتھ مانگا جائے تو ملتا ہے اور جس کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے وہ اسم ہے جو تقربات باری تعالےٰ میں سے نہایت جامع تقرب پر دلالت کرتا ہے اور جس نام کو ملاء اعلیٰ میں کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے اور جو ہر زمانہ میں اہل لسان کی

فی کل عصر، وقد ذکرنا ان زید الشاعر
الکاتب له صورة انه شاعر وصورة
انه کاتب، وکذلك للحق تدلیات فی
مواطن من المثال وهذا معنی یصدق
علی انت اللہ لا اله الا انت الاحد الصمد
الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن
له کفوا احد، وعلی لك الحمد لا اله
الا انت الحنان المنان بدیع السموات
والارض یاذا الجلال والاکرام یاحی
یاقیوم، ویصدق علی اسماء تضاهی
ذلك، ومنها الصلاة علی النبی صلے
اللہ علیه وآله وسلم، قال صلے
اللہ علیه وآله وسلم من صلی علی
صلاة صلے اللہ علیه عشرا، وقال علیه
السلام ان اولی الناس بی یوم القیامة
اکثرهم علی صلاة۔

اقول: السر فی هذا ان النفوس
البشریة لابد لها من التعرض لنفحات
اللہ ولاشئ فی التعرض لها کالتوجه
الی انوار التدلیات والی شعائر اللہ
فی الارض والتکفف لدیها والامعان
فیها والوقوف علیها لاسیما ارواح
المقربین الذین هم افاضل الملأ
الاعلی ووسائط جود اللہ علی اهل
الارض بالوجه الذی سبق ذکره
وذکر النبی صلے اللہ علیه وسلم
بالتعظیم وطلب الخیر من اللہ تعالی
فی حقه آلة صالحة للتوجه الیه مع
ما فیه من سد مدخل التحریف۔

زبانوں پر جاری ہے اور ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ زید
شاعر اور کاتب ہے اس میں اس کی ایک صورت شاعر ہونے
کی ہے اور ایک کاتب ہونے کی ہے اور اسی طرح حق تعالیٰ
کے لئے عالم مثال کے ہر مقام میں تقربات ہوتے ہیں
اور یہ معنی اس پر صادق آتے ہیں:۔ انت اللہ لا الٰہ
الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد و
لم یکن لہ کفوا احد، اور اس پر صادق آتے
ہیں:۔ لک الحمد لا الٰہ الا انت الحنان المنان
بدیع السمٰوٰت والارض یا ذالجلال والاکرام
یا حی یا قیوم، اور اسی قسم کے دیگر اسماء پر یہ معنی صادق
آتے ہیں،

از انجملہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے، نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا
ہے خدا تعالےٰ اس پر دس بار رحمت کرتا ہے" اور آپ نے
فرمایا "قیامت کے دن سب سے زیادہ نزدیک میرے وہ
شخص ہوگا جو کثرت سے مجھ پر درود بھیجتا ہے"

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ نفوس بشریہ کے
لئے ضروری ہے کہ حالات الٰہی کی طرف متوجہ ہوں اور متوجہ
ہونے میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے کہ تقربات کے
انوار اور اللہ تعالےٰ کے شعائر جو زمین پر پائے جاتے ہیں انکی
طرف توجہ کیجائے اور ان کے سامنے ہاتھ پھیلائے جائیں
اور ان میں غور کیا جائے اور ان پر وقوف کیا جائے
بالخصوص ان مقربین کی ارواح کی طرف جو ملاء اعلیٰ میں
بزرگ ترین ہیں، اور اللہ تعالےٰ کی بخشش جو زمین والوں
پر ہوتی ہے اس کا وسیلہ ہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، اور
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعظیم سے ذکر کرنا اور آپ
کے حق میں خدا تعالےٰ سے خیر طلب کرنا نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کی طرف متوجہ ہونے کا ایک عمدہ سبب ہے اور اس کے
ساتھ یہ بھی ہے کہ اس سے تحریف کا دروازہ بند ہوتا ہے،

حيث لم يذكره الا بطلب الرحمة له من الله تعالى، والارواح الكمل اذا فارقت اجسادها صارت كالموج المكفوف لا يهزها ارادة متجددة وداعية سانحة ولكن النفوس التي هي دونها تلتصق بها بالهمة فيجلب منها نورا وهيئة مناسبة بالارواح. وهي المكني عنه بقوله عليه السلام ما من احد يسلم على الا رد الله على روحي حتى ارد عليه السلام، وقد شاهدت ذلك ما لا احصى في مجاورتي المدينة سنة الف ومائة واربع واربعين،

قال صلى الله عليه وسلم لا تجعلوا زيارة قبري عيدا:

اقول: هذا اشارة الى سد مدخل التحريف كما فعل اليهود والنصارى بقبور انبيائهم وجعلوها عيدا وموسما بمنزلة الحج، واعلم انه مست الحاجة الى توقيت الاذكار ولو بوجه اسمح من توقيت النواميس اذ لو لم توقت لتساهل المتساهل، وذلك اما باوقات او اسباب، وقد ذكرنا تصريحا وتلويحا ان المخصص لبعض الاوقات دون بعض اما ظهور الروحانية فيه كالصبح والمساء او خلو النفس عن الهيأت الرذيلة كحالة التيقظ من النوم او فراغها عن الارتفاقات واحاديث الدنيا ليكون كالمصقلة كحالة ارادة

کیونکہ اس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف رحمتِ خداوندی کی طلب کے قصد سے آپ کا ذکر کیا ہے، اور کاملین کی روحیں جب اپنے جسموں سے جدا ہوتی ہیں تو ان کی حالت رکی ہوئی موج کی طرح ہو جاتی ہے کہ ان کو نیا ارادہ یا کوئی عارضی سبب حرکت نہیں دے سکتا لیکن وہ نفوس جو ان سے کم درجے کے ہوتے ہیں قصد کرکے ان کے ساتھ مل جاتے ہیں اور نور اور ہیئت جو ان کے مناسب ہوتی ہے ان ارواح سے حاصل کر لیتے ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں یہی مراد ہے "جو شخص مجھ پر سلام کرتا ہے تو خدا تعالیٰ میری روح کو مجھ پر اعادہ کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو سلام کا جواب دیتا ہوں" سنہ گیارہ سو چوالیس ہجری میں جب میں مدینہ منورہ کا مجاور تھا تو بیشمار مرتبہ میں نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری قبر کی زیارت کو عید نہ بناؤ"

میں کہتا ہوں اس میں تحریف کا راستہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ کیا اور ان کی زیارت کو حج کی طرح عید اور موسم مقرر کر لیا تھا،

واضح ہو کہ اذکار کے اوقات معین کرنے کی ضرورت ہے اگرچہ ان کی تعیین شرائع کی توقیت سے کم درجہ کی ہی کیونکہ اگر اذکار کی توقیت نہ کی جائے تو سست لوگ کاہلی کر سکتے ہیں اور یہ پابندی اوقات سے یا اسباب سے ہوتی ہے اور ہم نے صراحۃً یا اشارۃً اس بات کا ذکر کر دیا ہے کہ بعض اوقات کو خاص کرنے کی وجہ یا تو ان اوقات میں روحانیت کا ظہور ہے جیسے صبح و شام کے اوقات یا نفس کا ہیئت رذیلہ سے خالی ہونا ہے جیسے خواب سے بیدار ہونے کا وقت، یا وہ وقت کاروبار اور دنیا کے قصوں سے فارغ ہونے کا وقت ہے تاکہ اس وقت میں ذکر کرنا بمنزلہ صیقل کے ہو جائے

النوم وان المخصص للسببية ان
يكون سببا لنسيان ذكر الله وذهول
النفس عن الالتفات تلقاء جناب
الله فيجب في مثل ذلك ان يعالج بالذكر
ليكون ترياقا لسمها وجابرا
لخللها او طاعة لا يتم نفعها ولا تكمل
فائدتها الا بمزج ذكر معها كالاذكار
المسنونة في الصلوات او حالة تنبه
النفس على ملاحظة خوف الله وعظم
سلطانه، فان هذه الحالة سائقة
لها الى الخير من حيث يدري ومن
حيث لا يدري كاذكار الآيات من
الريح والظلمة والكسوف، او حالة
يخشى فيها الضرر فيجب ان يسأل
الله من فضله ويتعوذ منه في اولها
كالسفر والركوب او حالة كان
اهل الجاهلية يستوقون فيها
لاعتقادات تميل الى اشراك بالله
وطيرة او نحو ذلك كما كانوا يعوذون
بالجن وعند رؤية الهلال، وقد
بين النبي صلى الله عليه وسلم
فضائل بعض هذه الاذكار و
آثارها في الدنيا والآخرة وانما
لفائدة واكمالا للترغيب، والعمدة
في ذلك امور، منها كون الذكر مظنة
لتهذيب النفس فادار عليه ما
يترتب على التهذيب كقوله صلى
الله عليه وسلم من قالهن ثم
مات مات على الفطرة اودخل

سونے کا ارادہ کرتے وقت، اور سببیت کے لئے مخصص وہ
شئی ہو سکتی ہے جو ذکر الٰہی سے بھلانے اور جناب باری کی
طرف توجہ سے نفس کو غافل کرنے کا سبب ہو پس ایسے وقت
میں ذکر الٰہی سے علاج کرنا ضروری ہے تاکہ اس غفلت
کے زہر کے لئے تریاق اور اس کے نقصان کا تدارک
کرنے والا ہو، یا وہ مخصص کوئی عبادت ہوتی ہے
جس کا پورا نفع اور کامل فائدہ بغیر ذکر ملائے نہیں ہوتا
جیسے وہ اذکار جو نمازوں کے بعد مسنون ہیں، یا وہ مخصص کوئی
ایسی حالت ہوتی ہے جو نفس کو خوف الٰہی اور اس کے عظیم
الشان غلبہ کے ملاحظہ کرنے پر متنبہ کرتی ہے کیونکہ
یہ حالت اس کو اعمال حسنہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے
خواہ اس کو علم ہو یا نہ ہو جیسے آیات الٰہی مثلاً آندھی
اور تاریکی اور کسوف کے وقت کے اذکار، یا وہ ایسی
حالت ہوتی ہے جس میں نقصان پہنچنے کا خوف ہوتا ہے
پس اس حالت کے شروع میں خدا تعالےٰ کے فضل کا
طلب کرنا اور اس کی پناہ مانگنا ضروری ہے جیسے سفر
کرتے اور سوار ہوتے وقت، یا وہ ایسی حالت ہوتی ہے
کہ اس میں اہل جاہلیت ایسے اعتقادات رکھتے تھے جو
اشراک باللہ یا بدشگونی یا اس کے مثل ہوتا تھا جیسے وہ
جنوں سے پناہ مانگتے تھے، اور رویت ہلال کا وقت،
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض اذکار
کے فضائل اور دنیا و آخرت میں ان کے آثار بیان کئے
ہیں تاکہ لوگوں کو پورا فائدہ پہنچے اور ان میں کامل ترغیب
پیدا ہو اور اس باب میں عمدہ چند امور ہیں۔

از انجملہ ذکر کا تہذیب نفس کے لئے مظنہ اور اس کی
علامت ہونا ہے پس جو امر تہذیب پر مرتب ہوتا ہے
آپ نے اس کو ذکر پر دائر کیا ہے جیسے نبی صلے اللہ
علیہ وسلم کا یہ قول "جس نے ان کلمات کو کہا اور پھر وہ
مر گیا تو فطرت اسلامی پر مریگا، یا یہ فرمایا کہ جنت میں

الجنة اوغفرله ونحو ذلك، ومنها بيان ان صاحب الذكر لا يضره شئ او حفظ من كل سوء وذلك لسمول الرحمة الالهية واحاطة دعوة الملائكة به، ومنها بيان محو الذنوب وكتابة الحسنات وذلك لما ذكرنا ان التوجه الى الله والتلفع بغاشية الرحمة يزيل الذنوب ويمد الملكية، ومنها بعد الشياطين منه لهذا السر بعينه، وسن رسول الله صلى الله عليه وسلم الذكر في ثلاثة اوقات عند الصباح والمساء والمنام وانما لم يوقت ليقظة في اكثر الاذكار لانه هو وقت طلوع الصبح او اسفاره غالبا، فمن اذكار الصباح والمساء اللهم عالم الغيب والشهادة فاطر السموات والارض رب كل شئ ومليكه اشهد ان لا اله الا انت اعوذ بك من شر نفسي ومن شر الشيطان وشركه امسينا وامسى الملك لله والحمد لله ولا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير، اللهم انى اسألك من خير هذه الليلة وخير ما فيها، واعوذ بك من شرها وشر ما فيها، اللهم انى اعوذ بك من الكسل والهرم وسوء الكبر وفتنة الدنيا وعذاب القبر، وفي الصباح يبدل امسينا باصبحنا، وامسى باصبح وهذه الليلة بهذا اليوم، بك اصبحنا

داخل ہوگا، یا یہ فرمایا کہ اس کے گناہ بخشے جائیں گے، اور اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں۔

اور از انجملہ اس بات کا بیان کہ اس ذکر کرنے والے کو کوئی شئی مضر نہیں پہنچاتی یا وہ ہر برائی سے محفوظ رہتا ہے اور اس کا یہ سبب ہوتا ہے کہ رحمتِ الٰہی اس شخص کے شامل حال ہو جاتی ہے اور فرشتوں کی دعائیں اس کا احاطہ کرلیتی ہیں۔

اور از انجملہ اس بات کا بیان کہ اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے اور رحمت الٰہی کے محیط ہونے سے گناہ زائل ہو جاتے ہیں اور قوتِ ملکی زیادہ ہو جاتی ہے، اور از انجملہ شیاطین کا اس شخص سے دور ہو جانا ہے اس کا سر بھی بعینہٖ وہی ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تین اوقات میں ذکر مسنون فرمایا ہے۔ صبح اور شام اور خواب کے وقت، اور اکثر اذکار میں جاگنے کا وقت مقرر نہیں فرمایا کیونکہ غالباً وہی وقت صبح کے طلوع ہونے کا یا اسکے روشن ہونے کا ہوتا ہے پس صبح اور شام کے اذکار میں سے بعض اذکار یہ ہیں۔ اللهم عالم الغيب والشهادة فاطر السموٰت والارض رب كل شئ ومليكه اشهد ان لا اله الا انت اعوذ بك من شر نفسي ومن شر الشيطان وشركه امسينا وامسى الملك لله والحمد لله ولا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير، اللهم انى اسألك من خير هذه الليلة وخير ما فيها واعوذ بك من شرها وشر ما فيها، اللهم انى اعوذ بك من الكسل والهرم وسوء الكبر وفتنة الدنيا وعذاب القبر، اور صبح کے وظیفہ میں بجائے امسینا کے اصبحنا اور بجائے امسی کے اصبح اور بجائے ھذہ اللیلۃ کے ھذا الیوم بدل دینا چاہیے، مثلاً اصبحنا

وبك امسينا وبك نحيا وبك نموت
واليك المصير، وفی المساء بك امسينا
وبك اصبحنا وبك نحيا وبك نموت
واليك النشور، باسم اللہ الذی لایضر
مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء و
هو السمیع العلیم ثلاث مرات سبحان
اللہ وبحمدہ ولا قوۃ الا باللہ ماشاء اللہ
کان ومالم یشا لم یکن اعلم ان اللہ
علی کل شئ قدیر وان اللہ قد احاط بکل
شئ علما، نسبحان اللہ حین تمسون
وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات
والارض وعشیا وحین تظهرون الی
تخرجون، اللهم انی اسألك العافیۃ
فی الدنیا والاخرۃ، اللهم انی اسألك العفو
والعافیہ فی دینی ودنیای واهلی ومالی،
اللهم استر عوراتی وامن روعاتی
اللهم احفظنی من بین یدی ومن خلفی
وعن یمینی وعن شمالی ومن فوقی، و
اعوذ بعظمتك ان اغتال من تحتی، رضیت
باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیا ثلاث
مرات، اعوذ بکلمات اللہ التامات
من شر ما خلق اللهم ما اصبح بی من
نعمۃ او باحد من خلقك فمنك
وحدك لا شریك لك فلك الحمد و
لك الشکر، وسید الاستغفار، ومن
اذکار وقت النوم اذا اوی الی فراشہ
باسمك ربی وضعت جنبی وبك
ارفعہ ان امسکت نفسی فارحمها و

وبك امسينا وبك نحيا وبك نموت واليك المصير
اور شام کے وقت اس کی بجائے بك امسينا
وبك اصبحنا وبك نحيا وبك نموت واليك
النشور پڑھنا چاہئے، باسم اللہ الذی لایضر
مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء وهو
السمیع العلیم تین مرتبہ پڑھے سبحان اللہ و
بحمدہ ولا قوۃ الا باللہ ما شاء اللہ کان ومالم یشاء
لم یکن اعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر وان
اللہ قد احاط بکل شئ علما، نسبحان اللہ
حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد
فی السموات والارض وعشیا وحین
تظهرون تخرجون تک پڑھے، اور اللهم انی
اسألك العافیۃ فی الدنیا والاخرۃ، اللهم
انی اسألك العفو والعافیۃ فی دینی و
دنیای واهلی ومالی، اللهم استر عوراتی
وامن روعاتی، اللهم احفظنی من
بین یدی ومن خلفی وعن یمینی
وعن شمالی ومن فوقی واعوذ بعظمتك
ان اغتال من تحتی، رضیت باللہ ربا
بالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ
وسلم نبیا تین مرتبہ، اعوذ بکلمات اللہ
التامات من شر ما خلق، اللهم ما اصبح بی
من نعمۃ او باحد من خلقك فمنك
وحدك لا شریك لك فلك الحمد
ولك الشکر، اور سید الاستغفار
جو مذکور ہو چکا ہے پڑھے، اور جب آدمی سونے
کے لئے اپنے بستر پر جائے تو اس وقت کے
وظائف یہ ہیں۔ باسمك ربی وضعت جنبی
وبك ارفعہ ان امسکت نفسی فارحمها و

ان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحين، واللهم اسلمت نفسي اليك ووجهت وجهي اليك و فوضت امري اليك والجأت ظهري اليك رغبة ورهبة اليك لا ملجأ و لا منجأ منك الا اليك آمنت بكتابك الذي انزلت ونبيك الذي ارسلت الحمد لله الذي اطعمنا وسقانا وكفانا وآوانا فكم ممن لا كافي له ولا مؤوي له ويسبح الله ثلاثا وثلاثين ويحمد الله ثلاثا وثلاثين ويكبر الله اربعا و ثلاثين، اللهم قني عذابك يوم تبعث عبادك ثلاثا، اعوذ بوجهك الكريم وكلماتك التامات من شر ما انت آخذ بناصيته اللهم انت تكشف المغرم والمأثم، اللهم لا يهزم جندك ولا يخلف وعدك ولا ينفع ذا الجد منك الجد سبحانك وبحمدك، اللهم رب السموات والارض ورب كل شئ فالق الحب والنوى منزل التوراة والانجيل والقرآن اعوذ بك من شر كل ذي شر انت آخذ بناصيته انت الاول فليس قبلك شئ، وانت الآخر فليس بعدك شئ، وانت الظاهر فليس فوقك شئ، وانت الباطن فليس دونك شئ اقض عني الدين واغنني من الفقر باسم الله وضعت جنبي اللهم اغفر لي ذنبي واخسأ شيطاني وفك رهاني واجعلني في الندي الاعلى

وان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحين، اور اللهم اسلمت نفسي اليك وجهت وجهي اليك و فوضت امري اليك والجأت ظهري اليك رغبة ورهبة اليك لا ملجأ ولا منجأ منك الا اليك آمنت بكتابك الذي انزلت ونبيك الذي ارسلت الحمد لله الذي اطعمنا وسقانا وكفانا وآوانا فكم ممن لا كافي له ولا مؤوي له، اور سبحان الله اور الحمد لله ہر ایک تینتیس بار اور الله اكبر چونتیس بار اور اللهم قني عذابك يوم تبعث عبادك تین بار، اعوذ بوجهك الكريم وكلماتك التامات من شر ما انت آخذ بناصيته، اللهم انت تكشف المغرم والمأثم، اللهم لا يهزم جندك ولا يخلف وعدك ولا ينفع ذا الجد منك الجد، سبحانك وبحمدك، اللهم رب السموت والارض ورب كل شئ فالق الحب والنوى منزل التوراة والانجيل والقرآن اعوذ بك من شر كل ذي شر انت آخذ بناصيته انت الاول فليس قبلك شئ وانت الآخر فليس بعدك شئ وانت الظاهر فليس فوقك شئ وانت الباطن فليس دونك شئ اقض عني الدين واغنني من الفقر باسم الله وضعت جنبي، اللهم اغفر لي ذنبي واخسأ شيطاني وفك رهاني اجعلني في الندي الاعلى

الحمد لله الذى كفانى وآوانى واطعمنى وسقانى والذى من على فافضل والذى اعطانى فاجزل، الحمد لله على كل حال، اللهم رب كل شئ ومليكه واله كل شئ اعوذ بك من النار، وجمع كفيه فقرأ فيهما قل هو الله احد، وقل اعوذ برب الفلق، وقل اعوذ برب الناس، ثم مسح بهما استطاع من جسده، وقرأ آية الكرسى؛

وسن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لمن تزوج امرأة او اشترى خادما اللهم انى اسألك خيرها وخير ما جبلتها عليه، واعوذ بك من شرها وشر ما جبلتها عليه، واذا اراد ان يرفئ انسانا بارك الله لك وبارك عليكما وجمع بينكما فى خير، واذا اراد ان يأتى اهله بسم الله اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا، ولمن اراد ان يدخل الخلاء اعوذ بالله من الخبث والخبائث وللخارج منه غفرانك، وعند الكرب لا اله الا الله الحليم العظيم لا اله الا الله رب العرش العظيم لا اله الا الله رب السموات ورب الارض ورب العرش الكريم، وعند الغضب اعوذ بالله من الشيطان الرجيم، وعند صياح الديك السؤال من

الحمد لله الذى كفانى وآوانى واطعمنى وسقانى والذى من على فافضل والذى اعطانى فاجزل الحمد لله على كل حال۔ اللهم رب كل شئ ومليكه واله كل شئ اعوذ بك من النار۔ پھر دونوں ہاتھ ملائے اور سورہ قل هو الله احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر ان میں دم کرے اور دونوں ہاتھوں کو اپنے جسم پر جہاں تک ہو سکے پھیرے اور آیت الکرسی پڑھے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے جو کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی خادم خرید ے یہ پڑھنا مسنون فرمایا ہے :۔ اللهم انى اسألك خيرها وخير ما جبلتها عليه واعوذ بك من شرها وشر ما جبلتها عليه۔

اور جب کسی کو نکاح کی مبارک بادی دے تو یہ کہے :۔ بارك الله لك وبارك عليكما وجمع بينكما فى خير، اور جب بیوی کے پاس آنے کا ارادہ کرے تو یہ کہے :۔ بسم الله اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا، اور جو بیت الخلاء میں جائے تو یہ کہے :۔ اعوذ بالله من الخبث والخبائث، اور جب باہر آئے تو غفرانك کہے۔ اور جب کسی کو کوئی تکلیف ہو جائے تو یہ کہے :۔ لا اله الا الله الحليم العظيم لا اله الا الله رب العرش العظيم لا اله الا الله رب السموات ورب الارض ورب العرش الكريم اور غصہ کے وقت یہ کہے :۔ اعوذ بالله من الشيطان الرجيم اور مرغ کی آواز سنتے وقت فضلِ الٰہی کا سوال

فضل الله، و عند نهيق الحمار التعوذ واذا ركب كبر ثلاثا، ثم قال سبحان الذى سخرلنا هذا وما كنا له مقرنين وانا الى ربنا لمنقلبون الحمد لله ثلاثا الله اكبر ثلاثا سبحانك اللهم ظلمت نفسى فاغفرلى انه لا يغفر الذنوب الا انت واذا انشأ سفرا اللهم انا نسألك فى سفرنا هذا البر والتقوى ومن العمل ما ترضى اللهم هوّن علينا سفرنا هذا واطولنا بعده، اللهم انت الصاحب فى السفر والخليفة فى الاهل، اللهم انى اعوذ بك من وعثاء السفر وكابة المنقلب وسوء المنظر فى المال والاهل، واذا نزل منزلا اعوذ بكلمات الله التامات من شر ما خلق يا ارض ربى وربك الله اعوذ بالله من شرك ومن شر ما فيك ومن شر ما خلق فيك ومن شر ما يدب عليك واعوذ بالله من اسد واسود ومن الحية والعقرب ومن شر ساكن البلد ومن والد وما ولد، واذا اسحر فى سفر سمع سامع بحمد الله وحسن بلائه علينا ربنا صاحبنا وافضل علينا عائذا بالله من النار، واذا قفل يكبر على كل شرف من الارض ثلاث تكبيرات ثم يقول لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله

کرے، اور گدھے کی آواز سنے تو اعوذ باللہ پڑھے اور جب سوار ہو تو تین بار تکبیر کہکر یہ پڑھے سبحان الذی سخرلنا هذا وما كنا له مقرنين وانا الى ربنا لمنقلبون، تین بار الحمد لله کہے ۳ الله اكبر تین بار کہے اور یہ پڑھے سبحانك اللهم ظلمت نفسى فاغفرلى انه لا يغفر الذنوب الا انت، اور جب سفر کو جائے تو یہ کہے:۔ اللهم انا نسألك فى سفرنا هذا البر والتقوىٰ ومن العمل ما ترضى، اللهم هون علينا سفرنا هذا واطولنا بعده، اللهم انت الصاحب فى السفر والخليفة فى الاهل، اللهم انى اعوذ بك من وعثاء السفر وكابة المنقلب وسوء المنظر فى المال والاهل، اور جب کسی منزل پر ٹھیرے تو یہ کہے:۔ اعوذ بكلمات الله التامات من شر ما خلق يا ارض ربى وربك الله اعوذ بالله من شرك ومن شر ما فيك ومن شر ما خلق فيك ومن شر ما يدب عليك واعوذ بالله من اسد واسود ومن الحية والعقرب ومن شر ساكن البلد ومن والد وما ولد، اور جب سفر کی حالت میں صبح ہو تو یہ کہے:۔ سمع سامع بحمد الله وحسن بلائه علينا ربنا صاحبنا وافضل علينا عائذا بالله من النار، اور جب سفر سے واپس آئے تو ہر بلندی پر تین تکبیریں کہے اس کے بعد کہے:۔ لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير، آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله

وحده ونصر عبده وهزم الاحزاب
حده، واذا دعا على الكافرين اللهم
نزل الكتاب سريع الحساب اللهم
هزم الاحزاب اللهم اهزمهم وزلزلهم
هم انا نجعلك فى نحورهم ونعوذبك
شرورهم اللهم انت عضدى
ونصيرى بك اصول وبك احول و
ك اقاتل، واذا اضاف قوما اللهم
رك لهم فيما رزقتهم واغفرلهم
وارحمهم، واذا راى الهلال اللهم
هلله علينا بالامن والايمان والسلا
والاسلام ربى وربك الله، واذا راى
تلى الحمد لله الذى عافانى مما
تلاك به وفضلنى على كثير ممن
ق تفضيلا، واذا دخل فى سوق
مع لااله الاالله وحده لاشريك له
لملك وله الحمد يحيى ويميت وهو
ى لايموت بيده الخير وهو على كل
ى قدير، واذا اراد ان يقوم من
جلس كثر فيه لغطه سبحانك
م وبحمدك اشهد ان لااله الاانت
ستغفرك واتوب اليك، واذا
دع رجلا استودع الله دينك و
نتك واخر عملك وزودك الله
قوى وغفر ذنبك ويسرلك الخير
ثما كنت، اللهم اطوله البعد و
ن عليه السفر واذا خرج من
ته بسم الله توكلت على الله اللهم
نعوذ بك من ان نضل او نضل او

وحده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده
اور جب کافروں پر بددعا کرے تو یہ کہے:- اللهم
منزل الكتاب سريع الحساب، اللهم اهزم
الاحزاب اللهم اهزمهم وزلزلهم، اللهم انا
نجعلك فى نحورهم ونعوذبك من شرورهم
اللهم انت عضدى ونصيرى بك اصول
وبك احول وبك اقاتل، اور جب کسی قوم
کا مہمان ہو تو یہ کہے:- اللهم بارك لهم فيما
رزقتهم واغفرلهم وارحمهم، اور جب چاند
دیکھے تو یہ کہے:- اللهم اهلله علينا بالامن و
الايمان والسلامة والاسلام ربى
وربك الله، اور جب کسی مصیبت زدہ کو دیکھے
تو یہ کہے:- الحمد لله الذى عافانى مما ابتلاك
به وفضلنى على كثير ممن خلق تفضيلا،
اور جب کسی بڑے بازار میں جائے تو یہ کہے:-
لااله الاالله وحده لاشريك له له
الملك وله الحمد يحيى ويميت وهو
حى لايموت بيده الخير وهو على كل
شئ قدير، اور جب کسی ایسی مجلس سے اٹھے
جس میں شور وغل زیادہ ہو تو یہ کہے:- سبحانك
اللهم وبحمدك اشهد ان لااله الاانت
استغفرك واتوب اليك، اور جب کسی کو
رخصت کرے تو یہ کہے:- استودع الله دينك
وامانتك واخر عملك وزودك
الله التقوى وغفر ذنبك ويسرلك
الخير حيثما كنت، اللهم اطوله البعد و
هون عليه السفر، اور جب گھر سے نکلے تو یہ
کہے:- بسم الله توكلت على الله اللهم
انا نعوذ بك من ان نضل او نضل او

نظلم او نظلم او نجھل او یجھل علینا
باسم اللہ توکلت علی اللہ لاحول ولا
قوۃ الا باللہ، واذا ولج بیتہ اللھم انی اسالک
خیر المولج وخیر المخرج باسم اللہ
ولجنا وباسم اللہ خرجنا وعلی اللہ ربنا
توکلنا واذا الزمتہ دیون وھموم قال اذا اصبح
واذا امسی، اللھم انی اعوذ بک من الھم
والحزن واعوذ بک من العجز والکسل
واعوذ بک من البخل والجبن واعوذ
بک من غلبۃ الدین وقھر الرجال،
واللھم اکفنی بحلالک عن حرامک و
اغننی بفضلک عمن سواک، واذا
استجد ثوبا اللھم لک الحمد انت کسوتنی
ھذا ویسمیہ باسمہ اسالک خیرہ
وخیر ما صنع لہ واعوذ بک من شرہ
وشر ما صنع لہ الحمد للہ الذی کسانی
ما اواری بہ عورتی واتجمل بہ فی
حیاتی، واذا اکل او شرب الحمد للہ
الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من
المسلمین، الحمد للہ الذی اطعمنی ھذا
الطعام من غیر حول منی ولا قوۃ الحمد
للہ الذی اطعم وسقی وسوّغہ وجعل
لہ مخرجا، واذا رفع مائدتہ
الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ
غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ
ربنا، واذا مشی الی المسجد اللھم
اجعل فی قلبی نورا الخ، واذا اراد
ان یدخل المسجد اعوذ باللہ العظیم
وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم

نظلم او نظلم او نجھل او یجھل علینا
باسم اللہ توکلت علی اللہ لاحول ولا قوۃ
الا باللہ، اور جب گھر میں جائے تو یہ کہے:۔ اللھم
انی اسالک خیر المولج وخیر المخرج باسم
اللہ ولجنا وباسم اللہ خرجنا وعلی اللہ ربنا
توکلنا، اور جب کسی پر قرض کا بوجھ ہو اور افکار لاحق
ہوں تو صبح وشام یہ پڑھے:۔ اللھم انی اعوذ بک من
الھم والحزن واعوذ بک من العجز والکسل
واعوذ بک من البخل والجبن واعوذ بک
من غلبۃ الدین وقھر الرجال، اور یہ پڑھے اللھم
اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک
عمن سواک، اور جب نیا کپڑا پہنے تو یہ کہے:۔
اللھم لک الحمد انت کسوتنی ھذا، اور
اس کپڑے کا نام، اسالک خیرہ وخیر ما
صنع لہ واعوذ بک من شرہ وشر ما
صنع لہ الحمد للہ الذی کسانی ما اواری
بہ عورتی واتجمل بہ فی حیاتی، اور
جب کوئی چیز کھائے یا پیئے تو کہے:۔ الحمد للہ
الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین
الحمد للہ الذی اطعمنی ھذا الطعام من
غیر حول منی ولا قوۃ، الحمد للہ الذی
اطعم وسقی وسوّغہ وجعل لہ مخرجا
اور جب دسترخوان سے ہاتھ اٹھائے تو یہ کہے
الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا
فیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی
عنہ ربنا، اور جب مسجد کی طرف چلے تو کہے:۔ اللھم
اجعل فی قلبی نورا، الخ۔ اور جب مسجد میں داخل
ہونے کا ارادہ کرے تو کہے:۔ اعوذ باللہ
العظیم وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم

من الشيطان الرجيم اللهم افتح لي ابواب
رحمتك، واذا خرج منه اللهم اني اسألك
من فضلك، واذا سمع صوت الرعد
والصواعق اللهم لا تقتلنا بغضبك ولا
تهلكنا بعذابك وعافنا قبل ذلك،
اللهم اني اعوذ بك من شرها، واذا
عصفت الريح اللهم اني اسألك خيرها
وخير ما فيها وخير ما ارسلت به و
اعوذ بك من شرها وشر ما فيها وشر ما
ارسلت به، واذا عطس الحمد لله
حمدا كثيرا طيبا مباركا وليقل صاحبه
يرحمك الله، وليقل هو يهديكم الله
ويصلح بالكم، واذا نام اللهم باسمك
اموت واحيا، واذا استيقظ الحمد
لله الذي احيانا بعد ما اماتنا و
اليه النشور ۞

وشرع عند الاذان خمسة اشياء
ان يقول مثل ما يقول المؤذن غير حي
على الصلاة وحي على الفلاح فانه يقول
مكانه لا حول ولا قوة الا بالله ويقول
رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا و
بمحمد رسولا، ويصلي على النبي صلى
الله عليه وسلم ويقول اللهم رب
هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة
آت محمدا الوسيلة والفضيلة والدرجة
الرفيعة وابعثه مقاما محمودا الذي
وعدته انك لا تخلف الميعاد ويسال
الله لآخرته ودنياه، وامر في عشر ذي
الحجة باكثار الذكر، وقد استفاض

من الشیطان الرجیم، اللھم افتح لی ابواب
رحمتك، اور جب مسجد سے نکلے تو یہ کہے:۔ اللھم
انی اسألك من فضلك، اور جب بادل کی گرج اور
بجلی کی کڑک سُنے تو کہے:۔ اللھم لا تقتلنا بغضبك
ولا تهلكنا بعذابك وعافنا قبل ذالك،
اللھم انی اعوذ بك من شرها، اور جب سخت
ہوا چلے تو کہے:۔ اللھم انی اسألك خیرها وخیر ما
فیها وخیر ما ارسلت به واعوذ بك من
شرها وشر ما فیها وشر ما ارسلت به، اور
جب چھینک آئے تو کہے: الحمد لله حمدا کثیرا
طیبا مبارکا، اور اس کے پاس والا کہے:۔ یرحمك
الله، اور چھینکنے والا جواب میں کہے:۔ یهدیکم
الله ویصلح بالکم، اور جب سوئے تو کہے:۔ اللھم
باسمك اموت واحیی، اور جب بیدار ہو
تو کہے:۔ الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا
والیه النشور۔

اور اذان کے وقت پانچ چیزیں مسنون ہیں
ایک یہ کہ جو کچھ مؤذن کہے اس کے جواب میں وہی خود کہے
مگر حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی بجائے لاحول و
لا قوۃ الا باللہ کہے، دوسرے یہ کہ رضیت باللہ ربا
وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا کہے، تیسرے
یہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، چوتھے یہ کہ یہ
دعا پڑھے:۔ اللھم رب هذه الدعوة التامة
والصلاة القائمة ات محمد الوسیلة
والفضیلة والدرجة الرفیعة وابعثه مقاما
محمودا الذی وعدته انك لا تخلف المیعاد
پانچویں خدا تعالےٰ سے دنیا و آخرت کی فلاح مانگے، اور
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عشرہ ذی الحجہ میں کثرت
سے ذکر الٰہی کرنے کا حکم فرمایا اور صحابہ اور تابعین

من الصحابة والتابعين وائمة المجتهدين تكبير يوم عرفة وايام التشريق على وجوه فرقوبها ان يكبر دبر كل صلاة من فجر عرفة الى عصر اخر ايام التشريق الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد، وقد مر ادعية الصلاة وغيرها فيما سبق فراجع ؛

وبالجملة فمن صبر نفسه على هذه الاذكار وداوم عليها في هذه الحالات وتدبر فيها كانت له بمنزلة الذكر الدائم وشمله قوله تعالى والذاكرين الله كثيرا والذاكرات والله اعلم

بقية مباحث الاحسان

اعلم ان لهذه الاخلاق الاربعة اسبابا تكتسب بها، وموانع تمنع عنها وعلامات يعرف تحققها بها، فالاخبات لله تعالى والاستشراف تلقاء صقع الكبرياء والانصباغ بصبغ الملأ الاعلى والتجرد عن الرذائل البشرية وعدم قبول النفس نقوش الحياة الدنيا وعدم اطمئنانها بها لا شئ في ذلك كله كالتفكر وهو قوله صلى الله عليه وسلم فكر ساعة خير من عبادة ستين سنة، وهو على انواع، منها التفكر في ذات الله تعالى، وقد نهى الانبياء صلوات الله عليهم عنه فان العامة لا يطيقونه، وهو قوله صلى الله عليه وسلم تفكروا في آلاء الله ولا تفكروا في الله، ويروى تفكروا في كل

اور ائمہ مجتہدین سے عرفہ کے دن اور ایام تشریق میں مختلف طور پر تکبیر ثابت ہوئی ہے جن میں سے سب سے بہتر یہ تکبیر ہے کہ عرفہ کے دن فجر سے لیکر ایام تشریق کے آخر دن کی عصر تک ہر نماز کے بعد ایک بار یہ کہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد، اور نماز وغیرہ کی دعائیں پہلے مذکور ہو چکی ہیں ان کو وہاں دیکھنا چاہئے،

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو ان اذکار کا پابند کرے اور ان اوقات میں ان پر مداومت رکھے اور ان میں تدبر کرے تو اس شخص کے حق میں یہ اذکار ہر وقت ذکر کرنے کے برابر ہیں اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہو جاتا ہے" والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات واللہ اعلم ؛

بقیہ مباحث احسان کا بیان

واضح ہو کہ ان چار اخلاق کے چند اسباب ہیں جن سے یہ اخلاق حاصل ہوتے ہیں اور کچھ موانع ہیں جو ان اخلاق سے روکتے ہیں اور علامات بھی ہیں جن سے ان اخلاق کا تحقق معلوم ہوتا ہے، پس خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا اور اسکی کبریائی کی طرف متوجہ ہونا اور عالم بالا کے رنگ سے رنگین ہونا اور رذائل بشریہ سے پاک ہونا اور دنیاوی زندگی کے نقوش کا نفس کے اندر منقش نہ ہونا اور دنیاوی زندگی پر مطمئن نہ ہونا ان سب امور کے پیدا کرنے میں فکر کرنے سے بڑھکر کوئی چیز نہیں ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک گھڑی فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے اور فکر کرنے کی چند قسمیں ہیں ؛

ازاں جملہ ذات الٰہی میں فکر کرنا اور انبیاء علیہم السلام نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ عوام اس فکر کی طاقت نہیں رکھتے اور اس کے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: " اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرو، اس کی ذات میں

شئ ولا تفکروا فی ذات اللہ، ومنہا التفکر فی
صفات اللہ تعالیٰ کالعلم والقدرۃ والرحمۃ
والاحاطۃ، وھو المعبر عنہ عند اھل
السلوک بالمراقبۃ، والاصل فیہ قولہ
صلی اللہ علیہ وسلم الاحسان ان تعبد
اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک
وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم احفظ اللہ تجدہ
تجاھک وصفتہ لمن اطاق ذلک ان یقرأ
وھو معکم اینما کنتم، او قولہ تعالیٰ و
ما تکون فی شان وما تتلو منہ من قرآن
ولا تعملون من عمل الا کنا علیکم شھودا
اذ تفیضون فیہ وما یعزب عن
ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا
فی السماء ولا اصغر من ذلک ولا اکبر
الا فی کتاب مبین، او قولہ تعالیٰ الم تر
ان اللہ یعلم ما فی السموات وما فی
الارض ما یکون من نجوی ثلاثۃ الا ھو
رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم
ولا ادنی من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم
اینما کانوا، او قولہ تعالیٰ ونحن اقرب
الیہ من حبل الورید، او قولہ تعالیٰ
وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو
ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من
ورقۃ الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمات
الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب
مبین، او قولہ تعالیٰ واللہ بکل شئ محیط
او قولہ تعالیٰ وھو القاھر فوق عبادہ
او قولہ تعالیٰ وھو علی کل شئ قدیر، او
قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم ان الامۃ

فکر مت کرو" اور یہ بھی مروی ہے" ہر شئی میں فکر کرو لیکن خدا کی
ذات میں فکر نہ کرو" اور ازانجملہ اللہ تعالیٰ کی صفات مثلاً علم اور
قدرت اور رحمت اور احاطہ میں فکر کرنا ہے اور اہل سلوک اس فکر کرنے کو مراقبہ کہتے
ہیں اور اس میں اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے" احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی
اسطرح عبادت کر گویا تو اسکو دیکھ رہا ہے پس اگر یہ نہیں ہو سکتا تو یہ خیال کر کہ
وہ تجھکو دیکھ رہا ہے" اور آپکا یہ قول ہے" خدا تعالیٰ کو یاد رکھ تو اسکو اپنے سامنے
پائیگا" اور اس فکر کرنیکا طریقہ اس شخص کیلئے جو طاقت رکھتا ہے یہ ہے کہ یہ آیت پڑھے
وھو معکم اینما کنتم (جہاں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے) یا یہ آیت پڑھے:
وما تکون فی شان وما تتلو منہ من قرآن ولا تعملون من عمل الا کنا
علیکم شھودا اذ تفیضون فیہ وما یعزب عن ربک من مثقال
ذرۃ فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی
کتاب مبین (اور تو کسی حال میں نہیں ہوتا اور نہ قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتا ہے
اور نہ تم لوگ کوئی عمل کرتے ہو مگر ہم تمہارے روبرو موجود ہوتے ہیں جب تم اس کام
میں گھستے ہو اور تیرے رب سے ذرہ برابر زمین میں اور نہ آسمان میں چھپا ہوا نہیں
ہے اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا مگر ظاہر کرنیوالی کتاب میں موجود ہے) یا یہ آیت
پڑھے:۔ الم تر ان اللہ یعلم ما فی السموت وما فی الارض ما یکون من
نجوی ثلاثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنی من
ذلک ولا اکثر الا ھو معھم اینما کانوا (بلا شبہ خدا تعالیٰ جو کچھ آسمان
اور زمین میں ہے جانتا ہے کہیں تین شخصوں کا مشورہ نہیں مگر وہ انکا چوتھا ہوتا ہے اور نہ
پانچ کا مشورہ ہوتا ہے مگر وہ انکا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ
انکے ساتھ ہوتا ہے جہاں وہ ہوں) یا یہ آیت پڑھے:۔ ونحن اقرب الیہ من
حبل الورید (اور رگ گردن سے زیادہ ہم اس کے قریب ہیں) یا یہ آیت
پڑھے:۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو ویعلم ما فی البر و
البحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمات الارض
ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں
ہیں جنکو انکے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اسکو اسکا
علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا جسکو وہ نہ جانتا ہو اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی
دانہ ہرا اور سوکھا ایسا نہیں ہے جو ظاہر کرنیوالی کتاب میں موجود نہ ہو) یا یہ آیت
پڑھے:۔ واللہ بکل شئ محیط (اور خدا ہر چیز کو گھیر رہا ہے) یا یہ آیت پڑھے:۔ وھو
القاھر فوق عبادہ (اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر) یا یہ آیت پڑھے:۔ وھو علی کل شئ قدیر (اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)

لو اجتمعت على ان ينفعوك بشي لم ينفعوك الا بشئ قد كتبه الله لك ولو اجتمعوا على ان يضروك بشئ لم يضروك الا بشئ قد كتبه الله عليك رفعت الاقلام وجفت الصحف، او قوله صلى الله عليه وسلم ان لله مائة رحمة انزل منها واحدة فى الارض الحديث، ثم يتصور معنى هذه الايات من غير تشبيه ولا جهة بل يستحضر اتصافه تعالى بتلك الاوصاف فقط، فاذا ضعف عن تصورها اعاد الأية وتصورها ايضا وليختر لذلك وقتا لا يكون فيه حاقنا ولا حاقبا ولا جائعا ولا غضبان ولا وسنان وبالجملة فارغ القلب عن التشويش ومنها التفكر فى افعال الله تعالى الباهرة والاصل فيه قوله تعالى الذين يتفكرون فى خلق السموات والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا وصفته ان يلاحظ انزال المطر وانبات العشب ونحو ذلك، ويستغرق فى منة الله تعالى ومنها التفكر فى ايام الله تعالى وهو تذكر رفعة قوما وخفضة آخرين، والاصل فيه قوله تعالى لموسى عليه السلام ذكرهم بايام الله فان ذلك يجعل النفس مجردة عن الدنيا، و منها التفكر فى الموت وما بعده، والاصل فيه قوله صلى الله عليه وسلم اذكروا هاذم اللذات، وصفته ان يتصور انقطاع النفس عن الدنيا و

یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو پڑھے "اس بات کو جان لے کہ تمام دنیا اگر اس بات پر متفق ہو کہ تجھ کو کچھ نفع دیں تو کچھ نفع دے سکیں گے مگر اسی قدر جو تیرے لئے خدا نے لکھ رکھا ہے اور اگر تمام لوگ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کچھ ضرر پہنچائیں تو تجھ کو کچھ ضرر نہ دے سکیں گے مگر اسی قدر جو تیرے لئے خدا تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے، قلم اٹھا لئے گئے اور کاغذ خشک ہو گئے"، یا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو پڑھے "خدا تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے اس نے زمین پر ایک نازل فرمائی ہے" الحدیث، پھر ان آیات کے معانی کا بغیر تشبیہ وجہت کے تصور کرے بلکہ ان اوصاف کے ساتھ خدا تعالیٰ کے صرف متصف ہونے کو خیال میں رکھے پس جب ان کے تصور کرنے سے تھک جائے تو آیت کا اعادہ کرے اور اس کا تصور بھی کرے اور اس امر کے لئے ایک ایسا وقت مقرر کرے جس میں نہ پیشاب کی حاجت ہو نہ پاخانہ کی حاجت ہو اور نہ بھوک ہو نہ غصہ ہو اور نہ نیند ہو، حاصل کلام یہ ہے کہ دل تشویش سے فارغ ہو،

اور از انجملہ خدا تعالیٰ کے افعالِ عظیم میں فکر کرنا ہے اور اس کی اصل یہ آیت ہے "جو لوگ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں فکر کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے اس کو بیکار نہیں پیدا کیا" اور اس کی صورت یہ ہے کہ بارش برسانے اور نباتات کے اگانے اور اسی قسم کی چیزوں کا تصور کرے اور احسان الٰہی میں مستغرق ہو جائے،

اور از انجملہ ایام اللہ میں تفکر کرنا ہے اور وہ کسی قوم کے بلند ہونے کو اور کسی قوم کے پست ہونے کو یاد کرنا ہے اور اس بارے میں اصل اللہ تعالیٰ کی یہ آیت ہے کہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ انکو خدا تعالیٰ کے دن یاد دلا" کیونکہ یہ تفکر نفس کو دنیا سے مجرد کر دیتا ہے،

اور از انجملہ موت اور اسکے بعد کے حالات میں تفکر کرنا ہے اور اس بارے میں اصل نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "لذتوں کے منقطع کرنے والی شی کو یاد کرو" اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ اس بات کا تصور کرے کہ اس کا

۲ نفس دنیا سے الگ ہو گیا۔

انفرادها بما كتسبت من خير و شر و ما يرد عليها من المجازاة، و هذان القسمان انفع الاشياء لعدم قبول النفس نقوش الدنيا، فالانسان اذا تفرغ من اشغال الدنيا للفكر الممعن فى هذه الاشياء و احضرها بين عينيه انقهرت بهيمته و غلبت ملكيته، و لما لم يكن سهلا على العامة ان يتفرغوا للفكر الممعن و احضارها بين اعينهم وجب ان يجعل اشباح يعبى فيها انواع الفكر و شيأ كل ينفخ فيها روحها يقصدها العامة و يتلى عليهم ليستفيدوا حسبما قدر لهم، و قد اوتى النبى صلى الله عليه وسلم القرآن جامعا لهذه لانواع و مثله معه ٭

وارى انه جمع له صلى الله عليه و سلم فى هذين جميع ما كان فى الامم السابقة والله اعلم فاقتضت الحكمة ان يرغب فى تلاوة القرآن ويبين فضلها و فضل سور و آيات منه، فشبه النبى صلى الله عليه و سلم الفائدة المعنوية الحاصلة من الآية بفائدة محسوسة لا انفع منها عند العرب و هى ناقة كوماء وخلفة سمينة تصويرا للمعنى و تمثيلا له و شبه صاحبها بالملائكة واخبر باجرها بكل حرف و بين درجات الناس بما يقرب من مثل الاترجة و التمرة والحنظلة والريحانة، وبين ان سور القرآن

اور نیکی وبدی جو اس نے کی ہے اور ان کی جزا وسزا جو اسکو ملنے والی ہے اس کے رو برو ہے، اور تفکر کی یہ دونوں قسمیں نفس کے نقوش دنیا قبول نہ کرنے میں سب سے زیادہ نافع ہیں کیونکہ جب انسان اشغال دنیا سے فراغت پاکر ان اشیاء میں خوب فکر کرتا ہے اور ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کی بہیمیت مغلوب اور اس کی ملکیت غالب ہو جاتی ہے اور چونکہ عوام کے لئے سب اشغال سے فارغ ہوکر ان امور میں فکر کرنا اور ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاضر کرنا آسان نہ تھا اس واسطے ضروری ہوا کہ اس ذکر اور فکر کے واسطے اشباہ وصور مقرر کئے جائیں اور ان میں فکر کے اقسام مرتب کئے جائیں اور ان میں فکر کی روح ڈالی جائے تاکہ عام لوگ بھی اسکا قصد کرسکیں اور ان کو سُن سکیں اور اپنی تقدیر کے موافق اس سے فائدہ حاصل کرسکیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قرآن دیا گیا ہے جو ان تمام اقسام کو جامع ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل یعنی حدیث بھی عطا کی گئی، اور میرے خیال میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ان دونوں قرآن وحدیث میں وہ سب کچھ جمع کردیا گیا جو امم سابقہ میں تھا، واللہ اعلم،

پھر حکمت کا یہ مقتضیٰ ہوا کہ تلاوت قرآن کی ترغیب دلائی جائے اور اس کی فضیلت اور اس کی سُور وآیات کی فضیلت بیان کیجائے اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے آیت سے جو معنوی فائدہ حاصل ہونے والا ہے اس کو ایک ایسے محسوس فائدہ کے ساتھ تشبیہ دی جو عرب کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز تھا اور وہ بڑی کوہان والی اونٹنی اور فربہ اور حاملہ اونٹنی ہے تاکہ اس معنوی فائدہ کی تمثیل اور تصویر پائی جائے اور آپ نے تلاوت کرنے والے کو فرشتوں کے ساتھ تشبیہ دی اور قرآن کے ہر حرف کا اجر بیان کیا اور لوگوں کے درجات ترنج اور خرما اور اندرائن کے پھل اور ریحان کے ساتھ تشبیہ دیکر بیان کئے اور بیان فرمایا کہ قرآن کی سورتیں

تتمثل يوم القيامة اجسادا ترى وتلمس
وتحاج عن اصحابها، وذلك انكشاف
لتعارض اسباب عذابه ونجاته و
رجحان تلاوة القرآن على الاسباب الاخرى
وبين ان السور فيما بينها تتفاضل ؛

اقول وانما تتفاضل لمعان، منها
افادتها التفكر في صفات الله وكونها اجمع
شئ فيه كآية الكرسي وآخر الحشر، وقل
هو الله احد فانها بمنزلة الاسم الاعظم
من بين الاسماء ؛

ومنها ان يكون نزولها على السنة
العباد ليعلموا كيف يتقربوا الى ربهم
كالفاتحة، ونسبته من السور كنسبة
الفرائض من العبادات، ومنها انها
اجمع السور كالزهراوين، وقال رسول
الله صلى الله عليه وسلم في يٰس انه قلب
القرآن لان القلب يومي الى التوسط و
هذه من المثاني دون المئين فما
فوقها وفوق المفصل، وفيها آيات
التوكل والتفويض والتوحيد على لسان
محدث انطاكية ومالي لا اعبد الذي
فطرني الآيات، وفيها الفنون المذكورة
تامة كاملة، وفي تبارك الذي شفعت
لرجل حتى غفرله وهذه قصة رجل
رآه النبي صلى الله عليه وسلم في بعض
مكاشفاته، وان يرغب في تعاهده
واستذكاره ويضرب له مثل تفصي
الابل وفي الترتيل به وتلاوته عند
ائتلاف القلوب وجمع الخاطر دون

قیامت کے روز اجسام میں متشکل ہوکر نظر آئیں گی اور ہاتھ
سے محسوس ہوسکیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے
حجت کریں گی اور اس میں عذاب اور نجات کے اسباب کے تعارض
اور تلاوت قرآن کا دوسرے اسباب پر رجحان ظاہر کرنا ہے
اور آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ بعض سورتوں کو بعض پر
فضیلت ہے،

میں کہتا ہوں یہ فضیلت چند وجوہ سے ہوتی ہے از انجملہ یہ ہے
کہ اس سورت سے صفات الٰہی میں تفکر کرنا حاصل ہوتا ہے
اور اس میں صفات جمع ہوتی ہیں مثلاً آیت الکرسی اور سورۂ حشر
کے اخیر کی آیات اور قل ہو اللہ احد، کیونکہ اس کا جملہ اسما
میں اسم اعظم کا سا درجہ ہے،

اور از انجملہ اس کا نزول بندوں کی زبانوں کے موافق
ہے تاکہ انکو معلوم ہوجائے کہ رب کی طرف تقرب حاصل کرنیکا
طریقہ کیا ہے جیسے سورہ فاتحہ، اور اس کا درجہ اور سورتوں میں
ایسا ہے جیسے فرائض کا تمام عبادات میں ہے، اور از انجملہ
یہ ہے کہ وہ سورت تمام سورتوں میں جامع ہو جیسے سورہ بقرہ و
آل عمران، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ یٰسین کے بارے
میں فرمایا "وہ قرآن کا دل ہے" اس کی وجہ یہ ہے کہ دل سے درمیان
میں ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور سورہ یٰسین ان سورتوں میں
سے جو دو سو آیات یا ان سے زیادہ کی ہیں کم ہے اور سورہ مفصل
سے زیادہ ہے اور اس میں توکل اور تفویض اور توحید کی آیات
ہیں جو انطاکیہ کے مسلم کی زبان سے سرزد ہوئیں یعنی اس آیت
میں "اور مجھے کیا ہوا ہے جو اپنے پیدا کرنے والے کی پرستش
کروں،، الآیات، اور اس میں مقاصد مذکورہ پورے اور کامل
طور پر موجود ہیں، اور تبارک الذی، کی فضیلت کے بارے
میں آپ نے فرمایا کہ اس نے ایک شخص کی شفاعت کی
کہ خدا تعالیٰ نے اس کو بخشدیا، اور اس شخص کے قصہ کو نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض مکاشفات میں دیکھا تھا، اور نیز
شرعی کا یہ مقتضیٰ کہ قرآن کے یاد کرنے کی طرف اور اس میں مشغول

لنشاط ليكون اقرب الى التدبر وحسن الصوت به والبكاء والتباكي عنده تقويبا من المراد وهو التفكر، ويحرم نسيانه و نهى عن ختمه في اقل من ثلاث لانه لا يفقه معناه حينئذ، وجاءت الرخصة في قراءته على لغات العرب تسهيلا عليهم لان فيهم الامي والشيخ الكبير والصبي، ومما اوتي صلى الله عليه وسلم في غير القرآن عنه عز وجل يا عبادي اني حرمت الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرما فلا تظالموا يا عبادي كلكم ضال الا من هديته، الحديث، كان في بني اسرائيل رجل قتل تسعا وتسعين انسانا الحديث، لله اشد فرحا بتوبة عبده الحديث، ان عبدا اذنب ذنبا الحديث، ان لله مائة رحمة انزل منها واحدة الحديث، اذا اسلم عبد فحسن اسلامه الحديث، و احاديث تشبيه الدنيا بما يلحق بالاصبع من اليم وبجدي اسك ميت ❊

واعلم ان النية روح والعبادة جسد ولا حياة للجسد بدون الروح، والروح لها حياة بعد مفارقة البدن و لكن لا يظهر آثار الحياة كاملة بدونه، ولذلك قال الله تعالى لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما الاعمال بالنيات، وشبه النبي صلى الله عليه وسلم في كثير من المواضع من عمل تحت نيته ولم يتمكن من العمل

کی طرف رغبت دلائی جائے اور اس کے بھول جانیکی مثال ذشٹ کے قرار ہونیکے ساتھ دیجائے، اور نیز قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے اور دل جمعی اور جمع خاطر اور زیادہ شوق کے ساتھ تلاوت کرنے کی رغبت دلائی جائے. تاکہ اچھی طرح تدبر ہو اور خوش الحانی سے پڑھا جائے اور پڑھتے وقت گریہ زاری کیجائے تاکہ وہ مراد جو تفکر کرنا ہے حاصل ہو اور اس کا بھلا دینا حرام کر دیا جائے اور تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنیکی ممانعت کیجائے کیونکہ اس وقت میں وہ قرآن کے معنی نہ سمجھ سکے گا، اور لغات عرب میں قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ ان پر سہولت ہو کیونکہ امت میں ان پڑھ اور بوڑھے اور بچے ہوتے ہیں، اور وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے علاوہ عطا فرمائی ہے از انجملہ یہ ہیں" اے میرے بندو ظلم کو میں نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور تمہارے اندر بھی اس کو حرام کیا ہے اس لئے تم باہم ظلم نہ کرو، اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے مگر جس کو میں ہدایت دوں" الحدیث، بنی اسرائیل میں سے ایک ایسا شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کا خون کیا تھا" الحدیث، خدا تعالیٰ کو اپنے بندہ کی توبہ سے نہایت خوشی ہوتی ہے، الحدیث میرا بندہ جب گناہ کرتا ہے، الحدیث. خدا کی رحمت کے سو حصے ہیں ان میں سے ایک زمین کی طرف اتارا، الحدیث جب بندہ اسلام لائے اور اپنے اسلام کو بہتر بنالئے، الحدیث، اور وہ احادیث جن میں دنیا کو اس پانی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو دریا میں سے انگلی کو لگ جاتا ہے اور اس بھیڑ کے بچہ کے ساتھ جو کان کٹا اور مرا پڑا تھا تشبیہ دی ہے،

واضح ہو کہ نیت روح ہے اور عبادت جسم ہے اور بغیر روح کے جسم کی زندگی نہیں ہوتی اور مفارقت بدن کے بعد بھی روح کو ایک قسم کی حیات رہتی ہے البتہ بغیر بدن کے اسکی حیات کے آثار پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ان کے گوشت اور ان کے خون اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں پہنچیں گے لیکن تمہاری پرہیزگاری اسکے پاس پہنچتی ہے" اور

لمانع يمنع عمل ذلك العمل كالمسافر والمريض لا يستطيعان ورداً واظبا عليه فيكتب لهما، وكصادق العزم في الانفاق وهو مملق يكتب كأنه انفق، واعني بالنية المعنى الباعث على العمل من التصديق بما اخبره الله على السنة الرسل من ثواب المطيع وعقاب العاصي او حب امتثال حكم الله فيما امر ونهى، ولذلك وجب ان ينهى الشرع عن الرياء والسمعة ويبين مساويها اصرح ما يكون، فمن ذلك قوله صلى الله عليه وسلم ان اول الناس يقضى عليهم يوم القيامة ثلاثة رجل قتل في الجهاد ليقال هو رجل جرئ ورجل تعلم العلم وعلمه ليقال هو عالم ورجل انفق في وجوه الخير ليقال هو جواد فيؤمر بهم فيسحبون على وجوههم الى النار، وقوله صلى الله عليه وآله وسلم عن الله تعالى انا اغنى الشركاء عن الشرك من عمل عملا اشرك فيه غيري تركته وشركه، اما حديث ابي ذر رضي الله عنه قيل يا رسول الله ارأيت الرجل يعمل العمل من الخير ويحمده الناس عليه قال تلك عاجل بشرى المؤمن فمعناه ان يعمل العمل لا يقصد به الا وجه الله فينزل القبول الى الارض فيحبه الناس، وحديث ابي هريرة رضي الله عنه قلت يا رسول الله بينا انا في بيتي في مصلاي اذ دخل علي رجل فاعجبني الحال التي رآني عليها قال رحمك الله يا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "البتہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہوتے ہیں" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواضع میں اس شخص کو جسکی نیت صادق اور کسی مانع کی وجہ سے عمل نہ کر سکا اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس نے یہ عمل کیا ہے جیسے مسافر اور مریض جو اپنے دائمی وظیفہ پر قدرت نہیں رکھتے تو وہ اعمال ان کے لئے لکھے جاتے ہیں، اور جیسے وہ شخص جو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی صادق نیت رکھتا ہو لیکن بسبب افلاس کے وہ خرچ نہیں کر سکتا تو اسکے لئے خرچ کرنے والے کے برابر اجر لکھا جاتا ہے اور نیت سے مراد وہ معنی ہیں جو عمل پر برانگیختہ کرتے ہیں یعنی اطاعت کرنیوالے کے ثواب اور نافرمان کے عذاب کی تصدیق کرنا جس کی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی معرفت خبر دی ہے یا اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لانے سے خوش ہونا، اسی لئے شارع کو ریا اور دکھلاوے سے منع کرنا اور ان کی برائیوں کا صاف طور سے بیان کرنا ضروری ہوا اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے روز سب سے پہلے جن سے حساب لیا جائیگا وہ تین شخص ہوں گے، ایک وہ شخص جو جہاد میں اس لئے لڑ کر مر گیا کہ اس کو لوگ جوانمرد کہیں، دوسرا وہ شخص جس نے اس لئے علم پڑھا پڑھایا کہ اس کو عالم کہیں، تیسرا وہ شخص جس نے ہر امر خیر میں اسلئے خرچ کیا کہ اس کو لوگ سخی کہیں، پس حکم ہوگا کہ ان کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈالدیا جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا "میں شرکاء کے شرک سے بری ہوں جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے سوا کسی اور کو بھی شریک کیا میں نے اسکے عمل کو بھی اور اسکے شریک کو بھی چھوڑ دیا" لیکن وہ حدیث جو ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کوئی نیک کام کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، آپ نے فرمایا "مؤمن کی خوشخبری میں سے جو اسکو پیش آئی ہے یہ پہلی خوشی ہے" سو اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص خالص اللہ تعالیٰ کیلئے وہ عمل کرتا ہے پس اسکی قبولیت زمین کی طرف نازل ہوتی ہے اسواسطے اس سے لوگ بھی محبت کرتے ہیں، اور وہ حدیث جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ "میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنے گھر میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس اثنا میں ایک شخص میرے پاس آیا پس اس نے مجھ کو اس حالت میں دیکھا تو مجھ کو اپنی یہ حالت اچھی معلوم ہوئی،

ابا هريرة لك اجران اجر السر واجر
العلانية، فمعناه ان يكون الاعجاب
مغلوبا لا يبعث بمجرده على العمل، و
اجر السر اجر الاخلاص الذي يتحقق
في السر واجر العلانية اجر اعلاء دين الله
واشاعة السنة الراشدة، قال رسول الله
صلى الله عليه وآله وسلم خياركم احاسنكم
اخلاقا۔

اقول: لما كان بين السماحة و
العدالة نوع من التعارض كما نبهنا عليه
وكان بناء علوم الانبياء عليهم السلام على
رعاية المصلحتين واقامة نظام الدارين
وان يجمع بين المصالح ما امكن وجب
ان لا يعين في النواميس للسماحة الا
اشياء تشتبك مع العدالة وتؤيدها و
تنبه عليها فنزل الامر الى حسن الخلق
وهو عبارة عن مجموع امور من باب
السماحة والعدالة فانه يتناول الجود و
العفو عمن ظلم والتواضع وترك الحسد
والحقد والغضب، وكل ذلك من السماحة
ويتناول التودد الى الناس وصلة الرحم
وحسن الصحبة مع الناس ومواساة
المحاويج، وهي من باب العدالة، و
الفصل الاول يعتمد على الثاني والثاني
لا يتم الا بالاول، وذلك من الرحمة
المرعية في النواميس الالهية، ولما
كان اللسان اسبق الجوارح الى الخير و
الشر، وهو قوله صلى الله عليه وسلم
وهل يكب الناس على مناخرهم الا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے" تیرے لئے
دو اجر ہیں، ایک اجر پوشیدہ کرنیکا اور دوسرا ظاہر کرنیکا، تو اس
کے یہ معنی ہیں کہ عجب نفسانی مغلوب ہونا چاہیئے اور صرف وہ عمل
کا باعث نہ ہو اور اجر سر سے اخلاص کا اجر مراد ہے جو پوشیدگی
میں پایا جاتا ہے اور ظاہر کرنیکا اجر دین الٰہی کے بلند کرنے اور
سنت راشدہ کی اشاعت کرنے سے ہوتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ و
سلم نے فرمایا "تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جس کے اخلاق
اچھے ہیں"

میں کہتا ہوں چونکہ سماحت اور عدالت میں ایک قسم کا
تعارض ہے جس پر ہم متنبہ کر چکے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی علوم کی بناء
دونوں مصلحتوں کی رعایت کرنے پر اور نظام دارین کے قائم
کرنے پر اور حتی الامکان مصالح کے جمع کرنے پر ہے، اس
واسطے ضروری ہوا کہ شرائع میں سماحت کے لئے خاص وہی
امور معین کی جائیں جن کے ساتھ عدالت بھی ہو اور جن سے
اس کی تائید اور اس پر تنبیہ بھی ہو اس واسطے
حسن اخلاق کا حکم دیا گیا اور وہ امور سماحت اور امور
عدالت کے ایک مجموعہ کا نام ہے کیونکہ حسن اخلاق جود
اور ظلم کرنے والے سے عفو اور تواضع اور ترک حسد
و کینہ و غضب کو شامل ہے اور یہ سب باتیں سماحت
کے قبیل سے ہیں اور لوگوں سے محبت اور صلہ رحمی اور
لوگوں کے ساتھ حسن صحبت سے پیش آنے اور محتاجوں
کی مدد کرنے کو بھی شامل ہے اور یہ سب باتیں عدالت
کے قبیل سے ہیں اور پہلی قسم دوسری قسم پر موقوف
ہے اور دوسری قسم پہلی قسم کے بغیر ناتمام
ہے اور یہ ان رحمتوں میں سے ہے جن کا شرائع
الٰہیہ میں اعتبار کیا گیا ہے اور چونکہ انسان
کے تمام اعضاء میں زبان خیر و شر کی طرف
زیادہ پیش قدمی کرنے والی ہے اس واسطے
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اور لوگوں

حصائد السنتهم، وايضا فان آفاته تخل
الاخبات والعدالة والسماحة جميعا لان
اكثار الكلام ينسي ذكر الله، والغيبة و
البذاء ونحوهما تفسد ذات البين.
والقلب ينصبغ بصبغ ما يتكلم به فاذا
ذكر كلمة الغضب لابد ان ينصبغ القلب
بالغضب وعلى هذا القياس، والانصباغ
يفضي الى التشبح يجب ان يبحث الشرع
عن آفات اللسان اكثر من آفات غيره
وآفات اللسان على انواع، منها ان
يخوض في كل واد فتجتمع في الحس المشترك
صور تلك الاشياء، فاذا توجه الى الله
لم يجد حلاوة الذكر ولم يستطع تدبر
الاذكار، ولهذا المعنى نهى عما لا يعني،
ومنها ان يثير فتنة بين الناس كالغيبة
والجدال والمراء، ومنها ان يكون مقتضى
تغشي النفس بغاشية عظيمة من السبعية
والشهوية كالشتم وذكر محاسن النساء
ومنها ان يكون سبب حدوثه نسيان
جلال الله والغفلة عما عند الله كقوله
للملك ملك الملوك، ومنها ان يكون
مناقضا لمصالح الملة بان يكون
مرغبا لما امرت الملة بهجره كمدح
الخمر وتسمية العنب كرما او يعجم
كتاب الله كتسمية المغرب عشاء
والعشاء عتمة، ومنها ان يكون كلاما
شنيعا مثلا كمثل الافعال الشنيعة
المنسوبة الى الشياطين كالفحش و
ذكر الجماع والاعضاء المستورة بصريح

کو کوئی چیز نتھنوں کے بل اوندھا نہ کرے گی مگر جو
ان کی زبانوں نے کاٹا ہے" اور نیز زبان کے آفات
اخبات او سماحت اور عدالت سب میں خلل انداز ہوتے
ہیں کیونکہ کثرت سے کلام کرنا ذکر اللہ سے غافل کرنا ہے اور
غیبت اور فحش باتیں اور ان کے مثل باہم فساد ڈالتی ہیں
اور زبان سے جو کلام نکلتا ہے دل پر اس کا رنگ چڑھ جاتا ہے
پس جب کوئی غصہ کا کلمہ کہتا ہے تو دل کے اندر ایک جوش
پیدا ہو جاتا ہے وعلےٰ ہذا القیاس،
اور دل کا رنگین ہونا عالم مثال میں متشکل ہونیکا سبب
ہوتا ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ شرع میں بہ نسبت اور عضو
کی آفات کے زبان کی آفات سے زیادہ بحث کیجائے اور
آفات لسانی کے بہت سے اقسام ہیں از انجملہ یہ ہے کہ ہر
امر میں خوض کرے پس اس کے سبب سے ان چیزوں کی
صورتیں آدمی کی حس مشترک میں جمع ہو جاتی ہیں اور جب خدا
تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو نہ حلاوت ذکر پاتا ہے اور نہ
اذکار میں تدبر کر سکتا ہے اسیوجہ سے لایعنی باتوں سے شریعت
نے ممانعت کی ہے، اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ لوگوں میں فتنہ پیدا
کرتی ہے جیسے غیبت اور لڑائی جھگڑا اور لوگوں کو بہکانا،
اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام ایسا ہو جس سے قوت سبعیہ یا
قوت شہوت کے اثر سے نفس متاثر ہوتا ہے جیسے گالیاں بکنا
اور عورتوں کی خوبصورتیاں ذکر کرنا، اور از انجملہ یہ
ہے کہ وہ کلام خدا کے جلال اور کبریائی کے فراموش کرنے
کا باعث ہوتا ہے جیسے بادشاہ کو شاہنشاہ کہنا، اور
از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام مصالح دینی کے خلاف پڑتا ہے
بایں طور کہ دین میں جس چیز کے ترک کرنیکا حکم ہے اس کلام سے
اس کی ترغیب لازم آتی ہے جیسے شراب کی تعریف کرنا اور انگور
کا نام کرم رکھنا یا کتاب اللہ کو عجمی بنانا لازم آتا ہے جیسے مغرب کا
نام عشاء رکھنا اور عشاء کو عتمہ کہنا، اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام مثلاً
بیہودہ ہو جیسے افعال شنیعہ جو شیاطین کی طرف منسوب ہوتے ہیں

ما وضع لها، ولكن كما يتطير به كقوله ليس في الدار انجاح ولا يسار، ثم لا بد من بيان ما كثر وقوعه من مظان السماحة وتمييز ما اعتبره الشرع بما لم يعتبره فمنها الزهد فان النفس ربما تميل الى شهوة الطعام واللباس والنساء حتى تكتسب من ذلك لونا فاسدا يدخل في جوهرها فاذا نفضه الانسان عن نفسه فذلك الزهد في الدنيا، وليس ترك هذه الاشياء مطلوبا بعينه بل انما يطلب تحقيقا لهذه الخصلة، ولذلك قال النبي صلى الله عليه وسلم الزهادة في الدنيا ليست بتحريم الحلال ولا اضاعة المال ولكن الزهادة في الدنيا ان لا تكون بما في يديك اوثق مما في يدي الله وان تكون في ثواب المصيبة اذا انت اصبت بها ارغب فيها لو انها ابقيت لك، وقال ليس لابن آدم حق في سوى هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يواري عورته وجلف الخبز والماء.

وقال بحسب ابن آدم لقيمات يقمن صلبه، وقال طعام الاثنين كافي الثلاثة وطعام الثلاثة كافي الاربعة، يعني ان الطعام الذي يشبع الاثنين كل الاشباع اذا اكله الثلاثة كفاهم على التوسط، يريد الترغيب في المواساة وكراهية شره الشبع.

جیسے فحش باتیں اور جماع اور اعضاء مستورہ کا صاف صاف الفاظ میں ذکر کرنا اور جیسے اس لفظ کا ذکر کرنا جس سے بدفالی لی جاتی ہے جیسے یہ کہنا کہ گھر میں کامیابی نہیں ہے اور برکت نہیں ہے پھر ان چیزوں کا بیان کرنا بھی ضروری ہے جہاں سماحت بکثرت پائی جاتی ہے اور اخلاق معتبرہ عند الشرع اور غیر معتبرہ میں تمیز کرنا بھی ضروری ہے، پس ازانجملہ زہد ہے کیونکہ بسا اوقات نفس کو کھانے اور جامے اور عورت کی حرص کی طرف بڑی رغبت ہوتی ہے حتی کہ اس سے ایک فاسد رنگ پیدا ہو جاتا ہے جو نفس کے جوہر میں اثر کرتا ہے پس جب انسان اس کو اپنے نفس سے دور کر دیتا ہے تو وہ دنیا میں زہد کہلاتا ہے اور خاص ان چیزوں کا ترک مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ ان کے ترک سے اس خصلت کا حاصل کرنا مطلوب ہے اور اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا کا زہد نہ حلال کے حرام کر لینے سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے ہے بلکہ دنیا کا زہد یہ ہے کہ جو چیز تیرے قبضہ میں ہے اس پر اس چیز سے زیادہ تجھ کو اعتماد نہ ہو جو خدا تعالےٰ کے قبضہ میں ہے اور جب تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس مصیبت کے ثواب کی رغبت میں اس مصیبت کا باقی رہنا تجھ کو پسند ہو" اور آپ نے فرمایا "ابن آدم کا سوائے ان تین چیزوں کے اور میں حق نہیں ہے، ایک گھر جس میں سکونت کرے اور کپڑا جس سے تن ڈھانک سکے اور کسی قدر روٹی اور پانی" اور آپ نے فرمایا "ابن آدم کو چند لقمے جن سے پشت کو سیدھا کر سکے کافی ہیں" اور آپ نے فرمایا دو شخصوں کا کھانا تین کو اور تین کا کھانا چار کو کافی ہے" یعنی وہ کھانا جس سے دو آدمی خوب اچھی طرح شکم سیر ہو سکتے ہیں جب اس کو تین آدمی کھائیں گے تو اوسط درجہ میں ان کو کافی ہو جائے گا اس سے آپ کا مقصد حاجت برآری کی ترغیب اور شکم پری کی حرص کو مکروہ سمجھنا ہے۔ و ازانجملہ قناعت ہے اور وہ یہ ہے کہ بسا اوقات انسان کے نفس پر مال کی حرص غالب ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے جوہر میں داخل ہو جاتی ہے پس جب اس حرص کو اپنے دل سے دور کر دیتا ہے

ومنها القناعة وذلك ان الحرص على المال ربما يغلب على النفس حتى يدخل فى جوهرها فاذا نفضه من قلبه وسهل عليه تركه فذلك القناعة، وليست القناعة ترك ما رزقه الله تعالىٰ من غير اشراف النفس، قال النبى صلى الله عليه وسلم ليس الغنى عن كثرة العرض ولكن الغنى غنى النفس، وقال يا حكيم ان هذا المال خضر حلو فمن اخذه بسخاوة النفس بورك له فيه ومن اخذه باشراف نفس لم يبارك له فيه وكان كالذى ياكل ولا يشبع، واليد العليا خير من اليد السفلى، وقال عليه السلام اذا جاءك من هذا المال شئ وانت غير مشرف ولا سائل فخذه فتموله ومالا فلا تتبعه نفسك ؛

ومنها الجود وذلك لان حب المال وحب امساكه ربما يملك القلب ويحيط به جوانبه، فاذا قدر على انفاقه ولم يحفل به الا فهو الجود وليس الجود اضاعة المال وليس المال مبغضا لعينه فانه نعمة كبيرة، قال صلى الله عليه وآله وسلم اتقوا الشح فان الشح اهلك من قبلكم حملهم على ان سفكوا دماءهم واستحلوا محارمهم، وقال عليه الصلاة والسلام لا حسد الا فى اثنتين، الحديث وقيل او ياتى الخير بالشر، فقال انه لا ياتى الخير بالشر وان مما ينبت الربيع ما يقتل حبطا او يلم، وقال صلى الله

اور اس کا ترک اس پر آسان ہوجاتا ہے تو اس کو قناعت کہتے ہیں، اور قناعت اس کو نہیں کہتے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے بے رغبتی سے اس کو ترک کردے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "غنی کثرت مال واسباب سے نہیں ہوتا بلکہ غنی دل کا غنی ہوتا ہے"۔ اور فرمایا "اے حکیم یہ مال سبز اور شیریں ہے۔ پس جو اس کو نفس کی سخاوت کے ساتھ لیتا ہے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور جو حرص کے ساتھ اسکو لیتا ہے تو اس میں اس کے لئے برکت نہیں ہوتی اور اس شخص کے مثل ہوجاتا ہے جو کھائے چلا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تیرے پاس اس مال میں سے کچھ آئے اور تو نہ اس کا حریص ہے اور نہ سائل تو تو اس کو لیکر آسودہ ہو ورنہ اپنے نفس کو اس کے پیچھے نہ لگا"۔

اور از انجملہ جود ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ مال کی محبت اور اس کے جمع کرنے کی محبت بسا اوقات دل پر غالب آکر اس کا احاطہ کرلیتی ہے اور جب آدمی اس کے خرچ کرنے پر قادر ہوتا ہے اور کچھ پرواہ نہیں کرتا تو اسکو جود کہتے ہیں اور جود مال کا ضائع کردینا نہیں ہے اور نہ مال خود کوئی مبغوض چیز ہے بلکہ یہ ایک بڑی نعمت ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بخل سے بچتے رہو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کردیا اسی نے ان کو لوگوں کے قتل کرنے اور محارم کے حلال کرنے پر آمادہ کیا تھا"۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دو شخصوں کے سوا کوئی حسد کے قابل نہیں" الحدیث، اور کسی نے آپ سے دریافت کیا کیا خیر سے شر پیدا ہوتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا البتہ خیر سے شر پیدا نہیں ہوتا اور ربیع میں بعض چیزیں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو تخمہ پیدا کرکے

عليه وسلم من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل زاد فليعد به على من لا زاد له فذكر من اصناف المال حتى رأينا انه لا حق لاحد منا في فضل، وانما رغب في ذلك اشد الترغيب لانهم كانوا في الجهاد وكانت بالمسلمين حاجة واجتمع فيه السماحة واقامة نظام الملة وابقاء مهج المسلمين، ومنها قصر الامل، وذلك لان الانسان يغلب عليه حب الحياة حتى يكره ذكر الموت وحتى يرجو من طول الحياة شيئا لا يبلغه فان مات في هذه الحالة عذب بنزوعه الى ما اشتاق اليه ولا يجده، وليس العمر في نفسه مبغضا بل هو نعمة عظيمة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كن في الدنيا كأنك غريب او عابر سبيل، وخط خطا مربعا وخط خطا في الوسط خارجا منه وخط خططا صغارا الى هذا الذي في الوسط من جانبه الذي في الوسط فقال هذا الانسان وهذا اجله محيط به، وهذا الذي هو خارج امله، وهذه الخطط الصغار الاعراض فان اخطأه هذا نهشه هذا وان اخطأه هذا نهشه هذا، وقد عالج النبي صلى الله عليه وسلم ذلك بذكر هاذم اللذات وزيارة القبور والاعتبار بموت الاقران وقال صلى الله عليه وسلم لا يتمنين احدكم الموت ولا يدع به قبل ان يأتيه انه اذا مات انقطع عمله، ومنها التواضع وهو

ہلاک کر دیتی ہیں یا ہلاکت کے قریب کر دیتی ہیں:" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کے پاس زاید سواری ہو تو جسکے پاس سواری نہیں ہے اس کو وہ سواری دیدے اور جس کے پاس زاید کھانا ہو تو جس کے پاس کھانا نہیں ہے اس کو دیدے، پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مال کی بہت سے اقسام ذکر کئے یہاں تک کہ ہم کو یہ گمان ہوا کہ زاید چیز میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے اور اس امر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسقدر رغبت اس لئے دلائی کہ لوگ جہاد میں مصروف تھے اور مسلمان ضرورت مند تھے اور اسمیں سماحت اور نظامِ ملت کا قیام اور مسلمانوں کی جان کا باقی رکھنا بھی پایا جاتا ہے۔ اور از انجملہ آرزو کا کوتاہ کرنا ہے اس لئے کہ انسان پر زندگی کی محبت اسقدر غالب ہوتی ہے کہ وہ موت کے نام لینے کو بھی مکروہ سمجھتا ہے اور اسقدر زندہ رہنے کی امید رکھتا ہے کہ اس حد تک وہ زندہ نہیں رہ سکتا پس اگر ایسی حالت میں وہ مرجاتا ہے تو جس چیز کا اسکو اشتیاق تھا اسکے حاصل نہ ہونے سے اسکو تکلیف ہوتی رہتی ہے، اور زندگی فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ بڑی نعمت ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا میں اس طرح رہ گویا تو مسافر یا راہ چلنے والا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع[1] خط کھینچا اور پھر اس کے وسط میں ایک خط کھینچا جو اس کے باہر تک تھا اور پھر اس بیچ والے خط کے ساتھ ملے ہوئے چھوٹے چھوٹے خط کھینچے مگر اسی مقدار کے ساتھ جتنا وہ مربع کے اندر اندر تھا پھر آپ نے فرمایا کہ یہ بیچ کا خط انسان ہے اور یہ مربع اس کی اجل ہے جو اس کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ جو باہر کو نکلا ہوا ہے یہ اسکی امید ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط دنیا کے عوارضات ہیں پس اگر ایک خطا کر گیا تو دوسرا اسکو کاٹتا ہے اور اگر اس سے بچ گیا تو کوئی اور اس کو ڈستا ہے:"

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے طولِ آرزو کی بیماری کا علاج موت کے ذکر اور زیارت قبور اور ساتھیوں کی موت سے عبرت حاصل کرنے کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کی دعا کرے کیونکہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور از انجملہ تواضع ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ نفس کو تکبر اور خود

[1] اس کی شکل یہ ہے:-

ان لاتتبع النفس داعية الكبر والاعجاب
حتى يزدرى بالناس فان ذلك يفسد
نفسه ويثير على ظلم الناس والازدراء
قال صلى الله عليه وسلم لا يدخل الجنة
من كان فى قلبه مثقال ذرة من كبر،
فقال الرجل ان الرجل يحب ان يكون
ثوبه حسنا ونعله حسنة فقال ان
الله جميل يحب الجمال الكبر بطر الحق
وغمط الناس وقال عليه السلام الا
اخبركم باهل النار كل عتل مستكبر،
وقال عليه السلام بينما رجل يمشى فى
حلة تعجبه نفسه مرجل رأسه يختال
فى مشيته اذ يخسف الله به فهو يتجلجل
فى الارض الى يوم القيامة، ومنها الحلم
والاناة والرفق، وحاصلها ان لايتبع
داعية الغضب حتى يروّى ويرى فيه
مصلحة، وليس الغضب مذموما فى
جميع الاحوال قال صلے الله عليه وسلم
من يحرم الرفق يحرم الخير كله، وقال
رجل للنبى صلے الله عليه وسلم اوصنى
قال لا تغضب فردد مرارا، فقال لا
تغضب، فقال صلے الله عليه وسلم الا
اخبركم بمن يحرم على النار؟ كل قريب هين
لين سهل، وقال عليه السلام ليس
الشديد بالصرعة انما الشديد الذى
يملك نفسه عند الغضب، ومنها الصبر
وهو عدم انقياد النفس لداعية الدعة
والهلع والشهوة والبطر واظهار السرو
وصرم المودة وغير ذلك فيسمى باسام حسب

پسندی کے دواعی کے تابع نہ کرے جس سے آدمی لوگوں کو حقیر جانے کیونکہ
یہ چیز اس کے نفس کو فاسد کرتی ہے، اور لوگوں پر ظلم کرنے اور ان کو
ذلیل سمجھنے پر برانگیختہ کرتی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جسکے
دل میں ذرہ کے برابر تکبر ہے وہ جنت میں نہ جائیگا، ایک شخص نے
عرض کیا کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس کے پاس اچھا
جوتا ہو تو آپ نے فرمایا اللہ تعالے جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے، تکبر حق کے
نہ ماننے اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کا نام ہے" اور آپ نے فرمایا "کیا میں تم کو
اہل دوزخ کی خبر نہ دوں وہ سب لوگ جھگڑالو اور متکبر ہیں" اور آپ نے
فرمایا "ایک شخص حلّہ پہنے ہوئے خود پسندی کے ساتھ اتراتا ہوا
جارہا تھا کہ خدا تعالے نے اس کو دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین
میں دھنستا چلا جائیگا" اور ازانجملہ حلم اور سہولیت اور نرم دل
ہے اور ان کا حاصل یہ ہے کہ وہ غصہ کے اسباب کی پیروی نہ کرے
یہاں تک کہ ان میں فکر نہ کرے اور مصلحت نہ دیکھ لے، اور تمام حالتوں
میں غضب کی صفت مذموم نہیں ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ ہر نیکی سے محروم رہا" اور ایک شخص نے
نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھ کو کچھ وصیت کیجئے آپ نے اس کو
فرمایا غصہ مت کر، اس نے کئی بار یہی عرض کیا ہر بار آپ نے یہی جواب
دیا کہ تو غصہ نہ کر، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا میں تم کو
وہ شخص نہ بتلاؤں جو آتش دوزخ پر حرام ہے" وہ قریب بردبار،
نرم مزاج اور سہولیت والا ہے" اور آپ نے فرمایا "زور آور وہ شخص
نہیں ہے جو کشتی مارتا ہے زور آور تو وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے
نفس کو قابو میں رکھتا ہے"۔

اور ازانجملہ صبر ہے اور وہ آرام اور پریشانی اور خواہش
نفسانی اور تکبر اور اظہار راز اور قطع محبت وغیرہ کے اسباب
کا تابع نہ ہونا ہے اور ان اسباب کے اعتبار سے اس کے مختلف
نام رکھے جاتے ہیں،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "صابر لوگوں کو ان کا ثواب بے حساب
دیا جائیگا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی شخص کوئی
عطا زیادہ افضل اور زیادہ کشادہ صبر سے زیادہ نہیں دیا گیا

لك الداعية، قال الله تعالى انما يوفى
الصابرون اجرهم بغير حساب، وقال
صلے الله عليه وسلم ما اوتى احد عطاءً
افضل واوسع من الصبر وقد امر
النبى صلى الله عليه وسلم بمظان العدالة
ونبه على معظم ابوابها وبين محاسن
الرحمة بخلق الله ورغب فيها وذكر
اقسامها من تألف اهل المنزل ومعاشرة
اهل الحى واهل المدينة وتوقير عظماء
الملة وتنزيل كل واحد منزله ؛
ونذكر من ذلك احاديث تكون
نموذجا لهذا الباب، قال صلے الله عليه
وسلم اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات
يوم القيامة وقال عليه السلام ان
الله حرم عليكم دماءكم واموالكم كحرمة
يومكم هذا فى بلدكم هذا، المسلم من
سلم المسلمون من لسانه ويده، و
الله لا يأخذ احدكم شيئا بغير حقه الا
لقى الله يحمله يوم القيامة فلاعرفن
احدا منكم لقى الله يحمل بعيرا له رغاء
وبقرة لها خوار او شاة تيعر، وقال
من ظلم قيد شبر من الارض طوقه
من سبع ارضين، وقد ذكرنا سره فى
الزكاة، والمؤمن للمؤمن كالبنيان
يشد بعضه بعضا، مثل المؤمنين
فى توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل
الجسد اذا اشتكى منه عضو تداعى
له سائر الجسد بالسهر والحمى، من
لا يرحم الناس لا يرحمه الله، المسلم

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عدالت کی علامات کے ساتھ حکم
دیا ہے اور اس کے ابواب میں سے عظیم الشان باب پر تنبیہ کی ہے
اور خلقِ خدا پر مہربانی کرنیکی خوبیاں بیان فرمائیں اور لوگوں کو
اس کی ترغیب دلائی اور اس کے اقسام یعنی گھر والوں کا الفت
سے رہنا اور اہل محلہ کے ساتھ برتاؤ اور شہر والوں کی معاشرت
اور بزرگان دین کی توقیر اور ہر ایک کے مرتبہ کا لحاظ رکھنا بیان
فرمایا اور اس کے متعلق بطور نمونہ ہم ہر بات کے لئے کچھ احادیث
نقل کرتے ہیں:۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ظلم سے بچو کیونکہ
ظلم قیامت کے روز تاریکیاں بن جائیگا" اور فرمایا "خدا تعالیٰ نے
تمہارے خون اور مال تم پر اس طرح حرام کردیئے جس طرح آج کے دن
کی حرمت اس شہر میں ہے" "مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان
سے مسلمان سلامت رہیں" "خدا کی قسم تم میں سے جو کوئی شخص کسی
چیز کو بغیر حق کے لیگا تو قیامت کے روز اس کو اٹھائے ہوئے خدا
تعالے کے سامنے آئیگا پس ایسا نہ ہو کہ میں کسی کو اس حال میں دیکھوں
کہ وہ خدا تعالیٰ کے پاس اونٹ اٹھائے ہوئے آئے اور وہ بلبلاتا
ہو یا گائے کو اپنے اوپر سوار کئے ہوئے آئے کہ وہ ڈکراتی ہو، یا
بکری کو سوار کئے ہو کہ وہ ممیاتی ہو" اور آپ نے فرمایا "جو شخص
بالشت بھر زمین ظلم سے لیگا ساتوں زمین طوق بنا کر اس کی گردن
میں ڈالی جائیں گی" (اور اس کی حکمت ہم زکوٰۃ کے باب میں بیان
کر چکے ہیں) اور مؤمن مؤمن کے لئے بنیاد کی طرح ہے کہ اس کے
اجزاء ایک دوسرے کے لئے مضبوطی کا باعث ہوتے ہیں"
مؤمنین کی مثال آپس کی محبت اور ہمدردی اور مہربانی میں
ایسی ہے جیسے بدن جب اس میں سے کوئی عضو مریض ہو
جاتا ہے تو تمام بدن کو بے خوابی اور بخار لاحق ہو جاتا ہے" جو
لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا" "ایک
مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر زیادتی کرے نہ
اس کو ہلاکت میں ڈالے" "جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں پڑتا
ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں ہوتا ہے" "جس شخص نے مسلمان کی
کوئی مصیبت دور کی خدا تعالے نے روز قیامت کی مصائب میں

اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه، من کان
فی حاجة اخیه کان اللّٰه فی حاجته ومن
فرج عن مسلم کربة فرج اللّٰه عنه بها کربة من
کرب یوم القیامة ومن ستر مسلما
ستره اللّٰه یوم القیامة اشفعوا توجروا
ویقضی اللّٰه علی لسان نبیه ما احب، و
قال تعدل بین اثنین صدقة وتعین
الرجل فی دابته فتحمله او ترفع له
متاعه صدقة والکلمة الطیبة صدقة
وقال فی ضعفاء المهاجرین لئن کنت
اغضبتهم فقد اغضبت ربك، وقال
انا وکافل الیتیم فی الجنة هکذا واشار
بالسبابة والوسطی، الساعی علی الارملة
والمسکین کالمجاهد فی سبیل اللّٰه،
من ابتلی من هذه البنات بشیٔ فاحسن
الیهن له سترا من النار، استوصوا
بالنساء فان المرأة خلقت من ضلع،
وان اعوج ما فی الضلع اعلاه فان ذهبت
تقیمه کسرته ؛
وقال فی حق الزوجة ان تطعمها
اذا طعمت وتکسوها اذا اکتسیت ولا
تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا
فی البیت، اذا دعا الرجل امراته الی
فراشه فلم تاته فبات غضبان علیها
لعنتها الملائکة حتی تصبح، لا یحل
لامرأة ان تصوم وزوجها شاهد الا
باذنه ولا تأذن فی بیته الا باذنه و
لو کنت آمرا احدا ان یسجد لاحد
لامرت المرأة ان تسجد لزوجها، ایما

سے اسکی کوئی مصیبت اسکے سبب سے دور فرمائیگا اور کسی کی پردہ
پوشی کرے خدا تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا،
سفارش کیا کرو ماجور ہوگے اور خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے
نبی کی زبان پر جاری کرتا ہے" اور آپ نے فرمایا" دو شخصوں
میں تو جو انصاف کرے تو یہ صدقہ ہے اور کسی کو سواری میں مدد
دے کر اسکو سوار کرا دے یا اس کے اسباب کو اٹھا کر رکھدے
تو یہ صدقہ ہے اور اچھی بات کہنا صدقہ ہے" اور ضعیف مہاجرین
کے بارہ میں آپ نے فرمایا" اگر تو نے ان کو ناخوش کیا تو تو نے خدا
کو ناخوش کیا اور آپ نے فرمایا" یتیم کا بوجھ اٹھانے والا اور میں
جنت میں اس طرح ہوں گے، اور یہ فرما کر انگشت شہادت اور
درمیانی انگلی سے آپنے اشارہ کیا یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں
پاس پاس ہیں" اپاہج اور مسکین کا کام کرنے والا خدا کی راہ میں
جہاد کرنے والے کے برابر ہے" جو شخص ان لڑکیوں کی طرف سے کچھ
مشقت میں مبتلا ہوا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ اسکے
لئے آگ کی روک ہو جائیں گی۔ عورتوں کے بارہ میں میری وصیت قبول
کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی اور پسلی میں زیادہ ترکجی اوپر
کے حصہ میں ہے پس اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہیگا تو اسکو توڑ دیگا
اور بیوی کے حق میں آپ نے فرمایا" تو کھانا کھائے تو اس
کو بھی کھلا اور تو کپڑا پہنے تو اس کو بھی پہنا اور منہ پر مت مار اور اس
کی صورت بگڑنے کی دعا مت کر اور بجز خوابگاہ کے اس سے علیحدہ
مت ہو" جب خاوند اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور
وہ اس کے پاس نہ آئے اور خاوند اس پر غصہ کی حالت میں
سو رہے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں" خاوند
کی موجودگی میں کسی عورت کو روزہ رکھنا درست نہیں ہے جبتک وہ
اجازت نہ دے اور خاوند کی بغیر اجازت کسی کو اس کے گھر میں نہ
آنے دے۔ اور اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں
عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے" جو عورت مرے
اور اس کا خاوند اس سے خوش ہو تو جنت میں داخل ہوگی" ایک
ایک وہ دینار ہے جس کو تو نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ

امرأة ماتت وزوجها عنها راض دخلت
الجنة، دينار انفقته في سبيل الله و
دينار انفقته في رقبة ودينار انفقته
على مسكين ودينار انفقته على اهلك
اعظمها اجرا الذي انفقته على اهلك، اذا
انفق الرجل على اهله نفقة يحتسبها
فهو له صدقة، مازال جبريل يوصيني
بالجار حتى ظننت انه سيورثه، يا ابا ذر
اذا طبخت مرقا فاكثر ماءها وتعاهد جيرانك
من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره
والله لا يؤمن الذي لا يامن جاره بوائقه
قال الله تعالى للرحم الا ترضين ان اصل
من وصلك واقطع من قطعك، من احب
ان يبسط له في رزقه وينسأ له في اثره
فليصل رحمه، من الكبائر عقوق الوالدين
من الكبائر شتم الرجل والديه يسب ابا
الرجل فيسب اباه ويسب امه فيسب
امه، سئل هل بقي من بر ابوي شيء ابرهما
به بعد موتهما فقال نعم الصلاة عليهما
والاستغفار لهما وانفاذ عهدهما من
بعدهما وصلة الرحم التي لا توصل الا
بهما واكرام صديقهما، ان من اجلال
الله اكرام ذي الشيبة المسلم وحامل
القرآن غير الغالي فيه والجافي عنه واكرام
ذي السلطان المقسط، ليس منا من
لم يرحم صغيرنا ولم يعرف شرف
كبيرنا، انزلوا الناس منازلهم، من عاد مريضا
او زار اخا له في الله ناداه مناد بان طبت
وطاب ممشاك وتبوأت من الجنة منزلا

کیا اور ایک وہ دینار ہے جو کسی جان کے چھڑانے میں تونے خرچ
کیا اور ایک وہ دینار ہے جو کسی مسکین پر تونے خرچ کیا اور ایک
وہ دینار ہے جسکو تونے اپنی بیوی پر خرچ کیا ان سب کے اندر
ثواب میں زیادہ وہ دینار ہے جو تونے اپنی بیوی پر خرچ کیا"
جو شخص طلب ثواب کی غرض سے اپنی بیوی کو نفقہ دے تو وہ
اس شخص کے لئے صدقہ ہے، پڑوسی کے بارے میں جبرئیل علیہ السلام
مجھ کو ہمیشہ وصیت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ وہ
عنقریب اس کو وارث بنا دیں گے۔" اے ابوذر جب تو شوربا پکائے
تو اس کا پانی بڑھا دیا کر اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھ" جو
شخص خدا تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اس کو
چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے" خدا کی قسم جس شخص کا پڑوسی
اس کی ایذاؤں سے امن میں نہیں ہے وہ مؤمن نہیں ہے" اللہ تعالیٰ
نے رحم سے فرمایا "کیا تو اس سے راضی نہیں ہے کہ جو تجھ سے ملے میں
بھی اس سے ملوں اور جو تجھ کو قطع کرے میں بھی اس سے قطع
کروں" جو شخص چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور عمر میں
درازی ہو تو اس کو صلہ رحمی کرنا چاہیئے" ماں باپ کی نافرمانی
کبائر میں سے ہے" آدمی کو اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبائر میں
سے ہے" کسی شخص کے باپ کو کوئی گالی دیتا ہے تو وہ اپنے باپ کو
گالی دیتا ہے اور جب کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اپنی ماں
کو گالی دیتا ہے" کسی نے پوچھا کہ ماں باپ کے مرنے کے بعد بھی
کوئی نیکی ان کے ساتھ ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، ان پر
رحمت کی دعا کرنا اور ان کے لئے استغفار کرنا اور ان کے بعد
ان کے عہدوں کا پورا کرنا اور اس قرابت کا جو ماں باپ کے رشتہ
سے ہے جوڑنا اور ان کے دوستوں کی تعظیم کرنا" خدا تعالیٰ کی تعظیم
میں سے بوڑھے مسلمان اور حامل قرآن کی، جو قرآن کی قرأت میں
مبالغہ نہیں کرتا اور نہ نافرمانی کرتا ہے تعظیم اور صاحب سلطنت
کی تعظیم ہے جو عادل ہو، جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور
ہمارے بزرگوں کو نہ جانا وہ ہم میں سے نہیں ہے" لوگوں کو انکے مرتبہ پر
رکھو" جس نے مریض کی عیادت کی یا فی سبیل اللہ اپنے کسی بھائی کی

فهذه الاحاديث وامثالها كلها تنبه على خلق العدالة وحسن المشاركة ؛

زیارت کی تو اس کو منادی یہ آواز دیتا ہے کہ تو نے اچھا کیا اور تیرا راستہ بھی اچھا ہوا اور تو نے اپنے لئے جنت میں جگہ بنائی۔ پس یہ حادیث اور جوان کے مثل ہیں سب خلق عدالت اور حسن مشارکت پر تنبیہ کرتی ہیں ؛

المقامات والاحوال

اعلم ان للاحسان ثمرات تحصل بعد حصوله وهي المقامات والاحوال، وشرح الاحاديث المتعلقة بهذا الباب يتوقف على تمهيد مقدمتين الاولى في اثبات العقل والقلب والنفس وبيان حقائقها والثانية في بيان كيفية تولد المقامات والاحوال منها ؛

المقدمة الاولى :- اعلم ان في الانسان ثلاث لطائف تسمى بالعقل والقلب والنفس دل على ذلك النقل، والعقل والتجربة واتفاق العقلاء، اما النقل فقد ورد في القرآن العظيم، ان في ذلك لآيات لقوم يعقلون وورد حكاية عن اهل النار لو كنا نسمع او نعقل ما كنا في اصحاب السعير وورد في الحديث اول ما خلق الله تعالى العقل فقال له اقبل فاقبل وقال له ادبر فادبر فقال بك آخذ، وقال صلى الله عليه وسلم دين المرء عقله ومن لا عقل له لا دين له، وقال افلح من رزق لبا، وهذه الاحاديث وان كان لاهل الحديث في ثبوتها مقال فان لها اسانيد يقوى بعضها بعضا، وورد في القرآن العظيم، واعلموا ان الله يحول بين المرء وقلبه، وورد ان في ذلك لذكرى لمن كان له قلب او القى السمع وهو شهيد، وفي الحديث الا ان

مقامات اور احوال کا بیان

واضح ہو کہ احسان کے لئے بہت سے ثمرات ہیں جو اس کے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں اور انکو مقامات اور احوال کہتے ہیں اور اس باب کے ساتھ جو احادیث متعلق ہیں انکی شرح دو مقدموں کی تمہید پر موقوف ہے پہلا مقدمہ عقل اور قلب اور نفس کے اثبات اور ان کے حقائق کے بیان میں ہے اور دوسرا مقدمہ مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی کیفیت کے بیان میں ہے ؛

مقدمۂ اولیٰ :- واضح ہو کہ انسان میں تین لطائف ہیں جن کو عقل اور قلب اور نفس کہتے ہیں ان کے وجود پر نقل اور عقل اور تجربہ اور عاقل لوگوں کا اتفاق دلالت کرتا ہے لیکن نقل کا دلالت کرنا سو وہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے "عقلمندوں کے لئے اس میں بلاشبہ نشانیاں ہیں"، اور اللہ تعالیٰ نے اہل نار سے حکایت فرمایا ہے "اگر ہم سنتے یا عقل رکھتے ہوتے تو اصحاب جہنم میں سے نہ ہوتے" اور حدیث شریف میں آیا ہے "خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا پھر اس سے کہا سامنے آ پس وہ سامنے آئی پھر اس سے فرمایا پیچھے لوٹ جا، پس وہ پیچھے لوٹ گئی، پھر فرمایا تیرے ہی سبب سے میں مواخذہ کروں گا" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمی کا دین اس کی عقل ہے اور جس کو عقل نہیں اس کا دین نہیں" اور آپ نے فرمایا "جس کو عقل ملی وہ کامیاب ہوا" اگرچہ ان احادیث کے ثبوت میں محدثین کو کلام ہے لیکن ان کی ایسی اسانید ہیں جو بعض بعض کی تائید کرتی ہیں، اور قرآن عظیم میں آیا ہے "جان لو کہ خدا تعالیٰ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے" اور یہ بھی آیا ہے "اس قرآن میں بلاشبہ نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کا قلب ہو یا کان لگائے اور وہ حاضر القلب ہو" اور حدیث شریف میں آیا ہے "خبردار ہو جاؤ کہ بدن

فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد
کله واذا فسدت فسد الجسد الا وهی القلب
وورد مثل القلب کریشة فی فلاة تقلبها
الریح ظهرا لبطن، وورد فی الحدیث النفس
تتمنی وتشتهی والفرج یصدق ذلك و
یکذب به،

ویعلم من تتبع مواضع الاستعمال ان
العقل هو الشئ الذی یدرك به الانسان
ما لا یدرك بالحواس، وان القلب هو الشئ
الذی به یحب الانسان ویبغض ویختار
ویعزم، وان النفس هو الشئ الذی به یشتهی
الانسان ما یستلذه من المطاعم والمشارب
والمناکح، واما العقل فقد ثبت فی موضعه
ان فی بدن الانسان ثلاثة اعضاء رئیسة
بها تتم القوی، والافاعیل التی تقتضیها
صورة نوع الانسان، فالقوی الادراکیة
من التخیل والتوهم والتصرف فی المتخیلات
والمتوهمات والحکایة للمجردات بوجه
من الوجوه محلها الدماغ، والغضب و
الجرأة والجود والشح والرضا والسخط و
ما یشبهها محلها القلب، وطلب ما لا یقوم
البدن الا به او بجنسه محله الکبد، وقد
یدل فتور بعض القوی اذا حدثت آفة فی
بعض هذه الاعضاء علی اختصاصها بها
ثم ان فعل کل واحد من هذه الثلاثة
لا یتم الا بمعونة من الآخرین فلولا ادراك
ما فی الشتم او الکلام الحسن من القبح
والحسن وتوهم النفع والضر ما هاج و
غضب ولا حب لولا متانة القلب لم

کے اندر ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو بدن بگڑ جاتا ہے، خبردار ہو جاؤ کہ وہ قلب ہے، اور یہ بھی آیا ہے " دل کی مثال ایک پر کی ہے جو میدان میں پڑا ہے جس کو ہوائیں لوٹ پوٹ کرتی رہتی ہیں" اور حدیث میں آیا ہے " نفس آرزو و خواہش کرتا ہے اور پیشاب گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے" اور مواضع استعمال میں تلاش کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عقل اس چیز کا نام ہے جس سے انسان ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے جو حواس سے معلوم نہیں ہوتیں اور قلب اس چیز کا نام ہے جس سے انسان محبت یا بغض رکھتا ہے یا کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور ارادہ کرتا ہے، اور نفس اس چیز کا نام ہے جس سے انسان لذائذ یعنی کھانے اور پینے اور جماع کرنے کی خواہش کرتا ہے اور عقل کا ان تینوں چیزوں کے وجود پر دلالت کرنا سو اپنے موقع پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کے بدن میں تین اعضاء رئیسہ ہیں جن سے وہ قوی اور افعال جو انسان کی صورت نوعیہ کے مقتضی ہیں پورے ہوتے ہیں پس قوائے ادراکیہ یعنی تخییل اور توہم اور پھر ان متخیلات اور متوہمات کے اندر تصرف اور بوجہ من الوجوہ مجردات سے حکایت کرنیکا محل دماغ ہے اور غضب اور جرأت اور جود اور بخل اور خوشی اور ناخوشی اور اسی قسم کی چیزوں کا محل قلب ہے، اور اس چیز کے طلب کرنیکا محل جس پر یا اس کے جنس پر بدن کا قوام موقوف ہے جگر ہے۔

اور جب ان تین اعضاء میں سے کسی خاص عضو میں کوئی نقصان آ جاتا ہے تو ایک خاص قوت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس قوت کا اختصاص اس عضو کے ساتھ ثابت ہوتا ہے پھر ان تینوں میں سے ہر ایک کا فعل بغیر باقی دو کی مدد کے تمام نہیں ہو سکتا پس اگر بری بات کی برائی اور اچھی بات کی بھلائی کا ادراک اور نفع اور ضرر کا توہم نہ ہو تو غصہ اور محبت کا ہیجان نہیں ہوتا، اور جب تک قلب میں متانت نہ ہو تو کسی متصور چیز کی تصدیق نہیں ہوتی اور اگر کھانے اور جماع کرنے کی معرفت نہ ہو اور اس کے فائدے

يصر المتصور مصدقا به، ولولا معرفة المطاعم
والمناكح وتوهم المنافع فيها لم يميل اليها
الطبن ولولا تنفيذ القلب حكمه في اعماق
البدن لم يسع الانسان في تحصيل مستلذ
ولولا خدمة الحواس للعقل ما ادرك شيئا
فان الكسبيات فرع البديهيات والبديهيات
فرع المحسوسات، ولولا صحة كل عضو من
الاعضاء التي يتوقف عليها صحة القلب و
الدماغ لما كان لهما صحة ولا تم لهما فعل
ولكن كل واحد منهما بمنزلة ملك اهتم
بامر عظيم من فتح قلعة صعبة او نحوه
فاستمد من اخوانه بجيوش ودروع ومدافع
وهو المدبر في فتح القلعة واليه الحكم ومنه
الرأي، وانما هم خدم يمشون على رأيه
فجاءت صور الحوادث على حسب الصفات
الغالبة في الملك من جراءته وجبنه وسخائه
وبخله وعدالته وظلمه، فكما يختلف الحال
باختلاف الملوك وآرائهم وصفاتهم وان
كانت الجيوش والآلات متشابهة فكذلك
يختلف حكم كل رئيس من الرؤساء الثلاثة
في مملكة بدن الانسان ؛

وبالجملة الافاعيل المنبجسة من كل
واحد من هذه الثلاثة تكون متقاربة
فيما بينها اما مائلة الى الافراط والتفريط او
تارة فيما بين هذا وذاك، فاذا اعتبرنا
هذه الهيئات الثلاثة مع افاعيلها المتقاربة
وامزجتها التي تقتضي تلك الافاعيل المتقاربة
دائما فهي اللطائف الثلاث التي يبحث عنها
لا تلك القوى بذواتها من غير اعتبار شيء

ستوہم نہ ہوں تو طبیعت ان کی طرف کبھی مائل نہ ہو اور اگر اطراف
بدن میں قلب اپنا حکم نافذ نہ کرے تو انسان اپنے لذائذ حاصل کرنے
میں کوشش نہ کرے اور اگر حواس عقل کی خدمت نہ کریں تو ہم کو کسی
چیز کا ادراک نہ ہو کیونکہ کسبیات بدیہیات کی فرع ہیں اور بدیہیات
محسوسات کی فرع ہیں اور اعضاء میں سے اس عضو کی صحت جس
پر قلب اور دماغ کی صحت موقوف ہے نہ پائی جائے تو قلب اور
دماغ کو کبھی صحت نصیب نہ ہو اور نہ ان کا کوئی فعل پورا ہو
لیکن ان میں سے ہر ایک بمنزلہ ایک بادشاہ کے ہے جس نے کسی امر عظیم
مثلاً کسی مستحکم قلعہ کی فتح کا قصد کر رکھا ہے اور وہ بادشاہ اپنے
دوستوں سے ڈھالوں اور توپوں کی مدد طلب کرتا ہے مگر قلعہ کے
فتح کرنے میں وہ خود ہی مدبر ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے اور اسی کی
رائے سے کام ہوتا ہے اور وہ سب خادم ہیں جو اس کی رائے پر
چلتے ہیں پس جو حوادث پیدا ہوتے ہیں ان کی صورت ان صفات
کے مطابق ظاہر ہوتی ہے جو اس بادشاہ میں غالب ہوتے ہیں یعنی
اس کی دلیری اور بزدلی اور سخاوت اور بخل اور عدالت اور ظلم
کے اعتبار سے ان کا ظہور ہوتا ہے پس جس طرح بادشاہ اور ان کی
رائے اور ان کی صفات کے اختلاف سے حالات مختلف ہوتے ہیں
اگرچہ لشکر اور ہتھیار ایک ہی سے ہوں اسی طرح ان رؤسائے ثلثہ میں
سے ہر رئیس کا حکم بدن انسان کی مملکت میں مختلف ہوتا ہے، اور
حاصل کلام یہ ہے کہ وہ افعال جو ان اعضاء ثلثہ میں سے ہر ایک
سے صادر ہوتے ہیں وہ باہم یا تو یکساں ہوتے ہیں یا افراط و تفریط کی
طرف مائل یا ان دونوں کے مابین ہوتے ہیں پس جب ہم ان تینوں
ہیکلوں کو انکے افعال مساویہ کے ساتھ اور انکے امزجہ کے ساتھ جن کو یہ
افعال متقاربہ ہمیشہ مقتضی ہیں اعتبار کرتے ہیں تو ان کو لطائف
ثلثہ کہتے ہیں جن سے بحث کی جاتی ہے خود وہ قوی بغیر
ان کے ساتھ کسی چیز کے اعتبار کئے لطائف نہیں ہیں۔ پس
قلب کی صفات اور اس کے افعال یہ ہیں :- غصہ، دلیری
محبت، بزدلی، خوشی، ناخوشی، قدیمی دوستی کی وفاداری
کبھی ایک شخص سے محبت اور کبھی عداوت، حب جاہ

فيها، فالقلب من صفاته وافعاله الغضب والجراءة والحب والجبن والرضا والسخط والوفاء بالصحبة القديمة والتلون في الحب والبغض وحب الجاه والجود والبخل والرجاء والخوف، والعقل من صفاته وافعاله اليقين والشك والتوهم وطلب الاسباب لكل حادث والتفكر في حيل جلب المنافع ودفع المضار، والنفس منتهى صفاتها الشره في المطاعم والمشارب اللذيذة وعشق النساء ونحو ذلك، واما التجربة فكل من استقراء افراد الانسان علم لا محالة انهم مختلفون بحسب جبلتهم في هذه الامور، منهم من يكون قلبه هو الحاكم على النفس، ومنهم من يكون نفسه هي القاهرة على القلب، اما الاول فاذا اصابه غضب او هاج في قلبه طلب منصب عظيم يستهين في جنبه اللذات العظيمة، ويصبر على تركها ويجاهد نفسه مجاهدة عظيمة في تركها، واما الآخر فانه اذا عرضت له شهوة اقتحم فيها وان كان هناك الف عار، ولا يلتفت الى ما يرغب فيه من المناصب العالية او يرهب منه من الذل والهوان، وربما يبدل و الرجل الغيور منكحه شهي وتدعو اليه نفسه اشد دعوة فلا يركن اليها خاطر هجس من قلبه من تبجيل الغيرة وربما يصبر على الجوع والعري ولا

جود، بخل، رجا، اور خوف،

عقل کی صفات اور افعال یہ ہیں:- یقین، شک، توہم ہر حادثہ کے لئے اسباب کی تلاش، منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے دفع کرنے کے طریقوں میں فکر کرنا،

اور نفس کی صفات کا منتہیٰ لذیذ کھانے اور پینے میں حرص کرنا اور عورتوں سے محبت رکھنا وغیرذالک،

اور تجربہ کا ان تینوں چیزوں کے وجود پر دلالت کرنا سو جو شخص افراد انسانی کا تتبع کرے تو وہ ضرور جان لیتا ہے لوگ اپنی جبلت کے موافق ان امور میں مختلف ہیں ان میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنکا قلب نفس کے اوپر حاکم ہوتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کا نفس قلب پر غالب ہوتا ہے پہلی قسم کے انسان کو جب غصہ آتا ہے یا اس کے قلب میں بلند درجہ کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کے مقابلہ میں بڑی بڑی لذتوں کو حقیر سمجھتا اور اس کے چھوڑنے پر صبر کرتا ہے اور ان کے چھوڑنے میں وہ شخص اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ عظیم کرتا ہے، اور دوسری قسم کے انسان کو جب کسی لذت کی خواہش ہوتی ہے تو اس میں وہ گھس جاتا ہے اگرچہ اس جگہ ہزار طرح سے عار ہو اور اس کو مناصب عالیہ کی طرف رغبت دلائی جائے یا ذلت و خواری کا خوف دلایا جائے تو اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا،

اور بسا اوقات غیرتمند آدمی کو حسین عورت کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس کا نفس اس کی طرف بہت بلاتا ہے لیکن اس کے قلب میں غیرت کے سبب سے ایک خیال پیدا ہوتا ہے جس کے سبب سے وہ اسکی طرف دیکھتا بھی نہیں، اور بسا اوقات بھوکے اور ننگے ہونے پر صبر کرتا ہے لیکن اپنی جبلی غیرت کی وجہ سے کسی سے سوال نہیں کرتا، اور بسا اوقات حریص آدمی کو حسین عورت اور عمدہ کھانے کی طرف رغبت ہوتی ہے۔

يسأل احدا شيئا لما جبل فيه من الأنفة
وربما يبدو للرجل الحريص منكح شهي
او مطعم هنئ ويعلم فيهما ضررا اعظما
اما من جهة الطب او من جهة الحكمة
العملية او من جهة سطوة بعض
بني آدم فيخاف ويرتعش ويرعوي
ثم يعميه الهوى فيقتحم في الورطة
على علم، وربما يدرك الانسان
من نفسه نزوعا الى جهتين متخالفتين
ثم يغلب داعية على داعية ويتكرر
منه افعال متشابهة على هذا النسق
حتى يضرب به المثل اما في اتباع
الهوى وقلة الحفاظ، واما في ضبط
الهوى وقوة المسكة، ورجل ثالث
يغلب عقله على القلب والنفس كالرجل
المؤمن حق الايمان انقلب حبه و
بغضه وشهوته الى ما يأمر به الشرع
والى ما عرف من الشرع جوازه بل
استحبابه فلا يبتغي ابدا عن حكم
الشرع حولا، ورجل رابع يغلب عليه
الرسم وطلب الجاه ونفي العار عن
نفسه فهو يكظم الغيظ ويصبر على
مرارة الشتم مع قوة غضبه وشدة
جراءته ويترك شهواته مع توقة
طبيعته لئلا يقال فيه ما لا يحبه ولئلا
ينسب الى الشئ القبيح اويجد ما يطلبه
من رفعة الجاه وغيره، فالرجل الاول
يشبه بالسباع، والثاني بالبهائم، و
الثالث بالملائكة، والرابع يقال له

حالانکہ وہ شخص اس میں خواہ طب کے اعتبار سے
یا کسی حکمت عمل کی وجہ سے یا کسی شخص کی سطوت کی
وجہ سے اپنا ضرر عظیم جانتا ہے جس سے وہ ڈر جاتا
ہے اور کانپنے لگتا ہے اور اس برائی سے بچ جاتا
لیکن پھر اس کو خواہش اندھا کر دیتی ہے اور باوجود
علم کے اس ہلاکت میں گر پڑتا ہے، اور بسا اوقات
آدمی کو دونوں جہت مخالف کی طرف اپنے نفس کا میلان
معلوم ہوتا ہے پھر ان دونوں میں سے ایک داعیہ
دوسرے پر غالب آجاتا ہے اور اس طور پر اس سے
افعال متشابہ باربار سرزد ہوتے ہیں یہانتک کہ وہ شخص
خواہش کی تابعداری اور بے احتیاطی یا خواہش کے
روکنے اور نفس کو قابو میں رکھنے کے ساتھ ضرب المثل
ہو جاتا ہے، اور تیسرا شخص ایسا ہوتا ہے کہ اس کی عقل
نفس اور قلب دونوں پر غالب ہو جاتی ہے جیسا کہ سچا
اور کامل مؤمن کہ اس کی محبت اور بغض اور شہوت امر شرع
اور اس چیز کے تابع ہو جاتا ہے جس کا شرع سے جواز بلکہ
استحباب ثابت ہے پس وہ شخص امر شرع سے کبھی روگردانی
نہیں کرتا، اور چوتھا شخص ایسا ہوتا ہے جس پر رسم اور
طلب جاہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اپنے نفس سے عار کو
ہٹانا چاہتا ہے ایسا شخص غصہ کو ضبط کرتا ہے اور
باوجود سخت غضب ناک ہونے کے اور نہایت دلیری
کے دوسرے کے برا کہنے کی تلخی پر صبر کرتا ہے تاکہ اس
کے حق میں کوئی ایسی بات نہ کہے جو اس کو ناپسند ہو
اور تاکہ وہ کسی برائی کی طرف منسوب نہ ہو، یا رفعت
جاہ جو اس کو مطلوب ہے اس کو ملجائے. پس پہلا
شخص درندوں کے مانند ہے اور دوسرا بہائم کے مانند
ہے اور تیسرا فرشتوں کے مانند ہے اور چوتھے شخص کو
صاحب مروت اور عالی ہمت کہتے ہیں، پھر تتبع کرنے سے
انسان کے بعض افراد ایسے بھی ملتے ہیں کہ ان کی دو قوتیں

صاحب الس و ءة و صاحب معالی الهمم لجل من عرض الناس افرادا یغلب فیها وتان معاً على الثلاثة، ويكون امرهما فيما بينهما متشابها ينال هذا من ذلك تارة و ذلك من هذا اخرى، فاذا اراد المستبصر ضبط احوالهم والتعبير عما هم فيه اضطر الى اثبات اللطائف الثلاث،

واما اتفاق العقلاء :- فاعلم ان جميع من اعتنى بتهذيب النفس الناطقة من اهل الملل والنحل اتفقوا على اثبات هذه الثلاث او على بيان مقامات و احوال تتعلق بالثلاث، فالفيلسوف فى حكمته العملية يسميها نفسا ملكية، ونفسا سبعية ونفسا بهيمية، وفى هذه التسمية نوع من التسامح، فسمى العقل بالنفس الملكية تسمية بافضل افرادها، وسمى القلب بالنفس السبعية تسمية له باشهر اوصافه وطوائف الصوفية ذكروا هذه اللطائف واعتنوا بتهذيب كل واحدة الا انهم اثبتوا لطيفتين اخريين ايضا واهتموا بهما اهتماما عظيما، هما الروح والسر وتحقيقهما ان القلب له وجهان وجه يميل الى البدن والجوارح ووجه يميل الى التجرد والصرافة، وكذلك العقل له وجهان وجه يميل الى البدن والحواس ووجه يميل الى التجرد والصرافة فسموا ما يلى جانب السفل قلبا وعقلا، وما يلى جانب الفوق روحا وسرا، فصفة القلب الشوق المزعج والوجد، وصفة الروح الانس والانجذاب، وصفة العقل اليقين

معاً تیسرے پر غالب ہوتی ہیں اور ان دونوں کا حال باہم متشابہ رہتا ہے کہ کبھی یہ اس کے تابع اور کبھی وہ اس کے تابع پس جب صاحب بصیرت ان کے حال کا انضباط چاہے اور ان کے بیان کرنے کا ارادہ کرے تو لامحالہ لطائف ثلثہ کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑے گی، اور عقلاء کے اتفاق سے ان تینوں کا وجود اس طرح ثابت ہوتا ہے:-

واضح ہو کہ تمام اہل ملت اور اہل ادیان جنہوں نے تہذیبِ نفس کا قصد کیا ہے ان تینوں کے اثبات پر یا ان مقامات واحوال کے بیان کرنے پر جو ان تینوں سے متعلق ہیں متفق ہیں، پس فیلسوف اپنی حکمت عملیہ میں ان تینوں کو نفسِ ملکی اور نفسِ سبعی اور نفسِ بہیمی کہتا ہے گو اس نام کے رکھنے میں کسی قدر تساہل ہے پس اس نے عقل کا نام نفس ملکیہ رکھا ہے کیونکہ اس کے افراد میں سے افضل ترین فرد کا یہ نام ہے اور قلب کا نام نفسِ سبعی رکھا ہے کیونکہ اس کے اوصاف میں سے یہ وصف مشہور ہے اور صوفیہ کے گروہ نے ان لطائف کو ذکر کیا اور ان میں سے ہر ایک کی تہذیب کے درپے ہوئے مگر اتنا فرق ہے کہ انہوں نے دو اور لطیفے ثابت کئے ہیں اور ان کے لئے بڑا ہی اہتمام کیا ہے اور وہ دونوں روح اور سر ہیں انکی حقیقت یہ ہے کہ قلب کے دو جانب ہیں ایک جانب کا میلان بدن اور اعضاء کی طرف ہے اور ایک جانب کا میلان تجرد محض کی طرف ہے، اور اسی طرح عقل کی دو جانب ہیں، ایک جانب بدن اور حواس کی طرف مائل ہے اور ایک جانب تجرد محض کی طرف مائل ہے پس جو اسفل کی طرف مائل ہے اس کو قلب اور عقل کہتے ہیں اور جس کو جانب فوق سے اتصال ہے اس کو روح اور سر کہتے ہیں پس قلب کی صفت شوق اور وجد ہے جس سے آدمی بیتاب ہو جاتا ہے اور روح کی صفت انس اور انجذاب ہے، اور عقل کی صفت اس چیز پر یقین کرنا ہے جس کا ماخذ علوم عادیہ کے ماخذ کے قریب ہے جیسے ایمان

بما يقرب ماخذه من ماخذ العلوم العادية كالايمان بالغيب والتوحيد الانفعالى، وصفة السر شهود ما يجل عن العلوم العادية وانما هو حكاية ما عن المجرد الصرف الذى ليس فى زمان ولا مكان ولا يوصف بوصف ولا يشار اليه باشارة، والشرع لما كان نازلا على ميزان الصورة الانسانية دون الخصوصيات الفردية لم يبحث عن هذا التفصيل كثير بحث وترك مباحثها فى مخدع الاجمال، وسائر الملل والنحل ايضا عندهم علم من ذلك يعرف بالاستقراء مع نوع من التفطن ؛

المقدمة الثانية :- اعلم ان الرجل العقيل الذى مكنت مادته لظهور احكام النوع فيها كاملا وافرا وهو رئيس افراد الانسان بالطبع والدستور الذى يعرف جميع الافراد قربا من الحد الاعلى، ويبعد منه بالنظر اليه هو الذى غلب عقله على قلبه مع قوة قلبه وسبوغ قواه وقهر قلبه على نفسه مع شدة نفسه ووفور مقتضياتها فهذا هو الذى تمت اخلاقه وقويت فطرته ودونه اصناف كثيرة متفاوتة يظهرها التأمل الصحيح، واما الحيوان الاعجم ففيه القوى الثلاث ايضا الا ان عقله مغلوب قلبه ونفسه فى الغاية فلم يستحق التكليف، ولا لحق بالملأ الاعلى، وهو قوله تبارك وتعالى ولقد كرمنا بنى ادم وحملنهم فى البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلا و

بالغیب اور توحید انفعالی، اور سر کی صفت اس چیز کا مشاہدہ کرنا ہے جو علوم عادیہ سے برتر ہے بلکہ وہ اس مجرد محض سے حکایت ہے جو نہ کسی زمان میں ہے اور نہ مکان میں اور نہ کسی وصف سے موصوف ہو سکتا ہے اور نہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، اور چونکہ شرع صورتِ انسانی کے میزان پر نازل ہوئی ہے خصوصیات فردیہ کے اعتبار سے نہیں اسواسطے شرع نے اس تفصیل سے زیادہ بحث نہیں کی اور اس کے مباحث کو اجمال کے خزانہ میں چھوڑ دیا ہے اور تمام اہل ملل ونحل کے نزدیک بھی اس کے متعلق کچھ بیان ہے جو تتبع کے ساتھ ایک قسم کے تفطن اور فہم سے پہچانا جاتا ہے،

مقدمہ ثانیہ :- واضح ہو کہ قوی العقل اور قوی الجسم آدمی جس کے مادہ میں اس کے نوع کے احکام ظاہر ہونے کی پوری اور کامل قابلیت ہے اور وہ شخص افراد انسان کا بالطبع رئیس اور وہ قانون ہے جس کی وجہ سے تمام افراد کا اعلیٰ درجہ کی حد سے قرب و بعد معلوم ہوتا ہے وہ شخص یہ ہے کہ باوجود قوت قلب کے اور پورے پورے قوی ہونے کے اس کی عقل اس کے قلب پر غالب ہے اور باوجود شدت نفس کے اور کثرت خواہشات کے اسکا قلب اس کے نفس پر غالب ہے پس ایسا شخص وہ ہو سکتا ہے جس کے اخلاق تام اور اس کی فطرت قوی ہے اور اس سے نیچے بہت سی مختلف قسمیں ہیں جو تامل صحیح سے معلوم ہوتی ہیں اور جانوروں میں بھی یہ تینوں قوتیں پائی جاتی ہیں، لیکن ان کی عقل قلب اور نفس کے نیچے نہایت درجہ مغلوب ہوتی ہے اس واسطے وہ مکلف ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے اور نہ عالم بالا میں ملجانے کے قابل ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے البتہ ہم نے آدمیوں کو بزرگی دی اور جنگل و دریا میں ان کو سوار کیا اور ہم نے ان کو پاک چیزیں دیں اور ہم نے اپنی اکثر مخلوق پر ان کو فضیلت دی؛

اور یہ قوی العقل آدمی اگر اس کی عقل ان عقائد

هذا الرجل العتيك ان كان عقله منقادا
للعقائد الحقة الماخوذة من الصادقين
الأخذين عن الملأ الاعلى صلوات عليهم
فهو المؤمن حقا، وان كان له مع ذلك
سبيل الى الملأ الاعلى ياخذ عنهم بغير
واسطة ففيه شعبة من النبوة وميراث
منها، وهو قوله صلى الله عليه وسلم
الرؤيا الصالحة جزء من ستة واربعين
جزءا من النبوة، وان كان عقله منقادا
لعقائد زائغة ماخوذة من المضلين
المبطلين فهو الملحد الضال. وان كان
عقله منقادا لرسوم قومه ولما ادركه
بالتجربة والحكمة العملية فهو الجاهل
لدين الله، ولما كان الامر على ذلك
وجب في حكمة الله تعالى ان ينزل كتابا
على ازكى خلق الله واعتكهم واشبههم
بالملأ الاعلى ثم يجمع اليه الآراء حتى
تصير احكامه من المشهورات الذائعة
ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حيّ
عن بينة، وان يبين لهم هذا النبي
صلوات الله وسلامه عليه طرق
الاحسان والمقامات التي هي ثمراته
اتم بيان:

وبالجملة اذا آمن الرجل بكتاب
الله تعالى او بما جاء به نبيه صلوات
الله وسلامه عليه من بيانه ايمانا
يستتبع جميع قواه القلبية والنفسية
ثم اشتغل بالعبودية حق الاشتغال
ذكرا باللسان وتفكرا بالجنان واذابا

حقہ کی فرمانبردار ہے جو صادقین کو ملاء اعلیٰ سے حاصل ہوئی
ہیں صلوات اللہ علیہم تو وہ فی الحقیقت مؤمن ہے اور اگر
اس کے باوجود ملاء اعلیٰ تک رسائی بھی ہے کہ ان سے بلا واسطہ
فیضان حاصل کرتا ہے تو اس شخص میں نبوت کا ایک شعبہ
اور اس کی میراث ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک
حصہ ہے،، اور اگر ان کی عقل ان عقائد باطلہ کے تابع
ہے جو مضلین ومبطلین سے ماخوذ ہیں تو وہ شخص ملحد اور
گمراہ ہے اور اگر اس کی عقل اپنی قوم کے رسوم اور ان چیزوں
کے تابع ہے جو اس کو تجربہ اور حکمت عملیہ سے معلوم ہوئے
ہیں تو وہ دین الہٰی سے جاہل ہے اور جبکہ لوگ مختلف
الاحوال تھے تو حکمت الہٰی میں ضروری ہوا کہ ایک کتاب
ایسے شخص پر نازل کرے جو اللہ تعالے کی تمام مخلوق میں
پاکیزہ اور سب سے زیادہ قوی العقل اور عالم بالا کے
ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا ہو پھر لوگوں
کی رائیں اس کے ساتھ متفق ہو جائیں حتیٰ کہ اس کے احکام
مشہورات سے شمار ہونے لگیں تاکہ جو ہلاک ہو تو جان کر
ہلاک ہو اور جو نجات پائے تو جان کر نجات پائے، اور یہ
بات ضروری ہوئی کہ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں
کو احسان کے طریقے اور مقامات جو اس کے ثمرات ہیں
خوب اچھی طرح بیان کرے،

حاصل کلام یہ ہے کہ انسان جب کتاب الہٰی پر
اور اس چیز پر جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان
سے ثابت ہے اس طرح سے ایمان لاتا ہے کہ اس کے جمیع
قوائے قلبیہ ونفسیہ سیر ہو جاتے ہیں پھر وہ شخص پورے
طور پر ذکر لسانی اور فکر قلبی کے ساتھ عبادت میں
مشغول ہو جاتا ہے اور اعضاء کو ادب دیتا رہتا
ہے اور ایک مدت دراز تک اس کی مداومت بھی رکھتا
ہے تو ان لطائف ثلثہ میں سے ہر ایک اس عبادت سے

بالجوارح، وداوم على ذلك مدة مديدة
شرب كل واحد من هذه اللطائف الثلاث
حظه من العبودية، وكان الامر شبيها
بالدوحة اليابسة تسقى الماء الغزير
فيدخل الري كل غصن من اغصانها
وكل ورق من اوراقها، ثم ينبت منها
الازهار والثمار فكذلك تدخل العبودية
في هذه اللطائف الثلاث وتغير صفاتها
الطبيعية الخسيسة الى الصفات الملكية
الفاضلة، فتلك الصفات ان كانت
ملكات راسخة تستمر افاعيلها على نهج
واحد او نهج متقاربة، فهي المقامات
وان كانت بوارق تبدو تارة وتنمحي
اخرى ولما تستقر بعد، او هي امور ليس
من شانها الاستقرار كالرؤيا والهواتف
والغلبة تسمى احوالا واوقاتا، ولما كان
مقتضى العقل في غلواء الطبيعة البشرية
التصديق بامور ترد عليه مناسبا لها
صار من مقتضاه بعد تهذيبه اليقين
بما جاء به الشرع كأنه يشاهد كل
ذلك عيانا كما اخبر زيد بن حارثة حين
قال له صلى الله عليه وسلم لكل حق حقيقة
فما حقيقة ايمانك؟ فقال كاني
انظر الى عرش الرحمن بارزا، ولما
كان من مقتضاه ايضا معرفة الاسباب
لما يحدث من نعمة ونقمة صار من
مقتضاه بعد تهذيبه التوكل والشكر
والرضاء والتوحيد، ولما كان من مقتضى
القلب في اصل الطبيعة محبة المنعم

حصہ لے لیتا ہے اور اس کی مثال ایک ایسے خشک درخت
کی جس کو بکثرت پانی دیا جائے اور اس کی ہر ہر شاخ
اور ہر ہر پتی میں تازگی پہنچ جائے پھر اس سے پھل وپھول
پیدا ہوں پس اسی طرح ان لطائف ثلثہ میں عبادت
داخل ہوکر ان کی صفات طبعیہ خسیسہ کو صفات ملکیہ فاضلہ
سے بدل دیتی ہے پس یہ صفات اگر ملکات راسخہ ہیں
جن سے افعال ہمیشہ ایک طرح پر یا قریب قریب صادر
ہوتے ہیں تو ان کو مقامات کہتے ہیں، اور اگر وہ صفات
ایسے ہیں کہ مثل بجلی کے کبھی ظاہر ہوجاتے ہیں اور کبھی
پوشیدہ ہوجاتے ہیں اور ہنوز ان کو قرار نہیں ہے، یا
وہ صفات اس قسم کے امور ہیں جن کی شان سے قرار
نہیں ہے جیسے رویا اور ہواتف اور غلبہ تو ان کو احوال
واوقات کہتے ہیں اور چونکہ طبیعت بشری کے غلبہ کی
حالت میں عقل کا مقتضیٰ ان امور کی تصدیق کرنا تھا جو
طبیعت بشریہ کے مناسب عقل کو پیش آتے ہیں اس
واسطے تہذیب کے بعد عقل کا یہ مقتضیٰ ہے کہ جو امور شرع
سے ثابت ہیں اس کی اس طرح تصدیق کرے گویا کہ
عیاناً وہ ان کا مشاہدہ کررہی ہے جیسا کہ زید بن حارثہ
نے بیان کیا جبکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا
تھا:۔ "ہر شئی کی ایک حقیقت ہے پس تیرے ایمان کی
کیا حقیقت ہے؟" انہوں نے عرض کیا گویا کہ میں خداتعالی
کے عرش کو سامنے دیکھتا ہوں"

اور چونکہ عقل کا مقتضیٰ ہر نعمت ومصیبت کے
اسباب کو پہچاننا ہے اس واسطے اس کا مقتضیٰ تہذیب
کے بعد توکل اور شکر اور رضامندی اور توحید ہے اور چونکہ
قلب کا مقتضیٰ اصل طبیعت کے اعتبار سے منعم
اور مربی کے ساتھ محبت کرنا اور دشمن ومخالف کے
ساتھ بغض رکھنا اور ایذا پہنچانے والی چیزوں سے خوف
کرنا اور نفع پہنچانے والی چیزوں سے امید رکھنا ہے

الحرب وبغض المنافر الشانئ والخوف مما يؤذيه والرجاء لما ينفعه كان مقتضاه بعد التهذيب محبة الله تعالى والخوف من عذابه ورجاء ثوابه، ولما كان من مقتضى النفس فى غلواء طبيعتها الانهماك فى الشهوات والدعة كان صفتها عند تهذيبها التوبة والزهد والاجتهاد وهذا الكلام انما اوردنا به ضرب المثال والمقامات ليست محصورة فيما ذكرنا نقس غير المذكور على المذكور، والاحوال كالسكر والغلبة والعزوف عن الطعام والشراب مدة مديدة، وكالرؤيا والهاتف على المقامات ؂

واذ قد فرغنا مما يتوقف عليه شرح احاديث الباب حان ان نشرع فى المقصود، فنقول اصل المقامات والاحوال المتعلقة بالعقل هو اليقين وينشعب من اليقين التوحيد والاخلاص والتوكل والشكر والانس والهيبة والتفريد والصديقية والمحدثية وغير ذلك مما يطول عده، قال عبد الله بن مسعود اليقين الايمان كله، ويروى رفعه، وقال صلى الله عليه وسلم واقسم لنا من اليقين ما تهون به علينا مصائب الدنيا ؂

اقول معنى اليقين ان يؤمن المؤمن بما جاء به الشرع من مسألة القدر ومسألة المعاد، ويغلب الايمان على عقله حتى يمتلئ عقله ويترشح من عقله رشحات على قلبه ونفسه حتى يصير المتيقن به كالمعاين

اس واسطے تہذیب کے بعد اس کا مقتضی خدا تعالے سے محبت اور اس کے عذاب سے خوف اور اس کے ثواب کی امید ہے اور چونکہ طبیعت کے ہیجان کے وقت نفس کا مقتضی لذائذ اور آرام میں غرق ہونا تھا اس واسطے تہذیب کے بعد اس کی صفت توبہ اور زہد اور مجاہدہ ہے اور یہ کلام ہم نے بطور مثال کے بیان کیا ہے ورنہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کے اندر مقامات منحصر نہیں ہیں لہذا غیر مذکور کو مذکور پر قیاس کر لیجئے اور احوال کو مثل سکر اور غلبہ اور مدت مدیدہ تک کھانے پینے سے اعراض اور مثل رویاء و ہاتف کو مقامات پر قیاس کر لیجئے،

اور جب ہم ان امور سے فارغ ہو گئے جن پر اس باب کی احادیث کی شرح موقوف ہے تو اب ہم اصل مقصود شروع کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں ان مقامات اور احوال کی اصل جو قلب سے متعلق ہیں یقین ہے اور یقین کی شاخیں توحید اور اخلاص اور توکل اور شکر اور اُنس اور ہیبت اور تفرید اور صدیقیت اور محدثیت اور اس کے علاوہ امور ہیں جن کا شمار کرنا طوالت ہے،

عبداللہ بن مسعود نے فرمایا یقین بالکل ایمان ہے اور ایک روایت میں یہ قول نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا میں فرمایا کہ "اے اللہ ہم کو وہ یقین عطا کر جس کے سبب سے دنیا کے مصائب ہم پر سہل ہو جائیں"

میں کہتا ہوں یقین کے معنی یہ ہیں کہ ہر ہر مسئلہ پر جو کہ شرع سے ثابت ہے مؤمن ایمان لائے جیسے مسئلہ قدر و مسئلہ معاد، اور اس کی عقل پر ایمان یہانتک غالب ہو جائے کہ اسکی عقل ایمان سے پر ہو جائے اور پھر اس کی عقل سے اسکے قلب اور نفس پر اس یقین کا ترشح ہو حتی کہ وہ یقینی چیز بمنزلہ محسوس اور معائن کے ہو جائے، اور یقین کے ایمان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقل کے مہذب کرنے میں یقین کو پورا پورا

المحسوس، وانما كان اليقين هو الايمان كله
لانه العمدة فى تهذيب العقل وتهذيب
العقل هو السبب فى تهذيب القلب و
النفس. وذلك لان اليقين اذا غلب على
القلب انشعب منه شعب كثيرة فلا يخاف
مما يخاف منه الناس فى العادة علما منه
بان ما اصابه لم يكن ليخطئه وما اخطاه
لم يكن ليصيبه، ويهون عليه مصائب
الدنيا اطمئنانا بما وعد فى الآخرة وتزدرى
نفسه بالاسباب المتكثرة علما منه بان
القدرة الوجوبية هى المؤثرة فى العالم
بالاختيار والارادة، وبان الاسباب
عادية فيفتر سعيه فيما يسعى الناس فيه و
يكدون ويكدحون فيستوى عنده ذهب
الدنيا وحجرها:

وبالجملة فاذا تم اليقين وقوى واستمر
حتى ما يغيره فقر ولا غنى ولا عز ولا ذل
انشعب منه شعب كثيرة، منها الشكر
وهو ان يرى جميع ما عنده من النعم
الظاهرة والباطنة فائضة من بارئه جل مجده
فيرتفع بعدد كل نعمة محبة منه الى بارئه
ويرى عجزه عن القيام بشكره فيضمحل
ويتلاشى فى ذلك، قال صلى الله عليه وسلم
اول من يدعى الى الجنة الحمادون الذين
يحمدون الله تعالى فى السراء والضراء:

اقول وذلك لانه اية انقياد عقله و
قلبه لليقين ببارئه، ولان معرفة النعم
ورؤيتها فيضا من بارئها اورثت نسمته
قوة فعالة فى عالم المثال تنفعل منها القو

دخل ہے اور تہذیب عقل قلب اور نفس کی تہذیب کا سبب ہے
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قلب پر یقین کا غلبہ ہوتا ہے تو اس
سے بہت سی شاخیں پیدا ہوتی ہیں، اور وہ شخص ان چیزوں سے
خوف نہیں کرتا جن چیزوں سے عادت کے طور پر لوگ ڈرتے
ہیں کیونکہ یہ شخص یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کو جو پیش آنے والا ہے وہ
اس سے ٹلتا نہیں اور جو پیش آنے والا نہیں ہے وہ ہرگز پیش نہیں
آئیگا اور اس شخص پر دنیا کے مصائب سہل ہو جاتے ہیں کیونکہ
جن کا آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے اس کو ان چیزوں کے ملنے پر
پورا اطمینان ہوتا ہے اور اس کا نفس بہت سے اسباب کو حقیر سمجھتا
ہے یہ سمجھ کر کہ عالم میں جو کچھ مؤثر ہے وہ اس کی قدرت وجوبیہ
ہے جو اختیار اور ارادہ سے اثر کرتی ہے اور اس کو اس بات
کا یقین ہوتا ہے کہ یہ اسباب عادیہ ہیں اس واسطے اس کی
کوشش ان امور کے حاصل کرنے میں سست ہو جاتی ہے
جن کے حاصل کرنے میں لوگ بے حد کوشش کرتے ہیں اور
جان لڑا دیتے ہیں پس اس کے نزدیک دنیا کا سونا اور پتھر یکساں
معلوم ہوتا ہے،

حاصل کلام یہ ہے کہ جب یقین کامل اور پائدار ہو جاتا ہے اور
ہمیشہ رہتا ہے حتی کہ کوئی چیز اسکو نہیں بدل سکتی نہ فقر نہ دولت اور
نہ عزت اور نہ ذلت تو اس سے بہت سے شعبے پیدا ہو جاتے ہیں
جنمیں سے ایک شکر ہے، اور شکر کے معنی یہ ہیں کہ اسکے اوپر جس قدر
نعمتیں ہیں خواہ ظاہری ہوں یا باطنی ہوں ان سب کو اپنے اللہ
کی طرف سے سمجھے اور ہر نعمت کے مقابل میں ایک محبت اپنے باری
کیلئے پیدا کرے اور اس کا شکر ادا کرنے سے اپنے آپ کو قاصر سمجھے
پس وہ اس میں مضمحل اور کھپتا پھرے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا سب سے پہلے جنت میں حمد کرنے والے بلائے جائیں گے جو تری
اور سختی میں خدا تعالی کی حمد کرتے ہیں:

میں کہتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالی کی حمد کرنا اس بات
کی دلیل ہے کہ اسکی عقل اور اسکا قلب اس یقین کے تابع ہے جو اسکو خدا تعالی
کے ساتھ ہے اور اسلئے کہ نعمتوں کی معرفت اور منعم حقیقی کیطرف سے انکا فیضان

المثالية والهياكل الاخروية فلا ينزل
معرفة تفاصيل النعم ورؤية فيضانها
من المنعم جل مجده من الدعاء المستجاب
فى قرع باب الجود، ولا يتم الشكر حتى يتنبه
بعجيب صنع الله به فيما مضى من عمره
كما روى عن عمر رضى الله عنه انه قال
فى انصرافه من حجته التى لم يحج بعدها
الحمد لله ولا اله الا الله يعطى من شاء ما
يشاء لقد كنت فى هذا الوادى يعنى ضجنان
ارعى ابلا للخطاب، وكان فظا غليظا
يتعبنى اذا عملت ويضربنى اذا قصرت
وقد اصبحت وامسيت وليس بينى و
بين الله احد اخشاه، ومنها التوكل وهو
ان يغلب عليه اليقين حتى يفتر سعيه
فى جلب المنافع ودفع المضار من قبل
الاسباب ولكن يمشى على ما سنه الله
تعالى فى عباده من الاكتساب من غير
اعتماد عليها، قال صلى الله عليه وسلم
يدخل الجنة من امتى سبعون الفا بغير
حساب هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون
ولا يكتوون وعلى ربهم يتوكلون ۔

اقول انما وصفهم النبى صلى الله
عليه وآله وسلم بهذا الاعلام بان اثر
التوكل ترك الاسباب التى نهى الشرع
عنها لا ترك الاسباب التى سنها الله تعالى
لعباده وانما دخلوا الجنة من غير
حساب لانه لما استقر فى نفوسهم معنى
التوكل اورث ذلك معنى ينفض عنها
سببية الاعمال العاصية عليها من حيث

سمجھنا انہیں ایسی قوت پیدا کرتا ہے جو عالم مثالی میں مؤثر ہوتی ہے جس سے
قوائے مثالیہ اور اشکال اخرویہ اثر قبول کرتے ہیں پس نعمتوں کی تفاصیل
کو جاننا اور ان کے فیضان کو منعم حقیقی جل مجدہ کی طرف سے سمجھنا جود الٰہی
کے دروازہ کو کھٹکھٹانے میں دعائے مستجاب سے کم درجہ نہیں رکھتا، اور
شکر کامل اس وقت ہوتا ہے جبکہ آدمی کو خدا تعالیٰ کے اس عجیب برتاؤ
پر تنبہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ گذشتہ عمر میں کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ اپنے اخیر حج سے واپس ہوئے
تو انہوں نے یہ پڑھا سب تعریف خدا کے لئے ہے اور خدا تعالیٰ کے
سوا کوئی اور معبود نہیں جس کو جو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے اس سے
پیشتر میں اسی جنگل ضجنان میں اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا
اور وہ بڑا سنگدل اور سخت آدمی تھا جب میں کام کرتا تھا تو مجھ کو
تھکا دیتا تھا اور جب میں کام میں کوتاہی کرتا تھا تو مجھ کو مارتا تھا،
اور میں اب صبح و شام ایسی حالت میں کرتا ہوں کہ میرے اور خدا
تعالیٰ کے درمیان کوئی ایسا شخص نہیں جس سے میں ڈرتا ہوں،

اور از آں جملہ توکل ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اس پر یقین
کا غلبہ اس قدر ہو کہ اسباب کی طرف سے منافع کے حاصل کرنے
اور نقصانات کے دور کرنے میں اس کی کوشش کم ہو لیکن وہ شخص
کسب کے ان طریقوں پر چلتا رہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں
کے لئے مقرر کئے ہیں اور ان اسباب پر اعتماد نہ کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "میری امت میں سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل
ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ منتر کو مانتے ہیں اور نہ فال کو مانتے
ہیں اور نہ داغ لگواتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں"

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے یہ اوصاف
اس لئے بیان فرمائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ توکل کا اثر ان اسباب
کو ترک کرنا ہے جن سے شارع نے ممانعت کی ہے نہ ان اسباب کا ترک
کرنا جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اور وہ
لوگ جنت میں بغیر حساب اس لئے داخل ہوں گے کہ جب انکے دلوں میں
توکل کے معنی ثابت ہو گئے تو اسکے سبب سے ان کے دلوں میں ایسی معنی پیدا
ہوئے جس سے ان اعمال کی سببیت جو انکے نفوس کو ابتلا پہنچاتی ہے

انہم ایقنوا بان لا مؤثر فی الوجود الا القدرۃ
الوجوبیۃ، ومنہا الہیبۃ وہی ان یستیقن
بعظم جلال اللہ حتی یتلاشی فی جنبہ کما
قال الصدیق اذ رأی طیرا وقع علی شجرۃ
فقال طوبی لک یا طیر واللہ لوددت
انی کنت مثلک تقع علی الشجر وتأکل من
الثمر ثم تطیر ولیس علیک حساب ولا
عذاب واللہ لوددت انی کنت شجرۃ الی جانب
الطریق مر علی جمل فاخذنی فادخلنی فاہ
فلاکنی ثم ازدردنی ثم اخرجنی بعرا ولم
اکن بشرا، ومنہا حسن الظن وہو معبر
عنہ فی لسان الصوفیۃ بالانس، و
ینشأ من ملاحظۃ نعم الحق والطافہ کما
ان الہیبۃ تنشأ من ملاحظۃ نقم الحق
وسطواتہ والمؤمن وان کان بنظرہ
الاعتقادی یجمع الخوف والرجاء لکن بحسب
مقامہ ربما یغلب علیہ الہیبۃ وربما یغلب
علیہ حسن الظن کمثل رجل قائم علی شفا
البئر العمیقۃ ترتعد فرائصہ وان کان
عقلہ لا یوجب خوفا، وکما ان حدیث
النفس بالنعم الہنیئۃ یفرح الانسان ان
کان عقلہ لا یوجب فرحا ولکن تشرب
الوہم فی ہاتین الحالتین خوفا وفرحا، و
قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن الظن
باللہ من حسن العبادۃ، وقال عن ربہ تبارک
وتعالی انا عند ظن عبدی بی :

اقول وذلک لان حسن الظن یہیئ
نفسہ لفیضان اللطف من بارئہ، ومنہا
التفرید وہو ان یستولی الذکر علی قواہ

ان سے دور ہو جاتی ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے یقین کر لیا کہ سوائے قدرت وجوبیہ کے عالم میں کوئی مؤثر نہیں، اور از انجملہ ہیبت ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی عظمت جلال کا یقین کرے یہاں تک کہ اسکے سامنے گھبراتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا جبکہ ایک پرند کو درخت پر بیٹھا دیکھا تو فرمانے لگے "خوشخبری ہو تیرے لئے اے پرند! خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ میں تجھ جیسا ہوتا تو کسی درخت پر بیٹھتا ہے اور اسکے پھل کھاتا ہے اور وہاں سے اڑ جاتا ہے نہ تجھ پر حساب ہے اور نہ عذاب، خدا کی قسم میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ کسی راستہ پر ایک درخت ہوتا اور کسی اونٹ کا مجھ پر گذر ہوتا اور وہ مجھ کو اپنے منہ میں رکھ لیتا اور چبا کر نگل جاتا پھر مینگنی کر کے پیٹ کے راستہ سے نکال دیتا اور میں بشر نہ ہوتا"

اور از انجملہ حسن ظن ہے اور اسکو صوفیہ کی اصطلاح میں اُنس کہتے ہیں اور یہ اُنس خدا تعالیٰ کے انعامات اور الطاف میں غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے جس طرح ہیبت عذاب الٰہی اور اس کی حکومت میں غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے، اور مؤمن اگرچہ اپنی نظر اعتقادی کی وجہ سے خوف اور امید دونوں کو دل میں رکھتا ہے لیکن اس کے حال اور مقام کے سبب کبھی اس پر ہیبت غالب ہو جاتی ہے اور کبھی حسن ظن غالب ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص بڑے گہرے کنوئیں کے کنارے کھڑا ہو تو اسکے ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں اگرچہ اس کی عقل خوف کی مقتضی نہیں ہے اور جیسے خوشگوار نعمتوں کو نفس کا یاد کرنا انسان کو خوش کرتا ہے اگرچہ اس کی عقل اسکی مقتضی نہیں ہے لیکن ان دونوں حالتوں میں وہم خوف اور فرحت پیدا کر دیتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھنا حسن عبادت سے ہے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا "میں اپنے بندے کے گمان کے موافق پیش آتا ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ حسن ظن اس کے نفس کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے لطف کا فیضان ہو، اور از انجملہ تفرید ہے، تفرید کے معنی یہ ہیں کہ اسکے قوائے ادراکیہ پر ذکر کا غلبہ ہو جائے یہاں تک کہ ایسا ہو جائے

الادراكية حتى يصير كأنه يرى الله تعالى عياناً
فتضمحل احاديث نفسه وينطفئ كثير من
لهيبها، قال صلى الله عليه وسلم سيروا
سبق المفردون هم الذين وضع عنهم
الذكر اثقالهم ؛

اقول اذا اخلص نور الذكر الى عقولهم
وتشبح التطلع الى الجبروت في نفوسهم
انزجرت البهيمية وانطفاء لهيبها ف
ذهبت اثقالها، ومنها الاخلاص وهو
ان يتمثل في عقله نفع العبادة لله تعالى
من جهة قرب نفسه من الحق كما قال
تبارك وتعالى ان رحمة الله قريب من
المحسنين او من جهة تصديق ما وعد
الله تعالى على السنة رسله من ثواب
الآخرة فينشأ منه الاعمال بداعية
عظيمة لا يشوبها رياء ولا سمعة ولا
موافقة عادة وينسحب هذا الحال على
جميع اعماله حتى الاعمال المباحة
العادية، قال الله تعالى وما امروا الا
ليعبدوا الله مخلصين له الدين، وقال
صلى الله عليه وسلم انما الاعمال بالنيات؛
ومنها التوحيد وله ثلاث مراتب احدها
توحيد العبادة فلا يعبد الطواغيت و
يكره عبادتها كما يكره ان يقذف في النار
والثانية ان لا يرى الحول والقوة الا
لله ويرى ان لا مؤثر في العالم الا القدرة
الوجوبية بلا واسطة ويرى الاسباب
العادية انما تنسب المسببات اليها مجازا
ويرى القدرة غالباً على ارادة الخلق، ف

کہ گویا خدا تعالیٰ کو ظاہر میں دیکھ رہا ہے پس اس کے دل کی
باتیں مٹ جائیں اور ان کا اکثر جوش بجھ جائے، نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا" چلو مفردون سبقت کر گئے یہ وہ لوگ
ہیں جن کے بوجھ کو ذکر نے دور کر دیا"

میں کہتا ہوں جبکہ ذکر کا نور عقلوں کی طرف خالص ہو جاتا
ہے اور ان کے نفوس میں جبروت کی طرف مطلع ہونے کا نقش لگ
جاتا ہے تو قوت بہیمی دب جاتی ہے اور اس کا شعلہ بجھ جاتا ہے اور
اس کا بوجھ دور ہو جاتا ہے، اور از انجملہ اخلاص ہے اور اس کے
یہ معنی ہیں کہ بسبب قریب ہونے اس کے نفس کے حق تعالیٰ کے
ساتھ اس کی عقل میں عبادت الٰہی کا نفع متمثل ہو جائے جیسا
کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے" بلاشک خدا تعالیٰ کی رحمت محسنین کے
قریب ہے" یا بسبب تصدیق کے کہ اللہ تعالیٰ نے
اپنے رسولوں کی زبان پر آخرت کے ثواب کا وعدہ
فرمایا ہے، پس ایک نہایت داعیہ کے ساتھ اس سے
ایسے اعمال صادر ہوتے ہیں جن میں نہ ریا و سمعہ کو
دخل ہے اور نہ موافقت عادت کو اور یہ حال اس کے
جمیع اعمال میں سرایت کر جاتا ہے حتیٰ کہ اعمال مباح
عادیہ میں بھی سرایت کر جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
" اور ان کو اسی کا حکم دیا گیا تھا کہ اس کے لئے دین کو خالص
کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں"، اور نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا" اعمال نیت سے ہیں"

اور از آنجملہ توحید ہے اور اس کے تین مرتبے ہیں
ایک توحید عبادت ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شیاطین کی پرستش
نہ کرے بلکہ ان کی عبادت کرنے سے ایسی نفرت کرے
جیسا کہ وہ آگ میں گرنے سے نفرت کرتا ہے، اور دوسرا
مرتبہ یہ ہے کہ تمام طاقت اور قوت خدا تعالیٰ کی طرف سے
سمجھے اور یقین کرے کہ بلا واسطہ سوائے قدرت وجوبیہ اور کوئی چیز عالم
میں مؤثر نہیں ہے اور اسباب کو عادی سمجھے اور یہ یقین کرے کہ مسببات
انکی طرف مجازاً منسوب ہوتی ہیں اور حکم الٰہی کو مخلوق کے ارادہ پر غالب سمجھے

والثالثة ان يعتقد تنزيه الحق عن مشاكلة
المحدثين ويرى اوصافه لا تماثل اوصاف
الخلق، ويصير الخبر في ذلك كالعيان، و
يطمئن قلبه بان ليس كمثله شيء من
حذو نفسه، ويتلقى اخبار الشرع بذلك
على بينة من ربه ناشئة من ذاته على
ذاته، ومنها الصديقية والمحدثية، و
حقيقتهما ان من الامة من يكون في اصل
فطرته شبيها بالانبياء بمنزلة التلميذ
الفطن للشيخ المحقق، فتشبهه ان كان
بحسب القوى العقلية فهو الصديق او
المحدث، وان كان تشبهه بحسب القوى
العملية فهو الشهيد والحواري، والى هاتين
القبيلتين وقعت الاشارة في قوله تعالى
والذين آمنوا بالله ورسله اولئك هم
الصديقون والشهداء، والفرق بين الصديق
والمحدث ان الصديق نفسه قريبة المأخذ
من نفس النبي كالكبريت بالنسبة الى
النار فكلما سمع من النبي صلى الله عليه
وسلم خبرا وقع في نفسه بموقع عظيم
وتلقاه بشهادة نفسه حتى صار كأنه
علم هاج في نفسه من غير تقليد، والى
هذا المعنى الاشارة فيما ورد من ان
ابا بكر الصديق كان يسمع دوي صوت
جبرئيل حين كان ينزل بالوحي على النبي
صلى الله عليه وسلم، والصديق تنبعث
من نفسه لا محالة محبة الرسول صلى
الله عليه وسلم اشد ما يمكن من الحب
فيندفع الى المواساة معه بنفسه وماله

اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو مخلوق کی مشابہت سے بالکل پاک
سمجھے اور اس کے اوصاف کو مخلوق کے اوصاف سے غیر مماثل
جانے اور ان باتوں کا سننا اس کے لئے بمنزلہ مشاہدہ کے ہو
اور اس کا قلب خود مطمئن ہو جائے کہ اس کے مثل کوئی شئی
نہیں اور اس امر میں شرع کے اخبار کو اپنے رب کی طرف سے دلیل
اور سند سمجھے جو اس کی ذات سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی کی
ذات سے قائم ہیں، اور از انجملہ صدیقیت اور محدثیت ہے
اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ امت میں سے بعض
اشخاص ایسے ہوتے ہیں جن کی اصل فطرت میں انبیاء کے
ساتھ مشابہت ہوتی ہے جیسے ذہین شاگرد کو کسی محقق استاذ
کے ساتھ نسبت ہوتی ہے پس اگر اس شخص کو قوائے عقلیہ
کے اعتبار سے تشبہ ہو تو وہ صدیق یا محدث ہے اور اگر اس
کو قوائے عملیہ کے اعتبار سے مشابہت ہے تو وہ شہید اور
حواری ہے اور انہی دونوں گروہوں کی طرف اس آیت میں
اشارہ ہے" اور جو لوگ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر
ایمان لائے وہی صدیق اور شہداء ہیں" اور صدیق اور محدث میں یہ
فرق ہے کہ صدیق کے نفس میں نبی سے اثر قبول کرنے کی نہایت درجہ
صلاحیت ہوتی ہے جیسے گندھک کو آگ کے ساتھ نسبت قریبہ ہے
پس وہ شخص جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خبر سنتا ہے تو اس
کے نفس میں اس بات کی نہایت وقعت ہوتی ہے اور اس کو
اولی شہادت سے قبول کر لیتا ہے یہانتک کہ یہ خبر ایک ایسا علم ہو
جاتا ہے جو بلا تقلید اس کے دل میں حاصل ہے اور اسی معنی
کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں جو وارد ہوئی ہے کہ
جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ پر وحی لاتے تھے
تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کی آواز کی گنگنا ہٹ
سنتے تھے، اور صدیق کے دل میں رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کی محبت جہانتک ممکن ہے ضرور پیدا ہوتی ہے
جس کی وجہ سے ہر حال میں وہ جان و مال سے سلوک
کرتا ہے، یہاں تک کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس کے

والموافقة له فی کل حال حتی یخبر النبی صلی
الله علیه وسلم من حاله انه امن الناس
علیه فی ماله وصحبته، وحتی یشهد له
النبی صلی الله علیه وسلم بانه لو امکن
ان یتخذ خلیلا من الناس لکان هو
ذلک الخلیل، وذلک لتعاقب ورود انوار
الوحی من نفس النبی صلی الله علیه وسلم
الی نفس الصدیق، فکلما تکرر التاثیر و
التاثر والفعل والانفعال حصل الفناء
والفناء. ولما کان کماله الذی هو غایته
المقصودة بصحبة النبی صلی الله علیه وسلم
واستماع کلامه لاجرم کان اکثرهم له
صحبة، ومن علامة الصدیق ان یکون
اعبر الناس للرؤیا، وذلک لما جبل علیه
من تلقی الامور الغیبیة بادنی سبب،
ولذلک کان النبی صلی علیه وسلم
یطلب التعبیر من الصدیق فی واقعات
کثیرة. ومن علامة الصدیق ان یکون
اول الناس ایمانا وان یؤمن بغیر
معجزة. والمحدث تبادر نفسه الی بعض
معادن العلم فی الملکوت فتأخذ منه
علوما مما هیأه الحق هنالک لیکون شریعة
للنبی صلی الله علیه وسلم ولیکون اصلاحا
لنظام بنی آدم وان لم ینزل الوحی بعد
علی النبی صلی الله علیه وسلم کمثل
رجل یری فی منامه کثیرا من الحوادث
التی اجمع فی الملکوت علی ایجادها، ومن
خاصة المحدث ان ینزل القرآن علی وفق
رأیه فی کثیر من الحوادث، وان یری النبی

حال سے خبر دیتے ہیں کہ وہ آپ پر اپنی جان و مال سے سب سے زیادہ احسان کرنے والا ہے اور یہانتک کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس کے لئے گواہی دیتے ہیں کہ لوگوں میں اگر خلیل بنانے کے قابل ہے تو وہ صدیق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کی طرف سے صدیق کے نفس کی طرف انوار وحی کا نزول پے در پے ہوتا ہے پس جس قدر تاثیر اور فعل و انفعال مکرر ہوتا ہے اس کو فنا اور فنا کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اور جبکہ اس صدیق کا کمال جو اس کا غایت مقصود ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے اور آپ کے کلام کے سننے سے حاصل ہوتا ہے تو وہ شخص آپ کی خدمت میں اور صحابہ کی بہ نسبت زیادہ رہتا ہے، اور صدیق کی علامت یہ ہے کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ خواب کی تعبیر دے سکتا ہو کیونکہ اس کی سرشت میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ وہ اول سبب سے امورِ غیبیہ کو حاصل کرتا ہے اور اسی سبب سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اکثر واقعات میں حضرت ابوبکر صدیق سے تعبیر لیا کرتے تھے، اور صدیق کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والا ہو اور بغیر معجزہ دیکھے ایمان لائے اور محدث کے نفس کو علم کے ان بعض خزائن کی طرف بہت جلد رسائی ہو جاتی ہے جو عالم ملکوت میں ہیں پس جس قدر خدا نے مخلوق کے لئے مہیا کیا ہے وہاں سے حاصل کرتا ہے تاکہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے شریعت ہو اور تاکہ بنی آدم کے نظام کے لئے اصلاح ہو اگرچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ہنوز وحی نہ نازل ہوئی ہو جیسے کوئی شخص اپنے خواب میں بہت سے وہ امور دیکھتا ہے جن کی ایجاد پر عالم ملکوت میں اجماع ہو چکا ہے،

اور محدث کے خواص سے یہ بات ہے کہ بہت سے حوادث میں اس کی رائے کے موافق قرآن نازل ہوتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنے خواب

صلی اللہ علیہ وسلم فی منامہ انہ اعطاہ اللبن بعد ریہ، والصدیق اولی الناس بالخلافۃ لان نفس الصدیق تصیر وکرا لعنایۃ اللہ بالنبی ونصرتہ لہ وتاییدہ ایاہ حتی یصیر کان روح النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ینطق بلسان الصدیق وھو قول عمر حین دعا الناس الی بیعۃ الصدیق، فان یک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد مات فان اللہ قد جعل بین اظھرکم نورا تھتدون بہ ھدی اللہ محمدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وان ابابکر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثانی اثنین وانہ اولی الناس باموركم فقوموا فبایعوا، ثم المحدث بعد ذلک اولی الناس بالخلافۃ، وذلک قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر، وقولہ تعالی والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون، وقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لقد کان فیمن قبلکم محدثون فان یکن فی امتی احد فعمر ؛

ومن الاحوال المتعلقۃ بالعقل التجلی قال سھل التجلی علی ثلاثۃ احوال تجلی ذات وھی المکاشفۃ، وتجلی صفات الذات وھی مواضع النور، وتجلی حکم الذات وھی الآخرۃ وما فیھا فمعنی المکاشفۃ غلبۃ الیقین حتی یصیر کانہ یراہ ویبصرہ ویبقی ذاھلا عما عداہ کما قال صلی اللہ علیہ وسلم الاحسان ان

میں یہ دیکھتے ہیں کہ خود سیر ہونے کے بعد اپنا دودھ اس کو دیا ہے اور صدیق سب لوگوں سے زیادہ خلافت کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ صدیق کا نفس اس عنایت الٰہی کا اور اس نصرت اور تائید کا جو نبی کے لئے ہوتی ہے آشیانہ ہوتا ہے یہانتک کہ وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح صدیق کی زبان سے کلام کرتی ہے چنانچہ حضرت عمر نے لوگوں کو جب ابوبکر صدیق کی بیعت کے لئے بلایا تو یہ کہا کہ اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا ہے تو تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم میں ایک ایسا نور پیدا کر دیا ہے جس سے تم رہبری حاصل کر سکتے ہو، خدا تعالےٰ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی اور ابوبکر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحب اور غار کے رفیق ہیں اور تمہارے امور کے لئے سب سے بہتر ہیں لہذا ان سے بیعت کرو۔ صدیق کے بعد سب سے زیادہ خلافت کے قابل محدث ہوتا ہے اسی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پیروی کرو ان دو شخصوں کی جو میرے بعد ہوں گے ابوبکر اور عمر" اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "اور جو شخص کہ سچ کو لایا اور اس کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں متقی" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم لوگوں سے پہلی امتوں میں محدث لوگ ہوا کرتے تھے پس میری امت میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے"

عقل کے ساتھ جو احوال متعلق ہیں ان میں سے ایک تجلی ہے، سہل فرماتے ہیں کہ تجلی کی تین حالتیں ہیں ایک تجلی ذات ہے اور وہ مکاشفہ ہے اور ایک تجلی صفات الذات ہے اور وہ نور کے مواضع ہیں، اور ایک تجلی حکم الذات ہے اور وہ آخرت اور وہاں کی چیزیں ہیں، اور مکاشفہ کے معنی یقین کا غالب ہونا ہے یہانتک کہ اس کی یہ حالت ہو جائے کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور ماسوا سے اس کو غفلت ہو جائے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" احسان یہ ہے کہ

بد اللہ كأنك تراه اما مشاهدة العيان
هو في الأخرة لافي الدنيا، وقوله تجلي
فات الذات يحتمل وجهين احدهما
ن يراقب افعاله في الخلق ويستحضر صفاته
غلب يقين قدرة الله عليه فيغيب عن
سباب ويسقط عنه الخوف والتسبب
يغلب عليه علمه تعالى به فيبقي خاضعا
عوبا مدهوشا كما قال صلى الله عليه
سلم فان لم تكن تراه فانه يراك وهي
واضع النور بمعنى ان النفس تتنور بانوار
عددة تنقلب من نور الى نور ومن
اقبة الى مراقبة بخلاف تجلي الذات
لا تعدد هناك ولا تحول، وثانيهما ان
ي صفة الذات بمعنى فعلها وخلقها
مركن من غير توسط الاسباب الخارجية
مواضع النور هي الاشباح المثالية النورا
ي تتراءى للعارف عند غيبة حواسه
ن الدنيا، ومعنى تجلي الأخرة ان يعاين
مجازاة ببصر بصيرته في الدنيا والأخرة
يجد ذلك من نفسه كما يجد الجائع الم
رعة والظمآن المعطشة، فمثال الاول
ل عبد الله بن عمر حين سلم عليه
نسان وهو في الطواف فلم يرد عليه
سلام فشكا الى بعض اصحابه فقال
ن عمر كنا نتراءى الله في ذلك
مكان. وهذه الحالة نوع من الغيبة
نوع من الفناء، وذلك لان كل لطيفة
ن اللطائف الثلاث لها غيبة وفناء
غيبة العقل وفناؤه سقوط معرفة

تو خدا تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے لیکن آنکھوں سے مشاہدہ کرنا آخرت میں ہی ہوگا دنیا میں ممکن نہیں ہے اور یہ جو کہا ہے کہ صفات الذات کی تجلی تو اس میں دو احتمال ہے ایک یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے ان افعال میں غور کرے جو مخلوق میں پائے جاتے ہیں اور اس کی صفات کو پیش نظر کرے جس کی وجہ سے قدرت الٰہی کا یقین اس پر غالب ہو جاتا ہے اور اسباب سے غفلت ہو جاتی ہے اور خوف اور تسبب اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور اس پر یہ بات غالب ہو جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو جانتا ہے پس یہ شخص نہایت خضوع کی حالت میں مدہوش اور مرعوب رہتا ہے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر یہ تصور نہ ہو کہ تو اس کو دیکھتا ہے تو یہ سمجھ کہ وہ تجھ کو دیکھتا ہے" اور یہ نور کے مواضع اس معنی کرکے ہیں کہ نفس انوار متعددہ سے منور ہو کر ایک نور سے دوسرے نور کی طرف اور ایک مراقبہ سے دوسرے مراقبہ کی طرف منقلب ہوتا ہے بخلاف تجلی ذات کے کہ وہاں پر نہ تعدد ہے اور نہ تغیر، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صفت ذات کا اس طرح خیال کرے کہ بلا واسطہ اسباب خارجیہ کے محض امر کن سے ذات واجبی سے تمام افعال اور تمام مخلوقات پیدا ہوتی ہیں، اور مواضع نور وہ اشباہ مثالیہ نور یہ ہیں جو عارف کو دنیا سے بوقت غیبت حواس دکھائی دیتے ہیں، اور تجلی آخرت کے یہ معنی ہیں کہ دنیا و آخرت میں جزا و سزا کا بصیرت قلبی سے معائنہ کرے اور اسکو اپنے دل میں اس طرح پائے جس طرح بھوکے کو بھوک کی اور پیاسے کو پیاس کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ پس اول کی مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے انکو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا پس اس شخص نے انکے بعض اصحاب سے شکایت کی تو حضرت ابن عمر نے فرمایا ہم اس جگہ خدا تعالیٰ کا معائنہ کر رہے تھے اور یہ حالت ایک قسم کی غیبت اور ایک قسم کی فنا ہے کیونکہ لطائف ثلثہ میں سے ہر لطیفہ کیلئے ایک غیبت اور فنا ہوتی ہے پس عقل کی غیبت اور فنا یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی شنا

الاشياء شغلا بربه، وغيبة القلب و فناؤه سقوط محبة الغير والخوف منه وغيبة النفس وفناؤها سقوط شهوات النفس وانجماهاعن الالتذاذ بالشهوات ومثال الثانى ما قال الصديق وغيره من اجلاء الصحابة الطبيب امرضنى و مثال الثالث رؤية الانصار ظلة فيها امثال المصابيح، وما روى انه خرج رجلان من اصحاب النبى صلى الله عليه وآله وسلم من عند النبى صلى الله عليه وسلم فى ليلة مظلمة ومعهما مثل المصباحين بين ايديهما فلما افترقا صار مع كل واحد منهما واحد حتى اتى اهله، وما ورد فى الحديث ان النجاشى كان يرى عند قبره نور ۞

ومثال الرابع قول حنظلة الاسيدى لرسول الله صلى الله عليه وسلم تذكرنا بالنار والجنة، عن حنظلة الربيع الاسيدى قال لقينى ابوبكر فقال كيف انت يا حنظلة؟ قلت نافق حنظلة قال سبحان الله ما تقول؟ قلت نكون عند رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكرنا بالجنة والنار كأنا رأى العين فاذا خرجنا من عند رسول الله صلى الله عليه وسلم عافسنا الازواج والاولاد والضيعات نسينا كثيرا قال ابو بكر فوالله انا لنلقى مثل هذا، فانطلقت انا وابوبكر حتى دخلنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت نافق حنظلة يا

مشغول ہونے کے سبب تمام چیزوں کی معرفت ساقط ہو جائے اور قلب کی غیبت اور فنا یہ ہے کہ نہ غیر سے محبت رہے نہ خوف، اور نفس کی غیبت اور فنا یہ ہے کہ شہوات نفسانیہ ساقط ہو جائیں اور لذت حاصل کرنے سے باز رہے، اور دوسرے کی مثال وہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیق اور جلیل القدر صحابہ نے فرمایا ہے طبیب نے مجھ کو مریض کر دیا اور تیسرے کی مثال یہ ہے کہ انصاری صحابی نے ایک سائبان دیکھا جس میں مشعلوں کی صورتیں تھیں اور وہ جو مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دو صحابی شب تاریک میں چلے اور ان کے ساتھ دو چراغ سے آگے آگے چلتے تھے پس جب وہ علیحدہ ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک چراغ ہو گیا یہانتک کہ وہ اپنے گھر تک پہنچ گئے اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ نجاشی کے قبر کے پاس ایک نور دکھائی دیتا تھا اور چوتھے کی مثال حنظلہ اسیدی کا وہ قول ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ آپ ہم کو جنت و نار سے ڈراتے ہیں، حنظلہ ربیع الاسیدی سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ مجھ کو ملے انہوں نے فرمایا اے حنظلہ! کیا حال ہے؟ میں نے کہا حنظلہ تو منافق ہو گیا، حضرت ابوبکر نے فرمایا سبحان اللہ تم کیا کہتے ہو!! میں نے عرض کیا ہم رسول اللہ صلعم کے پاس بیٹھتے ہیں وہ ہم کو جنت و نار کا حال بیان فرماتے ہیں تو گویا ہم انکو آنکھوں سے دیکھنے لگتے ہیں پھر جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو بیوی، بچوں اور مال و اسباب میں مصروف ہو جاتے ہیں اور بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں، حضرت ابوبکر نے فرمایا خدا کی قسم ایسا حال ہمارا بھی ہوتا ہے پس میں اور حضرت ابوبکر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچے تب میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، حنظلہ تو منافق ہو گیا

رسول الله قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
ذاك؟ قلت يا رسول الله نكون عندك
كرنا بالنار والجنة كأنا رأي عين فاذا
رجنا من عندك عافسنا الازواج والاولاد
ضيعات نسينا كثيرا فقال رسول الله
الله عليه وسلم والذي نفسي بيده لوتدومون
ما تكونون عندي وفي الذكر لصافحتكم
لائكة على فرشكم وفي طرقكم ولكن يا
نظلة ساعة وساعة ثلاث مرات فاشار
الله عليه وسلم الى ان الاحوال لا تدوم
ثال ايضا ما رأى عبد الله بن عمر في رؤياه
الجنة والنار، ومنها الفراسة الصادقة و
خاطر المطابق للواقع، قال ابن عمر
سمعت عمر يقول لشئ قط اني لاظنه
الا كان كما يظن؛

ومنها الرؤيا الصالحة وكان صلى الله عليه
سلم يعتني بتعبير رؤيا السالكين حتى روى
كان يجلس بعد صلاة الصبح ويقول من
ى منكم رؤيا فان قصها احد عبر ما شاء
، واعني بالرؤيا الصالحة رؤية النبي صلى
عليه وسلم في المنام، ورؤية الجنة و
ر ورؤية الصالحين والانبياء عليهم السلام
رؤية المشاهد المتبركة كبيت الله
رؤية الوقائع الاتية تقع كما يرى او
ضية على ما هي عليه ورؤية ما ينبهه
تقصيره بان يرى غضبه في صورة كلب
ضه ورؤية الانوار والطيبات من الرزق
رب اللبن والعسل والسمن ورؤية
ملائكة، والله اعلم؛

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا، یا رسول
اللہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور جنت ونار کا حال آپ
ہم کو سناتے ہیں تو گویا ہم اس کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر
جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو اہل وعیال اور مال
واسباب میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں
تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے
ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم ہمیشہ اسی حالت پر رہو جو تمہاری میرے
پاس ہوتی ہے اور ذکر کرتے وقت ہوتی ہے تو تمہارے بستروں پر
اور راستوں میں تم سے فرشتے مصافحہ کیا کریں لیکن اے حنظلہ یہ
بات کبھی کبھی ہوتی ہے آپنے یہ تین مرتبہ فرمایا، پس نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ احوال قائم اور دائم نہیں
رہتے، اور اس کی ایک مثال وہ بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ
نے خواب میں جنت ودوزخ کا معائنہ کیا تھا، اور ازانجملہ فراست
صادقہ اور گمان مطابق واقع ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا
جب میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی بارے میں یہ سنا کہ میرا
اس کی نسبت یہ گمان ہے تو وہ بات ان کے گمان کے مطابق ہی
ہوتی تھی، اور ازانجملہ خواب صالح ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
سالکین کے خواب کی تعبیر دینے میں اہتمام فرمایا کرتے تھے یہاں تک
کہ روایت ہے آپ نماز صبح کے بعد بیٹھ جاتے تھے اور پوچھا کرتے
تھے تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے پس اگر کوئی بیان کرتا تو جو خدا
کو منظور ہوتا آپ تعبیر دیتے، اور صالح خواب سے مراد نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کو خواب میں دیکھنا ہے یا جنت ونار کو دیکھنا ہے یا صالحین اور
انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا ہے یا متبرک مقامات کو دیکھنا ہے جیسے خانہ کعبہ یا
آئندہ آنے والے حوادث کو دیکھنا ہے کہ جس طرح وہ انکو دیکھتا ہے اسی طرح
وہ واقع ہوتے ہیں یا امور ماضیہ کو اسی طرح دیکھنا جس طرح ان کا وقوع
ہوا ہے یا اس چیز کو دیکھنا ہے جو اس کی تقصیر وکوتاہی پر متنبہ
کرتی ہے جیسے اپنے غصہ کو کتے کی شکل میں دیکھنا کہ اس کو کاٹتا ہے
یا انوار اور اچھے کھانے پینے کو دیکھنا جیسے دودھ اور شہد اور گھی
کا پینا یا ملائکہ کو دیکھنا ہے۔ واللہ اعلم؛

ومنها وجدان حلاوة المناجاة وانقطاع
حديث النفس، قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم من صلى ركعتين لا يحدث فيهما نفسه
غفر له ما تقدم من ذنبه، ومنها المحاسبة
وهي ابتولد من بين العقل لتنور بنور الايمان
والعمل الذي هو اول مقامات القلب، قال
صلى الله عليه وسلم الكيس من دان نفسه
وعمل لما بعد الموت، وقال عمر رضي الله
عنه في خطبته حاسبوا انفسكم قبل ان تحاسبوا
وزنوها قبل ان توزنوا وتزينوا للعرض الاكبر
على الله تعالى يومئذ تعرضون لا تخفى
منكم خافية، ومنها الحياء وهو غير الحياء
الذي هو من مقامات النفس ويتولد
من رؤية عزة الله تعالى وجلاله مع ملاحظة
عجزه عن القيام بحقه وتلبسه بالادناس
البشرية، قال عثمان رضي الله عنه اني لاغتسل
في البيت المظلم فانطوي حياء من الله تعالى؛
واما المقامات المتعلقة بالقلب فاولها
الجمع وهو ان يكون امر الآخرة هو المقصود
الذي يهتم به، ويكون امر الدنيا هينا عنده
لا يقصده ولا يلتفت اليه الا بالعرض من
جهة ان يكون بلغة له الى ما هو بسبيله
والجمع هو الذي يسميه الصوفية بالارادة
قال صلى الله عليه وسلم من جعل همه هما
واحدا هم الآخرة كفاه الله همه ومن تشعبت
به الهموم لم يبال الله في اي اودية هلك؛
اقول همة الانسان لها خاصية مثل
خاصية الدعاء في قرع باب الجود بل هي
مخ الدعاء وخلاصته، فاذا تجردت همته

اور از انجملہ مناجات کی حلاوت کا پانا اور وساوس نفسانی
کا منقطع ہونا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو
دو رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ اس کے نفس میں وسوسہ نہ پیدا
ہو تو اس کے سب پہلے گناہ بخشے گئے"، اور از انجملہ محاسبہ ہے اور
عقل منور بنور ایمان اور اس ارادہ کے مابین سے پیدا ہوتا ہے
قلب کا پہلا مقام ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دانا
وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو مطیع کرے اور موت کے بعد کے
عمل کرے" اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں
اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اپنے نفسوں سے حساب
لے لو اور پہلے اس سے کہ وزن کیا جائے تم ان کا وزن کر لو
خدا تعالے کے سامنے جو بڑی پیشی ہونے والی ہے اس کے لئے آراستہ
ہو جاؤ جس روز کہ تم پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات
اس پر مخفی نہ رہے گی، اور از انجملہ حیا ہے اور یہ حیا اس
کا غیر ہے جو نفس کے مقامات سے ہے اور خدا تعالیٰ کی عزت
جلال دیکھنے سے مع اس بات کے ملاحظہ کے کہ میں ادائے شکر
عاجز ہوں اور ادناس بشریہ میں گرفتار ہوں پیدا ہوتی ہے
عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں خدا سے حیا کرنے
سو تاریک مکان میں غسل کرتا ہوں اور کپڑا لپیٹ لیتا ہوں
جو مقامات قلب سے متعلق ہیں ان میں پہلا مقام جمع ہے اور
معنی یہ ہیں کہ امر آخرت ہی اس کے نزدیک مقصود اور مہتم بالشان
دنیا کے معاملات اسکی نظر میں ذلیل ہوں ان کا نہ قصد کرتا ہو ا
ان کی طرف التفات ہو مگر بجز اس صورت کے کہ جس کے ذریعے
یہ معاملات اس تک ذریعہ ہوں اور جمع اسی مقام کا نام ہے
صوفیہ ارادہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم
فرمایا "جو شخص اپنی فکر کو ایک فکر کر لے یعنی آخرت کی فکر کر
تو خدا تعالے اسکی فکر کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور جسکو مختلف
ہوتے ہیں تو خدا تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کس جنگل
وہ ہلاک ہوا"
میں کہتا ہوں انسان کے ارادہ کو جود الٰہی کے دروازہ کو

دینے میں دعاء کی سی خاصیت ہے بلکہ وہ دعاء کا مغز اور اس کا خلاصہ ہے پس جب انسان کی ہمت مرضیات حق کے

رضيات الحق كفاه الله تعالى فاذا حصل جمع
همته وداظب على العبودية ظاهرا وباطنا
ى ذلك فى قلبه محبة الله ومحبة رسوله
لا يزيد بالمحبة الايمان بان الله تعالى مالك
الملك وان الرسول صادق مبعوث من قبله
الخلق فقط بل هى حالة شبيهة بحالة
ظمان بالنسبة الى الماء والجائع بالنسبة
الطعام، وتنشأ المحبة من امتلاء العقل
كر الله تعالى والتفكر فى جلاله وترشح نور
يمان من العقل الى القلب وتلقى القلب
ك النور بقوة مجبولة فيه، قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم ثلاث من كن فيه
جد حلاوة الايمان من كان الله ورسوله
حب اليه مما سواهما الحديث، وقال
الله عليه وسلم فى دعائه اللهم اجعل حبك
حب الى من نفسى وسمعى وبصرى واهلى
الى ومن الماء البارد، وقال لعمر لا تكون
مؤمنا حتى اكون احب اليك من نفسك
قال عمر والذى انزل عليك الكتاب
نت احب الى من نفسى التى بين جنبى
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان يا عمر تم ايمانك. وعن انس
قال سمعت رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول لا يؤمن احدكم حتى
يكون احب اليه من ولده ووالده
والناس اجمعين ⁂

اقول اشار النبى صلى الله عليه وسلم
الى ان حقيقة الحب غلبة لذة اليقين
العقل ثم على القلب والنفس حتى يقوم

خالص ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ ہر بات میں اس کے لئے کافی ہو جاتا
ہے پس جب اس کی ہمت پختہ ہو جاتی ہے اور وہ ظاہر میں
اور باطن میں عبودیت پر مداومت کرتا ہے تو اس کا یہ نتیجہ
ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی
محبت ہو جاتی ہے اور اس محبت سے صرف اس بات کے یقین میں ہی زیادتی
نہیں ہوتی کہ خدا تعالیٰ مالک الملک ہے اور اس کا رسول سچا ہے اور وہ
خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف مبعوث ہے بلکہ وہ محبت
ایسی حالت ہے جیسے پیاسے کو پانی کے ساتھ اور بھوکے کو
کھانے کے ساتھ ایک نسبت ہوتی ہے اور یہ محبت ذکر الٰہی سے
عقل کے پُر ہونے سے اور اس کے جلال میں فکر کرنے سے اور عقل کی
قلب کی طرف نور ایمان کے مترشح ہونے سے اور قلب کے اس نور
کو بذریعہ اس قوت کے جو قلب کے اندر پیدا کی گئی ہے قبول کرنے
سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس
شخص کے اندر یہ تین خصلتیں ہوتی ہیں وہ ایمان کی لذت پاتا
ہے وہ شخص جس کو خدا اور اس کا رسول سب سے زیادہ پیارا ہو،
الحدیث" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں کہا کہ "اے
اللہ تعالیٰ تو اپنی محبت کو میرے دل میں میری جان اور سمع
اور بصر اور میرے مال اور میرے اہل اور سرد پانی سے زیادہ
عزیز کر دے" اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "جب تک میں
تجھ کو تیری جان سے زیادہ محبوب نہوں تو مؤمن نہیں ہے حضرت عمرؓ نے
عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل کی آپ میری
اس جان سے زیادہ عزیز ہیں جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے تب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل
ہوا" اور حضرت انس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے "تم میں سے کوئی شخص
ایمان والا نہیں ہو سکتا جبتک کہ میں اس کو اس کی اولاد اور اس کے
باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں"۔

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا
کہ محبت کی حقیقت لذت یقین کا عقل پر اور پھر قلب اور نفس پر غالب ہونے کا

مقام مشتہی القلب فی مجری العادة من حب الولد والاهل والمال، وحتی یقوم مقام مشتہی النفس من الماء البارد بالنسبة الی العطشان، فاذا کان کذلك فهو الحب الخاص الذی یعد من مقامات القلب قال صلی اللہ علیه وسلم من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءه ؞

اقول جعل النبی صلی اللہ علیه وسلم میل المؤمن الی جناب الحق وتعطشه الی مقام التجرد من جلباب البدن وطلبه التخلص من مضایق الطبیعة الی فضاء القدس حیث یتصل الی ما لا یوصف بالوصف علامة لصدق محبته لربه، قال الصدیق رضی اللہ عنه من ذاق خالص محبة اللہ تعالی شغله ذلك عن طلب الدنیا واوحشه عن جمیع البشر

اقول قوله هذا غایة فی الکشف من آثار المحبة فاذا تمت محبة المؤمن لربه ادی ذلك الی محبة اللہ له، ولیس حقیقة محبة اللہ لعبده انفعاله من العبد تعالی عن ذلك علوا کبیرا، ولکن حقیقتها المعاملة معه بما استعد له، فکما ان الشمس تسخن الجسم الصقیل اکثر من تسخینها لغیره وفعل الشمس واحد فی الحقیقة ولکنه یتعدد بتعدد استعداد القوابل، کذلك اللہ تعالی عنایة بنفوس عباده من جهة صفاتهم وافعالهم، فمن اتصف منهم بالصفات الخسیسة التی یدخل بها فی اعداد البهائم

قلب کی ان خواہشوں کے قائم مقام ہوجاتی ہے جو قلب کو عادۃً مرغوب ہوتی ہیں جیسے اولاد اور بیوی اور مال کی محبت اور یہاں تک کہ وہ نفس کی خواہشات کے قائم مقام ہوجاتی ہے جیسے پیاسے کو پانی کی خواہش، پس جب ایسی حالت ہوجاتی ہے تو یہ وہ محبت خاص ہوتی ہے جو مقامات قلب سے شمار کیجاتی ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص خدا تعالےٰ سے ملنا چاہتا ہے تو خدا تعالیٰ اس سے ملنا چاہتا ہے"

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف مؤمن کے میلان کو اور حجاب بدنی سے تجرد کے مقام کی طرف اس کے اشتیاق کو اور طبیعت کی قید سے فضائل قدس کی طرف ربانی کے طالب ہونے کو جہاں وہ ایسی چیزوں سے متصل ہوتا ہے جو بیان میں نہیں آسکتیں اپنے رب کے ساتھ صدق اور محبت کی علامت گردانا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالےٰ کے ساتھ خالص محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے تو وہ محبت طلب دنیا سے اس کو روکتی ہے اور تمام لوگوں سے اس کو نفرت دلاتی ہے،

میں کہتا ہوں حضرت ابوبکرؓ کا یہ قول آثار محبت کا نہایت درجہ بیان ہے پس جب مؤمن کو اپنے رب سے پوری محبت ہوجاتی ہے تو خدا تعالےٰ کو اس سے محبت ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت جو بندہ سے ہوتی ہے اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ بندہ سے متاثر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے بلکہ اس محبت کی حقیقت اللہ تعالیٰ کا اس بندہ کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا ہے جس کی وہ قابلیت رکھتا ہے پس جس طرح آفتاب کی تاثیر یہ ہے کہ وہ شفاف جسم کو بہ نسبت اور اجسام کے زیادہ گرم کرتا ہے حالانکہ آفتاب کا فعل حرارت برابر ہے لیکن اجسام کی استعداد کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس کا فعل بھی مختلف ہوجاتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں پران کے افعال اور صفات کی وجہ سے ایک عنایت اور توجہ ہے پس جو شخص ان صفات رذیلہ سے متصف ہے جس کو انسان بہائم میں داخل ہوجاتا ہے۔

فعل ضوء الشمس الاحدية فيه ما يناسب
استعداده، ومن اتصف بالصفات الفاضلة
التي يدخل بسببها في اعداد الملأ الاعلى
فعل ضوء شمس الاحدية فيه نوراً وضياءً
حتى يصير جوهراً من جواهر حظيرة القدس
وانسحب عليه احكام الملأ الاعلى، فعند
ذلك يقال احبه الله لان الله تعالى فعل
معه فعل المحب بحبيبه ويسمى العبد
حينئذ وليا، ثم محبة الله لهذا العبد
تحدث فيه احوالا بينها النبي صلى الله عليه
وآله وسلم اتم بيان، فمنها نزول القبول
له في الملأ الاعلى ثم في الارض، قال صلى
الله عليه وسلم اذا احب الله تعالى عبداً
نادى جبريل اني احب فلانا فاحبه فيحبه
جبريل، ثم ينادي جبريل في السموات
ان الله تعالى احب فلانا فاحبوه فيحبه
اهل السموات ثم يوضع له القبول في
الارض ؛

اقول اذا توجهت العناية الالهية
الى محبة هذا العبد انعكست محبته الى
الملأ الاعلى بمنزلة انعكاس ضوء الشمس
في المرايا الصقيلة، ثم الهم الملأ السافل
محبته، ثم من استعد لذلك من اهل
الارض كما تتشرب الارض الرخوة
الندى من بركة الماء، ومنها خذلان
اعدائه، قال صلى الله عليه وسلم عن
ربه تبارك وتعالى من عادى لي وليا فقد
اذنته بالحرب ؛

اقول اذا انعكست محبته في مرايا

تو آفتاب احدیت کی روشنی اس کی استعداد کے مناسب اس میں
عمل کرتی ہے، اور جو شخص ان صفات حمیدہ سے موصوف
ہے جو انسان کو ملاء اعلیٰ میں داخل کر دیتے ہیں تو آفتاب احدیت
کی روشنی اس میں وہ نور اور ضیاء پیدا کر دیتی ہے جس سے وہ
منجملہ جواہر حظیرۃ القدس کے ایک جوہر ہو جاتا ہے اور اس
پر ملاء اعلیٰ کے احکام جاری ہوتے ہیں پس اس وقت کہا
جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس سے محبت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
اس سے وہ برتاؤ کیا جو محب اپنے حبیب سے کرتا ہے اور اس
وقت اس بندہ کو ولی کہا جاتا ہے پھر خدا تعالیٰ کی محبت اس
بندہ میں چند حالات پیدا کرتی ہے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
خوب بیان فرمایا ہے، از انجملہ یہ ہے کہ وہ شخص ملاء اعلیٰ میں پھر
زمین میں مقبول ہو جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب
اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو ندا
فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اس کو دوست
رکھو پھر جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر تمام آسمانوں
پر جبرئیل ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دوست رکھتا
ہے پس تم بھی اس کو دوست رکھو پس تمام آسمان والے اسکو دوست
رکھتے ہیں پھر اس کی قبولیت زمین میں ہو جاتی ہے"

میں کہتا ہوں جب عنایت الٰہی اس بندہ کی طرف متوجہ
ہوتی ہے تو ملاء اعلیٰ کی طرف اس کی محبت منعکس ہوتی ہے جس طرح آفتاب
کی شعاعیں شفاف آئینوں میں منعکس ہوتی ہیں پھر ملاء سافل
کو اس کی محبت کا الہام ہوتا ہے پھر زمین والوں میں سے جس
میں اس بات کی قابلیت ہوتی ہے اس کے دل میں اسکی محبت
کا القاء ہوتا ہے جس طرح نرم زمین پانی کے حوض سے تری کو چوستی
ہے، اور از انجملہ اس کے دشمنوں کا رسوا ہونا ہے چنانچہ نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا
ہے "جس نے میرے ولی سے عداوت کی پس میں اس کو
اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں"

میں کہتا ہوں جب بندہ کی محبت عالم بالا کے نفوس میں

نفوس الملأ الاعلیٰ ثم خالفها مخالف من اهل الارض احست الملأ الاعلیٰ بتلك المخالفة كما يحس احدنا حرارة الجمرة اذا وقعت قدمه عليها، فخرجت من نفوسهم اشعة تحيط بهذا المخالف من تبيد النفرة والشنآن فعند ذلك يخذل ويضيق عليه ويلهم الملأ السافل واهل الارض ان يسيئوا اليه وذلك حربه تعالىٰ اياه؛

ومنها اجابة سؤاله واعاذته مما استعاذ منه، قال صلى الله عليه وسلم عن ربه تبارك وتعالىٰ وان سألني لاعطينه وان استعاذني لاعيذنه؛

اقول وذلك لدخوله فی حظيرة القدس حيث يقضى بالحوادث فدعاؤه واستعاذته يرتقي هناك ويكون سببا لنزول القضاء، وفي آثار الصحابة شيء كثير من باب استجابة الدعاء، من جملة ذلك ما وقع لسعد حين دعا علی ابي سعدة اللهم ان كان عبدك هذا كاذبا قام رياء وسمعة فاطل عمره واطل فقره وعرضه للفتن فكان كما قال، وما وقع لسعيد حين دعا علی اروى بنت اوس اللهم ان كانت كاذبة فاعم بصرها واقتلها في ارضها فكان كما قال، ومنها فناؤه عن نفسه وبقاؤه بالحق، وهو المعبر عنه عند الصوفيه بغلبة كون الحق علی كون العبد، قال صلى الله عليه وسلم عن ربه

جو بمنزلہ آئینوں کے ہیں منعکس ہوتی ہے پھر اہل زمین میں سے کوئی شخص اس کی مخالفت کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ اس مخالفت کو محسوس کر لیتے ہیں جس طرح ہم میں سے کوئی شخص اس انگارے کی حرارت محسوس کر لیتا ہے جبکہ اس کا قدم اس پر پڑ جاتا ہے پس ان کے نفوس سے ایک شعاع از قبیل نفرت و عداوت نکل کر اس مخالف کو گھیر لیتی ہے اس وقت میں وہ شخص ذلیل و خوار ہو جاتا ہے اور زندگی اس پر تنگ ہو جاتی ہے اور ملاء سافل اور اہل زمین کے دلوں میں اس بات کا القاء ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بری طرح پیش آئیں پس اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے یہی معنی ہیں،

اور از انجملہ یہ ہے کہ اس شخص کی دعا قبول کی جاتی ہے اور جس سے وہ پناہ مانگتا ہے اس سے اس کو پناہ دیجاتی ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا "اگر میرا بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ اس شخص کا حظیرۃ القدس میں داخل ہو جانا ہے جہاں سے حوادث کا حکم دیا جاتا ہے پس اس شخص کی دعا اور پناہ کی درخواست حظیرۃ القدس کیطرف چڑھتی ہے اور قضاء الٰہی کے نازل ہونیکا سبب ہوتی ہے، صحابہ کے آثار میں استجابت دعا کے باب میں بہت کچھ منقول ہے از انجملہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت سعدؓ نے ابو سعدہ پر یہ بد دعا کی کہ اے اللہ تو اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہو ریا اور سمعہ کیلئے کھڑا ہوا ہے تو اسکی عمر دراز کر اور اسکی غربت کو زیادہ کر اور اس پر فتنے ڈالدے، پس جیسا انہوں نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا، اور ایک دفعہ حضرت سعید نے اروی بنت اوس پر یہ بد دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ اگر یہ جھوٹی ہو تو اسکی آنکھیں اندھی کر دے اور اسی کی زمین میں اس کو موت دے، پس جیسا انہوں نے کہا تھا ویسا ہی ہوا، اور از انجملہ نفس سے فانی ہونا اور حق کیساتھ باقی رہنا ہے اور اسی کو صوفیہ غلبہ وجود حق بر وجود عبد کہتے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

تبارك وتعالى وما يزال عبدي يتقرب
الي بالنوافل حتى احبه فاذا احببته كنت
سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر
به ويده التي يبطش بها ؛
اقول اذا غشي نور الله نفس هذا
العبد من جهة قوته العملية المنبثة
في بدنه دخلت شعبة من هذا النور
في جميع قواه فحدثت هنالك بركات
لم تكن تعهد في مجرى العادة فعند ذلك
ينسب الفعل الى الحق بمعنى من معاني
النسبة كما قال تعالى فلم تقتلوهم و
لكن الله قتلهم وما رميت اذ رميت
ولكن الله رمى، ومنها تنبيه الله تعالى
اياه بالمواخذة على ترك بعض الآداب
وقبول الرجوع منه الى الادب كما وقع
للصديق حين غاضب اضيافه ثم علم
ان ذلك من الشيطان فراجع الامر المعروف
فبورك في طعامه، ومن مقامات القلب
مقامان يختصان بالنفوس المتشبهة
بالانبياء عليهم الصلوات والتسليمات
ينعكسان عليها كما ينعكس ضوء القمر
على مرآة موضوعة بازاء كوة مفتوحة،
ثم ينعكس ضوؤها على الجدران والسقف
والارض وهما بمنزلة الصديقية و
المحدثية الا ان ذينك تستقران في
القوة العقلية من نفوسهم، وهذان في القوة
العملية المنبجسة من القلب، وهما
مقاما الشهيد والحواري والفرق بينهما
ان الشهيد تقبل نفسه غضبا وشدة

"میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا جاتا ہے یہانتک
کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پس جب میں اس سے محبت
کرتا ہوں تو میں اس کی وہ شنوائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا
ہے اور اسکی وہ بینائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہ
ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے"۔
میں کہتا ہوں جب بندہ کو بہ سبب اس کی قوت عملیہ کے
جو اس کے بدن میں ہے نور الٰہی ڈھانک لیتا ہے تو اس نور کا ایک
شعبہ اس تمام قویٰ میں داخل ہو جاتا ہے پھر ان قویٰ میں ایسی برکات
پیدا ہو جاتی ہیں جو عادۃً نہیں ہوتیں ایسے وقت میں وہ
فعل ایک خاص نسبت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب
ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "پس تم نے ان کو قتل نہیں
کیا لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور تو نے جب پھینکا تو وہ
تو نے نہیں پھینکا لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا، اور از انجملہ یہ بات
ہے کہ بعض آداب کے ترک پر مواخذہ کر کے اور ادب کی طرف
بندہ کے رجوع کو قبول فرما کر اس کو متنبہ کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت
ابوبکر صدیق کو پیش آیا جبکہ انہوں نے اپنے مہمانوں کو ناخوش
کر دیا پھر ان کو معلوم ہوا کہ یہ فعل شیطان کیطرف سے ہے تب انہوں نے
امر معروف کیطرف رجوع کیا پس ان کے کھانے میں برکت دی گئی
اور منجملہ مقامات قلب کے دو مقام اور ہیں یہ مقام ان نفوس
کے ساتھ خاص ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مشابہ ہوتے
ہیں ان دونوں مقاموں کا عکس ان نفوس پر اس طرح پڑتا ہے
جس طرح آفتاب کا عکس کسی آئینہ پر پڑتا ہے جو ایک کھلے ہوئے
طاق میں رکھا ہوا ہے اور پھر اس آئینہ کا عکس دیواروں کی
چھت پر اور زمین پر پڑتا ہے اور یہ دو مقام بھی بمنزلہ صدیقیت
اور محدثیت کے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ صدیقیت اور
محدثیت کا محل ان کے نفوس کی قوت عقلیہ ہوتی ہے
اور ان کا محل قوت عملیہ ہوتی ہے جو قلب سے پیدا ہوتی ہے اور
وہ دونوں شہید اور حواری کے مقام ہیں اور دونوں میں فرق
یہ ہے کہ شہید کا نفس غصہ اور کفار پر شدت اور

على الكفار، ونصرة للذين من موطن من
مواطن الملكوت هيأ الحق فيه ارادة
الانتقام من العصاة ينزل من هنالك
على الرسول ليكون الرسول جارحة من
جوارح الحق في ذلك فتقبل نفوسهم من
هنالك كما ذكرنا في المحدثية، والحواري
من خلصت محبته للرسول وطالت
صحبته معه او اتصلت قرابته به فاوجب
ذلك انعكاس نصرة دين الله من قلب
النبي على قلبه، قال الله تعالى يا ايها
الذين آمنوا كونوا انصار الله كما قال
عيسى بن مريم للحواريين من انصاري
الى الله قال الحواريون نحن انصار الله
فآمنت طائفة، الآية، وقد بشر النبي
صلى الله عليه وسلم الزبير بانه حواري
والشهيد والحواري انواع وشعب، منهم
الامين، ومنهم الرفيق، ومنهم النجباء والنقباء
وقد نوه النبي صلى الله وسلم في فضائل
الصحابة بشيء كثير من هذه المعالي، عن
علي رضي الله عنه قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم ان لكل نبي سبعة نجباء رقباء و
اعطيت انا اربعة عشر، قلنا من هم؟ قال
انا وابناي، وجعفر، وحمزة، وابوبكر، وعمر
ومصعب بن عمير، وبلال، وسلمان، و
عمار، وعبد الله بن مسعود، وابوذر، و
المقداد، وقال الله "ليكون الرسول عليكم
شهيدا وتكونوا شهداء على الناس، وقال صلى
الله عليه وسلم اثبت احد فانما عليك نبي او
صديق او شهيدين۔

دین الٰہی کی مدد کو ملکوت کے مقامات میں سے کسی مقام سے قبول
کر لیتا ہے جس میں خدا تعالےٰ نے نافرمانوں سے انتقام لینے
کا ارادہ کر رکھا ہے اور وہاں سے رسول پر اس ارادہ کا
نزول ہوتا ہے تاکہ وہ رسول اس انتقام میں خدا تعالیٰ کی
اسباب میں سے ایک سبب ہو پس ان لوگوں کے نفوس ایسے
مقام سے اس ارادہ کو قبول کر لیتے ہیں جیسا کہ محدثیت میں ہم
نے ذکر کیا ہے، اور حواری وہ شخص ہے جس کو رسول سے
خالص محبت ہو اور مدت دراز تک رسول کی صحبت میں
رہا ہو یا رسول کے ساتھ اس کی قرابت قریبہ ہو پس خدا تعالیٰ نبی
کے دل سے اس کے دل پر نصرت دین کا انعکاس کرتا ہے، اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے "اے ایمان والو خدا کے مددگار ہو جاؤ جس طرح
عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف میرے
مددگار کون ہیں، حواری بولے ہم خدا کے مددگار ہیں پس
ایک گروہ ایمان لایا" الآیہ، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حواری ہونے کی بشارت دی
ہے، اور شہید اور حواری کی چند قسمیں اور شعبے ہیں ایک ان میں
سے امین ہے اور ایک رفیق ہے اور ایک نجیب ہے اور ایک
نقیب ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے فضائل میں
ان امور میں سے بہت کچھ ذکر فرمایا ہے حضرت علی رضی اللہ
عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
"ہر نبی کے لئے سات نجیب و رقیب ہوتے ہیں اور مجھ کو چودہ
دیئے گئے ہیں ہم نے عرض کیا وہ کون ہیں تو حضرت علی نے
فرمایا میں اور میرے دو بیٹے اور جعفر اور حمزہ اور ابوبکر اور
عمر اور مصعب بن عمیر اور بلال اور سلمان اور عمار اور عبداللہ
بن مسعود اور ابوذر اور مقداد" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تاکہ
رسول تم لوگوں پر گواہ ہو" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"اے احد ٹھیر جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی یا صدیق یا شہید
ہے"۔

ومن احوال القلب السُّكر، وهو ان ينتشي نور الايمان في العقل، ثم في القلب حتى تفوته مصالح الدنيا وحتى يحب ما لا يحبه الانسان في مجرى طبيعته فيكون شبيها بالسكران المتغير عن سنن عقله وعادته كما قال ابو الدرداء احب الموت اشتياقا الى ربي واحب المرض مكفرا لخطيئتي واحب الفقر تواضعا لربي، وكما يؤثر عن ابي ذر من كراهيته للمال بطبعه وشأنه الغنى والثروة مثل كراهية الامور المستقذرة، وليس في مجرى العادة البشرية حب هذا القبيل وكراهية ذلك القبيل، ولكنهما غلب عليهما اليقين حتى خرجا من مجرى العادة

ومن احوال القلب الغلبة، والغلبة غلبتان، غلبة داعية منبجسة من قلب المؤمن حين خالطه نور الايمان فطفح طفاحة متولدة من ذلك النور ومن جبلة القلب فصارت داعية وخاطرا لا يستطيع الامساك عن موجبها وافقت مقصود الشرع اولا، وذلك لان الشرع يحيط بمقاصد كثيرة لا يحيط بها قلب هذا المؤمن فربما ينقاد قلبه للرحمة مثلا وقد نهى الشرع عنها في بعض المواضع، قال تعالى ولا تأخذكم بهما رأفة في دين الله وربما ينقاد قلبه للبغض وقد قصد الشرع اللطف مثل اهل الذمة، ومثال هذه الغلبة ما جاء الحديث عن ابي لبابة بن المنذر حين استشاره بنو قريظة لما استنزلهم النبي صلى الله عليه وسلم على حكم سعد بن معاذ فاشار بيده الى حلقه انه الذبح، ثم ندم على ذلك وعلم انه قد خان الله و

اور منجملہ احوال قلب کے ایک سُکر ہے اور وہ یہ ہے کہ نور ایمان عقل میں، پھر قلب میں متشکل ہو جائے حتی کہ وہ کاروبار دنیا سے جاتا رہے۔ اور ان چیزوں کو پسند کرنے لگے جنکو انسان مجرائے طبیعت کے اعتبار سے ناپسند کرتا ہے۔ پس وہ شخص اس شخص کے مشابہ ہوتا ہے۔ جو نشہ کی حالت میں عقل وعادت کے طریقوں سے بدلا ہوا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو الدرداء نے کہا تھا کہ میں موت کو خدا تعالی کے شوق ملاقات کی وجہ سے محبوب رکھتا ہوں اور مرض کو اسلئے محبوب رکھتا ہوں کہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور مفلسی کو اسلئے پسند کرتا ہوں کہ اس سے خدا تعالی کے سامنے انکساری ہوتی ہے۔ اور حضرت ابوذرؓ کی نسبت مروی ہے کہ وہ اپنی طبیعت سے مال اور ثروت اور دولت کو ایسا ناپسند اور مکروہ جانتے تھے جیسے کسیکو ناپاک چیزوں سے نفرت ہوتی ہے اور بشری طبیعت میں یہ بات نہیں ہے کہ ایسی چیزوں کو پسند کرے۔ اور ایسی چیزوں سے نفرت کرے۔ لیکن ان دونوں صحابؓ پر یقین اس درجہ غالب آ گیا تھا جس نے انکو مجرائے عادت سے باہر کر دیا تھا۔

اور منجملہ احوال قلب کے ایک غلبہ ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک غلبہ داعیہ ہے جو قلب مؤمن میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اسمیں نور ایمان مخلوط ہوتا ہے اور اس سے وہ جھاگ سے اٹھتے ہیں جو اس نور اور جبلت قلبی کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں پس یہ ایک ایسا داعیہ رقصد ہو جاتے ہیں جنکے مقتضیٰ سے انسان رک نہیں سکتا خواہ یہ داعیہ مقصود شرع کے موافق ہو یا نہ ہو۔ اور اس کیوجہ یہ ہے کہ شرع بہت سے ایسے مقاصد کو محیط ہے جنکو قلب مؤمن محیط نہیں۔ پس کبھی اس کا قلب رحم پر مجبور ہوتا ہے۔ حالانکہ بعض مواضع میں شرع سے رحم ممنوع ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے "اور تم کو نہ پکڑے ان دونوں کے ساتھ خدا تعالی کے دین میں نرمی" اور بسا اوقات اس کا دل بغض پر مجبور ہوتا ہے۔ حالانکہ شرع کو وہاں مہربانی کرنا مقصود ہوتی ہے جیسا کہ کفار اہل ذمہ پر۔ اور اس غلبہ کی مثال وہ ہے جو حدیث میں ابو لبابہ بن منذر سے وارد ہے کہ جب سعد بن معاذؓ کے حکم سے نبی صلعم نے بنی قریظہ کو اتارنا چاہا تو بنو قریظہ نے ابو لبابہ سے مشورہ کیا۔ ابو لبابہؓ نے ذبح کا

رسوله فانطلق على وجهه حتى ارتبط نفسه
في المسجد على عمود من عمده، وقال لا ابرح مكاني
هذا حتى يتوب الله تعالى علي مما صنعت، وعن عمر انه
غلبت عليه حمية الاسلام حين اعترض على
رسول الله صلى الله عليه وسلم لما ان اراد
ان يصالح المشركين عام الحديبية فوثب حتى
اتى ابا بكر رضي الله تعالى عنه، قال أليس هو برسول
الله صلى الله عليه وسلم؟ قال بلى قال السنا
بالمسلمين؟ قال بلى، قال اليسوا بالمشركين؟ قال
بلى، قال فعلام نعطى الدنية في ديننا؟ فقال ابو بكر
يا عمر الزم غرزه فاني اشهد انه رسول الله، ثم
غلب عليه ما يجد حتى اتى رسول الله صلى الله
عليه وسلم، فقال له مثل ما قال لابي بكر، واجابه
النبي صلى الله عليه وسلم كما اجابه ابو بكر رضي
الله عنه حتى قال انا عبد الله ورسوله لن
اخالف امره ولن يضيعني، قال وكان عمر
يقول فما زلت اصوم واتصدق واعتق واصلي
من الذي صنعت يومئذ مخافة كلامي الذي
تكلمت به حتى رجوت ان يكون خيرا، وعن
ابي طيبة الجراح حين حجم النبي صلى الله عليه
وسلم فشرب دمه وذلك محظور في الشريعة
ولكنه فعله في حال الغلبة فعذره النبي صلى
الله عليه وسلم وقال له قد احتظرت بحظار
من النار، وغلبة اخرى اجل من هذه واتم
وهي غلبة داعية الهية تنزل على قلبه فلا
يستطيع الامساك عن موجبها، وحقيقة هذه
الغلبة فيضان علم الهي من بعض المعادن
القدسية على قوته العمالية دون القوة العقلية
تفصيله في ان النفس المتشبهة بنفوس الانبياء

کر حلقوم پر اشارہ کیا جس سے ذبح ہونیکی طرف اشارہ ہے۔ پھر وہ اس
بات سے نادم ہوئے اور انکو یقین ہو گیا کہ میں نے خدا تعالیٰ اور اسکے
رسول کی خیانت کی ہے۔ پھر وہ اسی حال میں چلے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپکو
مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ اور یہ کہا کہ میں اپنی اس جگہ کو
اس وقت تک نہ چھوڑونگا جبتک خدا تعالیٰ اس گناہ کے بارے میں میری
توبہ قبول نہ کریگا۔ اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ان پر حمیت اسلام اتنی
غالب ہوئی کہ جبکہ نبی صلعم نے حدیبیہ کے سال مشرکین سے مصالحت کرنی چاہی
تو اسوقت نبی صلعم پر اعتراض کر بیٹھے اور بھڑ پڑے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر
صدیقؓ کے پاس تشریف لاکر کہنے لگے۔ کیا نبی صلعم خدا کے رسول نہیں ہیں
انہوں نے فرمایا۔ ہاں ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں۔ انہوں
نے فرمایا۔ ہاں ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کیا وہ مشرک نہیں ہیں۔ انہوں نے فرمایا
ہاں ہیں۔ انہوں نے کہا۔ پس کس واسطے ہم اپنے دین میں ذلت اختیار
کریں۔ تب ابوبکر نے فرمایا۔ اے عمر! رسول اللہ صلعم کی فرمانبرداری
اپنے اوپر لازم پکڑ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر
حضرت عمرؓ پھر وہ حالت غالب ہوئی، یہانتک کہ رسول اللہ کی خدمت میں
حاضر ہو کر وہی عرض کیا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا تھا۔ اور نبی
صلعم نے حضرت عمرؓ کو وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا۔
یہانتک کہ نبی صلعم کو یہ کہنا پڑا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول
ہوں۔ میں اسکے حکم کی کبھی مخالفت نہیں کرونگا۔ اور وہ مجھ کو ہرگز ضائع
نہیں کریگا راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس روز کے
کلام اور جوش سے ڈر کر ہمیشہ اس کے کفارہ میں روزے رکھتا رہا۔ صدقہ کرتا
رہا۔ آزاد کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا حتیٰ کہ مجھے خیر کی امید ہوئی۔ اور ابوطیبہ
جراح سے مروی ہے کہ جب انہوں نے نبی صلعم کے پچھنے لگائے تو آپکا خون مبارک
انہوں نے پی لیا۔ حالانکہ شرعاً خون کا پینا ممنوع ہے۔ لیکن ان سے یہ
غلبہ کی حالت میں ہو گیا۔ اور نبی صلعم نے انکا عذر قبول فرمایا۔ اور ارشاد
فرمایا "تو نے آگ سے بہت بچاؤ اور روک کر لیا" اور ایک غلبہ اور ہے
جو اس غلبہ سے زیادہ جلیل القدر اور زیادہ کامل ہے۔ اور وہ خواہش
الٰہی کا غلبہ ہے جو مومن کے قلب پر نازل ہوتی ہے۔ پس اسکے مقتضیٰ کو
اپنا آپکو روکنا ممکن نہیں ہے۔ اور اس غلبہ کی حقیقت بعض مقامات

عليهم الصلوة والسلام اذا استعدت لفيضان
علم الهى ان سبقت القوة العقلية منها على القوة
العملية كان ذلك العلم المفاض فراسة والهاما
وان سبقت القوة العملية منه على القوة العقلية
كان ذلك العلم المفاض عزما واقبالا او نفرة وانجيابا
مثاله ماروى فى قصة بدر من ان النبى صلى الله
عليه وسلم الح فى الدعاء حتى قال "انى انشدك عهدك
ووعدك اللهم ان شئت لم تعبد" فاخذ ابوبكر بيده
فقال حسبك فخرج رسول الله صلى الله عليه و
سلم وهو يقول "سيهزم الجمع ويولون الدبر" معناه
ان الصديق القى فى قلبه داعية الهية تزهده
فى الالحاح وترغبه فى الكف عنه فعرف النبى صلى
الله عليه وسلم بفراسته انها داعية حق فخرج مستظهرا
بنصرة الله تاليا هذه الأية، ومثاله ايضا ماروى
فى قصة موت عبد الله بن ابى حين اراد النبى
صلى الله عليه وسلم ان يصلى على جنازته قال عمر
فتحولت حتى قمت فى صدره، وقلت يا رسول
الله اتصلى على هذا وقد قال يوم كذا كذا وكذا اعدد
ايامه حتى قال تأخر عنى يا عمر انى خيرت فاخترت
وصلى عليه، ثم نزلت هذه الأية "ولا تصل على
احد منهم مات ابدا" قال عمر فعجبت لى وجرأتى
على رسول الله صلى الله عليه وسلم ورسول الله
صلى الله عليه وسلم اعلم، وقد بين عمر الفرق
بين الغلبتين افصح بيان، فقال فى الغلبة
الأولى فما زلت اصوم واتصدق واعتق الخ، و
قال فى الثانية فعجبت لى وجرأتى، فانظر الفرق
بين هاتين الكلمتين، ومنها ايثار طاعة الله
تعالى على ما سواها وطرد هواها والنفرة عما
يشغل عنها كما فعل ابوطلحة الانصارى كان يصلى

سے اسکی قوت عملیہ پر علم الٰہی کا فیضان ہوتا ہے۔ نہ قوت عقلیہ پر۔ اس کی تفصیل
یہ ہے کہ جو نفس انبیاء علیہم السلام کے نفوس سے مشابہت رکھتا ہے جب
اسمیں علم الٰہی کے فیضان کی استعداد ہوتی ہے تو اگر اس کی قوت عقلیہ کو
قوت عملیہ پر سبقت ہوتی ہے تو وہ علم جو اسپر فائض ہوتا ہے فراست اور الہام
ہوتا ہے۔ اور اگر اسکی قوت عملیہ کو قوت عقلیہ پر سبقت ہوتی ہے تو وہ علم جو
اس پر فائض ہوتا ہے تو وہ علم ارادہ واقبال یا نفرت ہوتا ہے۔ اسکی مثال
وہ ہے جو بدر کے قصہ میں مروی ہے کہ نبی صلعم نے دعا میں نہایت مبالغہ
کیا یہاں تک کہ یہ کہا اے اللہ! میں تجھ کو تیرا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں
الٰہی! اگر تو چاہے تو تیری عبادت نہ کیجائے" تب ابوبکرؓ نے آپکا ہاتھ
تھام کر یہ کہا کہ بس کیجئے یا رسول اللہ! پس رسول اللہ صلعم یہ آیت پڑھتے ہوئے
خیمہ سے باہر نکلے "عنقریب کفار کی جماعت کو شکست دیدی جائیگی اور وہ پیٹھ
پھیر دینگے"۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دل میں خدا کی طرف
سے خواہش پیدا ہوئی کہ نبی صلعم کو الحاح سے روکیں اور اس سے باز رہنے کی
رغبت دلائیں۔ اور نبی صلعم نے بھی اپنی فراست سے اس بات کو معلوم کر لیا
کہ یہ خواہش خدا کی ہے۔ تب خدا تعالیٰ کی مدد سے فتح کے طالب ہو کر اس آیت
کو پڑھتے ہوئے باہر نکلے۔ اور اسکی مثال وہ بھی ہے جو عبداللہ بن ابی کی
موت کے بارے میں مروی ہے کہ جب نبی صلعم نے اس کے جنازہ کی نماز
پڑھنے کا ارادہ کیا۔ تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں لوٹ کر نبی صلعم کے
سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ اسکی نماز پڑھتے
ہیں حالانکہ اسنے اسدن ایسا کہا تھا اور اسدن ایسا کہا تھا۔ حتیٰ کہ
آپنے فرمایا۔ اے عمر! میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ مجھے اختیار دیا گیا ہے پس میں
نے اس بات کو اختیار کر لیا۔ اور آپنے اسکی نماز پڑھی اسکے بعد یہ آیت
نازل ہوئی "انمیں سے کوئی مرجائے تو کبھی اسکی نماز نہ پڑھ" حضرت عمرؓ کہتے
ہیں مجھ کو اپنے اوپر اور نبی صلعم پر اتنی جرات کرنے سے تعجب آتا ہے۔ حالانکہ رسول
اللہ صلعم سب سے زیادہ واقف تھے۔ اور حضرت عمرؓ نے ان دونوں غلبوں کے درمیان
فرق کو خوب اچھی طرح سے بیان کر دیا ہے۔ پس غلبۂ اولیٰ میں فرمایا پس میں
روزے رکھتا رہا، صدقہ دیتا رہا۔ اور آزاد کرتا رہا الخ اور غلبۂ ثانیہ میں
فرمایا کہ مجھے اپنے حال اور اپنی جرات پر تعجب ہوا۔ پس ان دونوں کلمات
میں جو فرق ہے اسکو دیکھنا چاہیے۔ اور از انجملہ خدا تعالیٰ کی طاعت
کو ماسوا پر اختیار کرنا اور اسکے مواقع کا دور کرنا اور جو چیزیں اسکو طاعت الٰہی سے روکتی ہیں۔ ان سے بیزار ہونا ہے جیسا کہ ابوطلحہ انصاریؓ

في حائط له فطار دبسي وطفق يتردد لا
يجد مخرجا من كثرة الاغصان والاوراق
فاعجبه ذلك فصار لايدري كم صلى فتصدق
بحائطه ؛

ومنها غلبة الخوف حتى يظهر البكاء وارتعاد
الفرائص، وكان له صلى الله عليه وسلم اذا صلى
بالليل ازيز كازيز المرجل، وقال صلى الله عليه
وسلم في سبعة يظلهم الله تعالى في ظله يوم
لا ظل الا ظله، ورجل ذكر الله تعالى خاليا ففاضت
عيناه، وقال لا يلج النار رجل بكى من خشية
الله حتى يعود اللبن في الضرع، وكان ابوبكر
رجلا بكاء لايملك عينيه حين يقرأ القرآن
وقال جبير بن مطعم سمعت النبي صلى الله
عليه وسلم يقرأ ام خلقوا من غير شئ ام هم
الخالقون، فكأنما طار قلبي ؛

واما المقامات الحاصلة للنفس من جهة
تسلط نور الايمان عليها وقهره اياها وتغيير
صفاتها الخسيسة الى الصفات الفاضلة ؛
فاولها ان ينزل نور الايمان من العقل
المتنور بالعقائد الحقة الى القلب فيزدوج
بجبلة القلب فيتولد بينهما زاجر يقهر النفس
ويزجرها عن المخالفات، ثم يتولد بينهما ندم
يقهر النفس ويأتي عليها ويأخذ بتلابيبها ثم
يتولد بينهما العزم على ترك المعاصي في
المستقبل من الزمان فيقهر النفس ويجعلها
مطمئنة باوامر الشرع ونواهيه
قال الله تبارك وتعالى
واما من خاف مقام ربه ونهى
النفس عن الهوى فان الجنة هي المأوى ؛

اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک جنگلی کبوتر اڑا اور باغ میں ادھر
ادھر اسے اڑنا شروع کیا اور درختوں کی ٹہنیاں اور پتے گنجان ہونے کی
وجہ سے اس کو باہر جانے کا راستہ نہیں ملتا تھا یہ بات انکو بہت بھلی معلوم
ہوئی اور اس خیال میں انکو رکعتوں کی تعداد یاد نہیں رہی تو انہوں نے
اس باغ کو صدقہ کر دیا ،

اور از انجملہ غلبۂ خوف ہے جس کے سبب آدمی کو رونا آئے اور
اسکا بدن کانپنے لگے ، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب رات میں نماز
پڑھتے تھے تو آپ کے سینہ سے بہ سبب گریہ کے ہانڈی کے جوش کی
طرح آواز محسوس ہوتی تھی ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سات
اشخاص کے بارے میں فرمایا جن کو خدا تعالیٰ اس روز اپنے سایہ
میں رکھے گا جس روز اس کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا ان
وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کی آنکھیں
بھر آئیں " اور آپ نے فرمایا " جو شخص خوف الٰہی سے رویا ہے وہ
آگ میں نہیں جائیگا جبتک کہ دودھ پستان میں لوٹ کر نہ آئے
اور حضرت ابوبکر صدیق رض بہت رونے والے شخص تھے قرآن شریف
پڑھتے تھے انکی آنکھیں انکے اختیار میں نہیں رہتی تھیں ، جبیر بن مطعم
کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے سنا :
ام خلقوا من غیر شئ ام ھم الخالقون ، اس کے سنتے
ہی میرا دل ڈر گیا ،

اور وہ مقامات جو نفس کو نور ایمان کے اس پر غالب ہونے اور
اس کی صفاتِ خسیسہ کو صفات فاضلہ کے بدلنے کے اعتبار سے
حاصل ہوتے ہیں ان میں سے پہلا مقام یہ ہے کہ نور ایمان اس
عقل سے جو عقائدِ حقہ سے منور ہے نازل ہوکر قلب پر آئے اور
جبلتِ قلبی کے ساتھ اتصال پیدا کرے تب ان سے ایک
زاجر پیدا ہو جو نفس کو مغلوب کرے اور اسکو مخالفات سے روکے
پھر ان سے ایک ندامت پیدا ہو جو نفس کو مقہور کرے اور اس کو
اپنے قابو میں کرے اور اس کی باگیں پکڑے ، پھر ان سے زمانہ آئندہ
میں گناہ ترک کرنے کا عزم پیدا ہو اور وہ نفس پر غالب ہوکر شرع
کے اوامر و نواہی سے اس کو مطمئن کر دے ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور لیکن

اقول اما قوله من خاف فبيان لاستنارة العقل بنور الايمان و نزول النور منه الى القلب وذلك لان الخوف له مبتدأ ومنتهى، فمبتدؤه معرفة الخوف منه وسطوته، وهذا محله العقل ومنتهاه فزع وقلق ودهش، وهذا محله القلب، واما قوله ونهى النفس فبيان لنزول النور المخالط لوكالة القلب الى النفس وقهره اياها وزجره لها ثم انقهارها وانزجارها تحت حكمه، ثم ينزل من العقل نور الايمان مرة اخرى ويزدوج بجبلة القلب فيتولد بينهما اللجأ الى الله، ويفضي ذلك الى الاستغفار والانابة، والاستغفار يفضي الى الصقالة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان المؤمن اذا اذنب كانت نكتة سوداء في قلبه فان تاب واستغفر صقل قلبه فان زاد زادت حتى يعلو قلبه فذلكم الران الذي ذكر الله تعالى كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون ؛

اقول اما النكتة السوداء فظهور ظلمة من الظلمات البهيمية واستتارة نور من الانوار الملكية، واما الصقالة فضوء يفاض على النفس من نور الايمان، واما الران فغلبة البهيمية وكمون الملكية رأسا، ثم يتكرر نزول نور الايمان ودفعه المهاجس النفسانية فكلما هجس خاطر المعصية من النفس نزل بازائه نور فدمغ الباطل ومحاه، قال صلى الله عليه وسلم ضرب الله مثلا صراطا مستقيما وعن جنبتي

جس شخص نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کو خواہش سے روکا پس بلاشبہ اس کا ٹھکانا جنت میں ہو گیا

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کا یہ قول "من خاف" عقل کے نور ایمان کے ساتھ منور ہونے کا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خوف کے لئے ایک ابتداء ہے اور ایک انتہاء ہے پس اس کی ابتداء خدا تعالیٰ کا خوف اور اس کے غلبہ کا معلوم کرنا ہے اور اس کا محل عقل ہے اور اس کی انتہاء پریشانی اور اضطراب اور دہشت ہے اور اس کا محل قلب ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول "ونہی النفس" اس بات کا بیان ہے کہ یہ نور جو قوت قلب سے مخلوط ہے نفس کی طرف نازل ہوتا ہے اور اس پر غالب ہوتا ہے اور اس کو روکتا ہے پھر یہ نفس اس کا فرمانبردار اور مطیع ہو جاتا ہے پھر عقل سے نور ایمان دوسری مرتبہ قلب کی طرف نازل ہوتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ اتصال پیدا کرتا ہے پھر ان دونوں سے خدا تعالیٰ کی طرف التجاء پیدا ہوتی ہے اور وہ استغفار اور توجہ کا سبب بنتی ہے اور استغفار سے دل کے زنگ کی صفائی ہوتی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومن جب گناہ کرتا ہے تو اسکے دل پر سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے پس اگر وہ توبہ اور استغفار کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ اور گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی زیادہ ہو جاتی ہے یہانتک کہ تمام دل پر غالب آجاتی ہے پس یہ وہ میل ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے" کلا بل ران علےٰ قلوبہم ما کانوا یکسبون،

(ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ چڑھ گیا ہے)

میں کہتا ہوں پس سیاہ نقطہ بہیمیت کی ظلمتوں میں سے ایک ظلمت کا ظاہر ہونا اور انوار ملکیہ میں سے ایک نور کا پوشیدہ ہونا ہے اور اس نقطہ کا صاف ہونا ایک روشنی ہے جو نور ایمانی سے نفس پر فائز ہوتی ہے اور اس میں میل ہونا بہیمیت کا غالب ہونا اور ملکیت کا بالکل پوشیدہ ہو جانا ہے پھر نور ایمانی کا بار بار نزول ہوتا ہے اور خواہشات نفسانی بار بار دفع ہوتے رہتے ہیں پس جب نفس میں کسی گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے مقابلہ میں نور نازل ہو کر اس باطل کو مٹا دیتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے

الصراط سوران فيهما ابواب مفتحة وعلى
الابواب ستور مرخاة وعند رأس الصراط
داع يقول استقيموا على الصراط ولا تعوجوا
وفوق ذلك داع يدعو كلما هم عبد ان يفتح
شيئا من تلك الابواب قال ويحك لا تفتحه
فانك ان تفتحه تلجه، ثم فسره فاخبر ان
الصراط هو الاسلام وان الابواب المفتحة
محارم الله وان الستور المرخاة حدود
الله وان الداعي على رأس الصراط هو القرآن
وان الداعي من فوقه هو واعظ الله في
قلب كل مؤمن.

اقول بين النبي صلى الله عليه وسلم
ان هنالك داعيين داعيا على رأس الصراط
وهو القرآن، والشريعة لا يزال يدعو الى سبيل
الصراط المستقيم بنسق واحد وداعيا
فوق رأس السالك يراقبه كل حين
كلما هم بمعصية صاح عليه، وهو الخاطر
المنبجس من القلب المتولد من بين
جبلة القلب والنور الفائض عليه من
العقل المتنور بنور القرآن وانما هو بمنزلة
شرر ينقدح من الحجر دفعة بعد دفعة.
وربما يكون من الله تعالى لطف ببعض
عباده باحداث لطيفة غيبية تحول بينه
وبين المعصية وهو البرهان المشار اليه
في قوله تبارك وتعالى ولقد همت به
وهم بها لولا ان رأى برهان ربه.
هذا كله مقام توبة، وانه لم مقام
التوبة وصار ملكة راسخة في
النفس ثم اضمحلالا عند احضار

ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک سیدھا راستہ ہے اور اس راستہ
کے دونوں جانب دو دیواریں ہیں جن میں کھلے ہوئے دروازے
ہیں اور ان دروازوں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں اور اس راستہ
کے سرے پر ایک پکارنے والا یہ کہہ رہا ہے "راستہ پر سیدھے چلو
ادھر ادھر نہ پھرو" اور اس پکارنے والے کے اوپر ایک اور پکار
نے والا ہے کہ جب کوئی بندہ ان دروازوں میں سے کسی دروازہ
کو کھولنے کا قصد کرتا ہے تو وہ پکار کر کہتا ہے تجھ پر افسوس ہے
تو اس دروازہ کو مت کھول اگر تو اس کو کھولیگا تو اس میں جا پڑیگا
پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مثال کی تفسیر بیان کی اور
بتلایا کہ وہ راستہ اسلام ہے اور وہ کھلے ہوئے دروازے
اللہ تعالیٰ کی محارم ہیں اور وہ پڑے ہوئے پردے اللہ تعالیٰ
کی حدود ہیں اور راستہ کے سرے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے
اور اسکے آگے جو اور پکارنیوالا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کا واعظ ہے
جو ہر مومن کے دل میں موجود ہے۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ یہاں دو پکارنے
والے ہیں ایک تو راستہ کے سرے پر پکارنیوالا ہے اور وہ قرآن اور شریعت
ہے جو ہمیشہ ایک طرز پر بندہ کو راہ راست کی طرف پکارتے ہیں اور ایک
پکارنیوالا چلنے والے کے سر پر ہے جو ہر وقت اس کی نگہبانی کرتا ہے جب وہ
کسی گناہ کا قصد کرتا ہے تو وہ پکارنیوالا اس پر چیختا ہے اور وہ خاطر ہے
جو قلب سے اٹھتا ہے اور جبلت قلب اور اس نور سے پیدا ہوتا ہے جو عقل
منور بنور قرآنی کی جانب سے قلب پر فائض ہوتا ہے اور اس کا حال
اس پتنگے کا سا ہے جو بار بار کسی پتھر سے چمکتا ہے۔ اور کبھی کبھی خدا تعالیٰ
کی طرف سے بعض بندوں پر یہ مہربانی ہوتی ہے کہ وہ لطیفہ غیبی پیدا
کر دیتا ہے جو اس شخص کے اور اس کے گناہ کے درمیان حائل ہو جاتا
ہے اور یہ وہ برہان ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے "البتہ
اس عورت نے یوسفؑ کا قصد کیا اور یوسفؑ اس عورت کا قصد
کرتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے" اور یہ سب مقام توبہ ہے
اور جب مقام توبہ کامل ہو جاتا ہے اور نفس کے اندر وہ ایک ملکہ
راسخ ہو جاتا ہے تو اس سے خدا تعالیٰ کی عظمت پیش نظر رکھنے

رجلال الله لا يغيرها مغير سميت حياءً والحياء في اللغة انحجام النفس عما يعيبه الناس في العادة فنقله الشرع الى ملكة راسخة في النفس تماع بها بين يدى الله كما ينماع الملح في الماء ولا ينقاد بسببها للخواطر المائلة الى المخالفات ۞

قال صلى الله عليه وسلم الحياء من الايمان، ثم فسر الحياء فقال من استحيا من الله حق الحياء فليحفظ الرأس وما وعى وليحفظ البطن وما حوى وليذكر الموت والبلى ومن اراد الأخرة ترك زينة الدنيا من فعل ذلك فقد استحيا من الله حق الحياء ۞

اقول قد يقال في العرف للانسان المنقبض من بعض الافعال لضعف في جبلته انه حيى، وقد يقال للرجل صاحب المروءة يرتكب ما يفشو لاجله القالة انه حيى، وليسا من الحياء المعدود من المقامات في شيء، فعرف النبي صلى الله عليه وسلم المعنى المراد بتعيين افعال تنبعث منه والسبب الذى يجلبه ومجاورة الذى يلزمه في العادة، فقوله فليحفظ الراس الخ بيان للافعال المنبجسة من ملكة الحياء المراد مما هو من جنس ترك المخالفات، وقوله وليذكر الموت بيان لسبب استقراره في الانفس

کے وقت ایسا اضمحلال پیدا ہوتا ہے جس کو کوئی تبدیل کرنیوالی چیز بدل نہیں سکتی اور اس کا نام حیاء ہے اور لغت میں حیاء کے معنی نفس کا ان چیزوں سے باز رہنا ہے جن کو لوگ عادۃً معیوب سمجھتے ہیں پس شریعت نے لغت سے نقل کرکے حیاء اس ملکہ کا نام رکھا ہے جو نفس کے اندر راسخ ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان خدا تعالےٰ کے سامنے اس طرح گھلتا ہے جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان ان خواطر کا پابند نہیں ہوتا جو مخالف شرع چیزوں کی طرف مائل ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حیاء جزو ایمان ہے" پھر حیاء کی تفسیر کی اور فرمایا "جو شخص اللہ تعالےٰ سے کامل حیاء کرتا ہے تو اس کو لازم ہے کہ اپنے سر کو اور جو چیزیں سر کے اندر ہیں ان کی حفاظت کرے اور اپنے شکم کی اور ان چیزوں کی جو اس کے اندر ہیں حفاظت کرے اور موت اور بوسیدہ ہونے کو یاد کرے اور جو آخرت کا ارادہ کرے وہ زینت دنیا کو ترک کرے پس جس شخص نے ایسا کیا اس نے خدا تعالیٰ سے پوری حیاء کی۔"

میں کہتا ہوں عرف میں کبھی اس شخص کو جو اپنی ضعف جبلی کی وجہ سے بعض افعال سے باز رہتا ہے حیادار کہدیتے ہیں اور کبھی صاحب مروت آدمی کو جو ایسی باتوں سے بچتا ہے جن سے لوگوں میں اسکا چرچا ہو حیادار کہدیتے ہیں حالانکہ ان دونوں شخصوں کا اس حیاء سے جو مقامات میں شمار کیجاتی ہے کچھ حصہ نہیں ہے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے معنی مقصود کو ان افعال کی تعیین سے جو حیاء سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کے سبب سے جس سے وہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے مجاور سے جو عادۃً اس کو لازم ہوتا ہے بیان فرمادیا پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا "پس وہ اپنے سر کو بچائے" الخ ان افعال کا بیان ہے جو اس حیاء کے ملکہ سے پیدا ہوتے ہیں جو مخالف چیزوں کے ترک کرنے کے قبیل سے ہے، اور آپ کا یہ فرمانا "اور وہ موت کو یاد کرے" نفس کے اندر حیاء کے استقرار کے سبب کو بیان کرتا ہے اور آپ کا یہ فرمانا "جو آخرت کا ارادہ کرے" حیاء کے اس مجاور کو بیان کرتا ہے جس کو زہد کہتے ہیں کیونکہ حیاء زہد سے خالی نہیں

وقوله من اراد الآخرة بيان لمجاورة الذى هو الزهد، فان الحياء لا يخلو عن الزهد، فاذا تمكن الحياء من الانسان نزل نور الايمان ايضا وخالط جبلة القلب، ثم انحدر الى النفس فصدها عن الشبهات، وهذا هو الورع، قال صلى الله عليه وآله وسلم الحلال بين والحرام بين وبينهما امور مشتبهات لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبرأ لعرضه ودينه ومن وقع فى المشتبهات وقع فى الحرام وقال دع ما يريبك الى ما لا يريبك فان الصدق طمانينة وان الكذب ريبة، وقال لا يبلغ العبد ان يكون من المتقين حتى يدع ما لا باس به حذرا لما به بأس ؛

اقول قد يتعارض فى المسألة وجهان وجه اباحة ووجه تحريم اما فى اصل مأخذ المسألة من الشريعة كحديثين متعارضين قياسين متخالفين، واما فى تطبيق صورة الحادثة بما تقرر فى الشريعة من حكمى الاباحة والتحريم فلا يصفو ما بين العبد وبين الله الا بترك، والاخذ بما لا اشتباه فيه فاذا تحقق الورع نزل نور الايمان ايضا وخالطه جبلة القلب، فانكشف قبح الاشتغال بما يزيد على الحاجة لانه يصده عما هو بسبيله، فانحدر الى النفس فكفها عن طلبه، قال صلى الله عليه وسلم من حسن اسلام المرء تركه ما لا يعنيه ؛

اقول كل شغل بما سوى الله نكتة

ہوتی پس جب حیا انسان کے اندر جگہ پکڑ جاتی ہے تو نور ایمان بھی عقل سے قلب پر نازل ہوتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے پھر نفس کی طرف اتر کر اس کو شبہات سے روک دیتا ہے اور اسی کو ورع کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان مشتبہ امور ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچا لیا اور جو شبہات میں پڑا وہ حرام میں پڑ گیا" اور آپ نے فرمایا "شک والی چیز کو چھوڑ کر غیر شک والی چیز کو اختیار کر کیونکہ صدق اطمینان ہے اور کذب شک ہے" اور آپ نے فرمایا "بندہ متقین کے درجہ کو نہیں پہنچتا جب تک کہ ان چیزوں کو جن میں کوئی مضائقہ نہیں ان چیزوں کے خوف سے جن میں مضائقہ ہے نہ چھوڑ دے"

میں کہتا ہوں کبھی ایک مسئلہ میں دو وجہ متعارض ہو جاتی ہیں ایک وجہ اباحت کی ہوتی ہے اور ایک وجہ تحریم کی، یا تو یہ تعارض شریعت کی طرف سے اس مسئلہ کے اصل ماخذ میں ہوتا ہے جیسے دو حدیثیں متعارض یا دو قیاس مخالف ہوتے ہیں یا تعارض حادثہ کی صورت کے اس اباحت و تحریم کے حکم کے ساتھ جو شریعت میں مقرر ہے مطابق کرنے میں ہوتا ہے پس ایسے وقت میں خدا تعالیٰ اور بندہ میں بغیر اس چیز کے ترک کرنے کے اور جس میں اشتباہ نہیں اس کے اختیار کرنے کے صفائی نہیں ہوتی، پس جب ورع پایا جاتا ہے تو نور ایمان بھی نازل ہوتا اور جبلت قلبی اس کو مخلوط ہو جاتی ہے پھر جو چیز حاجت سے زائد ہیں ان میں مشغول ہونے کی قباحت اس پر منکشف ہو جاتی ہے کیونکہ وہ چیزیں اس کو مقصود اصلی سے روکتی ہیں پھر نور نفس کی طرف نازل ہوتا ہے اور ایسی چیزوں کی طلب سے نفس کو باز رکھتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمی کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ بیفائدہ چیزوں کو چھوڑ دے"

میں کہتا ہوں خدا تعالیٰ کے علاوہ ہر شغل نفس -

سوداء فی مرآۃ النفس الا ان ما لا بد له منه فی حیاته اذا کان بنیة البلاغ معفو عنه واما سوی ذلك فواعظ الله فی قلب المؤمن یامر بالکف عنه، قال صلی الله علیه وآله وسلم الزهادة فی الدنیا لیست بتحریم الحلال ولا اضاعة المال ولکن الزهادة فی الدنیا ان لا تکون بما فی یدك اوثق منك بما فی یدی الله، وان تکون فی ثواب المصیبة اذا انت اصبت بها ارغب منك فیها لو انها ابقیت لك ۔

اقول قد یحصل للزاهد فی الدنیا غلبة تحمله علی عقائد وافعال ما هی محمودة فی الشرع مما لیس بمحمود، فبین النبی صلی الله علیه وسلم من محال الزهد ما هو محمود فی الشرع مما لیس بمحمود، فالرجل اذا انکشف علیه قبح الاشتغال بالزائد علی الحاجة فکرهه کما یکره الاشیاء الضارة بالطبع ربما یؤدیه ذلك الی التعمق فیه فیعتقد مؤاخذة الله علیه فی صراح الشریعة، وهذه عقیدة باطلة لان الشرع نازل علی دستور الطبائع البشریة، والزهد نوع انسلاخ عن الطبیعة البشریة وانما ذلك امر الله فی خاصة نفسه تکمیلا لمقامه ولیس بتکلیف شرعی، وربما یؤدیه الی اضاعة المال والرمی به فی البحار والجبال، وهذه غلبة لم یصححها الشرع ولم یعتبرها منصة لظهور احکام

آئینہ پر سیاہ دھبہ ہے بجز ان اشغال کے جو زندگی میں ضروری ہیں جبکہ اس نیت سے ان میں مشغول ہو کہ وہ منزل مقصود تک پہنچانے والے ہیں تو ان کے لئے معافی ہے اور ان کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کا واعظ جو مومن کے قلب میں ہوتا ہے ان سے منع کرتا ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا کا زہد حلال کو حرام کرنے میں اور مال کو ضائع کرنے میں نہیں ہے بلکہ دنیا کا زہد یہ ہے کہ جو چیز تیرے ہاتھ میں ہے اس کا تجھ کو اس چیز سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ کہ جب تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس مصیبت کے ثواب میں اگر وہ مصیبت تیرے لئے باقی رکھی جائے تو تجھ کو زیادہ رغبت ہو"۔

میں کہتا ہوں زاہد کو کبھی دنیا میں ایک ایسا غلبہ حاصل ہوتا ہے جس سے وہ ان عقائد وافعال پر آمادہ ہوتا ہے جو شریعت میں محمود ہیں اور ان عقائد وافعال کو ترک کرتا ہے جو محمود نہیں ہیں پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے زہد کا موقع بیان کر دیا کہ یہ شریعت میں محمود ہے اور یہ غیر محمود ہے پس جب کسی شخص پر حاجت سے زیادہ چیزوں میں مشغول ہونے کی قباحت منکشف ہو جاتی ہے اور وہ ان چیزوں کو ایسا برا سمجھتا ہے جیسے اپنے مقتضائے طبع کے اعتبار سے ضرر پہنچانے والی اشیا کو برا سمجھتا ہے تو بسا اوقات وہ شخص ان چیزوں میں تعمق کرنے لگتا ہے اور اس کو اس بات کا اعتقاد ہو جاتا ہے کہ ظاہر شرع کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس سے مؤاخذہ کریگا حالانکہ یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ شرع طبائع بشری کے دستور کے موافق نازل ہوئی ہے اور زہد ایک قسم کا طبیعت بشری سے الگ ہونا ہے اور وہ خاص اسکے نفس کے لئے بہ نظر اسکے مقام کی تکمیل کے حکم الٰہی ہے اور وہ تکلیف شرعی نہیں ہے اور کبھی کبھی وہ مال کے ضائع کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے اور وہ دریاؤں اور پہاڑوں میں اس مال کو پھینک دیتا ہے اور یہ ایسا غلبہ ہے جس کو شریعت صحیح نہیں کہتی، اور نہ ہی شرع نے اس غلبہ کو احکام زہد کے ظاہر ہونے کا مقام گردانا ہے، بلکہ شرع نے جس کو احکام زہد کے

الزهد بل الذي اعتبره الشرع منصة شيئان احدهما الزاهد الذي لم يحصل بعد فلا يتكلف في طلبه اعتمادا على ما وعد الله من البلاء في الدنيا والثواب في الآخرة، وثانيهما الشئ الذي فات من يده فلا يتبعه نفسه ولا يتأسف عليه ايمانا بما وعد الله الصابرين الفقراء

واعلم ان النفس مجبولة على اتباع الشهوات لا تزال على ذلك الا ان يبهرها نور الايمان وهو قول يوسف عليه السلام وما ابرئ نفسي ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربي فلا يزال المؤمن طول عمره في مجاهدة نفسه باستنزال نور الله فكلما هاجت داعية نفسانية لجأ الى الله وتذكر جلال الله وعظمته وما اعد للمطيعين من الثواب وللعصاة من العذاب، فانقدح من قلبه وعقله خاطر حق يدمغ خاطر الباطل فيصير كأن لم يكن شيئا مذكورا الا ان الفرق بين العارف والمستانف غير قليل، وقد بين النبي صلى الله عليه وسلم المدافعة بين الخاطرين وغلبة خاطر الحق على خاطر الباطل وانقياد النفس للحق اذا كانت مطمئنة متادبة باداب العقل المتنور بنور الايمان وبغيها عليه واباءها منه اذا كانت عصية ابية بما ضرب في مسألة البخل والجود من مثل جنتين من حديد احداهما سابغة والاخرى ضيقة، قال صلى الله عليه وسلم

ظاہر ہونے کا مقام گردانا ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ جو چیز حاجت سے زیادہ ہے اور اس شخص کو ہنوز حاصل نہیں ہوئی ہے تو وہ شخص اس کے طلب کرنے کی تکلیف نہ اٹھائے بلکہ اس وعدہ الٰہی پر اعتماد کرے کہ دنیا میں جو تکلیف پہنچے گی آخرت میں اس کا ثواب ملیگا، دوسری یہ ہے کہ جو چیز اس کے ہاتھ سے جاتی رہے تو اپنے دل کو اس کے پیچھے نہ لگائے اور نہ اس پر افسوس کرے بلکہ اس وعدہ الٰہی پر یقین کرے جو صابرین اور فقراء کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

واضح ہو کہ نفس کی یہ جبلی بات ہے کہ وہ خواہشات کی پیروی کرتا رہتا ہے یہانتک کہ نورِ ایمانی اس میں ظاہر ہو جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں "میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا ہوں بیشک نفس برائی کا حکم دیتا ہے مگر ہے میرا رب رحم کرے" پس مؤمن تمام عمر نورِ الٰہی کا نزول طلب کرنے میں نفس سے مجاہدہ کرتا رہتا ہے پس جب کوئی نفسانی خواہش جوش میں آتی ہے تو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کو اور فرمانبرداروں کے لئے ثواب اور نافرمانوں کے لئے جو عذاب مقرر کیا ہے اس کو یاد کرتا ہے پس اس کے قلب اور عقل سے ایک خیال حق پیدا ہوتا ہے جو باطل خیال کو مٹا دیتا ہے اور وہ باطل خیال كَأَنْ لَمْ يَكُنْ اور معدوم ہو جاتا ہے مگر یہ کہ عارف میں اور نئے سرے سے توبہ کرنے والے میں بڑا فرق ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں خطروں کی باہم مدافعت اور خیال حق کا خیال باطل پر غلبہ اور نفس کا حق کے لئے فرمانبردار ہونا جبکہ نفس مطمئنہ ہو اور اس عقل کے آداب سے مؤدب ہو جو نورِ ایمانی سے منور ہو رہی ہے اور نفس کا حق سے بغاوت کرنا اور اس سے سرکشی کرنا جبکہ نفس عاصی اور منکر ہو بخل اور جود کے مسئلہ میں لوہے کی دو زرہوں کی مثال دیکر کہ ان میں سے ایک ٹھیک اور دوسری تنگ ہے بیان فرمایا ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- بخیل اور صدقہ دینے والے کی

مثل البخيل والمتصدق كمثل رجلين عليهما جنتان من حديد وقد اضطرت ايديهما الى ثديهما وتراقيهما فجعل المتصدق كلما تصدق بصدقة انبسطت عنه وجعل البخيل كلما هم بصدقة قلصت واخذت كل حلقة بمكانها ؛

اقول الرجل الذى اطمأنت نفسه جبلة اوكسبا فخاطر الحق يملك نفسه ويقهرها اول مايبدو، والرجل الذى عصت نفسه وابت فخاطر الحق لايؤثر فيها بل ينبو، وقد بين الله تعالى فى القرآن العظيم تنور العقل بنور الايمان وفيضان نوره على النفس حيث قال ان الذين اتقوا اذا مسهم طائف من الشيطان تذكروا فاذا هم مبصرون ؛

اقول الشيطان يشرف على باطن الانسان من قبل كوة شهوة النفس فيدخل عليه داعية المعصية فان تذكر جلال ربه وخشع له تولد منه نور فى العقل وهو الابصار، ثم ينحدر الى القلب والنفس فيدفع الداعية ويطرد الشيطان قال الله تبارك وتعالى وبشر الصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون اولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة واولئك هم المهتدون ؛

اقول قوله تعالى انا لله اشارة الى نزول خاطر الحق، وقوله صلوات من ربهم ورحمة اشارة الى بركات يثمرها الصبر من نورانية النفس وتشبهها

مثال ان دو شخصوں کی سی ہے جو لوہے کی زرہیں پہنے ہوئے ہیں اور ان دونوں کے ہاتھ سینے اور گلے کی طرف جکڑے ہوئے ہیں پس صدقہ کرنے والا جب کچھ صدقہ کرتا ہے تو وہ زرہ کھیل جاتی ہے، اور بخیل جب صدقہ کرنے کا قصد کرتا ہے تو وہ زرہ تنگ ہو جاتی ہے اور ہر کڑی اپنی جگہ پکڑ لیتی ہے،

میں کہتا ہوں جس شخص کا نفس جبلی طور سے یا کسبی طور سے مطمئن ہو جاتا ہے تو خاطر حق ظاہر ہوتے ہی اس کے نفس کا مالک ہو جاتا ہے اور اس پر غالب ہو جاتا ہے اور جس شخص کا نفس عاصی اور منکر ہوتا ہے تو خاطر حق اس میں اثر نہیں کرتا بلکہ اس سے دور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ نے قرآن عظیم میں عقل کا نور ایمانی سے منور ہونے اور پھر اسکے نور کا نفس پر فیضان ہونے کو بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "متقی لوگوں کی جب شیطان کی طرف سے پھرنے والا چھو جاتا ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں پھر ناگاہ ان کو سوجھ ہو جاتی ہے"

میں کہتا ہوں شہوت نفس کے روزن سے شیطان انسان کے باطن پر جھانکتا ہے اور اس کے دل میں معصیت کی خواہش پیدا کر دیتا ہے پھر اگر بندہ جلال الٰہی کو یاد کرکے ڈر جاتا ہے تو اس سے عقل میں نور پیدا ہوتا ہے اور یہی ابصار ہے پھر وہ نور دل اور نفس کی طرف اترتا ہے پس اس خواہش کو دور کر دیتا ہے اور شیطان کو دفع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور صبر کرنے والوں کو خدا کی خوشنودی کی بشارت سنا دو، ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے رستے پر ہیں"

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کا قول "اِنَّا لِلّٰہِ" خاطر حق کے نزول کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول "صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ" ان برکات کی طرف اشارہ ہے جن کو صبر نفس کی نورانیت

ہے اور نفس کی کدورت کے ساتھ مشابہ ہونے سے پیدا کرتا ہے

بالسلكوت، وقال تعالى ما اصاب من مصيبة الا باذن الله ومن يؤمن بالله يهد قلبه الآية

اقول قوله باذن الله اشارة الى معرفة القدر، وقوله ومن يؤمن بالله اشارة الى نزول الخاطر من العقل الى القلب و النفس، ومن احوال النفس الغيبة و هي ان تغيب عن شهواتها كما قال عامر ابن عبد الله ما ابالي امرأة رأيت ام حائطا وقيل للاوزاعي رأينا جاريتك الزرقاء في السوق، فقال ازرقاء هي؟ ومن احوالها المحق، وهو ان تغيب من الاكل والشرب مدة لا تغيب فيها عادة لميل نفسها الى جانب العقل وامتلاء العقل بنور الله تعالى، واجل من هذا واتم ان ينزل نور الله الى النفس فيقوم مقام الاكل والشرب، وهو قوله صلى الله عليه وسلم اني لست كهيئتكم اني ابيت عند ربي يطعمني ويسقيني.

واعلم ان القلب متوسط بين العقل والنفس فقد يتسامح وينسب جميع المقامات او اكثرها اليه، وقد ورد على هذا الاستعمال آيات واحاديث كثيرة فلا تغفل عن هذه النكتة.

واعلم ان مدافعة نور الايمان لكل نوع من دواعي النفس البهيمية والقلب السبعي يسمى باسم، وقد نوه النبي صلى الله عليه وسلم باسم كل ذلك ووصفه فاذا حصل للعقل ملكة في انقياد خواطر الحق منه وللنفس ملكة في قبول تلك

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر خدا تعالیٰ کے حکم سے اور جو شخص خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے خدا تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے" الآیہ۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کا قول "باذن اللہ" تقدیر کی معرفت کی طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ کا قول "ومن یؤمن باللہ" عقل سے قلب اور نفس کی طرف خاطر حق کے نازل ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور منجملہ احوالِ نفس کے غیبت ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ نفس اپنی خواہشات سے غائب ہو جائے جیساکہ عامر بن عبد اللہ کہتے ہیں "مجھے کچھ توجہ نہیں ہوتی کہ میں نے عورت کو دیکھا یا دیوار کو" اور امام اوزاعی سے کسی نے کہا کہ ہم نے تمہاری باندی زرقاء کو بازار میں دیکھا، انہوں نے فرمایا کیا وہ زرقاء تھی؟ اور منجملہ احوال نفس کے محق ہے اور یہ حالت یہ ہے کہ آدمی ایک مدت تک جس میں عادۃً کھانے پینے سے آدمی بے خبر نہیں رہ سکتا اس وجہ سے غافل رہے کہ اس کا نفس عقل کی جانب متوجہ ہو گیا ہے اور اس کی عقل نور الٰہی سے لبریز ہو گئی ہے اور اس سے بڑھکر اور کامل یہ ہے کہ نور الٰہی نفس کی طرف نازل ہو کر کھانے اور پینے کے قائم مقام ہو جائے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرا حال تمہارا سا نہیں ہے میں اپنے پروردگار کے پاس شب بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے"۔

واضح ہو کہ قلب، عقل اور نفس کے مابین ہے پس کبھی تسامح کے طور پر جمیع مقامات یا اکثر مقامات کو قلب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور اس استعمال پر آیات اور بہت سی احادیث وارد ہیں پس اس نکتہ سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

اور واضح ہو کہ نفس بہیمی اور قلب سبعی کی خواہشوں میں سے ہر قسم کی خواہش کے لئے نور ایمانی کی جو مدافعت ہوتی ہے اس کا نام جدا ہوتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اقسام میں سے ہر ایک کے نام اور اس کے وصف پر مطلع فرمایا ہے پس جب عقل کو خواطر حق کے روشن ہونے میں ملکہ اور نفس کو ان خواطر کے قبول کرنے میں ملکہ

لخواطر كان ذلك مقاما، فملكة مدافعة اعية الجزع تسمى صبرا على المصيبة، و لذا مستقره القلب، وملكة مدافعة لدعة والفراغ تسمى اجتهادا وصبرا على لطاعة، وملكة مدافعة داعية مخالفة لحدود الشريعة تهاونا لها او ميلا الى ضدادها تسمى تقوى، وقد تطلق التقوى لى جميع مقامات اللطائف الثلاث ل على اعمال تنبعث منها ايضا، وعلى لذا الاستعمال الاخير قوله تعالى هدى لمتقين الذين يؤمنون بالغيب، وملكة ن افعة داعية الحرص تسمى قناعة، و لكة مدافعة داعية العجلة تسمى تانيا، ملكة مدافعة داعية الغضب تسمى حلما هذه مستقرها القلب، وملكة مدافعة عية شهوة الفرج تسمى عفة، وملكة افعة داعية التشدق والبذاء تسمى صمتا وعيا، وملكة مدافعة داعية غلبة ذا الظهور تسمى خمولا، وملكة ن افعة داعية التلون في الحب والبغض يرهما تسمى استقامة، ودون ذلك اء كثيرة ولمدافعتها اسامي، ومبحث ذلك في الاخلاق من هذا الكتاب ان شاء الله

من ابواب ابتغاء الرزق

اعلم ان الله تعالى لما خلق الخلق وجعل معايشهم في الارض واباح لهم الانتفاع فيها وقعت بينهم المشاحة والمشاجرة ان حكم الله عند ذلك تحريم ان يزاحم

حاصل ہو جاتا ہے تو اس کو ایک مقام کہا جاتا ہے پس، پریشانی کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام مصیبت پر صبر ہے اور اس کی جگہ قلب ہے اور آرام اور فراغت کے مدافعت کے ملکہ کا نام اجتہاد ہے اور صبر بر طاعت ہے، اور حدود شرعی کی مخالفت کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام تقویٰ ہے خواہ وہ مخالفت بطور کاہلی کے ہو یا ان حدود کے اضداد کی طرف میلان کے اعتبار سے ہو، اور کبھی تقویٰ کا اطلاق لطائفِ ثلاثہ کے تمام مقامات پر ملکہ ان اعمال پر بھی ہوتا ہے جو ان مقامات سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی اخیر استعمال کے بموجب اللہ تعالےٰ کی یہ آیت ہے:۔ ھدیٰ للمتقین الذین یومنون بالغیب، اور حرص کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام قناعت ہے اور جلد بازی کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام تأنّی ہے اور غصہ کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام حلم ہے اور اس کا مقام قلب ہے اور شہوت فرج کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام عفت ہے، اور زبان زوری اور بیہودہ کلام کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام صمت اور سکوت ہے اور غلبہ کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام خمول ہے اور محبت و عداوت وغیرہ میں تلوّن کی خواہش کو دفع کرنے کے ملکہ کا نام استقامت ہے اور ان کے علاوہ بہت سی خواہشات ہیں اور ان کی مدافعتوں کے جدا جدا نام ہیں ان شاء اللہ تعالےٰ ان سب کی بحث اس کتاب کے فن اخلاق میں آئے گی۔

طلبِ رزق کے اسباب کا بیان

واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کی روزی زمین میں مقرر کی اور زمین کی چیزوں سے ان کے لئے نفع حاصل کرنا مباح کیا تو ان میں حرص اور نزاع واقع ہوا اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ کسی شخص کا دوسرے

الانسان صاحبه فيما اختص به لسبق يده
اليه، او يد مورثه او لوجه من الوجوه المعتبرة
عندهم الا بمبادلة او تراض معتمد على علم
من غير تدليس وركوب غرر، وايضا لما
كان الناس مدنيين بالطبع لا تستقيم
معايشهم الا بتعاون بينهم نزل القضاء
بايجاب التعاون وان لا يخلو احد منهم مما
له دخل في التمدن الا عند حاجة لا يجد
منها بدا، وايضا فاصل التسبب حيازة
الاموال المباحة او استنماء ما اختص به
بما يستمد من الاموال المباحة كالتناسل
بالرعي، والزراعة باصلاح الارض وسقي
الماء، ويشترط في ذلك ان لا يضيق بعضهم
على بعض بحيث يفضي الى فساد التمدن،
ثم الاستنماء في اموال الناس بمعونة في
المعاش بتعذر او بتيسر استقامة حال
المدينة بدونها كالذي يجلب التجارة
من بلد الى بلد ويعتني بحفظ الجلب الى
اجل معلوم او ليسمسر بسعي وعمل، او
يصلح مال الناس بايجاد صفة مرضية
فيه وامثال ذلك، فان كان الاستنماء فيها
بما ليس له دخل في التعاون كالميسر
او بما هو تراض يشبه الاغتصاب كالربا
فان المفلس يضطر الى التزام ما لا يقدر
على ايفائه وليس رضاه رضا في الحقيقة
فليس من العقود المرضية ولا الاسباب
الصالحة وانما هو باطل وسحت باصل
الحكمة المدنية قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم من احيا ارضا ميتة فهي له

شخص سے اس چیز میں مزاحم ہونا جو اس کے لئے خاص ہو گئی
ہے حرام ہے خواہ وہ اختصاص اس لئے ہو کہ دوسروں سے پیشتر اس
شخص نے یا اس کے مورث نے اس چیز پر قبضہ کیا ہے یا کسی دوسری
وجہ سے ہو جسکا لوگوں میں اعتبار ہے بجز تبادلہ یا باہمی رضامندی کے
جسکی خبر ہو اور اس میں کوئی مکر و فریب نہ ہو، اور چونکہ انسان مدنی
الطبع ہے کہ انکی روزی بغیر باہمی تعاون کے قائم نہیں ہوتی اسواسطے اللہ تعالیٰ
کی طرف سے تعاون کے واجب ہونے کا حکم نازل ہوا اور نیز یہ حکم نازل ہوا کہ انمیں سے کوئی شخص اس چیز
سے جس کو تمدن میں دخل ہے بغیر حاجت ضروری کے خالی نہ رہے
اور نیز اصل ذریعہ اموال مباحہ کو قبضہ میں کرنا یا اموال مباحہ
کی مدد سے اپنی مخصوص چیز سے نفع حاصل کرنا ہے جیسے چرا کر مویشی
کی نسل کو بڑھانا اور زمین کی اصلاح کرکے اور پانی دیکر کھیتی کرنا
اس میں یہ شرط ہے کہ کوئی شخص کسی پر تنگی نہ کرے جس سے تمدن میں فساد
لازم آئے پھر لوگوں کے اموال کا معاش میں مدد کرکے زیادہ
ایسی چیز ہے جس کے بغیر شہر کی حالت کا قائم رہنا یا تو ناممکن
یا دشوار ہے مثلاً ایک شخص مال تجارت ایک شہر سے
دوسرے شہر میں لیجاتا ہے اور ایک مدت معلوم تک
اس لیجانے کی محافظت کی مشقت جھیلتا ہے، یا ایک شخص
اپنی کوشش اور عمل سے دلالی کرتا ہے یا مال کے اندر ایک
صفت پیدا کرکے لوگوں کے مال کی اصلاح کرتا ہے اور اسی
امثال، پس اگر مال میں زیادتی چاہنا ایسے کام کے ذریعہ
جس کو لوگوں کی معاونت میں دخل نہیں ہے جیسے قمار بازی
یا باہمی ایسی رضامندی سے ہے جو زبردستی کے معنی کے ساتھ
ہے جیسے سود کیونکہ تنگدست آدمی مجبور ہو کر ایسی چیز کو اپنے
لازم کرلیتا ہے جس کا ایفا نہیں کرسکتا اور اس کی رضامندی
حقیقت میں رضامندی نہیں ہوتی پس یہ عقود پسندیدہ عقود اور اسباب
صالحہ میں داخل نہیں ہیں بلکہ اصل حکمت مدینہ کے اعتبار سے ایسے
باطل اور حرام ہیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
جس نے بے آباد زمین کو آباد کیا پس وہ اسی کی ہے

اقول الاصل فيه ما اومأنا ان الكل مال الله ليس فيه حق لاحد في الحقيقة لكن الله تعالى لما اباح لهم الانتفاع بالارض وما فيها وقعت المشاحة فكان الحكم حينئذ ان لا يهيج احد مما سبق اليه من غير مضارة، فالارض الميتة التي ليست في البلاد ولا في فنائها اذا عمرها رجل فقد سبقت يده اليها من غير مضارة فمن حكمه ان لا يهيج فيها، والارض كلها في الحقيقة بمنزلة مسجد او رباط جعل وقفا على ابناء السبيل وهم شركاء فيه فيقدم الاسبق فالاسبق ومعنى الملك في حق الآدمي كونه احق بالانتفاع من غيره ۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عادي الارض لله ورسوله ثم هي لكم مني اقول ان عادي الارض هي التي باد عنها اهلها ولم يبق من يدعيها ويخاصم فيها ويحتج بسبق يد مورثه عليها، فاذا كانت الارض على هذه الصفة انقطع عنها ملك الآدميين وخلصت لملك الله فحكمها حكم ما لم يحيى قط لما ذكرنا من معنى الملك ۔

قال صلى الله عليه وسلم لا حمى الا لله ورسوله، اقول لما كان الحمى تضييقا على الناس وظلما عليهم واضرارا نهى عنه وانما استثنى الرسول لانه اعطاه الله الميزان وعصمه من ان يفرط منه ما لا يجوز، وقد ذكرنا ان الامور التي مبناها

میں کہتا ہوں اس میں اصل وہ بات ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ سب اللہ تعالیٰ کا مال ہے اور درحقیقت اس میں کسی کا حق نہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے زمین اور زمین کی چیزوں سے نفع حاصل کرنے کو مباح کیا تو باہم جھگڑا پیدا ہوا پس اس وقت یہ حکم ہوا کہ جس نے کسی کو بلا ضرر پہنچائے کسی چیز پر قبضہ کر لیا ہے اس چیز میں کوئی اس سے تعرض نہ کرے پس بنجر زمین جو نہ شہر میں ہے اور نہ شہر کے آس پاس ہے پس جب کوئی شخص اس کو آباد کر دیگا تو بغیر کسی کو ضرر پہنچانے کے سب سے پیشتر وہ اس پر قابض ہوا پس اس کا حکم یہ ہے کہ کوئی شخص اس سے اس زمین کو نہ چھینے اور تمام زمین درحقیقت بمنزلہ مسجد یا سرائے کے ہے جو مسافروں کے لئے وقف ہے اور وہ سب اس میں شریک ہیں پس جو پہلے ہے وہی زیادہ حقدار ہے، اور آدمی کے حق میں ملک کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کی بہ نسبت وہ نفع حاصل کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قدیم زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے پھر وہ میری طرف سے تمہارے لئے ہے" واضح ہو کہ عادی زمین اس زمین کو کہتے ہیں جس کے باشندے ہلاک ہو گئے ہوں اور اب کوئی مدعی اور مخاصم نہ ہو کہ اپنے مورث کے پیشتر قبضہ کے ساتھ دعوی کرنے والا باقی نہ رہا ہو پس جو زمین ایسی ہیں ان سے بنی آدم کی ملکیت ختم ہو گئی اور وہ خالص اللہ تعالیٰ کی ملک ہو گئیں اور ان کا حکم اس وجہ سے جو ملک کے معنی ہیں ہم بیان کر چکے ہیں اس زمین کا سا ہے جو کبھی آباد ہی نہیں ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بجز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے چراگاہ کسی کی نہیں۔

میں کہتا ہوں چونکہ گھاس کے رکھلانے میں لوگوں پر تنگی اور ان پر ظلم اور ضرر رسانی ہے اس لئے آپ نے اس سے منع فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اس لئے مستثنیٰ کئے گئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میزان عدل عطا فرمائی تھی اور اس بات سے آپ کو محفوظ کیا تھا کہ کوئی ناجائز بات آپ سے صادر ہو اور ہم بیان کر چکے ہیں

على المظان الخافية يستثنى منها النبي صلى
الله عليه وسلم، وان الامور التي مبناها
على تهذيب النفس وما يشبه ذلك
فالامور لازم فيها للنبي وغيره سواء (قضى)
صلى الله عليه وآله وسلم في سيل
المهزور ان يمسك حتى يبلغ الكعبين
ثم يرسل الاعلى على الاسفل، وفي قصة
مخاصمة الزبير رضي الله عنه اسق يا
زبير ثم احبس حتى يرجع الى الجدر ثم ارسل
الماء الى جارك؛

اقول الاصل فيه انه لما توجه الناس
في شيء مباح حقوق مترتبة وجب ان
يراعى الترتيب في قدر ما يحصل لكل
واحد فائدة هي ادنى ما يعتد بها فانه
لو لم يقدم الاقرب كان فيه التحكم و
المضارة ولو لم يستوف الاول ثم الاول
الفائدة لم يحصل الحق، فعلى هذا الاصل
قضى ان يمسك حتى يبلغ الكعبين وهو
قريب من قوله الى الجدر لانه اول حد
بلوغ الجدر وانما يكون قبلها امتصاص
الارض من غير ان يصادم الجدر، واقطع
صلى الله عليه وسلم الابيض بن حمال
المأربي الملح الذي بمأرب، فقيل انما
اقطعت له الماء العد قال فرجعه منه،

اقول لا شك ان المعدن الظاهر
الذي لا يحتاج الى كثير عمل انطاعه
لواحد من المسلمين اضرار بهم وتضييق
عليهم، وسئل صلى الله عليه وسلم عن
اللقطة فقال اعرف عفاصها ووكاءها

جن امور کا مبنی گمان غالب پر ہے ان سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مستث
ہیں اور جن امور کا مبنیٰ تہذیب نفس اور اس کے مشابہ امور پر ہے وہ
امور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسروں پر برابر برابر لازم ہیں اور
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مہزور کے نالہ میں یہ حکم دیا تھا کہ اس کو
روک لیا جائے یہانتک کہ ٹخنوں تک کھیت بھر جائے پھر اوپر
والا نیچے والے کے لئے چھوڑ دے، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ
کی مخاصمت کے قصہ میں یہ فیصلہ فرمایا "اے زبیر تو پانی
دے پھر اس کو روک یہانتک کہ پانی دیواروں کی جڑ تک
پہنچ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی کو چھوڑ دے"

میں کہتا ہوں اس میں اصل یہ ہے کہ جب ایک مباح
چیز میں لوگوں کے حقوق یکے بعد دیگرے متعلق ہوئے تو یہ
ضروری ہوا کہ ہر شخص کے لئے کم از کم معتد بہ فائدہ حاصل ہونے
کی مقدار میں بھی ترتیب کی رعایت کی جائے کیونکہ اگر قریب
کو مقدم نہ کیا جائیگا تو یہ اس کے حق میں زبردستی اور
ضرر رسانی ہوگی اور اگر درجہ بدرجہ ہر شخص پورا فائدہ حاصل
نہ کریگا تو اس کا حق حاصل نہیں ہوگا پس اس قاعدہ کے
موافق آپ نے پانی کے روکنے کا حکم دیا یہانتک کہ وہ ٹخنوں
تک پہنچ جائے اور یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے قریب
ہے کہ پانی دیوار کی جڑ تک پہنچ جائے کیونکہ وہ دیوار تک پہنچنے
شروع حد ہے اور ٹخنوں تک پہنچنے سے پہلے پہلے اس کو زمین جذب
کرسکتی ہے اور پانی دیواروں تک نہیں پہنچ سکتا، اور ایک مرتبہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابیض بن جمال ماربی کو نمک جو مارب میں تھا
دیا دیا پس کسی نے آپ سے عرض کیا کہ آپ نے تو اسکو ایک چشمہ جاری
دیدیا، راوی کہتا ہے کہ پھر آپ نے اس سے واپس لے لیا،

میں کہتا ہوں اس میں شک نہیں کہ جس کھلی ہوئی کان
زیادہ مشقت نہ ہو اس کو مسلمانوں میں سے کسی ایک کو عطا
کر دینا دیگر مسلمانوں کو ضرر پہنچانا اور ان پر تنگی کرنا ہے کسی
نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گری ہوئی چیز کے بارے میں دریافت
کیا آپ نے فرمایا "اسکے ظرف اور اس کے دہانہ بند

ثم عرفها سنة فان جاء صاحبها والا فشانك بها، قال فضالة الغنم؟ قال هي لك او لاخيك او للذئب، قال فضالة الابل؟ قال مالك ولها معها سقاؤها وحذاؤها ترد الماء وتاكل الشجر حتى يلقاها ربها، وقال جابر رضي الله عنه رخص لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في العصا والسوط والحبل واشباهه يلتقطه الرجل ينتفع به،

اقول اعلم ان حكم اللقطة مستنبط من تلك الكلية التي ذكرناها فما استغنى عنه صاحبه ولا يرجع اليه بعد ما فارقه وهو التافه يجوز تملكه اذا ظن ان المالك غاب ولم يرجع وامتنع عوده اليه لانه رجع الى مال الله وصار مباحا، واما ما كان له بال يطلب ويرجع له الغائب فيجب تعريفه على ما جرت العادة بتعريف مثله حتى يظن ان مالكه لم يرجع، و يستحب التقاط مثل الغنم لانه يضيع ان لم يلتقط، ويكره التقاط مثل الابل؛

واعلم انه يجب في كل مبادلة من اشياء عاقدين وعوضين، والشئ الذي يكون مظنة ظاهرة لرضا العاقدين بالمبادلة، وشئ يكون قاطعا منازعتهما موجبا للعقد عليهما، ويشترط في العاقدين كونهما حرين عاقلين يعرفان النفع والضر، ويباشران العقد على بصيرة وتثبت، وفي العوضين كونهما مالا ينتفع به ويرغب فيه ويشح به غير مباح ولا مالا فائدة معتدا بها فيه والا لم يكن

شناخت کر پھر ایک برس تک اس کو لوگوں میں مشہور کر پس اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر ہے ورنہ پھر اپنے کام میں لا، سائل نے عرض کیا کہ گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی مسلمان کے لئے ہے یا بھیڑیے کے لئے ہے پھر اس نے عرض کیا کہ گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا تجھ کو اس سے کیا کام ہے اس کے ساتھ اس کی مشک اور اس کے قدم ہیں پانی پئے گا اور گھاس کھائیگا یہانتک کہ اسکا مالک اسکو پالے گا، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی لکڑی اور کوڑے اور رسی اور انکے مثل چیزوں کی اجازت دی ہے کہ کوئی شخص ان کو اٹھا کر نفع حاصل کر سکتا ہے،

میں کہتا ہوں واضح ہو کہ پڑی ہوئی چیز کا حکم اسی قاعدہ کلیہ سے مستنبط ہے جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں پس جن چیزوں سے ان کا مالک مستغنی ہو اور ان کے گم ہونے کے بعد وہ لوٹ کر نہ آئے یعنی حقیر چیز ہو تو اس کا مالک بننا جائز ہے بشرطیکہ گمان ہو کہ اسکا مالک وہاں موجود نہیں ہے اور وہ لوٹ کر وہاں واپس نہیں آسکتا کیونکہ وہ چیز خدا تعالیٰ کا مال ہو کر مباح ہو گئی اور جو چیز کسی قدر قیمتی ہے جسکو انسان ڈھونڈتا ہے اور غائب اس کی تلاش میں واپس آتا ہے تو ایسی چیز کا اعلان کرنا جس قدر مدت تک ایسی چیز کے اعلان کرنے کا دستور ہو واجب ہے یہانتک کہ اسکے مالک کے واپس نہ آنیکا گمان غالب ہو جائے اور بکری جیسی چیزوں کا پکڑ لینا مستحب ہے کیونکہ اگر اس کو نہ پکڑا تو وہ ضائع ہو جائیگی اور اونٹ جیسی چیز کو پکڑنا مکروہ ہے،

واضح ہو کہ ہر مبادلہ میں چند چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک تو عاقدین اور عوضین اور اس چیز کا ہونا جس میں عاقدین کے مبادلہ کرنے پر رضامندی کا گمان غالب ہوتا ہے اور اس چیز کا ہونا بھی ضروری ہے جو انکی منازعت کو قطع کرنیوالی اور عاقدین پر عقد کو لازم کرنے والی ہوتی ہے اور عاقدین میں یہ شرط ہے کہ وہ دونوں آزاد ہوں، عاقل ہوں، نفع نقصان کو پہچانتے ہوں اور اس عقد کو سمجھ بوجھ کے ساتھ اور ثبات کے ساتھ عمل میں لانیوالے ہوں، اور عوضین میں شرط ہے کہ وہ دونوں مال قابل نفع اور قابل رغبت ہوں اور وہ مال ان چیزوں سے نہ ہوں جو ہر شخص کیلئے مباح ہیں اور وہ ان چیزوں کے

ما شرع الله لخلقه وكان عبثا او موعيا فيه فائدة ضمنية لا يذكرها في الظاهر وهذا احدى المفاسد لان صاحبها على شرف ان لا يجد ما يريده فيسكت على خيبة او يخاصم بغير حق توجه له عند الناس وفيما يعرف به رضا العاقدين ان يكون امرا واضحا يؤاخذ به على عيون الناس ولا يستطيع ان يحيف الا بحجة عليه، واوضح الاشياء في مثل ذلك العبارة، اللسان ثم التعاطي بوجه لا يبقى فيه ريب قال صلى الله عليه وسلم المتبايعان كل واحد منهما بالخيار على صاحبه ما لم يتفرقا الا بيع الخيار:

اقول اعلم انه لا بد من قاطع يميز حق كل واحد من صاحبه ويرفع خيارهما في رد البيع، ولولا ذلك لاضر احدهما بصاحبه ولتوقف كل عن التصرف فيما بيده خوفا ان يستقيلها الأخر، وههنا شئ أخر هو اللفظ المعبر عن رضا العاقدين بالعقد وعزمها عليه، ولا جائز ان يجعل القاطع ذلك لان مثل هذه الالفاظ يستعمل عند التراوض والمساومة اذ لا يمكن ان يتراوضا الا باظهار الجزم بهذا القدر، وايضا فلسان العامة في مثل هذا انتشال الرغبة من قلوبهم والفرق بين لفظ دون لفظ حرج عظيم وكذلك التعاطي فانه لا بد لكل واحد ان يأخذ ما يطلبه على انه يشتريه لينظر فيه ويتامله، والفرق بين اخذ

جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے مقرر فرمایا ہے اور وہ عقد عبث ہو جائے گا اور نہ اس عقد میں ضمنی فائدہ کی رعایت ہو (مثلاً سود) جس کو ظاہر میں ذکر نہیں کیا جاتا اور یہ منجملہ مفاسد کے ایک فساد ہے کیونکہ اس عقد کا کرنے والا اس خیال میں ہوتا ہے کہ جس چیز کا اس نے ارادہ کیا وہ اس کو نہ ملے گی پس وہ ناامیدی کے ساتھ سکوت کرتا ہے یا بغیر کسی حق کے جو لوگوں کے ساتھ متعلق ہوا ہو وہ شخص جھگڑا کرتا ہے، اور جس چیز سے عاقدین کی رضامندی پائی جاتی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ وہ واضح امر ہو جس پر لوگوں کے سامنے مؤاخذہ کیا جا سکے اور وہ شخص بلا دلیل قائم کئے ظلم نہ کر سکے اور اس باب میں سب سے زیادہ واضح چیز زبان سے صاف بیان کرنا ہے اور پھر اس طرح سے لین دین کرنا جس میں شک باقی نہ رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر اختیار ہے جبتک وہ دونوں جدا نہ ہوں سوائے بیع خیار کے"،

میں کہتا ہوں واضح ہو کہ ایک ایسے امر کا ہونا ضروری ہے جو ایک کے حق کو دوسرے کے حق سے جدا کرے اور بیع کے رد کرنے میں ان دونوں کے اختیار کو دور کر دے کیونکہ اگر ایسا امر قاطع نہ پایا جائیگا تو ایک دوسرے کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور اپنے قبضہ میں آئی ہوئی چیز میں تصرف کرنے سے ہر شخص متردد رہیگا اس خوف سے کہ اس بیع کو دوسرا شخص فسخ نہ کر دے، اور اس جگہ ایک اور امر ہے یعنی وہ لفظ بھی ضروری ہے جس سے عاقدین کی اس عقد سے رضامندی اور ان کے قصد کا بیان ہو اور یہ درست نہیں ہے کہ اس لفظ کو قاطع قرار دیا جائے کیونکہ ایسے الفاظ ترغیب لانے اور نرخ کرنے کے وقت مستعمل ہوتے ہیں اس لئے کہ جبتک ایک مقدار کے ساتھ یقین نہ ظاہر کیا جائے ان دونوں کا راضی ہونا ناممکن ہے اور نیز لوگوں کی زبان ایسے وقت میں دلی رغبت کی تصویر ہوتی ہے اور الفاظ کے درمیان باہم فرق کرنے میں بڑا حرج ہے اور ایسے ہی جانبین سے لین دین کرنا ہے کیونکہ ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز کو طلب کرتا ہے اس طور سے لیوے کہ اس کو خریدتا ہے تاکہ اس میں نظر و تامل کرے اور ایک لینے کو دوسرے لینے سے

وأخذ غير يسير، ولا جائز أن يكون القاطع
شيئا غير ظاهر ولا أجلا بعيد أيوما فما
فوقه إذ كثير من السلع إنما يطلب لينتفع
به في يومه فوجب أن يجعل ذلك التفرق
من مجلس العقد لأن العادة جارية بأن
العاقدين يجتمعان للعقد ويتفرقان بعد
تمامه، ولو تفحصت طبقات الناس من
العرب والعجم رأيت أكثرهم يرون رد
البيع بعد التفرق جورا أو ظلما لا تبله اللهم
إلا من غير فطرته، وكذلك الشرائع
الإلهية لا تنزل إلا بما تقبله نفوس
العامة قبولا أوليا، ولما كان من الناس
من يتسلل بعد العقد يرى أنه قد دهي
يكره أن يستقيله صاحبه، وفي ذلك قلب
موضوع سجل النبي صلى الله عليه وسلم
نهى عن ذلك فقال ولا يحل له أن يفارق
صاحبه خشية أن يستقيله، فوظيفتهما
أن يكونا على رسلهما ويتفرق كل واحد
عن صاحبه:

واعلم أنه إذا اجتمع عشرة آلاف
إنسان مثلا في بلدة فالسياسة المدنية
تبحث عن مكاسبهم فإنهم إن كان أكثرهم
مكتسبين بالصناعات وسياسة البلدة
والقليل منهم مكتسبين بالرعي والزراعة
فسد حالهم في الدنيا، وإن اكتسبوا
بعصارة الخمر وصناعة الأصنام كان
ترغيبا للناس في استعمالها على الوجه
الذي شاع بينهم فكان سببا لهلاكهم
في الدين، فإن وزعت المكاسب وأصحابها

فرق کرنا آسان نہیں ہے اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ قاطع پوشیدہ
شئی ہو اور نہ یہ درست ہے کہ قاطع ایک مدت ہو جو ایک روز یا اس
سے زیادہ ہو کیونکہ بہت سی چیزیں اس لئے مطلوب ہوتی ہیں کہ ان
سے اسی دن میں نفع حاصل کیا جائے لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ قاطع
مجلس عقد سے جدا ہونا قرار دیا جائے کیونکہ دستور ایسا جاری ہے
کہ عاقدین عقد کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اس کے تمام ہونے
کے بعد جدا ہو جاتے ہیں اور اگر عرب و عجم کے ہر قسم کے لوگوں کا تتبع
کرو گے تو تم کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ان میں اکثر لوگ جدا
ہو جانے کے بعد بیع کے رد کرنے کو جور و ظلم سمجھتے ہیں اور جدا ہونے
سے قبل یہ خیال نہیں کرتے سوائے چند لوگوں کے جنہوں نے اپنی
فطرت ہی بدل ڈالی ہو اور شرائع الٰہیہ انہیں احکام کے ساتھ نازل
ہوتے ہیں جن کو عام لوگ اول ہی بار تسلیم کر لیں اور چونکہ بعض لوگ
عقد کے بعد اس خیال سے کہ ان کو اس عقد میں نفع ہوا ہے پوشیدہ
طور پر چلدیتے ہیں اور دوسرے شخص پر اس بیع کے فسخ کو ناگوار
سمجھتے ہیں اور اس میں قلب موضوع لازم آتا ہے اس واسطے نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی اور آپ نے فرمایا اس کیلئے
جائز نہیں ہے کہ فسخ کے خوف سے اپنے ساتھی کو چھوڑ کر چلا جائے پس
ان دونوں کو لازم ہے کہ وہ دونوں اپنے حال پر قائم رہیں اور ان میں
سے ہر ایک اپنے ساتھی کے سامنے جدا ہو"

واضح ہو کہ جب کسی شہر میں مثلاً دس ہزار آدمی ہوں گے تو سیاست
مدینہ کو ان کے پیشوں سے بحث کرنا پڑیگی کیونکہ اگر ان میں سے اکثر
صنعت اور سیاست شہری میں مشغول ہو کر کسب کریں اور ان
میں سے تھوڑے لوگ مویشیوں کے چرانے اور زراعت کے پیشہ
میں مشغول ہوں تو دنیا میں ان کی حالت خراب ہو جائے گی اور
اگر شراب کشی اور بت تراشی کا پیشہ اختیار کریں تو اس سے
لوگوں کو اس طور پر ان کے استعمال کرنے کی ترغیب ہوگی جو
ان کے درمیان مروج ہے پس اس سے دین میں ان کی
ہلاکت ہے، اور اگر پیشہ وروں پر پیشوں کی اس
دستور کے موافق تقسیم کی جائے جو حکمت کا مقتضیٰ ہے

على الوجه المعروف الذى تعطيه الحكمة و
قبض على ايدى المتكسبين بالاكتساب القبيحة
صلح حالهم، وكذلك من مفاسد المدنة
ان ترغب عظماؤهم فى دقائق الحلى و
اللباس والبناء والمطاعم وغيد النساء
ونحو ذلك زيادة على ما تعطيه الارتفاقات
الضرورية التى لابد للناس منها واجتمع
عليها عرب الناس وعجمهم فيكتسب الناس
بالتصرف فى الامور الطبيعية لتتالى منها
شهواتهم فينتصب قوم الى تعليم الجوارى
للغناء والرقص والحركات المتناسبة
اللذيذة، وآخرون الى الالوان المطربة
فى الثياب وتصوير صور الحيوانات و
الاشجار العجيبة والتخاطيط الغريبة فيها
وآخرون الى الصناعات البديعة فى
الذهب والجواهر الرفيعة، وآخرون الى
الابنية الشامخة وتخطيطها وتصويرها
فاذا اقبل جم غفير منهم الى هذه الاكساب
اهملوا مثلها من الزراعات والتجارات
واذا انفق عظماء المدينة فيها الاموال
اهملوا مثلها من مصالح المدينة، وجر
ذلك الى التضييق على القائمين بالاكساب
الضرورية كالزراع والتجار والصناع
وتضاعف الضرائب عليهم وذلك ضرر
بهذه المدينة يتعدى من عضو منها
الى عضو حتى يعم الكل ويتجارى فيها
كما يتجارى الكلب فى بدن المكلوب،
وهذا شرح تضررهم فى الدنيا، واما
تضررهم بحسب الخروج الى الكمال

اور بڑے پیشہ کرنے والوں کو ان بڑے پیشوں سے
روکا جائے تو لوگوں کی حالت درست ہوگی اور اسی
طرح شہروں کی خرابیوں میں سے یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے
لوگوں کو زیورات اور لباس اور کھانوں کے دقائق کی طرف
اور عورتوں کے حسن کی طرف اور انہی کے مثل اور چیزوں کی
طرف اس ضرورت سے زیادہ رغبت دلائی جائے جس کی تدابیر
ضروریہ تقتضا کرتی ہیں اور جو لوگوں کے لئے ضروری ہیں اور
جن پر عرب وعجم کا اتفاق ہے اور لوگ امور طبعیہ میں تصرف کرکے
ایسے پیشے اختیار کریں جن سے رؤساء کی خواہشات پوری ہوں
پس ایک قوم لڑکیوں کو ناچنا گانا اور حرکات متناسب لذیذہ
کے سکھانے کی طرف متوجہ ہو اور کچھ لوگ کپڑوں کے اندر قسم
قسم کے خوش رنگ اور طرح طرح کی حیوانات اور درختوں کی
صورتیں اور عجیب عجیب نقش ونگار بنانے کی طرف متوجہ ہوں
اور کچھ لوگ سونے اور قیمتی جواہرات میں عجیب وغریب صنعتیں
نکالنے کی طرف متوجہ ہوں اور کچھ لوگ بلند بلند مکان بنانے اور انکے
نقش ونگار کرنے کا پیشہ اختیار کریں پس جب لوگوں کی ایک جماعت
کثیر ان پیشوں کی طرف متوجہ ہوگی تو ضرور ہے کہ اسی قدر زراعت
وتجارت لوگوں سے متروک ہو جائیگی اور جب شہر کے امراء ان
چیزوں میں روپیہ صرف کریں گے تو اسی قدر شہر کی دیگر مصلحتوں میں
کوتاہی ہو جائیگی اور اس سے یہ بات پیدا ہوگی کہ جو لوگ ضروری
پیشے کرتے ہیں مثلاً کاشتکار، تجار اور اہل صنعت پر تنگی ہوگی اور
ان پر زیادہ ٹیکس لگایا جائیگا اور اسمیں شہر کے لئے بڑا ضرر ہے
جو اسکے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک پہنچ کر تمام شہر کو
گھیر لے گا اور اس میں اس طرح پھیل جائے گا جس طرح دیوانے
کتے کے کاٹنے کا اثر اس شخص کے تمام جسم میں پھیل جاتا ہے جس کو
اس نے کاٹ لیا ہے،

یہ جو کچھ بیان ہوا ہے ان کے دنیاوی ضرر کا
بیان ہے اور کمال اخروی کی طرف پہنچنے میں جو
ضرر ان کو پہنچتا ہے وہ بیان کا محتاج

الاخروی فنهی عن البیان، وکان هذا
المرض قد استولی علی مدن العجم فنفث
الله فی قلب نبیه صلی الله علیه وسلم
ان یداوی هذا المرض بقطع مادته
منظور سول الله صلی الله علیه وسلم
الی مظان غالبیة لهذه الاشیاء کالقینات
والحریر والقسی وبیع الذهب بالذهب
متفاضلا لاجل الصیاغات اوطبقات
اصنافه ونحو ذلك فنهی عنها ؛

البیوع المنهی عنها

اعلم ان المیسر سحت باطل لانه
اختطاف لاموال الناس عنهم معتمد علی
اتباع جهل وحرص ومنیة باطلة ورکوب
غرر تبعثه هذه علی الشرط، ولیس له
دخل فی التمدن والتعاون فان سکت
المغبون سکت علی غیظ وخیبة، وان خاصم
خاصم فیما التزمه بنفسه واقتحم فیه بقصده
والغابن یستلذه ویدعوه قلیله الی کثیره
ولا یدعه حرصه ان یقلع عنه، وعما قلیل
تکون الکرة علیه، وفی الاعتیاد بذلك
افساد للاموال ومناقشات طویلة واهمال
للارتفاقات المطلوبة واعراض عن
التعاون المبنی علیه التمدن، والمعاینة
تغنیك عن الخبر هل رایت من اهل
القمار الا ماذکرناه، وکذلك الربا وهو
القرض علی ان یؤدی الیه اکثر وافضل
مما اخذ سحت باطل فان عامة المقترضین
بهذا النوع هم المفالیس المضطرون وکثیرا

نہیں ہے اور یہ مرض عجم کے شہروں میں پورے
طور پر پھیل چکا تھا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلے
اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس بات کا القا، کیا کہ اس
مرض کے مادہ کو قطع کرکے اس کا علاج کیا جائے پس
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اشیاء کے مظان
غالبیہ کی طرف نظر فرمائی جیسے مزین چیزیں اور ریشم
اور قسی اور سونے کی بیع زیادہ سونے کے عوض میں
لہذا آپ نے ان تمام چیزوں سے منع فرمایا،

بیع کی ان اقسام کا بیان جو ممنوع ہیں

واضح ہو کہ جوا حرام اور باطل ہے کیونکہ وہ لوگوں سے ان کے
اموال کا چھین لینا ہے جس کا مدار اتباع جہل وحرص اور باطل
آرزو اور فریب پر ہے جو اس کو شرط پر آمادہ کرتی ہیں اور اس
کو تمدن اور تعاون میں کچھ دخل نہیں ہے اور خسارہ پانے والا
اگر سکوت کرتا ہے تو غصہ اور ناامیدی کی حالت میں کرتا ہے
اور اگر جھگڑا کرتا ہے تو وہ ایسی چیز میں جھگڑا کرتا ہے جس کو
اس نے خود اپنے اوپر لازم کیا ہے اور قصداً اس میں پڑا
ہے اور جیتنے والے کو لذت حاصل ہوتی ہے اور تھوڑے
سے بہت کی طرف اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس کی حرص
اس عیب سے اس کو علیحدہ نہیں ہونے دیتی اور چند روز
کے بعد اس کو بھی خسارہ ہوتا ہے اور جوئے کی عادت ڈالنے
میں اموال کا برباد کرنا اور بڑے بڑے جھگڑوں کا پیدا
کرنا اور تدابیر مطلوبہ کا ترک کرنا اور اس تعاون سے اعراض
کرنا جس پر تمدن مبنی ہے ثابت ہوتا ہے اور معائنہ کرنے
کے بعد ہمارے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہے تم نے جس
قمار باز کو دیکھا ہوگا اس کو ایسا ہی پایا ہوگا جیسا کہ ہم نے
بیان کیا، اور اسی طرح سود ہے اور سود ایک قرض ہے کہ جتنا
مقروض نے لیا ہے اس سے زیادہ یا اس سے افضل ادا کرے اور
یہ بھی حرام اور باطل ہے کیونکہ اس طرح سے اکثر قرض لینے والے
مفلس لوگ ہوتے ہیں جو لاچاری کی وجہ سے لے لیتے ہیں اور بسا اوقات

مالا يجدون الوفاء عند الاجل فيصير اضعافا مضاعفة لا يمكن التخلص منه ابدا وهو مظنة لمناقشات عظيمة وخصومات مستطيرة، واذا جرى الرسم باستنماء المال بهذا الوجه افضى الى ترك الزراعات والصناعات التي هي اصول المكاسب ولا شئ في العقود اشد تدقيقا واعتناء بالقليل وخصومة من الربا، وهذان الكسبان بمنزلة السكر مناقضان لاصل ما شرع الله لعباده من المكاسب، وفيهما قبح ومناقشة، والامر في مثل ذلك الى الشارع اما ان يضرب له حدا يرخص فيما دونه ويغلظ النهي عما فوقه او يصد عنه رأسا، وكان الميسر والربا شائعين في العرب وكان قد حدث بسببهما مناقشات عظيمة لا انتهاء لها ومحاربات، وكان قليلهما يدعو الى كثيرهما فلم يكن اصوب ولا احق من ان يراعي حكم القبح والفساد موفرا فينهى عنهما بالكلية؛

واعلم ان الربا على وجهين حقيقي ومحمول عليه، اما الحقيقي فهو في الديون وقد ذكرنا ان فيه قلبا لموضوع المعاملات وان الناس كانوا منهمكين فيه في الجاهلية اشد انهماك وكان حدث لاجله محاربات مستطيرة وكان قليله يدعو الى كثيره، فوجب ان يسد بابه بالكلية، ولذلك نزل في القرآن في شأنه ما نزل، والثاني ربا الفضل، والاصل فيه الحديث المستفيض

وقت پر ادا نہیں کر سکتے پس وہ دو چند سہ چند ہوتا چلا جاتا ہے جس سے خلاصی کبھی ممکن نہیں ہوتی اور وہ بڑے بڑے جھگڑوں اور سخت دشمنیوں کا مظنہ ہے، اور جبکہ مال کے بڑھانے کا اس طرح سے طریقہ در رسم ہو جائیگا تو اس کی وجہ سے کھیتیاں اور وہ صنعتیں جو تمام پیشوں کی جڑ ہیں متروک ہو جائینگی اور تمام عقود میں کوئی ایسا عقد نہیں جو دشمنی پیدا کرنے میں اور ذرا سی چیز پر بھی بخل کرنے میں سود سے زیادہ ہو اور یہ دونوں پیشے بمنزلہ نشہ کے ہیں کہ جو کمانے کے طریقے خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کیلئے مشروع فرمائے ہیں انکی اصل کو یہ قطع کرنے والے ہیں اور ان دونوں میں سخت قباحت اور باہمی نزاع ہے اور ایسے امور میں شارع کو اختیار ہے یا تو ان کے لئے کوئی حد مقرر فرمائے کہ اس سے کم مقدار میں رخصت عطا فرمائے اور اس سے زیادہ میں سخت ممانعت فرمائے یا بالکل ہی منع فرما دے، اور جوا اور سود عرب میں بہت مروج تھا اور ان کی وجہ سے ایسے جھگڑے اور قضیے پیدا ہو گئے تھے جن کی انتہا نہ تھی اور ان دونوں میں تھوڑے سے بہت کی طرف نوبت پہنچتی تھی پس اس سے زیادہ مناسب اور بہتر صورت اور کوئی نہ تھی کہ ان میں برائی اور فساد کے حکم کی پوری رعایت کرتے ہوئے ان دونوں سے بالکل منع کر دیا جائے۔

اور واضح ہو کہ سود کی دو قسمیں ہیں ایک تو سود حقیقی ہے اور دوسرا وہ ہے جو حقیقی پر محمول ہے پس سود حقیقی قرضوں میں پایا جاتا ہے، اور ہم اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ اس میں معاملات کے موضوع کا بدلنا ہے اور زمانہ جاہلیت میں لوگ اس کے اندر نہایت گرفتار تھے اور اس کی وجہ سے بڑے بڑے جھگڑے پھیل گئے تھے اور تھوڑا سا سود بہت کی خواہش پیدا کرتا تھا اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کا دروازہ بالکل بند کر دیا جائے اسی واسطے قرآن کریم میں اس کے بارے میں نازل ہوا جو کچھ نازل ہوا، اور دوسری قسم ربوا فضل ہے اور اس میں اصل ایک حدیث مشہور ہے کہ "سونا سونے کے ساتھ

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر
بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر
والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء
يدا بيد، فاذا اختلفت هذه الاصناف
فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد" وهو
مسمى بربا تغليظا وتشبيها له بالربا
الحقيقي على حد قوله عليه السلام المنجم
كاهن، وبه يفهم معنى قوله صلى الله
عليه وآله وسلم لا ربا الا في النسيئة
ثم كثر في الشرع استعمال الربا في هذا
المعنى حتى صار حقيقة شرعية فيه
ايضا والله اعلم، وسر التحريم ان الله
تعالى يكره الرفاهية البالغة كالحرير و
الارتفاقات المحوجة الى الامعان في
طلب الدنيا كآنية الذهب والفضة،
وحلي غير مقطع من الذهب كالسوار و
الخلخال والطوق والتدقيق في المعيشة
والتعمق فيها لان ذلك مردهم في اسفل
السافلين صارف لافكارهم الى الوان
مظلمة، وحقيقة الرفاهية طلب الجيد
من كل ارتفاق، والاعراض عن رديه
والرفاهية البالغة اعتبار الجودة والرداءة
في الجنس الواحد، وتفصيل ذلك انه
لا بد من التعيش بقوت ما من الاقوات
والتمسك بنقد ما من النقود، والحاجة
الى الاقوات جميعها واحدة والحاجة
الى النقود جميعها واحدة ومبادلة
احدى القبيلتين بالاخرى من اصول
الارتفاقات التي لا بد للناس منها،

اور چاندی چاندی کے ساتھ اور گیہوں گیہوں کے ساتھ
اور جَو جَو کے ساتھ اور چھوارہ چھوارہ کے ساتھ اور نمک
نمک کے ساتھ مثل کو مثل کے ساتھ برابر برابر دست بدست
فروخت کرو پس جب یہ اجناس مختلف ہوں تو جیسے
چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو" اور
اس کو ربوا تہدیداً کہتے ہیں اور اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سود
حقیقی کے ساتھ مشابہ ہے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
ایک حدیث میں منجم کو کاہن فرمایا ہے اور اسی سے نبی صلے اللہ
علیہ وسلم کے اس قول کے معنی بھی مفہوم ہو سکتے ہیں "نہیں ہے
سود مگر قرض میں" پھر شرع کے اندر کثرت سے سود کا استعمال
اس معنی میں آیا ہے حتی کہ اس معنی میں بھی حقیقت شرعیہ ہو
گیا۔ واللہ اعلم

اور اس کے حرام ہونے میں یہ راز ہے کہ خدا تعالے کو
نہایت درجہ کی عیش پسندی ناپسند ہے جیسے ریشم پہننا اور
وہ ارتفاقات بھی ناپسند ہیں جن میں طلب دنیا کے اندر منہمک
ہونے کی حاجت پڑتی ہے جیسے سونے چاندی کے برتن
استعمال کرنا اور ایسے زیورات پہننا جو گھڑ کر بنائے جاتے
ہیں جیسے کنگن اور پازیب اور ہنسلی، اور کھانے پینے میں
زیادہ تکلف کرنا بھی ناپسند ہے کیونکہ یہ امور لوگوں کو اسفل
السافلین میں گرانے والے اور ان کے افکار کو تاریک رنگوں
کی طرف پھیر دینے والے ہوتے ہیں اور عیش پسندی کی حقیقت
ہر چیز میں سے عمدہ چیز کی آرزو کرنا اور ناقص چیز سے اعراض
کرنا ہے، اور نہایت درجہ کی عیش پسندی یہ ہے کہ ایک ہی
جنس میں اچھی اور بری کا لحاظ کیا جائے اور اس کی تفصیل
یہ ہے کہ انسان کو زندگی بسر کرنے میں کسی نہ کسی کھانے اور
کسی قدر نقد کی ضرورت پڑتی ہے اور سب کھانوں کی
طرف اور سب نقدوں کی طرف ایک ہی حاجت ہے
اور دونوں میں سے ایک کا دوسرے سے مبادلہ کرنا ان
ارتفاقات کے اصول میں سے ہے جن کے بغیر چارہ نہیں ہے،

ولا ضرورة فی مبادلة شئ بشئ یکفی کفایته ومع ذلك فاوجب اختلاف امزجتهم وعاداتهم ان تتفاوت مراتبهم فی التعیش وهو قوله تعالیٰ نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیاة الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم بعضا سخریا فیکون منهم من یأکل الارز والحنطة، ومنهم من یأکل الشعیر والذرة، ویکون منهم من یتحلی بالفضة ؛

واما تمیز الناس فیما بینهم باقسام الارز والحنطة مثلا واعتبار فضل بعضها علی بعض، وکذلك اعتبار الصناعات الدقیقة فی الذهب وطبقات عیاره، فمن عادة المسرفین والاعاجم والامعان فی ذلك تعمق فی الدنیا، فالمصلحة حاکمة بسد هذا الباب فتفطن الفقهاء ان الربا المحرم یجری فی غیر الاعیان الستة المنصوص علیها، وان الحکم متعد منها الی کل ملحق بشئ منها ثم اختلفوا فی العلة ؛

والاوفق بقوانین الشرع ان تکون فی النقدین الثمنیة وتختص بهما، وفی الاربعة المقتات المدخر، ان الملح لا یقاس علیه الدواء والتوابل لان للطعام الیه حاجة لیست الی غیره ولا عشر تلك الحاجة، فهو جزء القوت وبمنزلة نفسه دون سائر الاشیاء، وانما ذهبنا الی ذلك لان الشرع اعتبر الثمنیة فی کثیر من الاحکام کوجوب التقابض فی المجلس

اور کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ جو اس کی جگہ کافی ہو سکے مبادلہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کے مزاج اور عادات کا اختلاف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تعیش میں ان کے درجے متفاوت ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے" پس ان میں سے بعض گیہوں اور چاول کھاتے ہیں اور ان میں سے بعض جَو اور جوار کھاتے ہیں اور بعض چاندی کے زیور پہنتے ہیں،

اور لوگوں کا باہم چاول اور گیہوں کے قسموں میں ممیز ہونا اور بعض کی بعض پر فضیلت کا اعتبار کرنا اور اسی طرح سونے میں باریک باریک صنعتوں کا اعتبار کرنا اور اس کی عمدگی کے درجات کا اعتبار کرنا مسرفین اور عجمی لوگوں کی عادات سے ہے اور ان امور میں غور و فکر کرنا دنیا میں غرق ہونا ہے پس مصلحت شرعی کا یہی حکم ہے کہ اس دروازہ کو بند کر دیا جائے اور فقہاء نے سمجھ لیا کہ علاوہ ان چھ چیزوں کے جن کی حدیث میں تصریح ہے اور چیزوں میں بھی سود جو حرام ہے جاری ہوتا ہے اور ان سے اور چیزوں کی طرف جو ان کے ملحق ہیں حکم متعدی ہوتا ہے پھر اس کی علت دریافت کرنے میں فقہاء کا باہم اختلاف ہے

اور قوانین شرعیہ کے ساتھ زیادہ تر موافق یہ ہے کہ سونے چاندی میں اس کی علت ثمنیت ہو اور انہی دونوں کے ساتھ مخصوص ہو اور باقی چاروں میں قوت اور ذخیرہ ہونا اس کی علت ہو، اور نمک پر دوا اور مصلحات کو قیاس نہیں کیا کیونکہ کھانے کو جسقدر نمک کی طرف حاجت ہے وہ حاجت کسی چیز کی نہیں ہے بلکہ اس حاجت کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے پس نمک قوت کا جزء اور بمنزلہ قوت کے ہے نہ کہ اور چیزیں، اور ہم اس علت کی طرف اسی لئے گئے ہیں کہ شریعت نے بہت سے احکام میں ثمنیت کا اعتبار کیا ہے جیسے مجلس عقد میں تقابض البدلین کا ضروری ہونا

لان الحديث ورد بلفظ الطعام، والطعام يطلق فی العرف علے معنيين احدهما البر وليس بمراد، والثانی المقتات المدخر ولذلك جعل قسيما للفاكهة والتوابل، وانما اوجب التقابض فی المجلس لمعنيين، احدهما ان الطعام والنقد الحاجة اليهما اشد الحاجات واكثرها وقوعا والانتفاع بهما لا يتحقق الا بالافناء والاخراج من الملك وربما ظهرت خصومة عند القبض ويكون البدل قد فنی، وذلك اقبح المناقشة، فوجب ان يسد هذا الباب بان لا يتفرقا الا عن قبض ولا يبقے بينهما شئ، وقد اعتبر الشرع هذه العلة فی النهی عن بيع الطعام قبل ان يستوفی، وحيث قال فی اقتضاء الذهب من الورق، ما لم تتفرقا وبينكما شئ، والثانی انه اذا كان النقد فی جانب والطعام او غيره فی جانب، فالنقد وسيلة لطلب الشئ كما هو مقتضے النقدية فكان حقيقا بان يبذل قبل الشئ، واذا كان فی كلا الجانبين النقد او الطعام كان الحكم ببذل احدهما تحكما ولو لم يبذل من الجانبين كان البيع الكالئ بالكالئ وربما يشح بتقديم البذل، فاقتضے العدل ان يقطع الخلاف بينهما ويؤمرا جميعا ان لا يتفرقا الا عن قبض، وانما خص الطعام والنقد لانهما اصلا الاموال واكثرها تعاورا ولا ينتفع بهما الا بعد اهلاكهما، فلذلك كان الحرج فی التفرق عن بيعهما قبل القبض اكثر وافضے الی

اور اس لئے کہ حدیث میں طعام کا لفظ وارد ہوا ہے اور عرف میں طعام کے دو معنی ہیں ایک تو طعام گیہوں کا نام ہے سو وہ اس جگہ مراد نہیں ہے اور دوسرے طعام اس کو کہا جاتا ہے جو قوت کے لئے ذخیرہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ طعام کا لفظ میوہ جات اور مصلحات کے مقابل بولا جاتا ہے اور مجلس عقد میں قبضہ کے واجب کرنے کے دو سبب ہیں ایک تو یہ ہے کہ طعام اور نقد کی طرف سب چیزوں سے زیادہ حاجت ہوتی ہے اور ان دونوں سے نفع بغیر ان کو معدوم اور ملک سے خارج کئے حاصل نہیں ہو سکتا اور بسا اوقات قبضہ کرتے وقت جھگڑا ہو جاتا ہے اور بدل فنا ہو چکا ہوتا ہے اور یہ سب جھگڑوں سے زیادہ بُرا ہوتا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اس دروازہ کو اس طور سے بند کیا جائے کہ عاقدین بغیر قبضہ کئے جدا نہ ہوں اور ان دونوں میں کوئی قصہ باقی نہ رہے اور شریعت نے قبضہ کرنے سے پیشتر طعام کی بیع کی ممانعت میں اسی علت کا اعتبار کیا ہے، اور چاندی کو سونے سے بدلنے میں جو یہ فرمایا" تم دونوں اس وقت تک جدا نہ ہو جب تک تم میں کوئی بات باقی ہے" اس کا سبب بھی یہی ہے، اور دوسرا سبب یہ کہ جب نقد ایک طرف ہو اور غلہ وغیرہ دوسری طرف ہو تو نقد اس چیز کے طلب کرنیکا ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ وہ نقد ہونے کا مقتضی ہے پس مناسب ہے کہ اس چیز کے لینے سے پہلے اس کو خرچ کیا جائے اور جب دونوں جانب نقد یا طعام ہو تو ایک کو پہلے دینے کا حکم تحکم قرار پائیگا اور اگر طرفین سے دینے کا حکم نہ ہو تو وہ قرض کی قرض کے ساتھ بیع ہو گی اور بسا اوقات بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پہلے دینے میں بخل کرتا ہے اسواسطے عدل کا مقتضی یہی ہوا کہ باہمی جھگڑا دور کر دیا جائے اور دونوں کو یہ حکم دیا جائے کہ بغیر قبضہ کئے جدا نہ ہوں اور غلہ اور نقد کو اسلئے خاص کیا کہ یہ سب اموال کی اصل ہیں اور سب سے زیادہ ان کا لین دین رہتا ہے اور ان دونوں کے معدوم کرنے کے بعد ہی نفع حاصل ہوتا ہے پس ان دونوں کے لین دین میں قبضہ کرنے سے پیشتر جدا ہونے میں زیادہ

المنازعة والمنع فيهما ارد ع عن تدقيق المعاملة

واعلم ان مثل هذا الحكم انما يراد به ان لا يجري الرسم به وان لا يعتاد تكسب ذلك الناس لا ان لا يفعل شئ منه اصلا، ولذلك قال عليه الصلاة والسلام لبلال بع التمر ببيع اخر ثم اشتريه به

واعلم ان من البيوع ما يجري فيه معنى الميسر، وكان اهل الجاهلية يتعاملون بها فيما بينهم فنهى عنها النبي صلى الله عليه وسلم، منها المزابنة ان يبيع الرجل الثمر في رءوس النخل بمائة فرق من التمر مثلا، والمحاقلة ان يبيع الزرع بمائة فرق حنطة، ورخص في العرايا بخرصها من التمر فيما دون خمسة اوسق لانه عرف انهم لا يقصدون في ذلك القدر الميسر، وانما يقصدون اكلها رطبا، وخمسة اوسق هو نصاب الزكاة وهي مقدار ما يتفكه به اهل البيت، ومنها بيع الصبرة من التمر لا يعلم مكيلتها بالكيل المسمى من التمر، والملامسة ان يكون لمس الرجل ثوب الأخر بيده بيعا، والمنابذة ان يكون نبذ الرجل بثوبه بيعا من غير نظر، وبيع الحصاة ان يكون وقوع الحصاة بيعا، فهذه البيوع فيها معنى الميسر وفيها قلب موضوع المعاملة وهو استيفاء حاجته بتدبر وتثبت، ونهى عن بيع العربان ان يقدم اليه شئ من الثمن فان اشترى حسب من الثمن والا فهو له مجانا وفيه معنى الميسر، وسئل صلى

نزاع پیدا ہوتا ہے اور دونوں میں اس بات کے منع کرنے سے معاملہ کی وقت پورے طور پر دور ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ ایسا حکم دینے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ لوگوں میں یہ رسم جاری نہ ہو اور لوگ اسکے عادی نہ ہوں نہ یہ کہ بالکل اس قسم کے معاملہ کا وقوع نہ ہو اور اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا تھا "دوسری بیع کے ساتھ چھواروں کو فروخت کر پھر تو اس کو خرید لے" اور واضح ہو کہ بیع کی بعض اقسام ایسی ہیں جن میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور اہل جاہلیت آپس میں ایسی بیع کیا کرتے تھے سو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرمایا، ازآں جملہ بیع مزابنہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً درخت پر لگے ہوئے پھل چھوارے کے سو فرق[1] کے ساتھ بیع کرے، اور ازآنجملہ بیع محاقلہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کھیتی کو گیہوں کے سو بورں کے ساتھ بیع کرے، اور عرایا[2] میں آپ نے چھواروں کے ساتھ اندازہ کرکے بیع کرنے کی رخصت دی بشرطیکہ وہ پھل پانچ وسق سے کم ہوں کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اتنی مقدار میں لوگ قمار کا قصد نہیں کرتے بلکہ تر کھجوریں کھانا چاہتے ہیں۔ اور پانچ وسق زکوٰۃ کا نصاب ہے اور یہ ایسی مقدار ہے جس کو ایک کنبہ کھا سکتا ہے، اور ازآنجملہ کھجوروں کا ایک انبار جسکا وزن معلوم نہیں ہے ان کو ان چھواروں کے ساتھ بیع کرنا جن کا وزن معلوم ہے، اور ازآنجملہ بیع ملامسہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کا کپڑہ چھولے تو بیع تمام ہو جائے، اور ازآں جملہ بیع منابذہ ہے کہ بغیر دیکھے بھالے ایک شخص اپنا کپڑا پھینک دے تو بیع ثابت ہو جائے، اور ازآنجملہ بیع الحصاۃ ہے کہ کنکریاں ڈالدینے سے بیع قرار دیجائے پس بیع کے ان اقسام میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور ان میں معاملہ کا بدلنا لازم آتا ہے اور وہ دیکھ بھال کر استقلال سے اپنی ضرورت پورا کرنا ہے اور بیع عربان سے بھی آپنے منع فرمایا اور وہ یہ ہے کہ خریدار فروخت کرنیوالے کو کسی قدر پیشگی رقم دیدے پس اگر اس نے خرید لیا تو وہ قیمت میں سے منہا کر دی گئی ورنہ وہ اسکے لئے بغیر عوض کے ہو گئی اور اس میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور نبی صلی

[1] سولہ رطل کا ایک فرق ہوتا ہے [2] عرایا ان درختوں کو کہتے ہیں جو کسی کو ہبہ کردیے جاتے تھے پس باغ میں اس موہوب لہ کا آنا جانا مالک کو ناگوار گزرتا تھا اس لئے ان کی بیع کو جائز قرار دیا۔ ۱۲

الله عليه وسلم عن اشتراء التمر بالرطب، فقال اينقص اذا يبس؟ فقال نعم فنهاه عن ذلك۔

اقول وذلك لانه احد وجوه الميسر وفيه احتمال ربا الفضل، فان المعتبر حال تمام الشئ، وقال صلى الله عليه وسلم في قلادة فيها ذهب وخرز لا تباع حتى تفصل

اقول وذلك لانه احد وجوه الميسر ومظنة ان يغبن احدهما فيسكت على غيظ او يخاصم في غير حق۔

واعلم ان النبي صلى الله عليه وسلم بعث في العرب ولهم معاملات وبيوع فاوحى الله اليه كراهية بعضها وجواز بعضها والكراهية تدور على معان منها ان يكون شئ قد جرت العادة بان يقتنى لمعصية ويكون الانتفاع المقصود به عند الناس نوعا من المعصية كالخمر، والاصنام والطنبور، ففي جريان الرسم ببيعها واتخاذها تنويه بتلك المعاصي وحمل الناس عليها وتقريب لهم منها، وفي تحريم بيعها واقتنائها اخمال لها وتقريب لهم من ان لا يباشروها

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام، وقال صلى الله عليه وسلم ان الله اذا حرم شيئا حرم ثمنه، يعني اذا كان وجه الاستمتاع بالشئ متعينا كالخمر يتخذ للشرب، والصنم للعبادة فحرمه الله اقتضى ذلك في حكمة الله تحريم بيعها، قال صلى الله عليه وسلم

علیہ وسلم سے کسی نے تازہ چھواروں کو خشک چھواروں سے بیع کرنے کی نسبت دریافت کیا پس آپ نے فرمایا کیا خشک ہو کر تر کھجوریں کچھ کم ہو جاتی ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں، تب اس قسم کی بیع سے آپ نے منع فرمایا،

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی ایک قسم کا قمار پایا جاتا ہے اور اس میں سود حکمی کا احتمال ہے کیونکہ شئی کے پورے حال کا اعتبار ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس ہار میں سونا اور کوڑیاں ہوں اس کی بیع نہ کیجائے جب تک انکو جداجدا نہ کرلیا جائے"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی ایک قسم کا قمار ہے اور ان میں سے ایک کے نقصان کا مظنہ ہے اگر سکوت کریگا تو غصہ کی حالت میں کریگا اور اگر جھگڑا کریگا تو غیر حق میں کریگا،

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایسے وقت عرب میں پیدا ہوئے تھے کہ ان کے اندر معاملات اور خرید وفروخت پائی جاتی تھی پس خدا تعالی نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف بعض بیوع کے جواز اور بعض کی کراہت کی وحی نازل فرمائی اور کراہت کا مدار چند چیزوں پر ہے ازآں جملہ یہ ہے کہ وہ اس قسم کی چیز ہو کہ اس کی عادت ڈالنے سے معصیت پیدا ہوتی ہو یا وہ نفع جو اس سے مقصود ہو کہ وہ لوگوں کے نزدیک قسم کی معصیت ہو جیسے شراب اور بت اور طنبور پس ان چیزوں کی بیع کا دستور جاری کرنے میں اور ان کے بنانے میں ان معاصی کی عظمت اور لوگوں کو ان پر آمادہ کرنا ہے اور ان چیزوں کی خرید وفروخت کو اور گھروں میں رکھنے کو حرام کرنے میں معاصی کا دور کرنا اور لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب کریں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالے اور اس کے رسول نے شراب اور مردار اور سور اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام کیا ہے" اور نیز نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالے جب کسی چیز کو حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کردیتا ہے" یعنی جب کسی شئی سے نفع حاصل کرنے کی وجہ متعین ہو جیسے شراب پینے کے لئے بنائی جاتی ہو اور بت پرستش کیلئے بنائے جاتے ہیں تو اللہ تعالی نے اس چیز کو حرام کیا اور اس کی وجہ سے حکمت الہی کا مقتضی ہوا کہ انکی بیع بھی حرام کردیجائے نبی

مهر البغي خبيث، نهى صلى الله عليه وسلم عن حلوان الكاهن، ونهى عن كسب الزمارة

اقول المال الذي يحصل من مخامرة المعصية لا يحل الاستمتاع به لمعنيين احدهما ان تحريم هذا المال وترك الانتفاع به زاجر عن تلك المعصية وجريان الرسم بتلك المعاملة جالب للفساد حامل لهم عليه، وثانيهما ان الثمن ناشئ من المبيع في مدارك الناس وعلومهم، فكان عند الملأ الاعلى للثمن وجود تشبيهي انه المبيع، وللأجرة وجود تشبيهي انه العمل فانجر الخبث اليه في علومهم، فكان لتلك الصورة العلمية اثر في نفوس الناس.

ولعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه.

اقول الاعانة في المعصية وترويجها وتقريب الناس اليها معصية وفساد في الارض، ومنها ان مخالطة النجاسة كالميتة والدم والسرقين والعذرة فيها شناعة وسخط ويحصل بها مشابهة الشياطين والنظافة وهجر الرجز من اصول ما بعث النبي صلى الله عليه وسلم لاقامته، وبه تحصل مشابهة الملائكة والله يحب المتطهرين.

ولما لم يكن بد من اباحة بعض المخالطة اذ في سد الباب بالكلية حرج وجب ان ينهى عن التكسب بمعالجته والتجر فيه وفي معنى النجاسة الرفث الذي يستحيا منه

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زنا کی اجرت خبیث ہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہن کو اجرت دینے سے منع فرمایا، اور آپ نے گانے کے کسب سے منع فرمایا۔

میں کہتا ہوں جو مال معصیت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اس سے نفع حاصل کرنا دو سبب سے ممنوع ہے ایک سبب یہ ہے کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے نفع نہ حاصل کرنے میں معصیت سے روکنا ہے اور ان کے معاملہ کے دستور جاری کرنے میں فساد پیدا کرنا اور لوگوں کو ان گناہوں پر آمادہ کرنا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ لوگوں کے خیال اور ان کے اعتقاد میں قیمت مبیع سے پیدا ہوتی ہے پس عالم بالا کے نزدیک قیمت کا وجود تشبیہی یہ ہے کہ وہ خود مبیع ہے اور اجرت کا وجود تشبیہی یہ ہے کہ وہ خود عمل ہے پس ان کے علوم میں اس مبیع اور اس عمل کی خباثت اس قیمت اور اس اجرت کی طرف پہنچ گئی پس لوگوں کے نفوس میں اس صورت علمیہ کا بڑا اثر ہوتا ہے اور شراب کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے بنانے والے پر اور اس کے بنوانے والے پر اور اسکے پینے والے پر اور اسکے اٹھانے والے پر جس کے پاس وہ شراب جائے اس پر لعنت کی۔

میں کہتا ہوں گناہ میں اعانت کرنا اور اس کا پھیلانا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا بھی معصیت ہے اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔ اور انہی میں سے نجاست کے ساتھ اختلاط کرنا ہے جیسے مردار اور خون اور گوبر اور پاخانہ وغیرہ کو ان میں نہایت قباحت اور خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہے اور ان چیزوں سے شیاطین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزگی حاصل کرنا اور ناپاکی سے دور رہنا ان اصولوں میں سے ہے جن کے قائم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا تھا اور اس پاکیزگی سے ملائکہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزہ لوگوں کو خدا تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور جبکہ کسی قدر مخالطت سے چارہ نہ تھا کیونکہ اس دروازہ کو بالکل بند کرنے میں لوگوں پر دقت تھی اس واسطے ضروری ہوا کہ ان ناپاک چیزوں کے اختلاط کے ساتھ پیشہ اختیار کرنے اور ان کی تجارت کرنے سے منع کیا جائے اور نجاست کے معنی

کالسفاد ولذ حرم بیع المیتة ونهی عن کسب الحجام، وقال عند الضرورة اطعمه ناضحك، ونهی عن عسب الفحل ویروی و ضراب الجمل، ورخص فی الکرامة، وهی ما یعطی من غیر شرط، ومنها ان لا تنقطع المنازعة بین العاقدین لابهام فی العوضین او یکون العقد بیعة فی بیعتین او لا یمکن تحقق الرضا الا برؤیة المبیع ولم یره او یکون فی البیع شرط یحتج به من بعد، ونهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع المضامین والملاقیح، فالمضامین ما فی اصلاب الفحول، والملاقیح ما فی البطون وعن بیع حبل الحبلة، وعن بیع الکالیٔ بالکالیٔ، وعن بیعتین فی بیعة ان یکون البیع بالف نقد او الفین نسیئة لانه لا یتعین احد الامرین عند العقد، و قیل ان یقول بعنی هذا بالف علی ان تبیعنی ذاك بكذا، وهذا شرط یحتج به الشارط من بعد فیخاصم، ومنه ان یبیع لشرط ان اراد البیع فهو احق به، قال فیه عمر رضی الله عنه لا تحل لك و فیها شرط لاحد، ونهی النبی صلی الله علیه وسلم عن الثنیا حتی یعلم مثل ان یبیع عشرة افراق الاشیاء لان فیه جهالة مفضیة الی المنازعة وما کل جهالة تفسد البیع، فان کثیرا من الامور یترك مهملا فی البیع، واشتراط الاستقصاء ضرر ولکن المفسد هو المفضی الی المنازعة، ومنها ان یقصد بهذا البیع معاملة اخری

ہیں وہ بیہودہ کام بھی داخل ہے جس سے حیا کیجاتی ہے جیسے نر کو مادہ پر چھوڑنا اور اسی لئے مردار کی بیع کو حرام کیا اور پچھنے لگانے کے پیشے سے منع فرمایا اور بوقت ضرورت آپ نے فرمایا "اسکو اپنے اونٹ کو کھلا دے" اور نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت سے منع فرمایا اور ایک روایت میں اونٹ کے گابن کرنیکا لفظ آیا ہے اور کرامت کی صورت میں رخصت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ بلا شرط کئے اس کو کچھ دیدیا جائے جس کے پاس گابن کرنے والا جانور ہے۔

اور منجملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ عاقدین کے درمیان عوضین میں ابہام ہونے کی وجہ سے منازعت ختم نہ ہو یا وہ عقد دو بیع کے درمیان ایک بیع ہو یا رضا کا پایا جانا بغیر مبیع کو دیکھے ممکن نہ ہو اور اس نے اس کو ہنوز نہ دیکھا ہو یا بیع میں ایسی شرط ہو جس سے بعد میں نزاع ہو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مضامین اور ملاقیح کی بیع سے منع فرمایا ہے، مضامین سے مراد وہ نطفہ ہے جو نروں کی پشتوں میں ہو اور ملاقیح وہ بچے ہیں جو ہنوز مادہ کے پیٹ میں ہیں، اور بچے کے بچے کی بیع سے اور قرض کے ساتھ بیع کرنے سے اور اور ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا مثلاً اس طرح فروخت کرے کہ اگر نقد ہے تو ایک ہزار اور قرض ہے تو دو ہزار کیونکہ عقد کے وقت ان دو امروں میں سے ایک امر کی تعئین نہیں پائی جاتی اور بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص اس طرح کہے کہ تو یہ چیز میرے ہاتھ ہزار میں بیچ دے بشرطیکہ فلاں چیز کو اتنی قیمت سے فروخت کرے اور یہ ایسی شرط ہے جس پر بعد میں شرط کرنیوالا حجت پکڑ سکتا ہے اور جھگڑا کر سکتا ہے، اور ازاں جملہ یہ صورت ہے کہ بیچنے والا خریدنے والے سے یہ شرط کرے کہ اگر تو اس چیز کو فروخت کرے تو میں ہی اسکا زیادہ حقدار ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی بیع میں فرمایا کہ یہ تیرے لئے حلال نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک کے لئے شرط ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مبیع میں سے کسی چیز کے مستثنیٰ کرنے سے جبتک معلوم نہ ہو نہی فرمائی ہے مثلاً کوئی شخص کسی چیز کے دس ٹوکرے فروخت کرے اور بلا تعئین اس میں سے کچھ مستثنیٰ کرے کیونکہ اس کے اندر جہالت پائی جاتی ہے جس سے جھگڑا قائم ہو سکتا ہے اور ہر [4]

[4] جہالت سے بیع فاسد نہیں ہوتی کیونکہ بہت سی چیزوں کا بیع میں ذکر نہیں ہوتا اور اگر تمام امور کی تفصیل کی جائے تو اسمیں بڑا ضرر ہے بلکہ بیع کو فاسد کرنے والی وہ جہالت ہے جس سے جھگڑا برپا ہوتا ہو، اور ازانجملہ یہ ہے کہ اس بیع سے کوئی دوسرا معاملہ مقصود ہو۔

يترقبها في ضمنه او معه لانه ان نقد المطلوب لم يكن له ان يطالب ولا ان يسكت، و مثل هذا حقيق بان يكون سببا للخصومة بغير حق ولا يقضى فيها بشئ فصل ؛

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل بيع وسلف ولا شرطان في بيع، مثل ان يقول بعت هذا على ان تقرضني كذا، ومعنى الشرطين ان يشترط حقوق البيع و يشترط شيئا خارجا منها مثل ان يهبه كذا او يشفع له الى فلان او ان احتاج الى بيعه لم يبع الا منه ونحو ذلك فهذا شرطان في صفقة واحدة ؛

و منها ان لا يكون التسليم بيد العاقد كمبيع ليس بيد البائع وانما هو حق توجه له على غيره وشئ لا يجده الا برفع قضية او اقامة بينة او سعي واحتيال و استيفاء واكتيال او نحو ذلك فانه مظنة ان يكون قضية في قضية، او يحصل غرر تخييب وكل ما ليس عندك فلا تأمن ان تجده الا بجهد النفس، وربما يطالب المشتري بالقبض فلا يكون عنده فيطالب الذي توجه عليه حقه او يذهب ليصطاد من البرية او يشتري من السوق او يستوهب من صديقه، وهذا اشد المنافسات، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تبع ما ليس عندك، ونهى عن بيع الغرر، و هو الذي لا يتيقن انه موجود اولا وهل يجده اولا، قال صلى الله عليه وسلم من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه

جس کا وہ ضمناً یا اس بیع کے ساتھ امیدوار ہے کیونکہ اگر مطلوب فوت ہو جائے گا تو وہ نہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے اور نہ سکوت کر سکتا ہے اور ایسی بات خواہ مخواہ بغیر کسی حق کے خصومت کا سبب ہوتی ہے اور اس میں پورا پورا کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بیع اور قرض درست نہیں اور نہ ایک بیع میں دو شرطیں حلال ہیں" مثلاً یہ کہے کہ میں نے تجھ کو اس شرط پر بیع کی کہ تو مجھے اسقدر قرض دے اور دو شرطوں کے معنی یہ ہیں کہ حقوق بیع کو اور اس کے علاوہ کسی خارج چیز کو شرط کرے مثلاً یہ شرط لگائے کہ مجھکو فلاں چیز ہبہ کر دے یا کسی سے میری سفارش کر دے یا اگر تجھ کو فروخت کرنے کی ضرورت ہو تو میرے ہی ہاتھ فروخت کرنا وعلی ہذا القیاس، پس ان صورتوں میں ایک بیع میں دو شرطیں پائی گئیں۔

اور انہی منجملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ عاقد کے ہاتھ سے تسلیم نہ پائی جائے مثلاً مبیع ایسی چیز ہے جو بائع کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ وہ ایک حق ہے جو کسی غیر پر ہے یا وہ ایسی چیز ہے کہ جبتک وہ اپنے مقدمہ کو قاضی کے پاس پیش نہ کرے یا گواہ قائم نہ کرے یا اسکے حاصل کرنے میں کوشش نہ کرے یا اس پر قبضہ نہ کرلے اور اسکی ناپ تول نہ کرالے وہ اس چیز کو حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں ایک قضیہ کے اندر دوسرے قضیہ کے پیدا ہونیکا احتمال ہے یا دھوکہ کے پائے جانیکا اور اس چیز کے حاصل نہ ہونیکا احتمال ہے اور اسیطرح ہر اس چیز کی بیع ہے جو تیرے پاس موجود نہیں ہے پس تو اسکو بغیر کوشش کے حاصل نہیں کر سکتا اور بسا اوقات خریدار بیچنے والے سے اس شئ کے قبضہ کا مطالبہ کرتا ہے پس وہ اس کے پاس نہیں ہوتی سو یہ اس سے مطالبہ کرتا ہے جس پر اسکا حق ہے یا جنگل میں شکار کرنے جاتا ہے یا بازار سے خریدنے کا قصد کرتا ہے یا اپنے کسی دوست سے ہبہ کے طور پر لینا چاہتا ہے اور یہ بڑے بڑے جھگڑوں کا پیدا کرنا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو چیز تیرے پاس نہیں ہے اس کی بیع نہ کر" اور بیع غرر سے آپ نے منع فرمایا اور دہ یہ ہے کہ مبیع کے موجود ہونے یا نہ ہونے اور اس کے ملنے یا نہ ملنے کا یقین نہ ہو، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص اناج خریدے تو قبضہ کرنے سے پیشتر اس کو فروخت نہ کرے"

قيل مخصوص بالطعام لانه اكثر الاموال
تعاورا وحاجة ولا ينتفع به الا باهلاكه
فاذا لم يستوفه فربما تصرف فيه البائع
فيكون قضية في قضية، وقيل يجري في
المنقول لانه مظنة ان يتغير ويتعيب
فتحصل الخصومة، وقال ابن عباس
رضي الله عنهما ولا احسب كل شيء الا
مثله وهو الاقيس بما ذكرنا من العلة،
ومنها ما هو مظنة لمنافسات وقعت
في زمانه صلى الله عليه وسلم وعرف
تحقيق بان تكون فيه المنافسات كما
ذكر زيد بن ثابت رضي الله عنه انهم
كانوا يحتجون بعاهات تصيب الثمار
يقولون اصابها تشام دمان فنهى النبي
صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى
يبدو صلاحها اللهم الا ان يشترط القطع
في الحال، وعن السنبل حتى يبيض ويأمن
العاهة، وقال ارأيت اذا منع الله الثمرة
بم يأخذ احدكم مال اخيه، يعني انه
غرر لانه على خطر ان يهلك فلا يجد
المعقود عليه وقد لزمه الثمن، وكذا
في بيع السنين، ومنها ما يكون سببا لسوء
انتظام المدينة واضرار بعضها بعضا
فيجب اخمالها والصد عنها، قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم لا تلقوا الركبان
للبيع ولا يبع بعضكم على بيع بعض ولا
يسم الرجل على سوم اخيه ولا تناجشوا
ولا يبع حاضر لباد ؛
اقول اما تلقي الركبان فهو ان يقدم

بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم اناج کے ساتھ ہی مخصوص ہے کیونکہ زیادہ تر غلہ
کا لین دین رہتا ہے اور اس کی زیادہ حاجت پڑتی ہے اور جبتک اسکو تلف
صرف نہ کیا جائے آدمی اس سے منتفع نہیں ہوسکتا اور جبتک خریدار
نے اس پر قبضہ نہیں کیا ہے تو اکثر بیچنے والے کا اس اناج میں تصرف کرنے
اور جھگڑے میں جھگڑا پیدا ہونے کا احتمال ہے، اور بعض نے کہا ہے
کہ یہ حکم تمام منقولات میں جاری ہے کیونکہ ان میں تغیر اور نقصان
کے پیدا ہونیکا احتمال ہے پس اس سے خصومت پیدا ہوتی ہے اور
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز کو
مثل اناج کے سمجھتا ہوں اور ہم نے جو علت ذکر کی ہے اسکے اعتبار سے
یہی زیادہ قیاس کے موافق ہے، اور ازاں جملہ کراہت کے وہ چیزیں
ہیں جن میں منازعت کا زیادہ گمان ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ میں واقع ہوئے اور آپ نے معلوم کر لیا کہ ان میں جھگڑے
پیدا ہوتے ہیں جیسے زید بن ثابتؓ نے بیان کیا کہ اہل جاہلیت ان
آفات پر جو پھلوں کو عارض ہوتی تھیں جھگڑا کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے
پھل گل گئے اور گر پڑے لہذا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی خرید و فروخت
سے جبتک انکا کارآمد ہونا ظاہر نہ ہو جائے منع فرمایا مگر اس صورت
میں جبکہ فی الحال پھلوں کا توڑنا شرط کر لیا جائے تو جائز ہے اور اناج
کی بالوں سے جب تک سفید نہ ہو جائیں اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائیں
بیع کرنے سے منع فرمایا ہے اور آپنے فرمایا "دیکھو! خدا جب کسی کے
پھلوں کو خراب کردے تو پھر وہ کس چیز کے عوض میں اپنے بھائی کا
مال لیتا ہے" یعنی اس میں دھوکہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں مبیع
کے ہلاک ہونیکا خطرہ ہے پس خریدار کو مبیع حاصل نہ ہوسکے گا اور قیمت
اس کے ذمہ لازم ہو چکی ہے اور اسی طرح سالہا سال کیلئے بیع کرنا
منع ہے، اور ازانجملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ وہ شہر کی بد انتظامی
کا باعث ہو اور بعض کو بعض سے ضرر پہنچتا ہو پس ایسی بیوع سے
منع کرنا اور لوگوں کو ان سے دور رکھنا واجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "بیع کے لئے بنجاروں سے باہر جاکر نہ ملا کرو اور
نہ ایک شخص دوسرے کی بیع پر بیع کرے اور نہ کوئی شخص اپنے بھائی
کے سودا کرتے وقت سودا کرے اور نہ تم آپس میں ایک دوسرے پر
نرخ بڑھاؤ اور نہ کوئی شہر والا باہر والے کے لئے بیع کرے" میں کہتا ہوں بنجاروں سے ملنا یہ ہے کہ جب سوداگر لوگ باہر سے

ركب بتجارة فيتلقاه رجل قبل ان يدخلوا
البلد ويعرفوا السعر فيشتري منهم بارخص
من سعر البلد، وهذا مظنة ضرر بالبائع
لانه ان نزل بالسوق كان اغلى له، ولذلك
كان له الخيار اذا عثر على الضرر، وضرر
بالعامة لانه توجه في تلك التجارة حق
اهل البلد جميعا، والمصلحة المدنية
تقتضي ان يقدم الاحوج فالاحوج، فان
استووا سوّي بينهم او اقرع، فاستئثار
واحد منهم بالتلقي نوع من الظلم وليس
لهم الخيار لانه لم يفسد عليهم مالهم و
انما منع ما كانوا يرجونه، واما البيع على
البيع فهو تضييق على اصحابه من التجار
وسوء معاملة معهم، وقد توجه حق البائع
الاول وظهر وجه لرزقه فافساده عليه
ومزاحمته فيه نوع ظلم، وكذا السوم
على سوم اخيه في التضييق على المشترين
والاساءة معهم، وكثير من المناقشات
والاحقاد تنبعث فيهم من اجل هذين،
والنجش هو زيادة الثمن بلا رغبة في
المبيع تغريرا للمشترين، وفيه من الضرر
ما لا يخفى، وبيع الحاضر للبادي ان يحمل
البدوي متاعه الى البلد يريد ان يبيعه
بسعر يومه فيأتيه الحاضر فيقول خل
متاعك عندي حتى ابيعه على المهلة بثمن
غال، ولو باع البادي بنفسه لارخص
ونفع البلديين وانتفع هو ايضا فان انتفاع
التجار يكون بوجهين ان يبيعوا بثمن
غال بالمهلة على من يحتاج الى الشيء اشد

مال بھر کر لاتے ہیں تو ان کے شہر میں داخل ہونے سے پیشتر بعض
لوگ ان سے ملکر نرخ معلوم کر لیتے ہیں پس انسے شہر کے نرخ سے ارزاں
خرید و فروخت کرتے ہیں اور اس میں فروخت کرنے والے کا
نقصان ہے کیونکہ اگر وہ بازار میں آکر فروخت کرتا تو اس کو زیادہ قیمت
ملتی اور اسی لئے بائع کو جبکہ اس کو نقصان کا علم ہو جائے اس بیع
کے رد کرنیکا اختیار ہے اور اس میں عام لوگوں کا بھی ضرر ہے کیونکہ
اس تجارت میں تمام اہل شہر کا حق ہے اور مصلحت شہر کا مقتضی
یہ ہے کہ ہر حاجتمند درجہ بدرجہ مقدم کیا جائے پس اگر حاجت میں سب
برابر ہوں تو انہیں برابری کیجائے یا ان میں قرعہ ڈالا جائے پس قافلہ
سے پہلے ملکر ایک شخص کا اس کو حاصل کر لینا ایک قسم کا ظلم ہے
اور شہر والوں کو اس بیع کے رد کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ اس شخص
نے ان لوگوں کے مال کا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ جس چیز کی ان کو امید
تھی وہ چیز اس نے ان سے روک لی، اور بیع پر بیع کرنا اپنے ساتھ کے
تاجروں پر تنگی کرنا ہے اور ان کے ساتھ بدمعاملگی ہے اور بائع
اول کا حق متوجہ ہو چکا ہے اور اس کے رزق کی صورت ظاہر ہو چکی
ہے، پس اس کو بگاڑنا اور اس کے معاملہ میں دخل دینا ایک قسم کا
ظلم ہے اور اسی طرح اپنے بھائی کی قیمت پر قیمت لگانا خریدار پر
تنگی کرنا ہے اور ان کے ساتھ برائی کرنا ہے اور بہت سی عداوتیں
اور جھگڑے ان دونوں سے پیدا ہو جاتے ہیں، اور نجش اس کو کہتے
ہیں کہ مبیع کی خریداری کا قصد کئے بغیر خریداروں کو فریب میں ڈالنے
کیلئے قیمت زیادہ لگانا اور اس میں جس قدر ضرر ہے وہ پوشیدہ
نہیں ہے اور شہری کا باہر والے کیلئے بیع کرنا یہ ہے کہ باہر والا اپنا اسباب
لاد کر شہر میں اس ارادہ سے لائے کہ اس کو اس روز کے نرخ سے
فروخت کرے پس کوئی شہر والا اس کے پاس آئے اور یہ کہے تو اپنا
اسباب میرے پاس چھوڑ دے تاکہ کچھ عرصہ بعد زیادہ نرخ پر
فروخت کروں اور اگر باہر والا خود اسکو فروخت کرتا تو ارزاں
فروخت کرتا اور اس میں اہل شہر کا نفع ہے اور خود اس کا بھی
نفع ہے کیونکہ سوداگروں کو دو طرح سے نفع ہوتا ہے ایک یہ کہ
کچھ عرصہ کر کے اس مال کو نہایت حاجتمند کے ہاتھ گراں قیمت پر فروخت

کریں پس حاجتمند جو کچھ دیتا ہے اس حاجت کے

حاجة فيستقل في جنبها ما يبذل، وان يبيعوا بربح يسير ثم يأتوا بتجارة اخرى عن قريب فيربحوا ايضا وهلم جرا، وهذا الانتفاع اوفق بالمصلحة المدنية واكثر بركة، وقال صلى الله عليه وسلم من احتكر فهو خاطئ، وقال عليه السلام الجالب مرزوق والمحتكر ملعون۔

اقول وذلك لان حبس المتاع مع حاجة اهل البلد اليه لمجرد طلب الغلاء وزيادة الثمن اضرار بهم بتوقع نفع ما وهو سوء انتظام المدينة، ومنها ما يكون فيه التدليس على المشتري، قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لا تصروا الابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذلك فهو بخير النظرين بعد ان يحلبها ان رضيها امسكها وان سخطها ردها وصاعا من تمر، ويروى صاعا من طعام لا سمراء۔

اقول التصرية جمع اللبن في الضرع ليخيل المشتري غزارته فيغتر، ولما كان اقرب شبهه بخيار المجلس او الشرط في عقد البيع كانه مشروط بغزارة اللبن لم يجعل من باب الضمان بالخراج، ثم لما كان قدر اللبن وقيمته بعد اهلاكه واتلافه متعسر المعرفة جدا لا سيما عند تشاكس الشركاء وفي مثل البدو وجب ان يضرب له حد معتدل بحسب مظنة الغالبية يقطع به النزاع، ولبن نوق فيه زهومة ويوجد رخيصا، ولبن غنم طيب ويوجد غاليا فجعل حكمها

کے مقابلہ میں کم محسوس کرتا ہے، اور دوسری صورت نفع کی یہ ہے کہ کم نفع پر اس مال کو فروخت کریں اور پھر جلدی سے تجارت کا اور مال لاکر اس میں بھی نفع اٹھائیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے اور اس طرح نفع حاصل کرنا مصلحت شہر کے زیادہ مناسب اور زیادہ برکت والا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو تجارت کے مال کو روکے وہ گنہگار ہے" اور آپ نے فرمایا "باہر سے غلہ لانے والا مرزوق ہے اور روکنے والا ملعون ہے"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ باوجود اہل شہر کی احتیاج کے اپنے کسی قدر نفع کی توقع پر سامان کو روکنا اہل شہر کو ضرر پہنچاتا ہے اور وہ شہر کی بدنظمی کا سبب ہے، اور ازاں جملہ وہ بیع ہے جس میں خریدار کو فریب دینا ہو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اونٹنی اور بکری کو اس کا دودھ روک کر بیع نہ کرو پس جو ان کو خریدے تو دودھ نکالنے کے بعد دونوں باتوں میں سے ہر ایک کا اس کو اختیار ہے اگر وہ جانور پسند ہو تو اس کو رکھ لے اور اگر ناپسند ہو تو وہ جانور اور اس کے ساتھ دودھ کے عوض میں ایک صاع چھوارے واپس کر دے اور ایک روایت میں گیہوں کے علاوہ ایک صاع اناج کا لفظ آیا ہے"

میں کہتا ہوں تصریہ کے معنی تھنوں میں دودھ جمع کرنے کے ہیں تاکہ خریدار زیادہ دودھ سمجھ کر دھوکہ میں آجائے اور جبکہ اس کو خیار مجلس یا خیار شرط کے ساتھ زیادہ مشابہت تھی کیونکہ عقد بیع گویا کثرت دودھ کے ساتھ مشروط ہے اس واسطے اسکو ضمان بالخراج کے باب سے نہیں کیا گیا، اور جبکہ دودھ کا وزن اور اس کی قیمت کا اندازہ کرنا اس کے ہلاک اور تلف کئے کے بعد بہت مشکل تھا بالخصوص شریکوں کے باہمی نزاع کے وقت اور جنگل میں اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کے لئے کوئی ایسا اندازہ معتدل جو کثیر الوجود ہو مقرر کر دیا جائے جس سے نزاع منقطع ہو جائے، اور اونٹنیوں کے دودھ میں ایک طرح کی بیک ہوتی ہے اور ارزاں ملتا ہے اور بکریوں کا دودھ اچھا ہوتا ہے اور گراں ملتا ہے اس واسطے دونوں کا حکم

واحدا نتعين ان يكون صاعا من ادنى جنس
يقتاتون به كالتمر فى الحجاز والشعير و
الذرة عندنا لا من الحنطة والارز فانهما
اغلى الاقوات واعلاها، واعتذر بعض من
لم يوفق للعمل بهذا الحديث بضرب قاعدة
من عند نفسه، فقال كل حديث لا يرويه
الا غير فقيه اذا انسد باب الرأى فيه يترك
العمل به، وهذه القاعدة على ما فيها
لا تنطبق على صورتنا هذه لانه اخرجه
البخارى عن ابن مسعود ايضا، وناهيك
به، ولانه بمنزلة سائر المقادير الشرعية
يدرك العقل حسن تقدير ما فيه ولا
يستقل بمعرفة حكمة هذا القدر خاصة
اللهم الا عقول الراسخين فى العلم، وقال
صلى الله عليه وسلم فى صبرة طعام داخلها
بلل افلا جعلته فوق الطعام حتى يراه
الناس من غش فليس منى، ومنها ان
يكون الشئ مباح الاصل كالماء والعشب
فيتغلب ظالم عليه فيبيعه، وذلك تصرف
فى مال الله من غير حق واضرار بالناس
ولذلك نهى النبى صلى الله عليه وآله و
سلم عن بيع فضل الماء ليباع به الكلاء۔
اقول هو ان يتغلب رجل على عين
او واد فلا يدع احدا يسقى منه ماشيته
الا باجر فانه يفضى الى بيع الكلاء المباح
يعنى يصير الرعى من ذلك بازاء مال، و
هذا باطل لان الماء والكلاء مباحان، و
هو قوله عليه السلام فيقول الله اليوم امنعك
فضلى كما منعت فضل ما لم تعمل يداك

ایک ہو پس یہ بات متعین ہوئی کہ ایک صاع اس غلہ میں سے
مقرر کیا جائے جو عام کھانے میں آتا ہو جیسے حجاز میں چھوارے
اور ہمارے ملک میں جَو اور جوار نہ گیہوں اور چاول کیونکہ یہ قوت
کے اعتبار سے نہایت گراں اور اعلیٰ درجہ کے ہیں، اور بعض نے
جنکو اس حدیث پر عمل کرنیکی توفیق نہیں ہوئی انہوں نے اپنی
طرف سے ایک قاعدہ مقرر کر لیا اور عذر پیش کیا کہ جس حدیث کو
راوی غیر فقیہ روایت کرے جب اس سے قیاس کا دروازہ بند
ہوتا ہو تو اس حدیث پر عمل نہیں کیا جائیگا اور یہ قاعدہ اس
کے باوجود کہ اس میں ضعف ہے ہماری اس صورت مسئلہ پر منطبق
نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث کو بخاری نے حضرت عبد اللہ بن مسعود
سے روایت کیا ہے اور وہ بڑے فقیہ تھے اور کیونکہ وہ بمنزلہ ان مقادیر
شرعیہ کے ہے جس کے اندازہ کی خوبی کو عقل جان سکتی ہے لیکن اس
اندازہ خاص کی حکمت کو جاننے میں عقل مستقل نہیں ہے شاید وہ
لوگ جانتے ہوں جو راسخین فی العلم ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
اناج کے اس ڈھیر کی بابت جس کے اندر نمی تھی یہ فرمایا "تونے اسکو
اناج کے اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ ہر شخص اس کو دیکھتا، جو شخص دھوکہ
دے وہ مجھ سے نہیں ہے"، اور از انجملہ ان چیزوں کی بیع ہے جو مباح
الاصل ہیں جیسے وہ پانی جو کثیر اور جاری ہو اور کوئی ظالم شخص اس
پر قبضہ کرکے اسکو فروخت کرے کیونکہ اس میں خدا کے مال میں بغیر
حق کے تصرف کرنا ہے اور لوگوں کو ضرر پہنچانا ہے اسی وجہ سے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت سے زائد پانی کی بیع سے منع فرمایا کہ
اس کے سبب سے جنگل کی گھانس کا فروخت کرنا لازم آئے،

میں کہتا ہوں اسکی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چشمہ یا ندی پر قبضہ
کرلے اور کسی شخص کے مویشی کو بغیر اجرت لئے پانی نہ پینے دے پس اس
میں گھانس کا جو مباح شئی ہے فروخت کرنا لازم آتا ہے یعنی اسکے عوض
میں مویشی کا چرنا قیمت دینے پر ہو سکے گا اور یہ باطل ہے اس لئے کہ
پانی اور گھانس دونوں مباح ہیں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے "پس خدا تعالیٰ فرمائیگا آج میں تجھ کو
اپنے فضل کو روکتا ہوں جسطرح تونے اس چیز کے فضل کو روکا تھا جو تیرے

ہاتھ کی کمائی نہ تھی۔"

وقیل یحرم بیع الماء الفاضل عن حاجتہ لمن
اراد الشرب او سقی الدواب، قال صلے
اللہ علیہ وسلم المسلمون شرکاء فی ثلاث
فی الماء والکلأ والنار ۔
اقول یتاکد استحباب المواساۃ فی
ھذہ فیما کان مملوکا وما لیس بمملوک
امرہ ظاہر ۔

اور بعض نے کہا ضرورت سے زائد پانی کا اس شخص کے ہاتھ فروخت
کرنا جو خود پینا چاہتا ہو یا مویشی کو پلانا چاہتا ہو حرام ہے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "تین چیزوں میں سب مسلمان شریک
ہیں: پانی اور گھانس اور آگ میں"۔
میں کہتا ہوں جبکہ یہ چیزیں کسی کی ملک ہوں تب بھی ان چیزوں
میں ہمدردی نہایت مستحب ہے اور اگر کسی کی ملک نہیں ہیں تب
تو ان کا حال شرکت میں ظاہر ہے ۔

احکام البیع

قال صلی اللہ علیہ وسلم رحم اللہ
رجلا سمحا اذا باع واذا اشتری و
اذا اقتضی ۔
اقول السماحۃ من اصول الاخلاق
التی تتھذب بھا النفس وتتخلص بھا
عن احاطۃ الخطیئۃ، وایضا فیھا نظام
المدینۃ وعلیھا بناء التعاون، وکانت
المعاملۃ بالبیع والشراء والاقتضاء مظنۃ
لضد السماحۃ فسجل النبی صلی اللہ علیہ
وسلم علی استحبابھا، وقال صلی اللہ علیہ
وسلم الحلف منفقۃ للسلعۃ ممحقۃ للبرکۃ ۔
اقول یکرہ اکثار الحلف فی البیع
لشیئین کونہ مظنۃ لتغریر المتعاملین
وکونہ سببا لزوال تعظیم اسم اللہ من
القلب، والحلف الکاذب منفقۃ للسلعۃ
لان مبنی الانفاق علی تدلیس المشتری
وممحقۃ للبرکۃ لان مبنی البرکۃ علی توجہ
دعاء الملائکۃ الیہ، وقد تباعدت بالمعصیۃ
بل دعت علیہ، وقال علیہ السلام یا
معشر التجار ان البیع یحضرہ اللغو و

بیع کے احکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ سہولت
والے آدمی پر رحم کرے جب وہ فروخت کرے اور جب وہ
خریدے اور جب وہ تقاضا کرے"۔
میں کہتا ہوں سماحت ان اصول اخلاق میں سے ہے
جس سے نفس مہذب ہو کر گناہوں کے احاطہ سے نجات پاتا ہے
اور نیز سماحت میں شہر کا انتظام بھی ہوتا ہے اور اس پر باہمی امداد
کا دارومدار ہے اور بیع وشراء وتقاضا ایسے معاملات ہیں جن میں
سماحت کے خلاف امور کا گمان ہوتا ہے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس کے مستحب ہونے کی تاکید فرمائی اور آپ نے فرمایا
"قسم کھا کر سودا بیچنے سے البتہ جلدی اسباب فروخت ہوتا ہے
لیکن برکت نہیں رہتی"۔
میں کہتا ہوں بیع کے اندر زیادہ قسمیں کھانا دو وجہ سے
برا ہے ایک تو یہ ہے کہ یہ اہل معاملہ کو دھوکہ میں ڈالنے کا محل
ہے دوسرے دل سے اسم الٰہی کی تعظیم کے زائل ہونے کا سبب ہے
اور جھوٹی قسم کھانے سے اسباب خوب فروخت ہوتا ہے کیونکہ
فروخت کی بنیاد خریدار کو فریب دینے پر ہے لیکن اس کی برکت
جاتی رہتی ہے کیونکہ برکت کا مدار فرشتوں کی دعا پر ہے
اور معصیت کے سبب سے انکی دعا کو بعد ہو جاتا ہے بلکہ فرشتے
ایسے وقت میں اس شخص پر بددعا کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "اے گروہ تجار بیع کے اندر لغو باتیں اور

الحلف فشوبوه بالصدقة ۞

اقول فيه تكفير الخطيئة وجبر ما فرط من غلواء النفس، وقال عليه الصلاة والسلام فيمن باع بالدنانير واخذ مكانها الدراهم لا بأس ان تأخذها بسعر يومها مالم تفترقا وبينكما شئ ۞

اقول لانهما ان افترقا وبينهما شئ مثل ان يجعلا تمام صرف الدينار بالدراهم موقوفا على ما يأمر به الصيرفيون، او على ان يزنه الوزان او مثل ذلك كان مظنة ان يحتج به المحتج ويناقش فيه المناقش ولا تصفو المعاملات، قال صلى الله عليه وآله وسلم من ابتاع نخلا بعد ان تؤبر فثمرتها للبائع الا ان يشترط المبتاع ۞

اقول ذلك لانه عمل زائد على اصل الشجرة، وقد ظهرت الثمرة على ملكه وهو يشبه الشئ الموضوع في البيت فيجب ان يوفى له حقه الا ان يصرح بخلافه، وقال صلى الله عليه وسلم ما كان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل ۞

اقول المراد كل شرط ظهر النهي عنه وذكر في حكم الله نفيه لا النفي البسيط ونهى عليه السلام عن بيع الولاء وعن هبته لان الولاء ليس بمال حاضر مضبوط انما هو حق تابع للنسب فكما لا يباع النسب لا ينبغي ان يباع الولاء، وقال صلى الله عليه وسلم الخراج

قسم داخل ہو جاتی ہیں اس لئے تم اس کے ساتھ صدقہ ملا لیا کرو۔

میں کہتا ہوں اس میں گناہوں کا کفارہ اور نفس کے غلبہ کے سبب جو اس شخص سے کچھ قصور ہو جاتا ہے اس کا تدارک ہو جاتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارہ میں جس نے دنانیر پر کسی چیز کو فروخت کرکے ان کے عوض میں دراہم لئے تھے فرمایا "اگر اسی روز کی قیمت پر دراہم کو لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ تم دونوں کے جدا ہونے سے پیشتر معاملہ تمام ہو گیا ہو"

میں کہتا ہوں کیونکہ اگر وہ دونوں معاملہ تمام کئے بغیر علیحدہ ہو جائیں مثلاً وہ دونوں دنانیر کے دراہم سے بدلنے کی پختگی کو صرافوں کے بیان کرنے یا وزن کش کے وزن کرنے پر موقوف رکھیں یا اسی طرح کسی اور چیز پر موقوف رکھیں تو اس میں حجت اور نزاع کرنیوالے کے لئے حجت اور نزاع کرنے کی گنجائش ہے اور معاملہ صاف نہیں ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص چھوارے کے درخت کو گابہ لگنے کے بعد خریدے تو اس درخت کا پھل بیچنے والے کے لئے ہے مگر جس صورت میں خریدار شرط کرے تو اس کے لئے ہے"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ گابہ لگانا اصل درخت پر زائد ایک فعل ہے اور اس کی ملک میں پھل ظاہر ہو چکا ہے پس اس کا حال اس شئ کا سا ہے جو ایک مکان میں رکھی ہوئی ہو اس واسطے ضروری ہے کہ اس کا حق اس کو دلایا جائے مگر جس صورت میں اس کے خلاف کی تصریح ہو جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے"

میں کہتا ہوں اس سے وہ شرط مراد ہے جسکی مخالفت ظاہر ہو گئی ہے اور حکم الٰہی میں اس کی نفی مذکور ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ اس شرط کا بالکل ذکر ہی نہ ہو، اور نبی علیہ السلام نے ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ کرنے سے منع فرمایا کیونکہ ولاء کوئی حاضر اور معین مال نہیں ہے بلکہ وہ ایک حق ہے جو نسب کے تابع ہے پس جسطرح نسب کی بیع نہیں ہوتی اسی طرح ولاء کی بھی بیع نہیں ہونی چاہئے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "منافع

بالضمان ۔

اقول لا تنقطع المنازعة الا بان يجعل الغنم بالغرم، فمن رد المبيع بالعيب ان طولب بخراجه كان فى اثبات مقدار الخراج حرج عظيم فقطع المنازعة بهذا الحكم كما قطع المنازعة فى القضاء بان ميراث الجاهلية على ما قسم، قال صلى الله عليه وسلم البيعان اذا اختلفا والمبيع قائم ليس بينهما بينة فالقول ما قال البائع او يترادان ۔

اقول وانما قطع به المنازعة لان الاصل ان لا يخرج شئ من ملك احد الا بعقد صحيح وتراض، فاذا وقعت المشاحة وجب الرد الى الاصل والمبيع ماله يقينا وهو صاحب الملك بالفعل او قبل العقد الذى لم تتقرر صحته، والقول قول صاحب المال لكن المبتاع بالخيار لان البيع مبناه على التراضى قال صلى الله عليه وسلم الشفعة فيما لم يقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة، وقال عليه السلام الجار احق بصقبه ۔

اقول الاصل فى الشفعة دفع الضرر من الجيران والشركاء، وارى ان الشفعة شفعتان شفعة يجب للمالك ان يعرضها على الشفيع فيما بينه وبين الله، وان يؤثره على غيره ولا يجبر عليها فى القضاء، وهى للجار الذى ليس بشريك، وشفعة يجبر عليها فى القضاء، وهى للجار الشريك فقط هذا وجه الجمع بين الاحاديث المختلفة فى الباب، وقال صلى الله عليه وسلم من

تاوان کے ساتھ ہیں" (یعنی جو تاوان دیگا وہی نفع لیگا)

میں کہتا ہوں نزاع ختم کرنے کی یہی صورت ہو کہ منافع کا مدار مشقت پر رکھا جائے پس جو شخص مبیع کو کسی عیب کے سبب سے رد کردے اور اس سے مبیع کے منافع طلب کئے جائیں تو آمدنی کی مقدار کے ثابت کرنے میں حرج عظیم ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم سے منازعت کو ختم کردیا جس طرح قضاء میراث کے بارے میں آپ نے منازعت کو اس طرح ختم کیا کہ جاہلیت کی میراث اسی حالت پر رکھی جائے جس حالت پر تقسیم کی گئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خریدار اور بائع کا جب اختلاف ہوا اور مبیع موجود ہو اور کسی کے پاس بینہ نہ ہو تو بائع کا قول معتبر ہے یا پھر دونوں بیع کو رد کردیں گے"۔

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے قطع منازعت اس لئے کی کہ اصل بات یہ ہے کہ کوئی شئی بغیر عقد صحیح کے اور باہمی رضامندی کے کسی کی ملک سے خارج نہ ہو پس جب منازعت واقع ہوئی تو اصل کی طرف رد کرنا واجب ہوا اور مبیع قطعی طور پر بائع کا مال ہے اور وہی اس وقت اس پر قابض ہے یا قبل اس عقد کے جس کی صحت ثابت نہیں ہوئی اور معتبر قول صاحب مال کا قول ہے لیکن خریدار کو اختیار ہے کیونکہ بیع کا دار و مدار رضامندی پر ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شفعہ اس چیز میں ہے جو تقسیم نہ کی گئی ہو لیکن جب کہ حدیں پڑ جائیں اور راستے ہو جائیں تب اس میں شفعہ نہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمسایہ اپنے قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے"۔

میں کہتا ہوں شفعہ میں اصل ہمسایوں اور شریکوں سے ضرر کا دور کرنا ہے اور میرے نزدیک شفعہ کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ شفعہ ہے جسکی نسبت مالک کو واجب ہے کہ عند اللہ شفیع کو اس شفعہ کی اطلاع دے اور غیر کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دے لیکن عدالت کے نزدیک مالک کو اسکو پیش کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اس قسم کا شفعہ اس ہمسایہ کے لئے ہے جو شریک نہیں ہے، اور ایک وہ شفعہ ہے جس پر مالک عدالت میں مجبور کیا جا سکتا ہے اور یہ شفعہ صرف اس ہمسایہ کیلئے ہے جو شریک ہے، اور احادیث جو اس باب میں وارد ہوئی انکی تطبیق کی یہی صورت ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے

اقال اخاه المسلم صفقة كرهها اقال الله عثرته يوم القيامة ؛

اپنے مسلمان بھائی کی بیع کو اس کی ناپسندی کی وجہ سے واپس کیا تو اللہ تعالی قیامت کے روز اس کے گناہوں سے درگذر کریگا"

اقول يستحب اقالة النادم في صفقة دفعا للضرر عنه ولا يجب لان المرء ماخوذ باقراره لازم عليه ما التزمه، وحديث جابر رضي الله عنه بعته واستثنيت حملانه الى اهلي ؛

میں کہتا ہوں جس شخص کو عقد کرنے کے بعد افسوس ہو تو اس سے رفع ضرر کے لئے اس بیع کا واپس کرنا مستحب ہے اور واجب نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے اقرار کے ساتھ ماخوذ ہوتا ہے اور جس کا التزام کر لیتا ہے وہ بات اس پر لازم ہو جاتی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے اپنا اونٹ فروخت کیا مگر یہ مستثنی کر لیا کہ میں اپنے گھر تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا۔

اقول فيه جواز الاستثناء فيما لم يكن محل المناقشة وكانا متبرعين متباذلين لان المنع انما هو لكونه مظنة المناقشة، قال صلى الله عليه وسلم من فرق بين والدة وولدها فرق الله بينه وبين احبته يوم القيامة وقال لعلي رضي الله عنه حين باع احد الاخوين رده ؛

میں کہتا ہوں اس سے ان چیزوں کے اندر استثنار کا جواز ثابت ہوتا ہے جن میں مناقشہ کا موقع نہ ہو اور دونوں عاقدین باہم سلوک کرنیوالے اور فراخ دل ہوں کیونکہ استثنا کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس میں مناقشہ کا احتمال ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے ماں اور اسکے بیٹے میں جدائی ڈالی تو خدا تعالی اس میں اور اس کے دوستوں میں قیامت کے روز جدائی ڈالیگا" اور ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دو غلاموں میں سے جو بھائی بھائی تھے ایک کو فروخت کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ واپس کر لو،

اقول التفريق بين والدة وولدها يهيجهما على الوحشة والبكاء، ومثل ذلك حال الاخوين فوجب ان يجتنب الانسان ذلك. قال الله تعالى اذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله وذروا البيع ؛

میں کہتا ہوں ماں اور بچے میں جدائی ان کو وحشت اور رونے پر آمادہ کرتی ہے اور ایسا ہی حال دو بھائیوں میں ہے اس واسطے ضروری ہے کہ تفریق ڈالنے سے انسان کو پرہیز کرنا چاہئے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے "جب جمعہ کی نماز کے لئے پکارا جائے تو خدا تعالی کی یاد کیطرف جلدی کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دو"

اقول يتعلق الحكم بالنداء الذي هو عند خروج الامام، ولما كان الاشتغال بالبيع ونحوه كثيرا ما يكون مفضيا الى ترك الصلاة وترك استماع الخطبة نهى عن ذلك. وقيل قد غلا السعر فسعر لنا فقال عليه السلام ان الله هو المسعر القابض الباسط الرازق واني لارجو ان القى الله وليس احد يطلبني بمظلمة؛

میں کہتا ہوں یہ حکم اذان کے ساتھ متعلق ہے جو امام کے خطبہ کے لئے نکلنے وقت ہوتی ہے اور چونکہ بیع وغیرہ میں مشغول ہونا اکثر اوقات نماز ترک کرنے اور خطبہ سے غافل ہونے کا باعث ہوتا ہے اسواسطے اس سے نہی فرمائی گئی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا کہ نرخ گراں ہو گیا ہے اس لئے آپ ہمارے لئے نرخ مقرر فرما دیجئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نرخ مقرر کرنیوالا اللہ تعالی ہے وہی قابض باسط اور رازق ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا تعالی کے پاس اس حال

ع میں جاؤں کہ کوئی مجھ سے اپنے حق کا طالب نہ ہو،

اقول لما كان الحكم العدل بين المشترين واصحاب السلع الذى لا يتضرر به احدهما او يكون تضررهما سواء فى غاية الصعوبة تورع منه النبى صلى الله عليه وسلم لئلا يتخذها الامراء من بعده سنة، ومع ذلك فان رؤى منهم جور ظاهر لا يشك فيه الناس جاز تغييره فانه من الافساد فى الارض، قال الله تعالى يا ايها الذين امنوا اذا تداينتم بدين الى اجل مسمى فاكتبوه الاية ؛

اعلم ان الدين اعظم المعاملات مناقشة واكثرها جدلا ولا بد منه لحاجة فلذلك اكد الله تعالى فى الكتابة والاستشهاد وشرع الرهن والكفالة وبين اثم كتمان الشهادة واوجبها لكفاية القيام بالكتابة والشهادة وهو من العقود الضرورية، وقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يسلفون فى الثمار السنة والسنتين والثلاث، فقال من اسلف فى شئ فليسلف فى كيل معلوم ووزن معلوم الى اجل معلوم ؛

اقول ذلك لترتفع المناقشة بقدر الامكان، وقاسوا عليها الاوصاف التى يتبين بها الشئ من غير تضييق ومبنى القرض على التبرع من اول الامر، وفيه معنى الاعارة فلذلك جازت النسيئة وحرم الفضل، ومبنى الرهن على الاستيثاق هو بالقبض فلذلك اشترط فيه، ولا خلاف عندى بين حديث لا يغلق

میں کہتا ہوں جبکہ خریداروں اور فروخت کرنے والوں کو عدل کا حکم جس سے کسی کو ضرر نہ پہنچے یا دونوں کو برابر ضرر پہنچے نہایت دشوار تھا اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے احتیاطاً برتی تاکہ آپ کے بعد حکام لوگ دستور وطریقہ نہ مقرر کرلیں لیکن اس کے باوجود اگر تاجروں کی طرف سے علانیہ ظلم معلوم ہو جس میں لوگوں کو شک نہ ہو تو اس کو بدلنا جائز ہے کیونکہ اس میں ملک کی بربادی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اے ایمان والو جب تم ایک وقت مقرر تک قرض کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لو"، الآیہ،

واضح ہو کہ قرض مناقشہ کے اعتبار سے تمام معاملات میں بڑھکر ہے اور لڑائی کے اعتبار سے سب معاملات میں زیادہ ہے اور بوقت حاجت اس سے چارہ بھی نہیں ہے پس اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لکھ لینے اور گواہ کرنے کی تاکید فرمائی اور رہن اور کفالت کو مشروع کیا اور گواہی کے چھپانے کے گناہ کو بیان فرمایا اور لکھ لینے اور گواہی دینے کے کافی ہونے کو واجب کیا اور وہ عقود ضروریہ سے ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں میں ایک برس اور دو برس اور تین برس کی بیع السلم کرتے تھے تب آپ نے فرمایا" جو کوئی بیع السلم کرے تو کیل معلوم اور وزن معلوم کیساتھ ایک مقرر وقت تک کرے،

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جہانتک ہو سکے مناقشہ کا ارتفاع ہو جائے اور فقہاء نے ان تینوں پر ان اوصاف کو بھی قیاس کیا ہے جن سے بغیر دقت کے شئ بیان ہو سکتی ہو اور قرض کا دارومدار ابتداء ہی تبرع پر ہوتا ہے اور اس میں عاریت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں پس اسی وجہ سے اس میں دیر کرنا جائز ہوا اور زیادہ لینا حرام ہوا، اور رہن کا مبنی مضبوطی پر ہوتا ہے اور وہ مضبوطی قبضہ کرنے سے ثابت ہوتی ہے اس واسطے اس میں قبضہ کرنا شرط کیا گیا، اور میرے نزدیک ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، پہلی حدیث

بیع اسلم بیع کو کہتے ہیں جس میں یہ کہا جائے کہ اب کی فصل میں جو غلہ پیدا ہوگا ہم نے اتنی مدت پر اس حساب سے خریدا، اس کو عرف میں بدلا کہتے ہیں"

الرهن الرهن من صاحبه الذى رهنه له غنمه وعليه غرمه وحديث الظهر يركب بنفقته اذا كان مرهونا ولبن الدر يشرب بنفقته اذا كان مرهونا وعلى الذى يركب ويشرب النفقة لان الاول هو الوظيفة لكن اذا امتنع الراهن من النفقة عليه وخيف الهلاك واحياه المرتهن فعند ذلك ينتفع به بقدر ما يراه الناس عدلا، وقال صلى الله عليه وسلم لاصحاب الكيل والميزان انكم قد وليتم امرين هلكت فيهما الامم السابقة قبلكم ؛

اقول يحرم التطفيف لانه خيانة وسوء معاملة، وقد سبق فى قوم شعيب عليه السلام ما قص الله تعالى فى كتابه وقال ايما رجل افلس فادرك رجل ماله بعينه فهو احق به ؛

اقول وذلك لانه كان فى الاصل ماله من غير مزاحمة، ثم باعه ولم يرض فى بيعه بخروجه من يده الا بالثمن فكان البيع انما هو بشرط ايفاء الثمن فلما لم يؤد كان له نقضه مادام المبيع قائما بعينه فاذا فات المبيع لم يمكن ان يرد المبيع فيصير دينه كسائر الديون، وقال صلى الله عليه وآله وسلم من سره ان ينجيه الله من كرب يوم القيامة فلينفس عن معسر او يضع عنه ؛

اقول هذا ندب الى السماحة التى هى من اصول ما ينفع فى المعاد والمعاش وقد ذكرناه، وقال عليه السلام مطل

تو یہ چیز رہن کرنا اس شئی کو جس کو رہن کیا ہے اسکے مالک کے ہاتھ سے نہیں روکتا جو کچھ اس سے منافع ہیں وہ سب اسکے لئے ہیں اور جو کچھ اسکا خسارہ ہو وہ بھی اسی پر ہے، اور دوسری حدیث یہ ہے کہ سواری کا خرچ اٹھانے کی وجہ سے اس کی سواری کیجا سکتی ہے جبکہ وہ مرہون ہے اور دودھ دینے جانور کا دودھ اس کا خرچ اٹھانے کے سبب پیا جاسکتا ہے جس وقت کہ وہ مرہون ہے اور سوار ہونیوالے اور دودھ پینے والیکو اس کا خرچ برداشت کرنا پڑیگا، اور پہلی حدیث کا حکم دستور کے موافق ہو لیکن جب راہن اسکا خرچ نہ دے اور اس چیز کے ہلاک ہونیکا خوف ہو اور مرتہن اس کا خرچ اٹھائے تو اس وقت جس قدر لوگ انصاف سمجھیں اس سے مرتہن نفع حاصل کرسکتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپنے والوں اور وزن کرنیوالوں سے فرمایا ہے "تم کو ایسی دو چیزیں سپرد کی گئی ہیں جن میں تم سے قبل امم سابقہ ہلاک ہوچکی ہیں"۔

میں کہتا ہوں کم تولنا حرام ہے کیونکہ اس میں خیانت اور بد معاملگی ہے، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا حال جو کچھ ہوچکا ہے خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اس کا ذکر فرمایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی شخص مفلس ہوجائے پھر کوئی شخص اس مفلس کے پاس بعینہٖ اپنے مال کو پائے تو وہی اس کا مستحق ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دراصل اسی کا مال تھا اور اس میں کوئی اس کا شریک نہ تھا پھر اس نے اس کو بیچ دیا اور وہ اسکو بیچکر اپنے قبضہ سے نکال لینے پر بغیر قیمت کے راضی نہ تھا پس بیع قیمت ادا کرنے کے ساتھ مشروط تھی پس جب اس نے قیمت ادا نہ کی تو بائع کو اسکے فسخ کا اختیار ہے جبتک کہ مبیع بعینہٖ موجود ہو لیکن جب مبیع ضائع ہوجائے تو مشتری کیلئے مبیع کا لوٹانا ممکن نہیں رہا پس وہ دوسرے قرضوں کی طرح اسکا ایک قرض ہوجائیگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ پسند کرے کہ خدا تعالیٰ اسکو روز قیامت میں سختیوں سے نجات دیدے تو اسکو چاہئیے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا اسکو معاف کردے۔

میں کہتا ہوں یہ اس نرمی کی طرف ترغیب ہے جو ان چیزوں کے اصول میں سے ہے جو دنیا و آخرت میں نفع دیتی ہیں اور ہم انکا ذکر کرچکے ہیں، اور

۳ نبی علیہ السلام نے فرمایا "مالدار

الغنی ظلم واذا اتبع احدکم علی ملئ فلیتبع

اقول هذا امر استحباب لان فیه قطع المناقشة، قال صلی الله علیه وسلم لی الواجد یحل عرضه وعقوبته ؛

اقول هو ان یغلظ له فی القول ویحبس ویجبر علی البیع ان لم یکن له مال غیره، قال صلی الله علیه وآله وسلم الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا حرم حلالا او احل حراما والمسلمون علی شروطهم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما، فمنه وضع جزء من الدین کقصة ابن ابی حدرد، وهذا الحدیث احد الاصول فی باب المعاملات ؛

التبرع والتعاون

التبرع اقسام، صدقة ان ارید به وجه الله، ویجب ان یکون مصرفه ما ذکر الله تعالی فی قوله انما الصدقات للفقراء الآیة وهدیة ان قصد به وجه المهدی له، قال صلی الله علیه وسلم من اعطی عطاء فوجد فلیجز به ومن لم یجد فلیثن فان من اثنی فقد شکره ومن کتم فقد کفره ومن تحلی بما لم یعط کان کلابس ثوبی زور ؛

اعلم ان الهدیة انما یبتغی بها اقامة الالفة فیما بین الناس، ولا یتم هذا المقصود الا بان یرد الیه مثله، فان الهدیة حب المهدی الی المهدی له من غیر

کا قرض ادا کرنے میں دیر کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کا قرض کسی مالدار کے سپرد کردیا جائے تو وہ اسکو منظور کرلے۔

میں کہتا ہوں یہ امر استحباب ہے کیونکہ اس میں مناقشہ کا انقطاع ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مالدار آدمی کا نادہند ہونا اس کی آبرو اور عقوبت کو حلال کرتا ہے" ؛

میں کہتا ہوں آبرو اور عقوبت کا حلال ہونا یہ ہے کہ اسکے ساتھ سخت کلامی کیجاتی ہے اور اس کو قید کیا جاتا ہے اور بیع پر مجبور کیا جاتا ہے جبکہ اسکے پاس اسکے سوا اور کوئی مال نہیں ہوتا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دو مسلمانوں میں صلح جائز ہے مگر وہ صلح جائز نہیں جو حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال کردے اور مسلمان اپنی شرطوں پر قائم رہیں سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال کردے پس منجملہ اس صلح کے کسیقدر قرض کا معاف کردینا ہے جیسا کہ ابن ابی حدرد کے قصہ میں ہوا اور یہ حدیث معاملات کے باب میں منجملہ دیگر اصول کے ایک اصل ہے ؛

تبرع اور تعاون کا بیان

تبرع کی چند قسمیں ہیں ایک تو صدقہ ہے جبکہ اس سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی مراد ہو اور اس کے مستحق وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے :- انما الصدقات للفقراء " الآیہ، اور دوسرے ہدیہ ہے جبکہ اس کے ساتھ اس شخص کو خوش کرنا مقصود ہو جس کو وہ شئی دی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جس کو کوئی چیز عطا کی جائے اور اس کے پاس کوئی چیز موجود ہو تو وہ اسکا بدلہ دے اور جس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اسکی مدح کرے پس اگر اس نے اسکی مدح کی تو اس نے اسکا شکر ادا کیا اور جس نے اسکو پوشیدہ رکھا تو اس نے ناشکری کی اور جس نے ایسی چیز کو ظاہر کیا جو اس کو حاصل نہیں ہے تو وہ شخص ایسا ہے جیسے جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا "

واضح ہو کہ تحفہ دینے سے لوگوں میں محبت پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ مقصود اس کے بغیر تمام نہیں ہوتا کہ اسی جیسی چیز دینے والے کو ملنی چاہئے اس واسطے کہ تحفہ دینے سے غرض اس محبت کا اظہار ہوتا ہے جو تحفہ دینے والے کو جس کو ہدیہ دیا ہے اس سے ہوتی ہے اور دوسری جانب آخری

عكس، وايضا فان اليد العليا خير من يد السفلى، ولمن اعطى الطول على من اخذ فان عجز فليشكره وليظهر نعمته فان الثناء اول اعتداد بنعمته واضمار لمحبته وانه يفعل فى ايراث الحب ما تفعل الهدية، ومن كتم فقد خالف عليه ما اراده، وناقض مصلحة الائتلاف وغمط حقه، ومن اظهر ما ليس فى الحقيقة فذلك كذب، وقوله عليه السلام كلابس ثوبى زور معناه كمن تردى او اتزر بالزور وشمل الزور جميع بدنه، قال صلى الله عليه وسلم من صنع اليه معروف فقال لفاعله جزاك الله خيرا فقد ابلغ فى الثناء.

اقول انما عين النبى صلى الله عليه وسلم هذه اللفظة لان الكلام الزائد فى مثل هذا المقام اطراء واحراج والناقص كتمان وغمط، واحسن ما يجيى به بعض المسلمين بعضا ما يذكر المعاد ويحيل الامر على الله وهذه اللفظة نصاب صالح بجميع ما ذكرنا وقال صلى الله عليه وسلم تهادوا فان الهدية تذهب الضغائن وفى رواية تذهب وحر الصدر.

اقول الهدية وان قلت تدل على تعظيم المهدى له وكونه منه على بال وانه يحبه ويرغب فيه، واليه الاشارة فى حديث لا تحقرن جارة لجارتها ولو فرسن شاة، فلذلك كان طريقا صالحا لدفع الضغينة وبدفعها تمام الالفة فى المدينة والحى، قال صلى الله عليه وسلم

محبت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور نیز یہ بات بھی ہو کہ دینوالا ہاتھ لینے والے ہاتھ کر بہتر ہے اور جو کوئی کسی کو کچھ دے تو یہ بھی کچھ دے پس اگر نہ دے سکتا ہو تو اسکا شکریہ ادا کرے اور اسکی دی ہوئی چیز کا اظہار کرے کیونکہ اسکی مدح کرنا اسکی نعمت کو اول مرتبہ میں شمار کرنا اور اس کی محبت کو دل میں رکھنا ہے اور مدح کرنا محبت پیدا کرنے میں وہی کام انجام دیتا ہے جو ہدیہ دینے سے ہوتا ہے اور جس نے نعمت کو چھپایا تو اس نے اس چیز کی مخالفت کی جس کا دینے والے نے ارادہ کیا تھا اور اس نے الفت کی مصلحت کا نقض کیا اور اس کی حق تلفی کی اور جس نے اس چیز کا اظہار کیا جو حقیقت میں اس کے پاس نہیں ہے تو یہ ایک جھوٹ ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول کہ "وہ شخص ایسا ہے جیسے جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا" تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اسکا حال اس شخص کا سا ہے جس نے فریب کی چادر اوڑھی اور فریب کی لنگی باندھی اور اپنے تمام بدن کو فریب سے ڈھانک اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جسکے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے اور وہ بھلائی کرنیوالے کے لئے جزاک اللہ خیرا کہدے تو اس نے پورے طور سے اسکی تعریف کر دی"

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو اس لئے معین فرمایا کہ ایسے مقام میں اس سے زیادہ کہنا مبالغہ اور الحاح ہے اور اس سے کم کرنا احسان کا کتمان اور اس کو حقیر سمجھنا ہے اور بعض مسلمان بعض کو جو ہدیہ پیش کرے ان سب میں بہتر وہ چیز ہے جو آخرت کو یاد دلائے اور تمام امور کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرے اور یہ لفظ اس تمام کیلئے جو ہم نے ذکر کیا کافی مقدار ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "باہم تحفے دیا کرو کیونکہ تحفے رنجشیں دور کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ان سے دل کا غصہ جاتا رہتا ہے"۔

میں کہتا ہوں ہدیہ خواہ کم ہی کیوں نہ ہو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بھیجنے والے کے دل میں مہدی لہ کی تعظیم اور اس کی عظمت ہے اور اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی جانب میلان و رغبت رکھتا ہے اور اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کے کھر کے ساتھ ہو" پس اسی واسطے رنجش دور کرنے کا عمدہ طریقہ قرار پایا اور کسی شہر یا قبیلہ میں پوری الفت پیدا ہو کر رنجش دور ہو سکتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من عرض عليه ريحان فلا يرده فانه خفيف المحمل طيب الريح ؛

اقول انما كره رد الريحان وما يشبهه لخفة مؤنته وتعامل الناس باهدائه فلا يلحق هذا كثير عار في قبوله ، ولا لذلك كثير حرج في اهدائه ، وفي التعامل ببذل ذلك ائتلاف وفي رده فساد ذات البين واضمار الوحر ، قال صلى الله عليه وسلم العائد في هبته كالكلب يعود في قيئه ليس لنا مثل السوء ؛

اقول انما كره الرجوع في الهبة لان منشاء العود فيما افرزه من ماله وقطع طمعه عنه اما شح بما اعطى او تضجر منه واضرار له ، وكل ذلك من الاخلاق المذمومة ، وايضا ففي نقض الهبة بعد الحكم وامضى وحرد ضغينة بخلاف لم يعط من اول الامر ، فشبه النبي صلى الله عليه وسلم العود فيما افرزه من ملكه بعود الكلب في قيئه ليتمثل لهم المعنى بادي الراي ويبين لهم قبح تلك الحالة بابلغ وجه اللهم الا اذا كان بينهما مباسطة ترفع المناقشة كالوالد والولد ، وهو قوله عليه السلام الا الوالد من ولده ، وقال صلى الله عليه وسلم فيمن ينحل بعض اولاده دون الاخر ايسرك ان يكونوا اليك في البر سواء ؟ قال بلى ، قال فلا اذا ؛

اقول انما كره تفضيل بعض الاولاد على بعض في العطية لانه يورث الحقد فيما بينهم ، والضغينة بالنسبة الى الوالد

"جو کوئی کسی کو خوشبو دے تو اس کو رد نہ کرے کیونکہ یہ ہلکی چیز اور خود خوشبو دار شئی ہے"۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو وغیرہ رد کرنے کو اس لئے ناپسند فرمایا کہ اس کے قبول کر لینے میں زیادہ بار نہیں ہوتا اور لوگوں میں اس کے ہدیہ دینے کا رواج بھی ہے اسواسطے اس کے قبول کر لینے میں لینے والے کو زیادہ عار نہیں ہوتی اور نہ اسکے ہدیہ دینے میں زیادہ حرج ہوتا ہے اور اس کو باہم رواج دینے میں آپس کی الفت ہوتی ہے اور اس کے واپس کرنے میں باہمی فساد اور رنجش کا دل میں ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا اس کتے کے مانند ہے جو اپنی قے کو پھر کھا جاتا ہے ایسی بری مثال ہمارے مناسب نہیں ہے"۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبہ کی ہوئی چیز کے واپس لینے کو اسواسطے ناپسند فرمایا کہ اس کے واپس لینے کا منشاء جس کو وہ اپنے مال سے علیحدہ کر چکا تھا اور اس سے قطع تعلق کر لیا تھا یا تو اس دی ہوئی چیز کے ساتھ حرص کا پیدا ہونا یا اس شخص سے ناخوشی یا اس کی ضرر رسانی ہے اور یہ سب اخلاق مذمومہ میں داخل ہیں اور نیز ہبہ کے پورا کر دینے اور مضبوط کر دینے کے بعد اس کے واپس لینے میں عداوت اور رنجش کا پیدا کرنا ہے بخلاف اسکے کہ پہلے ہی سے کچھ نہ دیا ہوتا اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کے واپس لینے کو جس کو وہ اپنی ملک سے علیحدہ کر چکا تھا کتے کا قے کر کے کھا لینے کیساتھ تشبیہ دی تاکہ لوگوں کے لئے ظاہر میں اس کے معنی متمثل ہو جائیں اور لوگوں کے لئے اس حالت کی قباحت کو خوب اچھی طرح سے بیان کر دیا مگر جب ان دونوں کے درمیان کوئی ایسا واسطہ ہو جو باہم مناقشہ دور کر دے تو وہاں واپس لینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے باپ بیٹے سے واپس لے لے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بجز باپ کے جو اپنے بیٹے سے واپس لے لے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی بابت جس نے اپنی بعض اولاد کو کچھ دیا تھا اور بعض کو نہیں دیا تھا فرمایا "کیا تو پسند کرتا ہے کہ وہ سب تیرے ساتھ بھلائی کرنے میں برابر ہوں" اس نے عرض کیا ہاں، آپ نے فرمایا کہ بس اب نہیں۔ میں کہتا ہوں ہبہ کے اندر بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے ناپسند فرمایا کہ اس سے ان کے درمیان عداوت و بغض پیدا ہوتا ہے اور باپ کی نسبت کینہ پیدا ہوتا ہے ...

فاشار النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ان تفضیل
بعضهم علی بعض سبب ان يضمر المفضول
له علی ضغينة ويطوی كشحه علی نقصه فی البر
وفی ذلك فساد المنزل۔

والوصية ان كان موقتا بالموت، وانما
جرت بها السنة لان الملك فی بنی
آدم عارض لمعنى المشاحة، فاذا قارب
ان يستغني عنه بالموت استحب ان يتدارك
ما قصر فيه ويواسي من وجب حقه عليه
فی مثل هذه الساعة۔ قال صلی اللہ علیہ
وسلم اوص بالثلث والثلث كثير۔

اعلم ان مال الميت ينتقل الى ورثته
عند طوائف العرب والعجم وهو كالجبلة
عندهم، والامر اللازم فيما بينهم لمصالح
لا تحصى، فلما مرض واشرف على الموت
توجه طريق لحصول ملكهم فيكون تأييسهم
عما يتوقعون غمطا لحقهم وتفريطا فی
جنبهم، وايضا فالحكمة ان يأخذ ماله
من بعده اقرب الناس منه واولاهم
به وانصرهم له، واكثرهم مواساة، وليس
احد فی ذلك بمنزلة الوالد والولد و
غيرهما من الارحام، وهو قوله تعالى
اولوا الارحام بعضهم اولى ببعض فی
كتاب الله ومع ذلك فكثيرا ما تقع امور
توجب مواساة غيرهم، وكثيرا ما يوجب
خصوص الحال ان يختار غيرهم فلابد من
ضرب حد لا يتجاوزه الناس وهو الثلث
لانه لابد من ترجيح الورثة، وذلك
بان يكون لهم اكثر من النصف فضرب

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ کیا کہ بعض کو بعض پر
فضیلت دینے سے اس اولاد کے دل میں رنج پیدا ہوگا جس کو
کوتاہی کی گئی ہے اور وہ صلہ رحمی کرنے میں کوتاہی کریگا اور اس میں
گھر کی تباہی ہے۔

اور منجملہ تبرع کے وصیت ہے اگر وہ وصیت موت کے وقت سے
قریب ہوتی ہے اور وصیت کا دستور اس لئے جاری ہوا کہ بنی آدم میں
ملک منازعت کی وجہ سے عارض ہوتی ہے پس جب موت کی وجہ
سے اس کا مال سے مستغنی ہونا قریب ہو جاتا ہے تو بہتر ہے کہ
جو کچھ اس سے اس میں کوتاہی ہوئی ہے اس کا تدارک ہو جائے
اور جن کے حقوق اس پر واجب ہیں ان کے ساتھ ایسے وقت میں
نیک سلوک کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تہائی مال کی وصیت
کر اور تہائی مال بہت ہے۔

واضح ہو کہ تمام عرب اور عجم کی قوموں میں بیشمار مصلحتوں کی
سے میت کا مال اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہوتا ہے اور یہ چیز ان
ما بین ایک جبلی اور ضروری بات ہوگئی ہے پس جب وہ مریض ہوتا
اور مرنے کے قریب ہو جاتا ہے تو ان وارثوں کے لئے مالک ہونے کی
نکل آتی ہے پس انکی توقعات سے ان کو ناامید کرنا ان کے حق کا تلف
کرنا اور ان کے حق میں کوتاہی کرنا ہے، اور نیز حکمت کی بات یہ
کہ اس کے مرنے کے بعد اسکے مال کو وہ شخص لے جو سب لوگوں سے
زیادہ اسکا دوست اور مددگار اور سب سے زیادہ اسکے ساتھ نیک سلوک
کرنیوالا ہے اور اس مرتبہ میں ماں، باپ، اولاد اور جتنے ذوی الارحام
ہیں ان کے زیادہ کوئی نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے "اور ذوی
الارحام میں سے بعض لوگ بعض کے ساتھ اولی ہیں اللہ تعالی کی
کتاب میں" اور اس کے باوجود بسا اوقات ایسے امور پیش آتے ہیں
سے دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا پڑتا ہے اور بسا اوقات خاص
حالات میں اس بات کو ضروری کر دیتے ہیں کہ انکے علاوہ دوسروں
کو اختیار کیا جائے اسواسطے ایک حد کا مقرر کرنا جس سے لوگ تجاوز
نہ کریں ضروری ہوا اور وہ حد ثلث ہے کیونکہ وارثوں کو ترجیح دینا
ہے اور وہ اسطرح ہوسکتی ہے کہ ان کو نصف سے زیادہ دیا جائے اسوا

لهم الثلثين ولغيرهما الثلث، وقال صلے الله عليه وسلم ان الله اعطى لكل ذي حق حقه فلا وصية لوارث:

اقول لما كان الناس في الجاهلية يضارون في الوصية ولا يتبعون في ذلك الحكمة الواجبة، فمنهم من ترك الحق والاوجب مواساته، واختار الابعد برأيه الابتر وجب ان يسد هذا الباب ووجب عند ذلك ان يعتبر المظان بالكلية بحسب القرابات دون الخصوصيات الطارئة بحسب الاشخاص، فلما تقرر امر المواريث تطعا لمنازعتهم وسد الضغائنهم كان من حكمه ان لا يسوغ الوصية لوارث اذ في ذلك مناقضة للحد المضروب، وقال صلى الله عليه وسلم ما حق امرئ مسلم له شئ يوصي فيه يبيت ليلا الا ووصيته مكتوبة عنده:

اقول استحب تعجيل الوصية احترازا من ان يهجمه الموت او يحدث حادث بغتة فتفوته المصلحة التي يجب اقامتها عنده فيتحسر، قال صلے الله عليه وسلم ايما رجل اعمر عمرى الحديث

اقول كان في زمان النبي صلى الله عليه وسلم مناقشات لا تكاد تنقطع فكان قطعها احدى المصالح التي بعث النبي صلے الله عليه وسلم لها كالربا والثارات وغيرها، وكان قوم اعمروا لقوم ثم انقرض هؤلاء وهؤلاء فجاء القرن الآخر فاشتبه عليهم الحال فتخاصموا

ان کے لئے دو تہائی اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے ایک تہائی مقرر کیا گیا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تحقیق اللہ تعالیٰ نے حق دار کو اس کا حق عطا فرمایا ہے لہذا کسی وارث کے لئے وصیت نہیں ہے"

میں کہتا ہوں جبکہ وصیت کے اندر ایام جاہلیت میں لوگ ضرر رسانی کرتے تھے اور وصیت کرنے میں حکمت واجبہ کا اتباع نہیں کرتے تھے اور بعض لوگ حق کو چھوڑ کر اور اس شخص کو ترک کرکے جسکے ساتھ سلوک کرنا واجب تر ہے اپنی ناقص رائے سے بعید تر لوگوں کو اختیار کرتے تھے اس واسطے ضروری ہوا کہ اس دروازہ کو بند کردیا جائے اور یہ بات واجب ہوئی کہ ایسی حالت میں قرابتوں کے اعتبار کر قواعد کلیہ کا لحاظ کیا جائے اور اشخاص کے اعتبار سے خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے پس جب ان کی منازعت کو ختم کرنے کے لئے اور ان کی دل کی رنجشوں کو دور کرنے کے لئے وراثت کے احکام مقرر ہوئے تو یہ حکم بھی ضروری ہوا کہ کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہ ہو کیونکہ اسکے جائز کرنے میں اس حد مقرر کو توڑنا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی مسلمان شخص کے لئے درست نہیں ہے کہ اس کے پاس وصیت کرنے کیلئے کوئی چیز موجود ہو اور وہ اس حال میں رات بسر کرے کہ اس کے پاس اس کی وصیت لکھی ہوئی نہ ہو"

میں کہتا ہوں وصیت میں جلدی کرنا بہتر ہے تاکہ وہ اس بات سے بچ جائے کہ اچانک اسکو موت آگھیرے یا فوری طور پر کوئی حادثہ پیش آجائے پس اس سے وہ مصلحت فوت ہوجائے جس کا قائم کرنا اس کے نزدیک ضروری تھا اور اس وقت وہ حسرت کرنے لگے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کو کوئی مکان عمر بھر رہنے کو دیا گیا" الحدیث،

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت کہ ایسے جھگڑے تھے جو منقطع نہ ہوسکتے تھے لہذا ان کا قطع کرنا منجملہ ان مصلحتوں کے ہوا جن کے قائم کرنے کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، مثلاً سود اور قتل وغیرہ، اور کچھ لوگ دوسروں کو عمر بھر رہنے کے لئے مکان دیدیا کرتے تھے پھر یہ دونوں ختم ہوجاتے اور انکے بعد دوسرا قرن پیدا ہوتا تو ان پر حال مشتبہ ہوجاتا اور باہم جھگڑا شروع ہو جاتا،

نبين النبي صلى الله عليه وسلم انه ان
كان نص الواهب هي لك ولعقبك فهي
هبة لانه بين الامر بما يكون من خواص
الهبة الخالصة، وان قال هي لك ما عشت
فهي الاعارة الى مدة حياته لانه قيده
بقيد ينافي الهبة ۔

ومن التبرعات الوقف وكان اهل
الجاهلية لا يعرفونه فاستنبطه النبي صلى
الله عليه وسلم لمصالح لا توجد في سائر
الصدقات، فان الانسان ربما يصرف
في سبيل الله مالا كثيرا ثم يفنى فيحتاج
اولئك الفقراء تارة اخرى ويجيء اقوام
آخرون من الفقراء فيبقون محرومين
فلا احسن ولا انفع للعامة من ان
يكون شيء حبسا للفقراء وابناء السبيل
تصرف عليهم منافعه ويبقى اصله على ملك
الواقف، وهو قوله صلى الله عليه وآله
وسلم لعمر رضي الله عنه ان شئت
حبست اصلها وتصدقت بها، فتصدق
بها عمر انه لا يباع اصلها، ولا يوهب
ولا يورث، وتصدق بها في الفقراء و
في القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله
وابن السبيل والضيف لا جناح على من
وليها ان يأكل منها بالمعروف ويطعم
غير متمول ۔

اما المعاونة فهي انواع ايضا، منها
المضاربة وهي ان يكون المال لانسان
والعمل في التجارة من الآخر ليكون الربح
بينهما على ما بينا نه، والمفاوضة ان

پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اگر ہبہ کرنے والے نے
تصریح کردی ہے کہ وہ تیرے لئے ہے اور تیرے بعد والوں کے لئے
ہے تو یہ ہبہ ہے کیونکہ اس نے وہ بات بیان کردی جو خالص ہبہ کے
لوازم میں سے ہے اور اگر اس نے یہ بات کہی کہ جب تک تو زندہ ہے
وہ تیرے لئے ہے تو وہ اس کی مدت حیات تک اعارہ ہے کیونکہ اس
نے ایسی قید کے ساتھ مقید کیا ہے جو ہبہ کے منافی ہے۔

اور منجملہ تبرعات کے وقف ہے اور اہل جاہلیت اس سے
واقف نہ تھے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان مصلحتوں کی وجہ
سے جو اور صدقات میں نہیں پائی جاتیں وقف کا استنباط کیا کیونکہ
انسان بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت سا مال خرچ
کردیتا ہے پھر وہ مال فنا ہوجاتا ہے اور ان فقراء کو دوبارہ
ضرورت پڑتی ہے اور دیگر فقراء جو آتے ہیں تو وہ بھی محروم رہ جاتے
ہیں پس عوام کے لئے اس سے بہتر اور نافع کوئی بات نہیں ہے کہ
ایک شئے فقراء اور مسافروں کے لئے روک لیجائے جس کے منافع
ان پر صرف ہوا کریں اور اصل مال وقف کرنے والے کی ملک میں
باقی رہا کرے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ
عنہ سے فرمایا تھا "اگر تو چاہے تو اس کی اصل کو روک لے اور
اس کے ساتھ صدقہ دیا کرے"، پس حضرت عمرؓ نے اس طرح اس
کا صدقہ کیا کہ اس کی اصل کو نہ بیچا جائے اور نہ اس کو ہبہ کیا جائے
اور نہ کسی کو ورثہ میں دی جائے اور اس کو فقراء میں اور اہل قرابت
میں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور جہاد میں اور مسافروں
کے لئے اور مہمانوں کے لئے صدقہ کردیا، اور جو شخص اس کا متولی
ہو اس کے حسب دستور کھانے میں اور غیر متمول لوگوں کو کھلانے
میں کوئی گناہ نہیں ہے،

اور معاونت کی بھی چند قسمیں ہیں، از آں جملہ
مضاربت ہے اور وہ یہ ہے کہ تجارت کرنے میں
ایک شخص کا مال ہو اور دوسرے کی محنت ہو
اور نفع جس طرح وہ اس کو مقرر کریں ان کے
درمیان مشترک ہو، اور ایک مفاوضت ہے

ان یعقد رجلان مالهما سواء الشركة فی
جمیع ما یشتریانه ویبیعانه والربح
بینهما وکل واحد کفیل الاخر ووکیله
والعنان ان یعقدا الشرکة فی مال معین
لهما ویکون کل واحد وکیلا للاخر فیه
ولا یکون کفیلا یطالب بما علی الاخر، و
شرکة الصنائع کخیاطین او صباغین
اشترکا علی ان یتقبل کل واحد ویکون
الکسب بینهما، وشرکة الوجوه ان
یشترکا ولا مال بینهما علی ان یشتریا
بوجوههما ویبیعا والربح بینهما، و
الوکالة ان یکون احدهما یعقد العقود
لصاحبه، والمساقاة ان تکون اصول
الشجر لرجل فیکفی مؤنتها الاخر علی ان
الثمر بینهما، والمزارعة ان تکون
الارض والبذر لواحد والعمل والبقر
من الاخر، والمخابرة ان تکون الارض
لواحد والبذر والبقر والعمل من
آخر، ونوع آخر یکون العمل من
احدهما والباقی من الاخر، والاجارة
وفیها معنی المبادلة، ومعنی المعاونة
فان کان المطلوب نفس المنفعة فالمبادلة
غالبة، وان کان خصوص العامل مطلوبا
فمعنی المعاونة غالب، وهذه عقود
کان الناس یتعاملون بها قبل النبی صلی
الله علیه وسلم فما لم یکن منها مخلا
بمناقشة غالبا ولم ینه عنه النبی صلی
الله علیه وآله وسلم فهو باق علی اباحته
داخل فی قوله صلی الله علیه وسلم المسلمون

اور وہ یہ ہے کہ دو شخص برابر برابر مال سے تجارت کریں اور
وہ دونوں تمام خرید و فروخت میں شریک ہوں اور باہم نفع
تقسیم کر لیا کریں اور ہر ایک دوسرے کا کفیل اور وکیل ہو، اور
ایک عنان ہے اور وہ یہ ہے کہ اسی طرح مال معین میں شریک ہو کر
تجارت کریں اور ہر ایک اس میں دوسرے کا وکیل ہوتا ہے
نہ کہ کفیل کہ اس سے دوسرے کے قرضہ کا مطالبہ کیا جائے، اور
ایک شرکۃ الصنائع ہے جیسے دو درزی یا دو رنگریز اس طرح
پر شرکت کریں کہ ہر ایک محنت کرے اور اجرت دونوں میں
تقسیم ہو جائے، اور ایک شرکۃ الوجوہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے
دو شخص جن کے پاس مال نہیں ہے اس طرح پر شریک ہو جائیں
کہ اپنے اعتبار پر خرید و فروخت کریں اور نفع باہم تقسیم
ہو جائے، اور ایک وکالت ہے کہ ہر ایک اپنے ساتھی کے
لئے خرید و فروخت کرے، اور ایک مساقات ہے کہ اصل درخت
تو ایک شخص کے ہوں اور دوسرا ان کی خبر گیری کرے اور پھل دونوں
باہم تقسیم کر لیں، اور ایک مزارعت ہے کہ زمین اور بیج ایک شخص
کے ہوں، اور محنت اور بیل دوسرے کی جانب سے ہوں، اور ایک
مخابرت ہے کہ زمین تو ایک شخص کی ہو اور بیج اور بیل اور
محنت دوسرے کی جانب سے ہو، اور ایک صورت
اور ہے کہ ایک کی صرف محنت ہو اور باقی سب دوسرے
کی طرف سے ہو، اور ایک اجارہ ہے اور اس میں مبادلہ
اور معاونت کے معنی پائے جاتے ہیں پس اگر صرف
منفعت مطلوب ہے تب تو مبادلہ کے معنی غالب ہیں اور
اگر کام کرنے والے کی خصوصیت مطلوب ہے۔ تو
معاونت کے معنی غالب ہیں،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل لوگ ان عقود کو عمل
میں لایا کرتے تھے پس ان میں سے جس میں مناقشہ غالب
نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی نہیں
فرمائی ہے تو وہ عقد اپنی اباحت پر باقی ہے اور نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں داخل ہے "مسلمان

على شروطهم ؛

وقد اختلف الرواة في حديث رافع ابن خديج اختلافا فاحشا، وكان وجوه التابعين يتعاملون بالمزارعة، ويدل على الجواز حديث معاملة اهل خيبر، واحاديث النهي عنها محمولة على الاجارة بما على الماذيانات او قطعة معينة، وهو قول رافع رضي الله عنه، او على التنزيه والارشاد، وهو قول ابن عباس رضي الله عنهما، او على مصلحة خاصة بذلك الوقت من جهة كثرة مناقشتهم في هذه المعاملة حينئذ، وهو قول زيد رضي الله عنه والله اعلم ؛

اپنی شروط پر ہیں"

اور رافع بن خدیج کی حدیث میں راویوں کا سخت اختلاف ہے اور بڑے بڑے تابعین شرکت مزارعت کیا کرتے تھے اور اس کے جواز پر اہل خیبر کے معاملہ کی حدیث دلالت کرتی ہے اور جن احادیث میں اس سے نہی پائی جاتی ہے وہ احادیث نہروں کے اوپر پیداوار یا کسی خاص قطعہ کے بدلہ کرایہ دینے پر محمول ہے اور رافع رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے، یا وہ نہی تنزیہ اور ارشاد پر محمول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے یا اس وقت اس معاملہ میں مناقشات کی کثرت کی وجہ سے اس وقت کی مصلحت خاصہ پر محمول ہے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ واللہ اعلم ؛

الفرائض

اعلم انه اوجبت الحكمة ان تكون السنة بينهم ان يتعاون اهل الحي فيما بينهم ويتناصروا ويتواسوا، وان يجعل كل واحد ضرر الآخر ونفعه بمنزلة ضرر نفسه ونفعه ولا يمكن اقامة ذلك الا بجبلة تؤكدها اسباب طارئة، ويسجل عليها سنة متوارثة بينهم، فالجبلة هي ما بين الوالد والولد، والاخوة وغير ذلك من المودة والاسباب الطارئة هي التالف والزيارة والمهاداة والمواساة فان كل ذلك يجبب الواحد الى الآخر ويشجع على النصر والمعاونة على الكريهات، واما السنة فهي ما

فرائض کا بیان

واضح ہو کہ حکمت الٰہی نے لوگوں کے درمیان اس طریقہ کو ضروری قرار دیا کہ اہل قبیلہ باہم ایک دوسرے کی مدد اور حمایت اور غم خواری کریں اور ہر شخص دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا نفع و نقصان سمجھے اور یہ طریقہ بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتا کہ ان کی جبلت میں یہ بات داخل ہو اور اسباب عارضہ اس کی تائید کریں اور ان کا قدیمی طریقہ بھی اس کو مضبوط کرے پس جبلت تو وہ محبت ہے جو ماں باپ اور اولاد اور بھائی وغیرہ میں پائی جاتی ہے اور اسباب عارضہ وہ لوگوں کی آپس میں الفت و ملاقات اور تحفہ و تحائف دینا اور غم خواری کرنا ہے کیونکہ ان میں سے ہر بات ایک کو دوسرے کا دوست بنا دیتی ہے اور مصائب کے وقت مدد اور معاونت پر ہمت دلاتی ہے اور قدیمی طریقہ وہ ہے جس کو تمام شرائع نے بیان کیا علاوہ

نطقت به الشرائع من وجوب صلة
الارحام واقامة الملامة على اهمالها
ثم لما كان من الناس من يتبع نكرا فاسدا
ولا يقيم صلة الرحم كما ينبغي ويعد ما
دون الواجب كثيرا مست الحاجة الى
ايجاب بعض ذلك عليهم شاءوا ام
ابوا مثل عيادة المريض وفك العاني و
العقل واعتاق ما ملكه من ذي رحم
وغير ذلك، واحق هذا الصنف ما استغني
عنه بالاشراف على الموت فانه يجب
في مثل ذلك ان يصرف ماله على عيلته
فيما هو نافع في السعادات المنزلية
او يصرف ماله من بعده في اقاربه؛

واعلم ان الاصل في الفرائض ان
الناس جميعهم عربهم وعجمهم اتفقوا
على ان احق الناس بمال الميت اقاربه
وارحامه، ثم كان لهم بعد ذلك اختلاف
شديد، وكان اهل الجاهلية يورثون
الرجال دون النساء يرون ان الرجال هم
القائمون بالبيضة وهم الذابون عن الذمار
فهم احق بما يكون شبه المجان، وكان
اول ما نزل على النبي صلى الله عليه وسلم
وجوب الوصية للاقربين من غير تعيين
ولا توقيت لان الناس احوالهم مختلفة
فمنهم من ينصره احد اخويه دون الآخر
ومنهم من ينصره والده، وعلى هذا القياس
فكانت المصلحة ان يفوض الامر اليهم
يحكم كل واحد ما يرى من المصلحة
ثم اذا ظهر من موص جنف او اثم كان

کا حکم اور اس کے ترک پر ملامت کرنا، پھر جبکہ بعض لوگ
ایسے تھے جو اپنی ناقص فکر کی پیروی کرتے تھے
اور کما حقہ صلہ رحمی نہیں کرتے تھے اور غیر ضروری
چیزوں کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اس واسطے ان پر ان میں
سے بعض چیزوں کے واجب کرنے کی حاجت پڑی خواہ وہ
اس کو چاہیں یا نہ چاہیں جیسے مریض کی عیادت اور قیدی کا
رہا کرانا اور دیت کا لینا، اور جو شخص اپنے ذی رحم کا مالک
ہو اسکو آزاد کرنا وغیر ذالک اور ان سب سے زیادہ بہتر قسم
ہے جس سے بسبب قرب موت کے مالک کو استغنا حاصل ہو جائے
کیونکہ ایسے وقت میں ضروری ہے کہ اس کا مال اس کے سامنے
ایسی چیزوں میں صرف کیا جائے جو معاونات خانگی میں نافع ہو یا
اس کے بعد اس کے اقارب میں خرچ کیا جائے،

واضح ہو کہ فرائض میں اصل یہ بات ہے کہ عرب اور عجم کے
سب لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ میت کے مال کے حق دار سب
لوگوں سے زیادہ اس کے اقارب اور ذوی الارحام ہیں پھر اس
اصل قرار داد کے بعد اس کی تفصیل میں انکا بڑا اختلاف ہے
اہل جاہلیت تو صرف مردوں کو ہی ورثہ دیا کرتے تھے
نہ عورتوں کو، وہ سمجھتے تھے کہ مرد ہی اصل ہیں اور وہی
مصیبت کے وقت کام آتے ہیں اس واسطے جو چیز
بمنزلہ مفت کے ہے اس کے وہی مستحق ہیں، اور نبی
صلی اللہ علیہ وسلم پر اول بار جو نازل ہوا ہے وہ بلا تعیین و
توقیت اقارب کے لئے ضرور بالضرور وصیت کرنا نازل
ہوا ہے کیونکہ لوگوں کے مختلف حالات ہیں پس ان میں سے
بعض ایسے ہیں کہ کسی کا ایک بھائی ناصر و مددگار ہوتا ہے
اور دوسرا نہیں ہوتا اور بعض ایسے ہیں کہ ان میں سے باپ
اولاد کے کام آتا ہے اور اولاد کام نہیں آتی اور علی ہذا القیاس
پس مصلحت اسی میں تھی کہ اس بات کا اختیار لوگوں کے سپرد
کیا جائے تاکہ ہر شخص جو مصلحت مناسب سمجھے اسی کے موافق وصیت
کا حکم کرے پھر جب موصی سے کوئی ظلم اور زیادتی ظاہر ہو تو

للقضاة ان يصلحوا وصيته و يغيروا فكان الحكم على ذلك مدة . ثم انه لما ظهرت احكام الخلافة الكبرى وزوى للنبي صلى الله عليه وسلم مشارق الارض ومغاربها وتشعشعت انوار البعثة العامة اوجبت المصلحة ان لا يجعل امرهم اليهم ولا الى القضاة من بعدهم بل يجعل على المظان الغالبية فى علم الله من عادات العرب والعجم وغيرهم مما يكون كالامر الطبيعي ، ويكون مخالفه كالشاذ النادر وكالبهيمة المخدجة التى تولد جدعاء او عرجاء خرقا للعادة المستقرة وهو قوله تعالى لا تدرون ايهم اقرب لكم نفعا ؛

ومسائل المواريث تبتني على اصول منها ان المعتبر فى هذا الباب هو المصاحبة الطبيعية والمناصرة والموادة التى هى كمذهب جبلي دون الاتفاقات الطارئة فانها غير مضبوطة ولا يمكن ان يبني عليها النواميس الكلية ، وهو قوله تعالى واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض فى كتاب الله . فلذلك لم يجعل الميراث الا لاولي الارحام غير الزوجين فانهما لاحقان باولي الارحام داخلان فى تضاعيفهم لوجوه ، منها تاكيد التعاون فى تدبير المنزل ، والحث على ان يعرف كل واحد منهما ضرر الآخر ونفعه راجعا الى نفسه ، ومنها ان الزوج ينفق عليها ويستودع منها ماله ويامنها على ذات

قاضیوں کو اختیار تھا کہ اس کی وصیت کی اصلاح کریں اور اس کو بدل دیں پس ایک مدت تک یہی حکم رہا پھر جب خلافت کبریٰ کے احکام ظاہر ہونے لگے اور مشرق سے مغرب تک کی زمین نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دی گئی اور بعثت عامہ کے انوار چمکنے لگے تو مصلحت کا مقتضٰی ہوا کہ ان کی اس بات کا اختیار نہ ان کے سپرد کیا جائے اور نہ ان کے بعد قاضیوں کے ہاتھ میں دیا جائے بلکہ اس کا مدار ان مظان غالبیہ پر رکھا جائے جو عرب و عجم وغیرہ کے عادات کے متعلق علم الٰہی میں ہے اور جو بمنزلہ امر طبعی کے ہے اور جو شخص اس کے خلاف ہے وہ بمنزلہ شاذ و نادر کے ہے اور اس جانور کے مانند ہے جو عادت مستمرہ کے خلاف بغیر ناک کان کے یا لنگڑا پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تمہارے لئے نفع میں کون زیادہ تر قریب ہے"

اور میراث کے مسائل چند اصول پر مبنی ہیں، از آں جملہ یہ ہے کہ اس باب میں مصاحبت طبعیہ اور باہمی ہمدردی اور محبت کا اعتبار ہے جو بمنزلہ مذہب جبلی کے ہے امور عارضیہ کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ غیر منضبط ہیں اور ان پر شرائع کلیہ مبنی نہیں ہو سکتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رو سے ایک دوسرے کے ترکہ کے زیادہ حق دار ہیں" اسی واسطے اولوا الارحام کے علاوہ بجز زوجین کے کسی کے لئے میراث مقرر نہیں کی گئی کیونکہ وہ دلو الارحام کے ساتھ ملحق ہیں اور چند وجوہ سے اولوا الارحام میں داخل ہیں،

از آں جملہ خانگی معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی تاکید اور اس بات کی ترغیب دلانا کہ ہر شخص دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا نفع و نقصان سمجھے،

اور از آں جملہ یہ ہے کہ خاوند عورت کا خرچ اٹھاتا ہے اور اپنا مال اس کے سپرد کرتا ہے اور اپنی چیزوں کو ایک پاس

یدہ حتی یتخیل ان جمیع ما ترکہ او بعض
ذلک ھو حقہ فی الحقیقۃ، وتلک خصومۃ
لا تکاد تنصرم فعالج الشرع ھذا الداء
بان جعل لہ الربع او النصف لیکون جابرا
لقلبہ وکاسر السورۃ خصومتہ، ومنھا
ان الزوجۃ ربما تلد من زوجھا اولادا
ھم من قوم الرجل لا محالۃ واھل نسبہ
ومنصبہ، واتصال الانسان بامہ لا ینقطع
ابدا، فمن ھذہ الجھۃ تدخل الزوجۃ
فی تضاعیف من لا ینفک عن قومہ و
تصیر بمنزلۃ ذوی الارحام، ومنھا انہ
یجب علیھا بعدہ ان تعتد فی بیتہ لمصالح
لا تخفی ولا متکفل لمعیشتھا من قومہ
فوجب ان تجعل کفایتھا فی مال الزوج
ولا یمکن ان یجعل قدرا معلوما لانہ
لا یدری کم یترک، فوجب جزء شائع
کالثمن والربع، ومنھا ان القرابۃ نوعان
احدھما ما یقتضی المشارکۃ فی الحسب
والمنصب وان یکونا من قوم واحد و
فی منزلۃ واحدۃ وثانیھما ما لا یقتضی
المشارکۃ فی الحسب والنسب والمنزلۃ و
ولکنہ مظنۃ الود والرفق، وانہ لو کان
امر قسمۃ الترکۃ الی المیت لما جاوز تلک
القرابۃ، ویجب ان یفضل النوع الاول
علی الثانی لان الناس عربھم وعجمھم یرون
اخراج منصب الرجل وثروتہ من قومہ الی
قوم آخرین جورا وھضما ویسخطون علی
ذلک، واذا اعطی مال الرجل ومنصبہ
لمن یقوم مقامہ من قومہ راوا ذلک

امانت رکھتا ہے یہانتک کہ اس کا یہ خیال ہو جاتا ہے کہ عورت کا
کل مال متروکہ یا بعض مال اس کا حق ہے اور یہ خصومت منقطع نہ
ہو سکتی تھی پس شریعت نے اس مرض کا اس طور پر علاج کیا کہ
عورت کے مال متروکہ میں سے چوتھائی یا نصف خاوند کے لئے
مقرر کر دیا تاکہ اس کے دل کو تسکین رہے اور خصومت کی شدت
نہ بڑھے، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اکثر اوقات عورت کی اپنے خاوند
سے اولاد ہوتی ہے جو لامحالہ خاوند کی قوم اور اس کے نسب اور
مرتبہ کے ہوتی ہے اور انسان کا اتصال اپنی ماں سے کبھی منقطع نہیں
ہوتا پس اس لحاظ سے بیوی بھی ان لوگوں میں شمار ہو جاتی ہے
جو خاوند کی قوم سے جدا نہیں ہوتے اور وہ بمنزلہ ذوی الارحام
کے ہو جاتی ہے، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ عورت کو خاوند کے مرنے
کے بعد اس کے گھر میں ان مصالح کی بنا پر جو مخفی نہیں ہیں عدت
گزارنا واجب ہے، اور خاوند کی قوم میں سے کوئی اس کی معاش
کا کفیل نہیں ہوتا اس واسطے ضروری ہے کہ اس کی معاش کا
تقرر خاوند کے مال میں سے کیا جائے اور اس کی کوئی خاص مقدار
کرنا ناممکن تھا کیونکہ یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ خاوند کس قدر مال چھوڑیگا
پس ایک عام حصہ مقرر کرنا ضروری ہوا جو ہر جگہ جاری ہو سکتا ہے
مثلاً آٹھواں حصہ اور چوتھائی حصہ، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ قرابت کی
دو قسمیں ہیں ایک تو وہ قرابت ہے جو حسب اور منصب میں مشارکت کو
چاہتی ہے اور اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ دونوں ایک ہی قوم
اور ایک ہی مرتبہ کے ہوں، اور دوسری وہ قرابت ہے جو حسب و نسب اور
مرتبہ میں مشارکت کو نہیں چاہتی ولیکن اس میں محبت و شفقت پائی
جاتی ہے اور اگر مال تقسیم کرنے کا اختیار میت کو ہوتا تو وہ اس قرابت
سے تجاوز نہ کرتا اور یہ بات ضروری ہوئی کہ قسم اول کو دوسری قسم
پر فضیلت دیجائے کیونکہ عرب و عجم کے تمام لوگ اس بات کو ظلم
سمجھتے ہیں کہ کسی شخص کا منصب اور مال اس کی قوم سے باہر
دوسرے شخص کو دیا جائے اور اس کو ناپسند کرتے ہیں اور
جب کسی شخص کا مال اور منصب اس شخص کو دیا جائے
جو اس کی قوم میں اس کا قائم مقام ہے تو اس کو

عدلا وصوابا وذلك كالجبلة التي لا تنفك
منهم الا ان تقطع قلوبهم اللهم الا في زماننا
حين اختلطت الانساب ولم يكن تناصرهم
بنسبهم، ولا يجوز ان يهمل حق النوع
الثاني ايضا بعد ذلك، ولذلك كان نصيب
الام مع ان برها اوجب وصلتها اوكد
اقل من نصيب البنت والاخت فانها
ليست من قوم ابنها ولا من اصل حسبه
ومنصبه وشرفه، ولا ممن يقوم مقامه
الا ترى ان الابن ربما يكون
هاشميا والام حبشية والابن قرشيا
والام عجمية والابن من ابيات الخلافة
والام مغموصا عليها بفجور ودناءة، اما
البنت والاخت فهما من قوم المرء و
اهل منصبه وكذلك اولاد الام لم يورثوا
حين يرثوا الا ثلثا لا يزاد لهم عليه البتة
الا ترى ان الرجل يكون من قريش و
اخوه لامه من تميم، وقد يكون بين
القبيلتين خصومة فينصر كل رجل قومه
على قوم الاخر، ولا يرى الناس قيامه
مقام اخيه عدلا، وكذلك الزوجة
التي هي لاحقة بذوي الارحام داخلة
في تضاعيفها لم تجد الا اوكس الانصباء
واذا اجتمعت جماعة منهن اشتركن
في ذلك النصيب ولم يزاحمن سائر
الورثة البتة الا ترى انها تتزوج بعد
بعلها زوجا غيره فتنقطع العلاقة بالكلية
وبالجملة فالتوارث يدور على معان
ثلاثة، القيام مقام الميت في

عدل سمجھتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور یہ بات بمنزلہ اس جبلت
کے ہوگئی ہے جو ان کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کئے بغیر باہر
نہیں نکل سکتی ہاں! مگر ہمارے اس زمانہ میں لوگوں کے نسب
ضائع ہوگئے ہیں اور ان کے نسب کی وجہ سے باہم معاونت بھی
نہیں ہے اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ دوسری قسم کا حق پہلی قسم
کے بعد چھوڑ دیا جائے اور اسی سبب سے ماں کا حصہ بیٹی اور
بہن کے حصہ سے کم ہے باوجودیکہ اس کے ساتھ نہایت درجہ بھلائی
کرنا اور صلہ رحمی کرنا زیادہ ضروری اور زیادہ مؤکد ہے اور اس کم
ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ماں نہ تو بیٹے کی قوم سے ہوتی ہے اور نہ اس کے
حسب اور اس کے مرتبہ اور شرافت میں شریک ہوتی ہے اور نہ ان
لوگوں میں سے ہوتی ہے جو اس کے قائم مقام ہوتے ہیں، دیکھو
بیٹا کبھی ہاشمی ہوتا ہے اور ماں حبشیہ ہوتی ہے، اور بیٹا قریشی
ہوتا ہے اور ماں عجمی ہوتی ہے اور بیٹا خاندان خلافت سے ہوتا ہے
اور ماں بدکاری اور رذالت کے ساتھ ملوث ہوتی ہے۔ لیکن
بیٹی اور بہن آدمی کی قوم اور اس کے منصب سے ہوتے ہیں اور اسی
طرح ماں کی اولاد جب وہ وارث ہوتی ہے تو کسی حال میں ان
کو تہائی مال سے زیادہ نہیں ملتا، دیکھو آدمی کبھی قریشی ہوتا ہے
اور اس کا اخیافی[ے] بھائی تیمی ہوتا ہے اور کبھی دونوں قبیلوں میں
دشمنی ہوتی ہے پس ہر شخص دوسرے کی قوم کے مقابلہ میں اپنی قوم
کی مدد کرتا ہے اور لوگ اس کو اس کے بھائی کے قائم مقام ہونا
عدل نہیں سمجھتے اور اسی طرح زوجہ جو ذوی الارحام کے ساتھ ملحق
ہو کر ان کے شمار میں داخل ہے سب سے کم حصہ پاتی ہے اور
جب ایک شخص کی کئی بیویاں ہوتی ہیں تو اسی حصہ میں سب
شریک ہوتی ہیں اور باقی ورثہ ہرگز کمی نہیں کر سکتیں دیکھو
بیوی خاوند کے مرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح
کر لیتی ہے پس پہلے خاوند سے اس کا کوئی تعلق
نہیں رہتا۔

الحاصل توارث کا مدار تین امور پر ہے ایک یہ کہ میت
کے شرف اور مرتبہ میں اور جو باتیں اسی قبیل سے ہیں

ے جو بھائی ماں کی طرف سے ہو ۱۲

شرفہ ومنصبہ وما ھو من ھذا الباب فان الانسان یسعیٰ کل السعی لیبقیٰ لہ خلف یقوم مقامہ والخدمۃ والمواساۃ، و لرفق والحدب علیہ من ھذا الباب، الثالث القرابۃ المتضمنۃ لھذین المعنیین جمیعا والاقدم بالاعتبار ھو الثالث مظنتہا جمیعا علی وجہ الکمال من ین خل فی عمود النسب کالاب والجد لابن وابن الابن فھؤلاء احق الورثۃ المیراث غیران قیام الابن مقام ابیہ ھو الوضع الطبیعی الذی علیہ بناء العالم ن انقراض قرن وقیام القرن الثانی قامھم، وھو الذی یرجونہ ویتوقعونہ یحصلون الاولاد والاحفاد لاجلہ، اما یام الاب بعد ابنہ فکانہ لیس بوضع بیعی ولا ما یطلبونہ ویتوقعونہ، ولوان رجل خیر فی مالہ لکانت مواساۃ ولدہ ملک لقلبہ من مواساۃ والدہ، فلذلک نت السنۃ الفاشیۃ فی طوائف الناس ن یم الاولاد علی الآباء، اما القیام امہ فمظنتہ بعد ما ذکرنا الاخوۃ ن فی معناھم ممن ھم کالعضد و صنو من قوم المرء واھل نسبہ شرفہ، واما الخدمۃ والرفق فمظنتہ قرابتہ القریبۃ، فالاحق بہ الام و بنت ومن فی معناھما ممن ید خل عمود النسب ولا تخلو البنت من ام ما مقامہ، ثم الاخت ولا تخلو غما من قیام ما مقامہ، ثم من بہ

ان میں اس کا قائم مقام ہونا کیونکہ انسان اس بات کی نہایت کوشش کرتا ہے کہ اس کے بعد اس کا کوئی قائم مقام ہو، دوسرے خدمت اور غم خواری اور شفقت اور نرمی اور دیگر امور جو اسی قسم سے ہیں، اور تیسرے قرابت ہے جس میں یہ دونوں امر بھی پائے جاتے ہیں اور تینوں میں زیادہ اعتبار اسی تیسرے کا ہے اور پورے طور پر ان سب کا محل وہی لوگ ہیں جو سلسلۂ نسب میں داخل ہیں جیسے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا یہ لوگ سب سے زیادہ ورثہ کے حق دار ہیں مگر باپ کی جگہ بیٹے کا قائم ہونا وہ وضع طبعی ہے جس پر قرنا بعد قرن عالم کی بنیاد ہے اور اسی کی لوگوں کو امید اور آرزو ہوتی ہے اور اسی کی خاطر بیٹے اور پوتے پیدا ہونے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بیٹے کے بعد اس کے باپ کا قائم مقام ہونا وضع طبعی نہیں ہے اور نہ لوگ اس کے طالب اور آرزو مند ہوتے ہیں ——۔

اور اگر کسی شخص کو اس کے مال میں اختیار دیا جائے تو اس کے دل پر اولاد کے ساتھ سلوک کرنا باپ کے ساتھ سلوک کرنے پر غالب ہوگا پس اسی واسطے سب لوگوں کا عام دستور ہے کہ اولاد کو باپ پر مقدم سمجھتے ہیں اور ان کے بعد جن کو ہم نے ذکر کیا قائم مقامی کا مرتبہ بیٹے کے بھائیوں کو ہے اور جو ان کے مانند بمنزلہ قوت بازو کے ہیں اور اس کی قوم کے اور اس کے نسب اور مرتبہ کے ہیں لیکن خدمت اور شفقت، تو اس کا محل قرابت قریبہ پس اس کی سب سے زیادہ مستحق ماں اور بیٹی اور جو ان کے مانند ہیں اور سلسلۂ نسب میں داخل ہیں اور بیٹی کسی قدر باپ کے قائم مقام ہوتی ہے پھر پھوپھی ہے اور اس کے بعد وہ ہے جس کے ساتھ

علاقة التزوج، ثم اولاد الام، والنساء
لا يوجد فيهن معنى الحماية والقيام
مقامه كيف والنساء بما تزوجن في
قوم آخرين ويدخلن فيهم اللهم الا
البنت والاخت على ضعف فيهما، و
يوجد في النساء معنى الرفق والحدب
كاملا موفرا، وانما مظنة القرابة القريبة
جداً الام والبنت ثم الاخت دون البعيدة
كالعمة وعمة الاب، والباب الاول يوجد
في الاب والابن كاملا، ثم الاخوة، ثم
الاعمام، والمعنى الثاني يوجد في الاب
كاملا، ثم الابن ثم الاخ لاب وام اولام
وانما مظنة القرابة القريبة دون
البعيدة فمن ثم لم يجعل للعمة شئ
مما جعل للعم لانها لا تذب عنه كما
يذب العم وليست كالاخت في القرب

ومنها ان الذكر يفضل على انثى اذا
كانا في منزلة واحدة لاختصاص
الذكور بحماية البيضة والذب عن
الذمار، ولان الرجال عليهم انفاقات
كثيرة فهم احق بما يكون شبه المجان
بخلاف النساء فانهن كل على ازواجهن
او آبائهن او ابنائهن، وهو قوله تعالى
الرجال قوامون على النساء بما فضل
الله بعضهم على بعض وبما انفقوا، و
قال ابن مسعود رضي الله عنه في مسألة
ثلث الباقي، ما كان الله ليريني ان افضل
اما على اب غير ان الوالد لما اعتبر فضله
مرة بجمعه بين العصوبة والفرض لم

زوجیت کا علاقہ ہے، پھر اخیافی بھائی بہن ہیں اور عورتوں
کے اندر حمایت اور قائم مقامی کے معنی نہیں پائے جاتے
کیونکہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کر لیتی ہیں اور
اسی قوم میں داخل ہو جاتی ہیں ہاں! کسی قدر بیٹی اور بہن
میں یہ معنی پائے جاتے ہیں اور عورتوں کے اندر شفقت اور
محبت کے معنی کامل اور وافر پائے جاتے ہیں اور اس کا
مظنہ بہت ہی قریب کی قرابت ہے جیسے ماں اور بیٹی اس کے
بعد بہن نہ کہ بعید کی جیسے پھوپھی اور باپ کی پھوپھی، اور باب
اول باپ اور بیٹے میں کامل پایا جاتا ہے اور ان کے بعد بھائی اور
چچا میں، اور دوسرے معنی سب سے زیادہ باپ میں اور اس کے
بعد بیٹے میں پھر عینی بھائی یا اخیافی بھائی میں پائے جاتے
ہیں اور قرابت قریبہ کا مظنہ ہے نہ بعیدہ کا اسی لئے جو چیز
کے لئے حکم ہے وہ پھوپھی کے لئے نہیں ہے کیونکہ جس طرح چچا
اس کی حمایت کرتا ہے وہ نہیں کر سکتی، اور پھوپھی قرابت میں بہن
کے برابر بھی نہیں ہے،

از آں جملہ یہ ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت دیجاتی ہے
جبکہ دونوں ایک ہی درجہ کے ہوں کیونکہ مرد ہی حمایت اور
مدد کرنے کے ساتھ خاص ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ
مردوں پر بڑے مصارف پڑتے ہیں پس یہی اس چیز کے
زیادہ مستحق ہیں جو بمنزلہ مفت کے ہے بخلاف عورتوں کے
کہ وہ خود اپنے خاوندوں یا باپوں یا بھائیوں پر بوجھ ہوتی
ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" مرد عورتوں پر حاکم ہیں
بسبب اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت
بخشی ہے اور اس سبب سے کہ انہوں نے خرچ کیا ہے
اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے ثلث باقی کے مسئلہ
میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ماں کو باپ پر فضیلت
دینے کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں سمجھایا کہ جب اس کا
مرتبہ باپ کی فضیلت کا اعتبار کیا گیا
اس کو عصوبت اور فرض میں جمع کیا

يعتبر ثانيا بتضاعف نصيبه ايضا فانه
فسط لحق سائر الورثة واولاد الام ليس
للذكر منهم حماية للبيضة ولاذب عن
الذمار فانهم من قوم آخرين فلم يفضل
على الانثى، وايضا فان قرابتهم منشعبة
من قرابة الام فكأنهم جميعا اناث ؛

ومنها انه اذا اجتمع جماعة من الورثة
فان كانوا في مرتبة واحدة وجب ان يوزع
عليهم لعدم تقدم واحد منهم على الآخر و
ان كانوا في منازل شتى فذلك على وجهين
اما ان يعمهما اسم واحد او جهة واحدة
فالاصل فيه ان الاقرب يحجب الابعد
حرمانا لان التوارث انما شرع حثا على
التعاون ولكل قرابة وتعاون كالرفق
فيس يعمهم اسم الام والقيام مقام
الرجل فيمن يعمهما اسم الابن والذب
عنه فيمن يعمهم اسم العصوبة، ولا
تتحقق هذه المصلحة الا بان يتعين
من يؤاخذ نفسه بذلك ويلام على تركه
ويتميز من سائر من هنالك بالنيل اما
فضل سهم على سهم فلا يوجد ودلك كثير
ال او تكون اسمائهم وجهاتهم مختلفة
فالاصل فيه ان الاقرب والانفع فيما
عند الله من علم المظان الغالبية يحجب
الابعد نقصانا ؛

ومنها ان السهام التي تعين بها
الانصباء يجب ان تكون اجزاؤها ظاهرة
تميزها بادي الرأي المحاسب وغيره،
واشار النبي صلى الله عليه وسلم في قوله

دوبارہ اس کا حصہ زیادہ کرنے کے لئے اس کی فضیلت کا اعتبار
نہیں کیا گیا کیونکہ اس سبب اور ورثار کی حق تلفی ہے اور ماں کی
اولاد میں سے ذکور کی اس شخص کے لئے حمایت اور مدد نہیں
ہوتی کیونکہ یہ اولاد دوسری قوم کی ہوتی ہے اس واسطے ان
کو انثیٰ پر فضیلت نہیں دی گئی اور نیز ان کی قرابت ماں کی
قرابت سے پیدا ہوتی ہے اس واسطے وہ تمام اولاد گویا اناث ہیں

اور از آں جملہ یہ ہے کہ جب وارثوں کی ایک جماعت پائی
جائے پس اگر وہ ایک مرتبہ کے ہوں تو ان سب پر برابر تقسیم کرنا
ضروری ہے کیونکہ ایک کو دوسری پر تقدم نہیں ہے اور اگر وہ
مختلف مراتب کے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ سب
ایک نام اور ایک جہت میں شریک ہیں اور اس میں قاعدہ یہ
ہے کہ قریب بعید کو بالکل محروم کر دیتا ہے کیونکہ وراثت اس لئے
مشروع ہوئی ہے کہ لوگ اعانت کرنے پر آمادہ رہیں اور یہ
قرابت اور تعاون ہر ایک میں پایا جاتا ہے مثلاً شفقت ان
سب میں پائی جاتی ہے جن میں ماں کا نام شامل ہو، اور جن
میں بیٹے کا نام شامل ہو ان میں قائم مقامی پائی جاتی ہو، اور جن
میں عصبہ کا نام شامل ہو ان میں حمایت کے معنی پائے جاتے ہیں
اور یہ مصلحت بغیر اس کے متحقق نہیں ہوتی کہ ایک شخص متعین
ہو جائے جو ان باتوں کا التزام کرے اور ان کے ترک پر اسکو
ملامت کیجائے اور سب لوگوں میں وہ شخص مال کے ملنے
کے ساتھ متمیز ہو لیکن کسی کے حصہ کا کسی سے زیادہ ہونا پس
اس کی ان کو چنداں پرواہ نہیں ہوتی یا ان کے نام اور
ان کی جہات مختلف ہوں اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جو
شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مظان غالبیہ میں اقرب
اور زیادہ کام آنے والا ہے بعید کے لئے حاجب ہو کر اس
کے حصہ کو کم کر دیتا ہے۔

اور از آں جملہ یہ ہے کہ سہام جن سے حصے متعین ہوتے ہیں ضروری
ہے کہ ان کے اجزا ظاہر ہوں کہ محاسب اور غیر محاسب ظاہر میں انکی تمیز
کر سکیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں کہ ہم امی

انا امة امية لا نكتب ولا نحسب، الى ان الذى يليق ان يخاطب به جمهور المكلفين هو مالا يحتاج الى تعمق فى الحساب، ويجب ان يكون بحيث يظهر فيها ترتيب الفضل والنقصان بادى الرأى فأثر الشرع من السهام فصلين، الاول الثلثان والثلث والسدس، والثانى النصف والربع والثمن فان مخرجهما الاصلى اولا الاعداد، و يتحقق فيهما ثلاث مراتب بين كل منها نسبة الشئ الى ضعفه ترفعا ونصفه تنزلا وذلك ادنى ان يظهر فيه الفضل والنقصان محسوسا متبينا، ثم اذا اعتبر فصل بفضل ظهرت نسب اخرى لا بد منها فى الباب كالشئ الذى زيد على النصف فلا يبلغ التمام وهو الثلثان، والشئ الذى ينقص عن النصف ولا يبلغ الربع وهو الثلث ولم يعتبر الخمس والسبع لان تخريج مخرجهما ادق والترفع والتنزل فيهما يحتاج الى تعمق فى الحساب. قال الله تعالى يوصيكم الله فى اولادكم للذكر مثل حظ الانثيين فان كن نساء فوق اثنتين فلهن ثلثا ما ترك وان كانت واحدة فلها النصف ؕ

اقول يضعف نصيب الذكر على الانثى وهو قوله تعالى الرجال قوامون على النساء بما فضل الله وللبنت المنفردة النصف لانه ان كان ابن واحد لاحاط المال فمن حق البنت الواحدة ان تأخذ نصفه تقضية للتضعيف، والبنتان حكمها

لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں" اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جس بات سے تمام مکلفین کو خطاب کیا جائے وہ ایسی ہونی چاہیئے کہ حساب کرنے میں دقت پیش نہ آئے، اور نیز ایسی ہو کہ اس میں کمی بیشی کی ترتیب ظاہر نظر میں معلوم ہو جائے پس شریعت نے سہام کو دو طریق سے لیا ایک تو دو تہائی اکیلی تہائی اور چھٹا حصہ اور دوسرے نصف اور چہارم اور آٹھواں حصہ کیونکہ ان دونوں کا مخرج اصلی اول مرتبہ میں اعداد ہیں اور ان دونوں میں تین مرتبے پائے جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک کو زیادتی کے اعتبار سے دوسرے سے دو چند کرنے میں اور کمی کے اعتبار سے نصف کرنے میں ایک نسبت ہے اور اس سے زیادتی اور کمی خوب طرح سے محسوس ہو جاتی ہے پھر جب ایک زیادتی کا دوسری زیادتی کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اور نسبتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو وراثت کے باب میں ضروری ہیں مثلاً نصف پر کچھ زیادہ کیا جائے اور وہ پورا ہونے تک نہ پہنچے اور وہ دو تہائی ہیں اور جو چیز کہ نصف سے کم کی جائے اور ربع کو نہ پہنچے اور وہ ثلث ہے اور خمس اور سبع کا اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ ان کے مخرج کا نکالنا مشکل ہے اور ان میں کم کرنا اور زیادہ کرنا حساب میں تعمق کرنے کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں بتلاتا ہے کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے پس اگر عورتیں دو سے زیادہ ہیں تو ان کے لئے میت کے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر عورت ایک ہے تو اس کے لئے ترکہ کا نصف ہے"

میں کہتا ہوں مرد کے حصہ کا عورت کے حصہ سے دو چند ہونا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے "مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے" اور اکیلی بیٹی کے لئے نصف ترکہ ہے کیونکہ اگر اکیلا بیٹا ہوتا ہے تو تمام مال لیتا ہے پس اکیلی بیٹی نصف کی مستحق ہے تاکہ دو چند کا حکم پورا ہو اور

حکم الثلاث بالاجماع، وانما اعطیتا الثلثین لانه لو کان مع البنت ابن لوجدت الثلث فالبنت الاخری اولی ان لا تنزل نصیبها من الثلث وانما افضل للعصبة الثلث لان للبنات معونة وللعصبات معونة فلم تسقط احدهما الاخری لکن کانت الحکمة ان یفضل من فی عمود النسب علی من یحیط به من جوانبه، وذلک نسبة الثلثین من الثلث، وکذلک حال الوالدین مع البنین والبنات، و قال الله تعالی ولابویه لکل واحد منهما السدس مما ترک ان کان له ولد فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان کان له اخوة فلامه السدس الآیة.

اقول قد علمت ان الاولاد احق بالمیراث من الوالدین وذلک بان یکون لهم الثلثان ولهما الثلث، وانما لم یجعل نصیب الوالد اکثر من نصیب الام لانه اعتبر فضله من جهة قیامه مقام الولد وذبه عنه مرة واحدة بالعصوبة فلا یعتبر ذلک الفضل بعینه فی حق التضعیف ایضاً، وعند عدم الولد لا احق من الوالدین فاحازا تمام المیراث، وفضل الاب علی الام وقد علمت ان الفضل المعتبر فی اکثر هذه المسائل فضل التضعیف، ثم ان کان المیراث للام والاخوة وهم اکثر من واحد وجب ان ینقص سهمها الی

بالاجماع تین کا ہے اور دو بیٹیوں کو دو ثلث اس واسطے دیا گیا کہ اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا ہو تو اس بیٹی کو ثلث ملتا ہے اس واسطے دوسری بیٹی کا حصہ بطریق اولیٰ ثلث سے کم نہیں ہونا چاہیے اور عصبہ کے لئے ثلث زیادہ کیا گیا کیونکہ بیٹیوں سے بھی معاونت ہوتی ہے اور عصبات سے بھی معاونت ہوتی ہے پس ایک دوسرے کو ساقط نہیں کر سکتا لیکن حکمت کی بات یہ ہے کہ جو سلسلہ نسب میں داخل ہے اس کو ان لوگوں پر فضیلت دیجائے جو سلسلہ نسب سے ادھر ادھر ہیں اور وہ دو ثلث کی نسبت ایک ثلث سے ہے اور ایسے ہی بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ والدین کا حال ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور اس کے والدین کے لئے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہے اگر اس کے اولاد ہو پس اگر اس کے اولاد نہیں ہے اور اس کے ماں باپ اس کے وارث ہوتے ہیں تو اس کی ماں کے لئے ثلث ہے پس اگر اس کے بھائی ہیں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے" الآیۃ۔

میں کہتا ہوں تم کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ والدین سے زیادہ اولاد وراثت کی مستحق ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اولاد کے لئے دو ثلث اور والدین کیلئے ایک ثلث ہو اور باپ کا حصہ ماں کے حصہ سے اس وجہ سے زیادہ نہیں مقرر کیا گیا کیونکہ باپ کی فضیلت کا ایک مرتبہ اعتبار کیا گیا ہے کہ اس کو بیٹے کے قائم مقام اور مددگار قرار دیکر عصبہ بنایا تھا اس واسطے بعینہ یہ فضیلت تضعیف کے بارے میں معتبر نہ ہوئی اور جب بیٹے کے اولاد نہ ہوگی تو والدین سے زیادہ کوئی حقدار نہیں ہے اس واسطے تمام ترکہ انہی کو ملے گا اور باپ کو ماں پر فضیلت دی جائے گی اور تم جان چکے ہو کہ اکثر ان مسائل میں جس فضیلت کا اعتبار ہے وہ دو چند کرنے کی فضیلت ہے، پھر اگر وارث ماں اور بھائی ہیں اور بھائی ایک سے زیادہ ہیں تو ضروری ہے کہ ماں کا حصہ کم کر کے اس کو چھٹا حصہ دیا جائے

السدس لانه ان لم تكن الاخوة عصبة وكانت العصبات ابعد من ذلك فالعصوبة والرفق والمودة على السواء فجعل النصف لهؤلاء والنصف لهؤلاء ثم قسم النصف على الام واولادها فجعل السدس لها البتة لا ينقص سهمها منه والباقى لهم جميعا، وان كانت الاخوة عصبات فقد اجتمع فيهم القرابة القريبة والحماية، وكثيرا ما يكون معه ذلك ورثة آخرون كالبنت والبنتين والزوج فلو لم يجعل لها السدس حصل التضييق عليهم ؛

وقال تعالى ولكم نصف ما ترك ازواجكم ان لم يكن لهن ولد فان كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها او دين ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم ولد فان كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها او دين ؛

اقول الزوج يأخذ الميراث لانه ذو اليد عليها وعلى مالها فاخراج المال من يده يسوءه ولانه يعد ما فى يدها من ذات يده حتى يتخيل ان له حقا قويا فى يدها والزوجة تأخذ حق الخدمة والمواساة والرفق ففضل الزوج على الزوجة وهو قوله تعالى الرجال قوامون على النساء ثم اعتبر ان لا يضيقا على الاولاد، وقد علمت ان الفضل المعتبر فى اكثر المسائل فضل التضعيف قال تعالى وان كان رجل يورث كلالة او امرأة وله اخ او اخت

کیونکہ اگر بھائی عصبہ نہ ہوں اور عصبات اس سے بعید ہوں تو عصوبت اور شفقت اور محبت برابر ہے پس نصف ان کو ملیگا اور نصف ان کو اور وہ نصف ماں اور اس کی اولاد میں تقسیم ہوگا تو ماں کو بلاشک چھٹا حصہ ملے گا اور اس سے کم نہ ہوگا اور باقی ان سب کے لئے ہوگا، اور اگر بھائی عصبات ہیں تو ان میں قرابت قریبہ اور حمایت دونوں پائی جاتی ہیں اور اکثر ان کے ساتھ اور وارث بھی ہوتے ہیں مثلاً بیٹی اور بیٹے اور خاوند، پس اگر ماں کے لئے چھٹا حصہ مقرر نہ ہو تو ان وارثوں پر تنگی ہو جائے،

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے ترکہ کا نصف ہے اگر ان کے اولاد نہ ہو پس اگر ان بیویوں کی اولاد ہو تو تمہارے لئے ان کے ترکہ میں سے ربع ہے بعد وصیت کے جس کی انہوں نے وصیت کی ہو یا بعد قرض کے، اور بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ میں سے ربع ہے اگر تمہارے اولاد نہیں ہے، پس اگر تمہارے اولاد ہے تو ان بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے بعد وصیت کے جس کی تم نے وصیت کی ہو یا بعد قرض

میں کہتا ہوں خاوند کو ورثہ اس لئے ملتا ہے کہ وہ بیوی اور اس کے مال پر قابض ہوتا ہے پس اس کے قبضہ سے مال نکالنا اس کو رنج پہنچاتا ہے اور نیز یہ کہ خاوند اپنا مال بیوی کے پاس رکھتا ہے اور اپنے مال میں اسکو امین جانتا ہے یہاں تک کہ اس کو خیال ہو جاتا ہے کہ جو کچھ بیوی کے قبضہ میں ہے اس میں اسکا بڑا حق ہے اور بیوی خاوند سے اپنی خدمت اور ہمدردی اور محبت کا حق لیتی ہے اسواسطے خاوند کو بیوی پر فضیلت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "الرجال قوامون علی النساء" پھر اس بات کا بھی لحاظ کیا گیا ہے کہ وہ دونوں زیادہ حصہ لیکر اولاد پر تنگی نہ کر دیں، یہ بات بھی تم کو معلوم ہو چکی ہے کہ اکثر مسائل میں جو فضیلت معتبر ہے وہ فضیلت حصہ کا دوچند کر دینا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے نہ باپ نہ بیٹا مگر اس کے

فلکل واحد منهما السدس فان کانوا اکثر
من ذلك فهم شرکاء فی الثلث ؛

اقول هذه الآیة فی اولاد الام للاجماع
ولما لم یکن له والد ولا ولد جعل لحق
الرفق اذا کانت فیهم الام النصف، ولحق
النصرة والحمایة النصف فان لم تکن ام
جعل لهم الثلثان ولهولاء الثلث، قال
الله تعالی یستفتونك قل الله یفتیکم فی
الکلالة ان امرؤ هلك لیس له ولد وله
اخت فلها نصف ما ترك وهو یرثها
ان لم یکن لها ولد فان کانتا اثنتین
فلهما الثلثان مما ترك وان کانوا اخوة
رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین الآیة

اقول هذه الآیة فی اولاد الاب بنی
الاعیان وبنی العلات بالاجماع والکلالة
من لا والد له ولا ولد، وقوله لیس له
ولد کشف لبعض حقیقة الکلالة، وفی
الجملة فی ذلك انه اذا لم یوجد من
یدخل فی عمود النسب حمل اقرب
من یشبه الاولاد هم الاخوة والاخوات
علی الاولاد ؛

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم
الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فهو لاولی
رجل ذکر ؛

اقول قد علمت ان الاصل فی التوارث
معنیان، وقد ذکرناهما وان المودة و
الرفق لا یعتبر الا فی القرابة القریبة جدا
کالام والاخوة دون ما سوی ذلك فاذا
کانوا هم الامر تعین التوارث بمعنی القیام

بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ، اور اگر ایک
سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے"

میں کہتا ہوں یہ آیت بالاجماع ماں کی اولاد کے بارے
میں ہے اور چونکہ اس شخص کا نہ باپ ہے اور نہ اولاد ہے اسواسطے
اگر ان میں ماں ہے تو شفقت کی وجہ سے ان کو نصف ملے گا
اور نصف معاونت اور حمایت کی وجہ سے ملے گا اور اگر ماں
نہیں ہے تو دو ثلث ان کا ہے اور ایک ثلث ان کا ہے، اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے" اے پیغمبر! لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں
کہدو کہ خدا تم کو کلالہ کے بارے میں بیان کرتا ہے، اگر کوئی
مرد مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کیلئے
اس مرد کے ترکہ کا نصف ہے اور وہ مرد اس کا وارث ہوگا
اگر اس کے اولاد نہیں ہے پس اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں
کیلئے اس کے ترکہ میں سے دو ثلث ہے اور اگر اسکے بھائی اور
بہنیں ہوں تو مرد کے لئے عورت سے دو چند ہے" الآیۃ،

میں کہتا ہوں یہ آیت بالاجماع باپ کی اولاد کے بارے
میں وارد ہے خواہ وہ بنی الاعیان ہوں یا بنی العلات ہوں، اور
کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کا نہ باپ ہو اور نہ اولاد ہو، اور اللہ
تعالیٰ کا یہ قول "لیس له ولد" کلالہ کی بعض حقیقت کو ظاہر
کرتا ہے،

خلاصہ یہ ہو کہ جب کوئی ایسا شخص نہ ہو جو سلسلہ نسب میں داخل
ہے تو وہ لوگ جو سب سے زیادہ قریب اور اولاد کے مشابہ ہیں وہ
اسکی اولاد پر ہی محمول ہونگے اور وہ بھائی اور بہن ہیں، رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمام حصے انکے حق داروں کو دو اور جو
کچھ بچ رہے تو وہ اس مرد ذکر کا ہے جو مرنے والے کا سب سے زیادہ
قریب ہے"

میں کہتا ہوں تم کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ توارث کے اندر
اصل دو چیزیں ہیں جن کو ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ کہ محبت اور
شفقت کا مرفہ اس قرابت میں لحاظ کیا جاتا ہے جو بہت ہی قریب
ہے جیسے ماں اور بھائی نہ ان کے علاوہ دوسروں میں، پس جب یہ نہ

مقام الميت والنصرة له وذلك قوم الميت
واهل نسبه وشرفه الاقرب فالاقرب ؛
قال صلى الله عليه وسلم لا يرث المسلم
الكافر ولا الكافر المسلم ؛

اقول انما شرع ذلك ليكون طريقا
الى قطع المواساة بينهما فان اختلاط
المسلم بالكافر يفسد عليه دينه،
وهو قوله تعالى في حكم النكاح اولئك
يدعون الى النار ؛

وقال صلى الله عليه وسلم القاتل
لا يرث ؛

اقول انما شرع ذلك لان من
الحوادث الكثيرة الوقوع ان يقتل الوارث
مورثه ليحرز ماله لا سيما في ابناء العم
ونحوهم فيجب ان تكون السنة بينهم
تاييس من فعل ذلك عما اراده لتنقطع
عنهم تلك المفسدة، وجرت السنة ان
لا يرث العبد ولا يورث وذلك لان
ماله لسيده والسيد اجنبي، وقال صلى
الله عليه وسلم ان اعيان بني الام يتوارثون
دون بني العلات ؛

اقول وذلك لما ذكرنا من ان القيام
مقام الميت مبناه على الاختصاص
ووجب الاقرب الابعد بالحرمان، و
اجمعت الصحابة رضي الله عنهم في
زوج وابوين وامرأة وابوين ان للام
ثلث الباقي، وقد بين ابن مسعود رضي
الله عنه ذلك بما لا مزيد عليه حيث قال
ما كان الله ليريني ان افضل اما على اب ۔

ہوں تو اب توریث میت کے قائم مقام ہونے اور اسکی معاونت کرنیکے
اعتبار سے معین ہوگی، اور وہ میت کی قوم اور اس کے نسب اور اسکے درجہ
کے لوگ ہیں پس ان میں درجہ بدرجہ قریب کا لحاظ ہوگا، نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان کافر کا اور کوئی کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ کافر و مسلمان
میں باہمی محبت منقطع ہو جائے کیونکہ کافر کے ساتھ مسلمان کا
میل جول رکھنا اس کے دین کے فساد کا باعث ہوگا چنانچہ
اللہ تعالےٰ نکاح کے حکم میں فرماتا ہے "وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں"
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قاتل کو ورثہ نہیں
پہنچتا۔"

میں کہتا ہوں یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ بہت سے حوادث ایسے
واقع ہوتے ہیں کہ وارث سارا مال لینے کی خاطر اپنے مورث کو
قتل کر دیتا ہے خاصکر چچازاد بھائی وغیرہ۔ پس لوگوں کے اندر
ایسے دستور کا مقرر کرنا ضروری ہے کہ جو شخص ایسے فعل کا
ارتکاب کرے اس کو اس کی مراد سے ناامید کیا جائے
تاکہ لوگوں سے یہ مفسدہ رفع ہو۔ اور یہ بھی دستور چلا آتا
ہے کہ نہ غلام کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث
ہوتا ہے کیونکہ غلام کا سارا مال مولیٰ کا ہوتا ہے اور مولیٰ اجنبی
شخص ہوتا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک ماں
کی اولاد میں سے عینی بھائی وارث ہوتے ہیں نہ علاتی۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ
میت کی قائم مقامی خصوصیت پر مبنی ہے اور قریب بعید
کے لئے حاجب بنکر اس کو محروم کر دیتا ہے اور اس بات پر
صحابہ کا اجماع ہے کہ خاوند اور ماں باپ اور بیوی اور ماں
باپ کی صورت میں ماں کو باقی کا تہائی ملتا ہے

اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
اس کو خوب واضح کر کے بیان کر دیا جبکہ یہ فرمایا
۔ خدا تعالےٰ نے مجھ کو یہ نہیں بتلایا کہ میں ماں کو
باپ پر فضیلت دوں۔"

وقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم في بنت وابنة ابن واخت لاب وام للابنة النصف ولابنة الابن السدس وما بقي فللاخت.

اقول وذلك لان الابعد لا يزاحم الاقرب فيما يحوزه فما بقي فان الابعد احق به حتى يستوفى ما جعل الله لذلك الصنف، فالابنة تاخذ النصف كملا وابنة الابن في حكم البنات فلم تزاحم البنت الحقيقية واستوفت ما بقي من نصيب البنات، ثم كانت الاخت عصبة لان فيها معنى من القيام مقام البنت وهي من اهل شرفه۔

وقال عمر رضي الله عنه في زوج وام واخوة لاب وام واخوة لام لم يزدهم الاب الا قربا، وتابع عليه ابن مسعود وزيد وشريح رضي الله عنهم وخلائق، وهذا القول اوفق الاقوال بقوانين الشرع، وقضى للجدة السدس اقامة لها مقام الام عند عدمها وكان ابو بكر وعثمان وابن عباس رضي الله عنهم يجعلون الجد ابا وهو اولى الاقوال عندي۔

واما الولاء فالسر فيه النصرة وحماية البيضة، فالاحق بها مولى نعمة، ثم بعده الذكور من قومه الاقرب فالاقرب۔

والله اعلم۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک عینی بہن کی صورت میں فیصلہ فرمایا کہ بیٹی کو نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ اور جو کچھ باقی رہے وہ بہن کو دیا جائے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ بعید قریب کے اس حصہ میں جو اس کو ملتا ہے مزاحم نہیں ہوتا ہے پس جو باقی بچے بعید اس کا حقدار ہے تاکہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ اس صنف کے لئے مقرر کیا ہے وہ اس کو پا لے پس بیٹی پورا نصف لیگی اور پوتی بیٹیوں کے حکم میں ہے پس وہ حقیقی بیٹی کے مزاحم نہیں ہو سکتی اور بیٹیوں کے حصہ میں سے جو باقی رہ گیا ہے وہ اس کو مل جائیگا پھر بہن عصبہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں بیٹی کے قائم مقام ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں اور وہ مورث کے مرتبہ کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاوند اور ماں اور حقیقی بھائیوں اور اخیافی بھائیوں کے بارے میں فرمایا کہ باپ نے محض ان کی قرابت ہی کو زیادہ کیا ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اور زید اور شریح رضی اللہ عنہم اور بہت سے اشخاص نے اسی حکم پر اتفاق کیا ہے اور یہ قول قوانین شرع کے ساتھ زیادہ موافق ہے اور ماں کے نہ ہونے کی صورت میں دادی کو اس کے قائم مقام کر کے چھٹے حصہ کا حکم دیا اور حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم دادا کو باپ کا حکم دیتے تھے اور میرے نزدیک یہ قول سب سے بہتر ہے۔

لیکن ولاء پس اس میں حکمت معاونت اور حمایت کا پایا جانا ہے پس اس امر میں زیادہ مستحق مولے نعمت ہے پھر اس کے اس کی قوم میں سے مرد درجہ بدرجہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

من ابواب تدبير المنزل

اعلم ان اصول فن تدبير المنازل مسلّمة عند طوائف العرب والعجم لهم اختلاف في اشباحها وصورها وبعث النبي صلى الله عليه وسلم في العرب واقتضت الحكمة ان يكون طريق ظهور كلمة الله في الارض غلبتهم على الاديان ونسخ عادات اولئك بعاداتهم ورياسة اولئك برياساتهم فوجب ذلك ان لا يتعين تدبير المنازل الا في العادات للعرب وان تعتبر تلك الصور والاشباح باعيانها، وقد ذكرنا اكثر ما يجب ذكره في مقدمة الباب في الارتفاقات وغيرها فراجع

الخطبة وما يتعلق بها

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء، اعلم ان المني اذا كثر تولده في البدن صعد بخاره الى الدماغ فحبب اليه النظر الى المرأة الجميلة وشغف قلبه حبها ونزل قسط منه الى الفرج فحصل الشبق واشتدت الغلمة واكثر ما يكون ذلك في وقت الشباب، وهذا حجاب عظيم من حجب الطبيعة يمنعه من الامعان

تدبیر منزل کے ابواب کا بیان

واضح ہو کہ فن تدبیر منازل کے اصول تمام عرب و عجم میں مسلم ہیں لیکن ان کی اشباح اور صورتوں میں اختلاف ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم عرب میں پیدا ہوئے اور حکمت الٰہی کا یہ مقتضیٰ ہوا کہ تمام دنیا میں کلمۃ اللہ کا اس طریق پر ظہور ہو کہ عرب کا تمام ادیان پر غلبہ ہو جائے اور تمام دنیا کی عادات عرب کی عادات سے منسوخ ہو جائیں اور عرب کی ریاست سے ان کی ریاستیں زیر ہو جائیں پس اس نے یہ بات ضروری کر دی کہ تدبیر المنازل عرب کی عادات میں ہی متعین کیجائیں اور خاص ان ہی اشباح اور صورتوں کا اعتبار کیا جائے اور جن باتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے ان میں سے اکثر کو مقدمۃ الباب میں ارتفاقات وغیرہ کے اندر بیان کر دیا ہے پس وہاں دیکھنا چاہئے ؂

پیغام نکاح اور اس کے متعلقات کا بیان

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص نکاح کرنے کی طاقت رکھے تو اس کو نکاح کرنا چاہئے کیونکہ وہ نگاہ کو پست کرتا ہے اور ستر کو محفوظ رکھتا ہے اور جو نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے تو اس کو روزے رکھنا چاہئے کیونکہ روزہ سے شہوت کم ہو جاتی ہے۔"

واضح ہو کہ جب بدن کے اندر منی کی پیدائش زیادہ ہوتی ہے تو اس کے بخارات دماغ کی طرف چڑھتے ہیں تب اسکو خوبصورت عورت کیطرف دیکھنا اچھا معلوم ہوتا ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں بھر جاتی ہے اور اس منی کا ایک حصہ پیشابگاہ کی طرف اترتا ہے جس سے انتشار پیدا ہوتا ہے اور شدت کے ساتھ جماع کی خواہش ہوتی ہے اور اکثر یہ بات جوانی کے وقت میں عارض ہوتی ہے اور یہ طبیعت کے حجابوں میں سے ایک حجاب ہے جو اسکو احسان میں غور کرنے

فی الاحصان ویھیجہ الی الزنا ویفسد علیہ الاخلاق ویوقعہ فی مھالک عظیمۃ من فساد ذات البین، فوجب اماطۃ ھذا الحجاب فمن استطاع الجماع وقدر علیہ بان تیسرت لہ مثلا امرأۃ علی ما تأمر بہ الحکمۃ وقدر علی نفقتھا فلا احسن لہ من ان یتزوج، فان التزوج اغض للبصر واحصن للفرج من حیث انہ سبب لکثرۃ استفراغ المنی ومن لم یستطع ذلک فعلیہ بالصوم فان سرد الصوم لہ خاصیۃ فی کسر سورۃ الطبیعۃ وکبحھا عن غلوائھا لما فیہ من تقلیل مادتھا فیتغیر بہ کل خلق فاسد نشأ من کثرۃ الاخلاط، ورد صلی اللہ علیہ وسلم علی عثمان بن مظعون التبتل، فقال اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔

اعلم انہ کانت المانویۃ والمترھبۃ من النصاری یتقربون الی اللہ بترک النکاح وھذا باطل لان طریقۃ الانبیاء علیھم السلام التی ارتضاھا اللہ للناس ھی اصلاح الطبیعۃ ودفع اعوجاجھا لا سلخھا عن مقتضیاتھا، وقد ذکرنا ذلک مستوعبا فراجع، ثم لا بد من الارشاد الی المرأۃ التی یکون نکاحھا موافقا للحکمۃ وتوفر علیہ مقاصد تدبیر المنزل لان الصحبۃ بین الزوجین لازمۃ والحاجات

سے مانع ہوتا ہے اور اس کو زنا کی طرف برانگیختہ کرتا ہے اور اس کے اخلاق کو خراب کرتا ہے اور اس کو باہمی فساد کی بڑی بڑی ہلاکتوں میں ڈالتا ہے لہٰذا اس حجاب کا دور کرنا ضروری ہوا پس جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اور اس پر قادر ہو اس طور سے کہ مقتضائے حکمت کے موافق کوئی عورت اس کو میسر آئے اور اس کے نان ونفقہ پر قادر ہو تو اس کے لئے نکاح سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ نکاح کرنے سے نگاہ پست ہو جاتی ہے اور آدمی کی شرمگاہ محفوظ رہتی ہے کیونکہ اس کے سبب سے منی کثرت سے خارج ہوتی رہتی ہے، اور جو شخص نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو روزہ رکھنا چاہیئے کیونکہ پے در پے روزہ رکھنے کو طبیعت کی تیزی کے رفع کرنے میں اور اس کے جوش سے باز رکھنے میں بڑا دخل ہے کیونکہ اس میں منی کے مادہ کو کم کرنا ہے پس تمام اخلاق فاسدہ جو کثرت اخلاط سے پیدا ہو گئے ہیں وہ روزہ کے سبب سے بدل جاتے ہیں۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کو تبتل[1] سے منع فرمایا پس آپ نے فرمایا "خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ میں اللہ تعالیٰ سے خوف کرتا ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں اور نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جو شخص میری سنت سے اعراض کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

واضح ہو کہ مانویہ اور نصاریٰ میں سے راہبین نکاح ترک کر کے قربت الٰہی طلب کرتے تھے اور ان کا یہ خیال غلط تھا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ جس کو خدا تعالیٰ نے لوگوں کیلئے پسند فرمایا ہے وہ طبیعت کی اصلاح اور اس کی کجی کا دور کرنا ہے نہ کہ اس کو اس کی تمام مقتضایات سے روکنا اور ہم اسکو خوب طریقہ سے بیان کر چکے ہیں پس اس مقام کو دیکھنا چاہیئے پھر ایسی عورت کیطرف رہنمائی ضروری ہے جس سے نکاح کرنا حکمت کے موافق ہو اور خانہ داری کی تمام مصلحتیں وہ پورے طور پر انجام دے سکے کیونکہ میاں بیوی میں صحبت لازمی شے ہے اور دونوں

[1] نامرد ہو جانا ۱۲

من الجانبين متاكدة فلو كان لها جبلة
سوء وفي خلقها وعادتها فظاظة وفي
لسانها بذاء ضاقت عليه الارض بما رحبت
وانقلبت عليه المصلحة مفسدة، ولو
كانت صالحة صلح المنزل كل الصلاح و
تهيأ له اسباب الخير من كل جانب، وهو
قوله صلى الله عليه وآله وسلم الدنيا متاع
وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة، قال
صلى الله عليه وسلم تنكح المرأة لاربع
لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر
بذات الدين تربت يداك ؛

اعلم ان المقاصد التي يقصدها
الناس في اختيار المرأة اربع خصال
غالبا، تنكح لمالها بان يرغب في المال
ويرجو مواساتها معه في مالها وان يكون
اولاده اغنياء لما يجدون من قبل
امهم، ولحسبها يعني مفاخر اباء المرأة
فان التزوج في الاشراف شرف وجاه،
ولجمالها فان الطبيعة البشرية راغبة
في الجمال وكثير من الناس تغلب عليهم
الطبيعة، ولدينها اي لعفتها عن المعاصي
وبعدها عن الريب وتقربها الى بارئها
بالطاعات، فالمال والجاه مقصد من
غلب عليه حجاب الرسم والجمال و
ما يشبهه من الشباب مقصد من غلب
عليه حجاب الطبيعة، والدين مقصد
من تهذب بالفطرة فاحب ان تعاونه
امرأته في دينه ورغب في صحبة اهل
الخير، قال صلى الله عليه وسلم خير نساء

جانب سے حاجتیں ضروری ہیں پس اگر عورت بد طینت ہے اور
اس کی عادت میں سختی ہے اور اس کی زبان میں لغویت داخل ہے
تو اس شخص پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہو جائیگی اور وہ مصلحت
فساد کی طرف منقلب ہو جائیگی اور اگر وہ عورت نیک ہے تو امور
خانہ داری کی خوب اچھی طرح سے اصلاح ہو سکتی ہے اور اسکے لئے
ہر طرف سے اسباب خیر دستیاب ہو جائیں گے چنانچہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی سب سے بہتر پونجی
نیک بیوی ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چار باتوں کی
وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مال کی وجہ سے اور
اس کے حسب کی وجہ سے اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اسکی
دین کی وجہ سے پس دیندار کو حاصل کر، خاک میں مل جائیں
تیرے دونوں ہاتھ"۔

واضح ہو کہ وہ مقاصد جو بیوی پسند کرنے میں مقصود ہوتے
ہیں وہ غالباً چار خصلتیں ہیں:۔ ایک یہ ہے کہ نکاح مال کی وجہ سے
کیا جاتا ہے کہ اس شخص کو اس کے مال میں رغبت ہوتی ہے اور اسکو
امید ہوتی ہے کہ وہ عورت اپنے مال سے اس کی مدد کرے گی اور
اس کی اولاد ماں کے مالدار ہونے کی وجہ سے غنی ہو جائیگی کیونکہ
ماں کے ترکہ میں ان کو یہ مال ملیگا، اور ایک یہ کہ نکاح عورت کے
حسب کی وجہ سے کیا جاتا ہے یعنی اس عورت کے باپ دادا کے
خاندانی ہونے کی وجہ سے کیونکہ شریفوں میں نکاح کرنا عزت کی
بات ہے، اور ایک یہ ہے کہ عورت کی خوبصورتی کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے
کیونکہ طبیعت بشری کو جمال کی طرف میلان ہوتا ہے اور بہت
لوگ طبیعت کے تابع ہوتے ہیں، اور ایک اس کے دین کی وجہ
سے نکاح کیا جاتا ہے یعنی اس وجہ سے کہ وہ عورت عفیف ہے اور
صاحب ایمان ہے اور عبادات کے ذریعہ اپنے خالق کے نزدیک
مقرب ہے پس مال اور عزت ان لوگوں کا مقصد ہوتا ہے جن پر رسم
کا حجاب غالب ہے، اور جمال اور جوانی ان لوگوں کا مقصد ہوتا ہے جن پر
طبیعت غالب ہے اور دینداری ان لوگوں کا مقصد ہوتا ہے جو
فطرت کے اعتبار سے مہذب ہو گئے ہیں اور اس بات کو چاہتے ہیں
کہ ان کی بیوی دین میں انکی معاونت کرے اور اہل خیر کے ساتھ صحبت رکھنے کی رغبت دلائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان کو

ركبن الإبل نساء قريش أحناه على ولد في صغره وأرعاه على زوج في ذات يده.

أقول: يستحب أن تكون المرأة من قوم وقبيلة عادات نسائها صالحة، فإن الناس معادن كمعادن الذهب والفضة، وعادات القوم ورسومهم غالبة على الإنسان وبمنزلة الأمر المجبول هو عليه، وبيّن أن نساء قريش خير نساء من جهة أنهن أحنى إنسان على الولد في صغره وأرعاه على الزوج في ماله ورقيقه ونحو ذلك، وهذان من أعظم مقاصد النكاح وبهما انتظام تدبير المنزل، وإن أنت فتشت حال الناس اليوم في بلادنا وبلاد ما وراء النهر وغيرها لم تجد أرسخ قدمًا في الأخلاق الصالحة ولا أشد لزومًا لها من نساء قريش.

وقال صلى الله عليه وسلم: تزوجوا الولود الودود فإني مكاثر بكم الأمم.

أقول: توادّ الزوجين به تتم المصلحة المنزلية، وكثرة النسل بها تتم المصلحة المدنية والملية، وودّ المرأة لزوجها دالّ على صحة مزاجها وقوة طبيعتها، مانع لها من أن يطمح بصرها إلى غيره، باعث على تجملها بالامتشاط وغير ذلك، وفيه تحصين فرجه ونظره.

قال صلى الله عليه وسلم: إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوّجوه، إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض.

اونٹ پر چڑھتی ہیں سب میں بہتر قریش کی عورتیں ہیں جو اپنے بچوں پر نہایت مہربانی اور خاوند کے مال کی بڑی پاسبانی کرتی ہیں۔

میں کہتا ہوں مستحب یہ ہے کہ عورت اس قوم قبیلہ سے ہو جن کی عورتوں کی عادت نیک ہو کیونکہ سونے اور چاندی کے کانوں کی طرح آدمیوں کی بھی کانیں ہیں اور ہر آدمی پر اس کی قوم کی رسوم اور عادات اس پر اس قدر غالب ہوتی ہیں گویا وہ اس کی سرشت میں داخل ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بیان فرما دیا کہ سب عورتوں سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں اس وجہ سے کہ وہ اپنے بچوں پر بڑی مہربان اور خاوند کے مال اور اس کے غلام وغیرہ کی بڑی محافظ ہوتی ہیں اور یہ دونوں خصلتیں نکاح کے مقاصد میں سب سے بڑھکر ہیں اور انہیں سے خانہ داری کا انتظام ہوتا ہے اور اگر تم اس زمانہ میں ہمارے ملک اور ماوراء النہر وغیرہ ملکوں کے لوگوں کا حال معلوم کرو گے تو اخلاق حمیدہ میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور ان باتوں میں مستقل قریش کی عورتوں کو پاؤ گے،

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو زیادہ جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی ہوں کیونکہ میں تمہاری وجہ سے اور امتوں سے کثرت میں ہوں گا۔"

میں کہتا ہوں میاں بیوی کی باہمی محبت کی وجہ سے خانہ داری کی مصلحت پورے طور سے قائم رہتی ہے اور کثرت نسل سے مصلحت مدنیہ اور ملیہ کی تکمیل ہوتی ہے اور بیوی کا اپنے خاوند سے محبت کرنا اس کے صحت مزاج اور قوت طبیعت کی دلیل ہے اور اس کو اس سے باز رکھتا ہے کہ وہ عورت کسی اور کی طرف آنکھ اٹھائے اور عورت کو کنگھی وغیرہ سے سنگھار کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور اس میں خاوند کی پاکدامنی اور اس کی نظر کی حفاظت ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص شادی کا پیغام لائے جس کی دینداری اور عادت سے تم واقف ہو تو اسکے ساتھ شادی کر دو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہو گا۔

اقول ليس في هذا الحديث ان الكفاءة غير معتبرة كيف وهي مما جبل عليه طوائف الناس وكاد يكون القدح فيها اشد من القتل، والناس على مراتبهم والشرائع لا تهمل مثل ذلك ولذلك قال عمر رضي الله عنه لامنعن النساء الا من اكفائهن، ولكنه اراد ان لا يتبع احد محقرات الامور نحو قلة المال ورثاثة الحال ودمامة الجمال او يكون ابن امة ونحو ذلك من الاسباب بعد ان يرضى دينه وخلقه، فان اعظم مقاصد تدبير المنزل الاصطحاب في خلق حسن، وان يكون ذلك الاصطحاب سببا لصلاح الدين.

قال صلى الله عليه وسلم الشؤم في المرأة والدار والفرس.

اقول التفسير الصحيح الذي يوجبه مورد الحديث ان هنالك سببا خفيا غالبا يكون به اكثر من يتزوج المرأة مثلا محارفا غير مبارك، ويستحب للرجل اذا دلت التجربة على شؤم امرأة ان يحمي نفسه بترك تزوجها وان كانت جميلة او ذات مال، والحكمة تحكم بايثار البكر بعد ان تكون عاقلة بالغة فانها ارضى باليسير لقلة خبايتها وانتق رحما لقوة شبابها واقرب للتأدب بما تأمره الحكمة ويلزم عليها واحصن للفرج والنظر بخلاف الثيبات فانهن اهل خباثة وصعوبة الاخلاق وقلة الاولاد وهن كالالواح المنقوشة لا

میں کہتا ہوں اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نکاح کے اندر کفو کا اعتبار نہیں ہے اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ہر قسم کے لوگوں کی سرشت میں کفو کا ہونا داخل ہے اور کبھی کفو میں عیب لگانا قتل سے زیادہ ہوتا ہے اور لوگ مختلف مرتبوں کے ہوتے ہیں اور شریعت اس قسم کی باتوں کو نظر انداز نہیں کرتی اسی وجہ سے حضرت عمر نے فرمایا تھا "میں عورتوں کو ان کے کفو کے لوگوں کے سوا سب سے منع کر دوں گا" بلکہ اس حدیث سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اس کی دینداری اور خلق پسند کرنے کے بعد اس کی کمتر باتوں کو نہ دیکھے کہ مثلاً وہ قلیل المال اور پریشان حال ہے اور وہ بدصورت ہے یا باندی کا لڑکا ہے اور اسی قسم کے دیگر اسباب، کیونکہ تدبیر منزل کا سب سے بڑا مقصد خوش خلقی میں موافقت اور اس کے سبب سے دین کی اصلاح کا ہونا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نحوست عورت اور گھوڑے اور گھر میں ہوتی ہے"۔

میں کہتا ہوں اس کی صحیح تفسیر جس کو حدیث کا مورد چاہتا ہے یہ ہے کہ ان چیزوں میں اسباب خفیہ غالبہ ہوتے ہیں جو اکثر اس کے حق میں پائے جاتے ہیں جو خالی از خیر اور غیر مبارک طور پر شئے عورت سے نکاح کرتا ہے اور جب کسی عورت کی نحوست پر کوئی تجربہ پایا جائے تو مرد کے لئے بہتر ہے کہ اس عورت سے ترک نکاح کر کے اپنے نفس کو سکون و آرام دے خواہ وہ خوبصورت اور دولتمند ہی ہو اور حکمت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ باکرہ سے نکاح کرے بشرطیکہ وہ عاقلہ اور بالغہ ہو کیونکہ اس کے اندر فریب کے معنی کم ہونے کی وجہ سے وہ ادنیٰ درجہ کی چیز سے راضی ہو جاتی ہے اور قوت جوانی کی وجہ سے اولاد پیدا کرنے کے زیادہ قابل ہوتی ہے اور حکمت کی باتوں کو جلدی قبول کرتی ہے اور ان کی پابند رہتی ہے اور اپنی شرمگاہ اور نظر کو زیادہ محفوظ رکھنے والی ہے بخلاف بیوہ عورتوں کے کہ وہ کیونکہ چالاکی سے خوب واقف ہوتی ہیں اور بداخلاق اور قلیل الاولاد ہوتی ہیں اور وہ مثل الواح منقوشہ کے ہوتی ہیں۔

يكاد يؤثر فيهن التأديب اللهم الا اذا كان
تدبير المنزل لا ينتظم الا بذات التجربة
كما ذكره جابر بن عبد الله رضي الله عنهما
قال صلى الله عليه وسلم اذا خطب احدكم
المرأة فان استطاع ان ينظر الى ما
يدعوه الى نكاحها فليفعل، وقال
فانه احرى ان يؤدم بينكما، وقال
هل رأيتها فان في اعين الانصار شيئا.

اقول السبب في استحباب النظر
الى المخطوبة ان يكون التزوج على روية
وان يكون ابعد من الندم الذي يلزمه
ان اقتحم في النكاح ولم يوافقه فلم
يرده، واسهل للتلافي ان رد وان
يكون تزوجها على شوق ونشاط ان
وافقه، والرجل الحكيم لا يلج مولجا
حتى يتبين خيره وشره قبل ولوجه.

وقال صلى الله عليه وسلم ان
المرأة تقبل في صورة شيطان وتدبر
في صورة شيطان اذا احدكم اعجبته
المرأة فوقعت في قلبه فليعمد الى
امرأته فليواقعها فان ذلك يرد ما في
نفسه.

اعلم ان شهوة الفرج اعظم الشهوات
وارهقها للقلب موقعة في مهالك كثيرة
والنظر الى النساء يهيجها وهو قوله عليه
السلام المرأة تقبل في صورة شيطان
فمن نظر الى امرأة ووقعت في قلبه
واشتاق اليها وتوله لها فالحكمة ان لا
يهمل ذلك فانه يزداد حينا فحينا فقلبه

جن میں تادیب بہت کم اثر کرتی ہے البتہ جب تدبیر خانہ داری
بغیر تجربہ کار عورت کے انجام نہ پاتی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں
جیسا کہ جابر بن عبداللہ نے ذکر کیا ہے، نبی صلے اللہ علیہ و
سلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی کسی عورت کے لئے نکاح کا پیغام
بھیجے تو اگر وہ شخص اس چیز کو جو اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے
کا باعث ہو دیکھ سکے تو دیکھ لے" اور آپ نے فرمایا "کیونکہ
یہ بات تم دونوں میں الفت قائم رہنے کے لئے انسب ہے"
اور آپ نے ایک صحابی سے فرمایا تھا "کیا تو نے اس عورت
کو دیکھ لیا ہے کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے"

میں کہتا ہوں مخطوبہ کو دیکھ لینا اس لئے مستحب ہو کہ نکاح
دیکھنے کے بعد کیا جائے اور اس ندامت سے بچ جائے جو بلا
دیکھے بھالے نکاح کر لینے اور طبیعت کے موافق نہ ہونے اور
اس کے رد نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے، اور اگر دیکھنے کے بعد رد
کرے تو اسکی تلافی آسان ہوتی ہے اور دیکھنے کے بعد اگر نکاح
اسکی طبیعت کے موافق ہے تو اس عورت کے ساتھ شادی کرنا شوق
اور نشاط کے ساتھ ہو، اور عقلمند آدمی جبتک کسی چیز کی بھلائی اور
برائی کو پہلے سے نہیں دیکھ لیتا اس کا اقدام نہیں کرتا، اور نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے
اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت
اچھی معلوم ہو اور اسکے دل میں وسوسہ پیدا ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنی
بیوی کی طرف قصد کرے اور اس کے مجامعت کرے کیونکہ اس کے اس کے
دل کا وسوسہ دور ہو جائیگا"

واضح ہو کہ فرج کی خواہش خواہشات میں سب سے بڑی خواہش
ہے اور سب سے زیادہ قلب پر اس کا غلبہ ہوتا ہے جو انسان کو
بڑی بڑی ہلاکتوں میں ڈالتی ہے اور عورتوں کی طرف دیکھنا
اس خواہش کو پیدا کرتا ہے اور اس حدیث سے یہی مراد ہے "عورت
شیطان کی صورت میں آتی ہے" الخ، پس جو شخص کسی عورت کو دیکھ
اور وہ اسکے دل میں واقع ہو جائے اور اسکی طرف شوق پیدا
ہو اور وہ اسکے لئے جوش مارے تو حکمت کی بات یہ ہو کہ اس شوق کو
کی حالت پر نہ چھوڑا جائے کیونکہ وہ دوم ہے اسکے دل میں زیادہ ڈرنا چاہئے کا

حتی یملکہ ویتصرف فیہ، ولکل شئ مدد یتقوی بہ وتدبیر ینتقص بہ، فمدد التوله للنساء امتلاء اوعیة المنی به وصعود بخاره الی الدماغ، وتدبیر انتقاصه استفراغ تلک الاوعیة، وایضا فان الجماع یشغل قلبه ویسلبه عما یجده ویصرف قلبه عما هو متوجه الیه، والشئ اذا عولج قبل تمکنه زال بادنی سعی، قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لایخطب الرجل علی خطبة اخیه حتی ینکح او یترک ؛

یہانتک کہ اسکے دل پر غالب آجائیگا اور اس میں متصرف ہو جائیگا اور ہر چیز کے لئے مدد ہوتی ہے جس سے اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور ایک تدبیر ایسی ہوتی ہے جس سے وہ کم ہو جاتی ہے پس عورت کی طرف رغبت کی مدد منی کے ظروف کا پُر ہو جانا اور اس کے بخارات کا دماغ کی طرف چڑھنا ہے اور اس کے کم کرنے کی تدبیر ان ظروف کا منی سے خالی کر دینا ہے اور نیز اس کا دل جماع کی طرف مشغول ہو جائیگا اور وہ وسوسہ اس کے دل سے نکل جائیگا اور جس چیز کی طرف اس کی توجہ ہے جماع کرنا اس توجہ سے اسکے دل کو ہٹا دیگا اور جب ایک چیز رفع ہو جاتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ بھیجے یہانتک کہ وہ نکاح کرلے یا ترک کردے"۔

اقول سبب ذلک ان الرجل اذا خطب امراة ورکنت الیه ظهر وجه لصلاح منزله فیکون تأییسه عما هو بسبیله وتخییبه عما یتوقعه اساءة معه وظلما علیه وتضییقا به، قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لاتسأل المرأة طلاق اختها لتستفرغ صحفتها ولتنکح فان لها ما قدر لها ؛

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت کیطرف نکاح کا پیغام بھیجتا ہے اور عورت کو بھی اس کی طرف میلان ہوتا ہے تو اس شخص کے گھر کے آباد ہونے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے پس اب اس کو اس شئ سے ناامید کرنا جس کے وہ درپے ہے اور اس کی مراد سے محروم کرنا اس کے ساتھ برائی اور ظلم کرنا اور اسکو تنگ کرنا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی عورت اپنی مسلمان بہن کی طلاق کی خواہش نہ کرے کہ اسکے برتن کو خالی کرکے اپنا نکاح اس شخص سے کرے کیونکہ اس کے لئے وہی ہے جو اسکے مقدر میں ہے"۔

اقول السر فیه ان طلب طلاقها اقتضاب علیها وسعی فی ابطال معیشتها ومن اعظم اسباب فساد المدینة ان یقتضب واحد علی الآخر وجه معیشته وانما مرضی عند اللہ ان یطلب کل واحد معیشته بما یسر اللہ له من غیر ان یسعی فی ازالة معیشة الآخر ؛

میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ اس کی طلاق کا چاہنا اس پر ظلم کرنا اور اسکی روزی کے برباد کرنے میں کوشش کرنا ہے اور شہر کی بربادی کا سب سے بڑا سبب یہ کہ ایک دوسرے کے روزگار کو برباد کرے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی روزی کو طریقے سے حاصل کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آسان کیا ہے نہ یہ کہ دوسرے کی روزی کے زائل کرنے میں کوشش کرے۔

ذکر العورات

ستر کا بیان

اعلم انه لما کان الرجال یهیجهم

واضح ہو کہ جب عورتوں کی طرف دیکھنے سے مردوں کو

النظر الى النساء على عشقهن والتولّه بهن، ويفعل بالنساء مثل ذلك وكان كثيرا ما يكون ذلك سببا لان يبتغى قضاء الشهوة منهن على غير السنة الراشدة كاتباع من هى فى عصمة غيره او بلا نكاح او من غير اعتبار كفاءة والذى شوهد من هذا الباب يغنى عما سطر فى الدفاتر اقتضت الحكمة ان يسد هذا الباب، ولما كانت الحاجات متنازعة محوجة الى المخالطة وجب ان يجعل ذلك على مراتب بحسب الحاجات فشرع النبى صلى الله عليه وآله وسلم وجوها من السنن، احدها ان لا تخرج المرأة من بيتها الا لحاجة لا تجد منها بدا؛ قال صلى الله عليه وسلم المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان

اقول معناه استشرف حزبه او هو كناية عن تهيئ اسباب الفتنة، وقال الله تعالى وقرن فى بيوتكن و كان عمر رضى الله عنه لما اوتى من علم اسرار الدين حريصا على ان ينزل هذا الحجاب حتى نادى يا سودة انك لا تخفين علينا لكنه صلى الله عليه وسلم رأى ان سد هذا الباب بالكلية حرج عظيم فندب اليه ذلك من غير ايجاب، وقال اذن لكن ان تخرجن الى حوائجكن الثانى ان تلقى عليها جلبابها ولا تظهر مواضع الزينة منها الا لزوجها او لذى رحم محرم، قال تعالى قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم

انکا عشق اور انکے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح عورتوں کو بھی مردوں کے دیکھنے سے عشق و محبت پیدا ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ بات اس کا سبب ہوجاتی ہے کہ بغیر طریقہ راشدہ کے ان سے قضاء شہوت کی جائے مثلاً اس عورت کا پیچھا کرنا جو دوسرے کی عصمت میں ہے یا بغیر نکاح کے یا بغیر کفو کے اعتبار کئے اس کو تصرف میں لانا، اور اس باب میں جو کچھ مشاہدہ میں آیا ہے وہ اس بیان سے مستغنی کرتا ہے جو دفتروں میں مذکور ہے اس واسطے حکمت کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ یہ دروازہ بند کیا جائے اور چونکہ انسان کی حاجتیں مختلف ہیں جن میں باہم مخالطت کی ضرورت پڑتی ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ حاجات کے اعتبار سے ممانعت نظر کے کئی مراتب مقرر کئے جائیں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی طریقے مشروع فرمائے ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورت بغیر ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو اپنے گھر سے باہر نہ نکلے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت ستر کی چیز ہے پس جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس پر نگاہ ڈالتا ہے"

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کا گروہ اس پر نگاہ ڈالتا ہے یا اس سے فتنہ کے اسباب کا مہیا ہونا مراد ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور اپنے گھروں میں رہو"، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چونکہ اسرار دین کا علم عطا ہوا تھا اس واسطے وہ ہمیشہ اسی آرزو میں رہتے تھے کہ پردہ کا حکم نازل ہو حتیٰ کہ انہوں نے ایک روز حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پکار کر کہا کہ تم ہم سے پوشیدہ نہیں ہو، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ اس باب کے بالکل بند کردینے میں حرج عظیم ہے اس واسطے آپ نے گھر میں رہنا ان کے لئے مستحب کیا، واجب نہیں کیا اور فرما دیا "تم کو اپنی ضروریات کے لئے باہر نکلنے کی اجازت ہے" دوسرے یہ ہے کہ عورت اپنے اوپر چادر ڈالے رہے اور سوائے خاوند اور ذی رحم محرم کے کسی کے سامنے زینت کے مواضع نہ ظاہر ہونے دے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "آپ مومنین سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں

ویحفظوا فروجھم ذلک ازکیٰ لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن الی قولہ تفلحون، فرخص فیما یقع بہ المعرفۃ من الوجہ وفیما یقع بہ البطش فی غالب الامر وھو الیدان، واوجب ستر ما سوی ذلک الا من بعولتھن والمحارم وما ملکت ایمانھن من العبید، ورخص للقواعد من النساء ان یضعن ثیابھن، الثالث ان لا یخلو رجل مع امرأۃ لیس معھما من یھابانہ، قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الا لا یبیتن رجل عند امرأۃ ثیب الا ان یکون ناکحا او ذا رحم، وقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا یخلون رجل بامرأۃ فان الشیطان ثالثھما ۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم، الرابع ان لا ینظر احد امرأۃ کان او رجلا الی عورۃ الآخر امرأۃ کان او رجلا الا الزوجان، قال صلی اللہ علیہ وسلم لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ،

اقول وذلک لان النظر الی العورۃ یھیج الشھوۃ والنساء ربما یتعاشقن

کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے بے شک خدا تعالیٰ ان کے اعمال سے باخبر ہے اور آپ مومن عورتوں سے کہدیجئے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی آرائش کو بجز اس کے جو اس میں سے کھلا رہتا ہو ظاہر نہ ہونے دیا کریں اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھا کریں اور اپنی زینت کو بجز اپنے خاوند کے اور باپ کے اور خسر کے اور اپنے بیٹوں کے اور اپنے خاوند کے بیٹوں کے اور اپنے بھائیوں کے کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں " الآیۃ،

پس خدا تعالیٰ نے ان اعضاء کے کھولنے کی رخصت دی ہے جن سے شناخت ہو سکتی ہے یعنی منہ، اور جن اعضاء کو اکثر چیزیں لی اور دی جاتی ہیں اور وہ دونوں ہاتھ ہیں اور انکے علاوہ تمام اعضاء کا چھپانا واجب کیا مگر خاوند اور ذی رحم محرم اور اپنے غلاموں کے سوا اور جو عورتیں گھروں میں بیٹھنے والی یعنی عمر رسیدہ ہیں ان کو اپنے کپڑے اتارنے کی اجازت ہے، تیسرے یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے جب تک کوئی تیسرا شخص وہاں ایسا موجود نہ ہو جس کا دونوں کو خوف ہو، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " خبردار کوئی مرد کسی خاوند رسیدہ عورت کے پاس رات بسر نہ کرے بجز اس کے کہ خاوند ہو یا محرم ہو، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے کیونکہ تیسرا ان میں شیطان ہوتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ان عورتوں کے پاس نہ جاؤ جن کے خاوند گھر پر نہیں ہیں کیونکہ انسان کے بدن میں خون کے مانند شیطان پھرتا ہے " چوتھے یہ ہے کہ کوئی شخص خواہ عورت ہو یا مرد دوسرے کے ستر کو نہ دیکھے عام ہے کہ وہ عورت ہو یا مرد بجز میاں بیوی کے "

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " نہ کوئی مرد مرد کا ستر دیکھے اور نہ کوئی عورت عورت کا ستر دیکھے "

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ستر دیکھنے سے شہوت جوش میں آتی ہے اور عورتوں میں باہم عشق ہو جاتا ہے

فيما بينهن وكذلك الرجال فيما بينهم
ولاحرج في ترك النظر الى السوءة، وايضا
فستر العورة من اصول الارتفاقات
لابد منها، الخامس ان لايكامع احد
احدا في ثوب واحد، وفي معناه ان
يبيتا على سرير واحد مثلا، قال صلى
الله عليه وسلم لايفضى الرجل الى
الرجل في ثوب واحد ولا تفضى المرأة
الى المرأة في ثوب واحد، وقال صلى الله
عليه وسلم لاتباشر المرأة المرأة فتنعتها
لزوجها كانه ينظر اليها ؛

اقول السبب انه اشد شئ في تهييج
الشهوة والرغبة يورث شهوة السحاق
واللواطة، وقوله كانه ينظر اليها معناه
ان مباشرة المرأة المرأة ربما كانت سببا
لتمازجهما فيجرى على لسانها ذكر ما
وجدت من اللذة عند زوجها اوذى
محرم منها فيكون سببا لتولههم، واعظم
الفساد ان تنعت امرأة عند رجل
من رجالها، وهو سبب اخراج هيت
المخنث من البيوت ؛

واعلم ان ستر العورة اعنى الاعضاء
يحصل العار بانكشافها بين الناس
في العادات المتوسطة كالتى كانت في
قريش مثلا يومئذ من اصل الارتفاقات
المسلمة عند كل ما يسمى بشرا وهو ممتاز
به الانسان من سائر انواع الحيوان
لذلك اوجبه الشرع، والسوأتان و
العانة والاليتان وماوليها من

اور اسی طرح مردوں میں بھی، اور ستر کے نہ دیکھنے میں کوئی دقت بھی نہیں ہے اور نیز شرمگاہ کا ستر ارتفاقات کے ان اصولوں میں سے ہے جو نہایت ضروری ہیں، پانچویں یہ ہے کہ ایک کپڑے میں کوئی کسی کے ساتھ لپٹ کر نہ سوئے اور اسی حکم میں دو کا مثلاً ایک پلنگ پر سونا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی مرد دوسرے کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ عورت عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں لیٹے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت کسی عورت کے ساتھ برہنہ ہو کر نہ سوئے کہ پھر وہ اپنے خاوند سے اس کا حال اس طرح بیان کرے کہ گویا وہ اس کو دیکھ رہا ہے"

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ایک ساتھ سونے سے شہوت اور رغبت پورے جوش میں آتی ہے جس سے ان میں چپٹی اور لواطت کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "گویا وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت کا دوسری عورت کے ساتھ برہنہ ہو کر لیٹنا بسا اوقات اس کی محبت کو دل میں پوشیدہ رکھنے کا باعث ہو جاتا ہے پس وہ اپنے شوہر یا قرابت دار کے سامنے اس لذت کو بیان کر دیتی ہے جو اس کو حاصل ہوئی تھی جس کی وجہ سے ان لوگوں کو اس عورت کا اشتیاق ہو جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر فساد یہ ہے کہ کسی مرد کے سامنے اس عورت کے اوصاف بیان کئے جائیں جس کا خاوند نہیں ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ہیت نامی مخنث کو ازواج مطہرات کے گھروں سے نکالنے کا یہی سبب تھا،

واضح ہو کہ ستر عورت یعنی وہ اعضاء جن کے کھلنے سے لوگوں میں عادات متوسط کے اعتبار سے عار آتی ہے جیسا کہ اس زمانہ میں مثلاً قریش میں تھا ان ارتفاقات کے اصولوں میں سے ہے جن کو ان تمام لوگوں نے تسلیم کر لیا ہے جو بشر کہلائے جاتے ہیں اور اسی کے سبب سے انسان تمام حیوانات سے ممتاز ہے پس اسی وجہ سے شارع نے ان اعضاء کے ستر کو واجب کیا اور دونوں

...س اور خصیتین اور پیڑو اور جو اعضاء ان کے قریب ہیں یعنی . . . .

اصول الفخذين من اجلى بديهيات الدين انهما من العورة لاحاجة الى الاستدلال فى ذلك، ودل قوله صلى الله عليه وسلم اذا زوج احدكم عبده امته فلا ينظر الى عورتها، وفى رواية فلا ينظر الى مادون السرة وفوق الركبة، وقوله صلى الله عليه وسلم اما علمت ان الفخذ عورة على ان الفخذين عورة وقد تعارضت الاحاديث فى المسألة لكن الاخذ بهذا احوط واقرب من قوانين الشرع، وقال صلى الله عليه وسلم اياكم والتعرى فان معكم من لا يفارقكم الا عند الغائط وحين يفضى الرجل الى اهله فاستحيوهم واكرموهم، وقال فالله احق ان يستحيا منه ؛

اقول التعرى لايجوز وان كان خاليا الا عند ضرورة لا يجد منها بدا فانه كثيرا ما يهجم الانسان عليه، والاعمال انما تعتبر بالاخلاق التى تنشأ منها، ومنشاء الستر الحياء وان يغلب على النفس هيئة التحفظ والتقيد وان يترك الوقاحة و ان لا يسترسل، واذا امر الشارع احدا بشئ اقتضى ذلك ان يؤمر الآخر ان يفعل معه حسب ذلك، فلما امرت النساء بالستر وجب ان يرغب الرجال فى غض البصر، وايضا فتهذيب نفوس الرجال لا يتحقق الا بغض الابصار و مواخذة انفسهم بذلك قال صلى الله عليه وسلم الاولى لك وليست لك الآخرة

اقول يشير ان حالة البقاء بمنزلة

دونوں رانوں کا اوپر کا حصہ ان سب اعضاء کا ستر ہونا دین کے روشن بدیہیات میں سے ہے جس پر دلیل پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے "جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کا نکاح اپنی باندی سے کردے تو پھر اس کی ستر کو نہ دیکھے" اور ایک روایت میں ہے کہ "ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر نہ دیکھے"، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے "کیا تو نہیں جانتا کہ ران ستر ہے" یہ بات ثابت ہوئی کہ دونوں رانیں ستر ہیں اور اس مسئلہ میں احادیث متعارض ہیں لیکن اس پر عمل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے اور وہ قوانین شرعیہ سے قریب تر ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "برہنہ ہونے سے پرہیز کرو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ فرشتے ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے بجز بیت الخلاء کے وقت یا اس وقت جب مرد اپنی بیوی سے صحبت کے لئے جاتا ہے پس تم ان سے حیا کرو اور ان کی عزت کرو" اور آپ نے فرمایا "اللہ تعالی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے حیا کیجائے"۔

میں کہتا ہوں برہنہ ہونا اگرچہ تنہائی میں ہی ہو بغیر ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ نہ ہو جائز نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات انسان اس پر اقدام کرتا ہے، اور اعمال کا اعتبار ان اخلاق کے ساتھ ہوتا ہے جن سے یہ اعمال پیدا ہوتے ہیں اور ستر کا منشا حیا ہے اور نفس پر تحفظ اور تقید کی کیفیت کا غالب کرنا ہے اور بے حیائی کو ترک کر دینا ہے اور اس کا عادی نہ ہونا ہے، اور جب شارع کسی ایک شئ کا حکم دیتا ہے تو اس کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ اس حکم کے موافق اس شخص کے ساتھ معاملہ کرے پس جب عورتوں کو پردہ کا حکم دیا گیا تو مردوں کے لئے نگاہ کو نیچی رکھنا واجب ہوا اور نیز مردوں کے نفوس کی تہذیب جب ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست کریں اور اپنے نفوس کو اس پر مجبور کریں،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پہلی نظر تیرے لئے جائز ہے دوسری جائز نہیں ہے"۔

میں کہتا ہوں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حالت بقا

الانثاء، وحين دخل اعمى، و قيل اليس هو اعمى لا يبصرنا؟ قال صلى الله عليه وسلم افعميان انتما الستما تبصرانه ؛

اقول السر فى ذلك ان النساء يرغبن فى الرجال كما يرغب الرجال فيهن، و قال صلى الله عليه وسلم لفاطمة رضى الله عنها انه ليس عليك بأس انما هو ابوك وغلامك ؛

اقول انما كان العبد بمنزلة المحارم لانه لا رغبة له فى سيدته لجلالتها فى عينه ولا لسيدته فيه لحقارته عندها، والحجب للتستر بينهما وهذه الصفات كلها معتبرة فى المحارم فان القرابة القريبة والمحرمة مظنة قلة الرغبة، واليأس احد اسباب قطع الطمع، وطول الصحبة يكون سبب قلة النشاط وعسر التستر وعدم الالتفات فلذلك جرت السنة ان الستر عن المحارم دون الستر عن غيرهم ؛

صفة النكاح

قال صلى الله عليه وسلم لا نكاح الا بولي اعلم انه لا يجوز ان يحكم فى النكاح النساء خاصة لنقصان عقلهن وسوء فكرهن فكثيرا ما لا يهتدين المصلحة ولعدم حماية الحسب منهن غالبا، فربما رغبن فى غير الكفء، وفى ذلك عار على قومها، فوجب ان يجعل للاولياء شئ من هذا الباب لتسد المفسدة، وايضا فان السنة الفاشية فى الناس من قبل ضرورة جبلية

مانت انساء کے ہے، اور ایکمرتبہ جس وقت ایک نابینا شخص حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں حاضر ہوئے اور حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کرنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے عرض کیا "کیا وہ اندھا نہیں ہے جو ہم کو نہیں دیکھ سکتا؟" تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم بھی نابینا ہو جو اس کو نہیں دیکھ سکتیں"؛

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ عورتوں کو بھی مردوں میں رغبت ہوتی ہے جسطرح مردوں کو عورتوں میں رغبت ہوتی ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: "تجھ پر کوئی حرج کی بات نہیں اسوقت تیرا باپ اور تیرا غلام ہے"؛

میں کہتا ہوں غلام کو محارم کا درجہ اس لئے دیا گیا کہ اسکو اپنی سیدہ کی طرف اسلئے رغبت نہیں ہوتی کہ وہ اسکی نظر میں معزز ہوتی ہے اور نہ سیدہ کو غلام کی طرف رغبت ہوتی ہے کیونکہ وہ اسکی نگاہ میں حقیر ہوتا ہے اور انکے درمیان پردہ کا حکم مشکل ہے اور یہ سب صفات محارم کے اندر معتبر ہیں کیونکہ قرابت قریبہ محرمہ رغبت کے کم ہونے کا باعث ہے اور ناامیدی طمع کے منقطع ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور طویل مدت تک ساتھ رہنا قلت نشاط کا اور پردہ کے دشوار ہونیکا اور عدم التفات کا سبب ہے، پس اسواسطے یہ دستور جاری ہوا کہ محارم سے جو پردہ ہو وہ غیر لوگوں کی بہ نسبت کم درجہ کا ہو؛

نکاح کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، واضح ہو کہ نکاح کے بارے میں تنہا عورتوں کو مختار بنانا درست نہیں ہے کیونکہ انکی عقلیں ناقص ہوتی ہیں اور انکا فکر بھی کمزور ہوتا ہے پس بسا اوقات انکو مصلحت معلوم نہیں ہوتی اور اکثر انکو شرافت کا لحاظ نہیں ہوتا پس بسا اوقات انکو غیر کفو میں رغبت ہو جاتی ہے اور اس میں انکی قوم کو عار ہوتی ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ اس باب میں

اولیا کو بھی کچھ دخل ہو تاکہ یہ فساد بند ہو اور نیز ضرورت جبلیہ کے اعتبار سے لوگوں میں عام طریقہ ہے کہ ......

ان يكون الرجال قوامين على النساء ويكون
بيدهم الحل والعقد وعليهم النفقات وانما
النساء عوان بايديهم، وهو قوله تعالى
الرجال قوامون على النساء بما فضل الله
بعضهم الآية، وفي اشتراط الولي في النكاح
تنويه امرهم واستبداد النساء بالنكاح
وقاحة منهن منشؤها قلة الحياء واقتضاب
على الاولياء وعدم اكتراث لهم، وايضاً
يجب ان يميز النكاح من السفاح بالتشهير
واحق التشهير ان يحضره اولياؤها، وقال
صلى الله عليه وسلم لاتنكح الثيب حتى
تستأمر ولا البكر حتى تستأذن واذنها
الصموت، وفي رواية البكر يستأذنها ابوها

اقول لايجوز ايضاً ان يحكم الاولياء
فقط لانهم لايعرفون ما تعرف المرأة من
نفسها ولان حار العقد وقاره راجعان
اليها، والاستئمار طلب ان تكون هي الآمرة
صريحاً والاستئذان طلب ان تأذن ولا
تمتنع وادناه السكوت، وانما المراد استئذان
البكر البالغة دون الصغيرة كيف ولارأي
لها، وقد زوج ابوبكر الصديق رضي الله
عنه عائشة رضي الله عنها من رسول الله
صلى الله عليه وسلم وهي بنت ست
سنين قال صلى الله عليه وسلم ايما عبد
تزوج بغير اذن سيده فهو عاهر ٭

اقول ما كان العبد مشغولا بخدمة
مولاه والنكاح وما يتفرع عليه من المؤاساة
معها والتخلي بها ربما ينقص من خدمته
وجب ان تكون السنة ان يتوقف نكاح

مردوں کو عورتوں پر اختیار ہوتا ہے اور ہر امر کا بند و بست انہیں
کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور ان کے تمام اخراجات مردوں ہی کے ذمہ
ہوتے ہیں اور عورتیں انکی مقید ہوتی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس سبب سے کہ خدا نے بعض کو بعض سے
افضل بنایا ہے" اور نیز نکاح کے اندر ولی کی شرط لگانے میں
مردوں کی عظمت ہے اور عورتوں کا نکاح میں خود مختار ہونا بیحیائی
ہے جس کا مدار قلت حیا پر ہے اور اولیا کی مخالفت اور انکی بیقدری
پر ہے، اور نیز یہ بات ضروری ہے کہ بسبب شہرت کے نکاح زنا
سے ممیز ہو جائے اور شہرت کی عمدہ صورت یہ ہے کہ عورت کے
اولیا نکاح میں موجود ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"شوہر رسیدہ عورت کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر اور باکرہ
کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور اس کی اجازت
اسکا چپ ہو جانا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ "باکرہ سے اس
کا والد اجازت لے"

میں کہتا ہوں صرف اولیا کو مختار بنانا بھی جائز نہیں ہے
کیونکہ عورت اپنا نفع و نقصان جس قدر جانتی ہے وہ نہیں جانتے
اور نیز نکاح کا نفع و نقصان خاص اسی کی طرف رجوع کرتا ہے اور
استیمار سے مراد عورت کے حکم کا صراحتاً طلب کرنا ہے اور استیذان
سے مراد اس سے اجازت طلب کرنا اور اسکا منع نہ کرنا ہے اور اسکا
ادنیٰ مرتبہ سکوت ہے اور حدیث شریف میں مراد باکرہ بالغہ کا استیذان
ہے نہ صغیرہ سے کیونکہ وہ ناسمجھ ہوتی ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی
اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا چھ سال کی عمر میں رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کو نکاح کر دیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جو غلام اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کرتا ہے تو وہ حرام کار ہے"

میں کہتا ہوں چونکہ غلام اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے
اور نکاح اور اسکے فروعات یعنی عورت کے ساتھ سلوک کرنا اور
خلوت میں اس کے پاس رہنا ایسی چیزیں ہیں جو بسا اوقات مولیٰ کی
خدمت گذاری میں نقصان پہنچاتی ہیں اس واسطے ضروری ہے
کہ یہ دستور قرار دیا جائے کہ غلام کا نکاح مولیٰ کی اجازت پر

العبد علی اذن مولاہ، واما جاز الامة فادلی
ان یتوقف نکاحها علی اذن مولاها، وهو
قوله تعالی فانکحوهن باذن اهلهن قال
ابن مسعود رضی اللہ عنہ علمنا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم التشہد فی الحاجة ان
الحمد للہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ
باللہ من شرور انفسنا من یهد اللہ فلا مضل
له ومن یضلله فلا هادی له واشهد ان لا
اله الا اللہ واشهد ان محمدا عبدہ ورسوله
ویقرأ ثلاث آیات، یایها الذین امنوا اتقوا
اللہ حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون
واتقوا اللہ الذی تساءلون به والارحام
ان اللہ کان علیکم رقیبا، یا ایها الذین
امنوا اتقوا اللہ ...... وقولوا قولا سدیدا یصلح
لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع
اللہ ورسوله فقد فاز فوزا عظیما ۔

اقول کان اهل الجاهلیة یخطبون قبل
العقد بما یرونه من ذکر مفاخر قومهم و
نحو ذلک یتوسلون بذلک الی ذکر المقصود
التنویه به وکان جریان الرسم بذلک
مصلحة، فان الخطبة مبناها علی التشهیر
وجعل الشیء بمسمع ومرای من الجمهور
والتشهیر مما یراد وجوده فی النکاح لیتمیز
من السفاح، وایضا فالخطبة لا تستعمل
الا فی الامور المهمة والاهتمام بالنکاح و
جعله امرا عظیما بینهم من اعظم المقاصد
فابقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصلها و
وغیر صفتها وذلک انه ضم مع هذه المصالح
مصلحة ملیة وهی انه ینبغی ان یضم مع

موقوف رہے اور باندی کا نکاح بطریق اولیٰ مولیٰ کی اجازت پر
موقوف ہونا چاہیے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "پس ان کے
ساتھ مولیٰ کی اجازت لیکر نکاح کر لو" حضرت عبد اللہ بن مسعود
فرماتے ہیں:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حاجت یعنی
نکاح وغیرہ کے وقت یہ تشہد پڑھنا تعلیم فرمایا ہے:۔ الحمد
للہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور
انفسنا من یهد اللہ فلا مضل له ومن یضلله فلا
هادی له واشهد ان لا اله الا اللہ واشهد ان
محمدا عبدہ ورسوله، اور اس کے بعد یہ تین آیتیں
پڑھے:۔ یایها الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاته و
لا تموتن الا وانتم مسلمون، واتقوا اللہ الذی
تسألون به والارحام ان اللہ کان علیکم
رقیبا، یا ایها الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا
قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم
ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسوله فقد فاز فوزا
عظیما،

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت نکاح سے قبل خطبہ میں اپنی
قوم کے مفاخر وغیرہ وہ امور بیان کیا کرتے تھے جنکو ذکر کرکے مقصود کا
وسیلہ بناتے تھے اور اس کی تعظیم کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اس
رسم کے جاری ہونے میں مصلحت تھی کیونکہ خطبہ کی بنیاد شہرت
اور ایک چیز کو سب کے سامنے کر دینے پر ہے اور
تشہیر نکاح میں مقصود ہے تاکہ حرام سے تمیز
ہو جائے،

اور نیز خطبہ بڑے بڑے امور میں پڑھا جاتا ہے اور
نکاح کا اہتمام کرنا اور اس کو عظیم الشان بنانا اعظم مقاصد سے
ہے اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ
کی اصل کو باقی رکھا اور اس کی صورت میں تبدیلی
فرما دی اس طرح سے کہ ان مصالح کے ساتھ مصلحت
کلیہ کو شامل کر دیا اور وہ یہ ہے کہ ہر کام میں اسکے مناسب

كل ارتفاق ذكر مناسب له وينوه في كل
محل بشعائر الله ليكون الدين الحق منشورا
اعلامه ومرفوعا راياته ظاهرا اشعاره واماراته
فسن فيها انواعا من الذكر كالحمد والاستعانة
والاستغفار والتعوذ والتوكل والتشهد
وآيات من القرآن، واشار الى هذه المصلحة
بقوله كل خطبة ليس فيها تشهد فهي كاليد
الجذماء، وقوله كل كلام لا يبدأ فيه بحمد
الله فهو اجذم، وقال صلى الله عليه وسلم
فصل ما بين الحلال والحرام الصوت و
الدف في النكاح، وقال صلى الله عليه وسلم
اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد
واضربوا عليه الدفوف ؎

اقول كانوا يستعملون الدف والصوت
في النكاح وكانت تلك عادة فاشية فيهم
لا يكادون يتركونها في النكاح الصحيح الذي
ابقاه النبي صلى الله عليه وسلم من الانكحة
الاربعة على ما بينته عائشة رضي الله عنها
وفي ذلك مصلحة وهي ان النكاح والسفاح
لما اتفقا في قضاء الشهوة ورضا الرجل و
المرأة وجب ان يؤمر بشيء يتحقق به الفرق
بينهما بادي الرأي بحيث لا يبقى لاحد فيه
كلام ولا خفاء، وكان صلى الله عليه وسلم قد
رخص في المتعة اياما ثم نهى عنها، اما الترخيص
اولا فلكان حاجة تعرضوا لها كما ذكره ابن
عباس رضي الله عنهما فيمن يقدم بلدة
ليس بها اهله، واشار ابن عباس رضي الله
عنهما انها لم تكن يومئذ استمتاعا على شهوة
المضجع بل كان ذلك مخصوصا في ضمن حاجة

ذکر کو ملایا جائے اور ہر جگہ پر شعائر الٰہی کی تعظیم کیجائے تاکہ دین
حق کے نشانات پھیل جائیں اور اس کے شعائر اور امارات
ظاہر ہو جائیں پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس میں چند اقسام
کے ذکر مسنون فرمائے جیسے حمد اور استعانت اور استغفار
اور تعوذ اور توکل اور تشہد اور قرآن شریف کی چند آیات اور
اس مصلحت کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کر دیا "جس
خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کے مانند ہے" اور اپنے
اس قول میں اشارہ فرمایا: "جس کلام کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ
کی حمد نہ ہو تو وہ ناتمام ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "حلال اور حرام میں فرق یہی ہے کہ نکاح میں آواز اور دف
ہوتی ہے" اور آپ نے فرمایا "نکاح کا اعلان کرو اور نکاح کو
مسجدوں میں کرو اور اس پر دف بجایا کرو"

میں کہتا ہوں اہل عرب نکاح میں دف اور آواز کا استعمال
کرتے تھے اور یہ عادت ان میں بہت جاری تھی جس کو وہ اس
نکاح صحیح میں ترک نہیں کیا کرتے تھے جس کو نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے ان چار قسم کے نکاحوں میں سے باقی رکھا ہے جن کو حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے، اور اس میں ایک
مصلحت یہ ہے کہ نکاح اور زنا دونوں قضاء شہوت
اور مرد و عورت کی رضامندی میں متفق ہیں اس واسطے
ایسی چیز کا حکم دینا ضروری ہوا جس سے ان دونوں کے
درمیان بادی الرائے میں ایسا فرق معلوم ہو جائے کہ کسی
کو اس میں کلام یا خفا باقی نہ رہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
چند روز کے لئے متعہ کی اجازت دیدی تھی پھر اس سے منع فرما دیا،
لیکن اول رخصت دینا ایک حاجت کے سبب سے تھا جو اسکے جواز
کی داعی تھی جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے اس شخص کے
بارے میں ذکر کیا ہے جو ایسے شہر میں جاتا تھا جہاں اس کا گھر
بار نہ ہوتا تھا اور حضرت ابن عباس نے اس بات کی طرف
بھی اشارہ کیا کہ اس زمانہ میں صرف تمتع کے لئے اجرت
نہیں دیتے تھے بلکہ تدبیر خانہ سے متعلق دیگر ضروریات کے

من باب تدبیر المنزل کیف والاستئجار علی مجرد البضع انسلاخ عن الطبیعة الانسانیة ووقاحة یمجها الباطن السلیم، واما النهی عنها فلارتفاع تلک الحاجة فی غالب الاوقات، وایضا ففی جریان الرسم اختلاط الانساب لانها عند انقضاء تلک المدة تخرج من حیزه ویکون الامر بیدها فلا یدری ماذا تصنع، وضبط العدة فی النکاح الصحیح الذی بناؤه علی التابید فی غایة العسر، فما ظنک بالمتعة واهمال النکاح الصحیح المعتبر فی الشرع؟ فان اکثر الراغبین فی النکاح انما غالب ارادتهم قضاء شهوة الفرج، وایضا فان من الامور التی یتمیز به النکاح من السفاح التوطین علی المعاونة الدائمة وان کان الاصل فیه قطع المنازعة فیها علی اعین الناس وکانوا لا ینکحون الا بصداق لامور بعثتهم علی ذلک کان فیه مصالح منها ان النکاح لا تتم فائدته الا بان یوطن کل واحد نفسه علی المعاونة الدائمة ویتحقق ذلک من جانب المرأة بزوال امرها من یدها ولا جائز ان ینخرم زوال امره ایضا من یده والا انسد باب الطلاق، وکان اسیرا فی یدها کما انها عانیة بیده، وکان الاصل ان یکونوا قوامین علی النساء ولا جائز ان یجعل امرهما الی القضاة، فان مرافعة القضیة الیهم فیها حرج وهم لا یعرفون ما یعرف هو من خاصة امره فتعین ان یکون بین عینیه خسارة مال ان اراد فک النظم سلا یجترئ

ضمن میں جماع بھی داخل ہوتا تھا، اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ محض جماع پر اجرت دینا طبیعت انسانی سے بالکل باہر ہو جاتا ہے اور بڑی بے حیائی ہے جس کو قلب سلیم دفع کرتا ہے اور متعہ سے منع کرنے کا سبب یہ ہوا کہ اکثر اوقات میں یہ حاجت رفع ہوگئی، اور نیز متعہ کی رسم کے جاری رکھنے میں انساب کا اختلاط ہوتا ہے کیونکہ اس مدت کے گذرتے ہی وہ عورت خاوند کے قبضہ سے باہر ہو جاتی ہے اور اس کو اپنے نفس کا اختیار ہوتا ہے نہیں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کیا کرے گی اور عدت کا انضباط نکاح صحیح میں جس کی بنا دوام پر ہوتی ہے نہایت مشکل سے ہوتا ہے چہ جائیکہ متعہ میں اور متعہ کے جاری رکھنے میں نکاح صحیح کو جو شرع میں معتبر ہے برباد کرنا ہے کیونکہ اکثر نکاح کرنے والوں کی بیشتر غرض شہوت فرج کا پورا کرنا ہوتا ہے، اور نیز منجملہ ان امور کے جن سے نکاح اور زنا میں امتیاز ہوتا ہے دائمی اعانت کا قائم رکھنا ہے اگرچہ اصل اس میں لوگوں کے سامنے منازعت کا قطع کرنا ہے اور اہل عرب بغیر مہر کے نکاح نہیں کرتے تھے ان چند امور کی وجہ سے جو ان کو اس پر آمادہ کرتے تھے اور اس میں چند مصلحتیں بھی تھیں از آنجملہ یہ ہے کہ نکاح کا فائدہ بغیر اس بات کے تمام نہیں ہوتا کہ ہر شخص معاونت دائمی پر اپنے آپ کو قائم رکھے اور عورت کی جانب سے اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو اپنا اختیار نہ رہے اور یہ بات درست نہ تھی کہ مرد کے قبضہ سے بھی اس کا اختیار لے لیا جاتا ورنہ طلاق کا دروازہ بند ہو جاتا اور وہ عورت کے ہاتھ میں مقید ہو جاتا جس طرح عورت مرد کے ہاتھ میں مقید ہے اور اصل بات یہ تھی کہ مرد عورتوں پر حاکم رہیں اور یہ بھی درست نہیں تھا کہ ان دونوں کا اختیار قاضیوں کے سپرد کیا جاتا کیونکہ ان کی طرف مقدمہ لے جانے میں لوگوں کو بڑی دقت ہوتی اور ہر شخص اپنی خاص بات کو جس قدر جانتا ہے قاضی نہیں جانتے پس یہ بات متعین ہوئی کہ خاوند کو مال کا نقصان نظر آئے اگر وہ اس نظام کو توڑنا چاہے تاکہ وہ بغیر ایسی ضرورت کے

على ذلك الا عند حاجة لا يجد منها بداً فكان هذا نوعاً من التوطين وايضاً فلا يظهر الاهتمام بالنكاح الا بمال يكون عوض البضع فان الناس لما تشاحوا بالاموال شحاً لم يتشاحوا به في غيرها كان الاهتمام لا يتم الا ببذلها وبالاهتمام تقر اعين الاولياء حين يتملك هو فلذة اكبادهم وبه يتحقق التميز بين النكاح والسفاح، وهو قوله تعالى ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين فلذلك ابقى النبي صلى الله عليه وسلم وجوب المهر كما كان ولم يضبطه النبي صلى الله عليه وسلم بحد لا يزيد ولا ينقص اذ العادات في اظهار الاهتمام مختلفة والرغبات لها مراتب شتى ولهم في المشاحة طبقات فلا يمكن تحديده عليهم كما لا يمكن ان يضبط ثمن الاشياء المرغوبة بحد مخصوص، ولذلك قال التمس ولو خاتماً من حديد، وقال صلى الله عليه وسلم من اعطى في صداق امرأته ملء كفه سويقاً او تمراً فقد استحل غير انه سن في صداق ازواجه وبناته ثنتي عشرة اوقية ونشا، وقال عمر رضي الله عنه لا تغالوا في صدقات النساء فانها ان كانت مكرمة في الدنيا او تقوى عند الله لكان اولكم بها النبي صلى الله عليه وسلم الحديث.

اقول والسر فيما سن انه ينبغي ان يكون المهر مما يتشاح به ويكون له بال ينبغي ان لا يكون مما يتعذر اداؤه عادة

جس کے بغیر اس کو چارہ نہ ہو جرأت نہ کر سکے پس مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کا اطمینان ہے اور نیز نکاح کی عظمت بغیر مال کے ظاہر نہیں ہوتی جو بضع کے عوض میں مقرر کیا جائے کیونکہ لوگ جس قدر مال میں بخل کرتے ہیں کسی اور چیز میں نہیں کرتے لہذا اس کے صرف کرنے سے نکاح کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہو سکتا ہے اور اس کے مہتم بالشان ہونے سے اولیاء کی آنکھیں جبکہ وہ اس شخص کو اپنے جگر گوشہ کا مالک ہوتے ہوئے دیکھیں ٹھنڈی ہو سکتی ہیں اور اس کے سبب نکاح اور زنا کے درمیان تمیز ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یہ کہ تم اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو حفاظت کرنیوالی نہ مستی نکالنے والی" پس اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے وجوب مہر کو بدستور باقی رکھا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوئی ایسی حد جسمیں کمی و بیشی نہ ہو سکے مقرر نہیں فرمائی کیونکہ اظہار اہتمام میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں اور رغبتوں کے درجات متفاوت ہیں اور مال کی حرص میں ان کے جدا جدا طبقات ہیں پس ان پر اسکی حد معین کرنا ناممکن ہے جسطرح اشیاء مرغوبہ کی قیمت ایک حد معین کے ساتھ منضبط کرنا ناممکن ہے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا "تلاش کر اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں مٹھی بھر ستو یا چھوہارے دیدیئے تو اس نے حلال کر لیا" مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج اور اپنی صاحبزادیوں کے مہر میں ساڑھے بارہ اوقیہ مقرر کر رکھے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تم عورتوں کے مہر زیادہ مقرر نہ کرو کیونکہ اگر زیادہ مہر مقرر کرنا دنیا میں عزت یا عند اللہ پرہیزگاری کی بات ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم سب میں بدرجہ اولیٰ اس بات کا لحاظ فرماتے" الحدیث

میں کہتا ہوں اس دستور میں کہ مہر اس قدر ہونا چاہیے جو دل پر گراں ہو اور اس کی فکر ہو راز یہ ہے کہ مہر کے اندر مناسب یہ ہے کہ اس کی اتنی مقدار نہیں ہونی چاہیے کہ عادۃً اس کی قوم کے اعتبار سے اس کا ادا کرنا مشکل ہو جائے

بحسب ما عليه قومه، وهذا القدر نصابا
صالحا حسبما كان عليه الناس في زمانه
صلى الله عليه وسلم، وكذلك أكثر الناس بعده
الا الناس اغنياء وهم بمنزلة الملوك على
الاسرة، وكان اهل الجاهلية يظلمون
النساء في صدقاتهن بمطل او نقص
فانزل الله تعالى وآتوا النساء صدقاتهن
نحلة فان طبن لكم الاية، وقال الله تعالى
لا جناح عليكم ان طلقتم النساء ما لم
تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة، الاية

اقول الاصل في ذلك ان النكاح
سبب الملك والدخول بها اثره، والشيئ
ما يراد به اثره وانما يترتب الحكم على
سببه فلذلك كان من حقهما ان يوزع
الصداق عليهما وبالموت يتقرر الامر و
يثبت حيث لم يرده حتى مات وما
نكس عنه حتى حال بينه وبينه الموت
والطلاق يرتفع الامر وينفسخ وهو
شبيه الرد والاقالة، اذا تمهد هذا ا
فنقول كانت في الجاهلية مناقشات في
باب المهر وكانوا يتشاحون بالمال و
يفتخرون بامور فقضى الله تعالى فيها بالحكم
العدل على هذا الاصل فان سمى لها شيئا
ودخل بها فلها المهر كاملا سواء مات
او طلقها لانه تم له سبب الملك
واثره وافضى الزوج اليها، وهو قوله تعالى
وقد افضى بعضكم الى بعض واخذن منكم
ميثاقا غليظا، وان سمى لها ولم يدخل
بها ومات عنها فلها المهر كاملا لانه

اور یہ مقدار یعنی ساڑھے بارہ اوقیہ اس حالت کے اعتبار سے جو نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی تھی اور اسی طرح آپ کے بعد بھی
اکثر لوگوں کی حالت کے اعتبار سے پوری اور کافی مقدار ہے مگر وہ
لوگ جن کے غنی بمنزلہ بادشاہوں کے ہیں مستثنیٰ ہیں، اور اہل جاہلیت
مہر کے بارے میں تاخیر کر کے یا کم کر کے عورتوں پر ظلم کیا کرتے تھے پس
اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اور عورتوں کو ان کے مہر بے
مانگے دیا کرو" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تم پر کچھ حرج نہیں اگر تم
عورتوں کو بدون ہاتھ لگائے یا بدون کچھ مقرر کئے طلاق دیدو"

میں کہتا ہوں اصل اس میں یہ ہے کہ نکاح ملک کا سبب ہے
اور عورتوں سے صحبت کرنا اس کا اثر ہے اور ہر شئی سے مقصود
اس کا اثر ہوتا ہے اور حکم اس کے سبب پر ہی مرتب ہوتا ہے پس
اسی واسطے وہ دونوں اس بات کے مستحق ہیں کہ مہر ان دونوں پر
تقسیم کیا جائے اور مرنے کی وجہ سے نکاح کا امر ثابت اور متحقق ہو
جاتا ہے کیونکہ اس نے موت تک نکاح کو رد نہیں کیا اور اس سے
روگردانی نہیں کی حتیٰ کہ اس کے اور نکاح کے درمیان موت حائل
ہوگئی اور طلاق کے ساتھ نکاح مرتفع ہو جاتا ہے اور فسخ ہو جاتا
ہے اور وہ رد اور اقالہ کے مشابہ ہے پس جب یہ تمہید ہو چکی تو ہم کہتے
ہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں مہر کی بابت بڑے جھگڑے پیدا ہوتے
تھے اور مال میں لوگ بخل کیا کرتے تھے اور بہت سے امور سے حجت
قائم کیا کرتے تھے پس خدا تعالیٰ نے اس بارے میں حکمت اور
انصاف سے اس قاعدہ کے بموجب فیصلہ کر دیا پس اگر عورت
کے لئے کچھ مقرر کیا ہے اور عورت سے جماع بھی کیا ہے تو عورت
کو پورا مہر دینا پڑیگا خواہ وہ مرجائے یا طلاق دیدے کیونکہ اسکے
لئے ملک کا سبب اور اس کا اثر پورا پورا پایا گیا اور خاوند نے اس
سے مجامعت کر لی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور البتہ تم میں سے بعض
بعض کی طرف پہنچ گیا ہے اور ان عورتوں نے تم سے نہایت پختہ عہد
لے لیا ہے" اور اگر اس کا مہر معین ہو چکا ہے اور مرد بغیر
مجامعت کئے مرگیا تب بھی عورت کو کامل مہر ملے گا کیونکہ مرنے
سے نکاح ثابت ہو چکا اور ایسی حالت میں صحبت نہ کرنا کچھ مضر

بالموت تقرر الامر وعدم الدخول غير ضار والحالة هذه لانه بسبب سماوي وان طلقها فلها نصف المهر على هذه الاية لتحقق احد الامرين دون الأخر، فحصل شبهان شبه بالخطبة من غير نكاح، وشبه بالنكاح التام، وان لم يسم لها شيئا ودخل بها فلها مثل صداق نسائها لا وكس ولا شطط، وعليها العدة ولها الميراث لانه تم لها العقد بسببه واثره فوجب ان يكون لها مهر، وانما يقدر الشئ بنظيره وشبهه، وصداق نسائها اقرب ما يقدر به في ذلك وان لم يسم لها شيئا ولم يدخل بها فلها المتعة لانه لايجوز ان يكون عقد نكاح خاليا عن المال، وهو قوله تعالى ان تبتغوا باموالكم، ولاسبيل الى ايجاب المهر لعدم تقرر الملك ولا التسمية فقدر دون ذلك بالمتعة وجعل النبي صلى الله عليه وسلم سورة سورا من القران مهرا لان تعليمها امر ذو بال يرغب فيه ويطلب كما ترغب وتطلب الاموال فجاز ان يقوم مقامها، وكان الناس يعتادون الوليمة قبل الدخول بها، وفي ذلك مصالح كثيرة منها التلطف باشاعة النكاح وانه على شرف الدخول بها اذ لابد من الاشاعة لئلا يبقى محل لوهم الواهم في النسب وليتميز النكاح عن السفاح بادي الراي وليتحقق اختصاصه بها على اعين الناس ومنها شكر ما اولاه الله تعالى من انتظام تدبير المنزل بما يصرفه الى عباده و

نہیں ہے کیونکہ موت آسمانی حکم سے پیش آئی ہے اور اگر قبل از دخول اس نے طلاق دی ہے تو عورت کو اس آیت کے موافق نصف مہر ملے گا کیونکہ اس صورت میں دو باتوں میں سے ایک پائی جاتی ہے دوسری نہیں پائی جاتی پس اس میں دو مشابہتیں پائی جاتی ہیں ایک تو منگنی کے ساتھ جو قبل نکاح ہوتی ہے اور دوسری نکاح تام کے ساتھ، اور اگر اس عورت کے لئے کچھ مہر مقرر نہیں کیا ہے اور اس کے ساتھ صحبت کی ہے تو اس کو اس کے کنبہ کی عورتوں کے موافق مہر ملیگا نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ اور اس پر عدت واجب ہوگی اور اس کو میراث ملے گی کیونکہ اس کے حق میں عقد اپنے سبب اور اثر کے ساتھ پورا ہو چکا اس واسطے اس کے لئے مہر کا ہونا ضروری ہوا اور ہر شئی کا اندازہ اس کی نظیر اور مثل سے ہوتا ہے اور اس کے کنبہ کی عورتوں کا مہر اس اندازہ کیلئے نہایت مناسب ہے، اور اگر نہ اس کا مہر مقرر کیا اور نہ اس سے صحبت کی تو اس عورت کو متعہ یعنی جوڑہ وغیرہ دینا پڑے گا کیونکہ عقد نکاح بغیر مال کے ہونا ممنوع ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان تبتغوا باموالکم" اور اس میں مہر واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی کیونکہ نہ ملک پائی گئی اور نہ مہر کی تعیین ہے پس مہر سے کم متعہ کے ساتھ اسکا اندازہ کیا گیا اور ایک مرتبہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی چند سورتوں کو مہر مقرر کیا تھا کیونکہ ان کا سکھانا بھی ایک ذی شان کام ہے جس میں رغبت اور طلب ہوتی ہے جس طرح اموال مطلوب اور مرغوب ہوتے ہیں پس اس کا مال کے قائم مقام ہونا جائز ہوا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ صحبت سے پیشتر ولیمہ کیا کرتے تھے اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، ازاں جملہ یہ کہ اس میں نہایت خوبی کے ساتھ نکاح کی اشاعت ہوتی ہے اور یہ کہ وہ بیوی سے دخول کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہ اشاعت ضروری ہے تاکہ نسب میں کسی کو وہم کرنے کی بھی گنجائش نہ رہے اور بادی الرائے میں نکاح اور زنا میں فرق ہو جائے اور اس عورت کی خصوصیت اس مرد کے ساتھ سب لوگوں کے سامنے ثابت ہو جائے، اور ازانجملہ یہ ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنا ہے کہ اس نے تدبیر منزل کے انتظام

ہو ہیں وہ چیز عطا کی جو کارآمد اور نافع ہے،

ينفعهم به، ومنها البر بالمرأة وقومها فان صرف المال لها وجمع الناس في امرها يدل على كرامتها عليه وكونها ذات بال عنده، ومثل هذه الامور لا بد منها في اقامة التاليف فيما بين اهل المنزل لاسيما في اول اجتماعهم، ومنها ان تجدد النعمة حيث ملك ما لم يكن مالكا له يورث الفرح والنشاط والسرور ويهيج على صرف المال، وفي اتباع تلك الداعية التمرن على السخاوة وعصيان داعية الشح الى غير ذلك من الفوائد والمصالح، فلما كان فيها جملة صالحة من فوائد السياسة المدنية والمنزلية وتهذيب النفس والاحسان وجب ان يبقيه النبي صلى الله عليه وسلم ويرغب فيها ويحث عليها ويعمل هو بها، ولم يضبطه النبي صلى الله عليه وسلم بحد بمثل ما ذكرنا في المهر والحد الوسط الشاة، واولم صلى الله عليه وسلم على صفية رضي الله عنها بحيس واولم على بعض نسائه بمدين من شعير.

قال اذا دعي احدكم الى الوليمة فليأتها وفي رواية فان شاء طعم وان شاء ترك.

اقول لما كان من الاصول التشريعية انه اذا امر واحد ان يصنع بالناس شيئا لمصلحة فمن موجب ذلك ان يحث الناس على ان ينقادوا له فيما يريد ويمتثلوا له طوعا والا لما تحققت المصلحة المقصودة من الامر فلما امر هذا ان يشيع امر النكاح بوليمة تصنع للناس وجب ان يؤمر اولئك ان يجيبوه الى طعامه فان كان صائما ولم يرد

اور از آنجملہ یہ ہے کہ اس میں بیوی اور اس کے کنبے کے ساتھ نیکی کرنا ہے کیونکہ اس کے لئے مال کا خرچ کرنا اور اس کے باب میں لوگوں کو جمع کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی عزت اور حرمت ہے، اور میاں بیوی کے مابین الفت قائم کرنے میں اس قسم کے امور ضروری ہیں خاصکر ان کے اول اجتماع میں، اور از آں جملہ ایک جدید نعمت کا مالک ہونا ہے یعنی وہ ایک ایسی چیز کا مالک ہوا جو اس کے ملک میں نہ تھی اور جو سرور اور خوشی کا سبب ہے اور مال کے خرچ کرنے پر آدمی کو آمادہ کرتا ہے اور اس خواہش کے پورا کرنے میں سخاوت کا عادی ہونا اور خواہش بخل سے بری ہونا ہے اور اس کے علاوہ بہت سے فوائد اور مصالح ہیں پس جبکہ اس کے اندر سیاست مدینہ اور منزلیہ اور تہذیب نفس اور احسان کے متعلق بہت سے فوائد پائے جاتے تھے اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اس کو باقی رکھنا اور اس کی طرف رغبت اور حرص دلانا اور خود بھی اس کو عمل میں لانا ضروری ہوا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی اسی طرح سے انضباط نہیں فرمایا جس کو ہم مہر میں ذکر کر چکے ہیں اور درمیانی حد ایک بکری کا ذبح کرنا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں لوگوں کو ملیدہ کھلایا تھا اور آپ نے بعض بیویوں کا ولیمہ دو مُد جو سے کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی شخص ولیمہ کیلئے بلایا جائے تو اس کو جانا چاہیئے" اور ایک روایت میں آیا ہے "پس اگر چاہے تو کھائے اور اگر چاہے تو نہ کھائے"

میں کہتا ہوں جب اصول شرعیہ میں سے یہ بات ہے کہ جب کسی شخص کو کسی مصلحت سے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا گیا تو یہ بات ضروری ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو بھی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اور بجا آوری کرنے کی طرف رغبت دلائی جائے ورنہ وہ مصلحت جو اس حکم سے مقصود ہے نہیں پائی جائیگی پس جب خاوند کو اس بات کا حکم دیا گیا کہ نکاح کی تشہیر لوگوں کو کھانا کھلا کر کرے تو ان لوگوں کے لئے اس حکم کا دینا ضروری ہوا کہ اس کی دعوت کو قبول کریں پس اگر روزہ دار ہے اور

يطعم فلا بأس بذلك فانه حصلت الاشاعة
المقصودة، وايضا فمن الصلة ان يجيبه
اذا دعى، وفى جريان السنة بذلك انتظام
امر المدينة والحى، وقال صلى الله عليه وسلم
انه ليس لى اولنبى ان يدخل بيتا مزوقا۔

اقول لما كانت الصور يحرم صنعها و
يحرم استعمال الثوب المصنوعة هى فيه
كان من مقتضى ذلك ان يهجر البيت الذى
فيه تلك الصور، وان تقام اللائمة فى ذلك
لاسيما للانبياء عليهم السلام فانهم بعثوا
آمرين بالمعروف وناهين عن المنكر، و
ايضا فلما كان استحسان التجمل البالغ
سببا لشدة خوضهم فى طلب الدنيا، وقد
وقع ذلك فى الاعاجم حتى انساهم ذكر الآخرة
وجب ان يكون فى الشرع ناهية عن ذلك و
اظهار نفرة عنه، ونهى صلى الله عليه وسلم
عن طعام المتباريين ان يؤكل۔

اقول كان اهل الجاهلية يتفاخرون
يريد كل واحد ان يغلب الآخر فيصرف
المال لذلك الغرض دون سائر النيات،
وفيه الحقد وفساد ذات البين واضاعة
المال من غير مصلحة دينية او مدنية
وانما هو اتباع داعية نفسانية فلذلك
وجب ان يهجر امره ويهان ويسد هذا الباب
واحسن ما ينهى به ان لا يؤكل طعامه۔

وقال صلى الله عليه وسلم اذا اجتمع
داعيان فاجب اقربهما بابا وان سبق
احدهما فاجب الذى سبق۔

اقول لما تعارضا طلب الترجيح و

اور کچھ نہ کھائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اشاعت جو مق
تھی وہ حاصل ہو گئی، اور نیز صلہ رحمی کا تقاضا یہ ہے کہ جب ا
مسلمان کو دوسرا مسلمان بلائے تو اس کو ضرور قبول کرے
اور اس دستور کے جاری رہنے میں شہر اور قبیلہ کا انتظا
ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے لئے یا فر
کہ کسی نبی کیلئے یہ درست نہیں ہے کہ کسی منقش گھر میں داخل
میں کہتا ہوں چونکہ صورتوں کا بنانا اور اس کپڑے کا است
کرنا جس میں تصویریں بنی ہوئی ہوں استعمال کرنا حرام ہے
اسکا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس گھر میں تصویریں ہوں اس گھر کو چھوڑ د
چاہیئے اور اس بارے میں ملامت کرنا چاہیئے خاصکر انبیاء علیہم السلا
کیلئے کیونکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ہی بھیجے
گئے ہیں اور نیز نہایت درجہ تجمل کو اچھا سمجھنا دنیا کی طلب میں نہ
درجہ غرق ہونے کا سبب ہے اور عجمیوں کو یہی چیز پیش آئی یہانتک
کہ وہ ذکر آخرت بھی اس کی وجہ سے بھول گئے لہذا یہ بات ضرور
ہوئی کہ شرع میں اس سے منع کیا جائے اور اس سے نفرت
اظہار کیا جائے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فخر کرنے والو
کا کھانا کھانے سے منع فرمایا،

میں کہتا ہوں کہ اہل جاہلیت باہم فخر کیا کرتے تھے اور ہر
ایک دوسرے پر غالب ہونا چاہتا تھا پس ہر ایک اسی غرض
مال کو خرچ کیا کرتا تھا اور کوئی دوسری نیت اس میں نہیں ہوتی
تھی اور اس میں رنجش اور باہمی فساد اور بغیر کسی مصلحت دینی
یا مدنی کے مال کا ضائع کرنا پایا جاتا ہے اور وہ محض خواہش نف
کی پیروی ہے پس اسواسطے ضروری ہوا کہ ایسے کام کو ترک کیا جائے
اس کی اہانت کیجائے اور اس دروازہ کو بند کر دیا جائے، اور اس
روکنے کی عمدہ صورت یہ ہے کہ اسکا کھانا نہ کھایا جائے، اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "جب دو دعوت کرنے والے ساتھ ساتھ دعوت کریں
تو جس کا گھر قریب ہے اس کی دعوت قبول کر اور اگر ان دونوں میں
سے ایک پہلے آئے تو جو پہلے آیا ہے اسکی دعوت قبول کر"

میں کہتا ہوں جب دونوں کا تعارض ہوا تو ترجیح کی ضرورت

ذلك اما بالسبق او بقرابة ؛

المحرمات

الاصل فيها قوله تعالى ولا تنكحوا ما نكح آباؤكم الى قوله والله غفور رحيم، وقوله صلى الله عليه وسلم امسك اربعا وفارق سائرهن، وقوله صلى الله عليه وسلم لا تنكح المرأة على عمتها الحديث، وقوله تعالى الزاني لا ينكح الا زانية الآية،

اعلم ان تحريم المحرمات المذكورة في هذه الآيات كان امرا شائعا في اهل الجاهلية مسلما عندهم لا يكادون يتركونه اللهم الا اشياء يسيرة كانوا ابتدعوها من عند انفسهم بغيا وعدوانا كنكاح ما نكح آباؤهم والجمع بين الاختين وكانوا توارثوا تحريمها طبقة عن طبقة حتى صار لا يخرج من قلوبهم الا ان تمزع وكان في تحريمها مصالح جليلة فابقى الله تعالى عزوجل امر المحرمات على ما كان وسجل عليهم فيما كانوا يتهاونه، والاصل في التحريم امور منها جريان العادة بالاصطحاب والارتباط وعدم امكان لزوم الستر فيما بينهم وارتباط الحاجات من الجانبين على الوجه الطبيعي دون الصناعي فانه لو لم تجر السنة بقطع الطمع عنهن والاعراض عن الرغبة فيهن لهاجت مفاسد لا تحصى، وانت ترى الرجل يقع بصره على محاسن امرأة اجنبية فيتوله بها ويتقحم في المهالك لاجلها فما ظنك فيمن يخلو معها وينظر الى محاسنها ليلا ونهارا وايضا لو

ہوئی اور وہ ترجیح دعوت میں سبقت کرنے سے یا گھر کے قرب جوار سے ہوتی

ان عورتوں کا بیان جن سے نکاح کرنا حرام ہے

اصل اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہے"، اللہ تعالیٰ کے قول "واللہ غفور رحیم" تک، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "چار کو رہنے دے اور باقی کو چھوڑ دے" اور آپ کا یہ قول ہے "کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے" الحدیث "اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہر زانی زانیہ ہی سے نکاح کرے" الآیۃ،

واضح ہو کہ جو محرمات ان آیات میں مذکور ہیں ان کی حرمت اہل جاہلیت میں مشہور اور مسلم تھی جس کو وہ ترک نہیں کر سکتے تھے مگر تھوڑی سی باتیں جن کو انہوں نے سرکشی اور فسق کی وجہ سے از خود پیدا کر لیا تھا مثلاً باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اور دو بہنوں کو جمع کرنا، اور ان محرمات کی تحریم ان میں پشت در پشت برابر چلی آتی تھی یہاں تک کہ ان کے دلوں میں ایسی پیوست ہو گئی تھی جس کا نکلنا ناممکن تھا اور ان کی تحریم میں بڑی بڑی مصلحتیں بھی تھیں پس اللہ تعالیٰ نے محرمات کا حکم اسی طرح باقی رکھا اور جن باتوں میں وہ سستی کرتے تھے ان کی تاکید فرما دی، اور تحریم کے اندر چند امور اصل ہیں، از انجملہ باہم ارتباط اور صحبت کی عادت کا جاری ہونا اور انکے درمیان پردہ کا التزام ناممکن ہونا اور دونوں جانب سے طبعی طور سے حاجات کا ارتباط نہ مصنوعی طور سے، پس اگر ان عورتوں سے طمع کے قطع کرنے کا اور ان میں رغبت سے اعراض کرنے کا طریقہ جاری نہ ہوتا تو بے شمار خرابیاں پیدا ہو جاتیں، اور تم دیکھتے ہو کہ جب کسی شخص کی نگاہ اجنبی عورت کی خوبیوں پر پڑتی ہے تو وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے پس اس شخص کے بارے میں تم کیا کچھ اندازہ لگا سکتے ہو جو تنہائی میں اس کے ساتھ رہتا ہے اور رات دن اس کی خوبیاں دیکھتا رہتا ہے اور نیز اگر ان عورتوں کی طرف رغبت کا دروازہ کھول دیا جائے اور

فتح باب الرغبة فيهن ولم يسد ولم تقم اللائمة عليهم فيه افضى ذلك الى ضرر عظيم عليهن فانه سبب عضلهم اياهن عمن يرغبن فيه لانفسهم فانه بيدهم امرهن واليهم انكاحهن وان لا يكون لهن ان نكحوهن من يطالبهم عنهن حقوق الزوجية معشدة احتياجهن الى من يخاصم عنهن، ونظيره ما وقع فى اليتامى كان الاولياء يرغبون فى مالهن وجمالهن ولا يوفون حقوق الزوجية فنزل وان خفتم الا تقسطوا فى اليتمى فانكحوا ما طاب لكم من النساء الاية، بينت ذلك عائشة رضى الله عنها، وهذا الارتباط على الوجه الطبيعى واقع بين الرجال والامهات والبنات والاخوات والعمات والخالات وبنات الاخ وبنات الاخت، ومنها الرضاعة فان التى ارضعت تشبه الام من حيث انها سبب اجتماع امشاج بنيته وقيام هيكله غير ان الام جمعت خلقته فى بطنها وهذه درت عليه سد رمقه فى اول نشأته فهى ام بعد الام واولادها اخوة بعد الاخوة، وقد قاست فى حضانته ما قاست، وقد ثبت فى ذمته من حقها ما ثبت، وقد رأت منه فى صغره ما رأت فيكون تملكها والوثوب عليها مما تمجه الفطرة السليمة، وكم من بهيمة عجماء لا تلتفت الى امها والى مرضعتها هذه اللفتة فما ظنك بالرجال، وايضا فان العرب كانوا يسترضعون اولادهم فى حى من الاحياء فيشب فيهم الوليد ويخالطهم كمخالطة المحارم ويكون عندهم للرضاعة لحمة

اسکو بند نہ کیا جائے اور اس امر میں مردوں پر کوئی ملامت نہ کیجائے تو اس سے عورتوں کو بڑا ضرر عظیم پیش آتا ہے کیونکہ وہ اس بات کا سبب ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ ان عورتوں کو اپنے پاس رکھکر ان لوگوں سے مانع ہوں گے جن سے نکاح کرنے کی ان عورتوں کو رغبت ہے کیونکہ انکا اور انکے نکاح کا اختیار ان ہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور نیز اگر وہ ان عورتوں سے نکاح کر لیں تو کوئی شخص ان عورتوں کے واسطے نہیں ہو گا جو ان کی جانب سے حقوق زوجیت کا ان اقارب سے مطالبہ کر سکے باوجودیکہ عورتوں کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی شخص ان کی طرف سے حقوق زوجیت کا ان کے خاوندوں سے مطالبہ کرنیوالا ہو اور اس کی نظیر وہ ہے جو یتیم لڑکیوں میں پیش آیا کہ اولیا یتیم لڑکیوں کے جمال اور مال میں رغبت کر کے خود نکاح کر لیا کرتے تھے اور حقوق زوجیت کو پورا ادا نہیں کرتے تھے تب خدا تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی "اگر تم کو یتیموں میں انصاف نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو عورتوں میں جو تم کو پسند آئیں ان سے نکاح کر لو" الآیۃ اسکو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا اور یہ ارتباط طبعی طور پر مردوں کے درمیان اور انکی ماؤں اور انکی بیٹیوں اور بہنوں اور پھوپھیوں اور خالوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کے درمیان واقع ہوتا ہے، اور از انجملہ رضاعت ہے کیونکہ جو عورت دودھ پلاتی ہے وہ بمنزلہ ماں کی ہو جاتی ہے کیونکہ اسکے اخلاط بدن کے اجتماع کا اور اس کی صورت اور جسم کے قائم ہونے کا وہ عورت ہی سبب ہے صرف فرق یہ ہے کہ ماں نے اپنے شکم میں اسکی پیدائش کو جمع کیا ہے اور اس نے پیدا ہونے پر اسکو دودھ پلاکر پالا ہے پس درحقیقت ماں کے بعد وہ ماں ہے اور دودھ پلانیوالی کی اولاد بہن بھائیوں کے بعد بہن بھائی ہیں اور اسنے اسکی پرورش میں بہت کچھ تکلیف اٹھائی ہے اور بچہ کے ذمہ جو حقوق اس عورت کے ثابت ہوئے ہیں اور اس کے بچپن میں جو باتیں اس بچہ کی طرف سے اسکو پیش آئی ہیں وہ ظاہر ہیں پس اسکا مالک ہو جانا اور اسکے ساتھ جماع کرنا ایسی چیز ہے جس سے فطرت سلیم نفرت کرتی ہے اور بہت سے جانور بھی ایسے ہیں جو اپنی ماں کی طرف اور جنکا دودھ پیتے ہیں انکی طرف اسقدر التفات نہیں کرتے جس قدر اجنبی مادہ کی طرف

۲ انکو توجہ ہوتی ہے پس آدمیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے اور نیز عرب کے لوگ اپنی اولاد کو اور قبائل میں دودھ پلوانے کیلئے بھیجا کرتے تھے پس وہ بچہ ان میں پرورش پاتا

کلحمۃ النسب فوجب ان یحمل علی النسب وھو قولہ صلے اللہ علیہ وسلم یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ، ولما کان الرضاعۃ انما صار سببا للتحریم لمعنی المشابہۃ الام فی کونھا سببا لقیام بنیۃ المولود وترکیب ھیکلہ وجب ان یعتبر فی الارضاع شیئان احدھما القدر الذی یتحقق بہ ھذا المعنی فکان فیما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات یحرمن، ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھن مما یقرأ فی القرآن، اما التقدیر فلانہ لما کان المعنی موجودا فی الکثیر دون القلیل وجب عند التشریع ان یضرب بینھما حد یرجع الیہ عند الاشتباہ واما التقدیر بعشر فلان العشر اول حد مجاوزۃ العدد من الآحاد وتدریہ فی العشرات واول حد یستعمل فیہ جمع الکثرۃ ولا یستعمل فیہ جمع القلۃ فکان نصابا صالحا لضبط الکثرۃ المعتد بہا المؤثرۃ فی بدن الانسان اما النسخ بخمس فللاحتیاط لان الطفل اذا ارضع خمس رضعات غزیرات یظھر الرونق والنضارۃ علی وجھہ وبدنہ واذا اصابہ عوز اللبن فی ھذہ الرضعات وکانت المرضع غیر ذات در ظھر علی بدنہ النحول والھزال وھذہ آیۃ انھا سبب التنمیۃ وقیام الھیکل وما دون ذلک لا یظھر اثرہ.

قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تحرم الرضعۃ والرضعتان ولا تحرم المصۃ والمصتان ولا تحرم الاملاجۃ ولا الاملاجتان

ہو جاتا تھا اور انکے ساتھ اسطرح اختلاط رکھتا تھا جسطرح اپنے محارم میں بستا ہے، اور عرب کے نزدیک نسبی علاقہ کے مانند شیر خواری کا بھی علاقہ ہے پس نسب کی اس کا ممنون کرنا ضروری ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو حرمت ولادت سے ہوتی ہے وہی حرمت دودھ کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے؛ اور جبکہ رضاعت اسلئے حرمت کا باعث تھی کہ اس میں ماں کے ساتھ مولود کی بنیاد قائم ہونے اور اسکی صورت کی ترکیب ہونے میں مشابہت پائی جاتی ہے اسواسطے ارضاع میں دو چیزوں کا اعتبار کرنا ضروری ہوا ایک تو وہ اندازہ جس سے تحریم کے معنی ثابت ہوتے ہیں پس قرآن شریف کے اندر اول بار یہ نازل ہوا کہ دس گھونٹ معلوم سے حرمت ثابت ہوتی ہے پھر پانچ گھونٹ معلوم سے وہ منسوخ ہو گئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرآن میں انکی تلاوت ہوتی تھی[1] لیکن اندازہ کا ہونا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ معنی حرمت کے کثیر میں پائے جاتے ہیں نہ قلیل میں اس واسطے اس حکم کے مقرر کرتے وقت ان دونوں کے درمیان ایک حد کا بیان کرنا بھی ضروری ہوا جس کی طرف بوقت اشتباہ رجوع کیا جائے اور دس کے ساتھ اندازہ کرنیکی وجہ یہ ہے کہ عدد میں آحاد سے تجاوز کرنیکی وہ پہلی حد ہے اور دودھ پلانے والی عشرات کے اعتبار سے ہی دودھ پلاتی ہے اور تیز وہ جمع کثرت کی حد اول ہے اور جمع قلت کا اس میں استعمال نہیں ہوتا پس کثرت معتد بہا کے انضباط کیلئے جو بدن انسانی میں موثر ہے یہ کافی مقدار ہے، اور پانچ کے ساتھ منسوخ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اس میں احتیاط ہے کیونکہ جب بچے کو پانچ بڑے بڑے گھونٹ پلائے جاتے ہیں تو اسکے چہرہ اور بدن پر رونق اور تازگی ظاہر ہو جاتی ہے اور جب ان گھونٹوں میں دودھ کم ہو کر بچے کو ملتا ہے اور جو دودھ پلانیوالی کے دودھ کم ہوتا ہے تو بچے کے بدن پر خشکی اور کمزوری ظاہر ہونے لگتی ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ پانچ گھونٹ اس کے نشو ونما کا سبب ہو سکتے ہیں اور اس سے اسکا بدن قائم رہ سکتا ہے اور اس سے کم میں نمو اور بدن کا قیام نہیں ہو سکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ ایک گھونٹ اور دو گھونٹ حرام کرتے ہیں اور نہ ایک چسکی اور دو چسکیاں حرام کرتی ہیں اور نہ ایک دھار اور دو دھاریں حرام کرتی ہیں؛

[1] یہ خبر احاد ہے جس کو محدثین نے بالکل لغو اور موضوع قرار دیا ہے۔

واما على قول من قال يحرم الكثير والقليل فالسبب تعظيم امر الرضاع وجعله كالمؤثر بالخاصية كسنة الله تعالى فى سائر ما لا يدرك مناط حكمه، والثانى ان يكون الرضاع فى اول قيام الهيكل وتشبح صورة الولد والا فهو غذاء بمنزلة سائر الاغذية الكائنة بعد التشبح وقيام الهيكل كالشاب ياكل الخبز، قال صلى الله عليه وسلم ان الرضاعة من المجاعة، وقال صلى الله عليه وسلم لا يحرم من الرضاع الا ما فتق الامعاء فى الثدى وكان قبل الفطام:

ومنها الاحتراز عن قطع الرحم بين الاقارب فان الضرتين تتحاسدان وينجر البغض الى اقرب الناس منهما والحسد بين الاقارب اخنع واشنع، وقد كره جماعات من السلف ابنتى عم لذلك فما ظنك بامرأتين ايتهما فرض ذكرا حرمت عليه الاخرى كالاختين والمرأة وعمتها والمرأة وخالتها، وقد اعتبر النبى صلى الله عليه وآله وسلم هذا الاصل فى تحريم الجمع بين بنت النبى صلى الله عليه وسلم وبنت غيره فان الحسد من الضرة واستئثار ها من الزوج كثيرا ما ينجران الى بغضها وبغض اهلها وبغض النبى صلى الله عليه وآله وسلم ولو بحسب الامور المعاشية يفضى الى الكفر، والاصل فى هذا الاختان، ونبه النبى صلى الله عليه وآله وسلم بقوله لا يجمع بين المرأة وعمتها الحديث على وجه المسالة:

ومنها المصاهرة فانه لو جرت

اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ کثیر اور قلیل دونوں سے حرمت ثابت ہوتی ہے تو اسکا سبب امر رضاع کی تعظیم اور اس کو بالخاصہ مؤثر گردانتا ہے جس طرح خدا تعالیٰ کی عادت ان چیزوں میں جاری ہے جن کے حکم کا مدار معلوم نہیں ہوتا، دوسرے یہ ہے کہ رضاعت بچے کی شکل وصورت کے قائم ہونے کی ابتدائی حالت میں پائی جائے ورنہ وہ دودھ دیگر غذاؤں کے مانند ہوگا جو صورت اور شکل قائم ہونے کے بعد کھائی جاتی ہیں جیسے جوان آدمی روٹی کھاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تحقیق رضاعت بوقت شیر خوار ناہے" اور آپ نے فرمایا "وہی رضاعت حرمت ثابت کرتی ہے جو پستان میں سے نکل کر آنتوں کو پُر کرے اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو":

اور از انجملہ اقارب میں قطع رحم ہونے سے بچنا ہے کیونکہ دو سوکنوں میں باہم حسد ہوتا ہے اور انکا باہمی بغض ان کے اقارب تک پہنچ جاتا ہے اور اقارب میں حسد کا ہونا نہایت قبیح اور بُرا ہے اور اسی وجہ سے سلف کی چند جماعتوں نے دو چچازاد بہنوں سے ایک وقت میں نکاح کرنا ناپسند کیا ہے چہ جائیکہ ان دو عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جائے کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری اس پر حرام ہو جیسے دو بہنیں اور بھتیجی اور پھوپھی اور بھانجی اور خالہ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی اور دوسرے کی بیٹی کے جمع کرنیکو جو حرام فرمایا ہے تو اس میں اسی اصل کا اعتبار کیا ہے کیونکہ سوکن کا حسد اور شوہر کا اس کو پسند کرنا بسا اوقات سوکن اور اس کے اقارب سے بغض کرنے کا سبب ہو جاتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا اگرچہ معاشی امور کے اعتبار سے ہو مفضی الی الکفر ہے،

اور اصل اس امر میں دو بہنوں کا جمع کرنا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے وجہ مسئلہ پر اپنے اس فرمان سے تنبیہ فرما دی کہ "بھتیجی اور اس کی پھوپھی کو جمع نہ کیا جائے": الحدیث،

اور ازاں جملہ مصاہرت ہے پس اگر لوگوں میں یہ دستور ہوتا کہ ماں کو اپنی بیٹی کے خاوند کے ساتھ

السنة بين الناس ان يكون للام رغبة فى
زوج بنتها وللرجال فى حلائل الابناء وبنات
نسائهم لافضى الى السعى فى فك ذلك
الربط او قتل من يشح به، وان انت تسمعت
الى قصص قدماء الفارسيين واستقرات
حال اهل زمانك من الذين لم يتقيدوا
بهذه السنة الراشدة وجدت امورا
عظاما ومهالك ومظالم لا تحصى، وايضا
فان الاصطحاب فى هذه القرابة
لازم والستر متعذر، والتحاسد شنيع و
الحاجات من الجانبين متنازعة، فكان
امرها بمنزلة الامهات والبنات او
بمنزلة الاختين ؂

ومنها العدد الذى لا يمكن الاحسان
اليه فى العشرة الزوجية فان الناس
كثيرا ما يرغبون فى جمال النساء و
يتزوجون منهن ذوات عدد ويستأثرون
منها حظية ويتركون الأخر كالمعلقة فلا
هى مزوجة حظية تقر عينها ولا هى ايم
يكون امرها بيدها ولا يمكن ان يضيق
فى ذلك كل تضييق فان من الناس من لا
يحصنه فرج واحد واعظم المقاصد التناسل
والرجل يكفى لتلقيح عدد كثير من النساء
وايضا فالاكثار من النساء شيمة الرجال
وربما يحصل به المباهاة فقدر الشارع
باربع وذلك ان لاربع عدد يمكن لصاحبه
ان يرجع الى كل واحدة بعد ثلاث ليال
وما دون ليلة لا يفيد فائدة القسم، ؂
لا يقال فى ذلك بات عندها، وثلاث

اور مردوں کو اپنے بیٹوں کی بیویوں اور اپنی بیویوں کی
بیٹیوں کے ساتھ رغبت ہوتی تو اس سے یہ بات لازم
آتی کہ اس تعلق کے توڑنے میں کوشش کی جاتی یا اس شخص
کے قتل کرنے میں کوشش کیجاتی جس کی طرف سے خواہش
پائی جاتی ہے، اور اگر تو ایران کے قدماء کے قصہ سُنے یا اپنے
زمانہ کے ان لوگوں کا حال معلوم کرے جو اس سنت راشدہ
کے پابند نہیں ہیں تو تو بڑی بڑی باتیں اور بے شمار جور وظلم
دیکھے گا اور نیز اس قرابت میں مصاحبت لازم ہے اور پردہ
کرنا دشوار ہے اور باہم حسد کرنا ایک قبیح امر ہے اور دونوں
جانب سے حاجات پیش آتی رہتی ہیں پس ان عورتوں
کو بھی بمنزلہ ماں اور بیٹی کے یا بمنزلہ دو بہنوں کے سمجھا
گیا۔

اور ازاں جملہ وہ عدد ہے کہ اس کے ساتھ معاملہ
زوجیت میں حسن سلوک نہیں ہو سکتا کیونکہ بسا اوقات
لوگوں کو عورتوں کے حسن سے رغبت ہوتی ہے اور بہت
سی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں پھر ان میں سے جو زیادہ
پسندیدہ ہوتی ہے اس کو اختیار کرتے ہیں اور باقی کو
ادھر میں چھوڑ دیتے ہیں پس نہ تو وہ پورے طور سے
بیوی ہے کہ اس کو اطمینان حاصل ہو اور نہ وہ بیوہ ہے
جس کو اپنا اختیار حاصل ہو اور اس امر میں بالکل تنگی
بھی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ بعض ایسے لوگ ہیں جو ایک
بیوی سے سیر نہیں ہو سکتے، اور نکاح کی غایت مقصود تناسل
ہے اور ایک مرد بہت سی عورتوں سے اولاد پیدا کرا سکتا
ہے، اور نیز زیادہ بیویاں کرنا مردوں کو خصلت ہے اور
بسا اوقات اسکی وجہ سے فخر بھی حاصل ہوتا ہے اسس
واسطے شریعت نے چار کے ساتھ اندازہ کیا کیونکہ
چار ایسا عدد ہے کہ تین راتوں کے بعد پھر ہر ایک کی
طرف وہ رجوع کر سکتا ہے، اور ایک رات سے کم میں کسی طرح کا
فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے

؂ کسی کے پاس رات گذاری، اور تین کثرت کی ؂ ؂ ؂

اول حد كثرة وما فوقها زيادة الكثرة، وكان للنبي صلى الله عليه وسلم ان ينكح ما شاء ذلك لان ضرب هذا الحد انما هو لدفع مفسدة غالبية دائرة على مظنة لالدفع مفسدة عينية حقيقية، والنبي صلى الله عليه وسلم قد عرف المئنة فلاحاجة له في المظنة وهو مامون في طاعة الله وامتثال امره دون سائر الناس، ومنها اختلاف الدين، وهو قوله تعالى ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا الآية، وقد بين في هذه الآية ان المصلحة المرعية في هذا الحكم هو ان صحبة المسلمين مع الكفار وجريان المواساة فيما بين المسلمين وبينهم لا سيما على الوجه الازدواج مفسدة للدين سبب لان يدب في قلبه الكفر من حيث يشعر ومن حيث لا يشعر، وان اليهود والنصارى يتقيدون بشريعة سماوية قائلون باصول قوانين التشريع وكلياته دون المجوس والمشركين فمفسدة صحبتهم خفيفة بالنسبة الى غيرهم، فان الزوج قاهر على الزوجة قيم عليها وانما الزوجات عوان بايديهم فاذا تزوج المسلم الكتابية خف الفساد فمن حق هذا ان يرخص فيه ولا يشدد كتشديد سائر لغو ات المسائل؛ ومنها كون المرأة امة لآخر فانه لا يمكن تحصين فرجها بالنسبة الى سيدها ولا اختصاصه بها بالنسبة اليه الا من جهة التفويض الى دينه وامانته ولا جائز ان يسد سيدها عن استخدامها

پہلی حد ہے اور تین سے اوپر کثرت کی زیادتی ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ جس قدر عورتوں سے چاہیں نکاح کریں کیونکہ اس حد کا مقرر کرنا اس فساد کے دفع کرنے کے لئے ہے جو اکثر واقع ہوتا ہے اور جس کا مدار احتمال غالب پر ہے فساد حقیقی کے دفع کرنے کے لئے نہیں ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم حقیقت سے واقف تھے پس آپ کو مظنہ کی حاجت نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کے حکم کی تعمیل میں آپ معصوم تھے نہ کہ باقی لوگ۔

اور ازاں جملہ اختلاف دین ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مشرکین سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں" الآیۃ، اور اس آیت میں یہ بیان کر دیا کہ اس حکم میں جو مصلحت پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا کفار سے صحبت رکھنا اور ان کے اور مسلمانوں کے مابین میل جول ہونا بالخصوص بیاہ شادی کرنا دین کی بربادی کا باعث اور دل میں کفر کی طرف حرکت کے پیدا ہونے کا سبب ہے خواہ اس کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو اور یہود و نصاریٰ آسمانی شریعت کے پابند اور قوانین تشریع کے اصول اور اس کی کلیات کے قائل ہیں بخلاف مجوس اور مشرکین کے پس ان کی صحبت کا مفسدہ بہ نسبت اوروں کے خفیف ہے کیونکہ خاوند بیوی پر غالب ہوتا ہے اور اس کا سرپرست ہوتا ہے، اور بیویاں خاوندوں کی قید میں ہوتی ہیں پس جب کوئی مسلمان اہل کتاب سے نکاح کرے گا تو اس میں فساد کا خطرہ کم ظاہر ہوگا اس واسطے اس امر میں رخصت دینا مناسب ہے اور دیگر مسائل کی طرح اس میں سختی نہیں کرنا چاہئے،

ازاں جملہ عورت کا دوسرے کی باندی ہونا ہے کیونکہ اس کا اپنے آقا سے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھنا ناممکن ہے اور آقا کی باندی کے ساتھ یہی خصوصیت ہے کہ اسی کے دین اور اسی کی امانت کی طرف تفویض ہوتی ہے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ مالک کو باندی سے خدمت لینے

والتخلی بها فان ذلك ترجیح اضعف الملكین علی اقواهما فان هنالك ملكین، ملك الرقبة وملك البضع، والاول هو الاقوی المشتمل علی الآخر المستتبع له، والثانی هو الضعیف المندرج، وفی اقتضاب الادنی للاعلی قلب الموضوع وعدم الاختصاص بها، وعدم امكان ذب الطامع فیها هو اصل الزنا، وقد اعتبر النبی صلی الله علیه وسلم هذا الاصل فی تحریم الانكحة التی كان اهل الجاهلیة یتعاملونها كالاستبضاع وغیره علی ما بینته عائشة رضی الله عنها، فاذا كانت فتاة مؤمنة بالله محصنة فرجها واشتدت الحاجة الی نكاحها لمخافة العنت وعدم طول الحرة خف الفساد وكانت الضرورة والضرورات تبیح المحظورات ومنها كون المرأة مشغولة بنكاح مسلم او كافر فان اصل الزنا هو الازدحام علی الموطوءة من غیر اختصاص احدهما بها وغیر قطع طمع الآخر فیها، ولذلك قال الزهری رحمة الله علیه ویرجع ذلك الی ان الله تعالی حرم الزنا، واصاب الصحابة رضی الله عنهم سبایا وتحرجوا من غشیانها من اجل ازواجهن من المشركین فانزل الله تعالی والمحصنات من النساء الا ما ملكت ایمانكم ای فهن حلال من جهة ان السبی قاطع لطمعه، واختلاف الدار مانع عن الازدحام علیها ووقوعها فی سهمه مخصص لها به، ومنها كون المرأة زانیة مكتسبة بالزنا فلا یجوز نكاحها حتی

اور اسکے ساتھ تخلیہ کرنے سے روکا جائے کیونکہ اس میں ضعیف ملک کو قوی ملک پر ترجیح دینا ہے کیونکہ یہاں دو ملک ہیں:۔ ملک رقبہ، ملک بضعہ، اور پہلی ملک قوی ہے جو دوسرے کو بھی شامل ہے اور دوسری ملک ضعیف اور پہلی میں مندرج ہے اور ادنیٰ کو اعلیٰ پر غالب کرنے میں قلب موضوع ہے اور عورت کے ساتھ خصوصیت کا نہ ہونا اور جو شخص اس سے طمع رکھے اسکی مدافعت کا ممکن نہ ہونا زنا کی اصل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصل کا اعتبار کیا ہے ان نکاحوں میں جن کو اہل جاہلیت باہم کیا کرتے تھے مثلاً استبضاع وغیرہ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے پس جب ایک باندی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہو اور پارسا ہو اور اس کے ساتھ نکاح کرنے کی ضرورت پڑے کیونکہ زنا کا خوف ہے اور آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہیں ہے تو فساد کم ہے اور ضرورت ہے اور ضرورتوں کی وجہ سے ممنوع چیزیں جائز ہو جاتی ہیں،

اور از آں جملہ کسی عورت کا کسی مسلمان یا کافر کے نکاح میں پابند ہونا ہے کیونکہ زنا کی اصل یہ ہے کہ کئی آدمی ایک عورت پر بلا خصوصیت کے جمع ہوں اور ایک دوسرے کی طمع کو اس عورت سے دور نہ کر سکے اور اسی لئے زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس طرف رجوع کرتا ہے کہ خدا نے زنا کو حرام کیا اور کچھ جنگ کی قیدی عورتیں صحابہ کے ہاتھ لگیں اور چونکہ ان کے شوہر مشرکین موجود تھے اس واسطے ان کے ساتھ صحبت کرنے سے صحابہ نے حرج سمجھا پس خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اور عورتوں میں سے جو خاوند والیاں ہیں وہ حرام ہیں مگر جو تمہارے ہاتھ میں مملوک ہیں" یعنی یہ مملوک عورتیں حلال ہیں کیونکہ قید سے غیر کی طمع منقطع ہو جاتی ہے اور اختلاف دارین اس عورت پر کئی شخصوں کے ازدحام سے مانع ہے اور اس عورت کا ایک مسلمان کے حصہ میں آنا اس کے ساتھ خصوصیت پیدا کرتا ہے، اور از آں جملہ عورت کا زانیہ ہونا اور زنا کا پیشہ کرنا ہے پس جب تک وہ اس فعل سے باز نہ آئے

تتوب وتقلع عن فعلها ذلك، وهو قوله
تعالى والزانية لا ينكحها الا زان او مشرك
والسر فيه ان كون الزانية فى عصمته و
تحت يده وهى باقية على عادتها من الزنا
ديوثية وانسلاخ عن الفطرة السليمة، و
ايضا فانه لا يأمن من ان تلحق به
ولد غيره۔

ولما كانت المصلحة من تحريم المحرمات
لا تتم الا بجعل التحريم امرا لازما وخلقا
جبليا بمنزلة الاشياء التى يستنكف منها
طبعا وجب ان يؤكد شهرتها وشيوعها
وقبول الناس لها باقامة لائمة شديدة
على اهمال تحريمها، وذلك ان تكون السنة
قتل من وقع على ذات رحم محرم منه
بنكاح او بغيره، ولذلك بعث رسول
الله صلى الله عليه وسلم الى من تزوج بامرأة
ابيه ان يؤتى برأسه۔

اور توبہ نہ کرے اس وقت تک اس سے نکاح درست نہیں ہے
چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "زانی عورت سے وہی نکاح کرتا ہے
جو زانی یا مشرک ہے" اور اس میں حکمت یہ ہے کہ زانی عورت کا
شوہر کی عصمت اور قبضہ میں آکر پھر وہی زنا کاری کرنا دیوثی اور
فطرت سلیمہ سے دور ہوتا ہے اور نیز اس میں اختلاط نسب کا
اندیشہ ہے اور چونکہ محرمات کے حرام کرنے کی مصلحت بغیر اسکے
تمام نہیں ہوتی تھی کہ اس تحریم کو امر لازم اور عادت جبلیہ کے
بمنزلہ ان اشیاء کے گردانا جائے جن سے لوگ طبعاً باز رہتے
ہیں اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کی شہرت اور شیوع کی
تاکید کیجائے اور لوگ اس کو اس طرح پر قبول کرلیں کہ اگر محرمات
کی تحریم میں کوئی شخص اعراض کرے تو اس پر سخت ملامت
کیجائے اور اسکا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ جو شخص اپنے محرم سے صحبت
کرے خواہ نکاح سے ہو یا بغیر نکاح کے وہ شخص قتل کر دیا جائے اور
اور اسی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو اس شخص
کا سر لانے کے لئے بھیجا تھا جس نے اپنے باپ کی منکوحہ سے
نکاح کیا تھا۔

اداب المباشرة

اعلم ان الله تعالى لما خلق الانسان
مدنيا بالطبع وتعلقت ارادته ببقاء النوع
بالتناسل وجب ان يرغب الشرع فى
التناسل اشد رغبة وينهى عن قطع
النسل وعن الاسباب المفضية اليه
اشد نهى، وكان اعظم اسباب النسل
واكثرها وجودا وافضاها اليه واحثها
عليه هو شهوة الفرج فانها كالمسلط
عليهم منهم يقهرهم على ابتغاء النسل
شاءوا وام ابوا، وفى جريان الرسم

اداب مباشرت کا بیان

واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا
اور تناسل سے اس کی نوع کا باقی رکھنا چاہا تو ضروری ہوا کہ شرع
میں نہایت رغبت دلائی جائے اور قطع نسل اور ان اسباب
سے جو اس کی طرف مفضی ہوں سخت ممانعت کی جائے اور نسل
کا سب سے بڑا سبب اور جو کثرت سے پایا جاتا ہے اور جو نسل کی
طرف سب سے زیادہ مفضی ہے اور جو نسل پر برانگیختہ کرتا
ہے وہ شرمگاہ کی شہوت ہے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ
گویا وہ انہیں میں سے ان پر مسلط ہے جو ان کو
نسل لینے پر مجبور کرتی ہے خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں
اور لڑکوں سے اعلام کرنے اور عورتوں سے

باتيان الغلمان ووطء النساء في ادبارهن
تغيير خلق الله حيث منع المسلط على شئ
من افضائه الى ما قصد له، واشد ذلك
كله وطء الغلمان فانه تغيير لخلق الله
من الجانبين وتانث الرجال اقبح الخصال
وكذلك جريان الرسم بقطع اعضاء
النسل واستعمال الادوية القامعة للباءة
والتبتل وغيرها تغيير لخلق الله عزوجل
واهمال لطلب النسل، فنهى النبي صلے
الله عليه وسلم عن كل ذلك، قال لاتأتوا
النساء في ادبارهن ملعون من اتى امرأة
في دبرها، وكذلك نهى عن الخصاء والتبتل
في احاديث كثيرة، قال الله تعالى نساؤكم
حرث لكم فأتوا حرثكم انى شئتم ؞

اقول كان اليهود يضيقون في هيئة
المباشرة من غير حكم سماوي، وكان
الانصار ومن يليهم يأخذون بسنتهم
وكانوا يقولون اذا اتى الرجل امرأته من
دبرها في قبلها كان الولد احول فنزلت
هذه الاية اي اقبل وادبر ما كان في صمام
واحد وذلك لانه شئ لايتعلق به المصلحة
المدنية والملية، والانسان اعرف بمصلحة
خاصة نفسه، وانما كان ذلك من
تعمقات اليهود فكان من حقه ان ينسخ
وسئل رسول الله صلے الله عليه وسلم
عن العزل فقال ما عليكم ان لاتفعلوا،
ما من نسمة كائنة الى يوم القيامة الاو
هي كائنة ؞

اقول يشير الى كراهية العزل من

دبر میں صحبت کرنے کا طریقہ جاری رکھنے میں خلق اللہ
کی تبدیلی لازم آتی ہے اسواسطے کہ یہ طریقہ اس شہوت سے جو انسان
پر مسلط کی گئی ہے مقصود حاصل ہونیکا مانع ہے اور ان دونوں میں
زیادہ برا لڑکوں سے اغلام کرنا ہے کیونکہ اس میں دونوں جانب سے
خلق اللہ کی تبدیلی ہے اور مردوں کا زنانہ بن جانا بدترین خصائل
میں سے ہے، اور اسی طرح اعضاء تناسل کے قطع کرنے کا طریقہ جاری
ہونا اور ان دواؤں کا استعمال کرنا جو باہ کو قطع کرتی ہیں اور
ترک دنیا وغیرہ امور خلق اللہ عزوجل کا بدلنا اور طلب نسل کو ترک
کرنا ہے اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک
سے ممانعت فرمائی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورتوں سے
ان کی دبر میں جماع نہ کرو جو شخص اپنی عورت کی دبر میں جماع کرے
وہ ملعون ہے" اور اسی طرح خصی بننے سے اور بیکار ہونے سے
بہت سی احادیث میں نہی فرمائی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تمہاری
بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس جیسے چاہو اپنی کھیتوں پر آؤ"۔

میں کہتا ہوں مباشرت کی ہیئت میں یہود بغیر کسی آسمانی
حکم کے تنگی کرتے تھے اور انصار اور ان کے ساتھی انہیں کے طریق
کو اختیار کرتے تھے اور کہا کرتے تھے جب کوئی اپنی بیوی کی فرج
میں پیچھے کی جانب سے جماع کرتا ہے تو بچہ احول پیدا ہوتا ہے پس یہ
آیت نازل ہوئی یعنی جب ایک ہی مقام یعنی فرج میں مباشرت
ہو تو اختیار ہے آگے سے کرے یا پیچھے سے کرے اس کی وجہ یہ ہے
کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے نہ مصلحت مدنیہ متعلق ہے اور نہ
مصلحت ملیہ اور ہر شخص اپنی ذات کی مصلحت خود خوب جانتا ہے
اور یہ بات صرف یہود کے تکلفات میں سے تھی اس واسطے اسکا منسوخ
ہونا مناسب تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے
عزل یعنی عورت کی فرج سے آلہ باہر نکال کر انزال کرنے کے متعلق
پوچھا آپ نے فرمایا "اگر تم نہ کرو تو تم کو کوئی نقصان نہیں ہے
کیونکہ جو روح قیامت تک آنے والی ہے وہ آکر رہی
رہے گی"۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ

غير تحريم، والسبب في ذلك ان المصالح
متعارضة، فالمصلحة الخاصة بنفسه
في السبي مثلا ان يعزل والمصلحة النوعية
ان لا يعزل ليتحقق كثرة الاولاد وقيام
النسل، والنظر الى المصلحة النوعية ارجح
من النظر الى المصلحة الشخصية في عامة
احكام الله تعالى التشريعية والتكوينية
على ان العزل ليس فيه ما في اتيان الدبر
من تغيير خلق الله ولا الاعراض من
التعرض للنسل، ونبه صلى الله عليه و
سلم بقوله ما عليكم ان لا تفعلوا على
ان الحوادث مقدرة قبل وجودها، و
ان الشيء اذا قدر ولم يكن له في الارض
الا سبب ضعيف فمن سنة الله عز و
جل ان يبسط ذلك السبب الضعيف
حتى يفيد الفائدة التامة، فالانسان اذا
قارب الانزال واراد ان ينزع ذكره
كثيرا ما يتقاطر من احليله قطرات تكفي
في مادة ولده وهو لا يدري، وهو سر
قول عمر رضي الله عنه بالحاق الولد بمن
اقر انه مسها لا يمنع من ذلك العزل، و
قال صلى الله عليه وسلم لقد هممت
ان انهى عن الغيلة فنظرت في الروم و
فارس فاذا هم يغيلون اولادهم فلا تضر
اولادهم، وقال لا تقتلوا اولادكم سرا
فان الغيل يدرك الفارس فيدعثره؛
اقول هذا اشارة الى كراهية الغيلة
من غير تحريم، وسببه ان جماع المرضع
يفسد لبنها وينهك الولد، وضعفه في

ہے کہ عزل مکروہ ہے اور حرام نہیں ہے، اور اسکا سبب یہ ہے کہ مصالح
مختلف ہوتے ہیں پس باندی کے بارے میں مثلاً مصلحت خاصہ اپنی
ذات کے اعتبار سے یہ ہوتی ہے کہ عزل کرے اور مصلحت نوعیہ یہ
ہوتی ہے کہ عزل نہ کرے تاکہ کثرت سے اولاد ہو اور نسل قائم رہے اور
مصلحت نوعیہ کا لحاظ کرنا خدا تعالیٰ کے عام احکام تشریعیہ اور
تکوینیہ میں مصلحت شخصیہ کے لحاظ کرنے کی بہ نسبت زیادہ راجح ہے
اس کے علاوہ عزل میں خلق اللہ کا تغیر اور اعراض نسل جو دبر میں
جماع کرنے میں پایا جاتا ہے نہیں پایا جاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنے اس قول میں "اگر تم نہ کرو تو کوئی مضائقہ نہیں" اس بات پر
تنبیہ کردی کہ حوادثات اپنے پائے جانے سے پہلے مقدر ہو چکے ہیں
اور جب کوئی چیز مقدر ہو چکتی ہے اور زمین پر اس کا سبب ضعیف
پایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عادت اس طور پر جاری ہے کہ وہ اس
سبب ضعیف کو پھیلاتا ہے یہاں تک کہ وہ پورا فائدہ دیتا ہے پس
جب انسان انزال کے قریب ہوتا ہے اور اپنے عضو کو باہر نکالنا
چاہتا ہے تو بسا اوقات چند قطرے اس کے عضو کے سوراخ سے
نکل پڑتے ہیں جو بچہ کے مادہ کو کافی ہو جاتے ہیں اور اس شخص کو
اسکا علم بھی نہیں ہوتا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا بھی
راز ہے جو انہوں نے بچہ کو اس شخص کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے جس نے
اس عورت کے ساتھ مس کرنے کا اقرار کیا تھا فرمایا تھا عزل اس
سے مانع نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"البتہ میں نے قصد کیا تھا کہ دودھ پلانے والی کے ساتھ جماع کرنے
سے منع کردوں پھر میں نے روم اور فارس میں نظر کی کہ وہ دودھ
پلانیوالی عورتوں کے ساتھ اس حالت میں جماع کرتے ہیں اور
ان کی اولاد کو کچھ ضرر نہیں ہوتا، اور آپ نے فرمایا خفیہ طور پر
اپنی اولاد کو قتل نہ کرو کیونکہ صحبت کی ہوئی عورت کا دودھ
گھوڑے سوار کو مل جائے تو گھوڑا اس کو گرا دیتا ہے"
میں کہتا ہوں یہ غیلہ کی کراہت کی طرف اشارہ اور وہ
حرام نہیں ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ دودھ پلانیوالی عورت سے
جماع کرنے سے دودھ بگڑ جاتا ہے اور اس سے بچہ کمزور ہو جاتا ہے

اول نسائه يدخل في جذر مزاجه، وبين
النبي صلى الله عليه وسلم انه اراد التحريم
لكونه مظنة الغالب للضرر، ثم انه لما
استقرا وجدان الضرر غير مطرد انه لا
يصلح للمظنة حتى يدار عليه التحريم
وهذا الحديث احد دلائل ما اثبتناه
من ان النبي صلى الله عليه وسلم كان
يجتهد وكان اجتهاده معرفة المصالح
والمظان وادارة التحريم والكراهية عليها
قال صلى الله عليه وسلم ان من اشر
الناس عند الله منزلة الرجل يفضي الى
امراته وتفضي اليه ثم ينشر سرها.

اقول لما كان الستر واجبا واظهار
ما اسبل عليه الستر قلبا للموضوع و
مناقضا لغرضه كان من مقتضاه ان
ينهى عنه، وايضا فاظهار مثل هذه مجانة
ووقاحة واتباع مثل هذه الدواعي يعد
النفس لتشبح الالوان الظلمانية فيها،
وكانت الملل مختلفة فيما يفعل بالحائض
فمن متعمق كاليهود يمنع مواكلتها و
مضاجعتها ومن متهاون كالمجوس يجوز
الجماع وغيره ولا يعد للحيض بالا و
كل ذلك افراط وتفريط، فراعت الملة
المصطفوية التوسط فقال اصنعوا كل
شيء الا النكاح، وذلك لمعان:
منها ان جماع الحائض لاسيما في
فور حيضتها ضار اتفق الاطباء على ذلك
ومنها ان مخالطة النجاسة خلق فاسد
تمجه الطبيعة السليمة ويقرب من

اور اول نمو میں ضعف ہونا اسکے اصل مزاج میں داخل ہو جاتا ہے
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بیان فرما دیا کہ آپ کا
ارادہ نقصان کے احتمال کے غالب ہونے سے اس کے حرام
کرنے کا تھا مگر پھر جب آپ نے تتبع فرمایا تو آپ کو معلوم ہوا کہ
یہ ضرر ہر جگہ نہیں پایا جاتا اور اس میں احتمال غالب ہونیکی بھی
صلاحیت نہیں ہے تاکہ اس پر حرمت کا حکم دائر کیا جائے اور یہ
حدیث منجملہ ان احادیث کے ہے جن سے ہم نے یہ ثابت کیا ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کیا کرتے تھے اور آپ کا اجتہاد مصالح
اور مظنات کو معلوم کر کے حرمت اور کراہت کا ان پر دائر کرنا ہوتا
تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر
اس شخص کا درجہ ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور وہ اسکے
پاس آتی ہے پھر وہ شخص اس کا راز کھولتا ہے"

میں کہتا ہوں چونکہ ستر واجب ہے اور جس چیز کا ستر کیا
گیا ہے اس کا ظاہر کرنا پردہ کے مقصود کا بدل دینا اور اس کی
مخالفت کرنا ہے اسواسطے کہ اظہار سے نہی ضروری ہوئی اور نیز
ایسی باتوں کا اظہار کرنا بیہودگی اور بے حیائی ہے اور ایسی خواہشوں
کے اتباع سے نفس میں تاریکیوں کے متمثل ہونے کی قابلیت پیدا ہوتی
ہے اور حائض کے معاملہ میں مذاہب مختلف تھے پس جو بہت زیادہ
متعمق تھے جیسے یہود تو وہ اس کے ساتھ کھانے اور ایک جگہ
سونے سے بھی منع کرتے تھے اور جو سستی برتتے تھے جیسے مجوس
تو وہ اس کے ساتھ جماع وغیرہ جائز سمجھتے تھے اور حیض کی
کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے اور ان سب میں افراط و تفریط ہے
پس ملت مصطفویہ نے توسط کی رعایت کی اور یہ فرمایا کہ سوائے
جماع کے سب کچھ کیا کرو، اور اس کی کئی وجوہات ہیں، ایک تو یہ
ہے کہ حائضہ سے جماع کرنا خاصکر جب حیض کی ترقی ہو نہایت
مضر ہے تمام اطباء کا اس پر اتفاق ہے۔

اور دوسرے یہ ہے کہ نجاست میں آلودہ ہونا
مذموم صفت ہے جس سے طبیعت سلیمہ نفرت
کرتی ہے اور یہ فعل شیاطین کے قریب کرتا ہے اور

الشياطين وفي مثل الاستنجاء حاجة، وانما المقصود من ذلك ازالتها، وفي جماع الحائض الغمس في النجاسة، وهو قوله تعالى قل هو اذى فاعتزلوا النساء في المحيض

واختلفت الرواية فيما دون الجماع فقيل يتقي شعار الدم، وقيل يتقي ما تحت الازار، وعلى الوجهين هو سد الدواعي، وجاء الامر لمن عصى الله فجامع الحائض ان يتصدق بدينار او نصف دينار وهذا ليس بمجمع عليه، وسر الكفارة ما ذكرنا مرارا۔

حقوق الزوجية

اعلم ان الارتباط الواقع بين الزوجين اعظم الارتباطات المنزلية باسرها واكثرها نفعا واتمها حاجة اذ السنة عند طوائف الناس عربهم وعجمهم ان تعاون المرأة في استيفاء الارتفاقات، وان تتكفل له بتهيئة المطعم والمشرب والملبس، وان تخزن ماله وتحضن ولده وتقوم في بيته مقامه عند غيبته الى غير ذلك مما لا حاجة الى شرحه وبيانه، فلذلك كان اكثر توجه الشرائع الى ابقائه ما امكن وتوفير مقاصده وكراهية تنغيصه وابطاله، وكل ارتباط لا يمكن استيفاء مقاصده الا باقامة الالفة ولا الفة الا بخصال يقيدان انفسهما عليها كالمواساة والعفو عما يفرط من سوء الادب والاحتراز عما يكون

استنجا وغیرہ میں یہ بات ہے کہ وہ ایک ضروری چیز ہے اور استنجا میں نجاست کا دور کرنا مقصود ہوتا ہے اور حائض سے جماع کرنا نجاست میں ڈوبنا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "آپ فرما دیجئے وہ ناپاکی ہے پس حیض کی حالت میں عورتوں سے بچتے رہو" اور جماع کے علاوہ میں روایتیں مختلف ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ خون آلودہ بالوں سے بچے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ماتحت الازار ہے اس سے بچے اور دونوں صورتوں میں دواعی جماع کا بند کرنا مقصود ہے، اور جو شخص خدا تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کر کے حائضہ سے جماع کرے تو اس کیلئے یہ حکم ہے کہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے اور یہ مسئلہ متفق علیہ نہیں ہے اور کفارہ کی حکمت وہی ہے جو ہم کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں۔

زوجیت کے حقوق کا بیان

واضح ہو کہ وہ ارتباط جو میاں بیوی کے درمیان واقع ہے خانہ داری کے تمام تعلقات سے بڑھ کر ہے اور سب سے زیادہ نافع ہے اور سب سے زیادہ اس کی طرف ضرورت ہوتی ہے اس واسطے کہ تمام عرب وعجم کے قبائل کا یہ دستور ہے کہ عورت تمام کاروبار میں مرد کی مددگار ہوتی ہے اور اس کے لئے کھانا پینا اور لباس کی تیاری میں اس کی متکفل ہوتی ہے اور اس کے مال کی حفاظت اور اس کی اولاد کی پرورش کرتی ہے اور جب وہ کہیں جاتا ہے تو گھر میں اس کی قائم مقامی کرتی ہے اور ان کے علاوہ بہت سے امور ہیں جن کی شرح اور بیان کی ہم کو حاجت نہیں اور اسی لئے اکثر توجہ شرائع کی اسی طرف ہوئی کہ حتی الامکان اس کا باقی رکھنا اور اس کے مقاصد کا پورا کرنا اور اس کے مکدر کرنے اور باطل کرنے سے بیزاری چاہتا ہے اور کسی ارتباط کے مقاصد کا پورا کرنا بغیر الفت کے ممکن نہیں ہو سکتا اور الفت بغیر اس خصلت کے جس پر وہ خاوند اور بیوی اپنے آپ مجبور نہ کریں نہیں حاصل ہو سکتی جیسے غم خواری کرنا اور بے ادبی وغیرہ کو معاف کرنا اور رنجش اور دل سوزی

سببا للضغائن وحرالصدر وا قامة الفكاهة و طلاقة الوجه ونحو ذلك فاقتضت الحكمة ان يرغب فى هذه الخصال ويحث عليها، قال صلى الله عليه وسلم استوصوا بالنساء خيرا فانهن خلقن من ضلع فان ذهبت تقيمه كسرته وان تركته لم يزل اعوج۔

اقول معناه اقبلوا وصيتى واعملوا بها فى النساء وان فى خلقهن عوجا وسوءا وهو كالامر اللازم بمنزلة ما يتوارثه الشئ من مادته، وان الانسان اذا اراد استيفاء مقاصد المنزل منها لابد ان يجاوز عن محقرات الامور ويكظم الغيظ فيما يجده خلاف هواه الا ما يكون من باب الغيرة المحمودة وتدارك الجور ونحو ذلك، وقال صلى الله عليه وسلم لا يفرك مؤمن مؤمنة ان كره منها خلقا رضى منها الآخر۔

اقول الانسان اذا كره منها خلقا ينبغى ان لا يبادر الى الطلاق فانه كثيرا ما يكون فيها خلق آخر يستطاب منها ويتحمل سوء عشرتها لذلك، قال صلى الله عليه وسلم اتقوا الله فى النساء فانكم اخذتموهن بامان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم احدا تكرهونه فان فعلن فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف

اعلم ان الواجب الاصلى هو المعاشرة بالمعروف، وهو قوله تعالى وعاشروهن

باتوں سے پرہیز کرنا اور خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا وغیرذالک، اس واسطے حکمت کا یہ مقتضی ہوا کہ ان خصائل کی ترغیب و توجہ دلائی جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اگر تو اس کو سیدھا کرنے کا قصد کریگا تو اس کو توڑ دیگا اور اگر تو اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیگا تو وہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے گی"۔

میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ میری وصیت کو قبول کرو اور عورتوں کے معاملہ میں اس پر عمل کرو اور انکی پیدائش میں کجی اور برائی ہے اور وہ مثل امر لازم کے ہو کر بمنزلہ اس چیز کے ہے جو اس کے مادہ سے حاصل ہوتی ہے، اور جب انسان خانہ داری کے تمام مقاصد اس سے حاصل کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں سے درگذر کرے اور جو بات اپنی مرضی کے خلاف پائے تو اس کو معاف کرے مگر جو غیرت محمودہ کے قبیل سے ہو یا ظلم وغیرہ امور کا بدلہ لینا ہو تو اس سے درگذر نہ کرے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی مسلمان مرد کو کسی مسلمان عورت سے بغض رکھنا نہیں چاہیئے اگر اس کی ایک عادت سے ناراض ہو تو اس کی دوسری عادت سے خوش بھی ہے"۔

میں کہتا ہوں جب انسان کو بیوی کی کوئی عادت ناپسند آئے تو اسکو مناسب ہے کہ طلاق دینے میں جلدی نہ کرے کیونکہ بسا اوقات اس میں ایسی خوبیاں ہوتی ہیں جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے اس کی بدخلقی سے تحمل کیا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورتوں کے بارے میں خدا تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ خدا کی امان پر تم نے انکو اپنے قبضہ میں لیا ہے اور حکم الہٰی کی وجہ سے تم نے انکی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو پھر اگر وہ ایسا کریں تو انکو ہلکی مار مارو اور تم پر انکا کھانا اور پہننا حسب دستور ہے"۔

واضح ہو کہ واجب اصلی وہ حسب دستور گذران کرنا ہے جیسا کہ

بالمعروف، فبينها النبي صلى الله عليه وسلم بالرزق والكسوة وحسن المعاملة ولا يمكن في الشرائع المستندة الى الوحي ان يعين جنس القوت وقدره مثلا فانه لا يكاد يتفق اهل الارض على شئ واحد ولذلك انما امر امرا مطلقا، قال صلى الله عليه وسلم اذا دعا الرجل امرأته الى فراشه فابت فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح:

اقول لما كانت المصلحة المرعية في النكاح تحصين فرجه وجب ان تحقق تلك المصلحة، فان من اصول الشرائع انها اذا ضربت مظنة لشئ سجل بما يحقق وجود المصلحة عند المظنة، وذلك ان تؤمر المرأة بمطاوعته اذا اراد منها ذلك ولو لا هذا لم يتحقق تحصين فرجه فان ابت فقد سعت في رد المصلحة التي اقامها الله في عباده فتوجه اليها لعن الملائكة على كل من سعى في فسادها، قال صلى الله عليه وسلم ان من الغيرة ما يحب الله ومنها ما يبغض الله فاما التي يحبها الله فالغيرة في الريبة واما التي يبغضها الله فالغيرة في غير الريبة:

اقول فرق بين اقامة المصلحة والسياسة التي لا بد له منها وبين سوء الخلق والضجر والضيق من غير موجب قال الله تعالى الرجال قوامون على النساء بما فضل الله الى قوله ان الله كان عليما خبيرا

اقول يجب ان يجعل الزوج قواما على امرأته وان يكون له الطول عليها بالجبلة

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:: وعاشروھن بالمعروف" پس اسکو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھلانے اور لباس دینے اور اچھا برتاؤ کرنیکے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ان شریعتوں میں جو وحی کی طرف مستند ہیں یہ ممکن نہیں کہ کھانیکی جنس اور اسکی مقدار مثلاً مقدر کردیجائے کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ تمام زمین پر رہنے والے ایک شی پر اتفاق کرلیں اس لئے مطلق حکم کیا گیا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کوئی شخص اپنی عورت کو اپنے بستر کی طرف بلائے پھر وہ آنے سے انکار کرے پھر وہ شخص غصہ کی حالت میں سوجائے تو صبح تک ملائکہ اس عورت کو لعنت کرتے رہتے ہیں"

میں کہتا ہوں چونکہ جس مصلحت کی نکاح میں رعایت کی گئی ہے وہ شرمگاہ کی حفاظت ہے اسواسطے اس مصلحت کا پایا جانا ضروری ہوا کیونکہ شرائع کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ جب وہ کسی شئی کو کسی شئی کا مظنہ قرار دیتی ہے تو وہ اس چیز کی تاکید کرتی ہے جو اس مظنہ کے وقت اس مصلحت کے وجود کو ثابت کرے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ عورت کو مرد کی فرمانبرداری کا حکم دیا جائے جسوقت کہ وہ اس عورت سے اس بات کا قصد کرے اور اگر ایسا نہ ہوا تو اسکی شرمگاہ کی حفاظت نہیں پائی گئی پس اگر اس عورت نے انکار کیا تو اس نے اس مصلحت کو رد کرنے میں کوشش کی جسکو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اندر قائم کیا تھا پس اسکی طرف فرشتوں کی وہ لعنت متوجہ ہوئی جو ہر اس شخص پر ہوتی ہے جو اس مصلحت کو فاسد کرنے میں کوشش کرتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بعض غیرت ایسی ہے جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے اور بعض غیرت ایسی ہے جس کو خدا تعالیٰ کو نفرت ہے پس وہ غیرت جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے وہ زنا کے اندر غیرت ہے اور وہ غیرت جو خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے وہ غیر زنا کے اندر غیرت ہے"

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مصلحت اور سیاست کے قائم کرنے میں جس کے بغیر چارہ نہیں ہے اور بدخلقی اور ظلم اور بغیر سبب کرنے میں فرق کردیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- الرجال قوامون على النساء بما فضل الله۔ سے ان الله كان عليما خبيرا۔ تک،

میں کہتا ہوں یہ بات ضروری ہے کہ جبلی طور سے خاوند کو بیوی پر حاکم بنایا جائے اور اس کا عورت پر دباؤ ہو

فان الزوج اتم عقلا واوفر سياسة و
اكثر حماية وذبا للعار وبالمال حيث انفق
عليها ونفقتها وكسوتها وكون السياسة بيده
يقتضي ان يكون له تعزيرها وتاديبها
اذا بغت وليأخذ بالاسهل فالاسهل،
فالاول بالوعظ، ثم الهجر بالمضجع يعني
ترك مضاجعتها ولا يخرجها من بيته، ثم
الضرب غير المبرح اي الشديد، فان اشتد
الشقاق وادعى كل نشوز الآخر وظلمه لم
يكن قطع المنازعة الا بحكمين، حكم من
اهله وحكم من اهلها يحكمان عليهما
من النفقة وغيرها ما يريان من المصلحة
وذلك لان اقامة البينة على ما يجري
بين الزوجين ممتنعة فلا احق من ان
يجعل الامر الى اقرب الناس اليهما و
اشفقهم عليهما، قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم ليس منا من خبب امرأة
على زوجها وعبدا على سيده ٭

اقول احد اسباب فساد تدبير المنزل
ان يخبب انسان المرأة او العبد وذلك
سعي في تنغيص هذا النظم وفك ومناقضة
للمصلحة الواجب اقامتها ٭

واعلم ان من باب فساد تدبير المنزل
خصالا فاشية في الناس كثيرا المبتلون
بها فلا بد ان يتعرض الشرع لها ويبحث
عنها، ومنها ان يجتمع عند رجل عدد من
النسوة فيفضل احداهن في القسم وغيره
ويظلم الاخرى ويذرها كالمعلقة، وقال الله
تعالى ولن تستطيعوا ان تعدلوا بين النساء

کیونکہ خاوند عقل میں کامل اور سیاست میں پورا اور حمایت کرنے
میں اور عار کے دفع کرنے میں خوب مضبوط ہوتا ہے اور مال کی وجہ سے
بھی اسکو حاکم بنایا جائے کیونکہ وہ اسکے روٹی کپڑے کا خرچ اٹھاتا
ہے اور مرد کے ہاتھ میں انتظام کا ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ جب
عورت سرکشی کرے تو خاوند اس کی تعزیر و تادیب کرے اور تادیب
کے طریقہ کو بتدریج اختیار کرے پس اولاً زبان سے نصیحت کرے اسکے
بعد اسکے پاس لیٹنا ترک کردے مگر اسکو گھر سے نہ نکالے پھر اگر نہ مانے
تو ہلکی مار لگائے پس اگر مخالفت بڑھتی جائے اور ہر ایک دوسرے کی
نافرمانی اور ظلم کرنے پر اتر آئے تو قطع منازعت کی یہ صورت ہے کہ دو حکم
مقرر کیے جائیں ایک خاوند کے کنبہ میں سے ہو اور ایک بیوی کے کنبہ
میں سے ہو اور وہ دونوں نفقہ وغیرہ کے متعلق خاوند بیوی میں جو
کچھ مناسب مصلحت دیکھیں فیصلہ کردیں اس واسطے کہ خاوند بیوی کے
امور میں بینہ قائم کرنا ناممکن ہے پس اس کو زیادہ مناسب کوئی صورت
نہیں ہے کہ یہ فیصلہ ان لوگوں کے سپرد ہو جو انکے قریب ترین اور انکے
حال پر سب سے زیادہ مہربان ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو
شخص بیوی کو خاوند سے برگشتہ کرے یا غلام کو مولی سے بگاڑے وہ
ہم میں سے نہیں ہے"۔

میں کہتا ہوں خانہ داری میں فساد ڈالنے کے جہاں اور
اسباب ہیں ایک سبب یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیوی کو خاوند سے اور
غلام کو مولی سے برگشتہ کردے اور یہ اس انتظام کے توڑنے اور اسکے
بگاڑنے میں کوشش کرنا اور اس مصلحت کی مخالفت کرنا ہے جس
کا قائم کرنا ضروری ہے۔

واضح ہو کہ خانہ داری کے بگاڑنے کی بہت سی خصلتیں ہیں جو
لوگوں میں پائی جاتی ہیں اور بہت سے لوگ ان میں مبتلا ہیں اس
واسطے شرع کو اس کا ذکر کرنا اور اس سے بحث کرنا ضروری ہوا،
ازاں جملہ یہ کہ ایک مرد کے پاس کئی عورتیں ہیں پس وہ شب باشی وغیرہ
امور میں ان میں سے ایک کو ترجیح دیتا ہے اور دوسروں پر ظلم کرتا ہے
اور ان کو معلق چھوڑ دیتا ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے اور تم ہرگز عورتوں میں برابری نہیں کرسکو

ولو حرصتم فلا تميلوا كل الميل فتذروها كالمعلقة وان تصلحوا وتتقوا فان الله كان غفوراً رحيماً، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط ÷

اقول قد مران المجازاة انما تظهر في صورة العمل فلا نعيده، ومنها ان يعضلهن الاولياء عمن يرغبن فيه من الاكفاء اتباعا الداعية نفسانية من حقد وغضب ونحوهما، وفي ذلك من المفسدة مالا يخفى فنزل قوله تعالى واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن، ومنها ان يتزوج اليتامى اللاتي في حجره ان كن ذوات مال وجمال ولا يفي بحقوقهن مثل ما يصنع بذوات الآباء ويتركهن ان كن على غير ذلك، قال الله تعالى وان خفتم الا تقسطوا في اليتامى فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث ورباع فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة او ما ملكت ايمانكم فنهى الانسان ان خشي الجور ان ينكح اليتامى او ينكح ذوات عدد من النساء، ومن السنة اذا تزوج البكر على امرأة اقام عندها سبعا ثم قسم واذا تزوج الثيب اقام عندها ثلاثا ثم قسم ÷

اقول السر في هذا انه لا يجوز ان يضيق في هذا الباب كل التضييق فانه لا يطيقه اكثر افراد الانسان وهو قوله

اگرچہ تم اس کی تمنا کرو بس تم بالکل جھک نہ پڑو کہ اس کو ایسا چھوڑ دو جیسے بیچ ادھر میں اور اگر بھلائی کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو تو بیشک خدا تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ انہیں انصاف نہ کرتا ہو تو قیامت کے روز اس حال میں آئیگا کہ اس کی ایک طرف جھکی ہوئی ہوگی ÷

میں کہتا ہوں یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ قیامت کو روز جزا اور سزا عمل کی صورت میں ظاہر ہوگی پس اب ہم اسکا اعادہ نہیں کرتے، اور از آں جملہ یہ ہے کہ عورتوں کے اولیاء ان کو ان مردوں کے ساتھ نکاح کرنے سے روکیں جو ان کے کفو کے ہیں اور جن کی طرف انکو رغبت ہے اور اس کا منشاء کوئی مصلحت نہ ہو بلکہ خواہش نفسانی مثلاً حسد اور بغض وغیرہ کا اتباع ہو اور اس میں ایسی خرابیاں ہیں جو ظاہر ہیں پس یہ آیت نازل ہوئی "اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پورا کر لیں تو ان کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو"، اور از آں جملہ یہ ہے کہ کوئی شخص یتیم لڑکیوں سے جو اس کی پرورش میں ہیں ان کے مال اور جمال کی وجہ سے نکاح کرے اور ان کے اس طرح سے حقوق ادا نہ کرے جیسے باپ والی عورتوں کے ادا کئے جاتے ہیں اور اگر وہ یتیم لڑکیاں ایسی نہیں ہیں تو ان سے نکاح نہ کرے، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور اگر تم کو خوف ہو کہ یتیم عورتوں میں انصاف نہ کروگے تو عورتوں میں سے انکے ساتھ نکاح کرو جو تمکو پسند ہوں دو دو تین تین اور چار چار پس اگر تمکو خوف ہو کہ تم برابری نہ کروگے تو ایک سے یا جس پر تمہارے ہاتھوں نے قبضہ کیا ہے"، پس اگر ظلم کا ڈر ہو تو انسان کیلئے منع ہے کہ وہ یتیم لڑکیوں سے یا ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرے اور جب کوئی شخص ایک بیوی موجود ہوتے کسی کنواری عورت سے نکاح کرے تو مسنون طریقہ یہ ہے کہ سات دن تک اس کے پاس رہے پھر باری باری رہا کرے اور اگر شوہر رسیدہ سے نکاح کرے تو تین روز اس کے پاس رہے پھر باری باری رہا کرے،

میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ اس امر میں زیادہ تنگی نہ کیجائے کیونکہ انسان کے اکثر افراد اس پر قابو نہیں رکھتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تعالیٰ ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم نبہ علی انہ لما لم یمکن اقامۃ العدل الصراح وجب ان یدار الحکم علی ترک الجور الصریح، فاذا رغب رجل فی امرأۃ راعجبہ حسنہا وشغف قلبہ جمالہا وکان لہ رغبۃ وافرۃ الیہا لم یمکن ان یصد عن ذلک بالکلیۃ لانہ کالتکلیف بالممتنع فقدر لہ مقدار استئثارہ لہا لئلا یزید فیقتحم فی الجور، وایضا فمن المصلحۃ المعتبرۃ تالیف قلب الجدیدۃ واکرامہا ولا یحصل الا بان یستأثر، وھو ایماء قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لام سلمۃ رضی اللہ عنہا لیس لک علی اھلک ھوان ان شئت سبعت الحدیث، واما کسر قلب القدیمۃ فقد عولج بجریان السنۃ بالزیادۃ للجدیدۃ فانہ اذا جرت السنۃ بشیٔ ولم یکن مما قصد بہ ایذاء واحد او مما خص بہ ھان وقعہ علیہ، وھو ایماء قولہ تعالیٰ ذلک ادنی ان تقر اعینہن ولا یحزن ویرضین بما اتیتہن کلہن یعنی نزول القران بالخیرۃ فی حقہن سبب زوال السخطۃ بالنسبۃ الیہ صلی اللہ علیہ وسلم، والبکر الرغبۃ فیہا اتم والحاجۃ الی تالیف قلبہا اکثر فجعل قدرہا السبع وقدر الثیب الثلاث وکان صلی اللہ علیہ وسلم یقسم بینہن واذا اراد سفرا اقرع بین نسائہ ۝

اقول وذلک فعالو حرا لصدر، والظاھر ان ذلک منہ صلی اللہ علیہ وسلم کان تبرعا واحسانا من غیر وجوب علیہ

اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کرسکو گے" اسمیں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جب خالص عدل قائم کرنا ناممکن تھا تو ضروری ہوا کہ حکم کا مدار صریح ظلم کے ترک پر رکھا جائے پس جب کسی مرد کو کسی عورت کی طرف رغبت ہو اور اسکا حُسن اسکو پسند آئے اور اس کے حسن پر اسکا دل فریفتہ ہو جائے اور اس کی طرف کثرت سے اسکو اشتیاق ہو تو یہ ناممکن ہے کہ اسکو اس سے بالکل روک دیا جائے کیونکہ یہ بمنزلہ تکلیف بالمحال کے ہے اس واسطے اسکے ترجیح دینے کی ایک مقدار مقرر کردی تاکہ وہ اس سے آگے نہ بڑھے اور جور و ظلم نہ کرے اور نیز شریعت نے اس مصلحت کا اعتبار کیا ہے کہ نئی عورت کے قلب کی تالیف ہو اور اس کی عزت کیجائے اور یہ بات اسی طرح پر حاصل ہوسکتی ہے کہ اس کو ترجیح دیجائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے جو آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا "تو اپنے خاوند کے نزدیک بے قدر نہیں ہے اگر تیری مرضی ہو تو میں سات سات روز رہا کروں" الحدیث، اور پہلی بیوی کے دل شکستہ ہونیکا آپ نے اسطرح علاج کیا کہ جدید کے لئے چند روز زیادہ کرنیکا دستور مقرر کردیا کیونکہ جب کسی بات کا دستور مقرر ہو جاتا ہے اور اس سے کسی کی ایذا یا خصوصیت مقصود نہیں ہوتی تو اس سے چنداں رنج نہیں ہوتا اور اللہ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے "اس میں امید ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں اور جو تو نے انکو دیا ہے اس سے وہ سب کی سب راضی ہو جائیں" یعنی اُن کے حق میں اختیار کے ساتھ قرآن کا نازل ہونا اس بات کا سبب ہے کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ناخوش نہیں ہوں گی، اور کنواری عورت کی طرف مرد کو زیادہ رغبت ہوتی ہے اور نیز اس کو تالیف قلب کی زیادہ ضرورت ہے اس لئے اس کے واسطے سات روز کی مقدار مقرر کی اور شوہر دیدہ کیلئے تین روز کی مقدار مقرر کی، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے پاس باری باری سے رہا کرتے تھے اور جب آپ سفر کا قصد فرماتے تھے تو ان میں قرعہ ڈالکر ایک کو ساتھ لیجاتے تھے،

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو رنجش نہ ہو اور ظاہر یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ بطور تبرع اور احسان کے ہوتا تھا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر باری واجب نہیں تھی۔

لقوله تعالى ترجي من تشاء منهن وتؤوي إليك من تشاء الآية، وأما في غيره فموضع تأمل واجتهاد، ولكن جمهور الفقهاء أوجبوا القسم واختلفوا في القرعة.

أقول وفيه أن قوله فلم يعدل مجمل لا يدرى أي عدل أريد به، وقوله تعالى فتذروها كالمعلقة مبين أن المراد نفي الجور الفاحش وإهمال أمرها بالكلية وسوء العشرة معها، وأعتقت بريرة وكان زوجها عبدًا فخيرها رسول الله صلى الله عليه وسلم فاختارت نفسها.

أقول السبب في ذلك أن كون الحرة فراشًا للعبد عار عليها فوجب دفع ذلك العار عنها إلا أن ترضى به، وأيضًا فالأمة تحت يد مولاها ليس رضاها رضا حقيقة وإنما النكاح بالتراضي فلما أن كان أمرها بيدها وجب ملاحظة رضاها، وفي رواية إن قربك فلا خيار لك، وذلك لأنه لا بد من ضرب حد ينتهي إليه الخيار وإلا كان لها الخيار طول عمرها، وفي ذلك قلب موضوع النكاح ولا يصلح اختيارها إياه بالكلام حدًا ينتهي إليه لأنها ربما تشاور أهلها وتقلب الأمر في نفسها وكثيرًا ما يجري عند ذلك صيغة الاختيار وإن لم تجزم به، وفي إلجائها أن لا تتكلم بمثلها حرج فلا أحق من القربان إذ هو فائدة الملك والشيء الذي يقصد منه والأمر الذي يتم به، والله أعلم.

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان میں سے جس کو تو چاہے مؤخر کرے اور جس کو ان میں سے چاہے اپنے پاس جگہ دے"۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسروں میں تامل اور اجتہاد کا موقع ہے مگر جمہور فقہاء نے باری مقرر کرنے کو واجب کیا ہے اور قرعہ اندازی میں انکا اختلاف ہے۔

میں کہتا ہوں اس میں یہ بات ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "فلم یعدل" مجمل ہے اور نہیں معلوم کہ اس سے کونسا عدل مراد ہے، اور یہ آیت "فتذروها کالمعلقة" اس بات کو بیان کرتی ہے کہ صریح ظلم کرنا اور بالکل اس سے کنارہ کشی کر لینا اور بد اخلاقی کے ساتھ اس سے برتاؤ کرنا ممنوع ہے اور بریرہ جس وقت آزاد کی گئی اس وقت اس کا خاوند غلام تھا پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو اختیار دیا چاہے اس کے نکاح میں رہے چاہے نہ رہے تو اس نے غلام کے نکاح میں رہنا پسند نہیں کیا اور اپنا اختیار لے لیا۔

میں کہتا ہوں اسکا سبب یہ ہے کہ حرہ کا غلام کے نیچے رہنا اس کے لئے باعث عار ہے پس اس پر اس عار کا دفع کرنا ضروری ہے، ہاں! اگر وہ راضی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اور نیز باندی اپنے مالک کے قبضہ میں ہوتی ہے اس کی رضامندی فی الحقیقت رضامندی نہیں ہوتی اور نکاح رضامندی کر ہوتا ہے پس جب آزاد ہونیکی وجہ سے اسکو اپنی جان کا اختیار ہوا تو اس کی رضامندی کا اعتبار ضروری ہوا اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے "اگر وہ تجھ سے صحبت کر لے تو پھر تجھ کو اختیار نہیں ہے" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ایسی حد کا مقرر کرنا ضروری ہے کہ اسکے بعد کچھ اختیار باقی نہ رہے ورنہ اسکو تمام عمر اختیار رہیگا اور یہ بات امر نکاح کے خلاف ہے اور اس کے اختیار کی حد کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ بسا اوقات وہ اپنے کنبہ کو مشورہ کرتی ہے اور کبھی خود اپنے متعلق فکر کرتی ہے اور بسا اوقات ایسے موقع پر اختیار کے کلمات بولے جاتے ہیں مگر ان میں پختگی نہیں ہوتی اور اس کو اس بات کی تاکید کرنے میں کہ وہ زبان سے ایسی بات نہ نکالے جو اسکیلئے باعث دقت ہو پس حد مقرر کرنے کیلئے صحبت کر زیادہ کوئی چیز مناسب نہیں ہے کیونکہ صحبت کرنا ہی ملک کا فائدہ ہے اور ملک سے صحبت کرنا ہی مقصود ہے اور اسی سے امر پورا ہو جاتا ہے، واللہ اعلم۔

الطلاق

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ سألت زوجها طلاقا من غیر بأس فحرام علیها رائحۃ الجنۃ، وقال صلی اللہ علیہ وسلم ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔

اعلم ان فی الاکثار من الطلاق وجریان الرسم بعدم المبالاۃ بہ مفاسد کثیرۃ و ذلک ان ناسا ینقادون لشهوۃ الفرج ولا یقصدون اقامۃ تدبیر المنزل ولا التعاون فی الارتفاقات ولا تحصین الفرج، وانما مطمح ابصارهم التلذذ بالنساء وذوق لذۃ کل امرأۃ فیهیجهم ذلک الی ان یکثروا الطلاق والنکاح ولا فرق بینهم وبین الزناۃ من جهۃ ما یرجع الی نفوسهم، وان تمیزوا عنهم باقامۃ سنۃ النکاح والموافقۃ للسیاسۃ المدنیۃ، وهو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الذواقین والذواقات وایضا ففی جریان الرسم بذلک اهمال لتوطین النفس علی المعاونۃ الدائمۃ او شبہ الدائمۃ، وعسی ان فتح هذا الباب ان یضیق صدرہ او صدرها فی شیٔ من محقرات الامور فیندفعان الی الفراق واین ذلک من احتمال اعباء الصحبۃ والاجماع علی ادامۃ هذا النظم؟ و ایضا فان اعتیادهن بذلک وعدم مبالاۃ الناس بہ وعدم حزنهم علیہ یفتح باب الوقاحۃ وان لا یجعل کل منهما ضرر الاٰخر ضرر نفسہ وان تخون کل واحد الاٰخر یهیئ لنفسہ

طلاق کا بیان

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو عورت بغیر کسی ضرورت شدیدہ کے اپنے خاوند سے طلاق چاہے تو اس پر جنت کی بو حرام ہے" اور آپ نے فرمایا "خدا تعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے"۔

واضح ہو! طلاق کی کثرت میں اور بے پروائی کے ساتھ طلاق کا طریقہ جاری ہونے میں بڑی خرابیاں ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ بہت سے لوگ شہوت نفس کے پابند ہوتے ہیں اور انکو امور خانہ داری کا قائم کرنا مقصود نہیں ہوتا اور نہ ہی ارتفاقات ضروریہ میں باہمی تعاون مقصود ہوتا ہے اور نہ ان کا مقصود شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے بلکہ انکا مطمح نظر عورتوں سے لذت حاصل کرنا اور ہر عورت کا مزہ چکھنا ہوتا ہے پس یہ بات کثرت سے نکاح کرنے اور طلاق دینے پر ان کو آمادہ کرتی ہے پس ان میں اور زنا کرنیوالوں میں اس امر میں جو ان کے دلوں کی طرف عود کرتا ہے کوئی فرق نہیں ہے اگرچہ سنت نکاح کے قائم کرنے اور سیاست مدنیہ کی موافقت میں زنا کرنیوالوں سے علیحدہ معلوم ہوتے ہیں چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مزہ چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں پر خدا کی لعنت ہے"۔ اور نیز اس رسم کے جاری ہونے میں معاونت دائمی یا قریب دائمی پر نفس کے پابند کرنے کو ترک کرنا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اگر اس باب میں وسعت دی جائے تو خاوند یا بیوی کا دل ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں تنگ آکر ایک دوسرے سے جدائی کا قصد کرے اور اس بات کو صحبت کا بوجھ اٹھانے اور ہمیشہ کے لئے خانگی انتظام پر دل لگانے سے کیا نسبت ہے اور نیز عورتوں کا ان باتوں کے ساتھ عادی ہو جانا اور مردوں کا ان باتوں کی پرواہ نہ کرنا اور ان پر کچھ افسوس نہ کرنا بے حیائی کے دروازہ کو کھولتا ہے، اور نیز ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ضرر کو اپنا ضرر نہیں سمجھے گا اور جدائی کا خیال کر کے اپنے لئے تیاری میں مصروف ہو جائے گا اور اس میں بڑی بڑی قباحتیں ہیں جو ظاہر ہیں لیکن انکے

ان وقع الافتراق. وفی ذلک مالایخفی، و
مع ذلک لا یمکن سد هذا الباب والتضییق
فیه فانه قد یصیر الزوجان متناشزین
اما لسوء خلقهما او لطموح عین احدهما
الی حسن انسان آخر او لضیق معیشتهما
او لخرق واحد منهما ونحو ذلک من الاسباب
فیکون ادامة هذا النظم مع ذلک بلاء ا
عظیما وحرجا، قال صلی الله علیه وسلم
رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ
وعن الصبی حتی یبلغ وعن المعتوه حتی
یعقل ÷

اقول السر فی ذلک ان مبنی جواز
الطلاق بل العقود کلها علی المصالح
المقتضیة لها والنائم والصبی والمعتوه
بمعزل عن معرفة تلک المصالح، قال
صلی الله علیه وسلم لا طلاق ولا اعتاق
فی اغلاق معناه فی اکراه، اعلم ان السبب
فی هدر طلاق المکره شیئان، احدهما
انه لم یرض به ولم یرد فیه مصلحة
منزلیة وانما هو لحادثة لم یجد منها
بدا فصار بمنزلة النائم، وثانیهما انه
لو اعتبر طلاقه طلاقا لکان ذلک فتحا
لباب الاکراه فعسی ان یختطف الجبار
الضعیف من حیث لا یعلم الناس و
یخیفه بالسیف ویکرهه علی الطلاق
اذا رغب فی امرأته فلو خیبنا رجاءه
وقلبنا علیه مراده کان ذلک سببا لترک
تظالم الناس فیما بینهم بالاکراه، و
نظیره ما ذکرنا فی قوله صلی الله علیه و

باوجود اس باب کا بالکل بند کرنا اور اس میں تنگی کرنا بھی ممکن
نہیں ہے کیونکہ کبھی خاوند بیوی میں مخالفت پیدا ہوجاتی ہے
جو یا تو ان دونوں کی بدخلقی سے یا ان دونوں میں سے کسی ایک کا
اجنبی انسان کے حسن کی طرف رغبت کرنے سے یا رزق کی تنگی کی وجہ
سے یا دونوں میں سے کسی کی حماقت اور اسی قسم کے دیگر اسباب کی
وجہ سے ہوجاتی ہے پس ان قباحتوں کے ساتھ ساتھ اس جوڑے
کے نظم کا ہمیشہ باقی رکھنا بلائے عظیم اور حرج ہے، نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "تین اشخاص سے قلم اٹھا لیا ہے: سونے والے
سے جبتک بیدار ہو لڑکے سے جب تک بالغ ہو اور ناقص العقل
سے جبتک عاقل ہو:

میں کہتا ہوں اس امر میں راز یہ ہے کہ طلاق کا جواز، بلکہ تمام
معاملات کی بنیاد ان مصالح پر ہے جو ان کا تقاضا کرتے ہیں
اور سونے والا اور لڑکا اور بے عقل ان مصالح کے جاننے سے
بالکل عاری ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "طلاق
اور عتاق اغلاق میں نہیں ہوتا" یعنی حالت اکراہ میں
نہیں ہوتا۔

واضح ہو کہ حالت اکراہ کی طلاق کے باطل ہونے کی دو وجہ ہیں
ایک یہ ہے کہ وہ اس طلاق سے راضی نہیں ہے اور اس نے کسی
مصلحت منزلیہ کا ارادہ نہیں کیا بلکہ لاچاری کی حالت میں یہ امر
واقع ہوا ہے پس اس کی حالت سونے والے کی سی ہے، دوسرے
یہ ہے کہ اگر اس کی طلاق کا اعتبار کر لیا جائے تو اس سے اکراہ
کا دروازہ کھلتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ زبردست آدمی کمزور کو
لوگوں سے خفیہ طور پر پکڑ کر لیجائے اور اس کو تلوار سے ڈرا کر
طلاق پر مجبور کر دے جس وقت کہ اس کو اس کی بیوی کی طرف
رغبت ہو، پس اگر ہم اس کی امید کو منقطع کر دیں اور اس
کی مراد کو اس پر واپس کر دیں تو وہ لوگوں کے درمیان
بذریعہ اکراہ باہم ظلم کے ترک کا سبب ہو جائے گا
اور اس کی نظیر وہ ہے جو ہم نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کے اس قول میں بیان کر چکے ہیں :-

وسلم القاتل لا يرث، وقال صلى الله عليه وسلم لا طلاق فيما لا يملك وقال عليه السلام لا طلاق قبل النكاح ؛

اقول الظاهر انه يعم الطلاق المنجز والمعلق بنكاح وغيره، والسبب في ذلك ان الطلاق انما يجوز للمصلحة والمصلحة لا تتمثل عنده قبل ان يملكها ويرى منها سيرتها فكان طلاقها قبل ذلك بمنزلة نية المسافر الاقامة في المفازة او الغازي في دار الحرب مما تكذبه دلائل الحال، وكان اهل الجاهلية يطلقون ويراجعون الى متى شاؤا وكان في ذلك من الاضرار ما لا يخفى، فنزل قوله تعالى الطلاق مرتان الآية معناه ان الطلاق المعقب للرجعة مرتان فان طلقها الثالثة فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره، والحقت السنة ذوق العسيلة بالنكاح، والسر في جعل الطلاق ثلاثا لا يزيد عليها انها اول حد كثرة ولانه لا بد من تروّ، ومن الناس من لا يتبين له المصلحة حتى يذوق فقدها فاصل التجربة واحدة ويكملها اثنتان واما اشتراط النكاح بعد الثالثة فللتحقيق معنى التحديد والانهاء، وذلك انه لو جاز رجوعها اليه من غير تخلل نكاح الآخر كان ذلك بمنزلة الرجعة ثان نكاح المطلقة احدى الرجعتين، وان المرأة ما دامت في بيته وتحت يده وبين ظهراني اقاربه يمكن ان يغلب على رأيها

"قاتل وارث نہیں ہوتا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کا انسان مالک نہیں اس میں طلاق نہیں ہوسکتی" اور آپ نے فرمایا "نکاح سے قبل طلاق نہیں ہوتی"۔

میں کہتا ہوں یہ قول بظاہر طلاق منجز اور معلق جو نکاح کے ساتھ معلق ہو یا کسی اور چیز کے ساتھ معلق ہو دونوں کو شامل ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ طلاق مصلحت کی وجہ سے جائز کی گئی ہے اور اس شخص کو اس عورت کا مالک بننے سے پہلے اس کی سیرت دیکھنے سے پہلے مصلحت معلوم نہیں ہوسکتی پس مالک بننے سے پہلے اسکو طلاق دینا ایسا ہے جیسے کوئی مسافر کسی جنگل میں اقامت کی نیت کرے یا کوئی مجاہد دار الحرب میں کہ قرائن حالیہ خود ان کی تکذیب کر رہے ہیں، اور اہل جاہلیت جس قدر چاہتے تھے طلاقیں دیکر رجوع کر لیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اسمیں عورت پر بہت بڑا ظلم تھا پس اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا "طلاق دو مرتبہ ہے" الآیۃ، اس کے معنی یہ ہیں کہ طلاقیں جن کے بعد رجعت ہوسکتی ہے دو ہیں بس اگر وہ اس عورت کو تیسری طلاق دیدے تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہوتی یہانتک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے اور سنت نے اس چیز کو زیادہ کیا کہ تنہا نکاح کافی نہیں ہے بلکہ شوہر جدید کا جماع کرنا بھی شرط ہے، اور تین کے اندر طلاق کے محدود ہونے میں کہ اس پر زیادتی نہیں ہے یہ راز ہے کہ وہ کثرت کی شروع حد ہے اور نیز اس میں غور و فکر بھی ضروری ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو کچھ مصلحت معلوم نہیں ہوتی حتی کہ وہ قبضہ سے عورت کے نکلنے کا مزہ چکھ لیتے ہیں اور تجربہ کرنا اسواسطے اصل یک مرتبہ ایک چیز کو عمل میں لانا ہے اور دو سے تجربہ کی تکمیل ہو جاتی ہے اور تیسری طلاق کے بعد نکاح کا شرط ہونا اس وجہ سے کہ تحدید اور انتہاء کے کیونکہ اگر بغیر دوسرے نکاح کے اس عورت کا خاوند کیطرف لوٹنا درست قرار دیا جاتا تو وہ بمنزلہ رجعت کے ہوتا سو اسواسطے کہ مطلقہ سے نکاح کرنا بھی ایک قسم کی رجعت ہے اور عورت جبتک اپنے خاوند کے گھر میں اور اسکے قبضہ میں اور اس کے اقارب کے سامنے رہتی ہے تو ممکن ہے کہ خاوند عورت کی رائے پر غالب آ جائے

وتنظر الى رضا ما يسوّلون لها فاذا فارقتهم
وذاقت الحر والقرّ ثم رضيت بعد ذلك فهو
حقيقة الرضا، وايضا ففيه اذاقة الفقد
ومعاقبة على اتباع داعية الضجر من غير
تروى مصلحة مهمة، وايضا ففيه اعظام
الطلقات الثلاث بين اعينهم وجعلها
بحيث لا يبادر اليها الا من وطن نفسه على
ترك الطمع فيها الا بعد ذل وارغام انف
لامزيد عليه. وقال صلى الله عليه وسلم
لامرأة رفاعة حين طلقها فبت طلاقها
فنكحت زوجا غيره اتريدين ان ترجعي
الى رفاعة؟ قالت نعم، قال لا حتى تذوقي
عسيلته ويذوق عسيلتك؛

اقول انما شرط تمام النكاح بذوق
العسيلة ليتحقق معنى التحديد الذى
ضرب عليهم فانه لولا ذلك لاحتال رجل
باجراء صيغة النكاح على اللسان، ثم يطلق
فى المجلس وهذا مناقضة لفائدة التحديد
ولعن رسول الله صلى الله عليه وسلم
المحلل والمحلل له؛

اقول لما كان من الناس من ينكح
لمجرد التحليل من غير ان يقصد منها
تعاونا فى المعيشة ولا يتم بذلك المصلحة
المقصودة، وايضا ففيه وقاحة واهمال
غيرة وتسويغ ازدحام على الموطوأة من
غير ان يدخل فى تضاعيف المعاونة
نهى عنه، وطلق عبد الله بن عمر رضى الله
عنهما امرأته وهى حائض وذكر ذلك
للنبى صلى الله عليه وسلم فتغيظ وقال

اور لاچار ہوکر اس چیز کو پسند کرے جس کو وہ لوگ اس عورت
سامنے بیان کرتے ہیں لیکن جب وہ ان سے جدا ہوکر گرمی سردی ک
مزہ چکھتی ہے پھر اس کے بعد اس شخص سے راضی ہوتی ہے تو و
حقیقی رضامندی ہے اور نیز اس میں جدائی کا مزہ چکھانا اور بغیر
کسی ضروری مصلحت کو سوچے سمجھے خواہش نفسانی کی پیروی کر
کی سزا دینا ہے اور نیز اس میں تین طلاق دی ہوئی عورتوں کا
کی نظروں میں عزت دینا ہے اور اس بات کا جتلانا ہو کہ تین طلاق
کی طرف وہی شخص جرأت کرسکتا ہے جو ذلت اور حد سے زیادہ بے
کے بعد اپنے نفس کو اس کے بارے میں ترک طمع پر قائم کرلے اور
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے رفاعہ کی بیوی سے فرمایا تھا جس وقت
رفاعہ نے اس کو طلاق دیدی تھی اور اس کو طلاق مغلظہ کرد
تھا اور اس نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا تھا "کیا تو رفاعہ
پاس پھر آنا چاہتی ہے تو اس نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرما
نہیں یہانتک کہ تو اس کا اور وہ تیرا مزہ چکھ لے"

میں کہتا ہوں نکاح کے تمام ہونے کے لئے لذت حاصل کرنے
اس لئے آپ نے شرط کیا تاکہ اس تحدید کے معنی جس کو خدا تعا
نے ان کے لئے مقرر کیا ہے متحقق ہو جائیں کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو کو
شخص یہ حیلہ کرسکتا ہے کہ زبانی نکاح کرا کر اسی مجلس میں دوسر
خاوند سے طلاق دلوائے اور یہ تحدید کے فائدہ کو منافی ہے او
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے پر اور اس شخص پر جس
لئے وہ حلالہ کرتا ہے لعنت کی ہے"

میں کہتا ہوں چونکہ بہت سے لوگ محض حلالہ کی غرض سے
نکاح کرتے ہیں اور اس نکاح سے ان کی غرض معیشت میں
کرنا نہیں ہوتا اور اس سے وہ مصلحت پوری نہیں ہوتی جو نکاح
مقصود ہے اور نیز اس میں بے حیائی اور بے غیرتی ہے اور بلا
بات کے کہ معاونت میں کچھ زیادتی ہو ایک عورت پر کئی مرد
کے جمع ہونے کو جائز رکھنا ہے اس واسطے آپ نے اس سے منع فرمایا، اور
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق د
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا ذکر کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فر

ليراجعها ثم ليمسكها حتى تطهر ثم تحيض ثم تطهر فان بدا له ان يطلقها فليطلقها طاهراً قبل ان يمسها ؛

اقول السر في ذلك ان الرجل قد يبغض المرأة بغضة طبيعية ولا طاعة لها مثل كونها حائضا، وفي هيئة رثة وقد يبغضها لمصلحة يحكم باقامتها العقل السليم مع وجود الرغبة الطبيعية وهذه هي المتبعة واكثر ما يكون الندم في الاول وفيه يقع التراجع، وهذه داعية يتوقف تهذيب النفس على اهمالها وترك اتباعها وقد يشتبه الامران على كثير من الناس فلا بد من ضرب حد يتحقق به الفرق فجعل الطهر مظنة الرغبة الطبيعية والحيض مظنة للبغضة الطبيعية والاقدام على الطلاق على حين رغبة فيها مظنة للمصلحة العقلية والبقاء مدة طويلة على هذا الخاطر مع تحول الاحوال من حيض الى طهر ومن رثاثة الى زينة ومن انقباض الى انبساط مظنة العقل الصراح والتدبير الخالص، فلذلك حرم الطلاق في الحيض وامر بالمراجعة وتخلل حيض جديد، وايضاً فان طلقها في الحيض فان عدت هذه الحيضة في العدة انتقصت مدة العدة، وان لم تعد تضررت المرأة بطول العدة سواء ان المراد بالقروء الاطهار او الحيض ففي كل ذلك مناقضة للحد الذي ضربه الله في محكم كتابه من ثلاثة قروء، وانما امر ان

تو اس سے رجوع کرے پھر اس کو رکھ چھوڑے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر اس کو حیض آئے اور پھر وہ پاک ہو پس اگر اس کو طلاق دینا مناسب سمجھے تو ہاتھ لگانے سے پیشتر پاکی کی حالت میں طلاق دے،

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ آدمی کو کبھی اپنی عورت سے طبعی طور پر نفرت ہو جاتی ہے اور ایسی نفرت ماننے کے قابل نہیں ہوتی جیسے اس کا حائضہ ہونا اور گرد و غبار میں آلودہ رہنا اور کبھی اس مصلحت کے سبب سے اپنی عورت سے نفرت کرتا ہے جس کے قائم کرنے کا عقل سلیم حکم کرتی ہے باوجودیکہ دل میں رغبت طبعی ہوتی ہے اور یہ نفرت ماننے کے قابل ہے اور اکثر پہلی صورت میں ندامت ہوتی ہے اور اس میں رجوع کرنے کا اتفاق ہوتا ہے اور یہ ایسی خواہش ہے جس کے ترک کرنے پر تہذیب نفس موقوف ہے اور کبھی یہ دونوں قسم کی نفرتیں بہت سے لوگوں پر مشتبہ ہو جاتی ہیں اس واسطے ایسی حد کا مقرر کرنا ضروری ہوا جس سے فرق ثابت ہو جائے پس طہر کو رغبت طبعی کا مظنہ اور حیض کو نفرت طبعی کا مظنہ اور باوجود رغبت طبعی کے طلاق پر اقدام کرنا مصلحت عقلیہ کا مظنہ اور مدت دراز تک دل میں یہی خیال باقی رہنا باوجودیکہ اس کے حالات بدلتے رہے ہیں کہ وہ کبھی حیض سے پاک ہوئی اور آراستہ ہوئی اور انقباض سے انبساط کی طرف ہوئی عقل صریح اور تدبیر خالص کا مظنہ ہے اس واسطے حیض میں طلاق دینا مکروہ ہوا، اور مراجعت اور حیض جدید کے درمیان میں آنے کے انتظار کا حکم ہوا،

اور نیز اگر وہ عورت کو حیض میں طلاق دے پس اگر یہ حیض بھی عدت میں شمار کیا جائے تو عدت کی مدت کم ہوتی ہے اور اگر شمار نہ کیا جائے تو عدت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے عورت کو ضرر پہنچتا ہے خواہ قروء سے طہر مراد لی جائے یا حیض پس ہر صورت میں وہ حد ٹوٹتی ہے جس کو اللہ تعالے نے اپنی کتاب محکم میں تین قروء کے ساتھ معین کیا ہے۔

اور طہر کے اندر جماع کرنے سے

يكون الطلاق في الطهر قبل ان يمسها لمعنيين احدهما بقاء الرغبة الطبيعية فيها فانه بالجماع تفتر سورة الرغبة، وثانيهما ان يكون ذلك ابعد من اشتباه الانساب، وانما امر الله تعالى باشهاد شاهدين على الطلاق لمعنيين احدهما الاهتمام بامر الفروج لئلا يكون نظم تدبير المنزل ولا فكه الا على اعين الناس، والثاني ان لا تشتبه الانساب ان لا يتواضع الزوجان من بعد نيهملا الطلاق، والله اعلم ؛

قبل طلاق دینے کا حکم دو وجہ سے ہوا ایک تو یہ کہ اس میں رغبت طبعیہ کا باقی رکھنا ہے کیونکہ جماع کرنے سے رغبت کا علو کم ہوجاتا ہے دوسرے یہ ہے کہ اس صورت میں انساب میں اشتباہ نہیں رہتا، اور اللہ تعالی نے طلاق پر دو گواہ قائم کرنیکا حکم دو سبب سے دیا ایک تو معاملہ صحبت داری میں اہتمام کرنا ہے تاکہ تدبیر منزل کا قائم ہونا اور اس کا منقطع ہونا لوگوں کے سامنے پایا جائے اور دوسرے یہ ہے کہ انساب میں اشتباہ باقی نہ رہے اور طلاق دینے کے بعد خاوند بیوی باہم نہ ملیں اور طلاق کی پروا نہ کریں، واللہ اعلم ؛

وكره ايضا جمع الطلقات الثلاث في طهر واحد، وذلك لانه اهمال للحكمة المرعية في شرع تفريقها فانها شرعت ليتدارك المفرط ولانه تضييق على نفسه وتعرض للندامة، واما الطلقات الثلاث في ثلاثة اطهار فايضا تضييق ومظنة ندامة غير انها اخف من الاول من جهة وجود التروي والمدة التي تتحول فيها الاحوال وربما تكون مصلحته في تحريمها مغلظا ؛

اور ایک طہر میں تین طلاق دینا بھی مکروہ کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اس حکمت کا ترک لازم آتا ہے جس کی رعایت سے بار بار طلاق دینے میں کی گئی ہے کیونکہ طلاقوں کی تفریق اس لئے مشروع کی گئی ہے کہ اگر کسی سے کوتاہی ہوجائے تو اس درمیان میں وہ اس کا تدارک کرلے، اور نیز جمع کرنے میں اپنے نفس پر تنگی کرنا اور ندامت کا لینا ہے، اور تین طہروں میں تین طلاقیں دینا بھی تنگی اور ندامت کا محل ہے مگر پہلی صورت سے کم ہے اس وجہ سے کہ اس میں غور کرنے کا موقع اور اتنا عرصہ مل جاتا ہے جس میں حالتیں بدلتی رہتی ہیں اور بہت سے لوگوں کی مصلحت حرمت مغلظ کے ثابت کرنے ہی میں ہوا کرتی ہے ؛

الخلع والظهار واللعان والايلاء

خلع اور ظہار اور لعان اور ایلاء کا بیان

اعلم ان الخلع فيه شناعة ما لان الذي اعطاه من المال قد وقع في مقابلة المسيس وهو قوله تعالى وكيف تأخذونه وقد افضى بعضكم الى بعض واخذن منكم ميثاقا غليظا، واعتبر النبي صلى الله عليه وسلم هذا المعنى في اللعان حيث قال ان صدقت عليها فهو بما استحللت من فرجها، ومع ذلك فربما تقع الحاجة

واضح ہو کہ خلع کے اندر کسی قدر قباحت پائی جاتی ہے کیونکہ خاوند نے بیوی کو جو مال دیا ہے وہ جماع کے بدلے میں ہو جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے "اور تم دیا ہوا مال کیسے واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کرچکے ہو اور وہ تم سے عہد واثق بھی لے چکی ہیں" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے لعان کے اندر اسی معنی کا اعتبار کرکے فرمایا "اگر تو نے کچھ دیا ہے تو یہ اس کے عوض میں ہے جو تو نے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا ہے" اور اس کے باوجود خلع کی حاجت پڑتی ہے جیسا کہ

فی ذلك فذلك قوله تعالى فلا جناح عليهما
فيما افتدت به. وكان اهل الجاهلية يحرمون
ازواجهم ويجعلونهن كظهر الام فلا
يقربونهن بعد ذلك ابدا، وفي ذلك
من المفسدة ما لا يخفى فلا هي حظية
تتمتع منه كما تتمتع النساء من
ازواجهن ولا هي ايم يكون امرها
بيدها، فلما وقعت هذه الواقعة في
زمان النبي صلى الله عليه وسلم
استفتي فيها انزل الله عز وجل قد سمع
الله قول التي تجادلك في زوجها الى قوله
عذاب اليم، والسر فيه ان الله تعالى
لم يجعل قولهم ذلك هدرا بالكلية لانه
امر الزمه على نفسه واكد فيه القول
بمنزلة سائر الايمان ولم يجعله مؤبدا
كما كان في الجاهلية دفعا للحرج الذي
كان عندهم وجعله مؤقتا الى كفارة
لان الكفارة شرعت دافعة للآثام
ناهية لما يجده المكلف في صدره،
اكون هذا القول زورا فلان الزوجة
ليست بام حقيقة ولا بينهما مشابهة
ومجاورة تصحح اطلاق اسم احدهما
على الاخرى ان كان خبرا او هو عقد ضار
غير موافق للمصلحة ولا مما اوحاه الله
في شرائعه ولا مما استنبطه ذوو الرأي
من اقطار الارض ان كان انشاء، واما
انه منكرا فلانه ظلم وجور وتضييق
على من امر بالاحسان اليه وانما جعلت
كفارة عتق رقبة او اطعام ستين

تعالیٰ فرماتا ہے" پس ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اگر عورت
خاوند سے رہائی پانے کے بدلہ میں کچھ دے ڈالے"!
اور اہل جاہلیت اپنی بیویوں کو حرام کر لیا کرتے تھے اور انکو
بمنزلہ اپنی ماں کی پشت کے قرار دے لیا کرتے تھے پس اس کے
بعد پھر کبھی ان کے پاس نہیں جاتے تھے اور اس میں جس قدر خرابی
تھی وہ ظاہر ہے کیونکہ وہ عورت نہ تو مرغوب ہوتی تھی کہ خاوند سے
نفع اٹھائے جس طرح اور عورتیں اپنے خاوندوں سے نفع اٹھاتی
ہیں اور نہ وہ بیوہ ہوتی تھی کہ اس کو اپنی جان کا اختیار حاصل ہو
پس جب ایسا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا
اور اس کے بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ
آیت نازل فرمائی "بلاشک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی گفتگو سن لی
جو اپنے خاوند کے بارے میں تجھ سے جھگڑا کرتی ہے" عذاب الیم" تک، اور
اس میں راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو بالکل لغو بھی نہیں
ٹھہرایا کیونکہ وہ ایک امر ہے جس کو خاوند نے اپنے نفس پر لازم کیا ہے اور
اس میں ایسی پختہ بات منہ سے نکالی ہے جو اور قسموں میں ہوا کرتی ہے
اور اس کو ہمیشہ کے لئے بھی نہیں کیا جس طرح اہل جاہلیت کیا کرتے
تھے تاکہ وہ جرم دفع ہو جائے جس میں وہ گرفتار تھے اور کفارہ تک
اس کو موقت رکھا کیونکہ کفارہ گناہوں کے دور کرنے کے لئے
اور اس چیز سے روکنے کے لئے جو مکلف کے دل میں پیدا
ہوتی ہے مقرر کیا گیا ہے لیکن اس قول کا جھوٹ ہونا سو اس کی وجہ
یہ ہے کہ بیوی نہ تو فی الحقیقت ماں ہوتی ہے اور نہ ان دونوں میں
مشابہت یا مجاورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایک کا اطلاق دوسرے
پر صحیح ہو یا اس تقدیر پر ہے کہ اگر اس کو خبر کہا جائے اور وہ عقد
مضر اور مصلحت کے ناموافق ہے اور نہ خدا تعالیٰ نے اپنی شریعتوں
میں اس کو وحی کے ذریعہ بیان فرمایا ہے اور نہ روئے زمین کے دانشمندوں
نے اس کو مستنبط کیا ہے اگر اسکو انشاء کے قبیل سے کہا جائے لیکن اسکا
منکر اور بری بات ہونا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک طرح کا ظلم اور جور اور
جسکے ساتھ احسان کرنیکا حکم ہے اس پر تنگی کرنا ہے، اور ظہار کا کفارہ
ایک غلام کا آزاد کرنا یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا یا پے درپے

مسكينا او صيام شهرين متتابعين لان مقاصد الكفارة ان يكون بين عيني المكلف ما يكبحه عن الاقتحام فی الفعل خشية ان يلزمه ذلك ولا يمكن ذلك الا بكونها طاعة شاقة تغلب على النفس اما من جهة كونها بذل مال يشح به او من جهة مقاساة جوع وعطش مفرطين

قال الله تعالى للذين يؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر الآية ؛

اعلم ان اهل الجاهلية كانوا يحلفون ان لا يطاؤا ازواجهم ابدا او مدة طويلة وفی ذلك جور وضرر فقضى الله تعالى بالتربص اربعة اشهر فان فاءوا فان الله غفور رحيم، واختلف العلماء فی الفئ فقيل يوقف المولى بعد مضی اربعة اشهر ثم يجبر على التسريح بالاحسان او الامساك بالمعروف، وقيل يقع الطلاق ولا يوقف اما السر فی تعيين هذه المدة فانها مدة تتوق النفس فيها الجماع لا محالة ويتضرر بتركه الا ان يكون مؤفا، ولان هذه المدة ثلث السنة والثلث يضبط به اقل من النصف، والنصف يعد مدة كثيرة، قال الله تعالى والذين يرمون ازواجهم ولم يكن لهم شهداء، الآية

واستفاض حديث عويمر العجلانی وهلال بن امية ؛

اعلم ان اهل الجاهلية كانوا اذا قذف الرجل امرأته وكان بينهما فی ذلك مشاقة رجعوا الى الكهان كما كان فی قصة

دو مہینوں کے روزے رکھنا اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ کفارہ سے غرض یہ ہے کہ مکلف کے سامنے ایک ایسی چیز ہونی چاہئے جو اس فعل کے ارتکاب سے اس کو باز رکھے اور ارتکاب کی صورت میں اس چیز کے لازم ہونے کا اس کو خوف ہو اور یہ بات بغیر اس کے ممکن نہیں کہ وہ کفارہ کوئی سخت عبادت ہو جو نفس کو مغلوب کرے یا تو اس وجہ سے کہ اس میں اس قدر مال صرف کرنا پڑتا ہے جو نفس پر بہت شاق ہو یا اس میں بھوک و پیاس کی تکلیف بہت زیادہ اٹھانی پڑتی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کو چار ماہ رکنا ہے"۔

واضح ہو کہ اہل جاہلیت قسم کھا لیا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ ہمیشہ یا مدت دراز تک صحبت نہیں کریں گے اور اس میں عورتوں پر ظلم اور ضرر تھا پس اللہ تعالیٰ نے چار مہینہ تک رکنے کا حکم دیا "پھر اگر وہ رجوع کریں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے" اور رجوع کرنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے ایلاء کرنیوالے کو چار ماہ گذرنے کے بعد روک دیا جائے پھر اس پر جبر کیا جائے کہ یا تو بھلائی کے ساتھ اسکو چھوڑ دے یا حسب دستور اسکو نکاح میں رکھ لے، اور بعض نے کہا ہے کہ چار ماہ گذرتے ہی اس پر طلاق پڑ جائے گی اور اسکو روکا نہیں جائے گا اور اس مدت کے معین کرنے میں یہ راز ہے کہ اتنی مدت میں ضرور نفس کو جماع کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور ترک جماع سے ضرر ہوتا ہے جبکہ وہ بیمار نہ ہو اور نیز یہ مدت سال کا ایک تہائی حصہ ہے اور نصف سے کم کا انضباط ایک تہائی سے ہوتا ہے اور نصف زیادہ مدت شمار کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں اور ان کے لئے گواہ نہیں ہوتے" الآیۃ، اور اس میں حضرت عویمر عجلانی اور ہلال بن امیہ کی حدیث مشہور ہے۔

واضح ہو کہ اہل جاہلیت میں سے جب کوئی مرد اپنی بیوی کو کسی کیطرف منسوب کرتا تھا اور ان دونوں کے درمیان اس امر میں تنازعہ ہوتا تھا تو وہ کاہنوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے جیسا کہ ہند بنت عتبہ

هند بنت عتبة فلما جاء الاسلام امتنع ان يسوغ لهم الرجوع الى الكهان لان مبنى الملة الحنيفية على تركها واخمالها ولان فى الرجوع اليهم من غير ان يعرف صدقهم من كذبهم ضررا عظيما، وامتنع ان يكلف الزوج باربعة شهداء والاضرب الحد لان الزنا انما يكون فى الخلوة وبغيرة الزوج ما فى بيته ويقوم عنده من المخايل ما لا يمكن ان يعرفه غيره، ومنع ان يجعل الزوج بمنزلة سائر الناس يضربون الحد لانه مامور شرعا وعقلا بحفظ ما فى حيزه من العار والشنار مجبول على غيرة ان يزاحمه احد فى عصمته، ولان الزوج اقتضى ما يقطع به الريبة ويطلب به تحصين فرجها فلو كان هو فيما يؤاخذ به بمنزلة سائر الناس ارتفع الامان وانقلبت المصلحة مفسدة، وكان النبى صلى الله عليه وسلم لما وقعت الواقعة مترددا فتارة لا يقضى بشئ لاجل هذه المعارضات، وتارة يستنبط حكمه مما انزل الله عليه من القواعد الكلية، فيقول البينة والا حد فى ظهرك حتى قال المبتلى والذى بعثك بالحق انى لصادق ولينزلن الله ما يبرئ ظهرى من الحد ثم انزل الله تعالى آية اللعان، والاصل فيه انه ايمان مؤكدة تبرئ الزوج من حد القذف وتثبت اللوث عليها تحبس لاجله ويضيق عليها به، فان نكل

کے قصہ میں ہوا تھا پس جب اسلام آیا تو ان کاہنوں کی طرف جانا ممنوع قرار دیا کیونکہ ملت حنیفیہ کی بنیاد ان چیزوں کے ترک کرنے اور ان کے دور کرنے پر ہے اور نیز کاہنوں کی طرف جانے میں بلا اسکے کہ وہ نہ انکے صدق کو جانتے ہیں اور نہ انکے کذب کو، ضرر عظیم ہے اور یہ بات ناممکن تھی کہ خاوند کو چار گواہ لانیکی تکلیف دیجائے ورنہ حد لگانے کا حکم دیا جائے کیونکہ زنا تنہائی میں ہوتا ہے اور خاوند گھر کی بات خوب جانتا ہے اور اس کو جو جو قرائن معلوم ہوتے ہیں وہ غیر کو معلوم نہیں ہو سکتے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ خاوند ان لوگوں کی مانند قرار دیا جائے جن پر گواہ نہ لانے میں حد قذف ماری جاتی ہے کیونکہ خاوند شرعاً اور عقلاً اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کرنے پر مامور ہے اور اسکی جبلت میں اس بات پر غیرت کرنا داخل ہے کہ جو چیز اس کی حفاظت میں ہے اس میں دوسرا مداخلت کرے اور نیز خاوند شک کے رفع کرنے اور عورت کی شرمگاہ کے محفوظ رکھنے میں سب سے زیادہ مناسب تر اور اولیٰ ہے پس اگر خاوند عورت کے ساتھ کسی امر کا مواخذہ کرنے میں غیر لوگوں کے برابر رکھا جائے تو امن جاتا رہتا ہے اور مصلحت فساد میں بدل جاتی ہے، اور جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ حادثہ پیش آیا تو آپ متردد تھے کبھی تو ان معارضات کی وجہ سے کچھ حکم نہیں دیتے تھے اور کبھی اس کا حکم ان قواعد کلیہ سے مستنبط کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں اور ہلال بن امیہ سے کہتے تھے "تو گواہ لا ورنہ تیری پیٹھ پر حد ماری جائے گی" یہاں تک کہ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بے شک سچا ہوں اور یقیناً خدا تعالیٰ ایسا کوئی حکم نازل فرمائیگا جس کی وجہ سے میری پشت حد سے بری ہو جائے گی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیت لعان نازل فرمائی۔

اور اس میں اصل یہ ہے کہ مؤکد قسم کے سبب سے خاوند حد قذف سے بری ہو جاتا ہے اور عورت پر دھبہ لگ جاتا ہے وہ قید میں رکھی جاتی ہے اور اس پر تنگی کی جاتی ہے اور

ضربت الحد وايمان مؤكدة منها تبرئها فان نكلت ضربت الحد ؛

وبالجملة فلا احسن فيما ليس فيه بينة ولبس مما يهدر ولا يسمع من الايمان المؤكدة وجرت السنة ان تذكر المرأة تحقيقا للمقصود من الايمان، وجرت السنة ان لا تعود اليه ابدا فانهما بعد ما حصل بينهما هذا التشاجر وانطوت صدورهما على اشد الوحر واشاع عليها الفاحشة لا يتوافقان ولا يتوادان غالبا ، والنكاح انما شرع لاجل المصالح المبنية على التواد والتوافق ، وايضا ففي هذه زجر عليهما عن الاقدام على مثل هذه المعاملة

اگر خاوند قسم کھانے سے انکار کرے تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی اور ایک قسم مؤکد عورت کی طرف سے اس کو ... بری کر دیتی ہے پس اگر عورت قسم کھانے سے انکار کرے تو اس پر حد لگائی جائیگی۔

الحاصل جس امر میں بینہ نہ ہو اور نہ وہ ایسا ہو کہ وہ لغو اور غیر مسموع ہو اس میں مؤکد قسم سے زیادہ مناسب اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہ طریقہ جاری ہوا کہ عورت اس کو بیان کرے تاکہ قسم سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو، اور یہ بھی طریقہ جاری ہوا کہ وہ عورت پھر کبھی اس خاوند کی طرف عود نہ کرے کیونکہ ان دونوں میں جب ایسا جھگڑا ہو چکا اور ان دونوں کے دلوں میں آتش عداوت شعلہ زن ہو گئی اور خاوند نے اس کو بدکار مشہور کر دیا تو غالباً نہ ان دونوں میں موافقت ہو سکتی ہے اور نہ محبت ہو سکتی ہے اور نکاح ان مصلحتوں کے لئے وضع کیا گیا ہے جو محبت اور موافقت پر مبنی ہیں، اور نیز اس میں ان دونوں کو ایسے معاملہ پر اقدام کرنے سے سخت تنبیہ کرنا ہے ؛

العدة

قال الله تعالى والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء الى آخر الآيات

اعلم ان العدة كانت من المشهورات المسلمة في الجاهلية وكانت مما لا يكادون يتركونه وكان فيها مصالح كثيرة منها معرفة براءة رحمها من مائه لئلا تختلط الانساب فان النسب احد ما يتشاح به ويطلبه العقلاء وهو من خواص نوع الانسان ومما امتاز به من سائر الحيوان وهو المصلحة المرعية في باب الاستبراء ومنها التنويه بفخامة امر النكاح حيث لم يكن امرا ينتظم الا بجمع رجال

عدت کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مطلقہ عورتیں تین قروء تک اپنی جانوں کو روکیں" اخیر آیت تک،

واضح ہو کہ عدت ان امور میں سے ہے جو زمانہ جاہلیت میں مشہور اور مسلم تھے اور جسکو وہ ترک نہیں کر سکتے تھے اور اس میں بہت سے مصالح ہیں، ازاں جملہ مرد کے پانی سے رحم عورت کے پاک و صاف ہونے کی معرفت ہے تاکہ نسبوں میں اختلاط نہ ہونے پائے کیونکہ نسب ایسی چیز ہے جس کی لوگوں کو خواہش ہوتی ہے اور عاقل لوگ اس کے طالب ہوتے ہیں اور نسب نوع انسانی کے خواص میں سے ہے اور اسی سے انسان تمام حیوانات سے ممتاز ہے اور استبراء کے باب میں اسی مصلحت کی رعایت کی گئی ہے، ازاں جملہ عدت سے امر نکاح کی عظمت کی لوگوں کو متنبہ کرنا ہے اس طور پر کہ نکاح ایسا امر نہیں ہے جو بغیر لوگوں کے اجتماع کے قائم ہو سکتا ہو اور بغیر

ولا ينفك الا بانتظار طويل ولولا ذلك
لكان بمنزلة لعب الصبيان ينتظم ثم
يفك فى الساعة، ومنها ان مصالح النكاح
لا تتم حتى يوطنا انفسهما على ادامة
هذا العقد ظاهرا فان حدث حادث
يوجب فك النظام لم يكن بد من
تحقيق صورة الادامة فى الجملة بان
تتربص مدة تجد لتربصها بالا وتقاسى
لها عناء، او عدة المطلقة ثلاثة قروء
فقيل هى الاطهار، وقيل هى الحيض وعلى
انها طهر فالسر فيه ان الطهر محل
رغبة كما ذكرنا فجعل تكرارها عدة
لازمة ليتروى المتروى، وهو قوله
صلى الله عليه وسلم فى صفة الطلاق
فتلك العدة التى امر الله الطلاق فيها
وعلى انها حيض فالحيض هو الاصل فى
معرفة عدم الحمل فان لم تكن من
ذوات الحيض لصغر او كبر فتقوم ثلاثة
اشهر مقام ثلاثة قروء لانها مظنتها
ولان براءة الرحم ظاهرة، وسائر
المصالح تتحقق بهذه المدة، وفى
الحامل انقضاء الحمل لانه معرف
براءة رحمها، والمتوفى عنها زوجها
تتربص اربعة اشهر وعشرا، ويجب
عليها الاحداد فى هذه المدة، وذلك
لوجوه، احدها انها لما وجب عليها
ان تتربص ولا تنكح ولا تخطب فى
هذه المدة حفظا لنسب المتوفى عنها
اقتضى ذلك فى حكمة السياسة ان تؤمر

انتظار کے بغیر وہ منقطع نہیں ہو سکتا اگر ایسا نہ ہوتا تو نکاح
بچوں کے کھیل کی طرح ہوتا کہ گھڑی میں قائم ہوتا اور گھڑی میں منقطع ہو جاتا۔
و از آں جملہ یہ ہے کہ نکاح کی مصلحتیں بغیر اس کے پوری
نہیں ہوتیں کہ وہ دونوں بظاہر اپنے نفس کو اس عقد پر ہمیشہ قائم
رکھنے پر پابند کریں پھر اگر کوئی حادثہ پیدا ہو جائے جسکی وجہ سے
اس عقد کا انقطاع ضروری ہو تو فی الجملہ اس دوام کی صورت
کا باقی رکھنا جب بھی ضروری ہے اس طور پر کہ عورت کچھ مدت تک
اپنے آپ کو روکے رہے کہ اس کو اپنے رکنے کی وجہ سے کسی قدر
تکلیف اور دقت معلوم ہو۔ اور طلاق دی ہوئی عورت کی مدت تین
قروء ہیں۔ پس بعض کے نزدیک قروء سے اطہار مراد ہیں اور بعض کے
نزدیک حیض۔ اور اگر اس سے طہر مراد ہے تو اس میں یہ راز ہے کہ طہر
رغبت کا زمانہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں پس اسکی تکرار
عدت لازم مقرر کی گئی تاکہ غور و فکر کرنیوالا اس عرصہ میں غور
و فکر کرے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے طلاق کے بیان میں فرمایا ہے
پس یہ وہ عدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم فرمایا
ہے۔ اور اگر اس سے حیض مراد ہے تو اس میں راز یہ ہے کہ حیض
حمل نہ ہونے کی شناخت میں اصل ہے پس اگر بچپن یا بڑھاپے
کی وجہ سے عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اس کے لیے تین مہینے
تین حیض کے قائم مقام ہیں کیونکہ تین ماہ تین حیض کا مظنہ
ہیں اور نیز تین ماہ میں رحم کا خالی ہونا ظاہر طور پر معلوم ہو سکتا ہے
اور تمام مصلحتیں اس مدت میں ثابت ہو سکتی ہیں اور حاملہ کی عدت
وضع حمل ہے کیونکہ اس سے رحم کا بری ہونا معلوم ہو جاتا
ہے اور جس عورت کا خاوند مر جائے اس کی عدت چار
ماہ اور دس دن ہیں اور اس مدت میں اس کو سوگ کرنا
واجب ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔

ایک یہ ہے کہ جب اس عورت پر یہ بات واجب ہوئی کہ
اپنے آپ کو اس مدت تک روکے رہے اور نہ وہ نکاح کرے اور
نہ پیغام نکاح بھیجے تاکہ مرنے والے کا نسب محفوظ رہے تو حکمت
سیاست کے نزدیک اس چیز نے اس بات کا تقاضا کیا کہ اس کو ترک

بترك الزينة لان الزينة تهيج الشهوة
من الجانبين وهيجانها في مثل هذه
الحالة مفسدة عظيمة، وايضا فان
من حسن الوفاء ان تحزن على فقدلا و
تصير تفلة شعثة وان تجد عليه لذلك
من حسن وفائها، وتحقيق معنى قصر
بصرها عليه ظاهرا ولم تؤمر المطلقة
بذلك لانها تحتاج الى ان تتزين ليرغب
زوجها فيها ويكون ذلك معونة في
جمع ما افترق من شملهما، ولذلك
اختلف العلماء في المطلقة ثلاثا هل
تتزين ام لا؟ فمن ناظر الى الحكمة
ومن ناظر الى عموم لفظ المطلقة،
وانما عين في عدتها اربعة اشهر و
عشر الان اربعة اشهر هي ثلاث
اربعينات وهي مدة تنفخ فيها الروح
في الجنين ولا يتأخر عنها تحرك الجنين
غالبا، وزيد عشر لظهور تلك الحركة،
وايضا فان هذه المدة نصف مدة الحمل
المعتاد وفيه يظهر الحمل بادي الرأي
بحيث يعرفه كل من يرى، وانما شرع
عدة المطلقة قروء او عدة المتوفى عنها
زوجها اربعة اشهر وعشر الان هنالك
صاحب الحق قائم بامره ينظر الى
مصلحة النسب ويعرف بالمخايل و
القرائن فجاز ان تؤمر بما تختص به
وتؤمن عليه، ولا يمكن الناس ان
يعلموا منها الا من جهة خبرها، و
ههنا ليس صاحب الحق موجودا وغيرلا

زینت کا حکم دیا جائے کیونکہ زینت کی وجہ سے جانبین سے شہوت
کا غلبہ ہوتا ہے اور ایسی حالت میں شہوت کے غلبہ میں بڑی خرابی
ہے اور نیز عورت کی وفاداری میں سے یہ بات ہے کہ خاوند کے مرنے
پر غم کرے اور خوشبو نہ لگائے اور زینت نہ کرے اور اس پر سوگ
کرے کیونکہ اس سے وفاداری ظاہر ہوتی ہے اور بظاہر یہ بات
ثابت ہوتی ہے کہ اس کی نظر اسی پر تھی، اور مطلقہ کو سوگ
کرنے کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ اس کو زینت کرنے کی ضرورت ہے
تاکہ اس کا شوہر اس کی طرف رغبت کرے اور ان کے اتحاد میں
جو جدائی واقع ہوگئی ہے اس کے جمع ہونے کا پھر وہ سبب بن جائے
اسی وجہ سے مطلقہ ثلثہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ زینت کرے
یا نہ کرے پس بعض نے اصل حکمت کی طرف غور کیا اور بعض نے
لفظ مطلقہ کے عموم کا خیال کیا،

اور شارع نے بیوہ کی عدت چار ماہ دس روز اس لئے
مقرر کی کہ چار مہینے کے تین چلے ہوتے ہیں اور یہ تین چلے ایسی
مدت ہے کہ اس میں بچے کے اندر جان پڑ جاتی ہے اور غالباً بچہ اس
مدت کے اندر حرکت کرنے لگتا ہے اور دس روز اس پر اور زیادہ
کئے گئے تاکہ بچہ کا حرکت کرنا پورے طور پر معلوم
ہو جائے، اور نیز یہ مدت حمل معتاد کی نصف مدت
ہے اور اس مدت میں حمل پورے طور پر ظاہر ہو جاتا
ہے کہ ہر شخص اس کو دیکھ کر پہچان سکتا ہے اور شارع نے
مطلقہ کی عدت تین حیض اور جس عورت کا خاوند مر جائے
اس کی عدت چار ماہ دس روز اس لئے مقرر کی کہ مطلقہ میں
صاحب حق یعنی خاوند اپنے اختیار پر قائم ہوتا ہے جو
نسب کی مصلحت کو دیکھتا ہے، علامات اور قرائن کو جانتا
ہے پس درست ہے کہ عورت کو اس چیز کا حکم دیا جائے
جو اس کے ساتھ خاص ہے اور خاوند پر وہ امین سمجھی جائے
اور لوگوں کے لئے ممکن نہیں کہ اس عورت کا حال معلوم
کر سکیں جب تک کہ وہ خود بیان نہ کرے اور بیوہ کے
اندر صاحب حق یعنی خاوند موجود نہیں ہوتا اور دوسرا شخص

لا يعرف باطن امرها ولا يعرف مكايدها كما يعرف هو فوجب ان يجعل عليها امرا ظاهرا يتساوى في تحقيقه القريب والبعيد ويحقق الحيض لانه لا يمتد اليه الطهر غالبا او دائما، قال صلى الله عليه وسلم لا توطأ حامل حتى تضع ولا غير ذات حمل حتى تحيض حيضة، وقال صلى الله عليه وسلم كيف يستخدمه وهو لا يحل له ام كيف يورثه وهو لا يحل له:

اس کے باطن کا حال اور اس کا فریب نہیں پہچان سکتا جس طرح خاوند پہچان سکتا ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کی عدت ایسا ظاہری امر مقرر کیا جائے جس کے معلوم کرنے میں سب قریب و بعید برابر ہوں اور حیض کو بھی وہ ثابت کر دے کیونکہ غالباً یا دائماً طہر اس قدر بڑا نہیں ہوتا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاملہ عورت سے جماع نہ کیا جائے یہانتک کہ بچہ ہو جائے اور نہ غیر حاملہ سے جماع کیا جائے یہانتک کہ اس کو حیض آجائے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حالانکہ وہ حاملہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہے پھر کس طرح وہ اس سے خدمت لیتا ہے یا کس طرح اسکو وارث بنا سکتا ہے جبکہ وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے":

اقول السر في الاستبراء معرفة براءة الرحم وان لا تختلط الانساب فاذا كانت حاملا فقد دلت التجربة على ان الولد في هذه الصورة يأخذ شبهين شبه من خلق من مائه، وشبه من جامع في ايام حمله، وبين ذلك اثر عمر رضي الله عنه وهو ايماء قوله صلى الله عليه وسلم لا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر ان يسقي ماءه زرع غيره، وقوله صلى الله عليه وسلم كيف يستخدمه الخ معناه ان الولد الحاصل بعد جماع الحبلى فيه شبهان لكل شبه حكم ينافي حكم الشبه الآخر فشبه الاول يجعل الولد عبدا، وشبه الثاني يجعله ابنا، وحكم الاول الرق ووجوب الخدمة عليه لمولاه، وحكم الثاني الحرية واستحقاق الميراث فلما كان الجماع سبب التباس احكام الشرع في الولد نهي عنه، والله اعلم:

میں کہتا ہوں استبراء کے اندر یہ راز ہے کہ اس سے رحم کا پاک ہونا معلوم ہو جائے اور انساب میں اختلاط نہ ہونے پائے پس جب عورت حاملہ ہو تو تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسی صورت میں بچہ کے اندر دو مشابہتیں ہوتی ہیں ایک تو اس شخص کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جس کے نطفہ سے وہ بچہ پیدا ہوا ہے اور ایک اس کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جس نے ایام حمل میں اسکی ماں سے جماع کیا ہے، حضرت عمرؓ کے قول سے یہ بات معلوم ہوئی اور یہی بات نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی جاتی ہے کہ جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ حلال نہیں کہ اپنے پانی سے کسی اور کی کھیتی کو سیراب کرے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول: "كيف يستخدمه" الخ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ حاملہ کے ساتھ جماع کرنے کے بعد جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس میں دو شخصوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور ہر مشابہت کا حکم دوسری مشابہت کے خلاف ہوتا ہے پس پہلے شخص کی مشابہت بچہ کو غلام بناتی ہے اور دوسرے کی مشابہت چاہتی ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہو، اور پہلی مشابہت کا حکم غلام ہونا اور مولی کی خدمت کا اس پر واجب ہونا ہے اور دوسری مشابہت کا حکم حریت اور میراث کا مستحق ہونا ہے، پس چونکہ بچے کے اندر جماع کے سبب احکام شرعیہ کا التباس لازم آتا ہے اس واسطے جماع کرنے سے ممانعت کی گئی، واللہ اعلم:

تربية الاولاد والمماليك

اعلم ان النسب احد الامور التي جبل على محافظتها البشر فلن ترى انسانا في اقليم من الاقاليم الصالحة لنشء الناس الا وهو يحب ان ينسب الى ابيه وجده ويكره ان يقدح في نسبته اليهما اللهم الا لعارض من دناءة النسب او غرض من دفع ضر او جلب نفع ونحو ذلك، ويحب ايضا ان يكون له اولاد ينسبون اليه ويقومون بعده مقامه فربما اجتهدوا اشد الاجتهاد وبذلوا طاقتهم في طلب الولد فما اتفق طوائف الناس على هذه الخصلة الا لمعنى من جبلتهم ومبنى شرائع الله على ابقاء هذه المقاصد التي تجري مجرى الجبلة وتجري فيها المناقشة والمشاحة والاستيفاء لكل ذي حق حقه منها والنهي عن التظالم فيها، فلذلك وجب ان يبحث الشارع عن النسب، قال صلى الله عليه وسلم الولد للفراش وللعاهر الحجر، فقيل معناه الرجم، وقيل الخيبة۔

اقول كان اهل الجاهلية يبتغون الولد بوجوه كثيرة لا تصححها قوانين الشرع، وقد بينت بعض ذلك عائشة رضي الله عنها فلما بعث النبي صلى الله عليه وسلم سد هذا الباب وخيب العاهر، وذلك لان من المصالح الضرورية التي لا يمكن بقاء بني نوع الانسان الا بها اختصاص الرجل بامرأته حتى يسد

اولاد اور غلاموں کی پرورش کا بیان

واضح ہو کہ نسب منجملہ ان امور کے ہے جن کی محافظت آدمی کی سرشت میں داخل ہے پس صالح ملکوں میں سے کسی ملک کے اندر جہاں لوگ پیدا ہوتے ہیں تم کسی انسان کو کبھی نہ دیکھو گے مگر اسکو اپنے باپ دادا کی طرف منسوب ہونا محبوب ہوگا اور وہ اس بات کو ناپسند کریگا کہ ان کی طرف اس کو منسوب کرنے میں کوئی عیب لگایا جائے ہاں نسب کی رذالت یا ضرر کے دفع کرنے کی غرض سے یا نفع وغیرہ حاصل کرنے کی غرض سے ہو تو اور بات ہے اور نیز ہر شخص یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے اولاد ہو جو اسی کی طرف منسوب ہو اور اس کے بعد اس کے قائم مقام ہو پس بسا اوقات اولاد کے طلب کرنے میں لوگ بڑی کوشش کرتے ہیں اور اپنی تمام طاقت خرچ کرتے ہیں پس تمام لوگوں کا اتفاق اس خصلت پر انکی جبلت کے سبب سے ہے اور احکام الہٰی کی بنیاد ان مقاصد کے باقی رکھنے پر ہے جو لوگوں کی جبلت میں داخل ہیں اور جن کے اندر نزاع اور حرص پیدا ہوتا ہے اور ان مقاصد سے ہر صاحب حق کو اس کا حق دلایا جاتا ہے اور ان مقاصد میں باہم ظلم کرنے سے منع کیا جاتا ہے پس اس واسطے ضروری ہوا کہ شارع نسب سے بحث کرے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لڑکا عورت کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے"، پس بعض نے اس سے سنگسار کرنا مراد لیا ہے اور بعض نے نقصان مراد لیا ہے۔

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت بہت سے طریقوں سے اولاد حاصل کیا کرتے تھے جن کو قوانین شرع صحیح نہیں جانتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان میں سے بعض طریقوں کو بیان فرمایا ہے پس جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے اس دروازہ کو بند کر دیا اور زانی کو نامراد ٹھیرایا اور اسی لئے ان مصالح ضروریہ میں سے جن کے بغیر نوع انسان باقی نہیں رہ سکتی، مرد کا اپنی عورت کے ساتھ مخصوص ہونا ہے تا کہ

باب الازدحام على الموطوأة رأسا، ومن مقتضى ذلك ان يخيب من عصى هذه السنة الراشدة وابتغى الولد من غير اختصاص ان يرغم انفه وان يرد وان يرد خائبا ويتمزع من المرأة وان يكون تقضيه ذريعة لان لا يبالي بعد ولا يحذر ان يقصد مثل ذلك، والى هذه الاشارة فى قوله عليه السلام للعاهر الحجران اريد معنى الخيبة كما يقال بيده التراب وبيده الحجر، وايضا فاذا تزاحمت الحقوق وادعى كل لنفسه وجب ان يرجح من يتمسك بالحجة الظاهرة المسموعة عند جماهير الناس والذى يتمسك بما يزيد اللائمة عليه ويفتح باب ضرب الحد، او يعترف فيه بانه عصى الله وكان مع ذلك امرا خفيا لا يعلم الا من جهة قوله فمن حق ذلك ان يهجر ويخمل، وقد اعتبر النبى صلى الله عليه وسلم مثل هذا المعنى حيث قال فى قصة اللعان ان كذبت عليه فهو ابعد لك واليه الاشارة فى قوله وللعاهر الحجران اريد معنى الرجم بالحجارة

قال صلى الله عليه وسلم من ادعى الى غير ابيه وهو يعلم انه غير ابيه فالجنة عليه حرام ؞

اقول من الناس من يقصد مقاصد دنية فيرغب عن ابيه وينتسب الى غيره وهو ظلم وعقوق لانه تخييب ابيه فانه طلب بقاء نسله المنسوب اليه المتفرع عليه

ایک عورت پر کئی مردوں کے جمع ہونے کا باب بالکل بند ہو جائے اور یہ اس کا یہ مقتضی ہے کہ جو شخص اس سنت راشدہ کی نافرمانی کرے اور بغیر اس خصوصیت کے اولاد حاصل کرنا چاہے اس کو محروم کیا جائے تاکہ اس کی ذلت ہو اور اس کا کوئی اختیار نہ رہے اور آئندہ کبھی ایسا قصد نہ کرے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ "زانی کے لئے پتھر ہے" اسی طرف اشارہ ہے اگر پتھر سے نقصان مراد لیا جائے جیسا کہ بولا کرتے ہیں کہ اس شخص کے ہاتھ میں خاک ہے اور اس کے ہاتھ میں پتھر ہے، اور نیز جب حقوق مزاحم ہوں اور ہر ایک شخص اپنے لئے اس کے حقدار ہونے کا دعویٰ کرے تو ضروری ہے کہ اس شخص کو ترجیح دیجائے جو ایسی حجت ظاہرہ پیش کرے جو تمام لوگوں کے نزدیک قابل سماعت ہو اور جس کے پاس ایسی حجت ہو جو اس پر ملامت زیادہ کرے اور اس کے سبب سے حد کے مارنے کا دروازہ مفتوح ہوتا ہو یا وہ اس بات کا اقرار کرے کہ اسنے خدا کی نافرمانی کی ہے اور باوجود اس کے وہ ایسا پوشیدہ امر ہو جو صرف اس کے اقرار کرنے سے معلوم ہوتا ہو تو اس صورت میں مناسب یہ ہے کہ اس شخص پر تہدید و توبیخ ہونی چاہئے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی معنی کا اعتبار فرما کر لعان کے قصہ میں فرمایا ہے: "اگر تو اس پر جھوٹ بولتا ہے تو مہر کا میری طرف کرنا تجھ کو بہت دور ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ "زانی کے لئے پتھر ہے" اسی کی طرف اشارہ ہے اگر پتھر سے سنگسار کرنا مراد لیا جائے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اور وہ یہ بات جانتا ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو ایسے شخص پر جنت حرام ہے":

میں کہتا ہوں بعض لوگ گھٹیا مقاصد کی وجہ سے اپنے باپ سے اعراض کر کے دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور یہ بڑا ظلم اور نافرمانی ہے کیونکہ اس میں اپنے باپ کی امید کو قطع کرنا ہے اسواسطے کہ اس نے اپنی نسل کی بقاء کو جو اس کی طرف منسوب ہے اور اس سے پیدا ہوئی ہے چاہا ہے،

وترك شكر نعمته واساءة معه، وايضا فان النصرة والمعاونة لابد منها في نظام الحي والمدينة، ولو فتح باب الانتفاء من الاب لاهملت هذه المصلحة ولاختلطت انساب القبائل، وقال صلى الله عليه وسلم ايما امرأة ادخلت على قوم من ليس منهم فليست من الله في شئ ولن يدخلها الله الجنة وايما رجل جحد ولده وهو ينظر اليه احتجب الله منه وفضحه على رءوس الخلائق.

اقول لما كانت المرأة مؤتمنة في العدة ونحوها مأمورة ان لا تلبس عليهم انسابهم وجب ان ترهب في ذلك وانما عوتبت على هذه لانه سعي في ابطال مصلحة العالم ومناقضة لما في جبلة النوع وذلك جالب بغض الملأ الاعلى حيث امروا بالدعاء لصلاح النوع، وايضا ففي ذلك تخييب لولده وتضييق وحمل لثقل الولد على آخرين والرجل اذا انكر ولده فقد عرضه للذل الدائم والعار الذي لا ينتهي حيث نسب له واضاع نسمته حيث لا منفق عليه، وهو يشبه قتل الاولاد من وجه، وعرض والدته للذل الدائم والعار الباقي طول الدهر.

العقيقة

واعلم ان العرب كانوا يعقون عن اولادهم وكانت العقيقة امرا

اور اس میں باپ کی نعمت کی ناشکری اور اسکے ساتھ برائی کرنا بھی ہے اور نیز باہمی نصرت اور اعانت شہر اور قبیلہ کے انتظام کے لئے ضروری چیز ہے، اور اگر باپ سے نسبت کی نفی کا دروازہ مفتوح کر دیا جائے تو یہ مصلحت متروک ہو جائے اور تمام قبائل کے نسب مخلوط ہو جائیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس عورت نے کسی قوم میں اس شخص کو ملایا کہ وہ اس میں نہیں ہے تو خدا تعالیٰ کے ہاں اس کا کچھ حصہ نہیں اور نہ کبھی خدا تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور جو شخص اپنے بیٹے کا انکار کرے حالانکہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے تو اس کو خدا تعالیٰ اپنے دیدار سے محروم کرے گا اور تمام لوگوں کے روبرو اس کو رسوا کریگا"۔

میں کہتا ہوں جبکہ عورت عدت وغیرہ امین تھی اور اس کو یہ حکم تھا کہ انساب کو مخلوط نہ کرے تو یہ بات ضروری ہوئی کہ اس کو اس امر میں ڈرایا جائے اور اس کو اس امر میں عذاب اس وجہ سے دیا گیا کہ اس فعل میں مصلحت عالم کے برباد کرنے میں کوشش اور جبلت نوع کے ساتھ مناقضت ہے اور یہ ملاء اعلیٰ کے بغض کو کھینچتا ہے کیونکہ وہ اصلاح نوع کی دعا کرنے پر مامور ہیں اور اسکے علاوہ اس میں اس کے لڑکے کے لئے نامرادی اور تنگی ہے اور دوسروں پر اپنی اولاد کا بوجھ ڈالنا ہے، اور جب کوئی شخص اپنی اولاد کا انکار کرتا ہے تو ہمیشہ کے لئے ان کو ذلیل کرتا ہے اور بے انتہا عار میں گرفتار کرتا ہے کیونکہ اس نے اس کا نسب نہیں رکھا اور اس کی جان کو ضائع کیا کیونکہ کوئی اس پر خرچ کرنے والا نہیں رہا اور یہ فعل ایک طرح سے اولاد کے قتل کر دینے کے مشابہ ہے اور اس کی ماں کو بھی ہمیشہ کی ذلت اور ایسی عار میں ڈال رہا جو تمام عمر باقی رہنے والی ہے۔

عقیقہ کا بیان

واضح ہو کہ عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے اور ان کے نزدیک عقیقہ ایک امر لازم اور

لانه ما عندهم وسنة مؤكدة وكان
فيها مصالح كثيرة راجعة الى المصلحة
الملية والمدنية والنفسية فابقاها
النبي صلى الله عليه وسلم وعمل بها
ورغب الناس فيها، فمن تلك المصالح
التلطف باشاعة نسب الولد اذ لابد
من اشاعته لئلا يقال فيه ما لا يحبه
ولا يحسن ان يدور في السكك فينادي
انه ولد لي ولد فتعين التلطف بمثل
ذلك، ومنها اتباع داعية السخاوة
وعصيان داعية الشح، ومنها ان النصارى
كان اذا ولد لهم ولد صبغوه بماء اصفر
يسمونه المعمودية وكانوا يقولون
يصير الولد به نصرانيا، وفي مشاكلة
هذا الاسم نزل قوله تعالى صبغة
الله ومن احسن من الله صبغة،
فاستحب ان يكون للحنيفيين فعل
بازاء فعلهم ذلك يشعر بكون المولود
حنيفيا تابعا لملة ابراهيم واسماعيل
عليهما السلام، واشهر الافعال المختصة
بهما المتوارثة في ذريتهما ما وقع له
عليه السلام من الاجماع لذبح
ولده، ثم نعمة الله عليه ان فداه
بذبح عظيم، واشهر شرائعهما
الحج الذي فيه الحلق والذبح فيكون
التشبه بهما في هذا تنويها بالملة
الحنيفية ونداء ان الولد قد فعل به
ما يكون من اعمال هذه الملة، ومنها
ان هذا الفعل في بدء ولادته يخيل

سنت مؤکدہ تھا اور اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جنکا رجوع
مصلحت ملیہ اور مدنیہ اور نفسیہ کی طرف تھا پس نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے اس دستور کو باقی رکھا اور خود اس پر عمل کیا اور لوگوں
کو اس کی رغبت دلائی، پس منجملہ مصلحتوں کے ایک یہ ہے کہ عقیقہ
میں نہایت خوبی کے ساتھ اولاد کے نسب کی اشاعت ہے کیونکہ
اشاعتِ نسب ایک ضروری امر ہے تاکہ کوئی شخص اسکے حق میں کوئی
ناپسندیدہ بات نہ کہہ سکے اور یہ بات نامناسب تھی کہ اس کا باپ گلیوں
پکارتا پھرے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے پس اشاعت کے لئے یہی
طریقہ بہت مناسب ہوا۔

اور از آں جملہ عقیقہ کے اندر سخاوت کے معنی کا اتباع اور
بخل کی صفت کی نافرمانی کرنا پایا جاتا ہے۔ اور از آں جملہ یہ ہے
کہ نصاریٰ کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس کو زرد پانی کر
رنگا کرتے تھے اور اس کا نام معمودیہ رکھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ
اس فعل سے وہ بچہ نصرانی ہو جاتا ہے اور اسی نام کی مشاکلت میں
اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا صبغۃ اللہ ومن احسن من
اللہ صبغۃ، پس مستحب ہوا کہ اہل اسلام کے لئے بھی ان کے اس
فعل کے مقابلہ میں کوئی ایسا فعل پایا جائے جس سے لڑکے کا
اسلامی اور ملت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کا تابع ہونا معلوم
ہو جائے اور جس قدر افعال حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل
علیہم السلام کے ساتھ مختص تھے جو ان کی اولاد میں چلے آتے ہیں ان
میں سب سے زیادہ مشہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے فرزند کو
ذبح کرنے پر آمادہ ہونا پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام کہ اس کے عوض
ایک بڑی قربانی بھیجنا ہے اور ان دونوں کی شرائع میں زیادہ مشہور
حج ہے جس کے اندر سر منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے پس ان امور
میں ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ملت حنفی کی تعظیم کرنا اور
اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ اس فرزند کے ساتھ ایسا برتاؤ
کیا گیا ہے جو اس ملت کے اعمال میں سے ہے،

اور از آں جملہ یہ ہے کہ ابتداء ولادت میں اس فعل
کے کرنے سے اس کے خیال میں یہ بات پیدا ہوتی ہے

اليه انه بذل ولده في سبيل الله كما فعل
ابراهيم عليه السلام وفي ذلك تحريك
سلسلة الاحسان والانقياد كما ذكرنا
في السعي بين الصفا والمروة، قال صلى
الله عليه وسلم مع الغلام عقيقة فاهريقوا
عنه دما واميطوا عنه الاذى، وقال
صلى الله عليه وسلم الغلام مرتهن
بعقيقته يذبح عنه يوم السابع ويسمى
ويحلق ۞

اقول اما سبب الامر بالعقيقة
فقد ذكرنا، واما تخصيص اليوم السابع
فلانه لا بد من فصل بين الولادة و
العقيقة فان اهله مشغولون باصلاح
الوالدة والولد في اول الامر فلا يكلفون
حينئذ بما يضاعف شغلهم وايضا فرب
انسان لا يجد شاة الا بسعي، فلو سن
كونها في اول يوم لضاق الامر والسبعة
ايام مدة صالحة للفصل المعتد به غير
الكثير، واما اماطة الاذى فللتشبه
بالحاج، وقد ذكرنا، واما التسمية فلان
الطفل قبل ذلك لا يحتاج ان يسمى، و
عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن
الحسن بشاة، وقال يا فاطمة احلقي راسه
وتصدقي بوزن شعره فضة ۞

اقول السبب في التصدق بالفضة
ان الولد لما انتقل من الجنينية الى الطفلية
كان ذلك نعمة يجب شكرها واحسن
ما يقع به الشكر ما يؤذن انه عوضه
فلما كان شعر الجنين بقية النشاة

کہ اس شخص نے اپنے فرزند کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیدیا ہے جیسے ابراہ
علیہ السلام نے کیا تھا اور اس میں سلسلہ احسان اور فرمانبرداری
کو حرکت دینا ہے جیسا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے
میں ہم نے بیان کیا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لڑکے
کے ساتھ عقیقہ ہے پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس کے بال من
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لڑکا اپنے عقیقہ کے عوض میں مر
ہو ساتویں روز اسکی طرف سے قربانی کیجائے اور اس کا نام رکھا جا
اور اس کا سر منڈایا جائے"

میں کہتا ہوں عقیقہ کے حکم دینے کی وجہ وہی ہے جو ہم ذکر کر
ہیں لیکن ساتویں دن کی تخصیص تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پیدائش
اور عقیقہ میں کسی قدر فاصلہ ہونا ضروری ہے کیونکہ گھر کے تمام آدمی
فرزند اور اس کی ماں کی خبرگیری میں اول اول مصروف رہتے ہیں
پس ایسے وقت میں ان کو عقیقہ کا حکم دیکر ان کے شغل کو اور زیادہ
نہیں کرنا چاہئے اور نیز بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو بہت کوشش
سے بکری دستیاب ہوتی ہے پس اگر عقیقہ پہلے ہی دن مسنون کیا
جاتا تو لوگوں کو دقت ہوتی اور سات روز کا فاصلہ ایک کافی او
معتد بہ مدت ہے جو زیادہ بھی نہیں ہے، لیکن سر منڈانا سو وہ
حجاج کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کی وجہ سے ہے اور اس
کو ہم بیان کر چکے ہیں اور نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے
لڑکے کے نام رکھنے کی حاجت نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے حضرت امام حسن کی طرف سے ایک بکری عقیقہ
میں ذبح کی اور فرمایا "اے فاطمہ ان کے سر کو منڈوا دو اور
ان کے بالوں کے ہموزن چاندی خیرات کردو"

میں کہتا ہوں چاندی خیرات کرنے کا سبب
یہ ہے کہ بچہ کا جنین کی حالت سے منتقل ہو کر طفلیت کی طر
آنا خدا تعالیٰ کی نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے
اور شکر ادا کرنے میں بہتر چیز وہ ہے جس
سے عوض میں ہونا سمجھا جائے پس جبکہ لڑکے
کے بال حالت جنینیت کی نشانی ہے اور

الجنينة وان الله امارة للاستقلال
بالنشاة الطفلية وجب ان يؤمر بوزن
الشعر فضة، واما تخصيص الفضة
فلان الذهب اغلى ولا يجده الا غني و
سائر المتاع ليس له بال بزنة شعر
المولود، واذن رسول الله صلى الله عليه
وسلم في اذن الحسن ابن علي حين ولدته
فاطمة بالصلاة ٭

اقول السر في ذلك ما ذكرنا في
العقيقة من المصلحة الملية فان
الاذان من شعائر الاسلام، واعلام
الدين المحمدي، ثم لابد من تخصيص
المولود بذلك الاذان ولا يكون الا
ان يصوت به في اذنه، وايضا فقد علمت
ان من خاصية الاذان ان يفر منه الشيطان
والشيطان يؤذي الولد في اول نشاته
حتى ورد في الحديث ان استهلاله لذلك
قال صلى الله عليه وسلم عن الغلام شاتان
وعن الجارية شاة ٭

اقول يستحب لمن وجد الشاتين
ان ينسك بهما عن الغلام وذلك لما
عندهم ان الذكران انفع لهم من الاناث
فناسب زيادة الشكر وزيادة التنويه
قال صلى الله عليه وسلم احب الاسماء الى
الله عبد الله وعبد الرحمن ٭

اعلم ان اعظم المقاصد الشرعية
ان يدخل ذكر الله في تضاعيف ارتفاقاتهم
الضرورية ليكون كل ذلك السنة تدعو
الى الحق وفي تسمية المولود بذلك اشعار

ان کا موندنا حالت طفلیت میں استقلال پانے کی علامت ہے
تو ضروری ہوا کہ بالوں کی چاندی کے ساتھ وزن کرنے کا حکم دیا
جائے، اور چاندی کو اس وجہ سے خاص کیا کہ سونا گراں ہوتا
ہے اور دولتمند کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا اور چاندی
کے علاوہ باقی چیزیں ایسی نہیں ہیں جن سے بچہ کے بالوں کو
وزن کیا جا سکے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
حضرت حسن ابن علی کے کان میں جب حضرت فاطمہ نے ان
کو جنا تھا اذان پڑھی تھی،

میں کہتا ہوں اس میں وہی راز ہے جو ہم نے عقیقہ میں مصلحت
ملیہ ذکر کی ہے کیونکہ اذان شعائر اسلام اور دین محمدی کی
علامات سے ہے پھر اس اذان کے ساتھ مولود کو مخصوص کرنا
چاہیئے اور یہ خصوصیت اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ اذان اس
کے کان میں پڑھی جائے، اور نیز تم جان چکے ہو کہ اذان میں
خاصیت ہے کہ شیطان اس سے بھاگتا ہے اور شیطان ابتداء
ولادت میں لڑکے کو ایذا دیتا ہے حتیٰ کہ حدیث میں آیا ہے کہ
"مولود کا چلانا اسی سبب سے ہوتا ہے"۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لڑکے کی طرف سے دو
بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے"۔

میں کہتا ہوں جس شخص کو مقدور ہو اس کے لئے مستحب
یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرے کیونکہ
لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بہ نسبت لڑکیوں کے لڑکے زیادہ
نافع ہیں اس واسطے زیادہ شکر اور اس کی زیادہ عظمت
مناسب ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ
کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور
عبد الرحمن ہیں"۔

واضح ہو کہ مقاصد شرعیہ میں سب سے بڑھکر یہ بات
ہے کہ تمام ضروری معاملات میں ذکر الٰہی داخل رہے تاکہ ہر
ایک زبان بن کر حق کی طرف بلائے، اور مولود کا ایسا
نام رکھنے میں توحید کی طرف اشارہ ہے، اور نیز

بالتوحيد، وايضا كان العرب وغيرهم
يسمون الاولاد بمن يعبدونه، ولما
بعث النبي صلى الله عليه وسلم مقيما
لمراسم التوحيد وجب ان يسن في
التسمية ايضا مثل ذلك، وانما كان
هذان الاسمان احب من سائرها ايضا
فيه العبد الى اسم من اسماء الله تعالى
لانهما اشهر الاسماء ولا يطلقان على
غيره تعالى بخلاف غيرهما، وانت
تستطيع ان تعلم من هذا سر استحباب
تسمية المولود بمحمد واحمد، فان
طوائف الناس اولعوا بتسمية اولادهم
باسماء اسلافهم المعظمين عندهم
وكاد يكون ذلك تنويها بالدين وبمنزلة
الاقرار بانه من اهله، وقال صلى الله
عليه وسلم اخنى الاسماء يوم القيامة
عند الله رجل يسمى ملك الاملاك ؛

اقول السبب فيه ان اصل اصول
الدين هو تعظيم الله وان لا يسوى به
غيره وتعظيم الشيء مساوق لتعظيم
اسمه، ولذلك وجب ان لا يسمى باسمه
لا سيما هذا الاسم الدال على اعظم
التعظيم، قال الله تعالى والوالدات
يرضعن اولادهن حولين كاملين
الآية ؛

اقول لما توجهت ارادة الله
تعالى الى ابقاء نوع الانسان بالتناسل
وجرى بذلك قضاؤه وكان الولد لا
يعيش في العادة الا بتعاون من الوالد

عرب وغیرہ اپنی اولاد کا نام اپنے معبودوں کے نام پر رکھتے تھے اور
چونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم توحید کے قائم کرنے کے لئے مبعوث
کئے گئے تھے اسواسطے یہ بات واجب ہوئی کہ نام رکھنے میں بھی یہی
مثل دستور جاری کیا جائے اور یہی دونوں نام ان تمام ناموں
میں کہ جن میں لفظ عبد کسی اسم الہی کی طرف مضاف ہوتا ہے اس لئے
محبوب ہیں کہ یہ دونوں نام خدا تعالیٰ کے ناموں میں بہت مشہور
ہیں اور یہ دونوں نام سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی پر نہیں بولے
جاتے بخلاف اور ناموں کے، اور ہمارے اس بیان سے تم
لڑکے کا نام محمد اور احمد رکھنے کے استحباب کی حکمت کو معلوم
کر سکتے ہو کیونکہ تمام لوگ اس بات کی بڑی حرص رکھتے ہیں
کہ اپنی اولاد کا نام اپنے بزرگوں کے نام پر رکھیں اور اس سے
دین پر آگاہ کرنا اور گویا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ وہ اس
دین میں داخل ہے۔

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے روز
اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین نام کا وہ شخص ہوگا جس کا نام
شہنشاہ ہو"

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ اصول دین کی اصل
تعظیم الہی ہے اور یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو برابر نہ کیا
جائے اور کسی شئ کی تعظیم کرنا اس کے نام کی تعظیم کرنے کے
برابر ہے اس واسطے واجب ہوا کہ خدا کے نام پر کسی کا نام
نہ رکھا جائے خاصکر یہ نام جو بڑی تعظیم اور عظمت پر دلالت
کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور مائیں اپنی اولاد کو پورے
دو برس دودھ پلائیں"

میں کہتا ہوں جب خدا تعالیٰ کا ارادہ تناسل کے ذریعہ
نوع انسان کے باقی رکھنے کی طرف متوجہ ہوا اور اس کا حکم
بقاء کے اندر جاری ہوا، اور بچہ عادۃً جب تک
اس کے ماں باپ اس کی زندگی کے اسباب
میں معاونت نہ کریں زندہ نہیں رہ سکتا،

والوالدة في اسباب حياته وذلك امر
جبلي خلق الناس عليه بحيث يكون
عصيانه ومخالفته تغييرلخلق الله و
سعيا في نقض ما اوجبته الحكمة الالهية
وجب ان يبحث الشرع عن ذلك و
يوزع عليهما ما يتيسر ويتأتى منهما
فالمتيسر من الوالدة ان ترضع و
تحضن فيجب عليها ذلك والمتيسر
من الوالد ان ينفق عليه من طوله وينفق
عليها لانه حبسها عن المكاسب شغلها
بحضانة ولده ومعاناة التعب فيها
فكان العدل ان تكون كفايتها عليه، و
لما كان من الناس من يستعجل لفطامه
وربما يكون ذلك ضارا بالولد حد الله
حدا تغلب السلامة عنده وهو
حولان كاملان، ورخص فيما دون
ذلك بشرط تشاورهما اذ كثيرا ما يكون
الولد بحيث يقدر على التغذي قبلها
لكنه يحتاج الى اجتهاد ونحوهما ارفق
الناس به واعلمهم بسيرته، ثم حرم
المضارة من الجانبين لانه تضييق
يفضي الى نقصان التعاون فان احتاجوا
الى الاسترضاع لضعف الوالدة او مرضها
او تكون قد وقعت بينهما فرقة لاتلائمه
ونحو ذلك من الاسباب فلا جناح فيه
ويجب عند ذلك ايفاء الحق من الجانبين
قيل يا رسول الله ما يذهب عني مذمة
الرضاع؟ قال النبي صلى الله عليه وسلم
غرة عبد او امة ؛

اور یہ ایک جبلی امر ہے جو سب لوگوں کی خلقت میں داخل ہو گیا ہے یہاں تک کہ
اس کی مخالفت کرنا خدا کی خلق میں تغیر کرنا اور اس چیز کے بگاڑنے
میں کوشش کرنا ہے جس کو حکمتِ الٰہی نے واجب کیا ہے اسواسطے
ضروری ہوا کہ شرع اس سے بحث کرے اور ان دونوں خاوند
بیوی پر ان چیزوں کو تقسیم کرے جو ان دونوں سے بسہولت ادا
ہو سکیں پس ماں کے لئے یہ آسان ہے کہ بچہ کو دودھ پلائے اور
اس کی پرورش کرے پس اس پر یہی واجب کیا گیا اور باپ
کے لئے لڑکے پر صرف کرنا اور اس کی ماں پر صرف کرنا اور اپنی
استطاعت کے موافق کھانا کپڑا دینا آسان ہے کیونکہ خاوند نے
اس کو تمام مشاغل اور مکاسب سے روک کر اپنا بچہ اس کی
پرورش میں دیا ہے اور وہ اس کی پرورش میں محنت کرتی ہے پس
انصاف اس بات کو چاہتا ہے کہ عورت کے اخراجات بھی اسی
پر ہوں اور چونکہ بعض لوگ جلدی سے دودھ چھڑا دیتے
ہیں اور لبا اوقات اس میں بچہ کو ضرر پہنچتا ہے اس واسطے
اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک ایسی حد مقرر کر دی جس کے بعد
دودھ چھڑانے سے بچہ غالباً صحیح و سالم رہتا ہے اور وہ مدت
پورے دو سال ہیں اور اس سے کم میں بھی دودھ چھڑانے کی
اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ دونوں اس میں مصلحت سمجھ کر
اس بات کو تجویز کریں کیونکہ ایسا اوقات اس مدت سے پہلے بچہ
کھانے پینے کے قابل ہو جاتا ہے مگر یہ بات اجتہاد اور فکر کی
محتاج ہے اور اس امر میں ماں باپ ہی سب سے زیادہ مناسب
ہیں اور اس بچہ کی خصلت سے وہ دونوں ہی خوب واقف ہیں
پھر خدا تعالیٰ نے جانبین سے ضرر رسانی کو بھی حرام کر دیا اس
واسطے کہ اس میں دقت تھی جس سے تعاون میں نقصان آتا ہے پس
اگر ان کو ماں کے ضعف یا مرض یا باہمی جدائی اور نا اتفاقی وغیرہ
سے اور عورت سے دودھ پلوانے کی ضرورت پڑے تو اس میں کچھ مضائقہ
نہیں اور ایسے وقت میں دونوں جانب سے حق کا ادا کرنا ضروری ہے
کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ کس چیز سے مذمت رضاعت ادا
سے دور ہو سکتی ہے، آپ نے فرمایا ایک غلام یا ایک باندی سے۔

اعلم ان المرضع ام بعد الام الحقيقية وبرها واجب بعد بر الام حتى ان النبي صلى الله عليه وسلم بسط رداءه لمرضعه اكراما لها، ورب ما لا ترضى بما يهدى اليها وان كثر، ورب ما يستكثر الذي رضع القليل الذي يمنحها او يكون في ذلك الاشتباه فسئل النبي صلى الله عليه وسلم عن حد يضربه فضرب الغرة حدا، وذلك ان المرضع انما اثبتت حقا في ذمته لاجل اقامة بنيته وتصبيرها اياه انسانا كاملا ولاجل حضانته ومقاساة التعب فيه فيكون الجزاء الوفاق ان يمنحها انسانا يكون بمنزلة جوارحها فيما يريد من ارتفاقاتها ويتحمل عنها مؤنة عملها وهو حد استحبابي لا ضروري، وقالت هند ان ابا سفيان رجل شحيح لا يعطيني الا ان اخذ من ماله بغير اذنه، فقال صلى الله عليه وسلم خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف.

اقول لما كانت نفقة الولد والزوجة يعسر ضبطها فوضها النبي صلى الله عليه وسلم اليها واكد اشتراط اخذها بالمعروف واهمل الرجوع الى القضاة مثلا لانه عسير عند ذلك.

قال صلى الله عليه وآله وسلم مروا اولادكم بالصلاة الحديث، وقد مر سره فيما سبق، واختلفت قضاياه صلى الله عليه وآله وسلم في الاحق بالحضانة عند المشاجرة منهما لانه انما ينظر الى الارفق بالولد والديه، ولا ينظر الى من

واضح ہو کہ دایہ حقیقی ماں کے بعد ماں ہوتی ہے اور ماں کے ساتھ سلوک کرنے کے بعد اس کے ساتھ سلوک کرنا واجب ہے یہانتک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دایہ کے لئے ان کی تعظیم کے سبب اپنی چادر مبارک بچھادی اور بسا اوقات دودھ پلانے والی اس چیز سے راضی نہیں ہوتی جو اس کو دی جائے اگرچہ وہ بہت ہی ہو اور کترا دفعات دودھ پلانے والا تھوڑی چیز جو کو وہ دیتا ہے بہت سمجھ سکتا ہے اور اس میں اشتباہ واقع ہوتا پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی حد مقرر کرنے کا سوال کیا گیا پس آپ نے ایک غلام یا باندی کے ساتھ اس کی حد مقرر فرمائی، اور اس کا سبب یہ ہے کہ دودھ پلانے والی نے اس پر اپنا ایک حق قائم کر دیا ہے اس وجہ سے کہ اس نے اس کی بنیاد قائم کی اور اس کو کامل انسان بنایا اور اس کی پرورش کی اور اس کی مشقت برداشت کی پس اس کی پوری جزا یہ ہے کہ دودھ پلانے والا اس کو کوئی آدمی دے جو اس کے لئے تدابیر ضروریہ کے ارادہ کرنے میں بمنزلہ اعضاء کے ہو اور دودھ پینے والی عورت کے کام کاج کا بار اٹھائے اور یہ ایک حد استحبابی ہے ضروری نہیں ہے، ہند نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے وہ مجھ کو کچھ نہیں دیتا مگر یہ کہ میں خود بغیر اس کی اجازت کے لے لوں، تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس قدر تجھ کو اور تیرے بچہ کو حسب دستور کافی ہو سکے اس قدر لے لیا کر"۔

میں کہتا ہوں بچہ اور بیوی کے نفقہ کی حد مقرر کرنا چونکہ دشوار تھا اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو عورت کی رائے پر چھوڑ دیا اور اسکے لینے میں دستور کی قید لگادی اور اس امر کو قاضیوں کی طرف رجوع نہیں کیا کیونکہ ایسے وقت میں اس میں دقت تھی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو جائے تو انکو نماز پڑھنے کا حکم کرو" الحدیث، اور اسکے اسرار پہلے بیان ہو چکے ہیں، اور جب میاں بیوی میں بچہ کی پرورش کی بابت نزاع ہوا ہے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف حکم دیئے ہیں کیونکہ آپنے اس بات کا لحاظ کیا جو بچہ اور اسکے ماں باپ کے لئے مناسب ہے ع

ع اور آپنے اس کی طرف نظر نہیں فرمائی........

يريد المضارة ولا يلتفت الى المصلحة فان الحسد والضرار غير متبع فجاءته امرأة، وقالت يا رسول الله ان ابني هذا كان بطني له وعاء وثدي له سقاء وحجري له حواء وان اباه طلقني واراد ان ينتزعه مني، قال صلى الله عليه وسلم انت احق به مالم تنكحي ؛

اقول وذلك لان الام اهدى للحضانة وارفق به فاذا نكحت كانت كالمملوكة تحته وانما هو اجنبي لا يحسن اليه، و خير غلاما بين ابيه وامه وذلك اذا كان مميزا ؛

اعلم ان الانسان مدني بالطبع ولا يستقيم معاشه الا بتعاون بينهم ولا تعاون الا بالالفة والرحمة فيما بينهم ولا الفة الا بالمواساة ومراعاة الخواطر من الجانبين، وليس التعاون على مرتبة واحدة بل له مراتب مختلف باختلافها البر والصلة فادناها الارتباط الواقع بين المسلمين، وحد رسول الله صلى الله عليه وسلم البر فيما بينهم بخمس فقال حق المسلم على المسلم خمس رد السلام وعيادة المريض واتباع الجنائز واجابة الدعوة وتشميت العاطس، وفي رواية ستة السادسة اذا استنصحك فانصح له، وقال صلى الله عليه وسلم اطعموا الجائع وفكوا العاني يعني الاسير، السر في ذلك ان هذه الخمس او الست خفيفة المؤنة مورثة الالفة، ثم

جو مضرت کا ارادہ کرے اور مصلحت کا قصد نہ کرے کیونکہ حسد اور ضرر رسانی اتباع کے قابل نہیں ہوتی چنانچہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا یہ بیٹا میرے پیٹ میں رہا ہے اور میرے پستان کا اس نے دودھ پیا ہے اور میری گود میں اس نے پرورش پائی ہے اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اب وہ اس بچہ کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا تو ہی اسکی مستحق ہے جبتک تو نکاح نہ کرے،

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ پرورش کے طریقے ماں ہی خوب جانتی ہے اور اس کو بچہ پر نہایت شفقت ہوتی ہے پس جب وہ نکاح کر لیتی ہے تو وہ دوسرے کے ہاتھ میں بمنزلہ باندی کی ہوجاتی ہے اور وہ شخص اس بچہ کے حق میں محض اجنبی ہے اور بھلائی کرنے کی اس سے امید نہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو اختیار دیا کہ وہ خواہ باپ کے پاس رہے یا ماں کے پاس اور یہ اس وقت ہے جبکہ وہ برائی بھلائی کی تمیز کرنے لگے،

واضح ہو کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور اسکی زندگی باہمی معاونت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی اور معاونت بغیر باہمی الفت اور شفقت کے نہیں ہو سکتی اور الفت غمخواری اور جانبین سے خاطر داری کے بغیر نہیں پیدا ہوتی، اور معاونت کا ایک مرتبہ مقرر نہیں بلکہ اسکے مختلف مراتب ہیں جنکے اختلاف سے صلہ رحمی اور بھلائی بھی مختلف ہوتی ہے پس ان مراتب میں ادنیٰ مرتبہ مسلمانوں کے اندر ارتباط ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے اندر باہم سلوک کرنے کو پانچ چیزوں میں محدود کیا اور فرمایا کہ "ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پہ پانچ حق ہیں:- سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازہ کے پیچھے چلنا، جو کوئی بلائے تو اس کو قبول کرنا اور چھینکنے والے کو جواب دینا"، اور ایک روایت میں چھ حق ہیں اور چھٹا یہ کہ جب کوئی تجھ سے نصیحت طلب کرے تو اس کو نصیحت کرنا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کے چھڑانے میں کوشش کرو"، اور اس میں راز یہ ہے کہ ان پانچ یا چھ چیزوں میں وقت بہت کم ہے اور ان سے محبت پیدا ہوتی ہے، اور

الارتباط الواقع بين اهل الحي والجيران
والارحام وتتأكد هذه الاشيا فيما
بينهم وتتأكد التعزية والتهنئة و
الزيارة والمهاداة، واوجب النبي صلى
الله عليه وسلم امورا يتقيدون بها
شاءوا وام ابوا كقوله صلى الله عليه وسلم
من ملك ذا رحم محرم فهو حر وكما ب
الديات، ثم الارتباط الواقع بين اهل
المنزل من الزوجة وما ملكت يمينه
اما الزوجة فقد ذكرنا البر معها، و
اما ما ملكت اليمين فجعل النبي صلى الله
عليه وسلم بره على مرتبتين احداهما
واجبة يلزمهم شاءوا ام ابوا، والثانية
ندب اليها وحث عليها من غير ايجاب
اما الاولى فقال صلى الله عليه وسلم
للمملوك طعامه وكسوته ولا يكلف من
العمل مالا يطيق، وذلك انه مشغول
بخدمته عن الاكتساب فوجب ان تكون
كفايته عليه، وقال صلى الله عليه و
سلم من قذف مملوكه وهو بريء مما قال
جلد يوم القيامة، وقال عليه الصلاة
والسلام من جدع عبده فالعبد حر عليه
اقول وذلك ان افساد ملكه عليه
مزجرة عن ان يفعل ما فعل، وقال
صلى الله عليه وآله وسلم لا يجلد فوق
عشر جلدات الا في حد من حدود الله
اقول وذلك سد لباب الظلم و
الامعان في التعزير زيادة على الحد او
المراد النهي عن ان يعاقب في حق نفسه

اس ارتباط کے بعد وہ ارتباط ہے جو اہل محلہ اور ہمسایہ اور اقارب
کے اندر پایا جاتا ہے پس وہ ارتباط ان کے درمیان ان چیزوں
سے مستحکم ہوتا ہے اور تعزیت اور تہنیت اور آمد ورفت اور باہمی تح
و تحائف بھی اس کو مستحکم کرتے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے چند
امور کو واجب کیا جن کے وہ پابند ہیں خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں
جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے
رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہے" اور جیسا کہ دیتوں
میں ہے، اس کے بعد وہ ارتباط ہے جو گھر والوں میں پایا جاتا
جیسا کہ بیوی اور غلام باندی وغیرہ، لیکن بیوی کے ساتھ نیک
سلوک کرنا سو ہم اس کو بیان کر چکے ہیں لیکن غلام اور باندی
سو ان کے ساتھ بھلائی کرنے کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
مرتبے مقرر فرمائے ہیں ایک واجب ہے جس کی پابندی ضروری
ہے خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں، اور دوسرا مستحب ہے اور آپ نے
اس کی ترغیب دلائی ہے واجب نہیں کیا ہے پس پہلے مرتبہ کے
متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "غلام کے لئے اس کا کھ
اور کپڑا ہے اور اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام نہ لیا
جائے" اور اس کا کپڑا اور کھانا اس وجہ سے ہے کہ وہ مالک
کی خدمت کے سبب سے اپنے لئے کسب نہیں کر سکتا اس
واسطے ضروری ہوا کہ اس کی ضروریات مالک کے ذمہ ہوں
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے اپنے غلام پر تہمت لگا
حالانکہ وہ اس قول سے بری ہے تو قیامت کے روز اسکے کوڑے لگائے
جائیں گے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے غلام
کے ناک و کان کاٹے تو اس پر وہ غلام آزاد ہے"
میں کہتا ہوں اس میں یہ بات ہے کہ اس کے اوپر ملکیت کا جاتا
رہنے سے مالک کے اس فعل پر جو اس نے کیا ہے اس کو سزا دینا ہے
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دس کوڑوں سے زیادہ اس کو کوڑے نہ
لگائے جائیں بجز اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں"
میں کہتا ہوں اس میں ظلم کا دروازہ بند کرنا اور تعزیر میں مبالغہ
کرنے سے باز رکھنا ہے کہ حد سے زیادہ نہ ہو، یا اس سے مراد یہ

۴ کہ اپنی ذات سے متعلق امر میں دس کوڑوں سے ......

اكثر من عشر جلدات كترك ما امر به و
نحو ذلك، والمراد بالحد الذنب المستحق
عنه لحق الشرع، وهو قول القائل
اصبت حدا وارى ان هذا الوجه اقرب
فان الخلفاء لم يزالوا يعزرون اكثر
من عشر في حقوق الشرع، واما الثانية
فقوله صلى الله عليه وسلم اذا صنع لاحدكم
خادمه طعامه ثم جاء به وقد ولي
حره ودخانه فليقعده معه فلياكل
فان كان الطعام مشفوها قليلا فليضع
في يده منه اكلة او اكلتين، وقوله
صلى الله عليه وسلم من ضرب غلاما
له حدا لم يأته او لطمه فان كفارته
ان يعتقه، وقوله صلى الله عليه وسلم
اذا ضرب احدكم خادمه فذكر اسم
الله فليمسك، قال صلى الله عليه و
سلم من اعتق رقبة مسلمة اعتق
الله بكل عضو منها عضوا منه من النار

اقول العتق فيه جمع شمل المسلمين
وفك عانيهم فجوزي جزاءا وفاقا
قال صلى الله عليه وسلم من اعتق
شقصا في عبد اعتق كله ان كان له مال

اقول سببه ما وقع التصريح به
في نفس الحديث حيث قال عليه السلام
ليس لله شريك يريد ان العتق جعله
لله وليس من الادب ان يبقى معه ملك
لاحد، قال صلى الله عليه وسلم من ملك
ذا رحم محرم فهو حر

اقول السبب فيه صلة الرحم

زیادہ سزا دینے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ اس کام کو ترک کرنا جس کا
اس کو حکم کیا گیا ہے اور اسی جیسی باتیں، اور مراد حد سے وہ گناہ ہے
جس کی شریعت کے حق میں ممانعت آئی ہے اور جیسا کہ کسی قائل
کا یہ قول ہے کہ تو حد کو پہنچ گیا، اور میرے نزدیک یہ توجیہ صواب
کے قریب ہے کیونکہ خلفاء راشدین حقوق شرع کے اندر دس سے
زیادہ تعزیر کیا کرتے تھے، اور دوسرا درجہ بھلائی کا وہ ہے
جس کی بابت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب تم میں سے
کسی کا خادم کھانا پکائے پھر وہ اس کے پاس کھانا ایسی حالت میں
لائے کہ اس کو دھواں اور گرمی لگی ہے پس اسکو مناسب ہے
کہ اس کو اپنے پاس بٹھائے اور اس کے ساتھ کھانا کھائے اور
اگر کھانا کم ہو تو اس میں سے ایک یا دو لقمہ اس کے ہاتھ پر رکھ دے"
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے غلام کو حد میں
کہ وہ اس کا مرتکب نہیں ہوا تھا یا اس کے طمانچہ لگائے تو اس کا یہ
کفارہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے اور وہ خدا تعالیٰ
کی دہائی دے تو وہ رک جائے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جو شخص کسی مسلمان باندی غلام کو آزاد کرے تو خدا تعالیٰ اس
کے ہر عضو کے عوض میں اس کے عضو کو آزاد کر دے گا"

میں کہتا ہوں آزاد کرنے میں مسلمانوں کا اتفاق اور ان کے
قیدیوں کو قید سے چھڑانا ہے پس اس کو اس کی پوری جزا دیجائے
کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ایک غلام کے اندر اپنا حصہ
کو آزاد کرے تو وہ سب آزاد ہو جائیگا اگر اسکے پاس مال ہے"

میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جس کی نفس حدیث میں
تصریح واقع ہوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "خدا
تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے" اس سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی
یہ مراد ہے کہ یہ آزاد کرنا خدا تعالیٰ کے لئے ہوا ہے اور یہ خلاف ادب
ہے کہ خدا کے ساتھ اس میں کسی اور کی بھی ملک باقی رہے، نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ آزاد ہے"

میں کہتا ہوں اس کا سبب صلہ رحمی ہے

فاوجب الله تعالى نوعا منها عليهم شاءوا ام ابوا، وانما خص هذا لان ملكه والتصرف فيه واستخدامه بمنزلة العبيد جفاء عظيم، قال صلى الله عليه وسلم اذا ولدت امة الرجل منه فهي معتقة عن دبر منه:

اقول السر فيه الاحسان الى الولد لئلا يملك امه غير ابيه فيكون عليه عار من هذه الجهة، واوجب على العبد خدمة المولى وحرم عليه الاباق، قال صلى الله عليه وسلم ايما عبد ابق فقد برئ من الذمة حتى يرجع وحرم على المعتق ان يوالي غير مواليه، واعظم ذلك كله حرمة حق الوالدين، قال صلى الله عليه وسلم من اكبر الكبائر عقوق الوالدين وبرهما يتم بامور الاطعام والكسوة والخدمة ان احتاجا واذا دعاه الوالد اجاب واذا امره اطاع ما لم يأمر بمعصية ويكثر زيارته ويتكلم معه بالكلام اللين ولا يقول اف ولا يدعوه باسمه ويمشي خلفه ويذب عنه من اغتابه او اذاه ويوقره في مجلسه ويدعو له بالمغفرة، والله اعلم:

پس خدا تعالیٰ نے اس کی ایک قسم ان پر واجب کر دی خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں، اور واجب کرنے کے لئے اس قسم کی صلہ رحمی کو اس لئے خاص کیا کہ اپنے قریب کا مالک ہو جانا اور اس پر تصرف کرنا اور غلاموں کی سی اس سے خدمت لینا اس پر بڑا ظلم ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی کی باندی کی اسی شخص سے اولاد پیدا ہو تو وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی:

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ بچہ پر احسان کرنا ہے تاکہ اس کی ماں کا کوئی اور شخص مالک نہ ہو جائے جس کے سبب سے اس کو عار لاحق ہو اور شارع نے غلام پر مولیٰ کی خدمت واجب کی اور بھاگنا اس پر حرام کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غلام بھاگ گیا پس تحقیق وہ اسلام کے ذمہ سے باہر ہو گیا یہاں تک کہ لوٹ آئے، اور آزاد شدہ غلام پر حرام کر دیا کہ اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور سے موالات کرے اور صلہ رحمی میں سب سے بڑھکر حقوق والدین کی حرمت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے بڑھکر گناہ ماں باپ کی نافرمانی ہے" اور والدین کے ساتھ سلوک کرنا چند امور سے پورا ہوتا ہے ان کو کھانا کھلانا اور لباس دینا اور اگر انکو خدمت کی ضرورت ہو تو خدمت کرنا اور جب وہ بلائیں تو ان کو جواب دینا اور جب وہ کسی بات کا حکم دیں تو اس کو بجالانا بشرطیکہ وہ معصیت کے قبیل سے نہ ہو اور بکثرت ان کے پاس آمد و رفت رکھنا اور نرم کلامی کے ساتھ ان سے بات کرنا اور انکو اُف تک نہ کہنا اور نام لیکر انکو نہ پکارنا اور ان کے پیچھے پیچھے چلنا اور جو انکی برائی کرے یا تکلیف پہنچائے تو انکی اس سے مدافعت کرنا اور نشست و برخاست میں انکی عزت کرنا اور انکے حق میں مغفرت کی دعا کرنا، واللہ اعلم:

من ابواب سياسة المدن

اعلم انه يجب ان يكون في جماعة المسلمين خليفة لمصالح لا تتم الا بوجوده وهي كثيرة جدا يجمعها صنفان احدهما ما يرجع الى سياسة المدينة

شہروں کی سیاست سے متعلق چند ابواب

واضح ہو کہ مسلمانوں کی جماعت کے اندر چند مصالح کی وجہ سے ایک خلیفہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ مصالح بغیر اسکے پورے نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ مصلحتیں بے شمار ہیں لیکن وہ دو قسموں میں منحصر ہیں۔ ان میں سے ایک وہ مصالح ہیں جو سیاست شہر سے متعلق ہیں

من ذب الجنود التی تغزوهم وتقهرهم
وكف الظالم عن المظلوم وفصل القضايا
وغير ذلك، وقد شرحنا هذه الحاجات
من قبل، وثانيهما ما يرجع الى الملة و
ذلك ان تنويه دين الاسلام على سائر
الاديان لا يتصور الا بان يكون فى المسلمين
خليفة ينكر على من خرج من الملة و
ارتكب ما نصت على تحريمه او ترك
ما نصت على افتراضه اشد الانكار ويذل
اهل سائر الاديان ويأخذ منهم الجزية
عن يد وهم صاغرون والا كانوا متساوين
فى المرتبة لا يظهر فيهم رجحان احدى الفرقتين
على الاخرى ولم يكن كابح يكبحهم عن
عدوانهم، والنبى صلى الله عليه وسلم
جمع تلك الحاجات فى ابواب اربعة
باب المظالم وباب الحدود، وباب
القضاء وباب الجهاد، ثم وقعت
الحاجة الى ضبط كليات هذه الابواب
وترك الجزئيات الى رأى الائمة، و
وصيتهم بالجماعة خيرا، وذلك لوجوه
منها ان متولى الخلافة كثيرا ما يكون
جائرا ظالما يتبع هواه ولا يتبع الحق
فيفسد فيهم وتكون مفسدته عليهم
اشد مما يرجى من مصلحتهم ويحتج
فيما يفعل انه تابع للحق وانه رأى
المصلحة فى ذلك فلا بد من كليات
ينكر على من خالفها ويؤاخذ بها ويرجع
احتجاجهم عليه اليها، ومنها ان
الخليفة يجب ان يصحح على الناس

یعنی ان لشکروں سے مدافعت کرنا جو ان کو مغلوب اور مقہور کرنے
آتے ہیں اور ظالم کو مظلوم سے روکنا اور مقدمات کا فیصلہ کرنا
وغیرذالک اور ان حوائج کی ہم پہلے تشریح کر چکے ہیں، اور دوسری قسم وہ
مصالح ہیں جو ملت کی اصلاح سے متعلق ہیں اور اس کا بیان یہ ہے کہ
دین اسلام کا تمام ادیان پر غالب ہونا اس کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا
کہ مسلمان کے اندر کوئی خلیفہ ہو جو اس شخص کو سختی سے روکے جو
ملت سے نکلے اور اس چیز کا ارتکاب کرے جس کی حرمت پر نص وارد ہے
یا اس چیز کو ترک کرے جس کی فرضیت نص سے ثابت ہو اور وہ
باقی تمام ادیان کے لوگوں کو مطیع کرے اور ان سے جزیہ وصول
کرے اس حال میں کہ ان سب پر دباؤ ہو ورنہ وہ مرتبہ میں مساوی
معلوم ہوں گے اور ایک فریق کا دوسرے پر غلبہ ظاہر نہ ہوگا اور کوئی
شخص انکو انکی سرکشی سے روکنے والا نہ ہوگا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے تمام ان حوائج کو چار باب کے اندر جمع کر دیا ہے:- باب مظالم
باب حدود، باب قضاء، باب جہاد، پھر اس بات کی ضرورت
ہوئی کہ ان ابواب کے کلیات کا انضباط کیا جائے اور ان کی
جزئیات کو خلفاء کی رائے پر چھوڑ دیا جائے اور ان کو مسلمانوں
کی جماعت کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت کیجائے اور اس کے
کئی اسباب ہیں۔ ازآں جملہ یہ ہے کہ بسا اوقات جو شخص خلیفہ بنتا
ہے وہ جابر اور ظالم اور اپنی خواہش نفسانی کا تابع ہوتا ہے اور
اتباع حق نہیں کرتا پس وہ لوگوں کے اندر فساد ڈالتا ہے اور
اس کا یہ فساد اس مصلحت سے بدرجہا بڑھ کر ہوتا ہے جس کی
اس سے امید کیجاتی ہے اور وہ خلیفہ اپنے افعال میں یہ حجت پیش
کرتا ہے کہ وہ حق کی اتباع کر رہا ہے اور اس نے اس بات میں
مصلحت سمجھی ہے پس اس واسطے ایسے کلیات کا ہونا ضروری
ہے کہ جو شخص ان کی مخالفت کرے اس کو روکا جائے اور
ان کلیات کے ذریعہ اس سے مؤاخذہ کیا
جائے اور اس کے خلاف ان کا احتجاج ان کلیات کی طرف
رجوع کرے۔
اور ازآں جملہ یہ ہے کہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کے

ظلم الظالم وان العقوبة ليست زائدة
على قدر الحاجة، ويصحح في فصل القضايا
انه قضى بالحق والا كان سببا لاختلافهم
عليه وان يجد الذي كان الضرر عليه
واولياؤه في انفسهم وحرارة اجحا الى
غدر ويضمروا عليه حقدا يرون فيه
ان الحق بايديهم وذلك مفسدة شديدة
ومنها ان كثيرا من الناس لا يدركون
ماهو الحق في سياسة المدينة
فيجتهدون فيخطئون يمينا وشمالا
فمن صلب متشدد يرى البالغ في
المزجرة قليلا ومن سهل لين يرى القليل
كثيرا ومن اذن امعة يرى كل ما انهى
اليه المدعي حقا ومن متمنع كؤود يظن
بالناس ظنونا فاسدة ولا يمكن الاستقصاء
فانه كالتكليف بالمحال فيجب ان تكون
الاصول مضبوطة فان اختلافهم في
الفروع اخف من اختلافهم في الاصول
ومنها ان القوانين اذا كانت ناشئة
من الشرع كانت بمنزلة الصلاة و
الصيام في كونها قربة الى الحق والسنة
تذكر الحق عند القوم، وبالجملة فلا
يمكن ان يفوض الامر بالكلية الى اولى
انفس شهوية او سبعية ولا يمكن
معرفة العصمة والحفظ عن الجور في
الخلفاء والمصالح التي ذكرناها
في التشريع وضبط المقادير
كلها متأتية ههنا، و
الله اعلم۔

سامنے ظالم کے ظلم کو ثابت کرے اور نیز یہ کہ سزا حاجت سے زیادہ نہیں
ہے اور قضایا کے فیصلوں میں یہ ثابت کرے کہ اس نے انصاف
سے فیصلہ کیا ہے اگر یہ بات نہ ہوگی تو لوگ اس کی خلافت میں اختلاف
کریں گے اور جس کو ضرر پہنچا ہے اس کے اور اس کے اقارب کے
دل میں خلیفہ کی طرف سے غصہ اور جوش پیدا ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا
کہ وہ عذر کے منتظر رہیں گے اور ان کے دلوں میں خلیفہ کی طرف سے
بغض پیدا ہو جائیگا اور اپنے آپ کو حق پر سمجھیں گے اور یہ بڑا فساد
ہے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سیاست
مدنیہ میں حق کیا ہوتا ہے پس وہ اجتہاد کرتے ہیں اور غلطی کرکے حق
کے راستہ سے دائیں بائیں پھر جاتے ہیں پس بعض آدمی ایسا سخت اور
شدید ہوتا ہے کہ بڑی سخت سزا کو بھی ہلکا سمجھتا ہے اور بعض آدمی ایسا
نرم دل ہوتا ہے کہ تھوڑی سزا کو بھی بہت سمجھتا ہے اور بعض ایسے کان
کے پکے ہوتے ہیں کہ مدعی نے جو کچھ کہدیا اسی کو حق سمجھتے ہیں اور
بعض ایسے سخت اور ضدی ہوتے ہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کی
نسبت بدگمانی کرتے ہیں، اور ہر بات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں
ہے کیونکہ یہ بمنزلہ تکلیف بالمحال کے ہے اس واسطے ضروری
ہوا کہ اصول کا انضباط کیا جائے کیونکہ لوگوں کا
فروع میں اختلاف کرنا اصول میں اختلاف کرنے سے سہل
تر ہے،

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ قوانین جبکہ شرع سے پیدا ہوتے
ہیں تو تقرب الہی کے پیدا کرنے میں اور زبان. جنکر قوم کے
اندر ذکر حق کرنے میں وہ بمنزلہ نماز اور روزہ کے ہوتے ہیں
حاصل کلام یہ ہے کہ جو لوگ قوت شہوانیہ یا سبعیہ کے
تابع ہوتے ہیں تمام اختیارات ان کے سپرد کر دینا ناممکن
ہوتا ہے اور خلفاء کے اندر عصمت اور ظلم کو معلوم
کرنا بھی ناممکن ہے۔ اور تشریع اور ضبط مقادیر
میں جن مصلحتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ تمام
یہاں موجود ہیں، واللہ اعلم۔

الخلافة

اعلم انه يشترط في الخليفة ان يكون عاقلا بالغا حرا ذكرا شجاعا ذا رأي و سمع و بصر و نطق، و ممن سلم الناس شرفه وشرف قومه و لا يستنكفون عن طاعته قد عرف منه انه يتبع الحق في سياسة المدينة هذا كله يدل عليه العقل، واجتمعت امم بني آدم على تباعد بلدانهم واختلاف اديانهم على اشتراطها لما رأوا ان هذه الامور لا تتم المصلحة المقصودة من نصب الخليفة الا بها وان وقع شيء من اهمال هذه او خلاف ما ينبغي وكرهه قلوبهم و سكتوا على غيظ، وهو قوله صلى الله عليه وسلم في فارس لما ولوا عليهم امرأة لن يفلح قوم ولوا عليهم امرأة، والملة المصطفوية اعتبرت في خلافة النبوة امورا اخرى منها الاسلام والعلم والعدالة، وذلك ان المصالح الملية لا تتم بدونها ضرورة اجمع المسلمون عليه، والاصل في ذلك قوله تعالى وعد الله الذين آمنوا منكم و عملوا الصالحات ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم الى قوله تعالى فاولئك هم الفاسقون، ومنها كونه من قريش، قال النبي صلى الله عليه وسلم الائمة من قريش والسبب المقتضي لهذا ان الحق الذي اظهره الله على لسان نبيه صلى الله عليه وسلم انما جاء بلسان

خلافت کا بیان

واضح ہو کہ خلیفہ کے اندر عاقل بالغ آزاد مرد شجاع صاحب رائے سننے والا اور دیکھنے والا اور گویا ہونا شرط ہے اور اسکا ایسا شخص ہونا شرط ہے کہ لوگ اسکی اور اس کے نسب کی شرافت کو تسلیم کرتے ہوں اور اس کی فرمانبرداری سے عار نہ کرتے ہوں اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ وہ سیاست مدینہ میں حق کا اتباع کریگا یہ سب باتیں ایسی ہیں جن پر عقل دلالت کرتی ہے اور باوجود ملکوں کے اور دینوں کے اختلاف کے تمام بنی آدم کا خلیفہ کے اندر ان تمام باتوں کی شرط ہونے کا اتفاق ہے اس لئے کہ سب لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ خلیفہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان امور کے تمام نہیں ہو سکتی، اور ان امور میں سے جب کبھی کوئی امر رہ گیا ہے تو انہوں نے اسکو نامناسب خیال کیا ہے اور اس کا خلیفہ ہونا انکے دلوں کو ناگوار گذرا ہے اور غصہ کی حالت میں بظاہر سکوت کیا ہے، چنانچہ جب اہل فارس نے ایک عورت کو اپنا بادشاہ بنایا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس قوم نے عورت کو اپنے اوپر حاکم بنایا اس کو ہرگز فلاح نہ ہوگی"، اور ملت مصطفویہ نبی کے خلیفہ ہونے میں ان امور کے علاوہ اور باتیں بھی معتبر ہیں،

ازآں جملہ اسلام اور علم اور عدالت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دینی مصالح بغیر ان امور کے تمام نہیں ہوتے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس امر میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں حاکم بنادیگا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا" الی قولہ تعالیٰ "فاولئک هم الفاسقون"

اور ازآں جملہ یہ ہے کہ وہ قریشی ہو، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امام قریش میں سے ہونا چاہیے"، اور اس کا سبب یہ ہے کہ حق جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ظاہر کیا ہے وہ قریش کی زبان میں اور

قريش وفى عاداتهم، وكان اكثر ما تعين من المقادير والحدود ما هو عندهم، وكان المعد لكثير من الاحكام ما هو فيهم فهم اقوم به واكثر الناس تمسكا بذلك وايضا فان قريشا قوم النبى صلى الله عليه وسلم وحزبه ولا فخر لهم الا بعلو دين محمد صلى الله عليه وسلم وقد اجتمع فيهم حمية دينية وحمية نسبية فكانوا مظنة القيام بالشرائع والتمسك بها، وايضا فانه يجب ان يكون الخليفة ممن لا يستنكف الناس من طاعته لجلالة نسبه وحسبه فان من لا نسب له يراه الناس حقيرا ذليلا، وان يكون ممن عرف منهم الرياسات والشرف ومارس قومه جمع الرجال ونصب القتال، وان يكون قومه اقوياء يحمونه وينصرونه ويبذلون دونه الانفس ولم تجتمع هذه الامور الا فى قريش لا سيما بعد ما بعث النبى صلى الله عليه وسلم ونبه به امر قريش ؛

وقد اشار ابو بكر الصديق رضى الله عنه الى هذه فقال ولن يعرف هذا الامر الا بقريش هم اوسط العرب دارا الخ وانما لم يشترط كونه هاشميا مثلا لوجهين احدهما ان لا يقع الناس فى الشك فيقولوا انما اراد ملك اهل بيته كسائر الملوك فيكون سببا للارتداد، ولهذه العلة لم يعط النبى صلى الله عليه وسلم المفتاح لعباس بن عبد المطلب رضى

ان کی عادت کے موافق نازل ہوا ہے اور مقادیر اور حدود و
اکثر کی تعیین انہی چیزوں کے ساتھ کی گئی ہے جو ان میں موجود
اور بہت سے احکام انہیں کے معاملات کے متعلق نازل ہو
پس سب سے زیادہ وہی ان احکام کو قائم کرنے والے اور ان
پکڑنے والے ہیں اور نیز قریش نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی قوم اور
گروہ ہیں اور ان کا فخر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کے بلند
کے سوا اور کسی چیز میں نہیں ہے اور ان میں غیرت دینی اور غیر
نسبی دونوں پائی جاتی ہیں پس وہی لوگ شرائع کے قائم کرنے ا
سے استدلال کرنے کے قابل ہیں، اور نیز خلیفہ ایسا شخص ہو
کہ اس کے جلالت نسب اور حسب کی وجہ سے اس کی فرمانبر
سے لوگ عار نہ کریں کیونکہ جس شخص کا نسب عمدہ نہیں ہوتا
اس کو ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں اور نیز خلیفہ ان لوگوں میں سے
چاہیئے جن میں ریاست اور شرافت ہو اور اسکی قوم لوگوں کے جمع ا
کے میدان دیکھے ہوئے ہو اور نیز اس کی قوم کے لوگ قوی ہوں جو
حمایت اور مدد کر سکیں اور اس کی خاطر جان دے سکیں، اور یہ
امور بجز قریش کے کسی قوم کے اندر مجتمع نہیں تھے خاصکر جب ر
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ کی وجہ کر ق
کی عزت اور شوکت زیادہ ہو گئی اور اسی بات کی طر
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ نے اشارہ کیا تھا اور
کہا "خلافت کا امر سوائے قریش کے ہرگز کسی کے لئے
معلوم ہوتا وہ تمام عرب میں باعتبار
کے اوسط ہیں ؛

اور خلیفہ کا ہاشمی ہونا دو وجہ سے شرط نہیں کیا گیا
تو یہ کہ لوگوں کو اس سے شک واقع نہ ہو اور وہ یہ نہ کہہ سکیں
اپنے گھرانے کی بادشاہت مقصود ہے جس طرح کہ اور بادشا
کو ہوتی ہے اور یہ بات ان کے ارتداد کا سبب بن جا
اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضر
عباس بن عبد المطلب کو خانہ کعبہ کی کنجی عطا
فرمائی ،

لله عنه، والثانی ان المهم فی الخلافة رضا
ناس به واجتماعهم علیه وتوقیرهم
اه وان یقیم الحد ود ویناضل دون
ملة وینفذ الاحکام واجتماع هذه الامور
یکون الا فی واحد بعد واحد، و فی
شتراط ان یکون من قبیلة خاصة
ضییق وحرج فربما لم یکن فی هذه
قبیلة من تجتمع فیه الشروط وکان
غیرها، ولهذه العلة ذهب الفقهاء
ى المنع عن اشتراط کون المسلم فیه
ن قریة صغیرة وجوزوا کونه من قریة
بیرة وتنعقد الخلافة بوجوه ببیعة
ل الحل والعقد من العلماء والرؤساء
مراء الاجناد ممن یکون له رای و
صیحة للمسلمین کما انعقدت خلافة
ى بکر رضی الله عنه وبان یوصی الخلیفة
ناس به کما انعقدت خلافة عمر رضی الله
نه او یجعل شوری بین قوم کما کان
نه انعقاد خلافة عثمان بل علی ایضا
ضی الله عنهما، او استیلاء رجل جامع
شروط علی الناس وتسلطه علیهم کسائر
خلفاء بعد خلافة النبوة، ثم ان
ستوی من لم یجمع الشروط لا ینبغی
ن یبادر الی المخالفة لان خلعه لا یتصور
الا بحروب ومضایقات وفیها من
مفسدة اشد مما یرجی من المصلحة
سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم
هم نقتل افلا ننابذهم؟ قال لا ما
اموا لیکم الصلاة، وقال الا ان تروا

اور دوسری وجہ یہ ہو کہ خلافت کے اندر نہایت ضروری امر خلیفہ سے لوگوں کا راضی ہونا اور اس پر ان کا متفق ہونا اور خلیفہ کے سامنے ان کا توقیر سے پیش آنا اور خلیفہ کا حدود قائم کرنا اور ملت کے لئے قتال کرنا اور احکام نافذ کرنا ہے اور ان سب امور کا جمع ہونا کسی کسی شخص میں ہوتا ہے اور اس بات کے شرط کرنے میں کہ خلیفہ خاص قبیلہ کا ہو لوگوں کیلئے باعث دقت اور حرج ہے کیونکہ بسا اوقات اس قبیلہ میں ایسا شخص نہیں ہوتا جس کے اندر یہ تمام شرائط مجتمع ہوں بلکہ دوسرے قبیلہ میں ایسا شخص موجود ہوتا ہے اور اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ مسلم فیہ کا چھوٹی بستی سے ہونے کو شرط ٹھیرانا درست نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس کا بڑی بستی سے ہونا جائز قرار دیا ہے،

اور خلافت چند طرح سے منعقد ہوتی ہے ایک تو ان لوگوں کے بیعت کر لینے سے جو حل وعقد کے مالک ہیں جیسے علماء اور رؤسا اور وہ امراء لشکر جو صاحب الرائے اور قوم کے خیر خواہ ہوں جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی تھی اور ایک صورت یہ ہے، کہ خود خلیفہ وصیت کرے کہ فلاں شخص کو خلیفہ بناؤ جس طرح حضرت عمرؓ کی خلافت منعقد ہوئی تھی، اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی خاص شخص کے لئے قوم کے اندر مشورہ ہو جس طرح حضرت عثمان بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انعقاد ہوا، اور ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص جس میں یہ شرائط پائی جائیں لوگوں پر قادر اور مسلط ہو جائے جس طرح خلافت نبوت کے بعد اور خلفاء کی خلافت ہے،

پھر اگر کوئی ایسا شخص جو ان اوصاف کا جامع نہ ہو لوگوں پر غلبہ حاصل کرلے تو اس کی مخالفت پر فوراً کمربستہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اسکو معزول کرنا غالباً لڑائیوں اور جھگڑوں کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اس میں جس قدر فساد ہے اس مصلحت سے بڑھکر ہے جو خلافت سے مقصود ہوتی ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا، کیا ہم ایسے بڑے بادشاہوں سے نہ لڑیں؟ تو آپ نے فرمایا "نہیں، جب تک وہ تمہارے اندر نماز کو قائم رکھیں" اور فرمایا "مگر جب کہ تم ان سے

كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان،
وبالجملة فاذا كفر الخليفة بانكار ضروري من ضروريات الدين حل قتاله بل وجب والا لا، وذلك لانه حينئذ فاتت مصلحة نصبه بل يخاف مفسدته على القوم فصار قتاله من الجهاد في سبيل الله
قال صلى الله عليه وسلم السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب وكره مالم يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة ÷
اقول لما كان الامام منصوبا لنوعين من مصالح الدين بهما انتظام الملة والمدن، وانما بعث النبي صلى الله عليه وسلم لاجلهما والامام نائبه ومنفذ امره كانت طاعته طاعة رسول الله ومعصيته معصية رسول الله الا ان يأمر بالمعصية فحينئذ ظهر ان طاعته ليست بطاعة الله وانه ليس نائب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، ولذلك قال عليه السلام ومن يطع الامير فقد اطاعني ومن عصى الامير فقد عصاني، قال صلى الله عليه وآله وسلم انما الامام جنة يقاتل من وراءه ويتقى به فان امر بتقوى الله وعدل فان له بذلك اجرا وان قال بغيره فان عليه منه ÷
اقول انما جعله بمنزلة الجنة لانه سبب اجتماع كلمة المسلمين والذب عنهم، وقال صلى الله عليه وآله

کفر ظاہر دیکھو کہ جس پر تمہارے پاس خدا کی طرف سے کوئی برہان ہو :
اور حاصل کلام یہ ہے کہ خلیفہ جب ضروریات دین میں سے کسی ضروری حکم کا منکر ہو کر کافر ہو جائے تو اس کے ساتھ قتال کرنا درست بلکہ واجب ہے ورنہ نہیں، کیونکہ بوقت کفر وہ مصلحت جو اس کے خلیفہ بنانے سے مقصود تھی وہ فوت ہو گئی بلکہ لوگوں کے اندر اس کے فساد پھیلانے کا اندیشہ ہے پس اس کے ساتھ قتال کرنا خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ماننا اور اس کی اطاعت کرنا مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ بات اس کو بری لگے یا بھلی جب تک کہ خلیفہ گناہ کا حکم نہ دے پس جب وہ گناہ کا حکم دے تو اس وقت نہ ماننا ہے اور نہ اطاعت کرنا ہے :
میں کہتا ہوں جبکہ امام دونوں قسم کی مصلحتوں کے لئے جن سے دین اور ملک کا انتظام ہوتا ہے مقرر کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں دونوں مصلحتوں کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور امام آپ کا نائب اور آپ کے حکم کو نافذ کرنے والا تو اس کی فرمانبرداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی آپ کی نافرمانی ہے، مگر جب امام گناہ کا حکم دے تو اس وقت یہ معلوم ہوگا کہ اس کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں ہے اور وہ شخص آپ کا نائب نہیں ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امام ایک سپر ہے جس کی پناہ میں قتال کیا جاتا ہے اور جس کے سبب سے لوگوں کو بچاؤ ہوتا ہے پھر اگر امام خدا تعالیٰ کے خوف و ہدایت کا حکم کرے تو اس کیلئے اس کا اجر ہے اور اگر اس کے سوا وہ کچھ اور کہے تو اس کا وبال اسی پر ہوگا :
میں کہتا ہوں امام کو بمنزلہ سپر کے اس لئے فرمایا کہ امام کے سبب سے سب مسلمان ایک زبان ہو جاتے ہیں اور ان پر کوئی مصیبت نہیں آسکتی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

وسلم من رأى من اميره شيئا يكرهه فليصبر فانه ليس احد يفارق الجماعة شبرا فيموت الامات ميتة جاهلية۔

اقول وذلك لان الاسلام انما امتاز من الجاهلية بهذين النوعين من المصالح والخليفة نائب رسول الله صلى الله عليه وسلم فيهما فاذا فارق منفذهما و مقيمهما اشبه الجاهلية، قال صلى الله عليه وسلم ما من عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنصيحة الالم يجد رائحة الجنة۔

اقول لما كان نصب الخليفة لمصالح وجب ان يؤمر الخليفة بايفاء هذه المصالح كما امر الناس ان ينقادوا له لتتم المصالح من الجانبين، ثم ان الامام لما كان لا يستطيع بنفسه ان يباشر جباية الصدقات واخذ العشور وفصل القضاء في كل ناحية وجب بعث العمال والقضاة، ولما كان اولئك مشغولين بامر من مصالح العامة وجب ان تكون كفايتهم في بيت المال واليه الاشارة في قول ابي بكر الصديق رضي الله عنه لما استخلف لقد علم قومي ان حرفتي لم تكن تعجز عن مؤنة اهلي وشغلت بامر المسلمين فسيأكل آل ابي بكر من هذا المال ويحترف للمسلمين فيه

ثم وجب ان يؤمر العامل بالتيسير وينهى عن الغلول والرشوة، وان يؤمر القوم بالانقياد له لتتم المصلحة المقصودة

جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناپسند بات دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہیئے کیونکہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہو کر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت سے جو امتیاز ہے انہیں دونوں مصلحتوں کے قائم کرنے کے سبب سے ہے اور ان دونوں مصلحتوں کے قائم کرنے میں خلیفہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے پس جب کسی شخص نے ان مصلحتوں کے نافذ کرنے والے اور ان کے قائم کرنے والے سے مخالفت کی تو وہ جاہلیت کے مشابہ ہوگیا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس بندہ کو اللہ تعالیٰ کسی رعیّت کا مالک بنائے اور خیر خواہی کے ساتھ وہ اس کی حفاظت نہ کرے، تو وہ جنت کی بو بھی نہ پائیگا"۔

میں کہتا ہوں چونکہ خلیفہ کا مقرر کرنا مصلحتوں کے قائم کرنے کے لئے تھا اسواسطے ضروری ہوا کہ خلیفہ کو ان مصالح کے قائم کرنیکا حکم بتاکید دیا جائے جسطرح لوگوں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تاکہ جانبین سے مصلحتیں پوری ہو جائیں، پھر چونکہ امام تنہا صدقات اور عشور کو وصول نہیں کر سکتا اور نہ تمام اطراف کے مقدمات فیصل کر سکتا ہے اسواسطے عمال اور قاضیوں کا مقرر کرنا ضروری ہوا اور چونکہ وہ سب کام ترک کر کے مصالح عامہ میں سے ایک کام میں مشغول ہو گئے اس واسطے بیت المال میں ان کے مصارف کا مقرر کرنا ضروری ہوا چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "تحقیق میری قوم جانتی ہے کہ میری تجارت میرے گھر والوں کے لئے کچھ کم نہ تھی اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوں پس ابوبکر کا کنبہ بیت المال سے کھائے گا اور وہ مسلمانوں کے لئے محنت کرے گا۔

پھر ضروری ہوا کہ عامل کو نرمی کرنے کا حکم دیا جائے اور خیانت اور رشوت سے اس کو منع کیا جائے اور لوگوں کو اسکی اطاعت کا حکم دیا جائے تاکہ مصلحت مقصودہ پوری ہو۔

وهذا قوله صلى الله عليه وسلم ان رجالا
يتخوضون في مال الله بغير حق فلهم النار
يوم القيامة، وقال صلى الله عليه وسلم
من استعملناه على عمل فرزقناه رزقا
فما اخذ بعد ذلك فهو غلول، ولعن
رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي
والمرتشي، والسر في ذلك انه ينافي المصلحة
المقصودة ويفتح باب المفاسد، وقال صلى
الله عليه وسلم لا نستعمل من طلب العمل
اقول وذلك لانه قلما يخلو طلبه
من داعية نفسانية، وقال صلى الله
عليه وآله وسلم اذا جاءكم العامل فليصدر
وهو عنكم راض، ثم وجب ان يقدر
القدر الذي يعطى العمال في عملهم لئلا
يجاوزه الامام فيفرط او يفرط ولا يعده
العامل بنفسه، وهو قوله صلى الله عليه
وسلم من كان لنا عاملا فليكتسب زوجة
فان لم يكن له خادم فليكتسب خادما
فان لم يكن له مسكن فليكتسب مسكنا
فاذا بعث الامام العامل في صدقات
سنة فليجعل له فيها ما يكفي مؤنته
ويفضل فضل يقدر به على حاجة من هذه
الحوائج فان الزائد لاحد له والمؤنة
بدون زيادة لا يتعانى لها العامل و
لا يرغب فيها؛

جائے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بعض لوگ خدا تعالیٰ کے
مال میں بغیر حق کے تصرف کرتے ہیں پس قیامت کے روز ان کے
لئے آگ ہے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کو ہم کسی کام
پر مقرر کریں اور اس کو تنخواہ بھی دیں پھر اس کے بعد جو کچھ وہ لیگا
تو وہ خیانت ہے" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت
دینے والے اور لینے والے پر لعنت کی ہے اور اس میں راز یہ ہے
کہ رشوت کا لینا اور دینا مصلحت مقصود کے منافی ہے اور اس
سے فساد کا دروازہ کھلتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"ہم اس شخص کو عامل مقرر نہ کریں گے جو خود عامل بننا چاہے"
میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ عامل بننے کی طلب اکثر خواہش
نفسانی سے خالی نہیں ہوتی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جب تمہارے پاس کوئی عامل آئے تو مناسب ہے کہ وہ تم سے خوش
ہوکر واپس جائے" پھر یہ ضروری ہوا کہ عمال کو ان کے عمل کے بدلے
میں جو کچھ دیا جائے اس کا اندازہ معین کیا جائے تاکہ امام کمی یا زیادتی
نہ کرے اور نہ خود عامل اس میں کچھ زیادتی کرسکے پس نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ہمارا عامل ہو تو اس کو چاہئے کہ اگر بیوی
نہیں ہے تو بیوی کرے پھر اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو خادم
بھی مقرر کرے اور اگر گھر نہ ہو تو گھر بھی لے لے"۔

پس جب امام عامل کو سال بھر کے صدقات وصول
کرنے کو بھیجے تو اس کو چاہیئے کہ اس کے لئے اس قدر مقرر
کردے جو اس کے اخراجات کو کافی ہو کر دیگر حوائج ضروریہ
کے لئے بھی بچ رہے کیونکہ زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے اور بغیر
کسی قدر زاید کے عامل مشقت کو گوارہ نہ کریگا اور نہ اس کی
طرف توجہ کرے گا؛

المظالم

اعلم ان من اعظم المقاصد التي
قصدت ببعثة الانبياء عليهم السلام

مظالم کا بیان

واضح ہو کہ جن مقاصد کے لئے انبیاء علیہم السلام
بھیجے گئے ہیں ان میں سے سب سے بڑا مقصد لوگوں کی

دفع المظالم من بين الناس فان تظالمهم يفسد حالهم ويضيق عليهم ولا حاجة الى شرح ذلك، والمظالم على ثلاثة اقسام تعد على النفس، وتعد على اعضاء الناس وتعد على اموال الناس، فاقتضت حكمة الله ان يزجر عن كل نوع من هذه الانواع بزواجر توية تردع الناس عن ان يفعلوا ذلك مرة اخرى ولا ينبغي ان يجعل هذه الزواجر على مرتبة واحدة فان القتل ليس كقطع الطرف ولا قطع الطرف كاستهلاك المال، وان الدواعي التي تنبعث منها هذه المظالم لها مراتب فمن البديهي ان تعمد القتل ليس كالتساهل المنجر الى الخطأ، فاعظم المظالم القتل وهو اكبر الكبائر اجمع عليه اهل الملل قاطبتهم وذلك لانه طاعة النفس في داعية الغضب، وهو اعظم وجوه الفساد فيما بين الناس وهو تغيير خلق الله وهدم بنيان الله ومناقضة ما اراد الحق في عباده من انتشار نوع الانسان، والقتل على ثلاثة اقسام عمد وخطأ وشبه عمد فالعمد هو القتل الذي يقصد به ازهاق روحه بما يقتل غالبا جارحا او مثقلا، والخطأ ما لا يقصد فيه اصابته فيصيبه فيقتل كما اذا وقع على انسان فمات او رمى شجرة فاصابه فمات، وشبه العمد ان يقصد الشخص بما لا يقتل غالبا فيقتل كما اذا ضرب بسوط

باہمی جبر و ظلم کا دور کرنا ہے کیونکہ ان کا باہم ایک دوسرے پر ظلم کرنا ان کی حالت کو خراب کرتا ہے اور ان پر بڑی تنگی پیدا کرتا ہے جس کی تشریح کی ضرورت نہیں، اور مظالم کی تین قسمیں ہیں ایک جان پر تعدی کرنا دوسرے لوگوں کے اعضاء پر تعدی کرنا تیسرے لوگوں کے مالوں پر تعدی کرنا، پس حکمت الٰہی کا مقتضیٰ ہوا کہ ان اقسام میں سے ہر قسم کو ایسی سخت سزاؤں سے بند کیا جائے جو لوگوں کو دوبارہ ان کے ارتکاب سے باز رکھیں اور یہ مناسب نہیں تھا کہ سب سزائیں ایک ہی مرتبہ کی ہوں اس لئے کہ قتل کرنا ہاتھ پاؤں کاٹنے کے برابر نہیں ہو سکتا اور نہ ہاتھ پاؤں کا کاٹنا تلفِ مال کے برابر ہو سکتا ہے اور یہ کہ جن خواہشات سے یہ مظالم سرزد ہوتے ہیں ان کے مراتب بھی مختلف ہوں اس واسطے کہ یہ بدیہی بات ہے کہ عمداً قتل کرنا ایسا نہیں ہے جیسے تساہل جو خطاء کا سبب ہوتا ہے پس سب سے بڑا ظلم قتل ہے اور وہ سب گناہوں میں بڑھکر گناہ ہے تمام اہل مذاہب کا اس پر اتفاق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اندر خواہش غضب میں نفس کی اطاعت کرنا ہے اور وہ لوگوں میں فساد پھیلانے کی سب سے بڑھکر صورت ہے اور اس میں مخلوقِ الٰہی کا تغیر اور بنیادِ الٰہی کا منہدم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو نوعِ انسانی کا پھیلانا چاہا ہے اس کے بھی یہ برخلاف ہے، اور قتل کی تین قسمیں ہیں: عمداً اور خطاء اور مشابہ عمد پس قتل عمد اس قتل کا نام ہے جس میں کسی دھار دار یا زخمی کرنے والے آلہ سے روح کا نکالنا مقصود ہو، اور قتل خطاء اس قتل کا نام ہے جس میں انسان کا مارنا مقصود نہیں ہوتا مگر وہ اس کو لگ جائے اور اس کو قتل کر دے مثلاً کوئی شخص کسی پر گر پڑے اور وہ مر جائے یا کسی درخت کی طرف تیر چلائے اور کسی آدمی کے لگ جائے اور وہ مر جائے اور مشابہ عمد کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی چیز سے مارے جو غالباً ہلاک نہیں کرتی مگر وہ شخص اس سے ہلاک ہو جائے جیسے کوئی شخص کسی کو کوڑے یا لکڑی سے مارے اور وہ مر جائے، اور قتل کی تین قسمیں اس

او عصا فمات، وانما جعل على ثلاثة
اقسام لما اشرنا من قبل ان الزاجر ينبغي
ان يكون بحيث يقاوم الداعية والمفسدة
ولهما مراتب، فلما كان العمد اكثر
فسادا واشد داعية وجب ان يغلظ
فيه بما يحصل زيادة الزجر، ولما كان
الخطأ اقل فسادا واخف داعية وجب
ان يخفف في جزائه، واستنبط النبي صلى
الله عليه وسلم بين العمد والخطأ نوعا
آخر لمناسبة منهما وكونه برزخا بينهما
فلا ينبغي ان يدخل في احدهما، فالعمد
فيه قوله تعالى ومن يقتل مؤمنا
متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها و
غضب الله عليه ولعنه واعد له عذابا
عظيما ظاهره انه لا يغفر له، واليه ذهب
ابن عباس رضي الله عنهما لكن الجمهور
وظاهر السنة على انه بمنزلة سائر
الذنوب وان هذه التشديدات للزجر
وانما تشبيه لطول مكثه بالخلود، و
اختلفوا في الكفارة فان الله تعالى لم
ينص عليها في مسألة العمد، قال الله تعالى
يا ايها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص
في القتلى الحر بالحر والعبد بالعبد والانثى
بالانثى الآية نزلت في حيين من احياء
العرب احدهما اشرف من الآخر فقتل
الاوضع من الاشرف قتلى فقال الاشرف
لنقتلن الحر بالعبد والذكر بالانثى و
لنضاعفن الجراح، ومعنى الآية والله
اعلم ان خصوص الصفات لا يعتبر في

لئے قرار پائیں کہ ہم بیشتر اشارہ کر چکے ہیں کہ سزا اسی قدر ہونی
چاہیئے جو داعیۂ نفس اور مفسدہ کے مقابل ہو اور داعیہ اور مفسدہ
کے چند مراتب ہیں پس چونکہ قتل عمد میں بڑا فساد اور سخت داعیہ تھا
اس واسطے اس میں سخت سزا دینا ضروری ہوا تاکہ پورے طور پر
اس کے ارتکاب سے روکے، اور چونکہ قتل خطاء میں کم فساد اور کم
داعیہ تھا اس واسطے اس کی سزا میں بھی تخفیف ضروری ہوئی
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قتل عمد اور قتل خطاء کے درمیان
ایک اور مرتبہ کا استنباط کیا ہے کیونکہ اس کو دونوں سے مناسبت ہے
اور ان دونوں کے درمیان واسطہ ہے بس ان دونوں میں سے
کسی میں اس کا داخل ہونا مناسب نہیں ہے پس قتل عمد کے باب
میں یہ آیت نازل ہوئی ہے "جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کر ڈالے
تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا تعالیٰ
کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے
بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے" اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ اس قاتل
کی کبھی مغفرت نہ ہوگی اور حضرت ابن عباس کا بھی یہ مذہب ہے
لیکن جمہور اور ظاہر سنت اس طرف ہیں کہ یہ گناہ بھی اور گناہوں
جیسا ہے اور یہ تشدیدات زجر کے طور پر ہیں اور جہنم میں اس کے
مدت دراز تک رہنے کو خلود کے ساتھ مشابہت ہے اور اس کے کفارہ
میں اختلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قتل عمد کے مسئلہ کفارہ کی
تصریح نہیں فرمائی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے ایمان والو!
مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص لکھا گیا ہے حر کے بدلہ میں حر
غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت" الآیۃ، یہ
آیت عرب کے قبائل میں سے دو قبیلوں کے باب میں نازل ہوئی
ہے کہ ان میں سے ایک بہ نسبت دوسرے کے زیادہ شریف تھا
پس کم مرتبہ قبیلہ کے لوگوں نے اشرف قبیلہ کے کچھ لوگوں کو مار ڈالا
تو اشرف قبیلہ نے کہا کہ ہم غلام کے عوض میں حر کو اور عورت کے
عوض میں مرد کو قتل کریں گے اور اپنے زخمیوں کے بدلہ میں دو چند
زخمی کریں گے، اور آیت کے معنی اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا
ہے یہ ہیں کہ مقتولین کے اندر صفات خاصہ مثلاً

بالقتل كالعقل والجمال والصغر والكبر و
كونه شريفا او ذا مال ونحو ذلك، وانما
تعتبر الاسامي والمظان الكلية فكل امرأة
مكافئة لكل امرأة ولذلك كانت ديات
النساء واحدة وان تفاوتت الاوصاف
وكذلك الحر يكافئ الحر والعبد يكافئ العبد
فمعنى القصاص التكافؤ وان يجعل
اثنان في درجة واحدة من الحكم لا
يفضل احدهما على الآخر لا القتل مكانه
البتة، ثم لثبت السنة ان المسلم لا
يقتل بالكافر، وان الحر لا يقتل بالعبد
والذكر يقتل بالانثى لان النبي صلى الله
عليه وسلم قتل اليهودي بجارية، وفي كتاب
رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اقيال
همدان ويقتل الذكر بالانثى وسره ان
القياس فيه مختلف، ففضل الذكور على
الاناث، وكونهم قوامين عليهن يقتضي
ان لا يقادوا وان الجنس واحد، وانما
الفرق بمنزلة فرق الصغير والكبير و
عظيم الجثة وحقيرها ورعاية مثل
ذلك عسيرة جدا، ورب امرأة هي اتم
من الرجال في محاسن القياسين، وصورة
العمل بهما انه اعتبر المقاصة في القود
وعدم المقاصة في الدية، وانما فعل
ذلك لان صاحب العمد قصدها وقصد
التعدي عليها والمتعمد المتعدي ينبغي
ان يذب عنها اتم ذب فانها ليست بذات
شوكة وقتلها ليس فيه حرج بخلاف قتل

عقل، جمال، صغر اور کبر اور اس کا شریف یا مالدار ہونے کا
کچھ اعتبار نہیں ہے بلکہ نام اور مظانِ کلیہ کا اعتبار ہے پس ہر
عورت دوسری عورت کے برابر ہے اور اسی لئے سب عورتوں
کی دیت برابر ہے اگرچہ اوصاف مختلف ہوں اور اسی طرح
ہر حُر دوسرے حر کا مثل اور ہر غلام دوسرے غلام کا مثل ہے پس
قصاص کے معنی برابری اور اس بات کے ہیں کہ دو شخص ایک
درجہ کے حکم میں سمجھے جائیں اور کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ دی جائے
نہ کہ قتل اس جگہ ضروری ہو، پھر سنت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ
مسلمان کافر کے بدلہ نہ قتل کیا جائے اور حر غلام کے بدلہ نہ قتل
کیا جائے اور مرد عورت کے بدلہ قتل کیا جائے گا کیونکہ نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی کے بدلہ یہودی کو قتل کیا
اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس خط میں جو ہمدان کے
حکام کے نائبوں کو روانہ کیا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ عورت
کے بدلہ مرد قتل کیا جائے،

اور اس کا راز یہ ہے کہ اس امر میں قیاس مختلف ہے
پس مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور ان پر حاکم ہونے کا تو
یہ مقتضی ہے کہ عورتوں کے بدلہ مردوں سے قصاص نہ لیا جائے
اور دونوں کی جنس ایک ہی ہے اور جو کچھ فرق ہے وہ صغیر و کبیر
اور قوی الجثہ اور ضعیف ہونے میں ہے اُن کی رعایت کرنا نہایت
مشکل ہے، اور بہت سی عورتیں خوبیوں میں مردوں سے زیادہ
ہوتی ہیں ان امور کا مقتضی یہ ہے کہ عورتوں کے بدلے ان سے
قصاص لیا جائے پس ضروری ہوا کہ دونوں قیاسوں پر عمل کیا
جائے اور ان دونوں پر عمل کرنے کی صورت یہ ہے کہ قتل میں قصاص
کا اعتبار کیا جائے اور دیت میں نہ کیا جائے اور یہ اس لئے کیا
گیا کہ عمداً قتل کرنے والے نے اس کی جان کا قصد کیا اور اس
پر ظلم کا ارادہ کیا اور جو شخص قصداً ظلم کرنے والا ہو تو جہاں تک
ممکن ہو اس کو خوب دفع کیا جائے کیونکہ عورت صاحب
شوکت نہیں ہوتی اور نہ اس کے قتل کرنے میں کوئی دقت
پیش آتی ہے بخلاف مردوں کے قتل کرنے

الرجال فان الرجل يقاتل الرجل فكانت هذه الصورة احق بايجاب القود ليكون رادعا زاجرا عن مثله، وقال صلى الله عليه وسلم لا يقتل مسلم بكافر ؛

اقول والسر في ذلك ان المقصود الاعظم في الشرع تنويه الملة الحنيفية ولا يحصل الا بان يفضل المسلم على الكافر ولا يسوى بينهما، وقال صلى الله عليه وسلم لا يقاد الوالد بالولد ؛

اقول السبب في ذلك ان الوالد شفقته وافرة وحدبه عظيم فاقدامه على القتل مظنة انه لم يتعمد، وان ظهرت مخايل العمد او كان لمعنى اباح قتله، وليست دلالة هذه اقل من دلالة استعمال ما لا يقتل غالبا على انه لم يقصد ازهاق الروح، واما القتل شبه العمد، فقال فيه صلى الله عليه وسلم من قتل في عمية في رمي يكون فيهم بالحجارة او جلد بالسياط او ضرب بعصا فهو خطأ وعقله عقل الخطأ ؛

اقول معناه انه يشبه الخطأ وانه ليس من العمد وان عقله مثل عقله في الاصل وانما تمايز في الصفة او انه لا فرق بينه وبينه في الذهب والفضة، واختلفت الرواية في الدية المغلظة فقول ابن مسعود رضي الله عنه انها تكون ارباعا خمسا وعشرين جذعة وخمسا وعشرين حقة وخمسا

ہیں، کیونکہ ایک مرد دوسرے کا مقابلہ کرتا ہے اس واسطے صورت قصاص واجب کرنے کے لئے زیادہ مناسب ہو تاکہ وہ اس کو دوبارہ ایسی حرکت کرنے سے روکے اور باز اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کافر[1] کے بدلے مسلمان نہ قتل کیا جائے"۔

میں کہتا ہوں اس میں حکمت یہ ہے کہ شریعت میں مقصود ملت حنیفیہ کی تعظیم ہے اور وہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی مسلمان کو کافر پر فضیلت دی جائے اور ان میں باہم برابری نہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بیٹے کے عوض میں باپ کو نہ قتل کیا جا"

میں کہتا ہوں اسکا سبب یہ ہے کہ والد کی شفقت اور محبت اولاد پر بہت زیادہ ہوتی ہے پس والد کے قتل پر اقدام کرنے میں بات کا ظن غالب ہے کہ اس نے قتل کرنے کا قصد نہیں کیا اگر قصد کرنے کی علامات پائی جائیں یا وہ قتل ایسے سبب سے ہو ہے جس نے قتل کو مباح کر دیا اور جس طرح ایسے ہتھیار کا استعمال جو غالباً قتل نہیں کرتا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل نے جان سے مار ڈالنے کا قصد نہیں کیا تھا والد کا قتل بھی اس بات پر اس سے کم دلالت نہیں کرتا، اور قتل مشابہ عمد کے بارہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو شخص کسی فساد میں مارا جائے جس میں پتھر پھینکے جائیں یا کوڑے بازی ہو لٹھ چلیں تو وہ قتل خطا ہے اور اس کی دیت وہی ہے جو قتل خطاء میں ہوتی ہے"۔

میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ خطاء کے مشابہ ہے اور وہ قتل عمد نہیں ہے اور اس کی دیت اصل میں خطاء کی دیت کے برابر ہے اور فرق صرف صفت کے اعتبار سے ہے یا یہ معنی ہیں کہ قتل خطاء اور اس میں سونا و چاندی کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں اور دیت مغلظ میں روایتیں مختلف ہیں پس عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ دیت مغلظہ میں چار قسم کے اونٹ دیئے جائیں پچیس اونٹ کے ایک سالہ بچے اور پچیس دو سالہ اور پچیس

[1] کافر سے مراد حربی ہے نہ کہ ذمی کیونکہ اہل ذمہ تمام دنیاوی حقوق میں مسلمانوں کے برابر ہیں، ۱۲۔

وعشرين بنت لبون وخمسا وعشرين
بنت مخاض، وعنه صلى الله عليه وسلم
الا ان فى قتل العمد الخطا بالسوط او
العصا مائة من الابل منها اربعون خلفة
فى بطونها اولادها، وفى رواية ثلاثون
حقة وثلاثون جذعة واربعون خلفة
وما صولحوا عليه فهو لهم، واما القتل
خطأ ففيه الدية المخففة المخمسة عشرون
بنت مخاض وعشرون ابن مخاض و
عشرون بنت لبون وعشرون حقة وعشرون
جذعة، وفى هذين القسمين انما تجب
الدية على العاقلة فى ثلاث سنين،
ولما كانت هذه الانواع مختلفة المراتب
روعى فى ذلك التخفيف والتغليظ من
وجوه، منها ان سفك دم القاتل لم
يحكم به الا فى العمد ولم يجعل فى
الباقين الا الدية، وكان فى شريعة
اليهود القصاص لا غير فخفف الله على
هذه الامة فجعل جزاء القتل العمد عليها
احد الامرين، القتل والمال فلربما
كان المال انفع للاولياء من الثار و
فيه ابقاء نسمة مسلمة، ومنها ان
كانت الدية فى العمد واجبة على نفس
القاتل وفى غيره تؤخذ من عاقلته
لتكون مزجرة شديدة وابتلاء عظيما
للقاتل ينهك ماله اشد انهاك، وانما
تؤخذ فى غير العمد من العاقلة لان
هدر الدم مفسدة عظيمة وجبر قلوب
المصابين مقصود والتساهل من القاتل

سہ سالہ اور پچیس چہار سالہ، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے "اس قتل عمد خطا، میں جو کوڑے یا لاٹھی سے واقع ہو جائے سو اونٹ دیت ہیں جن میں سے چالیس حاملہ اونٹنیاں ہیں" اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تیس دو سالہ اور تیس سہ سالہ اور چالیس حاملہ اونٹنیاں دیجائیں اور جس کمی و بیشی پر وہ مصالحت کر لیں وہ ان کو ملنا چاہیئے" لیکن قتل خطاء کی دیت میں تخفیف ہے اور اس میں پانچ قسم کے اونٹ دینے آئے ہیں:- بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقہ اور بیس جذعہ، اور ان دونوں قسموں میں عاقلہ یعنی محلہ والوں پر تین سال کے اندر اندر دیت کا ادا کرنا واجب ہے اور چونکہ ان اقسام کے مراتب مختلف تھے اس واسطے کئی وجہ سے تخفیف اور تغلیظ کا قتل کے اندر لحاظ رکھا گیا:-

ازاں جملہ یہ ہے کہ قاتل کو مار ڈالنے کا حکم صرف قتل عمد میں دیا گیا اور باقی دو قسموں میں دیت کا حکم دیا گیا اور یہود کی شریعت میں سوائے قصاص کے کوئی اور حکم نہ تھا پس خدا تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف کی اور قتل عمد کی سزا دو باتوں میں سے ایک مقرر کی قتل یا مال، کیونکہ بسا اوقات مقتول کے ورثاء کو انتقام لینے سے مال میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور نیز اس میں ایک مسلمان کی جان بچتی ہے،

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ قتل عمد میں قاتل سے دیت لیجاتی ہے اور اس کے علاوہ دونوں قسموں میں عاقلہ سے دیت لی جاتی ہے تاکہ اس میں سخت ممانعت پائی جائے اور قاتل کو پوری سرزنش ہو، جس سے خوب اس کے مال کو صدمہ پہنچے،

اور قتل غیر عمد میں عاقلہ یعنی محلہ والوں سے اس لئے دیت لیجاتی ہے کہ کسی کا خون کرنا نہایت فساد عظیم ہے اور مصیبت زدوں کے قلوب کی تسلی شریعت کو مقصود ہے اور ایسی بڑی بات میں قاتل

فی مثل هذا الامر العظیم ذنب یستحق
التضییق علیه، ثم لما کانت الصلة
واجبة علی ذوی الارحام اقتضت الحکمة
الالٰهیة ان یوجب شئ من ذلك علیهم
اشاؤوا ام ابوا وانما تعین هذا لمعنیین
احدهما ان الخطاء وان کان ماخوذا
به لمعنی التساهل فلا ینبغی ان یبلغ
به اقصی المبالغ فکان احق ما یوجب
علیهم من ذی رحمهم ما یکون الواجب
فیه التخفیف علیه، والثانی ان العرب
کانوا یقومون بنصرة صاحبهم بالنفس
والمال عند ما یضیق علیه الحال ویرون
ذلك صلة واجبة وحقا مؤکدا ویرون
ترکه عقوقا وقطع رحم فاستوجبت
عادتهم تلك ان یعین لهم ذلك، ومنها
ان جعل دیة العمد معجلة فی سنة
واحدة ودیة غیره مؤجلة فی ثلاث
سنین لما ذکرنا من معنی التخفیف،
والاصل فی الدیة انها یجب ان تکون
مالا عظیما یغلبهم وینقص من مالهم
ویجدون له بالا عندهم ویکون بحیث
یؤدونه بعد مقاساة الضیق لیحصل
الزجر، وهذا القدر یختلف باختلاف
الاشخاص، وکان اهل الجاهلیة قدروها
بعشرة من الابل فلما رأی عبد المطلب
انهم لا یتزجرون بها بلغها الی مائة، و
ابقاها النبی صلی الله علیه وسلم علی ذلك
لان العرب یومئذ کانوا اهل ابل غیر
ان النبی صلی الله علیه وسلم عرف ان

سے تساہل کرنا گناہ عظیم ہے جس پر اس سے مواخذہ ہونا ضروری ...
پھر جبکہ اہل قرابت پر صلہ رحمی واجب تھی تو حکمت کا مقتضیٰ یہ ...
اس میں سے کچھ ان پر بھی واجب کیا جائے خواہ وہ خوش ہو ...
دیں یا ناخوش ہو کر، اور یہ بات دو وجہ سے متعین ہوئی ایک ...
خطاء اگرچہ تساہل کی وجہ سے قابل مواخذہ ہے لیکن اس ...
درجہ کا مبالغہ بھی نہ کرنا چاہئے پس لوگوں پر ان کے ذی رحم ...
طرف سے جو چیز واجب کیجائے وہ ایسی چیز ہونی چاہئے جس میں ...
پر تخفیف ضروری ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ
تنگی کے وقت جان و مال سے اپنے آدمی کی مدد کیا کرتے تھے
اور اسکو وہ صلہ واجب اور حق مؤکد سمجھتے تھے اور اس کے
ترک کو بڑی نافرمانی اور قطع رحم خیال کرتے تھے پس ا...
کی اس عادت کا یہ مقتضیٰ ہوا کہ یہ امر ان کے لئے مقرر کیا جائے

اور از آں جملہ یہ ہے کہ قتل عمد کی دیت کو معجل قرار د...
کہ ایک سال میں ادا کیا جائے اور غیر عمد کی دیت مہلت د...
کہ تین برس میں ادا کرے تاکہ اس میں ایک قسم کی تخفیف پا...
جائے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور دیت میں اصل یہ ...
کہ اس میں بہت سا مال واجب ہونا چاہئے جو لوگوں پر گرا...
ہو اور ان کے مال میں کمی ڈالے اور لوگوں کے نزدیک اس کی
قدر ہو اور وہ مال اتنا ہو کہ محنت برداشت کر کے اس کو ادا
کر سکیں تاکہ زجر کے معنی حاصل ہوں اور یہ مقدار ہر شخص ...
اعتبار سے جداگانہ ہے۔

اور اہل جاہلیت نے دیت کے اندازہ میں دس اونٹ
مقرر کئے تھے پس جب عبد المطلب نے یہ دیکھا کہ لوگ
اتنا مال ادا کرنے پر بھی قتل سے باز نہیں
آتے تو انہوں نے دیت میں سو اونٹ
مقرر کر دیئے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی
اس کو برقرار رکھا کیونکہ اس زمانہ میں اہل عرب
کے پاس اونٹ ہی تھے لیکن نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کو یہ معلوم تھا کہ آپ کی شریعت تمام

شرعة لازمة للعرب والعجم وسائر الناس وليسوا كلهم اهل ابل فقدر من الذهب الف دينار ومن الفضة اثني عشر الف درهم ومن البقر مائتي بقرة ومن الشاء الفي شاة، والسبب في هذا ان مائة رجل اذا وزع عليهم الف دينار في ثلاث سنين اصاب كل واحد منهم في سنة ثلاثة دنانير وشيء ومن الدراهم ثلاثون درهما وشيء، وهذا شيء لا يجدون لاقل منه بالا، والقبائل تتفاوت فيما بينها يكون منها الكبيرة ومنها الصغيرة، وضبط الصغيرة بخمسين فانهم ادنى ما تتقرى بهم القرية، ولذلك جعل القسامة خمسين يمينا متوزعة على خمسين رجلا، والكبيرة ضعف خمسين فجعلت الدية مائة ليصيب كل واحد بعيرا وبعيران او بعير وشيء في اكثر القبائل عند استواء حالهم، والاحاديث التي تدل على ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا رخصت الابل خفض من الدية واذا غلب رفع منها، فمعناها عندي انه كان يقضي بذلك على اهل الابل خاصة، وانت ان فتشت عامة البلاد وجدتهم ينقسمون الى اهل تجارات واموال وهم اهل الحضر واهل رعي، وهم اهل البدو ولا يجاوزهم حال الاكثرين. قال الله تعالى ومن قتل مؤمنا خطأ فتحرير رقبة مؤمنة الآية ۔

عرب اور عجم بلکہ تمام دنیا پر لازم ہو گی، اور سب کے پاس اونٹ نہیں ہوتے اس واسطے آپ نے سونے سے ہزار دینار اور چاندی سے بارہ ہزار درہم دیت میں مقرر فرمائے اور گائے بیل میں سے دو سو اور بکریوں میں سے دو ہزار دیت میں مقرر فرمائے اور اس کا سبب یہ ہے کہ تین سال کے اندر سو مردوں پر اگر ہزار دینار تقسیم کئے جائیں تو ایک سال میں فی آدمی تین دینار سے کچھ زیادہ ہوتے ہیں، اور دراہم سے تیس درہم اور کچھ زیادہ ہوتا ہے اور یہ اتنی مقدار ہے کہ اس سے کم کے ادا کرنے میں لوگوں کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور قبائل مختلف ہوتے ہیں کوئی قبیلہ بڑا ہوتا ہے اور کوئی چھوٹا ہوتا ہے اور چھوٹے کا اندازہ پچاس آدمیوں سے کیا گیا ہے کیونکہ کم از کم اتنے آدمیوں سے گاؤں آباد ہوتا ہے اور اسی لئے قسامت میں پچاس قسمیں مقرر ہوئیں جو پچاس شخصوں سے لی جاتی ہیں اور بڑے قبیلہ میں ان سے دوچند ہوا ہیں اس واسطے دیت میں سو اونٹ مقرر کئے گئے تاکہ ہر آدمی ایک یا دو اونٹ یا ایک سے کچھ زیادہ اکثر قبائل میں اگر وہ مساوی الحال ہوں ادا کریں اور جو احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جب اونٹ گراں ہوتے تھے تو آپ دیت میں کمی فرماتے تھے اور اگر وہ سستے ہوتے تھے تو آپ دیت میں زیادتی کرتے تھے،

میرے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد انہیں لوگوں کے ساتھ خاص تھا جہاں اونٹوں کی پیداوار ہوتی تھی اور اگر تم اکثر شہروں کی تحقیق کرو گے تو لوگوں کی قسموں میں بعض کو سوداگر اور مالدار پاؤ گے اور یہ لوگ شہری ہوتے ہیں، اور بعض کو مویشی چرانے والے پاؤ گے اور وہ دیہاتی ہوتے ہیں، اور اکثر لوگوں کا حال اس سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جو شخص خطاءً مومن کو قتل کر ڈالے تو اس کو ایک غلام باندی مومن آزاد کرنا چاہیے،، الآیۃ۔

اقول انما وجب فی الکفارۃ تحریر رقبۃ مؤمنۃ او اطعام ستین مسکینا لیکون طاعۃ مکفرۃ لہ فیما بینہ وبین اللہ فان الدیۃ مزجرۃ تورث فیہ الندم بحسب تضییق الناس علیہ والکفارۃ فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ ؞

میں کہتا ہوں کفارہ میں مسلمان غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اس لئے واجب ہوا تاکہ قاتل کا وہ گناہ جو اسکے اور خدا کے درمیان ہے مٹ جائے کیونکہ دیت ایک سزا ہے جس میں لوگوں کو ندامت ہوتی ہے اس طور سے کہ اس پر لوگوں کو تنگی ہوتی ہے اور کفارہ سے بندہ اور خدا تعالیٰ کے مابین گناہ دور ہو جاتے ہیں ،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایحل دم امرئ مسلم یشہد ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث النفس بالنفس والثیب الزانی والمفارق لدینہ التارک للجماعۃ ؞

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان شخص اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں تو اس کا خون کرنا بغیر ان تین باتوں میں سے ایک کے حلال نہیں ہے یا وہ کسی کو قتل کرے یا نکاح کرنے کے بعد پھر کسی سے زنا کرے یا دین سے برگشتہ ہو کر جماعت اسلام کو ترک کرے ،

اقول الاصل المجمع علیہ فی جمیع الادیان انہ انما یجوز القتل لمصلحۃ کلیۃ لاتتأتی بدونہ ویکون ترکہا اشد افسادا منہ، وھو قولہ تعالیٰ والفتنۃ اشد من القتل، وعند ما تصدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم للتشریع وضرب الحدود وجب ان یضبط المصلحۃ الکلیۃ المسوغۃ للقتل ولولم یضبط وترک سدی لقتل منہم قاتل من لیس قتلہ من المصلحۃ الکلیۃ ظنا انہ منہا فضبط بثلاث القصاص فانہ مزجرۃ وفیہ مصالح کثیرۃ قد اشار اللہ تعالیٰ الیہا بقولہ ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب، والثیب الزانی لان الزنا من اکبر الکبائر فی جمیع الادیان وھو من اصل ما تقتضیہ الجبلۃ الانسانیۃ فان الانسان عند سلامۃ مزاجہ یخلق علی الغیرۃ ان یزاحمہ احد علی موطوأتہ

میں کہتا ہوں تمام مذاہب میں یہ قاعدہ متفق علیہ ہے کہ قتل اسی مصلحت کلیہ کے سبب سے جائز ہوتا ہے جو بدون قتل کے حاصل نہیں ہوتی اور اس مصلحت کا ترک کرنا قتل سے بھی زیادہ فساد کا سبب ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فتنہ قتل سے بڑھکر ہے" اور جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم احکام اور حدود قائم کرنے کے لئے آمادہ ہوئے تو ضروری ہوا کہ اس مصلحت کلیہ کا جو قتل کو جائز کر دیتی ہے انضباط کریں اور اگر مصلحت کلیہ کا انضباط نہ کیا جاتا اور اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا جاتا تو قتل کرنے والا ایسے شخص کو مصلحت کلیہ سمجھکر قتل کر دیتا جس کے قتل میں مصلحت کلیہ نہ ہوتی پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں سے اسکا انضباط فرمایا، ایک تو قصاص ہے کیونکہ اس میں سزا اور بے شمار مصلحتیں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے اے عقلمندو! تمہارے لئے قصاص کے اندر زندگی ہے؛ دوسرے نکاح کرنے کے بعد زنا کرنا ہے کیونکہ تمام مذاہب میں زنا سب سے بڑا گناہ ہے اور وہ جبلت انسانی کا اصل مقتضی ہے کیونکہ انسان جبکہ اس کا مزاج سالم ہو اس کی خلقت میں اس بات کی غیرت ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس کی بیوی پر مداخلت کرے

كسائر البهائم الا ان الانسان استوجب ان يعلم ما به اصلاح النظام فيما بينهم فوجب عليهم ذلك، والمرتد اجترأ على الله ودينه وناقض المصلحة المرعية فى نصب الدين وبعث الرسل، واما ما سوى هؤلاء الثلاث مما ذهبت اليه الامة مثل الصائل، ومثل المحارب من غيران يقتل احدا عند من يقول بالتخيير بين اجزية المحارب فيمكن ارجاعه الى احد هذه الاصول ﴿

واعلم انه كان اهل الجاهلية يحكمون بالقسامة وكان اول من قضى بها ابو طالب كما بين ذلك ابن عباس رضي الله عنهما وكان فيها مصلحة عظيمة، فان القتل ربما يكون فى المواضع الخفية والليالى المظلمة حيث لا تكون البينة فلو جعل مثل هذا القتل هدرا لاجترأ الناس عليه ولعم الفساد ولو اخذ بدعوى اولياء المقتول بلا حجة لادعى ناس على كل من يعادونه فوجب ان يؤاخذ بايمان جماعة عظيمة تتقوى بها قوية وهم خمسون رجلا فقضى بها النبى صلى الله عليه وسلم واثبتها واختلف الفقهاء فى العلة التى تدار عليها القسامة، فقيل وجود قتيل به اثر جراحة من ضرب او خنق فى موضع هو فى حفظ قوم كمحلة ومسجد ودار، وهذا ماخوذ من قصة عبد الله ابن سهل وجد قتيلا بخيبر يتشحط

جیسا کہ تمام بہائم میں ہوتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ انسان کو ان چیزوں کا جاننا ضروری تھا جن سے ان کے درمیان باہمی انتظام درست ہو سکے اس واسطے ان پر یہ بات واجب کی گئی تیسرے مرتد ہے جس نے خدا تعالیٰ اور دین کی بے ادبی کی اور اس مصلحت کی مخالفت کی جو دین کو قائم کرنے اور رسولوں کے بھیجنے میں ملحوظ تھی، اور ان تینوں کے علاوہ وہ ہے جس کی امت قائل ہے جیسے حملہ آور کا قتل کرنا اور اس محارب کا قتل کرنا جس نے ہنوز کسی کو قتل نہیں کیا ان کے نزدیک جو محارب کی سزا میں اختیار کے قائل ہیں پس ان کا بھی انہیں اصول کی طرف رجوع کرنا ممکن ہے،

واضح ہو کہ اہل جاہلیت بھی قسامت کے ساتھ حکم کرتے تھے اور سب سے پہلے ابو طالب نے قسامت کا حکم دیا ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اور اس میں بڑی مصلحت تھی اس لئے کہ قتل بسا اوقات ایسے پوشیدہ مقامات اور تاریک راتوں میں ہوتا ہے جہاں اس پر بینہ قائم نہیں ہو سکتا پس اگر ایسے قتل پر باز پرس نہ کی جائے تو لوگ قتل پر جرأت کیا کریں اور عام فساد پھیل جائے اور اگر مقتول کے ورثار کا دعویٰ بلا دلیل قبول کر لیا جائے تو لوگ اپنے تمام دشمنوں کا نام لے دیا کریں اس واسطے ضروری ہوا کہ گاؤں کی ایک بڑی جماعت سے قسم لیجائے اور وہ پچاس آدمی ہوں پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم کیا اور اس کو برقرار رکھا، اور فقہا کا اس علت میں جس پر قسامت کا مدار ہے اختلاف ہے پس بعض کہتے ہیں کہ کسی مقتول کا جس میں ضرب یا زخم یا گلا گھوٹنے کا اثر ہو کسی ایسے مقام میں پایا جانا جو کسی قوم کی حفاظت میں ہو جیسے محلہ اور مسجد اور مکان، اور یہ علت عبد اللہ بن سہل کے قصہ سے ماخوذ ہے کہ انہوں نے ایک مقتول کو خیبر میں خون آلودہ پایا تھا

في دمه، وقيل وجود قتيل وقيام لوث على أحد انه القاتل باخبار المقتول او شهادة دون النصاب ونحوه، وهذا ماخوذ من قصة القسامة التي قضى بها ابو طالب، قال صلى الله عليه وسلم دية الكافر نصف دية المسلم؛

اقول السبب في ذلك ما ذكرنا قبل انه يجب ان ينوه بالملة الاسلامية وان يفضل المسلم على الكافر ولان قتل الكافر اقل افسادا بين المسلمين واقل معصية فانه كافر مباح الاصل يندفع بقتله شعبة من الكفر وهو مع ذلك ذنب وخطيئة وافساد في الارض، فناسب ان تخفف ديته، وقضى صلى الله عليه وسلم في الاملاص بغرة عبد او امة؛

اعلم ان الجنين فيه وجهان كونه نفسا من النفوس البشرية ومقتضاه ان يقع في عوضه النفس، وكونه طرفا وعضوا من امه لا يستقل بدونها ومقتضاه ان يجعل بمنزلة سائر الجروح في الحكم بالمال فروعي الوجهان، فجعل ديته مالا هو ادمي وذلك غاية العدل؛

واما التعدي على اطراف الانسان فحكمه مبني على اصول احدها ان ما كان منها عمدا ففيه القصاص الا ان يكون القصاص فيه مفضيا الى الهلاك فذلك مانع من القصاص، وفيه قوله تعالى النفس بالنفس والعين بالعين والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن

اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی علت ایک مقتول کا پایا جانا اور کسی پر قتل کے شبہ کا قائم ہونا خواہ مقتول کے بیان کرنے سے یا کسی ناقص شہادت وغیرہ سے اور یہ اس قسامت کے قصہ سے ماخوذ ہے جس کا ابو طالب نے حکم دیا تھا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کافر کا خون بہا مسلمان کے خون بہا سے نصف ہے:

میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جس کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ملت اسلامیہ کی عظمت اور مسلمان کی کافر پر فضیلت ضروری ہے اور نیز کافر کے قتل کرنے سے مسلمانوں کے اندر کم فساد ہوتا ہے اور اس کا گناہ بھی کم تر ہے اس لئے کہ کافر مباح الاصل ہے اور اس کو قتل کرنے سے کفر بھی کچھ کم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کا قتل کرنا گناہ اور خطاء اور زمین میں فساد پھیلانا ہے پس مناسب ہوا کہ دیت مقرر ہو اور اس میں تخفیف ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا حمل گروانے کی صورت میں ایک غلام یا باندی کے آزاد کرنے کا حکم دیا تھا

واضح ہو کہ جنین میں دو وجہیں پائی جاتی ہیں ایک یہ کہ وہ انسانی نفوس میں سے ایک نفس ہے اور اس کا مقتضی ہے کہ اس کے عوض میں بھی ایک نفس واجب ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اپنی ماں کا ایک حصہ اور عضو ہے جو بغیر ماں کے قائم نہیں رہ سکتا اور اس کا مقتضی ہے کہ مال کا حکم دینے میں اس کا حال اور زخموں کا سا ہو پس دونوں وجہوں کا لحاظ رکھا گیا اور جنین کی دیت ایک مال جو آدمی ہے گروانی گئی اور یہ نہایت انصاف ہے۔ ولیکن انسان کے اعضاء پر تعدی کرنا سو اس کا حکم کئی اصول پر مبنی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی نے جو عمداً ہو تو اس میں برابر بدلہ لیا جائے مگر جس صورت میں برابر بدلہ لینے کو ہلاکت کا اندیشہ ہو تو وہ برابر بدلہ لینے سے مانع ہوگا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہ آیت ہے "جان کے بدلے جان ...... اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور ناک کے بدلے ناک اور دانت کے

والجروح قصاص، فالعين بمرآة محماة و
السن بالمبرد ولا تقلع لان فى القلع خوف
زيادة الاذى، وفى الجروح اذا كان كالموضحة
القصاص يقبض على السكين بقدر عمق
الموضحة فان كان كسر العظم فلا قصاص
لانه يخاف منه الهلاك، وجاء عن بعض
التابعين لطمة بلطمة وقرصة بقرصة، و
الثانى ان ما كان ازالة لقوة نافعة فى
الانسان كالبطش والمشى والبصر والسمع و
العقل والباءة ويكون بحيث يصير الانسان
به كلا على الناس ولا يقدر على الاستقلال
بامر معيشته ويلحق به عار فيما بين
الناس ويكون مثلة يتغير بها خلق الله
ويبقى اثرها فى بدنه طول الدهر فانه فيها
يجب الدية كاملة، وذلك لانه ظلم عظيم
وتغيير لخلقه ومثلة به والحاق عار به
وكان الناس لا يقومون بنصرة المظلوم
بامثال ذلك كما يقومون فى باب القتل
ويحقرا مره الظالم والحاكم وعصبة
الظالم وعصبة المظلوم فاستوجب
ذلك ان يؤكد الامر فيه ويبلغ مزجرته
اقصى المبالغ، والاصل فيه قوله صلى الله
عليه وآله وسلم فى كتابه الى اهل اليمن
فى الانف اذا اوعب جدعه الدية وفى
الاسنان الدية وفى الشفتين الدية
وفى البيضتين الدية وفى الذكر الدية وفى
الصلب الدية وفى العينين الدية، وقال
عليه السلام فى العقل الدية ثم ما كان
اتلافا لنصف هذه المنفعة ففيه نصف

بدلہ دانت اور زخم برابر ہیں"۔ پس آنکھ کے بدلہ میں آنکھ گرم آئینہ سے
زائل کرنی چاہیئے اور دانت کے بدلہ میں دانت ریتی سے تراشنا
چاہیئے اور اس کو اکھاڑنا نہیں چاہیئے کیونکہ اکھاڑنے میں زیادہ
ایذاء کا خوف ہے، اور زخموں میں جبکہ وہ گہرا زخم ہو بدلہ ہے،
زخم کی گہرائی کے بقدر ناپ کر اس کے بدن میں اسی جگہ پر چھری
سے زخم کریں اور اگر ہڈی ٹوٹ جائے تو اس میں قصاص نہیں
ہے (بلکہ دیت ہے) کیونکہ اسکا بدلہ لینے میں ہلاکت کا خوف ہے،
اور بعض تابعین سے منقول ہے کہ طمانچہ کے بدلہ میں طمانچہ مارا
جائے اور چٹکی کے بدلہ میں چٹکی لیجائے اور دوسرے یہ کہ
جس چیز میں انسان کے کسی نفع پہنچانے والی قوت کا ازالہ
جیسے پکڑنا اور چلنا اور دیکھنا اور سننا اور سمجھنا اور جماع کرنا اور
جس کی وجہ سے انسان لوگوں پر بار ہو جائے اور اپنی معاش
پر بغیر دوسرے کی مدد کے قادر نہ ہو اور اس کی وجہ سے لوگوں
میں اس کو عار لاحق ہوتی ہو اور مثلہ کرنا ہو جس سے اللہ تعالیٰ
کی بناوٹ میں تبدیلی لازم آتی ہے اور تمام عمر تک اس کا اثر
جسم پر باقی رہے تو اس میں پوری دیت واجب ہوتی ہے
کیونکہ اس میں بڑا ظلم اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت
کو بگاڑنا اور مثلہ کرنا اور اس کے ساتھ عار کا لاحق کرنا ہوتا ہے
اور لوگ ان امور میں مظلوم کی مدد اس طرح سے نہ کرتے تھے جیسے
قتل کے بارے میں اس کی مدد کرتے تھے بلکہ ایسی باتوں کو خود
ظالم اور حاکم اور ظالم کی قوم اور مظلوم کی قوم کوئی بڑا امر نہیں
سمجھتے تھے اس واسطے ضروری ہوا کہ شارع اس میں تاکید
کرے اور اس کی سزا انتہا درجہ کی مقرر کرے اور اس میں اصل
نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جو اہل یمن کو نامہ مبارک میں
لکھا تھا" ناک جب جڑ سے کاٹ لی جائے تو اس کے بدلہ میں
دیت ہے اور دانتوں میں دیت ہے اور لبوں میں دیت اور
بیضوں میں دیت ہے اور ذکر میں دیت ہے اور پشت میں دیت ہے اور
آنکھوں میں دیت ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"عقل میں دیت ہے" پھر جب ان منفعتوں میں سے کوئی منفعت نصف

الدية في الرجل الواحدة نصف الدية، وفي اليد الواحدة نصف الدية، وما كان اقل فالعشر كالاصبع من اصابع اليدين والرجلين ففيه عشر الدية، وفي كل سن نصف عشر الدية، وذلك لان الاسنان تكون ثمانية وعشرين وستة وعشرين والكسر الذي يكون بازاء نسبة الواحد الى ذلك العدد خفي محتاج الى التعمق في الحساب فاخذ العشرين واوجب نصف عشر الدية، والثالث ان الجروح التي لا تكون ابطالا لقوة مستقلة ولا لنصفها ولا تكون مثلة وانما هي تبرأ وتندمل لا ينبغي ان تجعل بمنزلة النفس ولا بمنزلة اليد والرجل فيحكم بنصف الدية، ولا ينبغي ان يهدر ولا يجعل بازائه شيء فاقلها الموضحة اذ ما كان دونها يقال له خدش وخمش لا جرح، والموضحة ما يوضح العظم ففيه نصف العشر لان نصف العشر اقل حصة يعرف من غير امعان في الحساب، وانما يبنى الامر في الشرائع السهام المعلوم مقدارها عند الحاسب وغيره، والمنقلة فيها خمسة عشر بعيرا لانها ايضاح وكسر ونقل فصار بمنزلة ثلاثة ايضاحات والجائفة والآمة اعظم الجراحات فمن حقهما ان يجعل في كل واحدة منهما ثلث الدية لان الثلث يقدر به ما دون النصف، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذه وهذه سواء يعني الخنصر والابهام، وقال الثنية

فوت ہو جائیگی تو نصف دیت آئیگی، اور ایک پیر میں نصف دیت ہے اور ایک ہاتھ میں نصف دیت ہے اور جس میں اس منفعت کے دسویں حصہ کا فوت ہونا پایا جائے جیسے ہاتھ یا پاؤں کی ایک انگلی کا کاٹ ڈالنا ہو تو اس میں دیت کا دسواں حصہ ہے اور ہر دانت کے عوض دیت کا بیسواں حصہ ہے اس لئے کہ دانت اٹھائیس یا چھبیس ہوتے ہیں اور وہ کسر جو ایک کے مقابلہ میں اس عدد کے اعتبار سے ہوتی ہے ایک پوشیدہ امر ہے جس میں حساب کرنے میں تعمق کی ضرورت ہے اسواسطے ہم نے بیس کا عدد مقرر کر لیا اور ہر دانت کے عوض میں دیت کا بیسواں حصہ واجب کر دیا۔

اور تیسرے یہ کہ وہ زخم جن سے کسی مستقل قوت کا ابطال نہ ہو اور نہ اس کے نصف کا ہو اور نہ اس میں مثلہ کرنا ہو بلکہ وہ صرف زخم ہو جو چند دن میں بھر جاتا ہو اور اچھا ہو جاتا ہو تو اس زخم کو بمنزلہ نفس کے گرداننا مناسب نہیں ہے اور نہ یہ مناسب ہے کہ اس کو بمنزلہ ہاتھ پاؤں کے برابر شمار کر کے نصف دیت کا حکم دیا جائے اور یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا جائے اور اس کے عوض میں کچھ مقرر نہ کیا جائے، پس زخم کا کم سے کم مرتبہ موضحہ ہے کیونکہ اس سے کم کو زخم نہیں کہتے بلکہ اس کو چھلنا اور خراش کہتے ہیں، اور موضحہ اس زخم کو کہتے ہیں جس میں ہڈی نظر آنے لگے پس اس میں دیت کا بیسواں حصہ ہے اس لئے کہ بیسواں حصہ کم سے کم حصہ ہے جو حساب میں بلا غور کئے معلوم ہو جاتا ہے اور احکام میں ان حصوں پر شریعت کا معاملہ مبنی ہے جن کی مقدار محاسب اور غیر محاسب سب جانتے ہیں، اور جو زخم ایسا ہو جس میں ہڈی ٹوٹ کر اپنے مقام سے ہٹ جائے تو اس کی دیت پندرہ اونٹ ہیں اس لئے کہ زخم میں ہڈی تک پہنچنا اور اس کا ٹوٹنا اور اپنی جگہ سے ہٹ جانا پایا جاتا ہے پس وہ زخم بمنزلہ تین کھلے زخموں کے ہے، اور جائفہ اور آمہ یعنی وہ زخم جو پیٹ کے اندر تک پہنچ جائے یا وہ زخم دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے تو یہ دونوں زخم سب زخموں میں بڑے زخم ہیں پس ان کے بارے میں مناسب ہے کہ ان میں سے ہر ایک میں تہائی دیت دلائی جائے کیونکہ نصف سے کم کا اندازہ ثلث سے ہو سکتا ہے رسول اللہ صلی

؎ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اور یہ یعنی چھوٹی انگلی اور انگوٹھا برابر ہیں۔ اور فرمایا ...

والضرس سواء.

أقول والسبب أن المنافع الخاصة بكل عضو عضو لما صعب ضبطها وجب أن يدار الحكم على الأسامي والنوع، واعلم أن من القتل والجرح ما يكون هدرا وذلك لأحد وجهين إما أن يكون دفعا لشر يلحق به، والأصل فيه قوله صلى الله عليه وسلم في جواب من قال يا رسول الله أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي قال فلا تعطه مالك قال أرأيت إن قاتلني؟ قال قاتله، قال أرأيت إن قتلني؟ قال فأنت شهيد، قال أرأيت إن قتلته؟ قال هو في النار، وعض إنسان إنسانا فانتزع المعضوض يده من فمه فأندر ثنيته فأهدرها صلى الله عليه وسلم.

فالحاصل أن الصائل على نفس الإنسان أو طرفه أو ماله يجوز دفعه بما أمكن فإن انجر الأمر إلى القتل لا إثم فيه فإن الأنفس السبعية كثيرا ما تغلبون في الأرض فلو لم يدفعوا ضاق الحال، وقال صلى الله عليه وسلم لو اطلع في بيتك أحد ولم تأذن له فحذفته بحصاة ففقأت عينه ما كان عليك من جناح، وإما أن يكون سبب ليس فيه تعد لأحد وإنما هو بمنزلة الآفات السماوية، والأصل فيه قوله صلى الله عليه وسلم العجماء جبار والمعدن جبار والبئر جبار.

اور ڈاڑھ دونوں برابر ہیں"۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے منافع کا انضباط کرنا جو ہر ہر عضو کے ساتھ مخصوص ہیں چونکہ مشکل ہے اسواسطے ان کے ناموں اور نوع پر حکم کا مدار کرنا ضروری ہوا،

واضح ہو کہ بعض قتل اور زخم ایسے ہیں جن کا کچھ معاوضہ نہیں ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ قتل اور زخم کسی شر کے دفع کرنے کی وجہ سے ہو جو انسان کو لاحق ہوتا ہو اور اس میں اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص میرا مال چھیننے کے ارادہ سے آئے تو آپ اس میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تو اس کو اپنا مال نہ دے، پھر اس نے عرض کیا اگر وہ مجھ کو لڑائی لڑے تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تو اس کا مقابلہ کر، پھر اس نے عرض کیا اگر وہ مجھکو قتل کر ڈالے تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا پس تو شہید ہے، اسنے عرض کیا اگر میں اسکو قتل کر ڈالوں تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائیگا اور ایک شخص نے ایک شخص کے کاٹا پس جس کے کاٹا تھا اس نے کاٹنے والے کے منہ سے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کا ایک دانت بھی اسکے ساتھ کھینچ لیا پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی عوض نہیں دلایا،

حاصل کلام یہ ہے کہ جو کوئی شخص کسی انسان کی جان یا اس کے عضو یا اس کے مال پر حملہ کرے تو حتی الامکان اسکا دفع کرنا جائز ہے پس اگر حملہ آور کو قتل کرنے تک بھی نوبت پہنچے تو کچھ گناہ نہیں اس لئے کہ درندہ خصلت لوگ بسا اوقات زمین میں غلبہ حاصل کر لیا کرتے ہیں پس اگر ان کو دفع نہ کیا جائے تو لوگوں کی حالت بہت تنگ ہو جائے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کوئی شخص تیرے گھر میں جھانکے اور تونے اسکو اجازت نہ دی ہو پس تو اس کو کنکری مارے اور اس سے اسکی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور ایک صورت قصاص نہ لینے کی یہ ہے کہ وہ قتل اور زخم ایسے سبب سے ہو جس میں کسی پر طرفین سے تعدی نہ پائی جاتی ہو اور وہ بمنزلہ آفت سماوی کے ہو اور اس میں اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ چوپایہ کے نقصان میں کچھ نہیں اور کان میں گر پڑنے سے کچھ نہیں اور کنوئیں میں گر پڑنے سے کچھ نہیں۔

اقول وذلك لان البهائم تسرح للرعي
فاذا اصابت احدا لم يكن ذلك من صنع
مالكها، وكذلك اذا وقع في البئر او
انطبق عليه المعدن، ثم ان النبي صلى
الله عليه وسلم سجل عليهم ان يحتاطوا
لئلا يصاب احد منهم بخطأ فانه من
القرب التلف، ومنه نهيه صلى الله عليه
وسلم عن الخذف قال انه لا يصاد به
صيد ولا ينكأ به عدو ولكنه قد يكسر
السن ويفقأ العين، وقال صلى الله عليه
وسلم اذا مر احدكم في مسجدنا اوفي سوقنا
ومعه نبل فليمسك على نصالها ان يصيب
احدا من المسلمين منها شيء. وقال صلى
الله عليه وسلم لا يشير احدكم الى اخيه
بالسلاح فانه لا يدري لعل الشيطان
ينزع من يده فيقع في حفرة من النار،
وقال صلى الله عليه وسلم من حمل علينا
السلاح فليس منا ونهى عليه السلام
ان يتعاطى السيف مسلولا، ونهى ان يقد
السير بين اصبعين، واما التعدي على
اموال الناس فاقسام غصب واتلاف و
سرقة ونهب، اما السرقة والنهب
فستعرفهما، واما الغصب فانما هو
تسلط على مال الغير معتمدا على شبهة
واهية لا يثبتها الشرع او اعتمادا على
ان لا يظهر على الحكام جلية الحال، و
نحو ذلك فكان حريا ان يعد من المعاملات
ولا يبتنى عليه الحد، ولذلك كان
غصب الف درهم لا يوجب القطع و

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ چوپائے جنگل میں چرنے کے
لئے چھوڑ دیئے جاتے ہیں پس اگر وہ کسی کو تکلیف پہنچائیں تو وہ ان کے
مالک کے فعل سے نہیں ہوا ہے اور اسی طرح جب کوئی کوئیں میں گر
پڑے یا کان کے نیچے دب جائے اس میں بھی اس کے مالک کا فعل
نہیں ہے لیکن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں احتیاط کرنے کی
لوگوں کو بڑی تاکید کر دی تاکہ خطاء سے کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچے کیونکہ یہ
کے قریب ہونے سے جان کے تلف ہونے کا خطرہ ہے اور اسی وجہ سے نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں پھینکنے سے منع کیا اور آپ نے فرمایا نہ اس سے
شکار مرتا ہے اور نہ اس سے دشمن زخمی ہوتا ہے ہاں! اس سے دانت
ٹوٹ جاتا ہے اور آنکھ پھوٹ جاتی ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا جب کوئی شخص ہماری مسجد یا بازار میں تیر لیکر گذرے تو اسکو
چاہیئے کہ اس کے نوکدار حصہ کو تھامے تاکہ مسلمانوں میں سے کسی کو اس
سے ضرر نہ پہنچے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص
اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا
کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے گرادے پس وہ جہنم کے کسی گڑھے
میں جا پڑے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے ہم پر
ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں" اور آپ نے ننگی تلوار دینے
سے منع فرمایا، اور دو انگلیوں سے تسمہ کو پکڑ کر کاٹنے سے منع فرمایا،
لیکن انسان کے مال پر تعدی کرنا سو اس کی چند قسمیں ہیں
غصب کرنا اور ہلاک کرنا اور چوری کرنا اور لوٹنا، پس چوری اور
لوٹ کے معنی تو عنقریب تم کو معلوم ہو جائیں گے لیکن غصب پس
وہ غیر کے مال پر کسی واہی شبہہ پر اعتماد کر کے جس کا شریعت
میں اعتبار نہ ہو یا اس بھروسہ پر کہ حکام کو
حقیقت حال ظاہر نہ ہوگی یا اسی طرح کسی اور بھروسہ
پر قبضہ کر لینا ہے، پس غصب اس قابل ہے
کہ اس کو معاملات میں شمار کیا جائے اور اس
پر حد و جنی نہ کیجائیں، اور اسی وجہ سے ہزار درہم
کے غصب کرنے سے ہاتھ کا کٹنا واجب نہیں ہوتا

سرقة ثلاثة دراهم توجيه، واما الاتلاف فيكون عمدا وشبه عمد وخطأ لكن الاموال لما كانت دون الانفس لم يجعل لكل احد منها حكما وكفى الضمان عن جميعها زاجرا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اخذ شبرا من الارض ظلما طوقه يوم القيامة من سبع ارضين ؛

تین درہم کی چوری سے ہاتھ کاٹنا واجب ہو جاتا ہے، لیکن مال کا تلف کرنا سو وہ کبھی عمداً اور کبھی شبہ عمد سے اور کبھی خطاء سے ہوتا ہے مگر چونکہ اموال کا درجہ جان سے کم ہے اس واسطے تمام اموال کے لئے ایک حکم نہیں دیا گیا اور سب کی سزا میں تاوان دلانا کافی سمجھا گیا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ظلم سے ایک بالشت برابر کسی کی زمین لے گا تو خدا تعالےٰ قیامت کے روز سات زمین کا طوق بنا کر اس کو پہنائیگا "

اقول قد علمت مرارا ان الفعل الذي ينقض المصلحة المدنية ويحصل به الايذاء والتعدي يستوجب لعن الملأ الاعلى ويتصور العذاب بصورة العمل او مجاوره وقال صلى الله عليه وسلم على اليد ما اخذت

میں کہتا ہوں کئی بار تم کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ جو فعل مصلحت شہر کے خلاف ہو اور اس میں ایذا اور ظلم پایا جائے وہ فعل ملاء اعلیٰ کی لعنت کا سبب ہوتا ہے اور عذاب عمل کی صورت میں یا اس کے قریب قریب صورت میں متمثل ہوتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو ہاتھ کوئی چیز لے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے "

اقول هذا هو الاصل في باب الغصب والعارية يجب رده عليه فان تعذر فمثله ودفع عليه السلام صحفة في موضع صحفة كسرت وامسك المكسورة ؛

میں کہتا ہوں غصب اور عاریت کے باب میں یہ حدیث اصل ہے بعینہ اس چیز کا واپس کرنا واجب ہے اگر بعینہ اس کا واپس کرنا مشکل ہو تو اس کے مثل کا دینا واجب ہوتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ٹوٹی ہوئی رکابی کے عوض میں رکابی واپس کی اور ٹوٹی ہوئی رکابی کو اپنے پاس رہنے دیا۔

اقول هذا هو الاصل في باب الاتلاف والظاهر من السنة انه يجوز ان يغرم في المتقومات بما يحكم به العامة والخاصة انه مثلها كالصحفة مكان الصحفة، وقضى عثمان رضي الله عنه بمحضر من الصحابة رضي الله عنهم على المغرور ان يفدي بمثل اولاده، قال صلى الله عليه وآله وسلم من وجد عين ماله عند رجل فهو احق به ويتبع البيع من باعه

میں کہتا ہوں تلف کرنے کے باب میں یہ حدیث اصل ہے اور ظاہر سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ منقولات میں تاوان لینا جس کو عام و خاص کہدیں کہ یہ اسکے مثل ہے جائز ہے جیسے رکابی کے بدلہ رکابی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے سامنے مغرور[1] کی نسبت یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی اولاد کے مثل غلاموں کی قیمت ادا کرے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کو اپنا بعینہ مال کسی کے پاس مل جائے تو وہی اس کا مستحق ہے اور خریدنے والا بائع سے دام وصول کرلے"

اقول السبب المقتضي لهذا الحكم انه اذا وقعت هذه الصورة فيحتمل ان يكون في كل جانب الضرر والجور فاذا وجد متاعه عند رجل فان كانت السنة

میں کہتا ہوں اس حکم کا سبب اور مقتضی یہ ہے کہ جب صورت واقع ہو تو دونوں جانب میں جور و ظلم کا احتمال ہے پس جب اسکا اسباب کسی کے پاس برآمد ہو اور ایسی حالت میں اگر یہ قاعدہ مقرر

[1] مغرور اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کوئی عورت یہ دھوکہ دیکر کہ میں حرہ ہوں، اس سے نکاح کرنے اور حقیقت میں وہ کسی کی باندی ہو۔١٢

ان يهمل حق يجب باتعه ففيه ضرر عظيم لصاحب المتاع فان الغاصب او السارق اذا عثر على خيانته ربما يحتج بانه اشترى من انسان يذب بذلك عن نفسه، وربما يكون السارق والغاصب وكل بعض الناس بالبيع لئلا يؤاخذ هو ولا البائع وفي ذلك فتح باب ضياع حقوق الناس، وربما لا يجد البائع الا عند غيبة هذا المشترى فيؤاخذه فلا يجد عنده شيئا فيسكت على خيبة، وان كانت السنة ان يقبضه في الحال ففيه ضرر للمشترى لانه يبتاع من السوق لا يدرى من البائع واين محله ثم يستحق ماله ولا يجد البائع فيسكت على خيبة، وربما يكون له حاجة الى المتاع ويكون في قبض المستحق اياه حوالته على البائع فوت حاجته فلما دار الامر بين الضررين ولم يكن بد من وجود احدهما وجب ان يرجع الى الامر الظاهر الذي تقبله افهام الناس من غير ريبة وهو ههنا ان الحق تعلق بهذه العين وان العين تحبس في العين المتعلق به اذا قامت البينة وارتفع الاشكال، وعلى هذا القياس ينبغي ان تعتبر القضايا، وقضى صلى الله عليه وسلم ان على اهل الحوائط حفظها بالنهار وان ما افسدت المواشي فهو ضامن على اهلها:

اقول السبب المقتضى لهذا القضاء انه اذا فسدت المواشي حوائط الناس كان الجور والعذر مع كل واحد، فصاحب

کیا جاتا کہ جب تک وہ بائع کو نہ پالے یہ شخص اس کو نہ لیگا تو اسمیں حق اسباب یعنی اصل مالک کا ضرر عظیم ہے کیونکہ غاصب یا چور کی جب خیانت معلوم ہوتی تو بسا اوقات وہ یہ حجت پیش کر سکتا تھا کہ اس نے فلاں شخص سے وہ مال خریدا ہے تاکہ اپنی جان بچائے اور بسا اوقات غاصب اور چور اس مال کے فروخت کرنے پر کسی کو وکیل بنا دیتا تاکہ خود ماخوذ نہ ہوں اور نہ بائع ماخوذ ہو پس اس میں لوگوں کی حق تلفی کے باب کو کھولنا تھا اور اکثر اوقات بائع اس وقت ملتا جبکہ وہ مشتری موجود نہیں ہوتا پس وہ مالک اسکو پکڑ لیتا۔ اور اسکے پاس کچھ نہیں جاتا پس خسارہ پاکر سکوت کرنا پڑتا۔ اور اگر یہ قاعدہ مقرر کیا جاتا کہ اسی وقت اپنی چیز پر قبضہ کرلے تو اس میں مشتری کا ضرر تھا کیونکہ بسا اوقات خریدنے والا بازار میں سے کوئی چیز خریدتا ہے اور نہ وہ بیچنے والے کو جانتا ہے اور نہ اس کا گھر اس کو معلوم ہوتا ہے پھر یہ مال کسی اور کا نکل آتا ہے اور بائع کو اس کا پتہ نہیں لگتا تو خسارہ کی حالت میں اس کو سکوت کرنا پڑتا ہے اور بسا اوقات اس کو کسی چیز کی حاجت ہوتی ہے اور حق دار کے اس پر قبضہ کرنے میں اور بیچنے والے پر اس کے حوالہ کرنے میں اسکی حاجت فوت ہوتی ہے پس جبکہ دونوں طرف کا ضرر تھا اور ان دونوں میں سے ایک کا ضرر ضروری تھا تو یہ امر ضروری ہوا کہ ایسی ظاہر بات کیجائے جس کو بلاشبہ لوگوں کی عقل قبول کرے اور وہ اس جگہ یہ ہے کہ حق اس شئی خاص کے ساتھ متعلق ہوا ہے اور عین اس عین کے معاوضہ میں جس کے ساتھ حق متعلق ہے روک لیا جائے جبکہ بینہ قائم ہو اور اشکال مرتفع ہو جائے اور اسی قیاس پر قضایا کا اعتبار کرنا مناسب ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے باغ والوں کو حکم دیا کہ وہ دن میں باغوں کی نگہبانی کریں اور رات میں جو مویشی نقصان کر جائیں تو اس کا معاوضہ مویشی والوں پر ہے۔"

میں کہتا ہوں اس فیصلہ کا سبب اور باعث یہ ہے کہ جب مویشی نے لوگوں کے باغ کا کچھ نقصان کیا تو ظلم اور عذر دونوں کے ساتھ ہے پس مویشی والا تو یہ

الماشية يحتج بانه لابد ان يسرحها شيئة
فی المرعی والا هلكت جوعا واتباع كل
بهيمة وحفظها يفسد عليهم الارتفاقات
المقصود، وانه ليس له اختيار فيما اتلفته
بهيمته، وان صاحب الحائط هو الذی
قصر فی حفظ ماله، وتركه بمضيعة، و
صاحب الحائط يحتج بان الحائط لاتكون
الا خارج البلاد فحفظها والذب عنها و
الاقامة عليها يفسد حاله، وان صاحب
الماشية هو الذی سرحها فی الحائط او
قصر فی حفظها، فلما دار الامر بينهما و
كان لكل واحد جور وعذر، وجب ان
يرجع الی العادة المالوفة الفاشية بينهم
فيبنی الجور علی تجاوزها، والعادة ان
يكون فی كل حائط فی النهار من يعمل
فيه ويصلح امره ويحفظه، واما فی الليل
فيتركونه ويبيتون فی القری والبلاد
وان اهل الماشية يجمعون ماشيتهم
بالليل فی بيوتهم ثم يسرحونها فی
النهار للرعی فاعتبر الجور ان تجاوز العادة
الفاشية بينهم، وسئل صلی الله عليه و
سلم عن الثمر المعلق، فقال من اصاب
منه من ذی حاجة غير متخذ خبنة فلا
شیء عليه۔

اعلم ان دفع التظالم بين الناس
ما هو ان يقبض علی يد من يضر بالناس
ويعدی عليهم لان يتبع شحهم وغضبهم
ووهمهم ففی صورة الاكل من الثمر المعلق
والمحوق الكثير الذی لا يشح منه بشیء

عذر کر سکتا ہے کہ مویشی کو جنگل میں چرنے کے لئے چھوڑنا اسکو ضروری
ہے ورنہ وہ بھوک سے مرجائیگا اور ہر مویشی کے پیچھے پیچھے رہنا اور
اس کی نگہبانی کرنا تدابیر ضروریہ میں خرابی پیدا کرتا ہے اور مویشی
نے جو نقصان کیا ہے اس کا اس میں کوئی بس نہیں ہے بلکہ باغ
والے نے خود اپنے مال کی حفاظت میں کوتاہی کی اور اس کو غیر
محفوظ چھوڑ دیا، اور باغ والا یہ حجت کر سکتا ہے کہ باغ شہر سے
باہر ہوتا ہے پس اس کی حفاظت کرنا اور اس میں کسی کو آنے
سے روکنا اور اس پر پہرا دینا اس کی حالت کو خراب کر دینے
کا سبب ہے اور مویشی کے مالک نے یا تو خود اس میں مویشی کو چھوڑا
ہے یا خود اس کی نگرانی میں کوتاہی کی ہے پس جب یہ امر دونوں
میں دائر ہوا اور ہر ایک کی طرف سے ظلم اور عذر ممکن ہوا تو ضرور ہوا
کہ اس عادت مالوفہ کی طرف نظر کیجائے جو ہمیشہ سے ان میں
جاری ہے پس اس عادت سے تجاوز کرنے پر جور کی بناء
قائم کی جائے، اور عادت یہ ہے کہ ہر باغ میں دن میں وہ
لوگ رہتے ہیں جو اس میں کام کرتے ہیں اور اس کی درستی
اور اس کی حفاظت کرتے ہیں اور رات کو اسے چھوڑ کر اپنے گھر
میں گاؤں یا شہر میں آکر سوتے ہیں اور یہ کہ مویشیوں
کے مالک رات کے وقت ان کو اپنے گھروں میں جمع
کر لیتے ہیں اور پھر دن کو چرانے کے لئے چھوڑ دیتے
ہیں پس لوگوں کی اس عام عادت سے تجاوز کرنا
ظلم سمجھا گیا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے درختوں
میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا
"جو کوئی محتاج شخص اس کو منہ سے کھائے اور جھولی نہ بھرے
تو اس پر کچھ گناہ نہیں"۔

واضح ہو کہ لوگوں میں باہمی ظلم دور کرنے کی یہی صورت
ہے کہ جو کوئی کسی کو ضرر پہنچائے اور ظلم کرے اس کا ہاتھ
پکڑا جائے نہ یہ کہ ان کے لالچ اور طبع نفسانی کی پیروی کی
جائے پس اس پھل کے کھانے میں جو معلق غیر محفوظ کثیر
ہے جس سے غنائے آدمی کے پیٹ بھر کر کھانے سے مالک کو

انسان محتاج اذا لم يكن هناك مجاوزة حد العرف ولا اتخاذ خبنة ولا رمى الاشجار بالحجارة فان العرف يوجب المسامحة فى مثله، فمن ادعى فى مثل ذلك فانه اتبع الشح وقصد الضرار فلا يتبع، واما ما كان من ثمر مشفوه او اتخاذ خبنة او رمى الاشجار او مجاوزة الحد فى الاتلاف بوجه من الوجوه ففيه التعزير والغرامة، واما لبن الماشية فالاقيسة فيه متعارضة، وقد بينها النبى صلى الله عليه وسلم فقاسها تارة على المتاع المخزون فى البيوت فنهى عن حلبه، وتارة على الثمر المعلق الاشياء غير المحرزة فاباح منه بقدر الحاجة لمن لم يجد صاحب المال ليستأذنه والاصل فيما اختلف فيه الاحاديث واظهرت العلل ان يجمع باعتبار تلك العلل فحيثما جرت العادة ببذل مثله وليس هناك شح وتضييق وكانت حاجة جاز والا فلا، وعلى مثل ذلك ينبغى ان يعتبر تصرف الزوجة فى مال الزوج والعبد فى مال سيده ؛

ملال بھی نہیں گذرتا جبکہ کھانے والا حد سے تجاوز نہ کرے اور نہ جھولی بھرے اور نہ درختوں پر پتھر پھینکے تو اس صورت میں عرف درگذر کرنے کا تقاضا کرتا ہے پس ایسی حالت میں جو شخص اس حاجتمند پر دعوی کرتا ہے تو وہ اپنی طمع نفسانی کا اتباع کرتا ہے اور ضرر پہنچانا چاہتا ہے پس اسکا دعوی مسموع نہ ہوگا البتہ جس صورت میں محتوڑے پھل ہوں یا وہ جھولی بھرے یا پتھر پھینکے یا کسی اور طرح سے ضرر پہنچانے میں حد سے تجاوز کرے تو اس میں تعزیر اور تاوان آتا ہے اور مویشی کا دودھ دوہنے میں قیاسات متعارض ہیں اور انکو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان کر دیا ہے پس کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو اس مال پر قیاس کیا جو گھر میں حفاظت کر رکھا ہوا ہے پس اس کے دوہنے سے منع فرمایا اور کبھی درختوں کے پھلوں اور غیر محفوظ چیزوں پر اسکو قیاس فرما کر اس شخص کے لئے جسکو مویشی کا مالک نہ ملے تاکہ اس سے اجازت لے بقدر ضرورت دودھ لینے کو مباح فرمایا اور جن احادیث میں اختلاف ہے اور انکی علتیں ظاہر ہوگئی ہیں ان میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ان علتوں کے اعتبار سے ان کو جمع کیا جائے پس جہاں ایسی چیزوں کے صرف کرنے کی عادت ہو اور وہاں لوگوں کو بخل اور تنگی نہ ہو اور حاجت بھی ہو تو اس کا لینا جائز ہے اور اگر ایسی بات نہ ہو تو جائز نہیں ہے اور اسی پر بیوی کا خاوند کے مال میں اور غلام کا آقا کے مال میں تصرف کرنے کو قیاس کر لینا چاہیئے ؛

الحدود

اعلم ان من المعاصى ما شرع الله فيه الحد وذلك كل معصية جمعت وجوها من المفسدة بان كانت فسادا فى الارض واقتضابا على طمانينة المسلمين وكانت لها داعية فى نفوس بنى آدم لا تزال تهيج فيها، ولها ضراوة لا يستطيعون الاقلاع

حدود کا بیان ؛

واضح ہو کہ بعض معاصی ایسے ہیں جن میں اللہ تعالی نے حد مقرر فرمائی ہے اور وہ ایسے معاصی ہیں جن میں فساد کی بہت سی صورتیں ہیں کہ ان سے زمین میں فساد ہوتا ہے اور مسلمانوں کے امن و اطمینان کو ختم کرنا ہوتا ہے اور ان کے لئے بنی آدم کے نفوس کے اندر داعیہ ہوتا ہے جو ہمیشہ ان کے اندر جوش مارتا ہے اور ان کی عادت ہو جاتی ہے کہ جب وہ معاصی

منها بعد ان اشربت قلوبهم بها، وكان فيه ضرر لا يستطيع المظلوم دفعه عن نفسه في كثير من الاحيان، وكان كثير الوقوع فيما بين الناس، فمثل هذه المعاصي لا يكفي فيها الترهيب بعذاب الآخرة بل لابد من اقامة ملامة شديدة عليها وايلام ليكون بين اعينهم ذلك فيردعهم عما يريدون، وذلك كالزنا فانها تهيج من الشبق والرغبة في جمال النساء ولها ضراوة وفيها عار شديد على اهلها، وفي مزاحمة الناس على موطوأة تغيير للجبلة الانسانية وهي مظنة المقاتلات والمحاربات فيما بينهم ولا يكون غالبا الا برضا الزانية والزاني، وفي الخلوات حيث لا يطلع عليها الا البعض فلو لم يشرع فيها حد زجير لم يحصل الردع، وكالسرقة فان الانسان كثيرا ما لا يجد كسبا صالحا فينحدر الى السرقة ولها ضراوة في نفوسهم ولا يكون الا الاختفاء بحيث لا يراه الناس بخلاف الغصب فانه يكون باجتهار وشبهة يثبتها الشرع، وفي تضاعيف معاملات بينهما وعلى اعين الناس فصار معاملة من المعاملات، وكقطع الطريق فانه لا يستطيع المظلوم ذبه عن نفسه وماله ويكون في بلاد المسلمين وتحت شوكتهم فلا يدفعوا، فلابد لمثله ان يزاد في الجزاء والعقوبة، وكشرب الخمر فان لها ضراوة ولها فسادا في الارض وزوالا للعقول التي بها صلاح معادهم و

دل میں پیوست ہو جاتے ہیں تو لوگ ان سے باز نہیں آسکتے اور ان میں ضرر عظیم ہوتا ہے جن کو اکثر اوقات مظلوم اپنے نفس سے دفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور یہ بات لوگوں کے درمیان اکثر واقع ہوتی رہتی ہے پس ایسے گناہوں میں عذاب آخرت سے ڈرانا کافی نہیں بلکہ اس قسم کے معاصی پر نہایت درجہ ملامت اور تکلیف کا پہنچانا ضروری ہے تاکہ ہر وقت وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے رہے اور جس گناہ کا وہ ارادہ کرتے تھے اس سے وہ باز رہیں جیسے زنا ہے کیونکہ شہوت اور عورتوں کے جمال میں رغبت کرنے کی خواہش سے زنا کا جوش پیدا ہوتا ہے اور اس کا مزہ پڑ جاتا ہے اور زنا کرنے میں عورت کی اہل کے لئے نہایت درجہ کی عار ہے اور ایک عورت پر کئی آدمیوں کے جمع ہونے سے جبلت انسانیہ کی تغیر ہے اور اس کے سبب لوگوں کے درمیان لڑائیوں اور کشت و خون کا اکثر احتمال رہتا ہے اور زنا اکثر زانیہ اور زانی کی رضامندی سے ہوا کرتا ہے اور تنہائیوں میں اس طور پر ہوتا ہے کہ اس پر بعض لوگ ہی مطلع ہو سکتے ہیں پس اگر اس میں سخت سزا مقرر نہ کیجاتی تو روک ٹوک کیونکر حاصل ہو سکتی تھی، اور جیسے چوری ہے اسواسطے کہ انسان بسا اوقات اچھا پیشہ نہیں پاتا ہے پس وہ چوری کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور ان کے نفسوں کے اندر اس کی عادت پڑ جاتی ہے اور چوری بھی خفیہ طور پر اس طرح عمل میں آتی ہے کہ لوگ اسکو نہ دیکھ سکیں بخلاف غصب کے کہ اس میں ایک ایسی دلیل اور شبہہ ہوتا ہے جس کو شرع ثابت نہیں کرتی اور وہ باہمی معاملات میں اور لوگوں کے روبرو عمل میں آتا ہے اس واسطے اسکو منجملہ معاملات کے ایک معاملہ شمار کیا گیا، اور جیسے رہزنی ہے اسواسطے کہ مظلوم اسکو اپنی جان و مال سے دور نہیں کر سکتا اور رہزنی مسلمانوں کے ملک اور انکی حکومت میں نہیں ہو سکتی اور اگر ہو تو وہ انکی مدافعت کرتے ہیں پس ایسے افعال کی جزا اور سزا زیادہ مقرر کرنا ضروری ہے، اور جیسے شراب کا پینا ہے کیونکہ اس کی بھی سخت حرص ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے ملک میں فساد پھیلتا ہے اور لوگوں کی عقلیں زائل ہوتی ہیں جن کے سبب ان کے معاد اور معاش کی اصلاح ہوتی ہے،

معاشهم، وكالقذف فان القذف فيه اذى
اذى شديدا ولا يقدر على دفعه بالقتل
ونحوه لانه ان قتل قتل به وان ضرب
ضرب به، فوجب في مثله زجر
عظيم، ثم الحد اما قتل وهو زجر لا زجر
فوقه، واما قطع وهو ايلام شديد و
تفويت قوة لا يتم الاستقلال بالمعيشة
دونها طول عمره ومثلة وعار ظاهر
اثره بمرأى الناس لا ينقضي فان النفس
انما تتأثر من وجهين، النفس الواغلة
في البهيمية يمنعها الايلام كالبقر والجمل
والتي فيها حب الجاه يردعه العار اللازم
له اشد من الايلام، فوجب جمع هذين
الوجهين في الحدود، ودون ذلك ايلام
بضرب يضم معه ما فيه عار وظهر
اثره كالتغريب وعدم قبول الشهادة
والتبكيت ؛

واعلم انه كان من شريعة من قبلنا
القصاص في القتل، والرجم في الزنا
والقطع في السرقة، فهذه الثلاث
كانت متوارثة في الشرائع السماوية و
اطبق عليها جماهير الانبياء والامم و
مثل هذا يجب ان يؤخذ عليه بالنواجذ
ولا يترك ولكن الشريعة المصطفوية تصرفت
فيها بنحو آخر فجعلت مزجرة كل واحد
على طبقتين احدهما الشديدة البالغة
اقصى المبالغ ومن حقها ان تجعل في
المعصية الشديدة، والثانية دونها و
من حقها ان تجعل فيما كانت المعصية

اور جیسے کسی کو زنا کی تہمت لگانا ہے اس واسطے کہ جس کو
تہمت لگائی جاتی ہے اس کو نہت ایذاء ہوتی ہے اور وہ قتل
وغیرہ سے اس کی مدافعت بھی نہیں کر سکتا ہے کیونکہ وہ اگر
اگر قتل کرتا ہے تو خود بھی اس کے سبب سے مارا جاتا ہے، اور
اگر اس کو پیٹتا ہے تو اس کی وجہ سے خود بھی پٹتا ہے اس واسطے
ایسے جرم میں کوئی سخت سزا کا ہونا ضروری ہے پھر حد یا تو قتل
ہے اور وہ ایسی سزا ہے کہ اس سے زیادہ اور کوئی سزا نہیں اور
یا کسی عضو کا کاٹ ڈالنا ہے اور اس میں نہایت درجہ کی
تکلیف پہنچانا اور ایسی قوت کا زائل کر دینا ہے کہ جس کے
بغیر ساری عمر خود معاش حاصل کرنے کے قابل نہیں رہتا
اور بدشکل کرنا اور عار ہے جسکا اثر سب لوگوں کے روبرو
دکھائی دیتا ہے جو زائل نہیں ہوتا اس واسطے کہ نفس دو سبب
سے متاثر ہوتا ہے جو نفس کہ بہیمیت میں غرق ہوتا ہے اس کو
تکلیف دینا بری چیز سے باز رکھتا ہے جیسے بیل اور اونٹ
اور جس نفس میں حب جاہ غالب ہوتی ہے اس کو دائمی عار
تکلیف جسمانی سے بھی زیادہ ایک کام سے روک دیتی ہے اس
واسطے ان دونوں وجہوں کا حدود کے اندر جمع کرنا ضروری
ہوا اور قطع سے کم ایک حد مار پیٹ کے ساتھ تکلیف پہنچانا
ہے جس میں عار ہو اور اس کا اثر ظاہر ہو جیسے جلا وطن کرنا اور
شہادت کا قبول نہ کرنا اور گوشمالی کرنا۔

اور واضح ہو کہ سابقہ شریعتوں میں قتل کی سزا میں قصاص
اور زنا کی سزا میں سنگسار کرنا اور چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنا
تھا پس یہ تینوں سزائیں آسمانی شریعتوں میں ہمیشہ سے چلی آتی
تھیں اور تمام انبیاء اور ان کی امتیں اس پر متفق تھیں اور یہ ایسی
چیزیں ہیں جن کو نہایت مضبوطی سے پکڑنا ضروری ہے اور کبھی
ان کو ترک نہیں کرنا چاہئے لیکن شریعت مصطفویہ نے اس میں
ایک اور قسم کا تصرف کیا ہے پس ہر ایک کی سزا کے دو درجے مقرر
کئے ایک تو بڑی بھاری سزا ہے کہ اس سے بڑھکر متصور نہیں
اور یہ سزا نہایت بھاری گناہ میں دینی چاہیئے، اور دوسری سزا

۲ اس سے کم ہے اور یہ ان معاصی میں ہونی چاہئے جو پہلے

دونها، ففي القتل القود والدية والاصل فيه قوله تعالى ذلك تخفيف من ربكم.

قال ابن عباس رضي عنهما كان فيهم القصاص ولم يكن الدية، وفي الزنا الجلد وكان اليهود لما ذهبت شوكتهم ولم يقدروا على الرجم ابتدعوا التجبية والتحميم فصار ذلك تحريفا لشريعتهم فجمعت لنا بين شريعتي من قبلنا السماوية والابتداعية، وذلك غاية رحمة الله بالنسبة الينا، وفي السرقة العقوبة غرامة مثليه على ماجاء في الحديث وان حملت انواعا من الظلم عليها كالقذف والخمر فجعلت لها حدا فان هذه ايضا بمنزلة تلك المعاصي وان زادت في عقوبة قطع الطريق.

واعلم ان الناس على طبقتين، ولسياسة كل طبقة وجه خاص، طبقة هم مستقلون امرهم بأيديهم وسياسة هؤلاء ان يؤاخذوا على اعين الناس ويوجعوا ويلزم عليهم شديد وبها نوا ويحقروا، وطبقة هم بايدي ناس آخرين اسراء عندهم وسياسة هؤلاء ان يؤمر سادتهم يحفظوهم عن الشر فانه يظهر لهم فيه حبسهم عن فعلهم ذلك، وقوله صلى الله عليه وسلم اذا زنت امة احدكم فليضربها الحديث، وقوله عليه السلام اذا سرق عبد احدكم فليبعه ولو بنش فضبطت الطبقتان

معاصی سے کم درجہ کے ہوں پس قتل کی سزا میں قصاص اور دیت ہے اور اس میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف ہے۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں قتل کی سزا صرف قصاص تھی اور دیت نہیں تھی اور زنا میں کوڑے مارنا ہے، اور یہودیوں کی جب شوکت جاتی رہی اور وہ سنگسار کرنے پر قادر نہ رہے تو انہوں نے خود ایک سزا کو ایجاد کیا اور وہ یہ کہ زانی اور زانیہ کو گدھے پر چڑھا کر منہ کالا کر کے لوگوں کے سامنے پھراتے تھے پس وہ ان کی شریعت کی تحریف ہوئی پس ہمارے لئے دونوں شریعتوں کو جمع کیا گیا شرائع سماویہ وابتداعیہ کو اور اس میں ہماری طرف اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے، اور چوری میں عذاب دینا اور اس سے دوچند تاوان دینا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اور نیز یہ تصرف کیا کہ ظلم کی بہت سی قسموں کو جیسے قذف اور شرب خمر ہے انہی معاصی پر حمل کیا اور ان کے لئے بھی حد مقرر کی کیونکہ یہ بھی بمنزلہ ان معاصی کے ہیں اور رہزنی کی سزا زیادہ مقرر کی۔

اور واضح ہو کہ لوگوں کے دو درجے ہیں اور ہر درجہ کی سیاست کا ایک خاص طریقہ ہے ایک لوگوں کا وہ طبقہ ہے جو بذات خود مستقل اور مختار ہیں ان کی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ ان کو پکڑ کر سب کے روبرو سزا دیجائے اور ان کو سخت عار دلائی جائے اور ان کی توہین کیجائے اور ذلیل کیا جائے، اور ایک لوگوں کا وہ طبقہ ہے جو دوسروں کے قبضہ میں بمنزلہ قیدیوں کے ہیں اور ان کی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مالکوں کو حکم کیا جائے کہ بڑی باتوں سے ان کو محفوظ رکھیں کیونکہ وہی ایسا طریقہ جان سکتے ہیں جو ان کو ان کے فعل سے باز رکھ سکتا ہو جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہاری جب کوئی باندی زنا کرے تو اس کو مارنا چاہیئے" الحدیث، اور آپ نے فرمایا جب تمہارا غلام چوری کرے تو اس کو فروخت کر ڈالو اگرچہ نصف قیمت حاصل ہو" پس یہ دونوں درجے کے لوگ ایک ظاہری

بوصف ظاهر، فالاولى الاحرار، والثانية
الارقاء، ثم كان من السادة من يتحكم
على عبيده ويحتج بانه زنى او سرق ونحو ذلك
فكان الواجب في مثله ان يشرع على الارقاء
دون ما على الاحرار ليقطع هذا النوع وان
لا يخيروا في القتل والقطع وان يخيروا فيما
دون ذلك. والحد يكون كفارة لاحد
وجهين، لان العاصي اما ان يكون منقادا
لامر الله وحكمه مسلما وجهه لله فالكفارة
في حقه توبة عظيمة، ودليله حديث لقد
تاب توبة لو قسمت على امة محمد لوسعتهم
واما ان يكون ايلاما وقسرا عليه،
وسر ذلك ان العمل يقتضي في حكمة الله
ان يجازى في نفسه او ماله فصار مقيم
الحد خليفة الله في المجازاة فتدبر قال
الله تعالى الزانية والزاني فاجلدوا كل
واحد منهما مائة جلدة الآية؛
وقال عمر رضي الله عنه ان الله بعث
محمدا صلى الله عليه وسلم بالحق وانزل
عليه الكتاب فكان مما انزل الله آية
الرجم رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم
ورجمنا بعده، والرجم في كتاب الله
حق على من زنى اذا احصن من
الرجال والنساء؛
اقول انما جعل حد المحصن الرجم
وحد غير المحصن الجلد لانه كما يتم
التكليف ببلوغ خمس عشرة سنة او
نحوه ولا يكمل دون ذلك لعدم تمام العقل
وتمام الجثة وكونه من الرجال فلذلك

وصف سے منضبط کئے گئے پس پہلے درجے کے لوگ آزاد او
دوسرے درجے کے لوگ غلام ہیں، پھر بعض سردار ایسے تھے
اپنے غلاموں پر ظلم کرتے تھے اور ان پر یہ دلیل پیش کرتے
کہ اس نے زنا یا چوری وغیرہ کی ہے اس واسطے ایسا امر
ضروری ہوا کہ غلاموں کی سزا آزاد لوگوں سے کم مقرر کی جائے
اس قسم کا احتمال منقطع ہو جائے، اور نیز یہ بات بھی ضروری
کہ ان کو قتل کرنے اور ہاتھ کاٹنے کا اختیار نہ دیا جائے اور ا
سے کم سزا کا اختیار ان کو دیا جائے، اور حد دو وجہ سے گناہ
کفارہ ہوتی ہے کیونکہ گناہ کا مرتکب یا حکم الٰہی کا مطیع اور ا
فرمانبردار ہو گیا ہے پس اس کے حق میں کفارہ بڑی توبہ ہے
اس پر دلیل نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ آپ نے
ابن مالک کے حق میں فرمایا "اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر
امت محمدیہ پر تقسیم کی جائے تو ان سب کو کافی ہو جائے؛
اور یا اس حد میں گناہ کے مرتکب کو تکلیف پہنچانا اور
گناہ سے روکنا مقصود ہوتا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ
حکمت الٰہی میں اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کی جان یا
مال میں اس عمل کی سزا دیا جائے پس حد کا قائم کرنے والا
اللہ تعالیٰ کا نائب ہو گیا، فتدبر، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
اور زانی ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو؛
اور حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے محمد صلے ال
وسلم کو حق دیکر بھیجا، اور ان پر کتاب نازل فرمائی اور جو کچھ ا
تعالیٰ نے نازل فرمایا، اس میں آیت رجم بھی تھی چنانچہ رسول ا
صلے اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی سنگ
اور جب کوئی مرد ہو یا عورت نکاح کرنے کے بعد زنا کرے کتاب
میں اس پر رجم کرنا حق ہے؛
میں کہتا ہوں محصن کی حد سنگسار کرنا اور غیر محصن کی
دُرّے لگانا اس لئے مقرر کیا گیا کہ مکلف ہونا جس طرح پندرہ
برس کی عمر وغیرہ سے تمام ہوتا ہے اور بغیر اس کے نہ عقل کامل
ہوتی ہے اور نہ جثہ پورا ہوتا ہے اور نہ پوری مردمی پائی جاتی ہے

ينبغي ان تتفاوت العقوبة المترتبة على التكليف بانمية العقل وصيرورته رجلا كاملا مستقلا بامره مستبدا برأيه، ولان المحصن كامل وغير المحصن ناقص فصار واسطة بين الاحرار الكاملين وبين العبيد، ولم يعتبر ذلك الا في الرجم خاصة، لانه اشد عقوبة شرعت في حق الله، واما القصاص فحق الناس وهم محتاجون فلا يضيع حقوقهم، واما حد السرقة وغيرها فليس بمنزلة الرجم ولان المعصية ممن انعم الله عليه وفضله على كثير من خلقه اقبح واشنع لانها اشد كفران فكان من حقها ان يزاد في العقوبة لها، وانما جعل حد البكر مائة جلدة لانها عدد كثير مضبوط يحصل به الزجر والايلام، وانما عوقب بالتغريب لان العقوبة المؤثرة تكون على وجهين ايلام في البدن والحاق حياء وخجالة وعار ونقد مالوف في النفس، والاول عقوبة جسمانية، والثانية عقوبة نفسانية ولا تتم العقوبة الا بان تجمع الوجهين

قال الله تعالى فاذا احصن فان اتين بفاحشة فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب.

اقول السر في تنصيف العقوبة على الارقاء انهم يفوض امرهم الى مواليهم فلو شرع فيهم مزجرة بالغة اقصى المبالغ لفتح ذلك باب العدوان بان يقتل المولى عبده ويحتج بانه زان ولا يكون سبيل

طرح اس عقوبت کو بھی متفاوت ہونا چاہئے جو کمال عقل اور اس کے مرد کامل ہونے اور خود مختاری اور استقلال سمجھ کی وجہ سے مکلف ہونے پر مرتب ہوتی ہے، اور اس لئے کہ محصن کامل ہے اور غیر محصن ناقص ہے پس غیر محصن احرار کاملین اور غلاموں کے مابین واسطہ ہوا اور صرف سنگسار ہونے میں اس واسطہ کا اعتبار کیا گیا کیونکہ وہ سزاؤں میں سب سے زیادہ سخت سزا ہے جو حق اللہ میں مشروع ہوئی ہے اور قصاص چونکہ حق العباد میں سے ہے اور لوگوں کو اپنے حقوق کے لینے کی حاجت ہے اس واسطے ان کے حقوق ضائع نہیں کئے جاتے اور حد سرقہ وغیرہ بمنزلہ سنگساری کے نہیں اور نیز اس شخص سے گناہ کا صادر ہونا جس پر اللہ تعالی نے انعام کیا ہے اور اس کو اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی ہے زیادہ بڑا ہے کیونکہ وہ نہایت درجہ کی نافرمانی ہے پس اس میں سزا کا بڑھانا مناسب ہوا، اور کنوارے اور کنواری کی حد سو درے اس لئے مقرر کئے گئے کہ سو کا عدد کثیر اور منضبط ہے جس سے زجر اور تکلیف بخوبی حاصل ہو سکتی ہے اور جلا وطنی کی سزا اس لئے دی گئی کہ سزا دو طرح پر مؤثر ہوتی ہے ایک تو بدن کو تکلیف پہنچانا اور ایک حیاء شرمندگی اور عار کا لاحق کرنا اور محبوب چیز کا علیحدہ کرنا پہلی سزا جسمانی ہے اور دوسری سزا نفسانی ہے اور پوری پوری سزا وہی ہوتی ہے جس میں یہ دونوں جمع کی جائیں

اللہ تعالی فرماتا ہے "جب احصان کے بعد ان سے فحش ظاہر ہو تو ان کو محصنات سے نصف عذاب دیا جائے گا"

میں کہتا ہوں غلاموں پر نصف سزا مقرر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ غلاموں کا حکم ان کے مالکوں کے سپرد کیا جاتا ہے پس اگر ان کے لئے کامل درجہ کی سزا مقرر کی جائے تو اس سے ظلم کا دروازہ کھلتا ہے اس طور پر کہ مالک اپنے غلام کو قتل کر ڈالے اور یہ کہہ دے کہ یہ زانی تھا اور پھر مالک سے مواخذہ کرنے کی کوئی سبیل نہ رہے پس ان کی حد

السوأخذه عليه، فنقص من حدهم وجعل
مالا يفضي الى الهلاك، والذي ذكرناه في
الفرق بين المحصن وغيره يأتي هنا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
خذوا عني خذوا عني قد جعل الله لهن
سبيلا البكر بالبكر جلد مائة وتغريب عام
والثيب بالثيب جلد مائة والرجم وعمل
به علي رضي الله عنه۔

اقول اشتبه هذا على الناس فظنوه
مناقضا مع رجمه الثيب وعدم جلده
وعندي انه ليس مناقضا له وان الاية
عامة لكن يسن للامام الاقتصار على
الرجم عند وجوبهما، وانما مثله مثل
القصر في السفر فانه لو اتم جاز لكن
يسن له القصر، وانما شرع ذلك لان
الرجم عقوبة عظيمة فتضمنت ما دونها
وبهذا يجمع بين قوله صلى الله عليه و
سلم هذا، وعمل علي رضي الله عنه،
وبين عمله صلى الله عليه وسلم، و
اكثر خلفائه في الاقتصار على الرجم، و
حديث جابر امر بالجلد ثم اخبر انه محصن
فامر به فرجم يدل عليه فانه ما اقدم على
الجلد الا لجواز مثله مع كل زان وعندي
ان التغريب يحتمل العفو وبه يجمع بين
الآثار لما قال ماعز بن مالك زنيت
فطهرني، قال صلى الله عليه وسلم لعلك
قبلت او غمزت او نظرت؟ قال لا يا رسول
الله قال انكتها؟ قال نعم فعند ذلك امر
برجمه۔

کم کی گئی اور اتنی مقرر کی گئی جس سے ہلاکت کی نوبت نہیں آتی، اور
محصن اور غیر محصن کا فرق جو ہم نے بیان کیا ہے وہ یہاں بھی
پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھ سے سیکھو مجھ سے
سیکھو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے ایک راہ نکالی ہے کنوارہ کنواری
کے ساتھ زنا کرے تو اس کی سزا سو درے ہیں اور سال بھر
کے لئے جلا وطن کرنا ہے، اور شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت کے
ساتھ زنا کرے تو اسکی سزا سو درے مارنا اور سنگسار کرنا ہے" اور
اس حدیث پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمل کیا ہے،

میں کہتا ہوں یہ حدیث لوگوں پر مشتبہ ہو گئی اور اس حدیث
کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے شادی شدہ کو سنگسار کرنے اور اس
کے درے نہ لگانے کے ساتھ مخالف سمجھا اور میرے نزدیک یہ
حدیث آپ کے فعل کے مخالف نہیں ہے اور آیت عام ہے لیکن
جب دونوں یعنی رجم اور سو درے مارنا واجب ہوں تو امام
کو رجم پر اقتصار کرنا مسنون ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے
سفر میں قصر کرنا پس اگر کوئی شخص پوری نماز پڑھے تو بھی جائز
ہے مگر قصر کرنا سنت ہے اور یہ اس واسطے مقرر کیا گیا
کہ رجم بڑی سخت سزا ہے اور اس سے جو کم سزا ہے وہ اس
میں آجاتی ہے اور اس بیان سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے
اس قول میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل میں اور
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل میں اور آپ کے اکثر خلفاء
کے عمل میں تطبیق ہو سکتی ہے کہ انہوں نے رجم پر اکتفا کیا ہے
اور حضرت جابرؓ کی حدیث کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے درے لگانے
کا حکم دیا پھر کسی نے آپکو بتلایا کہ وہ محصن ہے تو آپ نے اس کو سنگسار
کرنے کا حکم دیا پس اسکو سنگسار کر دیا گیا، اسی بات پر دلالت کرتی ہے کیونکہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درے لگانیکا حکم دینے پر اقدام جب ہی کیا
جبکہ آپ ہر زانی کے لئے یہی سزا سمجھتے تھے، اور میرے نزدیک جلا وطن کرنے
میں معافی کا احتمال ہے جبکہ ماعز بن مالک نے کہا کہ میں نے زنا کیا ہے مجھ
پاک کر دیجئے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا ہاتھ

سے اسکو پکڑا ہوگا یا اسکی طرف دیکھا ہوگا تو ماعز نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ، تب آپ نے پوچھا کیا تو نے اسکے ساتھ دخول کیا ہے؟ تو ماعز نے جواب دیا ہاں
پس اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

اقول الحد موضع الاحتياط، وقد يطلق الزنا على مادون الفرج كقوله صلى الله عليه وسلم فزنا اللسان كذا وزنا الرجل كذا فوجب التثبت والتحقق في مثل ذلك، واعلم ان المقر على نفسه بالزنا المسلم نفسه لاقامة الحد تائب والتائب كمن لا ذنب له فمن حقه ان لا يحد لكن هنا وجوه مقتضية لاقامة الحد عليه منها انه لو كان اظهار التوبة والاقرار درءا للحد لم يعجز كل احد ان يحتال اذا استشعر بأخذ الامام بان يعترف فيندرئ عنه الحد، وذلك مناقضة للمصلحة، ومنها ان التوبة لا تتم الا ان يعتضد بفعل شاق عظيم لا ياتي الا من مخلص، ولذلك قال النبي صلى الله عليه وسلم في ماعز لما اسلم نفسه للرجم لقد تاب توبة لو قسمت بين امة محمد لوسعتهم، وقال عليه السلام في الغامدية لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له، ومع ذلك فيستحب الستر عليه، وهو قوله صلى الله عليه وسلم لهزال لو سترته بثوبك لكان خيرا لك، وان يؤمر هو ان يتوب فيما بينه وبين الله وان يحتال في درء الحد، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا زنت امة احدكم فتبين زناها فليجلدها الحد ولا يثرب عليها ثم ان زنت فليجلدها الحد ولا يثرب عليها،

اقول السر في ذلك ان الانسان مأمور شرعا ان يذب عن حريمه المعاصي

میں کہتا ہوں حد مارنے میں احتیاط کا مقام ہے اور کبھی زنا کا اطلاق شرمگاہ کے سوا پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "زبان کا زنا یہ ہے اور پاؤں کا زنا یہ ہے" اس واسطے ایسی صورت میں اس کا ثابت کرنا اور اسکی تحقیق کرنا ضروری ہوا۔

اور واضح ہو کہ جو شخص خود زنا کا اقرار کرتا ہے اور حد قائم کرنے کے لئے اپنے نفس کو سپرد کرتا ہے تو وہ توبہ کرنے والا ہے اور توبہ کرنیوالا بمنزلہ اس شخص کے ہے جس نے گناہ نہیں کیا پس ایسے شخص کو حد نہیں مارنا چاہیے لیکن یہاں اس پر حد قائم کرنے کے لئے کئی اسباب مقتضی ہیں

ازاں جملہ یہ ہے کہ اگر اظہار توبہ اور اس کے اقرار سے حد ساقط ہو جاتی تو ہر زنا کرنیوالا امام کی مواخذہ کی خبر پاکر امام کے روبرو اقرار کر کے حیلہ کرتا اور حد سے چھوٹ جاتا اور اس میں مصلحت کی مخالفت ہے

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ توبہ بغیر ایسے سخت فعل کے تمام نہیں ہوتی جس فعل سے توبہ کو قوت پہنچے اور جو مخلص کے سوا کسی سے عمل میں نہ آسکے اور اسی واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ماعز کے بارے میں جبکہ وہ رجم کیلئے آمادہ ہوئے تھے یہ فرمایا تھا "البتہ اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر محمد کی امت پر تقسیم کیجاتی تو انکو کافی ہوتی" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ غامدیہ کی عورت کی نسبت فرمایا "اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تاجروں سے ظلم محصول لینے والا بھی یہ توبہ کرتا تو بخشا جاتا"، لیکن اس کے باوجود گناہ کا چھپانا مناسب ہے چنانچہ نبی صلے اللہ وسلم نے ہزال[1] سے فرمایا تھا "اگر تو اسکو اپنے کپڑے کے ساتھ چھپاتا تو تیرے لئے بہتر ہوتا"، اور نیز یہ بات مناسب ہے کہ اسکو فیما بینہ وبین اللہ توبہ کرنیکا اور حد کے دفع کرنے کے لئے حیلہ کرنیکا حکم دیا جائے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جب کسی کی باندی زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو وہ باندی پر حد میں درے مارے اور توبیخ نہ کرے پھر اگر وہ زنا کرے تو پھر اس پر درے مارے اور توبیخ نہ کرے۔"

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ انسان کو شرعاً اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے حرم سے معاصی کو دور کرے

[1] یہ وہ شخص ہے جس کی باندی سے ماعز نے زنا کیا تھا اور جس نے ماعز کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو زنا کے اظہار پر آمادہ کیا تھا۔

ومجبول على ذلك خلقة، ولو لم يشرع الحد
الا عند الامام لما استطاع السيد اقامته
في كثير من الصور، ولم يتحقق الذب عن
الدار، ولو لم يحد مقدار معين للحد لجاوز
المتجاوزون الى حد الاهلاك او الايلام الزائد
على الحد، فلذلك قال النبي صلى الله عليه وسلم
لا يثرب، قال صلى الله عليه وسلم اقيلوا
ذوي الهيئات عثراتهم الا الحدود۔

اقول المراد بذي الهيئات اهل المروءة
اما ان يعلم من رجل صلاحه في الدين و
كانت العثرة امرا فرط منه على خلاف
عادته ثم ندم فمثل هذا ينبغي ان يتجاوز
عنه او يكونوا اهل نجدة وسياسة وذكر
في الناس فلو اقيمت العقوبة عليهم في
كل ذنب قليل او كثير لكان في ذلك فتح
باب التشاحن واختلاف على الامام و
بغي عليه، فان النفوس كثيرا ما لا تحتمل
ذلك، واما الحدود فلا ينبغي ان تهمل
الا اذا وجد لها سبب شرعي تندرئ
به ولو اهملت لتناقضت المصلحة وبطلت
فائدة الحدود، وقال صلى الله عليه وسلم
في مخدج يزني خذوا له عثكالا فيه مائة
شمراخ فاضربوه به ضربة۔

اعلم ان من لا يستطيع ان يقام عليه
الحدود لضعف في جبلته فان ترك سدى
كان مناقضا لتأكد الحدود تأكدا لائقا
بالشرائع اللازمة التي جعلها الله تعالى
بمنزلة الامور الجبلية ان يجعل كالمؤثرة
بالخاصية ويعض عليها بالنواجذ، و

اور یہ بات انسان کی سرشت میں داخل ہے اور اگر امام ہی کے
سامنے حد مقرر ہوتی تو بہت سی صورتوں میں مالک حد کو قائم نہ
کر سکتا اور اہل حرم کی حفاظت نہ ہو سکتی اور اگر حد کی کوئی مقدار
مقرر نہ ہوتی تو زیادتی کرنیوالا ہلاکت کی حد تک پہنچا سکتا تھا یا حد سے
زیادہ تکلیف دے سکتا تھا پس اسی واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ "توبیخ نہ کرے"

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ذی عزت لوگوں کے حدود
کے سوا اور لغزشوں کو معاف کرو"

میں کہتا ہوں ذی عزت لوگوں سے مراد اہل مروت ہیں
تو اس طور سے کہ کوئی شخص متقی دیندار ہو جس سے خلاف عادت
کسی امر میں کوتاہی ہو جائے پھر وہ اس پر نادم ہو تو ایسے شخص سے
درگذر کرنا چاہیئے یا وہ شخص لوگوں میں خاندانی معزز اور سردار ہو
اگر ہر چھوٹے بڑے گناہ میں اس کو سزا دیجائے تو اس میں امام سے
عداوت اور اختلاف اور اس سے بغاوت کا دروازہ کھولنا ہے
کیونکہ نفوس اکثر ان باتوں کے متحمل نہیں ہوتے لیکن حدود
سو یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کو ترک کر دیا جائے بجز اس
صورت کے کہ کوئی سبب شرعی جس سے حد ساقط ہوتی ہے پایا جائے
کیونکہ اگر حدود کو چھوڑ دیا جائے تو وہ ملت کے خلاف ہے اور
حدود کا فائدہ فوت ہوتا ہے۔

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں
جو پیدائشی کمزور ہو اور زنا کرے فرمایا ہے "اس کے لئے
ایک بڑی ڈالی لو جس میں سو شاخیں ہوں پس اس سے
اس کو ایک بار مارو"

اور واضح ہو کہ جو شخص اپنی پیدائشی کمزوری کی وجہ سے اتنی
طاقت نہیں رکھتا کہ اس پر حد قائم کیجائے پس اگر اس شخص کو بالکل
چھوڑ دیا جائے تو یہ حدود کے استحکام کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ
شرائع لازمی جن کو اللہ تعالی نے بمنزلہ خلقی امور کے مقرر کیا ہے
تو ان کی شان سے یہ بات ہے کہ وہ مؤثر بالخاصیت کی طرح سمجھی
جائیں اور لوگ نہایت مضبوطی سے ان کو تسلیم کریں اور نیز

فان فيه بعض الالم الميسور لا ضرورة فى تركه، واختلف فى حد اللواطة، فقيل هى من الزنا، وقيل يقتل لحديث من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول به، قال الله تعالى والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئك هم الفاسقون. الا الذين تابوا من بعد ذلك واصلحوا فان الله غفور رحيم، وفى حكم المحصنات المحصنون بالاجماع والمحصن حر مكلف مسلم عفيف عن وطء يحد به؛

واعلم ان ههنا وجهين متعارضين وذلك ان الزنا معصية كبيرة يجب اخمالها واقامة الحد عليها والمؤاخذة بها، وكذلك القذف معصية كبيرة و فيه الحاق عار عظيم يجب اقامة الحد عليها ويشتبه القذف بالشهادة على الزنا فلو اخذنا القاذف لنقيم عليه الحد يقول انا شاهد على الزنا، وفيه بطلان لحد القذف والذى هو شاهد على الزنا يذب به عن نفسه المشهود عليه بانه قاذف يستحق الحد، فلما تعارض الحدان فى هذه الجملة عند سياسة الامة وجب ان يفرق بينهما بامر ظاهر وذلك كثرة المخبرين فانهم اذا اكثروا قوى ظن الشهادة والصدق وضعف ظن القذف فان القذف يستند على جمع صفتين ضعف فى الدين وغل بالنسبة الى المقذوف ويبعد ان

جس چیز میں تھوڑی سی تکلیف اور آسانی ہے اس کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، لواطت کی حد میں اختلاف ہے پس بعض نے کہا کہ وہ زنا کی قسم ہے اور بعض نے کہا کہ اس کو قتل کیا جائے گا اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے "جس کسی کو تم قوم لوط کا کام کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی درّے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بدکار ہیں ہاں جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی حالت سنوار لیں تو خدا بھی بخشنے والا اور مہربان ہے" اور اس پر اجماع ہے کہ محصن مرد محصن عورتوں کے حکم میں ہیں، اور محصن اس کو کہتے ہیں جو حُر ہو اور مکلف اور مسلمان ہو اور ایسے جماع سے پاک ہو جس پر حد قائم کی جاتی ہے،

واضح ہو کہ یہاں دو باتیں متعارض پائی جاتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ زنا گناہ کبیرہ ہے اس کا مٹانا اور اس پر حد قائم کرنا اور اس پر مواخذہ کرنا ضروری ہے اور اسی طرح زنا کی تہمت لگانا بھی بڑا گناہ ہے اور اس میں ایک بڑی عار کا لاحق کرنا ہوتا ہے جس پر حد کا قائم کرنا ضروری ہے، اور زنا کی تہمت لگانے کو زنا پر شہادت دینے کے ساتھ مشابہت ہے پس اگر ہم کسی قاذف کو حد مارنے کے لئے گرفتار کریں تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں زنا کا گواہ ہوں اور اس میں حد قذف باطل ہوتی ہے اور جو زنا پر گواہ ہے مشہود علیہ یہ کہکر اپنے آپ کو بچا سکتا ہے کہ وہ زنا کی تہمت لگاتا ہے اور وہ خود حد کا مستحق ہے، پس جب سیاست امت کے وقت اس امر میں ان دونوں حدوں میں تعارض ہوا تو ایک ظاہری امر سے ان دونوں میں تمیز ضروری ہوئی اور وہ امر خبر دینے والوں کی کثرت ہے کیونکہ جب خبر دینے والے کثیر تعداد میں ہوئے تو گواہی اور راست گوئی کا گمان قوی ہوا اور تہمت کا گمان ضعیف ہو گیا اس واسطے کہ تہمت میں دو باتوں کا اجتماع ہوتا ہے ایک دین کے اندر ضعف اور دوسرے مقذوف کے ساتھ عداوت کا ہونا اور ان دونوں صفتوں کا

يجتمعا في جماعة من المسلمين، وانما لم يكتف بعدالة الشاهدين لان العدالة ماخوذة في جميع الحقوق فلا يظهر للتعارض اثر، وضبطت الكثرة بضعف نصاب الشهادة وانما جعل حد القذف ثمانين لانه ينبغي ان يكون اقل من الزنا فان اشاعة فاحشة ليست بمنزلة فعلها وضبط النقصان بمقدار ظاهر وهو عشرون فانه خمس المائة وانما جعل من تمام حده عدم قبول الشهادة لما ذكرنا ان الايلام قسمان جسماني ونفساني وقد اعتبر الشرع جمعهما في جميع الحدود لكن جمع مع حد الزنا التغريب لان الزنا عند سياسة ولاة الامور وغيرة الاولياء لا يتصور الا بعد مخالطة وممازجة وطول صحبة وائتلاف فجزاؤه المناسب له ان يجلى عن محل الفتنة، وجمع مع حد القذف عدم قبول الشهادة لانه اخبار والشهادة اخبار فجوزي بعار من جنس المعصية فان عدم قبول الشهادة من القاذف عقوبة وعدم قبولها من سائر العصاة لفوات العدالة والرضا وايضا فقد ذكرنا ان القاذف لا يعجز ان يقول انا شاهد فيكون سد هذا الباب ان يعاقب بمثل ما اجترأ به، وجمع في حد الخمر التبكيت، واختلفوا في قوله تعالى الا الذين هل الاستثناء راجع الى عدم قبول الشهادة ام لا؟ والظاهر هو ما مهدنا ان الفسق لما انتهى وجب ان ينتهي

مسلمانوں کی جماعت میں جمع ہونا بعید ہے اور شاہدین کی عدالت کے ساتھ اکتفا نہیں کیا گیا کیونکہ عدالت تمام حقوق میں معتبر ہے پس اس تعارض کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا اور اس کثرت کا نصاب شہادت کی دو چند تعداد کے ساتھ کیا گیا ہے، اور حد قذف اسی درے ہیں تو مقرر کئے گئے کہ اس کی معصیت بہرحال زنا سے کم ہے کیونکہ ایک گناہ کا مشہور کرنا اس کو عمل میں لانے کے برابر نہیں ہے اور اس کمی کو ایک مقدار ظاہر سے منضبط کیا گیا اور وہ بیس کا عدد ہے کیونکہ وہ عدد سو کا پانچواں حصہ ہے اور اس حد کا تتمہ گواہی قبول نہ کرنا اس لئے مقرر کیا گیا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تکلیف کی دو قسمیں ہیں ایک جسمانی اور دوسری نفسانی اور شریعت نے تمام حدود میں ان دونوں کا اعتبار کیا ہے لیکن حد زنا میں جلا وطنی کو شامل کیا گیا کیونکہ حکام کی سیاست اور اولیاء کی غیرت کے وقت میں زنا اسی وقت متصور ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں باہم میل جول اور اتحاد اور الفت ہو پس اس کے مناسب یہی سزا ہے کہ اس فتنہ کے مقام سے زانی کو نکال دیا جائے،

اور حد قذف میں عدم قبول شہادت کو شامل کیا گیا کیونکہ قذف میں خبر دینا ہوتا ہے اور شہادت میں بھی خبر دینا ہوتا ہے پس قاذف کو اسی عار کے ساتھ سزا دی گئی جو اس کی معصیت کی جنس سے ہے کیونکہ قاذف سے شہادت کا قبول نہ کرنا اس کے لئے ایک سزا ہے اور دوسرے گنہگاروں کی شہادت کا قبول نہ کرنا عدالت اور رضا کے فوت ہونے کے سبب سے ہے، اور نیز ہم ذکر کر چکے ہیں کہ قاذف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں شہادت دینے والا ہوں پس اس بات کا بند کرنا اس طرح ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے اس نے جرأت کی تھی اسی چیز سے اس کو سزا دی جائے، اور حد خمر میں توبیخ بھی شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول "اِلَّا الَّذِیْنَ" میں اختلاف ہے کہ استثناء عدم قبول شہادت کی طرف راجع ہے یا نہیں، اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب فسق کی انتہا ہو جائے تو اس کا اثر اور اس کی سزا بھی ختم ہو جائے

أثره وعقوبته، وقد اعتبره الخلفاء لحد
الزنا في تنصيف العقوبة على الارقاء،
قال تعالى السارق والسارقة فاقطعوا
ايديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله و
الله عزيز حكيم، واعلم ان النبي صلى الله
عليه وسلم بعث مبينا لما انزل اليه،
وهو قوله تعالى لتبين للناس، وكان اخذ
مال الغير اقساما منه السرقة، ومنه
قطع الطريق، ومنه الاختلاس، ومنه
الخيانة، ومنه الالتقاط، ومنه الغصب
ومنه ما يقال له قلة المبالاة والورع
فوجب ان يبين النبي صلى الله عليه وسلم
حقيقة السرقة متميزة عن هذه الامور
وطريق التميز ان ينظر الى ذاتيات هذه
الاسامي التي لا توجد في السرقة، ويقع
بها التفارق في عرف الناس، ثم تضبط
السرقة بامور مضبوطة معلومة يحصل
بها التميز منها والاحتراز عنها، فقطع الطريق
والنهب والحرابة اسماء تنبئ عن اعتماد القوة
بالنسبة الى المظلومين واختيار مكان أو
زمان لا يلحق فيه الغوث من جماعة المسلمين
والاختلاس ينبئ عن اختطاف على اعين
الناس، وفي مرأى منهم ومسمع، والخيانة
تنبئ عن تقدم شركة او مباسطة واذن
بالتصرف فيه ونحو ذلك، والالتقاط ينبئ
عن وجدان شئ في غير حرز، والغصب
ينبئ عن غلبة بالنسبة الى المظلوم لا
معتمدا على الحرب والهرب ولكن على
الجدل وظن ان لا يرفع قضيته الى الولاة

چاہئے، اور خلفاء نے غلاموں پر حد زنا کے لئے سزا کے نصف
کرنے میں اس کا اعتبار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "چرانے والا اور چرانے والی کا ہاتھ
کاٹ دو یہی جزاء ہے ان کے کئے کی عذاب خدا تعالیٰ کی طرف سے
اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے"۔

واضح ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس چیز کے بیان
کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے جو کچھ کہ آپ پر نازل ہوا جیسا کہ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تاکہ آپ اس کو لوگوں کے لئے بیان کریں"
اور غیر کا مال لینے کی چند صورتیں ہیں از آں جملہ چوری ہے اور
رہزنی ہے اور اچکنا ہے اور خیانت کرنا ہے اور کسی کی پڑی ہوئی
چیز کا اٹھا لینا ہے اور غصب کرنا ہے، اور ایک وہ ہے جسکو لاپرواہی
اور بے احتیاطی کہتے ہیں پس ضرور ہوا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم
چوری کی حقیقت اس طرح بیان فرمادیں کہ وہ ان سب امور سے
ممتاز ہو جائے، اور تمیز کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کی ذاتیات
کی طرف نظر کیجائے جو چوری میں نہیں پائی جاتیں اور لوگوں کے
عرف میں ان کی وجہ سے فرق واقع ہوتا ہے، پھر چوری کو چند
امور مضبوطہ معلومہ سے منضبط کیا جائے جن کے سبب اسکو
سب سے تمیز ہو جائے پس رہزنی اور غارت گری اور جنگ جوئی
ایسے امور ہیں جو بہ نسبت مظلوم کے ظالم کو اپنی قوت پر اعتماد
اور ایسے مکان یا زمانہ کے اختیار کرنے کی خبر دیتے ہیں جہاں
مسلمانوں کی جماعت سے فریاد اور ان کی مدد نہیں پہنچ سکتی، اور
اچک لینا لوگوں کے روبرو اور ان کے دیکھتے اور سنتے کسی چیز
کے لیجانے کی خبر دیتا ہے، اور خیانت میں پہلے سے کوئی شرکت یا
معاملہ اور اس میں تصرف کا اذن وغیرہ پایا جاتا ہے، اور گری
پڑی چیز کے اٹھا لینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کی حفاظت
میں نہ تھی، اور غصب میں مظلوم پر ظالم کا ایسا غلبہ معلوم
ہوتا ہے جو بھاگنے یا لڑنے پر موقوف نہیں ہوتا لیکن زبان
زوری اور اس بات کے گمان پر اس کا مدار ہوتا
ہے کہ یہ مقدمہ حکام تک نہیں پہنچے گا اور نہ ان پر

ولا ينكشف عليهم جليلة الحال وقلة المبالاة، والورع يقال في الشيء التافه الذي جرى العرف ببذله والمواساة به بين الناس كالماء والحطب، فضبط النبي صلى الله عليه وسلم الاحتراز عن ذاتيات هذه الأسامي، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقطع يد السارق إلا في ربع دينار، وروي القطع فيما بلغ ثمن المجن وروي أنه قطع في مجن ثمنه ثلاثة دراهم وقطع عثمان رضي الله عنه في أترجة ثمنها ثلاثة دراهم من صرف اثني عشر درهما، والحاصل أن هذه التقديرات الثلاث كانت منطبقة على شيء واحد في زمان صلى الله عليه وسلم، ثم اختلفت بعده ولم يصلح المجن للاعتبار لعدم انضباطه فاختلف المسلمون في الحديثين الآخرين فقيل ربع دينار، وقيل ثلاثة دراهم، وقيل بلوغ المال إلى أحد القدرين وهو الأظهر عندي، وهذا شرعه النبي صلى الله عليه وسلم فرقا بين التافه وغيره لأنه لا يصلح للتقدير جنس دون جنس لاختلاف الأسعار في البلدان، واختلاف الأجناس نفاسة وخساسة بحسب اختلاف البلاد فمباح قوم وتافههم مال عزيز عند آخرين، فوجب أن يعتبر التقدير في الثمن، وقيل يعتبر فيهما، وإن الحطب وإن كان قيمته عشرة دراهم لا يقطع فيه، وقال صلى الله عليه وسلم لا قطع في ثمر معلق ولا في حريسة الجبل فإذا

حال منکشف ہوگا، اور لاپرواہی اور بے احتیاطی کا اطلاق ان ادنیٰ ادنیٰ چیزوں میں ہوتا ہے جن کے صرف کرنے اور ان کے ساتھ باہمی معاونت کرنے کا لوگوں میں دستور جاری ہے جیسے پانی اور ایندھن، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی ذاتیات سے امتیاز کا انضباط فرمایا،

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر ربع دینار میں"، اور ایک روایت میں ہے "جس چیز کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو اس کے چرانے سے چور کا ہاتھ کاٹا جائے"، اور مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت تین درہم تھی چور کا ہاتھ قطع کیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اترج کی چوری میں جس کی قیمت تین درہم تھی ہاتھ قطع کر دیا تھا،

اور حاصل یہ ہے کہ یہ تینوں مقداریں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہی چیز پر منطبق تھیں پھر آپ کے بعد اختلاف ہوا اور ڈھال کی قیمت چونکہ منضبط نہیں ہے اس لئے وہ قابل اعتبار نہیں، پس باقی دونوں حدیثوں میں امت مسلمہ کا اختلاف ہوا بعض ربع دینار کے قائل اور بعض تین درہم کے اور بعض نے کہا کہ ان دونوں مقداروں میں سے کسی مقدار تک مال پہنچ جائے اور میرے نزدیک یہی ظاہر ہے اور رسول اللہ علیہ وسلم نے ادنیٰ و اعلیٰ چیز میں فرق کرنے کیلئے اس مقدار کو مقرر فرمایا کیونکہ کوئی خاص جنس اس اندازہ کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ مختلف شہروں میں ایک چیز کا نرخ مختلف رہتا ہے اور نیز شہروں کے اختلاف کے لحاظ سے نفاست اور خساست میں چیزیں مختلف ہوتی ہیں پس جو چیز ایک قوم کے نزدیک مباح وادنیٰ چیز ہوتی ہے وہی دوسری قوم کے نزدیک قابل قدر مال ہوتا ہے پس اندازہ کا اعتبار کرنا قیمت کے اندر ضروری ہوا اور بعض نے کہا دونوں کے اندر اندازہ کا اعتبار کرنا چاہیے۔

اور لکڑی میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اگرچہ اس کی قیمت دس درہم ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لٹکے ہوئے پھل میں قطع نہیں ہے اور نہ ان مویشی میں جو پہاڑ کے اندر رہتے ہیں"، پس جب

اواه المراح والجرين فالقطع فيما بلغ ثمن المجن، وسئل عن الثمر المعلق فقال عليه السلام من سرق منه شيئا بعد ان يؤديه الجرين فبلغ ثمن المجن فعليه القطع ؛

اقول افهم النبي صلے الله عليه وسلم ان الحرز شرط القطع وسبب ذلك ان غير المحرز يقال فيه الالتقاط فيجب الاحتراز عنه، قال صلے الله عليه وسلم ليس على خائن ولا منتهب ولا مختلس قطع ؛

اقول افهم النبي صلے الله عليه وسلم انه لا بد في السرقة من اخذ المال مختفيا والا كان نهبة او خطفة وان لا يتقدم فيها شركة ولزوم حق والا كان خيانة او استيفاء الحقه ؛

وفي الآثار في العبد يسرق مال سيده انما هو مالك بعضه في بعض، وقال صلى الله عليه وآله وسلم في السارق اقطعوه ثم احسموه ؛

اقول انما امر بالحسم لئلا يسري فيهلك، فان الحسم سبب عدم السراية وامر عليه السلام باليد فعلقت في عنق السارق ؛

اقول انما فعل هذا للتشهير وليعلم الناس انه سارق وفرق بين ما يقطع اليد ظلما وبين ما يقطع حدا، وقال صلے الله عليه وسلم في سرقة ما دون النصاب، عليه العقوبة وغرامة مثليه

اقول انما امر بغرامة المثلين لانه لا بد له من رادع وعقوبة مالية وبدنية

مویشی باڑے میں آجائیں اور پھلوں کا ڈھیر لگا دیا جائے تو ان میں قطع ہے جبکہ ان کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو، اور کسی شخص نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے لٹکے ہوئے پھلوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا "جس نے ڈھیر لگ جانے کے بعد اس میں سے کچھ چرایا تو اس میں قطع ید ہے جبکہ اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو"

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سمجھا دیا کہ حفاظت قطع ید میں شرط ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جو چیز غیر محفوظ ہے اس کے لینے کو اٹھا لینا کہتے ہیں (چوری نہیں کہتے) پس اس سے بچنا بھی ضروری ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خائن پر اور لوٹنے والے پر اور اچکنے والے پر قطع ید نہیں ہے"

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سمجھا دیا کہ چوری کے اندر مال کا پوشیدہ طور پر لینا شرط ہے ورنہ اس کو لوٹ لینا یا اُچک لینا کہا جائیگا اور نیز یہ شرط ہے کہ پہلے سے اس میں شرکت اور کسی کا حق نہ ہو ورنہ اس لینے کو خیانت یا استیفاء حق کہا جائے

اور اس غلام کے بارے میں جو اپنے مالک کا مال چوری کرے احادیث میں یہ آیا ہے کہ وہ تیرا ہی مال ہے جو بعض بعض کے اندر مخلوط ہو گیا ہے، اور رسول اللہ علیہ وسلم نے چور کے متعلق فرمایا۔ "اس کا ہاتھ کاٹ دو پھر اس کو تیل میں داغ دیدو"

میں کہتا ہوں داغ دینے کا حکم اس لئے ہے کہ قطع سرایت نہ کرے اور وہ ہلاک نہ ہو کیونکہ داغ دینے سے زخم سرایت نہیں کرتا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ چور کا ہاتھ کاٹ کر اسکی گردن میں لٹکا دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

میں کہتا ہوں یہ شہرت دینے کے لئے کیا گیا تاکہ لوگ اس کا چور ہونا معلوم کرلیں اور اس بات میں فرق ہو جائے کہ اسکا ہاتھ ظلم سے نہیں کاٹا گیا بلکہ حد میں کاٹا گیا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس چوری میں جو نصاب سے کم ہو فرمایا کہ "اس کو تکلیف دیجائے اور دو چند تاوان لیا جائے"

میں کہتا ہوں آپ نے دو چند تاوان لینے کا حکم اس لئے فرمایا کہ چور کو اس کے اس فعل سے باز رکھنا اور اسکو مالی اور بدنی سزا دینا

فان الانسان ربما يرتدع بالمال اكثر من الالم الجسد وربما يكون الامر بالعكس فجمع بين ذلك، ثم غرامة مثليه يجعل كان لم يكن سرق وليس فيه عقوبة، ولذلك زيدت غرامة اخرى لتكون منا قضة لقصده فى السرقة، واتى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بلص قد اعترف اعترافا ولم يوجد معه متاع، فقال ما اخالك سرقت قال بلى فاعاد عليه مرتين او ثلاثا فامر به فقطع، وجئ به فقال قل استغفر الله واتوب اليه، فقال استغفر الله واتوب اليه قال اللهم تب عليه ثلاثا:

اقول السبب فى ذلك ان العاصى المعترف بذنبه النادم عليه يستحق ان يحتال فى درء الحد عنه، وقد ذكرنا، قال الله تعالى انما جزاؤا الذين يحاربون الله ورسوله الآية:

اقول الحرابة لا تكون الا معتمدة على القتال بالنسبة الى الجماعة التى وقع العدوان عليها، والسبب فى مشروعية هذا الحد اشد من حد السرقة ان الاجتماع الكثير من بنى ادم لا يخلو من انفس تغلب عليهم الخصلة السبعية لهم جراءة شديدة وقتال واجتماع فلا يبالون بالقتل والنهب، وفى ذلك مفسدة اعظم من السرقة لانه يتمكن اهل الاموال من حفظ اموالهم من السراق، ولا يتمكن اهل الطريق من التمنع من قطاع الطريق، ولا يتيسر

ضروری ہے اس واسطے کہ انسان بسا اوقات جسمانی تکلیف کی بہ نسبت ما[لی]
تکلیف کی وجہ سے زیادہ تر باز رہتا ہے اور بسا اوقات اس کے برعکس
ہوتا ہے اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں تکلیفوں کو جمع کر[دیا]
پھر مال مسروقہ کے برابر تاوان کا حکم کرنا ایسا ہے گویا اس نے چوری
ہی نہیں کی اور نہ اس میں کچھ سزا ہے اس وجہ سے دوسرا تاوان
زیادہ کردیا گیا تاکہ وہ تاوان آئندہ چوری کا قصد کرنے سے اسکو باز
رکھے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور گرفتار ہوکر
آیا جس نے چوری کا اقرار کیا لیکن اس کے پاس مال برآمد نہیں ہوا تو
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا میرے خیال میں تونے چوری [نہیں]
کی اس نے کہا ہاں چوری کی ہے تو آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اس کے
سامنے اسی کلام کا اعادہ فرمایا تب آپ نے اسکا ہاتھ کاٹ دینے [کا]
حکم فرمایا، اور ایک مرتبہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مجرم کو [لایا]
گیا تو آپ نے اس سے فرمایا تو کہہ کہ میں خدا تعالیٰ سے مغفرت
چاہتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں، اس نے کہا میں خد[ا سے]
مغفرت چاہتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں، تو آپ نے تین
مرتبہ یہ فرمایا اے اللہ تعالیٰ تو اس کی توبہ قبول کر،

میں کہتا ہوں اسکا سبب یہ ہے کہ جب گنہگار اپنے گناہ کا اق[رار]
کرتا ہے اور اس پر نادم ہوتا ہے تو مناسب ہے کہ کسی حیلہ سے [حد]
اس سے دور کردی جائے اور ہم اس کا حال پہلے بیان کرچکے ہیں
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسول[ہ]
الآیۃ" میں کہتا ہوں محاربہ کرنا بغیر جماعت مظلومہ کے جنگ کے
واقع نہیں ہوتا اور چوری کی حد سے اس حد کو زیادہ مقرر کرنے
کا سبب یہ ہے کہ نبی آدم کے اجتماع میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو
کے نفوس خصلت سبعیہ کے غلبہ سے خالی نہیں ہوتے اور ا[ن]
لوگوں میں سخت جرأت اور قتال اور اجتماع کا مادہ ہوتا ہے
پس وہ قتل کرنے اور لوٹنے میں کچھ پرواہ نہیں کرتے اور
اس کا فساد چوری کے فساد سے زیادہ ہے کیونکہ لوگ
چوروں سے مال محفوظ رکھ سکتے ہیں لیکن مسافر لوگ
رہزنوں سے نہیں بچ سکتے اور حکام لوگ اور جماعت

ولاة الامور وجماعة المسلمين نصرتهم في ذلك المكان والزمان، ولان داعية الفعل من قطاع الطريق اشد واغلظ، فان القاطع لايكون الاجرئ القلب قوى الجنان ويكون فيما هنالك اجتماع واتفاق بخلاف السراق، فوجب ان تكون عقوبته اغلظ من عقوبته، والاكثرون على ان الجزاء على الترتيب وهو الموافق لقوله صلى الله عليه وسلم لايقتل المؤمن الا لاحدى ثلاث الحديث، وقيل على التخيير وهو الموافق لكلمة او، وعندي ان قوله صلى الله عليه وسلم المفارق للجماعة يحتمل ان يكون قد جمع العلتين، والمراد ان كل علة تفيد الحكم كما جمع النبي صلى الله عليه وسلم بين العلتين، فقال لايخرج الرجلان يضربان الغائط كاشفين عن عورتهما يتحدثان، فكشف العورة سبب اللعن والتحدث في مثل تلك الحالة ايضا سبب اللعن:

قال الله تعالى يا أيها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون انما يريد الشيطان ان يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلاة فهل انتم منتهون:

اقول بين الله تعالى ان في الخمر مفسدتين مفسدة في الناس فان شاربها يلاحي القوم ويحدو عليهم،

مسلمین اس جگہ اور اس وقت میں ان کی مدد بہ سہولت نہیں کرسکتے اور نیز رہزنوں کا ارادہ جو اس فعل پر آمادہ کرتا ہے زیادہ ترسخت اور مضبوط ہوتا ہے کیونکہ رہزن وہی شخص ہوتا ہے جو بڑا دلیر اور قوی الجثہ شخص ہو، اور ان میں باہم اجتماع اور اتفاق بھی ہوتا ہے بخلاف چوروں کے اس واسطے ضروری ہے کہ رہزنی کی سزا چوری کی سزا سے زیادہ سخت مقرر کیجائے اور اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ سزا آیت کی ترتیب کے موافق ہے اور وہ قول نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے موافق ہے کہ "مومن بغیر ان تین میں سے کسی ایک کے سبب قتل نہ کیا جائے" الحدیث،

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ امام کو سزا میں اختیار ہے اور یہ قول لفظ او کے موافق ہے اور میرے نزدیک نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول "جماعت سے باہر ہونیوالا" اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ آپ نے اس میں دو علتوں کو جمع کیا ہے اور مراد یہ ہے کہ ان دونوں علتوں میں سے ہر علت مفید حکم ہے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دو علتوں کو جمع کیا ہے پس آپ نے فرمایا "دو شخص پاخانہ کے لئے اس حالت میں باہر نہ جائیں کہ اپنا ستر کھولے ہوئے ہوں باتیں کرتے ہوں" پس برہنہ ہونا لعنت کا سبب ہے اور ایسی حالت میں باتیں کرنا بھی لعنت کا سبب ہے،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور تیر یہ سب ناپاک چیزیں ہیں شیطان کے اعمال سے ہیں پس ان سے پرہیز کرو تاکہ نجات پاؤ، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روکی دے پس کیا تم باز رہنے والے ہو؟"

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان فرمایا کہ شراب کے اندر دو قسم کی برائی ہے ایک تو لوگوں کے لیے برائی ہے کہ شراب کا پینے والا لوگوں سے لڑتا جھگڑتا ہے اور ان کو ستاتا ہے،

ومفسدة فيما يرجع الى تهذيب نفسه فان شاربها يغوص فى حالة بهيمية و يزول عقله الذى به قوام الاحسان، ولما كان قليل الخمر يدعو الى كثيره وجب عند سياسة الامة ان يدار التحريم على كونه مسكرة لا على وجود السكر فى الحال، ثم بين النبى صلى الله عليه وسلم ان الخمر ماهى، فقال كل مسكر خمر و كل مسكر حرام، وقال الخمر من هاتين الشجرتين النخلة والعنبة، وتخصيصهما بالذكر لما كان حال تلك البلاد، وسئل عليه السلام عن المزر والبتع فقال كل مسكر حرام، وقال صلى الله عليه و سلم ما اسكر كثيره فقليله حرام۔

اقول هذه الاحاديث مستفيضة، ولا ادرى اى فرق بين العنبى وغيره لان التحريم ما نزل الا للمفاسد التى نص القرآن عليها وهى موجودة فيهما وفيما سواهما سواء، قال صلى الله عليه و سلم من شرب الخمر فى الدنيا فمات وهو يدمنها لم يتب لم يشربها فى الآخرة

اقول وسبب ذلك ان الغائص فى الحالة البهيمية المدبر عن الاحسان ليس له فى لذات الجنان نصيب فجعل شرب الخمر وادمانها وعدم التوبة منها مظنة للغوص وادير الحكم عليها، و خص من لذات الجنان الخمر ليظهر تخالف اللذتين بادى الرأى، وايضا ان النفس اذا انهمكت فى اللذة البهيمية

اور ایک برائی کا انجام اس کی تہذیب نفس کی طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ شراب کا پینے والا حالت بہیمیت میں غرق ہو جاتا ہے اور اس کی وہ عقل جس پر نیکی کا مدار ہے زائل ہو جاتی ہے اور چونکہ تھوڑی شراب پینے سے زیادہ شراب پینے کی خواہش ہوتی ہے اس لئے سیاست امت کے لحاظ سے ضرور ہوا کہ تحریم کا مدار اس کے نشہ آور ہونے پر کیا جائے اور فی الحال نشہ کے موجود ہونے پر نہ کیا جائے پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ شراب کی حقیقت کیا ہے، پس آپ نے فرمایا "ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے" اور آپ نے فرمایا "شراب ان درختوں سے ہوتی ہے چھوارہ اور انگور" اور ان دونوں درختوں کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ اس زمانہ میں عرب انہیں سے شراب بناتے تھے، اور کسی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مزر[1] اور بتع کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "ہر نشہ آور چیز حرام ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کے زیادہ استعمال کرنے سے نشہ ہو وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے"

میں کہتا ہوں یہ سب احادیث مستفیضہ ہیں اور میں اس بات کو نہیں جانتا کہ انگوری شراب اور غیر انگوری شراب میں کوئی فرق ہے کیونکہ شراب کی حرمت صرف ان خرابیوں کی وجہ سے نازل ہوئی جنکی قرآن میں تصریح ہے اور وہ سب خرابیاں انگوری و غیر انگوری قسم کی شرابوں میں ... برابر پائی جاتی ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے دنیا میں شراب پی اور اس کا عادی ہوا اور بغیر توبہ کئے مرگیا تو وہ آخرت میں شراب نہیں پیے گا"

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ حالت بہیمیت میں غرق ہونے والے اور صفت احسان سے پشت پھیرنے والے کے لئے جنت کی لذائذ میں کوئی حصہ نہیں ہے پس شراب کے پینے کو اور اس کے عادی ہونے کو اور اس سے تائب نہ ہونے کو حالت بہیمیت میں غرق ہونے کا قوی سبب قرار دیکر اس پر حکم دائر کر دیا گیا اور جنت کے لذائذ میں سے شراب کو مخصوص کیا گیا تاکہ ظاہر میں دونوں لذتوں کا فرق معلوم ہو جائے،

اور نیز جب کسی فعل کے ضمن میں نفس لذت بہیمیہ میں منہمک ہو جا(تا)

[1] مزر اہل یمن کی شراب ہے جو جوار سے بنتی ہے اور بتع ان کی وہ شراب ہے جو نبیذ عسل سے تیار کی جاتی ہے ۱۲

فمن فعل تمثل هذا الفعل عنده اشبه الاشياء باللذة يتذكرها بتذكرها فلا يستحق ان تتمثل اللذة الاحسانية بصورتها، وايضا فاعلم الجزاء على المناسبة فمن عصى بالاقدام على شئ نجزاؤه ان يؤلم بفقد مثل تلك اللذة عند طلبه واستشرافه عليها، قال صلى الله عليه وسلم "ان على الله عهداً لمن شرب المسكر ان يسقيه من طينة الخبال وطينة الخبال عصارة اهل النار"

(اقول) السر فى ذلك ان القيح والدم اقبح الاشياء السيالة عندنا واحقرها واشدها نفرة بالنسبة للطبائع السليمة، والخمر شئ سيال فناسب ان يتمثل مقرونا بصفتها القديمة فى صورة طينة الخبال وطينة وذلك كما قالوا فى المنكر والنكير انهما انما كانا ازرقين لان العرب يكرهون الزرقة، وقد ذكرنا ان بعض الوقائع الخارجية بمنزلة المنام فى ذلك وقال صلى الله عليه وسلم "من شرب الخمر لم يقبل الله له صلاة اربعين صباحا فان تاب تاب الله عليه"

(اقول) السر فى عدم قبول صلاته ان ظهور صفة البهيمية وغلبتها على الملكية بالاقدام على المعصية اجترائه على الله وغمس نفسه فى حالة رذيلة تنافى الاحسان وتضاده، ويكون سببا لفقد استحقاق ان تنفع الصلاة فى نفسه نفع الاحسان وان تنقاد نفسه للحالة الاحسانية وكان الشارب يؤتى به الى النبى صلى الله عليه وسلم فيامر بضربه فيضرب بالنعال والاردية ثم اليد

تو اس کو وہ فعل اس لذت کی صورت میں نظر آتا ہے جس کے یاد کرنے سے لذت یاد آجاتی ہے پس وہ شخص اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ احسانی لذت اس کی صورت میں ظاہر ہو اور نیز عمل کی سزا اس کی مناسبت سے ہوتی ہے پس جس شخص نے ایک چیز پر اقدام کیا ہے اسکی سزا یہ ہے کہ اسکی خواہش اور شوق کے وقت اس لذت کے معدوم کرنے سے اس کو تکلیف دی جاوے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اس بات کا عہد کیا ہے کہ جو شخص نشہ آور چیز پیئے گا اس کو اللہ تعالیٰ طینۃ الخبال پلائے گا اور طینۃ الخبال دوزخیوں کا خون اور پیپ ہے"

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ پیپ اور خون سیال چیزوں میں ہمارے نزدیک نہایت قبیح اور طبائع سلیمہ کے اعتبار سے نہایت حقیر اور نہایت قابل نفرت شے ہیں اور شراب بھی ایک سیال چیز ہے پس مناسب ہوا کہ سزا طینۃ الخبال کی صورت میں مکروہ حالت کے ساتھ متمثل ہو اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علماء نے منکر و نکیر کے باب میں فرمایا ہے کہ وہ نیلگوں آنکھوں میں ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ عرب نیلگوں آنکھ ناپسند کرتے ہیں اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس امر میں بعض خارجی حوادث بمنزلہ خواب کے ہوتے ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شراب پی اللہ تعالیٰ اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں کرے گا پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا"

میں کہتا ہوں اس کی نماز قبول نہ ہونے میں یہ راز ہے کہ صفت بہیمیت کا ظاہر ہونا اور کسی گناہ پر اقدام کرنے کی وجہ سے صفت ملکیت پر اس کو غالب کرنا اللہ تعالیٰ پر جرأت کرنا اور اپنے نفس کو ایسی رذیل حالت میں غرق کرنا ہے جو احسان کے منافی اور اسکے مخالف ہے اور اس بات کا سبب ہے کہ نماز سے جو اسکے نفس میں احسان کا نفع ہوتا تھا اور اسکا نفس جانب احسان کا تابع ہوتا تھا وہ اسکے حق میں معدوم ہو جائے اور جب کوئی شراب پینے والا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو آپ اسکو مارنے کا حکم فرماتے تھے پس لوگ اسکو جوتوں سے اور چادر

کوڑوں سے اور ہاتھ سے مارتے تھے

حتى يبلغ اربعين ضربة، ثم قال بكتوه، فاقبلوا عليه يقولون ما اتقيت الله ما خشيت الله ما استحييت من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وروى أنه صلى الله عليه وسلم اخذ ترابا من الارض فرمى به وجهه.

اقول السبب في اقتصار هذا الحد بالنسبة الى سائر الحدود ان سائر الحدود لوجود مفسدة بالفعل ان يكون سرقة متاعا او قطع طريق او زنى او نحو ذلك، واما هذا فانما هو بمظنة الفساد دون الفساد فلذلك نقص عن المائة وانما كان النبي صلى الله عليه وسلم يضرب اربعين لانه مظنة القذف والمظنة ينبغي ان تكون اقل من نفس الشيء بمنزلة نصفه، ثم لما كثر الفساد جعل الصحابة رضي الله عنهم حده ثمانين اما لانه اخف حد في كتاب الله فلا يجاوز في غير المنصوص عن اقل الحدود، واما لان الشارب يقذف غالبا ان لم يكن زنى او قتل، والغالب حكمه حكم المتيقن، واما سر التبكيت فقد ذكرنا من قبل، قال النبي صلى الله عليه وسلم انما هلك الذين من قبلكم انهم كانوا اذا سرق منهم الشريف تركوه واذا سرق منهم الضعيف اقاموا عليه الحد وايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها، وقال صلى الله عليه وسلم من حالت شفاعته دون حد من حدود الله فقد ضاد الله.

یہاں تک کہ چالیس ضربیں اس کو لگ گئے تھے پھر آپ فرماتے تھے کہ اس کو ڈانٹ دو تو لوگ اس کی طرف منہ پھیرتے تھے اور کہتے تھے کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کہ تو اللہ سے نہیں ڈرا کیا تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ حیا نہ کی اور روایت میں مروی ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے زمین سے مٹی اٹھا کر اس کے منہ پر پھینک دی ہے۔

میں کہتا ہوں بہ نسبت اور حدود کے اس حد کے کم ہونے میں یہ راز ہے کہ اور معاصی میں ان کے ارتکاب کے ساتھ ہی فساد موجود ہو جاتا ہے خواہ کسی کا مال چرانا یا رہزنی کرنا یا زنا کرنا یا زنا کی تہمت لگانا لیکن شراب پینا سو اس میں فساد کا احتمال ہے اور فساد موجود نہیں ہوتا اس واسطے کو سے کم شراب کی حد مقرر کی گئی اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم چالیس دُرّے اس واسطے لگواتے تھے کہ اس میں قذف کا احتمال ہے اور جو کسی چیز کا مظنہ ہوتا ہے اس کا اصل شئی سے نصف کے برابر کم ہونا مناسب ہے پھر جب فساد زیادہ پھیل گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسّی دُرّے شراب کی حد مقرر کی یا تو اس واسطے کہ کتاب الٰہی میں جس قدر حدود مذکور ہیں اسّی کی مقدار ان سب میں ادنیٰ درجہ کی ہے پس جس حد کی قرآن میں تصریح نہیں ہے وہ کمتر حد سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے، یا اس واسطے کہ شراب پینے والا اکثر دوسروں کو زنا کی تہمت لگاتا ہے اگرچہ خود اس نے زنا یا قتل نہیں کیا ہے اور جو چیز غالب ہے اس کا حکم یقینی چیز کا حکم ہوتا ہے، اور توبیخ کرنے کی حکمت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پیشتر لوگ اسی واسطے ہلاک ہو گئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر ناتوان آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اور خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سفارش کرکے حدودِ الٰہی میں سے کسی حد کو قائم نہ ہونے دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے مخالفت کی۔

اقول علم النبي صلى الله عليه وسلم
ان حفظ جاه الشرفاء والمسامحة معهم
والذب عنهم والشفاعة في امورهم امر قد توارد
عليه الامم وانقاد لها طوائف الناس من
الاولين والآخرين، فاكد في ذلك وسجل
فان الشفاعة والمسامحة بالشرفاء منافية
لشرع الله الحدود، ونهى رسول الله صلى الله
عليه وسلم عن لعن المحدود والوقوع فيه
لئلا يكون سببا لامتناع الناس من اقامة
الحد ولان الحد كفارة والشيء اذا تدورك
بالكفارة صار كأن لم يكن، وهو قوله صلى
الله عليه وسلم والذي نفسي بيده انه لفي
انهار الجنة منغمس بها، ويلحق بالحدود
مزجرتان اخريان احداهما عقوبة من هتك
حرمة الملة، والثانية الذب عن الامامة
والاصل في الاولى قوله صلى الله عليه و
سلم من بدل دينه فاقتلوه وذلك لانه
يجب ان يقام اللائمة الشديدة على
الخروج من الملة والا لانفتح باب هتك
حرمة الملة ومرضي الله تعالى ان تجعل
الملة السماوية بمنزلة الامر المجبول
عليه الذي لا ينفك عنه، وتثبت الردة
بقول يدل على نفي الصانع او الرسل او
تكذيب رسول او فعل تعمد به استهزاء
صريحا بالدين، وكذا انكار ضروريات
الدين، قال الله تعالى وطعنوا في دينكم
وكانت يهودية تشتم النبي صلى الله عليه
وسلم وتقع فيه فخنقها رجل حتى ماتت
فابطل النبي صلى الله عليه وسلم دمها

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ شرفاء کی عزت
کا لحاظ رکھنا اور ان کے ساتھ درگذر کرنا اور ان کے معاملہ میں
سفارش کرنا ایک ایسا امر ہے جو ہمیشہ سے امتوں میں چلا آتا ہے
اور سب اولین اور آخرین اس بات کے پیرو ہیں اس واسطے نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں تاکید فرمائی اور اہتمام کیا کیونکہ
شرفاء کے حق میں سفارش کرنا اور ان سے درگذر کرنا ان حدود کی
مخالفت کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے، اور رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے محدود پر لعنت کرنے اور اس کے پیچھے پڑنے سے
منع کیا تاکہ وہ لوگوں کو حد قائم کرنے سے باز رکھنے کا باعث نہ ہو
جائے اور اس واسطے کہ حد گناہ کا کفارہ ہے اور جب ایک شی کا کفارہ
سے تدارک ہو گیا تو وہ شی کالعدم ہو گئی۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ یعنی
ماعز، جنت کی نہروں میں غوطے مار رہا ہے"

اور حدود کے ساتھ دو قسم کی زجر اور ملحق کی گئی ہیں ایک تو دین
کی ہتک حرمت کی سزا اور ایک امامت کی حفاظت۔ پہلے کی دلیل
نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "جو شخص اپنا دین بدلے اس کو
قتل کرو" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دین سے خارج ہونے پر کسی
سخت سزا کا قائم کرنا ضروری ہے ورنہ دین کی ہتک کا دروازہ
کھلتا ہے، اور خدا تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ ملت آسمانی بمنزلہ جبلی
امر کے قرار پا جائے جو جدا نہیں ہو سکتا، اور ارتداد اس قول
سے ثابت ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ یا رسولوں کی نفی یا کسی رسول
کی تکذیب پر دلالت کرے یا وہ ایسا فعل ہو جس سے دین کے
ساتھ صراحۃً ہنسی مقصود ہو اور اسی طرح ضروریات دین کے
انکار سے بھی ارتداد ثابت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور
انہوں نے دین کے اندر عیب نکالا"

اور ایک یہودی عورت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو برا کہا
کرتی تھی پس ایک شخص نے اس کا گلا دبا دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو باطل کر دیا کیونکہ
دین اسلام میں طعن کرنے سے اور عیب جوئی کرنے سے

وذلك لانقطاع ذمة الذمي بالطعن في دين المسلمين والشتم والايذاء ونكاح

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "انا بريءٌ من كل مسلم مقيم بين اظهر المشركين لا يتراءى ناراهما"

اقول السبب في ذلك ان الاختلاط معهم وتكثير سوادهم احدى النصرتين لهم، ثم ضبط النبي صلى الله عليه وسلم البعد من احياء الكفار بان يكون منهم بحيث لو اوقدت نار على ارفع مكان في بلدهم لم تظهر للآخرين، والاصل في الثانية قوله تعالى: (فان بغت احداهما على الاخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيءَ الى امر الله)، وقوله صلى الله عليه وسلم "اذا بويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما"

اقول السبب في ذلك ان الامامة مرغوب فيها طبعا ولا يخلو اجتماع الناس في الاقاليم من رجل يجترئُ لاجلها على القتال ويجتمع لنصرته الرجال فلو تركوا لكم يقتل لقتل الخليفة ثم قاتله آخر ثم فقتله وهلم جرا، وفيه فساد عظيم للمسلمين ولا يحسم باب هذه المفسدة الا ان تكون السنة بين المسلمين ان الخليفة اذا انعقدت خلافته ثم خرج آخر ينازعه حل قتله ووجب على المسلمين نصرة الخليفة عليه، ثم الذي خرج بتاويل لمظلمة يريد دفعها عن نفسه وعشيرته او لنقيصة يثبتها في الخليفة ويحتج عليها بدليل شرعي بعد ان لا يكون مسلما عند جمهور المسلمين

اور ظاہری ایذا رسانی سے ذمی کا عہد منقطع ہو جاتا ہے۔

رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین میں جا کر رہے وہ دونوں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھنے پائیں"۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ اختلاط کرنا اور ان کے گروہ کو بڑھانا ایک طرح سے ان کی مدد کرنا ہے پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار کی بستیوں سے دوری کو اس طرح منضبط کیا کہ ان سے اتنے فاصلہ پر رہے کہ اگر ان کے شہر یا منزل میں سے اونچی جگہ پر روشنی کی جائے تو دوسرے کو دکھائی نہ دے اور دوسرے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "پس اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ آئے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے "جب دو خلیفہ کی بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو مار ڈالو"۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ امامت ایسی شئی ہے جس میں طبعی طور پر انسان کو رغبت ہوتی ہے اور مختلف ملکوں میں لوگوں کا اتفاق ایسے شخص پر ضرور ہوتا ہے جس کو امامت کی خاطر قتال پر جرأت ہوتی ہو اور لوگ اس کی مدد کیلئے متفق ہوتے ہیں پس اگر مقابل کو چھوڑ دیا جائے اور اسکو قتل نہ کیا جائے تو وہ ضرور خلیفہ کو قتل کر دیگا پھر کوئی اور اس سے قتال کریگا اور وہ اس کو قتل کر دیگا اور پھر اسی طرح سلسلہ جاری رہیگا اور اس میں مسلمانوں کے لئے بڑی خرابی ہے پس اس فساد کے بند کرنے کی یہی صورت ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایک طریقہ مقرر کیا جائے کہ جب ایک خلیفہ کی خلافت منعقد ہو جائے پھر جو کوئی اسمیں جھگڑا کرنے کیلئے آمادہ ہو تو اسکو قتل کرنا جائز ہو اور اسکے مقابل میں خلیفہ کی مدد کرنا مسلمانوں پر واجب ہو اسکے بعد وہ شخص ہے جو اپنی ذات یا خاندان سے کسی تکلیف کے دفع کرنے کے ارادہ سے کسی تاویل سے خلیفہ کے خلاف کھڑا ہو یا خلیفہ کے اندر کوئی نقص ثابت کرے اور ایسی دلیل شرعی سے اس پر حجت کرے جو جمہور مسلمین کے نزدیک مسلم نہ ہو

ولا يكون امرا من الله فيه عندهم برهان لا يستطيعون انكاره فامره دون الامر الذي خرج يفسد في الارض ويحكم السيف دون الشرع فلا ينبغي ان يجعلا بمنزلة واحدة فلذلك كان الاولى ان يبعث الامام اليهم فطنا ناصحا عالما يكشف شبهتهم او يدفع عنهم مظلمتهم كما بعث امير المومنين علي رضي الله عنه عبد الله بن عباس رضي الله عنه الى الحرورية فان رجعوا الى جماعة المسلمين فبها و الا قاتلهم ولا يقتل من يوجد ولا اسيرهم ولا يجهز على جريحهم لان المقصود انما هو دفع شرهم وتفريق جماعتهم وقد حصل، واما الثاني فهو من المحاربين وحكمه حكم المحارب۔

اور نہ وہ خدا کی طرف سے ایسا حکم ہو جو لوگوں کے نزدیک قطعی دلیل ہو جس کا وہ انکار نہ کر سکیں پس ایسے شخص کا حال اس شخص سے کم درجہ کا ہے جو ملک میں فساد پھیلانے کی غرض سے کھڑا ہوا اور شریعت کو ترک کر کے تلوار کو حاکم قرار دے پس ان دونوں شخصوں کو ایک درجہ میں نہیں رکھنا چاہیے اس واسطے مناسب یہ ہے کہ امام ان کی طرف کسی دانا ناصح عالم کو بھیجے جو ان کے شبہ کو دور کرے یا ان کی تکلیف کو ان سے دور کرے جیسا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عباس کو حروریہ کی طرف بھیجا تھا پس اگر وہ جماعت مسلمین کی طرف رجوع کریں تو بہتر ورنہ امام کو ان سے قتال کرنا چاہیے لیکن ان میں سے جو شخص بھاگ جائے یا قید ہو جائے تو ان کو قتل نہیں کرنا چاہیے اور نہ ان کے زخمی کو ہلاک کرنا چاہیے کیونکہ مقصود ان کے شر کو دفع کرنا اور ان کی جماعت کو پراگندہ کرنا ہے اور وہ حاصل ہو گیا۔ لیکن دوسرا شخص سو وہ محاربین میں سے ہے اور اسکا حکم محارب کا حکم ہے۔

القضاء

اعلم ان من الحاجات التي يكثر وقوعها وتشتد مفسدتها المناقشات في الناس فانها تكون باعثة على العداوة والبغضاء وفساد ذات البين وتهيج الشح على غمط الحق وان لا ينقادا دليل فوجب ان يبعث في كل ناحية من يفصل قضاياهم بالحق ويقهرهم على العمل به شاؤا وابوا، ولذلك كان النبي صلى الله عليه وسلم يعتني ببعث قضاة اعتناء شديدا ثم لم يزل المسلمون على ذلك، ثم لما كان القضاء بين الناس مظنة الجور و الحيف وجب ان يرهب الناس عن الجور

فیصلہ جات کا بیان

واضح ہو کہ جو حاجات کثیر الوقوع ہیں اور جن کا فساد سخت ہے وہ لوگوں کے باہمی جھگڑے ہیں کیونکہ وہی باہمی عداوت اور بغض اور فساد کا باعث ہوتے ہیں اور وہی حق تلفی اور دلیل نہ ماننے کی رغبت دلاتے ہیں، پس ضروری ہوا کہ ہر طرف ایسے لوگ بھیجے جائیں جو انصاف سے ان کے مقدمات کا فیصلہ کریں اور اس فیصلہ پر عمل کرنے پر خواہ مخواہ ان کو مجبور کریں اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قاضیوں کے بھیجنے کا سخت اہتمام فرماتے تھے پھر آپ کے بعد مسلمان ایسا ہی کرتے رہے پھر چونکہ لوگوں کے فیصلہ کرنے میں ظلم اور زیادتی کا احتمال ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ فیصلہ کے اندر ظلم و زیادتی کرنے سے لوگوں کو ڈرایا جائے اور ایسے کلیات منضبط کئے جائیں جن کی طرف احکام کا رجوع ہو،

فی القضاء و ان یضبط الکلیات التی یرجع
الیھا الاحکام رقال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم من جعل قاضیا بین الناس
فقد ذبح بغیر سکین ؛

اقول ھذا بیان ان القضاء حمل
ثقیل وان الاقدام علیہ مظنۃ للھلاک
الا ان یشاء اللہ، وقال صلی اللہ علیہ و
سلم من ابتغی القضاء وسأل وکل الی
نفسہ ومن اکرہ علیہ انزل اللہ ملکا
یسددہ:

اقول السر فیہ ان الطالب لا یخلو
غالبا من داعیۃ نفسانیۃ من مال او
جاہ او التمکن من انتقام عدو ونحو ذلک
فلا یتحقق منہ خلوص النیۃ الذی ھو
سبب نزول البرکات، قال صلی اللہ علیہ
وسلم القضاۃ ثلاثۃ واحد فی الجنۃ و
اثنان فی النار فاما الذی فی الجنۃ فرجل
عرف الحق وقضی بہ، ورجل عرف الحق
فجار فی الحکم فھو فی النار، ورجل قضی
للناس علی جھل فھو فی النار ؛

اقول فی ھذا الحدیث انہ لا
یستوجب القضاء الا من کان عدلا بریئا
من الجور والمیل قد عرف منہ ذلک
وعالما یعرف الحق لا سیما فی مسائل
القضاء، والسر فی ذلک واضح فانہ لا
یتصور وجود المصلحۃ المقصودۃ الا
بھما، قال صلی اللہ علیہ وسلم لا یقضین
حکم بین اثنین وھو غضبان ؛

اقول السبب المقتضی لذلک ان

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص لوگوں کے
اندر قاضی مقرر کیا گیا بلا شبہ وہ بغیر چھری کے ذبح
کیا گیا۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قضا بڑا
بھاری بوجھ ہے اور اس پر اقدام کرنے میں ہلاک ہونے کا
خطرہ ہے ہاں لیکن جس کو خدا تعالیٰ بچانا چاہے، اور نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص قضا کے عہدے کا طالب
ہو اور اس کی درخواست کرے تو اس کو اس کے نفس پر چھوڑ
دیا جاتا ہے اور جس کو زبردستی قاضی بنایا جائے تو خدا تعالیٰ
اس پر ایک فرشتہ نازل کرتا ہے جو اس کی رہنمائی کرتا ہے

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ جو شخص عہدہ کا طالب
ہوتا ہے تو اکثر اس کے دل میں ایک خواہش نفسانی مال یا جاہ
کی ہوتی ہے یا کسی دشمن سے بدلہ لینے کی قدرت وغیرہ کا حاصل
کرنا ہوتا ہے پس خلوص نیت، جو نزول برکات کا سبب ہے
اس کی جانب سے نہیں پائی جاتی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"قاضی تین قسم کے ہیں ایک جنتی اور دو دوزخی ہیں، پس جنتی
وہ قاضی ہے جو حق کو پہچانے اور اسی کے موافق فیصلہ دے اور
جو قاضی حق کو پہچانے لیکن فیصلہ دینے میں ظلم کرے تو وہ دوزخی
ہے اور جو قاضی جاہل ہو اور لوگوں کا فیصلہ کرے تو وہ بھی دوزخی

میں کہتا ہوں اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ
قاضی ہونے کے قابل وہ شخص ہے جو عادل ہو اور ظلم سے اور
کسی طرف مائل ہونے سے بری ہو اور اس کی یہ بات لوگوں میں
مشہور ہو اور عالم ہو جو احکام حق خاصکر قضا کے مسائل
سے واقف ہو اور اس کا سبب ظاہر ہے کیونکہ قاضی بنانے
سے جو مصلحت مقصود ہے بغیر ان باتوں کے متصور نہیں
ہو سکتی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کوئی حکم غصہ کی حالت
میں دو شخصوں کے درمیان ہرگز فیصلہ نہ کرے؛

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب ایک شخص
کا دل غصہ سے بھرا ہوا ہے تو وہ شخص دلائل اور قرائن میں

الذی اشتغل قلبہ بالغضب لا یتمکن من التأمل فی الدلائل والقرائن ومعرفۃ الحق وقال صلی اللہ علیہ وسلم اذا حکم الحاکم فاجتہد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد فاخطأ فلہ اجر واحد، اجتہد یعنی بذل طاقتہ فی اتباع الدلیل وذلک لان التکلیف بقدر الوسع وانما وسع الانسان ان یجتہد ولیس فی وسعہ ان یصیب الحق البتۃ، وقال صلی اللہ علیہ وسلم لعلی رضی اللہ عنہ اذا تقاضی الیک رجلان فلا تقض للاول حتی تسمع کلام الاٰخر فانہ احری ان یتبین لک القضاء۔

اقول وذلک لانہ عند ملاحظۃ الحجتین یظہر الترجیح، واعلم ان القضاء فیہ مقامان احدہما ان یعرف جلیۃ الحال التی تشاجرا فیہ، والثانی الحکم العدل فی تلک الحالۃ والقاضی قد یحتاج الیہما وقد یحتاج الی احدہما فقط فاذا ادعی کل واحد ان ہذا الحیوان مثلا ملکہ قد ولد فی یدہ، وان ہذا الحجر التقطہ من جبل احتیج الی الاشکال لمعرفۃ جلیۃ الحال، والقضیۃ التی وقعت بین علی وزید وجعفر رضی اللہ عنہم فی حضانۃ بنت حمزۃ رضی اللہ عنہ کانت جلیۃ الحال معلومۃ وانما کان المطلوب الحکم واذا ادعی واحد علی الاٰخر الغصب والمال متغیر صفتہ وانکر الاٰخر وقعت الحاجۃ اولا الی معرفۃ جلیۃ الحال ہل کان ہناک غصب اولا، وثانیا الی الحکم

غور کرے حق کو معلوم نہ کر سکے گا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی حاکم اجتہاد کر کے فیصلہ کرے اور اس میں وہ درست ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد کر کے فیصلہ کرے اور اس میں وہ چوک جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے، اور اجتہاد کے معنی دلیل کے تلاش کرنے میں طاقت کا صرف کرنا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف بقدر وسعت کے ہے اور انسان کی وسعت میں صرف یہ ہے کہ کوشش کرے اور اس کے بس میں یہ نہیں ہے کہ ضرور بالضرور حق کو پہنچ جائے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب دو شخص تیرے پاس کوئی مقدمہ لائیں تو جب تک کہ دوسرے کی بات نہ سن لے پہلے کے حق میں فیصلہ نہ کر کیونکہ دونوں کی بات سننے سے فیصلہ اچھی طرح ظاہر ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں یہ اس واسطے آپ نے فرمایا کہ دونوں کی دلیل کو بلاحظ کرنے سے ترجیح ظاہر ہو جاتی ہے۔

اور واضح ہو کہ قضاء کے دو درجے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس امر میں دونوں شخصوں کا جھگڑا ہے اس کی اصل حقیقت معلوم کرنا اور دوسرے اس مقدمہ میں انصاف سے حکم دینا ہے، اور قاضی کو کبھی ان دونوں کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی صرف ایک کی ضرورت ہوتی ہے پس جب دو قوی شخصوں میں سے ہر ایک اس بات کا دعوی کرے کہ یہ جانور مثلاً اس کی ملک ہے اور اسی کی ملک میں پیدا ہوا ہے یا اس پتھر کو وہ پہاڑ سے اٹھا کر لایا ہے تو حقیقت حال معلوم ہونے کی وجہ سے یہاں کوئی اشکال نہیں ہے اور حقیقت علی اور زید اور جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان حضرت حمزہ کی لڑکی کی پرورش کے بارے میں جو مقدمہ پیش تھا وہاں اصل حال تو معلوم تھا صرف حکم دینا مطلوب تھا، اور جب ایک شخص دوسرے پر غصب کا دعوی کرے اور مال کی حالت متغیر ہو اور دوسرا اس کا انکار کرے تو اولاً حقیقت حال معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی کہ دراصل غصب ہوا ہے یا نہیں، اس کے بعد حکم دینے

هل يحكم برد عين المغصوب أو قيمته. وقد ضبط النبي صلى الله عليه وسلم كلا المقامين بضوابط كلية. أما المقام الأول فلا أحق فيه من الشهادات والأيمان فإنه لا يمكن معرفة الحال إلا بإخبار من حضرها أو بإخبار صاحب الحال مؤكداً بما يظن أنه لا يكذب معه، قال صلى الله عليه وسلم: «لو يعطى الناس بدعواهم لادعى ناس دماء رجال وأموالهم ولكن البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه». فالمدعي هو الذي يدعي خلاف الظاهر ويثبت الزيادة، والمدعى عليه هو مستصحب الأصل والمتمسك بالظاهر، ولا عدل أقوم من أن يعتبر فيمن يدعي بينة وفيمن يتمسك بالظاهر ويدرأ عن نفسه اليمين إذا لم تقم حجة الآخر.

وقد أشار النبي صلى الله عليه وسلم إلى سبب مشروعية هذا الأصل حيث قال: «لو يعطى الناس» الحديث، فإنه كان سبباً للتظالم فلا بد من علاجه ثم لا بد أن يعتبر في الشاهد صفة تكونه مرضياً عنه لقوله تعالى: «ممن ترضون من الشهداء» وذلك بالعقل والبلوغ والضبط والنطق والإسلام والعدالة والمروءة وعدم التهمة، قال صلى الله عليه وسلم: «لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا زان ولا زانية ولا ذي غمر على أخيه» وترد شهادة القانع لأهل

کی ضرورت ہوگی کہ اس اصل مغصوب کو واپس کرنے کا حکم دیا جائے یا اس کی قیمت دینے کا حکم دیا جائے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قضا کے دونوں مقاموں کو قواعد کلیہ سے منضبط فرما دیا ہے پس مقام اوّل میں شہادت اور قسم سے زیادہ مناسب کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ حقیقت حال کی معرفت بجز اس صورت کے ممکن نہیں کہ جو شخص اس واقعہ میں موجود تھا اس کی خبر دے یا خود صاحب واقعہ ایسی تاکید سے اس کو بیان کرے کہ جس کے ساتھ کذب کا گمان نہ ہو۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر لوگوں کو صرف ان کے دعویٰ کرنے کی وجہ سے دلایا جاتا تو لوگ، خون اور اپنے مال کے دعوی غلط قائم کرتے لیکن مدعی پر گواہ اور مدعا علیہ پر قسم لازم ہے۔ پس مدعی وہ شخص ہے جو ظاہر کے خلاف دعوے کرکے کسی زیادت کو ثابت کرے اور مدعا علیہ وہ شخص ہے جو اصل کا پابند ہو اور ظاہر سے دلیل پکڑے، پس ایسی صورت میں اس سے بہتر عدل نہیں کہ مدعی کے حق میں گواہ اور اس شخص کے حق میں جو ظاہر سے دلیل پکڑتا ہے اور اپنے نفس کو بچاتا ہے قسم کا اعتبار کیا جائے جبکہ مدعی گواہ قائم نہ کر سکے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کے مقرر ہونے کے سبب کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ کر دیا ہے، "اگر لوگوں کو ان کے دعوے کے موافق دیا جاتا" الخ

یعنی وہ باہمی ظلم کا سبب ہے پس ایسی صورت میں علاج کا ہونا ضروری ہے پھر گواہ کے واسطے اس صفت کا ہونا معتبر ہے کہ لوگوں کے نزدیک وہ پسندیدہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرو" اور یہ صفت عقل اور بلوغ اور اس کے واسطے ضبط اور گویائی اور اسلام اور عدالت اور مروت اور عدم تہمت سے حاصل ہوتی ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی شہادت درست نہیں۔ اور نہ زانی اور زانیہ کی اور نہ اس شخص کی جو اپنے بھائی سے دشمنی رکھتا ہو اور گھر والوں کے خادم کی شہادت رد کی جائے گی

البیت" وقال اللہ تعالیٰ فی القذف (ولا تقبلوا
لهم شهادة ابدا واولئك هم الفاسقون
الا الذين تابوا) الآية، وفي حكم القذف و
الزنا سائر الكبائر، وذلك لان الخبر يحتمل
في نفسه الصدق والكذب وانما يتوجه
احد المحتملين بالقرينة، وهي اما في المخبر
او في المخبر عنه او غيرهما، وليس شيء من ذلك
مضبوطا يحق ان يدار عليه الحكم التشريعي
الا صفات المخبر غير ما ذكرنا من الظاهر و
الاستصحاب، وقد اعتبر مرة حيث
شرع للمدعي البينة والمدعى عليه اليمين
ثم اعتبر عدد الشهود على اطوار
وزعها على انواع الحقوق، فالزنا لا يثبت
الا باربعة شهداء، والاصل فيه قوله
تعالى: (والذين يرمون المحصنات ثم لم
يأتوا باربعة شهداء) الآية. وقد ذكر
سبب مشروعية هذا من قبل، ولا يعتبر
في القصاص والحدود الا شهادة رجلين،
والاصل فيه قول الزهري رحمه الله تعالى:
"جرت السنة من عهد رسول الله صلى الله
عليه وسلم ان لا تقبل شهادة النساء في
الحدود"، ويعتبر في الحقوق المالية شهادة
رجل وامرأتين، والاصل فيه قوله تعالى:
(فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان) و
قد نبه الله تعالى على سبب مشروعية الكثرة
في جانب النساء، فقال: (ان تضل احداهما
فتذكر احداهما الاخرى) يعني هن ناقصات
العقل، فلابد من جبر هذا النقصان بزيادة
العدد، وقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم

اور تہمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور کبھی ان کی شہادت
قبول نہ کرو اور یہی بدکردار ہیں ہاں جو اس کے بعد توبہ کرلیں"
الآیۃ، اور دیگر کبائر بھی قذف اور زنا کے حکم میں ہیں
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خبر فی نفسہ صدق اور کذب
دونوں کا احتمال رکھتی ہے اور ان دونوں میں سے ایک کی
کسی قرینہ سے ترجیح ہوتی ہے اور وہ قرینہ یا تو مخبر میں ہوتا ہے
یا اس میں جس سے خبر دی جاتی ہے یا کسی اور میں اور ان میں سے
کوئی چیز ایسی منضبط نہیں ہے جس پر حکم شرعی دائر کیا جائے الا
مخبر کی وہ صفات جن کو ہم نے ذکر کیا سوائے ظاہر حال اور
استصحاب[1] کے اس قابل ہیں اور ایک مرتبہ ان کا اعتبار کیا
گیا ہے جبکہ آپ نے فرمایا مدعی کے لئے بینہ ہے اور مدعا علیہ
کے لئے قسم ہے، پھر گواہوں کی تعداد ان اطوار مختلفہ کے اعتبار
سے مقرر کی گئی جن کو شارع نے مختلف حقوق کے اندر رکھا
ہے پس زنا کے ثبوت میں چار گواہ ضروری ہیں اور اس کی
دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں
پر بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں" الآیۃ اور
پیشتر اسکی مشروعیت کا سبب بیان کرچکے ہیں اور قصاص اور
حدود میں صرف دو آدمیوں کی شہادت کا اعتبار کیا گیا ہے اور
اسکی دلیل زہری رحمۃ اللہ کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے زمانہ سے برابر یہ دستور جاری ہے کہ حدود میں عورتوں کی
گواہی قبول نہیں کی جاتی اور حقوق مالیہ میں ایک مرد اور دو عورتوں
کی گواہی معتبر ہے، اور اس میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "پس
اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں" اور اللہ
تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں کثرت کی وجہ اپنے اس قول میں بیان
فرمادی "ان دونوں میں سے ایک چوک جائے تو ان میں سے ایک
دوسرے کو یاد دلادے" یعنی عورتیں ناقص العقل ہیں پس عدد
کی زیادتی سے اس کمی کو پورا کرنا ضروری ہوا اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ دیدیا تھا
اور اسکی وجہ یہ ہے کہ شاہد عدل کے ساتھ جب قسم مل جائے تو

بشاهد ويمين، وذلك لان

[1] کسی شے کو اس کی حالت پر باقی رکھنا ۱۲

الشاهد العدل اذا لحق معه اليمين تأكد الامر، وامر الشهادات لابد فيه من توسعة وجرت السنة انه اذا كان ريب زكى الشاهد وذلك ان شهادتهما انما اعتبرت من جهة صفاتهما المرجحة للصدق على الكذب فلابد من تبينها، وجرت السنة انه اذا كان ريب غلظت الايمان بالزمان والمكان واللفظ، وذلك لان الايمان انما صارت دليلا على صدق المخبر من جهة اقتران قرينة تدل على انها لا يقدم على الكذب معها فكان حقها اذا كان زيادة ريب طلب قوة القرائن، فاللفظ زيادة الاسماء والصفات، الاصل فيه قوله صلى الله عليه وسلم احلف بالله الذى لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة ونحو ذلك، والزمان ان يحلف بعد العصر لقوله تعالى تحبسونهما من بعد الصلاة والمكان ان يقام بين الركن والمقام ان كان بمكة وعند منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان كان بالمدينة، وعند المنبر فى سائر البلدان لورود فضل هذه الامكنة وتغليظ الكذب عندها، ثم وقعت الحاجة ان يرهب الناس اشد ترهيب من ان يجترؤا على خلاف ما شرع الله لهم لفصل القضايا ومعرفة جلية الحال، والاصل فى تلك الترهيبات ثلاثة اشياء احدها ان الاقدام على فعل نهى الله تعالى عنه وغلظ فى النهى دليل قلة الورع والاجتراء على الله فادير حكم الاجتراء على هذه الاشياء واثبت لها اثره مثل وجوب دخول النار

اور شہادت پختہ ہو جاتا ہے اور شہادت کے باب میں وسعت ضروری ہے اور یہ سنت جاری ہے کہ جب گواہوں میں کوئی شک پیدا ہوتو ان کے چال چلن کو دریافت کر لیا جائے اس واسطے کہ ان کی گواہی کا اعتبار ان کی صفات کی وجہ سے ہے جو ان کی راست گوئی کو کذب پر ترجیح دینے کا باعث ہیں پس ان کے صفات کا ظاہر ہونا ضروری ہے، اور یہ سنت بھی جاری ہے کہ جب کوئی شبہ ہو تو زمان اور مکان اور لفظ سے قسم کو خوب مضبوط کیا جائے اس واسطے کہ قسم صدق خبر پر دلیل اس قرینہ کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خبر دینے والا کذب پر اقدام نہیں کرسکتا پس مناسب ہوا کہ جب شبہ زیادہ ہو تو قرائن کو قوی کیا جائے پس لفظ کے اعتبار سے مضبوط کرنا یہ ہے کہ اسماء اور صفات زیادہ بیان کئے جائیں اور اسکی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "تو اس اللہ تعالیٰ کی قسم کھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جو پوشیدہ اور ظاہر بات کو جانتا ہے" اور زمانہ کے اعتبار سے مضبوط کرنا یہ ہے کہ عصر کے بعد قسم لیجائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اگر تم ان گواہوں کی نسبت کچھ شک ہو تو انکو عصر کی نماز کے بعد کھڑا کرو" اور جگہ کے اعتبار سے مضبوط کرنا یہ ہے کہ اگر مکہ معظمہ میں ہو تو رکن اور مقام کے درمیان کھڑا کرکے قسم لیجائے اور اگر مدینہ منورہ میں ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس کھڑا کرکے اس سے گواہی لیں اور دیگر شہروں میں جامع مسجد کے منبر کے پاس کھڑا کریں کیونکہ ان مقامات کی فضیلت شرع سے ثابت ہے اور ان مقامات میں جھوٹ بولنا نہایت گناہ سمجھا جاتا ہے پھر یہ ضرورت پیش آئی کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی مخالفت کرنے کو جنکو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدمات کے فیصل کرنے اور حقیقت حال کے معلوم ہونے کیلئے مقرر فرمایا ہے نہایت خوف دلایا جائے۔ اور ان ترہیبات میں اصل تین چیزیں ہیں ایک یہ کہ جس فعل سے اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے اس پر اقدام کرنا قلت ورع اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جرأت کرنے کی دلیل ہے پس اس جرأت کا حکم ان چیزوں پر دائر کیا گیا اور ان کے لئے جرأت کا اثر مثل وجوب دخول نار ....

وتحريم الجنة ونحو ذلك، والثانى ان ذلك سعى فى الظلم وبمنزلة السرقة وقطع الطريق، او بمنزلة دلالة السارق على المال ليسرق او رِدء القاطع فتتوجه لعنة الله والملائكة والناس على السعاة فى الارض بالفساد الى هذا العاصى فاستحق النار، والثالث انه مخالفة لما شرع الله لعباده وسعى فى سد جريانه على ما اراد الله فى شرائعه فان اليمين انما شرعت معرفة للحق، والبينة انما شرعت مبينة لجلية الحال فان جرت السنة بزور الشهادة والايمان انسد باب المصلحة المرعية فمن ذلك كتمان الشهادة لقوله تعالى ومن يكتمها فانه آثم قلبه، ومنها شهادة الزور لعدّه عليه السلام من الكبائر شهادة الزور، ومنها اليمين الكاذبة لقوله عليه الصلاة والسلام من حلف على يمين صبر وهو فيها فاجر ليقتطع بها حق امرئ مسلم لقى الله تعالى يوم القيامة وهو عليه غضبان:

ومنها الدعوى الكاذبة لقوله صلى الله عليه وآله وسلم من ادعى ما ليس له فليس منا وليتبوأ مقعده من النار:

ومنها الاخذ لقضاء القاضى وليس له الحق لقوله صلى الله عليه وآله وسلم انما انا بشر مثلكم وانكم تختصمون الحديث، ومنها الاعتياد بالمجادلة ورفع القضية فان ذلك لا يخلو من افساد ذات البين لقوله صلى الله عليه وآله وسلم ان ابغض الرجال الى الله الالد الخصم، ورغب لمن ترك المخاصمة

اور تحریم جنت وغیرہ کے ثابت کیا گیا، دوسرے یہ کہ وہ ظلم کے اندر کوشش کرنا ہے اور اس کا حال ایسا ہے جیسے چوری کرنا اور رہزنی کرنا، یا وہ ایسا ہے جیسے چور کو مال بتلانا تاکہ وہ چوری کرے یا رہزن کو رہزنی پر آمادہ کرنا، پس اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور لوگوں کی لعنت جو زمین میں فساد کرنے والوں پر ہوتی ہے اس گناہ کرنے والے کی طرف متوجہ ہوتی ہے پس وہ نار کا مستحق ہو جاتا ہے، اور تیسرے یہ کہ اس میں اس حکم کی مخالفت کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو اپنی شرائع میں مقصود ہے اس کے مطابق حکم کے جاری نہ ہونے میں کوشش کرنا ہے کیونکہ قسم حق کی معرفت کے لئے اور گواہی حقیقت حال بیان کرنے کیلئے مشروع ہوئی ہے پس اگر جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسموں کا طریقہ جاری ہو جائے تو مصلحت مقصودہ کا دروازہ بند ہو جائے پس منجملہ ان کے گواہی کا چھپانا ہے اسکی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جو شخص اسکو چھپائے تو اسکا دل گنہگار ہے

اور منجملہ ان کے جھوٹی گواہی ہے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو کبائر میں شمار کیا ہے اور منجملہ ان کے جھوٹی قسم ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قسم کھائے کہ اس پر حق لازم کرے اور وہ اس میں جھوٹا ہو اور اس کا مقصود اس سے کسی مسلمان کا مال تلف کرنا ہو تو وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ایسے حال میں ملیگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا:

اور منجملہ ان کے جھوٹا دعویٰ ہے اس کی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے تو وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے اور اسکو چاہیئے کہ وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنائے":

اور منجملہ انکے بغیر حق کے حکم قاضی کی وجہ سے کسی چیز کا لے لینا ہے اسکی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "میں بھی تمہاری مانند بشر ہوں اور تم میرے پاس جھگڑا پیش کیا کرتے ہو" الحدیث

اور منجملہ ان کے مقدمہ بازی اور عدالت میں دعاوی دائر کرنے کی عادت ڈال لینا ہے کیونکہ وہ بھی باہم فساد ڈالنے سے خالی نہیں ہے اسکی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو بڑا جھگڑالو ہے اور نبی صلے اللہ

یعنی جو شخص چرب زبانی سے غالب آجاتے اور جیسا اس کیلئے حکم ہو وہ لے تو یہ جان لے کہ میں نے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر اسکو دیا ہے وہ ہرگز نہ لے ۔

فی الحق والباطل جمیعاً فان ذلک مطاوعة لداعیة السماحة، وایضاً کثیراً ما لا یکون الحق له، ویظن ان الحق له فلا یخرج عن العهدة بالیقین الا اذا وطن نفسه علی ترک الخصومة فی الحق والباطل جمیعاً۔

فی الحدیث "ان رجلین تداعیا دابة فاقام کل واحد منهما البینة انها دابته نتجها فقضی بها رسول الله صلی الله علیه وسلم للذی فی یده"۔

اقول: والسر فی ذلک ان الحجتین لما تعارضتا تساقطتا فبقی المتاع فی ید صاحب القبض لعدم ما یقتضی رده، او نقول اعتضدت احدی البینتین بالدلیل الظاهر وهو القبض فرجحت، واما المقام الثانی فشرع النبی صلی الله علیه وسلم فیه اصولاً یرجع الیها، والجملة فی ذلک ان جلیة الحال اذا کانت معلومة فالنزاع یکون اما فی طلب کل واحد شیئاً هو مباح فی الاصل وحکمه ابداً الترجیح اما بزیادة صفة یکون فیها نفع للمسلمین ولذلک الشیء، او سبق احدهما الیه او بالقرعة، مثاله قضیة زید وعلی وجعفر رضی الله عنهم فی حضانة بنت حمزة رضی الله عنه فقضی بها لجعفر رضی الله عنه، وقال "الخالة ام"، وقوله صلی الله علیه وسلم فی الاذان "لاستهموا" وکان صلی الله علیه وسلم اذا اراد سفراً اقرع بین نسائه، واما ان یکون هنالک سابقة من عقد او غصب یدعی کل واحد انه احق، ویکون

کیونکہ اس میں صفت سماحت کی اتباع ہے اور نیز بسا اوقات ایک شخص کا حق نہیں ہوتا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ حق اس کا ہے پس یقینی طور پر ذمہ داری سے جب ہی بری ہو سکتا ہے کہ وہ حق و ناحق دونوں میں ترک مخاصمت کا عادی ہو جائے، اور حدیث میں وارد ہے کہ "دو شخصوں نے ایک چوپایہ پر دعویٰ کیا پس ان میں سے ہر ایک نے اس بات پر شہادت قائم کر دی کہ وہ چوپایہ اسی کے یہاں پیدا ہوا ہے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ چوپایہ اسی کو دلایا جس کے قبضہ میں تھا":

میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ جب دونوں حجتوں میں تعارض ہوا تو دونوں ساقط اور بے اعتبار ہو گئیں پس جس کا قبضہ ہے اس کے ہاتھ میں وہ شے باقی رہی کیونکہ اس کے رد کرنے کا کوئی سبب نہیں پایا گیا، یا ہم یہ کہتے ہیں کہ دونوں دلیلوں میں سے ایک دلیل کو قرینہ ظاہری یعنی قبضہ سے تائید حاصل ہو گئی اس واسطے اس کو ترجیح دی گئی لیکن قضا کا مقام ثانی سو اس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے چند اصول بیان کئے ہیں جن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور اجمالاً اس کا بیان یہ ہے کہ جب حقیقت حال معلوم ہو تو اب نزاع ایسی شے میں ہوگا جو مباح الاصل ہے اور ہر شخص اس کو طلب کرتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ ترجیح ظاہر ہو یا تو وہ ترجیح کسی ایسی صفت سے ہو جس میں مسلمانوں کو اور اس شے کو نفع ہو یا ترجیح کی یہ صورت ہو کہ ان دونوں میں سے ایک کا قبضہ بہ نسبت دوسرے کے پیشتر ہو یا قرعہ سے وہ ترجیح حاصل ہو اسکی مثال وہ قضیہ ہے جو زید اور علی اور جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی پرورش کے بارے میں ہوا تھا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لڑکی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دلائی اور فرمایا "خالہ بھی ماں ہوتی ہے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے بارے میں فرمایا تھا "اگر لوگوں کو اذان اور صف اول کی فضیلت معلوم ہو جائے تو بغیر قرعہ ڈالے چارہ نہ ہو" اور نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے تھے اور یا ترجیح کی یہ صورت ہو کہ کوئی سابقہ عقد یا غصب چلا آتا ہو اور ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہو۔۔۔

لکل واحد شبهة وحكمة اتباع العرف والعادة المسلمة عند جمهور الناس يفسر الاقارير والفاظ العقود بما عند جمهورهم من المعنى ويعرف الاضرار وغيره بما عندهم، مثاله قضية البراء بن عازب دخلت ناقته حائطاً فافسدت فيه، وادعى كل واحد انه معذور فقضى بما هو المعروف من عادتهم من حفظ اهل الحوائط اموالها بالنهار وحفظ اهل المواشي مواشيها بالليل

ومن القواعد المبنية عليها كثيرا من الاحكام ان الغنم بالغرم، واصله ما قضى النبي صلى الله عليه وسلم ان الخراج بالضمان وذلك لعسر ضبط المنافع، وان قسم الجاهلية ودماءها وما كان فيها لا يتعرض بها، وان الامر مستانف بعدها، وان اليد لا تنقض الا بيد لبيل آخر وهو اصل الاستصحاب وانه ان انسد باب التفتيش فالحكم ان يكون ما يريده صاحب المال او يترادا، والاصل فيه قوله صلى الله عليه وسلم "البيعان اذا اختلفا بينهما والسلعة قائمة" الحديث وان الاصل في كل عقد ان يوفى لكل واحد على كل احد ما التزمه بعقده الا ان يكون عقداً نهى الشرع عنه، وهو قوله صلى الله عليه وسلم: "المسلمون على شروطهم الا شرطاً احل حراما او حرم حلالاً". فهذا انبذ مما شرع النبي صلى الله عليه وسلم في المقام الثاني.

کہ وہ اس کا حقدار ہے اور اس میں ہر ایک کے لئے شبہ ہو پس اس کا حکم یہ ہے کہ لوگوں میں جو دستور وعرف جاری ہے اس کا اتباع کیا جائے اقرارات اور عقود کے الفاظ کی تفسیر انہی معنی سے کی جائے جو جمہور کے نزدیک ان کے معنی ہیں اور ضرر رسانی امور کو بھی انہی کے دستور سے معلوم کیا جائے، اس کی مثال براء بن عازب کا قضیہ ہے کہ ان کی اونٹنی ایک باغ میں چلی گئی اور اس نے باغ کا کچھ نقصان کر دیا اور فریقین میں سے ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا کہ میں معذور ہوں پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی عادت معروفہ کے موافق فیصلہ کیا اور عادت معروفہ یہ ہے کہ باغ والے دن کو اپنے باغ کی نگہبانی کیا کرتے ہیں اور مویشی پالنے والے رات میں اپنے مویشیوں کو حفاظت میں رکھا کرتے تھے۔ اور منجملہ ان قواعد کے جن پر بہت سے احکام مبنی ہیں ایک قاعدہ ہے کہ نفع تاوان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کی اصل وہ ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آمدنی تاوان کے ساتھ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ منافع کا انضباط دشوار ہے اور یہ کہ جاہلیت کی قسمیں اور خون اور جو کچھ اس وقت میں ہوا اس سے تعرض نہ کیا جائیگا اور جاہلیت کے بعد ہر امر نئے سرے سے معتبر ہوگا۔ اور یہ کہ قبضہ بغیر کسی دلیل کے توڑا نہ جائے گا اور استصحاب[1] کی اصل یہی ہے، اور یہ کہ اگر تفتیش کا دروازہ بند ہو جائے تو حکم وہ ہوگا جو مال والا چاہیگا یا اس معاملہ کو دونوں واپس لے لینگے اور اسکی اصل یہ حدیث ہے کہ "جب بائع اور مشتری اختلاف کریں اور مال موجود ہو تو بائع کا قول معتبر ہوگا یا وہ دونوں بیع کو فسخ کردیں" اور یہ کہ ہر عقد میں اصل یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے پورا پورا حق دلایا جائے اور عقد سے جو شخص جس چیز کا التزام کرے وہ اس پر لازم ہے بجز اس عقد کے جس سے شارع نے منع فرمایا ہو چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسلمانوں کو اپنی شروط کا پابند ہونا ضروری ہے بجز اس شرط کے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرے یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام کرے" پس یہ قدر ان احکام کا بیان ہے جن کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مقام ثانی کے بارے میں بیان فرمایا ہے

[1] کسی شے کو اس کی حالت پر باقی رکھنا ۱۲

ومن القضايا التي قضى فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم قضية بنت حمزة رضي الله عنه في الحضانة حيث قال علي رضي الله عنه بنت عمي وانا اخذتها، وقال جعفر رضي الله عنه بنت عمي وخالتها تحتي، و قال زيد رضي الله عنه بنت اخي فقضى بها لجعفر رضي الله عنه. وقال الخالة بمنزلة الام وقضية ابن وليدة زمعة في الدعوة حيث قال سعد ان اخي قد عهد الي فيه، و قال عبد بن زمعة ابن وليدة ابي ولد على فراشه، فقال صلى الله عليه وسلم هو لك يا عبد بن زمعة الولد للفراش وللعاهر الحجر، وقضية زبير رضي الله عنه والانصاري في شراج الحرة فاشار صلى الله عليه وسلم الى امر لهما فيه سعة اسق يا زبير ثم ارسل الى جارك فغضب الانصاري، فاستوعى للزبير حقه قال احبس الماء حتى يرجع الى الجدر وقضية ناقة براء بن عازب رضي الله عنه دخلت حائطا لرجل من الانصار فافسدت فيه فقضى صلى الله عليه وسلم ان على اهل الاموال حفظها بالنهار وعلى اهل المواشي حفظها بالليل، وقضى صلى الله عليه وسلم بالشفعة فيما لم يقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة، و قد ذكرنا فيما سبق وجوه هذه القضايا وقال صلى الله عليه وسلم اذا اختلفتم في الطريق جعل عرضه سبعة اذرع ؏

قول وذلك ان الناس اذا عمروا

اور منجملہ ان فیصلوں کے جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے احکام صادر کئے ہیں وہ فیصلہ ہے جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی پرورش کے باب میں واقع ہوا چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں نے اس کو لیا ہے، اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا اور یہ فرمایا کہ "خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے" اور ایک فیصلہ زمعہ کی باندی کے بچہ کا ہے جو دعویٰ نسب میں ہوا تھا چنانچہ سعد نے کہا کہ میرے بھائی نے اس کے بارے میں مجھ سے یہ عہد کیا ہے، اور عبد بن زمعہ نے کہا کہ وہ میرے باپ کی باندی ولیدہ کا بیٹا ہے جو اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے تب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عبد بن زمعہ یہ بچہ تیرے لئے ہے بچہ ماں کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے، اور ایک فیصلہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کا ہے جو باغ میں پانی دینے کی بابت ہوا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم دیا تھا جس میں دونوں کے لئے آسانی تھی کہ اے زبیر تو پانی دے لے پھر نالہ کو انصاری کے لئے چھوڑ دے، پس انصاری اس فیصلہ سے ناخوش ہوا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو پورا حق دلایا اور فرمایا کہ اے زبیرؓ تو اتنا پانی لے کہ باغ کی دیواروں کی جڑ تک پہنچ جائے" اور ایک فیصلہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کا ہے جو ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوگئی اور اس کا نقصان کیا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ مال والے دن میں اپنے مال کی حفاظت کریں اور مویشیوں کے مالک رات میں اپنے مویشیوں کی حفاظت کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمین میں جو تقسیم نہیں ہوئی تھی شفعہ کا حکم فرمایا پس جب حدیں پڑ جائیں اور راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو اس میں شفعہ نہیں، اور ان قضایا کے وجوہات ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب راستہ کے بارے میں تمہارا

؏ اختلاف ہو تو اسکی چوڑائی سات گز کیجائے ___ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب لوگ بعد منزل جدید کو

ارضا مباحة فقصروا بهما واختلفوا في
الطريق فاراد بعضهم ان يضيق الطريق
ويبني فيها، وابى الأخرون ذلك وقالوا
لا بد للناس من طريق واسعة قضى بان
يجعل عرضه سبعة اذرع وذلك لان
لا بد من مرور قطارين من الابل يمشي
الحل شمالا الى جانب وثانيهما الى الأخر
واذا جاءت محملة من ههنا ومحملة
من هنالك فلا بد من طريق تسعهما والا
كان الحرج ومقدار ذلك سبعة اذرع
وقال صلى الله عليه وسلم من زرع في
ارض قوم بغير اذنهم فليس له من
الزرع شئ وله نفقته.

اقول جعله بمنزلة اجير عمل
له عملا نافعا، والله اعلم.

الجهاد

اعلم ان اتم الشرائع واكمل النواميس
هو الشرع الذي يؤمر فيه بالجهاد وذلك
ان تكليف الله عباده بما امر ونهى مثله
كمثل رجل مرض عبيده فامر رجلا من
خاصته ان يسقيهم دواءا، فلو انه قهرهم
على شرب الدواء وجره في افواههم
لكان حقا لكن الرحمة اقتضت ان
يبين لهم فوائد الدواء ليشربوه على رغبة
فيه وان يخلط معه العسل ليتعاضد فيه
الرغبة الطبيعية والعقلية، ثم ان كثيرا من
الناس يغلب عليهم الشهوات الدنية والاخلاق
السبعية ووساوس الشيطان في حب

آباد کرنا چاہتے ہیں اور شہر بسانا چاہتے ہیں اور راستہ کے بارے
میں ان کا اختلاف ہوتا ہے پس بعض یہ چاہتے کہ راستہ کو تنگ
کریں اور اس میں اپنے مکانات بنائیں اور بعض اس بات سے
مانع ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے لئے کشادہ راستہ کا
ہونا ضروری ہے تو ایسے موقع پر یہ فیصلہ ہوا کہ راستہ کا عرض سات
گز کا ہونا چاہئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کی دو قطاروں
کا گذرنا ضروری ہے اس طور سے کہ ایک ایک جانب سے گذر سکے
اور دوسری دوسری جانب سے گذر سکے پس جب ایک قطار
اس طرف سے آجائے اور دوسری قطار اس طرف سے آجائے
تو ایسی صورت میں ان کے واسطے ضرور اتنا راستہ ہونا چاہئے کہ
وہ بآسانی گذر سکیں ورنہ دقت پیش آئے گی اور اس کی مقدار
سات گز ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کی زمین
میں بلا اس کی اجازت کے کھیتی کرےگا تو اس کو اس کھیتی میں سے
کچھ نہیں ملے گا البتہ اس کو کام کی اجرت ملے گی"

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بمنزلہ محنت کرنے
والے کے گردانا کہ مالک زمین کے لئے اس نے نفع بخش کام کیا، واللہ اعلم

جہاد کا بیان

واضح ہو کہ تمام شریعتوں میں سب سے زیادہ تمام اور کامل وہ شریعت
ہے جس میں جہاد کا حکم پایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں
کا اوامر ونواہی کے ساتھ مکلف کرنا ایسا ہے کہ جیسے کسی شخص
کے غلام مریض ہوجائیں تب وہ اپنے کسی خاص آدمی کو اس
بات کا حکم دے کہ وہ ان کو کوئی دوا پلا دے پس اگر وہ شخص دوا
پلانے میں ان پر سختی کرے اور اس کو ان کے منہ میں ڈالے تو
ایسا کرنا درست ہوگا مگر رحمت کا مقتضی ہے کہ ان کے سامنے
دوا کے فوائد بیان کردے تاکہ خوشی کے ساتھ اس دوا کو پی لیں
اور نیز اس دوا میں شہد شامل کردے تاکہ رغبت عقلیہ کے ساتھ
رغبت طبعیہ بھی پائی جائے، پھر اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر دنیا
کی محبت میں شہوات دنیہ اور اخلاق سبعیہ اور شیطانی وسوسے غالب

الریاسات ولیصق بقلوبھم رسوم آبائھم
فلا یسمعون تلك الفوائد ولا یذعنون
لما یأمر به النبي صلی الله علیه وسلم ولا
یتأملون في حسنة فلیست الرحمة في
حق اولئك ان یقتصر علی اثبات الحجة علیهم
بل الرحمة في حقهم ان یقهروا لیدخل
الایمان علیهم علی رغم انفهم بمنزلة ایجاد
الدواء المر ولا قهر الا بقتل من له منهم نكایة
شدیدة وتمنع قوي، او تفریق منعتهم وسلب
اموالهم حتی یصیروا لا یقدرون علی شيء.
فعند ذلك یدخل اتباعهم وذراریهم في الایمان
برغبة وطوع، ولذا كتب رسول الله صلی
الله علیه وسلم الی قیصر "كان علیك اثم
الاریسیین" وربما كان اسرهم وقهرهم یؤدي الی
ایمانهم والی هذا اشار النبي صلی الله علیه وسلم حیث
قال: عجب الله من قوم یدخلون الجنة في السلاسل.
وایضا فالرحمة التامة الكاملة بالنسبة الی
البشر ان یهدیهم الله الی الاحسان وان یكبح ظالمهم
عن الظلم وان یصلح ارتفاقاتهم وتدبیر
منزلهم وسیاسة مدنهم، فالمدن الفاسدة
التي یغلب علیها نفوس سبعیة ویكون
لهم تمنع شدید انما هو بمنزلة
الاكلة في بدن الانسان لا
یصح الانسان الا بقطعه، والذي
یتوجه الی اصلاح مزاجه واقامة
طبیعته لا بد له من القطع، والشر
القلیل اذا كان مفضیا الی الخیر الكثیر
واجب فعله، ولك عبرة بقریش
ومن حولهم من العرب كانوا

ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں ان کے آباء کے رسوم از حد پیوست
ہوتے ہیں پس وہ ان فوائد کو نہیں سنتے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم
پر یقین نہیں کرتے اور اس کی خوبی میں غور نہیں کرتے تو ان
کے حق میں یہ رحمت نہیں ہے کہ ان پر اثبات حجت میں ہی اکتفا
کیا جائے بلکہ ان کے حق میں رحمت یہی ہے کہ ان پر جبر کیا جائے
تاکہ خواہ مخواہ ان کے دلوں میں ایمان اس طرح سے داخل کیا
جائے جس طرح زبردستی سے تلخ دوا پلائی جاتی ہے اور یہ جبر اور
سختی بغیر اسکے ممکن نہیں کہ جو مقابلہ میں قوت شدیدہ اور
سامان قوی رکھتا ہے اس کو قتل کیا جائے یا ان کی قوت
و شوکت کو توڑ دیا جائے اور ان کے مال واسباب کو ضبط
کر لیا جائے یہاں تک کہ وہ بالکل بے بس ہو جائیں پس اس وقت
ان کے پیرو اور ان کی اولاد خوشی اور رغبت سے اسلام کو قبول
کر سکتی ہے اور اسی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم
کو لکھا تھا "تجھ پر تمام رعایا کا وبال ہوگا" اور بسا اوقات
ان کو قید کرنا اور ان کو مغلوب کرنا ان کے ایمان لانیکا
سبب ہو جاتا ہے اور اسی طرف نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے
اس قول میں اشارہ فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ اچھے معلوم
ہوں گے جو زنجیروں سے بندھے ہوئے جنت میں داخل ہوں
گے" اور نیز بشر پر رحمت تامہ کاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو
نیکی کی طرف رہنمائی کرے اور ان کو ظالموں کے ظلم سے چھڑائے
اور ان کے کاروبار اور تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کی
اصلاح کرے پس ان کے فاسد شہر جن پر نفوس سبعیہ کا غلبہ
اور ان کو نہایت درجہ کی قوت حاصل ہے وہ بمنزلہ مرض
الاکلہ[1] کے ہے جو جسم انسان میں ہوتا ہے جس کو قطع کئے بغیر انسان
کا بدن درست نہیں رہ سکتا اور جو شخص اسکے مزاج کی اصلاح
اور اس کی طبیعت کے قائم کرنے کی طرف متوجہ ہوگا تو اس کے
لئے اسکو قطع کرنا ضروری ہوگا اور جب تھوڑی سی برائی سے
خیر کثیر حاصل ہو تو اس برائی کا کرنا ضروری ہے اور تم کو عرب میں
قریش اور ان کے اطراف کے لوگوں کی حالت پر غور کرنا چاہئے

[1] ایک بیماری جس میں عضو سڑ جاتا ہے ۱۲

ابعد خلق الله عن الاحسان واظلمهم على الضعفاء وكانت بينهم مقاتلات شديدة وكان بعضهم يأسر بعضا، وما كان اكثرهم متأملين في الحجة ناظرين في الدليل فجاهدهم النبي صلى الله عليه وسلم وقتل اشدهم بطشا واحدهم نفسا حتى ظهر امر الله وانقادوا له فصاروا بعد ذلك من اهل الاحسان واستقامت امورهم فلو لم يكن في الشريعة جهاد اولئك لم يحصل اللطف في حقهم، وايضا فان الله تعالى غضب على العرب والعجم وقضى بزوال دولتهم وكبت ملكهم فنفث في روع رسول الله صلى الله عليه وسلم وبواسطته في قلوب اصحابه رضي الله عنهم ان يقاتلوا في سبيل الله ليحصل الامر المطلوب فصاروا في ذلك بمنزلة الملائكة تسعى في اتمام ما امر الله تعالى غير ان الملائكة تسعى من غير ان يحدد فيهم قاعدة كلية والمسلمون يقاتلون لاجل قاعدة كلية علمهم الله تعالى، وكان عملهم ذلك اعظم الاعمال وصار القتل لا يسند اليهم انما يسند الى الآمر كما يسند قتل العاصي الى الامير دون السياف، وهو قوله تعالى فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم، والى هذا السر اشار النبي صلى الله عليه وسلم حيث قال مقت عربهم وعجمهم الحديث، وقال عليه السلام لا كسرى ولا قيصر يعني الملك يتدينون بدين الجاهلية؛

وفضائل الجهاد راجعة الى اصول

کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ نیکی سے دور تھے، اور ناتوانوں پر نہایت ظلم کرتے تھے اور ان کے مابین شدید مقاتلے ہوتے تھے اور ان میں سے بعض بعض کو قید کر لیا کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ایسے تھے جو حجت میں تامل اور دلیل میں نظر نہیں کرتے تھے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے جہاد کیا اور ان کے سرکشوں کو جو نہایت مضبوط اور شریر تھے قتل کیا حتیٰ کہ امر الٰہی ظاہر ہو گیا اور لوگ آپ کے فرمانبردار ہو گئے اور بعد ازاں وہ نیک راہ پر لگ گئے اور ان کے تمام کام درست ہو گئے پس اگر شریعت میں ان لوگوں پر جہاد نہ ہوتا تو یہ رحمت ان کے حق میں حاصل نہ ہوتی، اور نیز اللہ تعالیٰ عرب وعجم سے ناخوش ہوا اور اس نے ان کے ملک اور دولت کو برباد کرنے کا حکم فرمایا پس اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب میں اور آپ کے واسطے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب میں یہ القاء فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں تاکہ امر مطلوب حاصل ہو پس وہ اس بات میں بمنزلہ ملائکہ کے ہیں جو امر الٰہی کے پورا کرنے میں سعی کرتے ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ ملائکہ بغیر کسی قاعدۂ کلیہ مقرر کے سعی کرتے ہیں اور مسلمان ایک قاعدۂ کلیہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو تعلیم فرمایا ہے لڑتے ہیں اور ان کا یہ عمل تمام اعمال سے بڑھ کر ہے اور یہ لڑائی ان کی طرف منسوب نہیں ہوتی بلکہ حکم کرنے والے کی طرف منسوب ہوتی ہے جس طرح مجرم کے قتل کرنے کی نسبت امیر کی طرف ہوتی ہے نہ جلاد کی طرف،

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا ولیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا" اور اسی راز کی طرف نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا، چنانچہ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ عرب وعجم سے ناخوش ہوا" الحدیث، اور آپ نے فرمایا "نہ کسریٰ ہوگا اور نہ قیصر" یعنی وہ لوگ جو جاہلیت کا دین رکھتے ہیں،

اور جہاد کے فضائل کا مرجع چند اصول کی طرف ہے

منها انه موافق تدبير الحق والهامه فكان السعي في اتمامه سببا لشمول الرحمة والسعي في ابطاله سببا لشمول اللعنة والتقاعد عنه في مثل هذا الزمان تفويتا لخير كثير، ومنها ان الجهاد عمل شاق يحتاج الى تعب وبذل مال ومهجة وترك الاوطان فلا يقدم عليه الا من اخلص دينه لله وآثر الآخرة على الدنيا وصح اعتماده على الله، ومنها ان نقش مثل هذه الداعية في القلب لا يكون الا بتشبه الملائكة، واحظاهم بهذا الكمال ابعدهم عن شرك البهيمية واطرفهم من رسوخ الدين في قلبه فيكون معرفا لسلامة صدره، هذا كله ان كان الجهاد على شرطه، وهو ما سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرجل يقاتل شجاعة ويقاتل حمية فاى ذلك في سبيل الله؟ فقال من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله، ومنها ان الجزاء يتحقق بصورة العمل يوم القيامة، وهو قوله صلى الله عليه وسلم لا يكلم احد في سبيل الله والله اعلم بمن يكلم في سبيله الا جاء يوم القيامة وجرحه يثعب دما اللون لون الدم والريح ريح المسك، ومنها ان الجهاد لما كان امرا مرضيا عند الله تعالى وهو لا يتم في العادة الا باشياء من النفقات ورباط الخيل والرمي ونحوها وجب ان تتعدى الرضا الى هذه الاشياء من جهة افضائها الى المطلوب، ومنها ان بالجهاد تكميل الملة وتنويه امرها

ازانجملہ جہاد میں تدبیر الٰہی اور اس کے الہام کے ساتھ موافقت ہے پس اس کے تمام کرنے میں سعی کرنا شمول رحمت کا سبب ہے اور اس کے ابطال میں سعی کرنا شمول لعنت کا سبب ہے اور اس جیسے زمانہ میں جہاد ترک کرکے بیٹھ رہنا خیر کثیر کا فوت کرنا ہے اور ازانجملہ یہ ہے کہ جہاد ایک شاق عمل جس میں سخت مشقت ہے اور جان و مال صرف کرنا پڑتا ہے اور وطن اور مقاصد کو ترک کرنا پڑتا پس ایسے سخت عمل پر وہی پیش قدمی کرتا ہے جس نے اپنے دین کو خاص اللہ تعالیٰ کے لئے قبول کیا اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ٹھیک ٹھیک بھروسہ کیا، اور ازانجملہ یہ ہے کہ ایسے خیال کا دل میں قائم ہونا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ اس شخص کو ملائکہ کے ساتھ مشابہت حاصل ہو اور اس کمال سے خوب بہرہ یاب ہو اور شرک بہیمیہ سے اس کو بُعد ہو اور اس کے دل میں رسوخ دین کا پورا پورا ایقان ہو پس وہ جہاد اسکی سلامتی قلب کی دلیل ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس وقت ہے کہ جہاد اپنی شرائط کے ساتھ پایا جائے اور وہ شرائط وہ ہیں جن کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ "کوئی شخص بہادری دکھانے کے لئے لڑتا ہے اور کوئی شخص حمیت کی وجہ سے مقابلہ کرتا ہے پس ان میں سے کونسا اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرنیوالا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جو شخص اس لئے لڑتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو پس وہی شخص اللہ کی راہ میں قتال کرنیوالا ہے"، اور ازانجملہ یہ ہے کہ قیامت کے روز جزا عمل کی صورت میں ظاہر ہوگی جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے تو قیامت کے روز وہ اس حالت میں آئیگا کہ خون اسکے زخم سے جاری ہوگا جس کا رنگ خون کا سا ہوگا اور اسکی بو مشک کی بو ہوگی" اور ازانجملہ یہ ہے کہ جہاد چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ امر ہے اور وہ عادتاً بغیر خرچ کرنے اور گھوڑوں کے جمع کرنے اور تیراندازی وغیرہ سیکھنے کے پورا نہیں ہوتا اسواسطے ضروری ہوا کہ ان اشیاء کو بھی اس کے پسند کیا جائے کہ ان سے مطلوب حاصل ہوتا ہے، اور ازانجملہ یہ ہے کہ جہاد سے ملت کی تکمیل اور اسکے امر کی رفعت کرنا ہے

وجعله في الناس كالامر اللازم، فاذا حفظت
هذه الاصول انكشف لك حقيقة الاحاديث
الواردة في فضائل الجهاد، قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم ان في الجنة مائة درجة
اعدها الله للمجاهدين الحديث۔

اقول سره ان ارتفاع المكان في دار
الجزاء تمثال لارتفاع المكانة عند الله، و
ذلك بان تكسب النفس سعادتها من
التطلع للجبروت وغير ذلك، وبان يكون
سببا لاشتهار شعائر الله ودينه وسائر
ما يرضى الله باشتهاره، ولذلك كانت
الاعمال التي هي مظنة هاتين الخصلتين
جزاؤها الدرجات في الجنة، فورد في تالي
القرآن انه يقال له اقرأ وارتق ورتل
كما كنت ترتل في الدنيا، وورد في الجهاد
انه سبب رفع الدرجات فان عمله يفيد
ارتفاع الدين فيجازى بمثل ما تضمنه
عمله: ثم ان ارتفاع المكانة يتحقق بوجوه
كثيرة فكل وجه يتمثل درجة في الجنة
وانما كان كل درجة كما بين السماء والارض
لانه غاية ما تمكن في علوم البشر من
البعد الفوقاني فيتمثل في دار الجزاء كما
تمكن في علومهم، قال صلى الله عليه و
سلم مثل المجاهد في سبيل الله كمثل
القانت الصائم۔

اقول سره ان الصائم القانت انما
فضل على غيره بانه عمل عملا شاقا
لمرضاة الله، وانه صار بمنزلة الملائكة و
متشبها بهم، والمجاهد اذا كان جهاده على

اور اس کو لوگوں میں بمنزلۂ امر لازم کے قرار دینا ہے پس جب تم ان
اصولوں کو یاد کر لوگے تو ان احادیث کی حقیقت جو فضائل جہاد
میں وارد ہیں تم کو معلوم ہو جائے گی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "جنت کے اندر سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے
مجاہدین کے لئے تیار کیا ہے" الحدیث"

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ دار الجزاء میں مکان کا
بلند ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی مرتبہ کی صورت مثالیہ
ہے اس واسطے کہ جبروتیت پر اطلاع پانے وغیرہ امور سے نفس کو
سعادت حاصل ہوتی ہے اور نیز اس کی یہ وجہ ہے کہ جہاد
شعائر الٰہی اور اس کے دین کی شہرت کا اور تمام ان چیزوں کا
جن کی شہرت سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے سبب ہے اور اسی لئے
وہ اعمال جو ان دونوں صفتوں کا مظنہ ہیں ان کی جزا جنت
میں درجات کا حاصل ہونا ہے، چنانچہ قرآن کی تلاوت کرنے
والے کے حق میں وارد ہوا ہے کہ اس سے یہ کہا جائے گا "قرآن
پڑھتا جا اور چڑھتا جا جس طرح تو دنیا میں پڑھتا تھا" اور جہاد
کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ وہ درجات کے بلند ہونے کا
سبب ہے کیونکہ اس کو عمل میں لانے سے دین میں بلندی حاصل
ہوتی ہے پس اس کی جزا بھی عمل کے موافق ہوگی، پھر درجہ کا
بلند ہونا چند وجوہ سے ہوتا ہے پس جنت میں ہر وجہ درجہ کی
شکل میں ظاہر ہوگی اور ہر درجہ میں آسمان اور زمین کے برابر
فرق ہے کیونکہ علوم بشری میں یہ انتہاء درجہ کا بُعد فوقانی ہے
تو جیسا کہ ان کے علوم میں یہ ممکن تھا ویسا ہی دار الجزاء میں
وہ متشکل ہوگا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ
کی راہ میں جہاد کرنے والا ایسا ہے جیسے شب بیداری کرنے
والا روزہ دار"

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ شب بیدار روزہ دار
کو اپنے غیر پر اس وجہ سے فضیلت ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ
کی رضا کے لئے بڑا شاق عمل کیا، اور وہ شخص بمنزلہ ملائکہ کے
اور ان کے مشابہ ہوگیا، اور مجاہد جبکہ شرع کے موافق جہاد

ما امر الشرع به يشبهه في كل ذلك غير ان الاجتهاد في الطاعات يسلم فضله الناس وهذا لا يفهمه الا الخاصة فشبهه به لينكشف الحال، ثم مست الحاجة الى الترغيب في مقدمات الجهاد التي لا يتاتى الجهاد في العادة الا بها كالرباط والرمي وغيرهما لان الله تعالى اذا امر بشيء ورضي به وعلم انه لا يتم الا بتلك المقدمات كان من موجبه الامر بها والرضا عنها، ورد في الرباط انه خير من الدنيا وما فيها، وانه خير من صيام شهر وقيامه وان مات اجري عليه عمله الذي كان يعمله واجري عليه رزقه وامن من الفتان ۔

اقول اما سر كونه خيرا من الدنيا وما فيها فلان له ثمرة باقية في المعاد وكل نعيم من نعيم الدنيا لا محالة زائل واما كونه خيرا من صيام شهر وقيامه فلانه عمل شاق يأتي على بهيمية لله وفي سبيل الله كما يفعل ذلك الصيام والقيام وسر اجراء عمله ان الجهاد بعضه مبني على بعض بمنزلة بناء يقوم الجدار على الاساس ويقوم السقف على الجدار وذلك لان الاولين من المهاجرين والانصار كانوا سبب دخول قريش ومن حولهم في الاسلام، ثم فتح الله على ايدي هؤلاء العراق والشام ثم فتح الله على ايدي هؤلاء الفرس والروم ثم فتح الله على ايدي هؤلاء الهند والترك والسودان، فالنفع الذي يترتب على الجهاد

کرتا ہے تو وہ ہر بات میں شب بیدار صائم کے ساتھ مشابہ ہوجاتا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ اور عبادات میں کوشش کرنے کی فضیلت کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں اور اس کو خاص لوگ ہی سمجھتے ہیں اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو شب بیدار صائم کے ساتھ تشبیہ دی تاکہ اس کا حال منکشف ہوجائے پھر اس کی ضرورت پڑی کہ ان مقدمات جہاد کی ترغیب دلائی جائے جن کے بغیر عادتاً جہاد ہو نہیں سکتا جیسے گھوڑوں کا تیار کرنا اور تیر چلانا وغیرہ کیونکہ اللہ تعالیٰ جبکہ کسی چیز کا حکم دیتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ شئی ان مقدمات کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی تو اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان مقدمات کا بھی حکم دے اور انکو پسند کرے، گھوڑوں کی تیاری کے باب میں وارد ہے کہ وہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے اور نیز وہ ایک ماہ کے روزے اور اسکے قیام سے بھی بہتر ہے اور اگر وہ مرجائے تو جو عمل کرتے ہوئے وہ مرا ہے اس کا وہ عمل اس پر بدستور جاری رہیگا اور اس پر اس کا رزق جاری رہیگا اور منکر نکیر سے امن میں رہے گا۔

میں کہتا ہوں دنیا و مافیہا سے بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کا ثمرہ ایسا ہے جو آخرت میں باقی رہنے والا ہے اور دنیا کی جس قدر نعمتیں ہیں وہ سب کی سب زائل ہونیوالی ہیں اور ایک مہینہ کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسا شاق عمل ہے جو قوت بہیمیت پر نہایت گراں ہوتا ہے اور وہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی راہ میں ہوتا ہے جیسا کہ روزہ رکھنا اور شب بیداری کا عمل شاق گذرتا ہے۔ اور جہاد کے عمل کا بدستور جاری رہنے میں یہ راز ہے کہ جہاد کا بعض جز بعض جز پر اس طرح مبنی ہے جس طرح عمارت ہوتی ہے کہ اس کی دیوار بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور چھت دیوار پہ قائم ہوتی ہے، اس واسطے کہ مہاجرین اور انصار میں سے اولین قریش اور ان کے آس پاس والوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنے پھر اللہ تعالیٰ نے قریش کے ہاتھ پر عراق اور شام کو فتح کیا پھر ان کے ہاتھ پر فارس اور روم کو پھر فارس اور روم کے ہاتھ پر ہند اور ترکستان اور سوڈان کو فتح کیا، پس وہ نفع جو جہاد پر مرتب ہوتا ہے وقتاً فوقتاً زیادہ ہوتا رہتا ہے

يتزايد حيناً فحيناً وصار بمنزلة الاوقاف والرباطات والصدقات الجارية، واما الامن من الفتان بعني المنكر والنكير فان المهلكة منهما على من لم يطمئن قلبه بدين محمد صلى الله عليه وسلم ولم ينهض لنصرته، اما المرابط على شرطه فهو جامع الهمة على تصديقه ناهض العزيمة على تمشية نور الله،

قال صلى الله عليه وسلم من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزا ومن خلف غازيا في اهله فقد غزا، وقال صلى الله عليه وسلم افضل الصدقة ظل فسطاط في سبيل الله ونحو ذلك؛

اقول السر في ذلك انه عمل نافع للمسلمين يترتب عليه نصرتهم وهو المعنى في الغزو والصدقة، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يكلم احد في سبيل الله والله اعلم بمن يكلم في سبيله الا جاء يوم القيامة وجرحه يثعب دما اللون لون الدم والريح ريح المسك؛

اقول العمل يلتصق بالنفس بهيئته وصورته ويجر ما فيه معنى التضاعف بالنسبة الى العمل والمجازاة مبناها على تمثل النعمة والراحة بصورة افترا ما هنالك، فاذا جاء الشهيد يوم القيامة ظهر عليه عمله وتنعم به بصورة ما في العمل، وقال عليه السلام في قوله تعالى ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون

اور اس کا حال اوقاف اور سرائیں اور صدقات جاریہ کا سا ہوتا ہے اور فتان یعنی منکر ونکیر سے مامون ہونے کی وجہ یہ ہے کہ منکر ونکیر سے اسی شخص کو ہلاکت پہنچتی ہے جس کا قلب دین محمدی پر مطمئن نہیں ہے اور نہ وہ آپ کے دین کی مدد کے لئے کھڑا ہوا ہے، اور جو شخص جہاد کے شرائط کے ساتھ پہرہ دینے کا التزام کرتا ہے تو وہ شخص دل سے دین کی تصدیق کرتا ہے اور نور الٰہی کے پھیلانے میں کوشش کرتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو سامان دیا تو اس نے جہاد کے برابر ثواب حاصل کیا اور جس نے مجاہد کے پیچھے اس کے گھر کی خبر گیری کی تو اس نے بھی جہاد کیا"،

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر صدقہ اللہ کی راہ میں سایہ کے لئے خیمہ دینا ہے ومثل ذالک،

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ یہ عمل مسلمانوں کے نفع کا ہے جس کو ان کو مدد پہنچتی ہے اور جہاد یا صدقہ میں مسلمانوں کو نفع پہنچانا ہی مراد ہوتا ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اسکی راہ میں کون زخمی ہوتا ہے وہ شخص قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہتا ہوگا جس کا رنگ خون کا سا ہوگا اور اس کی خوشبو مشک کی سی ہوگی"

میں کہتا ہوں عمل اپنی ہیئت اور صورت کے ساتھ نفس کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور اس عمل کے اعتبار سے زیادتی کے معنی نفس میں پیدا ہو جاتے ہیں اور جزا و سزا کا بنی نعمت وراحت کا عمل کی مشابہ صورت میں متشکل ہونے پر ہے پس قیامت کے دن جب شہید پیش ہوگا تو اس کا عمل اس پر ظاہر ہوگا اور عمل کی صورت کے ساتھ اس پر انعام کیا جائے گا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردے مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق حاصل کرتے رہتے ہیں"

الآية ارواحهم في جوف طير خضر لها قناديل معلقة بالعرش تسرح في الجنة حيث شاءت ثم تأوي الى تلك القناديل .

اقول الذي يقتل في سبيل الله يجتمع فيه خصلتان احدهما انه تبقى نسمته وافرة كاملة لم تضمحل علومها التي كانت منغمسة فيها في حياتها الدنيا وانما هو بمنزلة رجل مشغول بامر معاشه ينام نومة بخلاف الميت الذي ابتلى بامراض شديدة تغير مزاجه وتنسيه كثيرا مما كان فيه . والثانية ان شملته الرحمة الالهية المتوجهة الى نظام العالم المنبعث منها حظيرة القدس والملائكة المقربون فلما زهقت نفسه وهي متعلقة من السعي في اقامة دين الله فتح بينه وبين حظيرة القدس فتح واسع ونزل من هنالك الانس والنعمة والراحة وتنفست اليه حظيرة القدس نفسا مثاليا فيتمثل الجزاء حسب عنده فتركبت من اجتماعها تين الخصلتين امور عجيبة ، منها انه تتمثل نفسه معلقة بالعرش بنحو ما وذلك لدخوله في حملة العرش وطموح همته الى ما هنالك ومنها انه تمثل له بدن طير اخضر فكونه طيرا لانه من الملائكة بمنزلة الطير من دواب الارض في ظهور احكام الجنس اجمالا وكونه اخضر لحسن منظره ، ومنها انه تتمثل نعمته وراحته بصورة الرزق كما كان يتمثل النعمة

الآیۃ، فرمایا ہے "ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں جن کیلئے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں جہاں چاہتے ہیں میں کھاتے پیتے ہیں پھر ان قندیلوں میں واپس آجاتے

میں کہتا ہوں جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جاتا ہے دو باتیں جمع ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس کی روح کامل اور وافر رہتی ہے اور اس کے وہ علوم جن کے اندر اس کی روح حیات دنیوی میں مستغرق رہتی ہے ان میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی اس شخص کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے معاش کے کام میں مشغول ہو اور سو جائے بخلاف اس میت کے جو امراض میں مبتلا رہا جس سے اس کا مزاج بدل گیا اور بہت باتوں کو بھول گیا ۔ دوسری یہ کہ وہ رحمتِ الٰہی جو نظام عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور جس سے حظیرۃ القدس اور ملاءِ اعلیٰ کے قلوب پر ہیں اس شخص کو شامل ہو جاتی ہے پس جب اس شخص کی روح نکلتی ہے اور وہ دین الٰہی کے قائم کرنے کی سعی اور کوشش سے پُر ہوتی ہے تو ایک نہایت وسیع اس شخص میں اور حظیرۃ القدس میں کھل جاتا ہے اور وہاں سے اُنس اور نعمت اور راحت اس پر نازل ہوتی رہتی ہے اور حظیرۃ القدس کو اس کی طرف ایک توجہ مثالی ہوتی ہے اور اس کے کے موافق اس کی جزا متمثل ہو جاتی ہے پس ان دونوں خصلتوں کے اجتماع سے عجیب عجیب امور پیدا ہوتے ہیں ،

ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کا نفس کسی وجہ سے عرش میں معلق ہو کر متمثل ہوتا ہے کیونکہ وہ شخص حاملین عرش میں داخل ہے اور اس کی ہمت اسی طرف متوجہ رہتی ہے ،

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کا جسم سبز پرندہ کی صورت میں ہو جاتا ہے پس اس کا پرندہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس کو ملائکہ کے ساتھ وہ نسبت ہے جو اجمالاً احکام جنس کے ظہور میں پرندوں کو زمین پر چلنے والوں کے ساتھ ہے، اور سبز ہونا اس لئے ہے کہ سبزی دیکھنے میں خوشنما معلوم ہوتی ہے، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کی نعمت اور راحت رزق کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جس طرح دنیا

فی الدنیا بالفواکہ والشواء، ثم مست
الحاجة الى تمييز ما يفيد تهذيب النفس
مما لا يفيده وهو مشتبه به فان
الشرع الى بامرين بانتظام الحی والمدينة
والملة وبتكميل النفوس قيل الرجل
يقاتل للمغنم والرجل يقاتل للذكر والرجل
يقاتل ليرى مكانه، فمن يقاتل فی سبيل الله
قال صلی الله عليه وسلم من قاتل لتكون
كلمة الله هی العليا فهو فی سبيل الله:

اقول وذلك لما ذكرنا من ان
الاعمال اجساد وان النيات ارواح لها
انما الاعمال بالنيات فلا عبرة بالجسد
الا بالروح وربما تفيد النية فائدة العمل
وان لم يقترن بها اذا كان فوته لمانع
سماوی دون تفريط منه، وهو قوله
صلی الله عليه وسلم ان بالمدينة اقواما
ما سرتم مسيرا ولا قطعتم واديا الا
كانوا معكم حبسهم العذر وان كان من
تفريط فان النية لم تتم حتى يترتب
عليها الاجر، قال صلی الله عليه وسلم
البركة فی نواصی الخيل، وقال صلی الله
عليه وسلم الخيل معقود فی نواصيها
الخير الی يوم القيامة الاجر والغنيمة:

اعلم ان النبی صلی الله عليه وسلم
بعث بالخلافة العامة، وغلبة دينه
على سائر الاديان لا يتحقق الا بالجهاد
واعداد الآلات فاذا تركوا الجهاد واتبعوا
اذناب البقر احاط بهم الذل وغلب عليهم
اهل سائر الاديان، وقال صلی الله عليه

میوہ جات اور بھنے ہوئے گوشت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے
پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ جو چیز تہذیب نفس کا فائدہ دیتی
ہے اس کو غیر مفید شئ سے الگ کر دیا جائے اور وہ اس کے ساتھ
مشابہ ہے کیونکہ شرع کے اندر دو چیزیں ہیں ایک تو قوم و شہر
اور مذہب کا انتظام اور دوسرے نفوس کی تکمیل، کسی شخص نے
نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا بعض آدمی غنیمت کی خاطر اور
بعض آدمی اظہار شجاعت کی خاطر اور بعض شہرت کی خاطر لڑتا
ہے پس ان میں سے اللہ کی راہ میں کون شخص لڑتا ہے تو نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے
لڑتا ہے پس وہ اس کی راہ میں لڑتا ہے ؛

میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے
کہ اعمال اجساد ہیں اور ان کی روح نیت ہے اور اعمال کا مدار
نیت پر ہے اور جسم کا بغیر روح کے کچھ اعتبار نہیں ہوتا اور بسا
اوقات صرف نیت ہی عمل کا فائدہ دیجاتی ہے اگرچہ اس کے
ساتھ عمل کا اتصال نہ ہو سکے اس عمل کا فوت ہونا اس کی
کوتاہی سے نہ ہو بلکہ کسی آسمانی عارضہ کے سبب ہو، چنانچہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم کسی جگہ پر
نہ چلے اور تم نے کوئی جنگل قطع نہیں کیا مگر وہ تمہارے ساتھ تھے
یہ وہ لوگ ہیں جن کو عذر نے روک دیا" اور اگر وہ عمل اس
شخص کی کوتاہی سے فوت ہوا ہو تو اس کی نیت ہی ناتمام رہی جس
پر اجر مرتب ہوتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "برکت گھوڑوں
کی پیشانی میں ہے" اور آپؐ نے فرمایا "گھوڑوں کی پیشانی میں
بھلائی بندھی ہوئی ہے قیامت تک اجر اور غنیمت ہے،

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خلافت
عامہ کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور آپ کے دین کا دیگر ادیان
پر غلبہ جہاد اور اس کا سامان تیار کئے بغیر ممکن نہیں ہے پس جب
لوگ جہاد ترک کر کے بیلوں کی دموں کے پیچھے ہو لیں گے تو ان
پر ذلت محیط ہو جائے گی اور دیگر اہل مذاہب کا ان پر غلبہ
ہو جائے گا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

وسلم من احتبس فرسا فی سبیل اللہ ایمانا باللہ وتصدیقا بوعدہ فان شبعہ وریہ وروثہ وبولہ فی میزانہ یوم القیامۃ ؛

اقول ذلك لانہ یتعانی فی علفہ وشرابہ وفی روثہ وبولہ، فصار عملہ ذلك متصورا بصورۃ ما تعانی فیہ فیظھر یوم القیامۃ کل ذلك بصورتہ وھیئتہ. قال صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یدخل بالسھم الواحد ثلاثۃ نفر الجنۃ صانعہ یحتسب فی صنعتہ الرمی بہ ومنبلہ وقال علیہ السلام من رمی بسھم فی سبیل اللہ فھو لہ عدل محرر ؛

اقول لما علم اللہ تعالی ان کبت الکفار لا یتم الا بھذہ الاشیاء انتقل رضا الحق بازالۃ الکفر والظلم الی ھذہ قال اللہ تعالی لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج، وقال اللہ تعالی لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج، وقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لرجل الك والدان؟ قال نعم، قال ففیھما فجاھد ؛

اقول لما کان اتیانھم باجمعھم علی الجھاد یفسد ارتفاقاتھم وجب ان لا یقوم بہ الا البعض، وانما تعین غیر المعلول بھذہ العلل لان علی اصحابھا حرجا ولیس فیھم غنیۃ معتدبھا للاسلام بل ربما یخاف المضرۃ منھم، قال اللہ تعالی الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا ؛

اقول اعلاء کلمۃ اللہ لا یتحقق الا بان یوطنوا انفسھم بالثبات والنجدۃ والصبر

"جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر یقین رکھکر اور اس کے وعدہ سچا سمجھکر اللہ کی راہ میں گھوڑا باندھا تو اس کا شکم سیر کرنا اور پانی پلانا اور اس کی لید اور پیشاب کی تکلیف برداشت کرنا قیامت کے روز اسکے میزان عمل میں تُلے گا"۔

میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ وہ شخص اسکو چارہ دینے میں اور اس کو پانی پلانے میں اور اسکی لید اور اسکا پیشاب دور کرنے میں تکلیف برداشت کرتا ہے پس اس کا یہ عمل اس چیز کی صورت میں متشکل ہوگا جس کی اس نے تکلیف گوارہ کی ہے پس قیامت کے دن یہ سب چیزیں اپنی صورت و ہیئت میں ظاہر ہونگی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین شخصوں کو جنت میں داخل کرے گا ایک اس کا بنانے والا جس نے ثواب کی نیت سے اس کو بنایا ہے، دوسرا اس کو چلانے والا تیسرا اس کو اٹھا کر دینے والا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں ایک تیر چلائیگا تو وہ غلام کے آزاد کرنے کے برابر ہوگا"۔

میں کہتا ہوں چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ کفار کا مغلوب ہونا بغیر ان چیزوں کے پورا نہیں ہو سکتا اس واسطے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کفر اور ظلم کے دور کرنے میں ان چیزوں کی طرف بھی منتقل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "نہ تو نابینا پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "نہ ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں کہ شریک جہاد نہ ہوں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا "کیا تیرے ماں باپ ہیں؟ اس نے جواب دیا ہاں، تو آپ نے فرمایا پس تو ان میں جہاد کر"

میں کہتا ہوں چونکہ سب لوگوں کا جہاد میں شریک ہونا ان کے کاروبار اور تدابیر منزلیہ کے فساد کا سبب تھا اس لئے ضروری ہوا کہ سب لوگ جہاد پر نہ جائیں بلکہ بعض لوگ اس کو کریں اور وہ بعض وہ لوگ ہیں جن میں یہ علتیں نہیں پائی جاتیں جن میں یہ علتیں پائی جاتی ہیں ان پر جہاد کرنے میں دقت

اور نہ اسلام کو ان کے جہاد کرنے سے قابل اعتبار نفع ہے بلکہ بعض اوقات ان سے نقصان کا اندیشہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اب

ى مشاق القتال، ولو جرت العادة بان يفروا
ا عثروا على مشقة لم يتحقق المقصود بل
ربما افضى الى الخذلان ۞

وايضا فالفرار جبن وضعف وهو
سوا الاخلاق، ثم لا بد من بيان حد يتحقق
الفرق بين الواجب وغيره ولا تتحقق
نجدة والشجاعة الا اذا كان اسباب الهزيمة
كثر من اسباب الغلبة فقدر اولا بعشرة
مثال لان الكفر يومئذ كان اكثر ولم يكن
مسلمون الا اقل شئ فلو رخص لهم لفر
لم يتحقق الجهاد اصلا ثم خفف الى مثلين
انه لا تتحقق النجدة والثبات فيما دون
ذلك، ثم لما وجب الجهاد لاعلاء كلمة الله
وجب ما لا يكون الاعلاء الا به، ولذلك كان
سد الثغور وعرض المقاتلة ونصب الامراء
في كل ناحية وثغر واجبا على الامام سنة
متوارثة، وقد سن رسول الله صلى الله عليه
وسلم وخلفاءه رضي الله عنهم في هذا الباب
سننا، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم
اذا امر اميرا على جيش او على سرية اوصاه
خاصته بتقوى الله ومن معه من المسلمين
خيرا، ثم قال اغزوا باسم الله في سبيل الله
قاتلوا من كفر بالله اغزوا ولا تغلوا الحديث
انما نهى عن الغلول لما فيه من كسر قلوب
المسلمين واختلاف كلمتهم واختيارهم
النهب على القتال وكثيرا ما يفضى ذلك الى
الهزيمة، وعن الغدر لئلا يرتفع الامان
من عهدهم وذمتهم ولو ارتفع ذهب
اعظم الفتوح واقربها وهي الذمة، وعن

کرنے کو جگہ دیں، اور اگر یہ دستور جاری ہوتا کہ اگر مشقت معلوم ہو
بھاگ جائیں تو مقصد حاصل نہ ہوتا بلکہ بعض اوقات ذلت تک
نوبت پہنچتی،

اور نیز بھاگنا بزدلی اور کمزوری کی علامت ہے اور یہ بدترین
اخلاق میں سے ہے، پھر ضروری ہوا کہ اس کی کوئی حد بیان کیجائے
جس سے واجب اور غیر واجب میں فرق ہوجائے اور دلیری
اور شجاعت اسی وقت پائی جاتی ہے جب شکست کے اسباب
غلبہ کے اسباب سے زیادہ ہوں پس اولاً دس مثل سے اس کا اندازہ
کیا گیا کیونکہ اس وقت کفر اسلام سے زیادہ تھا اور مسلمان بہت
ہی کم تھے پس اگر ان کو بھاگنے کی اجازت دیجاتی تو جہاد کبھی نہ پایا
جاتا پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر دو مثل تخفیف کی کیونکہ دلیری
اور ثبات اس سے کم میں نہیں پایا جاتا، پھر چونکہ جہاد اعلاء
کلمۃ اللہ کے واسطے واجب ہوا ہے اسواسطے وہ چیز بھی واجب ہوئی
جس کے بغیر اعلاء کلمۃ اللہ نہ ہوسکے اور اسی وجہ سے سرحدوں کا بند
کرنا اور جنگ کے لئے تیار رہنا اور تمام اطراف اور ناکوں پر
افسروں کا مقرر کرنا ضروری ہوا اور ایک متوارث دستور قرار پایا
اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم
نے اس بات میں بہت کو طریقے مقرر فرمائے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر مقرر کرتے تھے تو خاص
اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور اس کے ساتھی مسلمانوں
کو بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے تھے اور فرماتے تھے اللہ کی
راہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جہاد کرو اور جو اللہ کا انکار کرے
اس سے قتال کرو اور جہاد کرو اور خیانت نہ کرو الحدیث،

خیانت سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس لئے منع فرمایا کہ
خیانت کرنے سے مسلمانوں کی دل شکنی ہوگی اور ان میں اختلاف پیدا
ہوجائیگا اور وہ قتال کو چھوڑ کر لوٹنے میں لگ جائیں گے اور
ایسی باتوں سے بسا اوقات شکست ہوجاتی ہے، اور عہد شکنی سے
اس لئے منع فرمایا تاکہ امن و امان ان کے عہد اور ذمہ سے مرتفع نہ
ہو اور اگر امن جاتا رہے تو سب سے بڑی اور اقرب فتح یعنی ذمہ انکے ہاتھ

المثلة لانه تغيير خلق الله، وعن قتل الوليد لانه تضييق على المسلمين واضرار بهم فانه لو بقي حيا لصار رقيقا لهم واتبع السابي في الاسلام.

وايضا فانه لا ينكأ عدوا ولا ينصر فئة.

والدعوة الى ثلاث خصال مترتبة

الاولى الاسلام مع الهجرة والجهاد وحينئذ له ما للمجاهدين من الحق في الفيء والمغانم

الثانية الاسلام من غير هجرة ولا جهاد الا في النفير العام وحينئذ ليس له نصيب في المغانم والفيء، وذلك لان الفيء انما يصرف الى الاهم فالاهم والعادة قاضية بان لا يسع بيت المال الصرف الى المتوطنين في بلادهم غير المجاهدين فلا اختلاف بين هذا وبين قول عمر رضي الله عنه فلئن عشت فيأتين الراعي وهو بسرو حمير نصيبه منها لم يعرق فيها جبينه يعني اذا فتح كنوز الملوك وجيء من الخراج شيء كثير فيبقى بعد حظ المقاتلة وغيرهم.

الثالثة ان يكونوا من اهل الذمة ويؤدوا الجزية عن يد وهم صاغرون، فبالاولى تحصل المصلحتان من نظام المدن ودفع التظالم من بينهم ومن تهذيب نفوسهم بان يجمعوا نجاتهم من النار ويبوؤا ساعين في تمشية امر الله، وبالثانية النجاة من النار من غير ان ينالوا درجات المجاهدين، وبالثالثة زوال شوكة الكفار وظهور شوكة المسلمين، وقد بعث النبي صلى الله عليه وآله وسلم لهذه المصالح، ويجب على الامام ان ينظر في سبب ظهور

سے جاتا رہا اور نبی صلے اللہ وسلم نے مقتول کی صورت بگاڑنے کو منع فرمایا کیونکہ اس میں اللہ کی پیدائش کا متغیر کر دینا ہے اور بچوں کے قتل سے بھی منع کیا کیونکہ اس میں مسلمانوں پر تنگی اور انکو ضرر پہنچانا ہے کیونکہ اگر وہ بچہ زندہ رہتا تو وہ ان کا غلام بنتا اور اسلام کا فرمانبردار ہوتا،

اور نیز بچہ نہ اپنے دشمن کو ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ اپنے گروہ کی مدد کر سکتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کو تین باتوں کی طرف ترتیب وار بلانے کا حکم فرمایا ہے ان میں سے پہلی بات ہے کہ اسلام لاکر ہجرت اور جہاد کرے اور اس وقت اس شخص کے لئے غنیمت اور خراج کے مال میں سے مجاہدین کے برابر حصہ ہے دوسرے یہ کہ بغیر ہجرت اور جہاد کے اسلام لائے بجز اس صورت کے جہاد نفیر عام اور جنگ عام ہو، اور اس وقت غنیمت اور خراج میں اس شخص کا حصہ نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت المال ضروری امور میں صرف ہوتا ہے اور عادت اس بات کا حکم کرتی ہے کہ بیت المال میں اس قدر گنجائش نہیں ہوتی کہ مجاہدین کے علاوہ شہروں کے رہنے والوں کا خرچ بھی برداشت کیا جائے پس اس میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں کچھ مخالفت نہیں کہ "اگر میں زندہ رہا تو بلاشبہ ایک چرواہے کو بھی جو حمیر کے کسی شہر پر رہتا ہو اور اس کی پیشانی پر اس غنیمت کے حاصل کرنے میں پسینہ تک نہ آیا ہو غنیمت کے مال میں سے حصہ ملیگا یعنی جب بادشاہوں کے خزانے فتح کئے جائیں گے اور کثرت سے خراج آئیگا تو مقاتلین وغیرہم کے حصہ کے بعد اس کے لئے بھی باقی رہ جائیگا، تیسرے یہ کہ وہ لوگ اہل ذمہ ہوں اور ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں، پس پہلی بات میں دو مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں ایک تو ملک کا انتظام اور باہمی ظلم کو رفع کرنا، اور دوسرے تہذیب نفس کہ وہ دوزخ سے نجات حاصل کریں اور حکم الٰہی کی پیروی میں کوشش کریں، اور دوسری بات میں صرف دوزخ سے نجات پانا ہے بغیر اس کے کہ ان کو مجاہدین کے درجات حاصل ہوں، اور تیسری بات میں کفار کی شوکت کا زائل ہونا اور مسلمانوں کی شوکت کا ظاہر ہونا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مصلحتوں کے قائم کرنے کیلئے مبعوث ہوئے ہیں، اور امام پر واجب

شوكة المسلمين وقطع ايدى الكفار عنهم
يجتهد ويتأمل فى ذلك فيفعل ما ادى اليه
اجتهاده مما عرفنا هو او نظيره عن النبى
صلى الله عليه وسلم وخلفائه رضى الله عنهم
لان الامام انما جعل لمصالح ولا تتم الا
بذلك والاصل فى هذا الباب سير النبى
صلى الله عليه وسلم ٭

ونحن نذكر حاصل احاديث الباب
فنقول يجب ان يشحن ثغور المسلمين
بجيوش يكفون من يليهم ويؤمر عليهم
رجلا شجاعا ذا رأى ناصحا للمسلمين ان
احتاج الى حفر خندق او بناء حصن فعل
كما فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم
يوم الخندق واذا بعث سرية امر عليهم
افضلهم او انفعهم للمسلمين وارصاه فى نفسه
وبجماعة المسلمين خيرا كما كان رسول
الله صلى الله عليه وسلم يفعل، واذا اراد الخروج
للغزو عرض جيشه ويتعاهد الخيل والرجال
فلا يقبل من دون خمس عشرة سنة كما
كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعل ذلك
ولا مخذلا وهو الذى يثبط الناس عن الغزو
ولا مرجفا وهو الذى يحدث بقوة الكفار،
والاصل فيه قوله تعالى كره الله انبعاثهم
فثبطهم وقيل اقعدوا مع القاعدين لو
خرجوا فيكم ما زادوكم الا خبالا، ولا مشركا
لقوله صلى الله عليه وسلم انا لا نستعين
بمشرك الا عند ضرورة ووثوق به ولا
امراة شابة يخاف عليها ويأذن للطاعنة
فى السن، لانه صلى الله عليه وسلم كان

کہ مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہونے کے اور کفار کے زیر کرنے کے اسباب
میں غور کرے اور ان میں کوشش اور تامل کرے پس جو اس کے
اجتہاد میں آئے اس پر عمل کرے بشرطیکہ وہ یا اس کی نظیر رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یا آپ کے خلفاء سے ثابت ہو اسواسطے
کہ امام مصلحتوں کے قائم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور یہ مصلحتیں بغیر
اس کے تمام نہیں ہوتیں، اور اصل اس باب میں رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے،

اور ہم اس باب کی احادیث کا حاصل بیان کرتے ہیں، پس
ہم کہتے ہیں کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کی سرحدوں کو اس
قدر فوج سے جوان کے آس پاس کے دشمنوں کیلئے کافی ہو سکے محفوظ
رکھے اور ان لشکروں کا سپہ سالار ایسے شخص کو مقرر کرے جو دلیر صاحب
رائے اور مسلمانوں کا خیر خواہ ہو، اور اگر خندق کے کھودنے یا قلعہ
کے بنانے کی ضرورت پڑے تو وہ اس کو کرے جیسا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خندق میں کیا تھا، اور جب کسی دستہ
کو بھیجے تو ان پر ایسے شخص کو سپہ سالار بنائے جو ان سب میں افضل ہو
اور مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ نفع رساں ہو اور اس کو اس
کے حق میں اور مسلمانوں کی جماعت کے حق میں بھلائی کرنے کی
نصیحت کرے جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور
جب جہاد کے لئے جانے کا ارادہ کرے تو اپنے لشکر کا جائزہ لے اور
سوار و پیادوں کو دیکھے پس پندرہ سال سے کم عمر والے کو فوج میں نہ
لے جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا اور نہ اس شخص
کو فوج میں لے جو مخذل ہو یعنی اس شخص کو جو اوروں کو بھی جہاد سے
باز رکھے اور نہ اس شخص کو فوج میں لے جو مرجف ہو یعنی وہ جو کفار
کی قوت و شوکت بیان کر کے لشکر اسلام میں رعب و خوف پیدا کرے
اور اس میں دلیل اللہ کا یہ قول ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا اٹھنا اور نکلنا
پسند نہ کیا پس انکو ہلنے جلنے ہی نہ دیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ جہاں معذور
بیٹھے ہیں تم بھی انکے ساتھ بیٹھے رہو اگر وہ تم میں شامل ہو کر نکل بھی
کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے" اور نہ مشرک کو فوج میں
لے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم بلا شبہ کسی مشرک سے مدد نہیں چاہتے

ہاں جس وقت کہ ضرورت ہو اور اس پر اعتماد ہو، اور نہ جوان عورت کو جس پر فتنہ کا خوف ہو فوج میں لے ہاں عمر رسیدہ عورت کیلئے اجازت دے کیونکہ نبی

يغزو بام سليم ونسوة من الانصار يسقين الماء ويداوين الجرحى ويعبي الجيش ميمنة وميسرة ويجعل لكل قوم راية ولكل طائفة اميرا وعريفا كما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفتح لانه اكثر ارهابا واقرب ضبطا ويعين لهم شعارا يتكلمونه في البيات لئلا يقتل بعضهم بعضا كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعل ويخرج يوم الخميس او الاثنين فانهما يومان يعرض فيهما الاعمال، وقد ذكرنا من قبل، ويكلفهم من السير ما يطيقه الضعيف الا عند الضرورة ويتخير لهم من المنازل اصلحها واوفرها ماء او ينصب الحرس والطلائع اذا خاف العدو ويخفي من امره ما استطاع ويوري الا من ذوي الرأي والنصيحة ؞

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقطع الايدي في الغزو، وسره ما بينه عمر رضي الله عنه ان لا تلحقه حمية الشيطان فيلحق بالكفار، ولانه كثيرا ما يفضي الى اختلاف بين الناس وذلك يخل بمصلحتهم، ويقاتل اهل الكتاب والمجوس حتى يسلموا او يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون، ولا يقتل وليدا ولا امرأة ولا شيخا فانيا الا عند ضرورة كالبيات، ولا يقطع الشجر ولا يحرق ولا يعقر الدواب الا اذا تعينت المصلحة في ذلك كالبويرة قرية بني النضير ولا يخيس بالعهد ولا

ام سلیم اور انصار کی چند عورتوں کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے جو زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، اور امام کو چاہیے کہ لشکر کے دو حصہ میمنہ اور میسرہ مقرر کرے اور ہر گروہ کا ایک جھنڈا اور ہر طائفہ کے لئے ایک سردار اور لڑانے والا مقرر کرے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کیا تھا کیونکہ اس میں دشمنوں پر بھی زیادہ خوف ہوتا ہے اور فوج پر بھی قابو رہتا ہے، اور نیز ان کے لئے شناخت مقرر کرے کہ شب خوں کرتے وقت باہم اس کو بولا کریں تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کر دے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور جمعرات یا پیر کے روز جہاد کے لئے کوچ کرے کیونکہ یہ دونوں ایسے دن ہیں جن میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور ہم اسکو پہلے بیان کر چکے ہیں اور ان کو اس قدر راستہ چلائے کہ کمزور لوگ بھی اس کی طاقت رکھتے ہوں بجز ضرورت کے وقت کے اور نہ ان کے لئے ایسی جگہ تجویز کرے جو سب میں عمدہ ہو اور وہاں پانی کی کثرت ہو، اور جب دشمن کا خوف ہو تو پہرہ دار مقرر کرے اور بلند جگہ پر کچھ لوگوں کو مقرر کرے جو دشمن کو دور سے دیکھتے رہیں اور جس قدر ہو سکے اپنے حالات پوشیدہ رکھے مگر صاحب رائے اور خیر خواہ سے پوشیدہ نہ رکھے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جہاد میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں" یعنی حد میں اور اس میں وہی راز ہے جو حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا ہے کہ اس شخص کو غیرت شیطانی نہ لاحق ہو جائے پس وہ کفار کے ساتھ جا ملے اور نیز اس سے لوگوں میں بسا اوقات اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے لوگوں کی مصلحت میں خلل پڑ جاتا ہے، اور امام اہل کتاب اور مجوس سے مقاتلہ کرے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا عاجز ہو کر جزیہ دینا قبول کریں اور کسی بچہ کو یا عورت کو یا بہت بوڑھے آدمی کو قتل نہ کرے مگر ضرورت کے وقت جیسا کہ شب خوں میں، اور نہ درخت کاٹے اور نہ ان کو جلائے اور نہ مویشیوں کو ہلاک کرے، ہاں جبکہ اس میں مصلحت ہو تو کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ بنی نضیر کے گاؤں بویرہ میں کیا گیا، اور

يحبس البرد لانه سبب انقطاع المراسلة
بينهم، ويجوز فان الحرب خدعة، ويهجم
عليهم غارين ويرميهم بالمنجنيق ويحاصرهم
ويضيق عليهم ثبت عن رسول الله صلى
الله عليه وسلم كل ذلك، ولان القتال لا
يتحقق الا به كما لاحاجة الى شرحه، ويجوز
المبارزة باذن الامام لمن وثق بنفسه
كما فعل علي وحمزة رضي الله عنهما، و
للمسلمين ان ينتفعوا فيما يجدونه هنالك
من العلف والطعام من غير ان يخمس
لانه لو لم يرخص فيه لضاق الحال فاذا
اسروا اسراء خير الامام بين اربع خصال
القتل والفداء والمن والارقاق يفعل من
ذلك الاحظ وللامام ان يعطيهم الامان اولا
حادهم والاصل فيه قوله تعالى وان احد من
المشركين استجارك فاجره وذلك لان
دخولهم في الاسلام لايتحقق الا بمخالطة
المسلمين ومعرفة حجتهم وسيرتهم
وايضا فكثيرا ما تقع الحاجة الى تردد
تجار واشباههم، ويصالحهم بمال وبغير
مال فان المسلمين ربما يضعفون عن مقاتلة
الكفار فيحتاجون الى الصلح وربما يحتاجون
الى المال يتقوون به، او الى ان يأمنوا من
شر قوم فيجاهدوا الآخرين، قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم لا الفين احدكم يجيء يوم
القيامة على رقبته بعير له رغاء يقول يا
رسول الله اغثني فاقول لا املك لك شيئا
قد بلغتك ونحو ذلك قوله صلى الله عليه
وسلم على رقبته فرس له حمحمة وشاة

نقض عہد کرے اور نہ سفیر کو قید کرے کیونکہ اس سے باہمی خط
وکتابت منقطع ہوجاتی ہے، اور لڑائی میں دھوکا دیا کرے کیونکہ
لڑائی داؤں گھات کا نام ہے، اور غفلت کی حالت میں ان پر
چھاپہ مارے اور ان پر گولہ باری کرے اور ان کا محاصرہ کرے اور
ان کو تنگ کرے، یہ سب باتیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور
اس لئے کہ قتال ان امور کے بغیر نہیں ہوتا جس کی شرح کی ضرورت
نہیں، اور جس شخص کو اپنے نفس پر بھروسہ ہو اس کو امام کی اجازت
سے لڑنا جائز ہے جیسا کہ حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ
عنہما نے کیا، اور مسلمانوں کو چارہ اور اناج جو مخالفین سے حاصل
ہو بلا خمس نکالے تصرف کرنا جائز ہے اس لئے کہ اگر اس کی
اجازت نہ دیجائے تو لوگوں کو دقت ہو اور جب مخالفین قید ہوکر
آئیں، تو امام کو چار باتوں میں سے ہر بات کا اختیار ہے چاہے قتل
کرے چاہے فدیہ لے چاہے احسان رکھکر چھوڑ دے اور چاہے غلام
بنالے ان میں سے جو زیادہ نافع ہو عمل میں لائے اور امام کیلئے
جائز ہے کہ ان سب کو یا ان میں سے بعض کو امن دیدے اور اسکی
دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے
تو اس کو پناہ دے"، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کا اسلام میں داخل
ہونا مسلمانوں کے ساتھ میل جول کرنے اور ان کے دلائل کو سننے
اور انکی سیرت کو معلوم کرنے کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور نیز بسا اوقات
تجار وغیرہ کی آمد ورفت کی ضرورت ہوتی ہے اور امام کو اختیار ہے
کہ مال لیکر یا بغیر مال لئے ان سے صلح کرلے کیونکہ بسا اوقات
مسلمانوں کو کفار سے مقاتلہ کی طاقت نہیں ہوتی پس ان کو صلح کی
ضرورت پڑتی ہے اور بسا اوقات مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہوتی ہے کہ
اس کے ذریعہ قوت حاصل کریں یا ایک قوم کے شر سے بچکر دوسری
قوم سے قتال کی ضرورت پڑتی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
قیامت کے دن میں تم سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر اونٹ
ہو اور بخ بخ کرتا ہو اور وہ شخص کہتا ہو یا رسول اللہ میری مدد
کیجئے تو میں اس سے کہوں مجھے تیرے لئے کسی بات کا اختیار نہیں ہے میں
تجھکو احکام سنا چکا تھا" اور اسی کے مثل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

قول ہے کہ اس کی گردن پر گھوڑا ہنہناتا ہو اور بکری ہو

لها يحار ونفس لها صياح ورقاع تخفق

اقول الاصل في ذلك ان المعصية تتصور بصورة ما وقعت فيه، واما حمله فثقله والتأذي به، واما صورته فحقوبته باشاعة فاحشته على رؤوس الناس، قال صلى الله عليه وسلم اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه كله واضربوه وعمل به ابوبكر وعمر رضي الله عنهما۔

اقول سره الزجر وكبح الناس ان يفعلوا مثل ذلك۔

واعلم ان الاموال الماخوذة من الكفار على قسمين ما حصل منهم بايجاف الخيل والركاب واحتمال اعباء القتال وهو الغنيمة وما حصل منهم بغير قتال كالجزية والخراج والعشور الماخوذة من تجارهم وما بذلوا صلحا او هربوا عنه فزعا فالغنيمة تخمس ويصرف الخمس الى ما ذكر الله تعالى في كتابه حيث قال واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسه وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل فيوضع سهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بعده في مصالح المسلمين الاهم فالاهم، وسهم ذوي القربى في بني هاشم وبني المطلب الفقير منهم والغني والذكر والانثى، وعندي انه يخير الامام في تعيين المقادير، وكان عمر رضي الله عنه يزيد في فرض آل النبي صلى الله عليه وسلم من بيت المال ويعين المدين منهم والناكح وذا الحاجة، وسهم اليتامى لصغير فقير لا اب له، وسهم

ممیاتی ہو اور کوئی شخص گردن پر سوار ہو اور وہ چیختا ہو، راس کی گردن پر کیڑے ہو کر حرکت کرتے ہوں۔

میں کہتا ہوں اس میں اصل یہ ہے کہ گناہ جس چیز میں واقع ہوئے اسی کی صورت میں وہ متشکل ہوگا اور اس کا اٹھانا اس لئے ہوگا کہ اس سے تکلیف اور ایذا پہنچے اور ان چیزوں کی آواز اس لئے ہوگی کہ اس کا وہ گناہ لوگوں کے سامنے ظاہر اور مشہور ہو جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی شخص کو پاؤ کہ اس نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے تو اس کا سب اسباب جلا دو اور اس کو مارو، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اس پر عمل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس میں راز خائن کو سرزنش کرنا اور لوگوں کو ایسے فعل سے باز رکھنا ہے۔

واضح ہو کہ جو مال کفار سے لئے جاتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ مال ہے جو گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے اور قتال کی مشقت برداشت کرنے سے حاصل ہوتا ہے ایسے مال کو غنیمت کہتے ہیں اور ایک وہ مال ہے جو بغیر قتال کے کفار سے حاصل ہوتا ہے جیسے جزیہ، خراج اور عشور جو ان کے تجار سے لئے جاتے ہیں، اور وہ مال جو صلح میں کفار دیتے ہیں یا پریشان ہو کر اس کو چھوڑ بھاگتے ہیں پس غنیمت کے پانچ حصے کئے جائینگے اور پانچواں حصہ ان مواضع میں خرچ کیا جائیگا جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور جان لو جو چیز تم کفار سے لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کا اور اسکے رسول کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے" پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کے بعد مسلمانوں کے اہم امور میں بالترتیب خرچ کرنا چاہیئے، اور اہل قرابت کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب میں ان کے فقیر اور امیر اور مرد اور عورت پر خرچ کرنا چاہیئے اور میرے نزدیک مقداروں کے معین کرنے میں امام کو اختیار ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آل رسول کے حصہ میں بیت المال سے زیادہ کر دیتے تھے، اور ان میں سے جو لوگ مقروض یا محتاج نکاح ہوتے اور حاجت مند ہوتے تھے انکی اعانت کیا کرتے تھے اور یتیموں کا حصہ

چھوٹے چھوٹے محتاج بچوں کو جن کا باپ نہ ہو

الفقراء والمساكين لهم يفوض كل ذلك الى الامام يجتهد في الفرض وتقديم الاهم فالاهم ويفعل ما ادى اليه اجتهاده ويقسم اربعة اخماسه في الغانمين يجتهد الامام اولا في حال الجيش فمن كان نفله اوفق بمصلحة المسلمين نفل له، وذلك واحد من ثلاث، ان يكون الامام دخل دار الحرب فبعث سرية تغير على قرية مثلا فيجعل لها الربع بعد الخمس او الثلث بعد الخمس فما قدمت به السرية رفع خمسه ثم اعطى السرية ربع ما بقي او ثلثه وجعل الباقي في المغانم، وثانيها ان يجعل الامام جعلا لمن يعمل عملا فيه غناء عن المسلمين مثلا ان يقول من طلع هذا الحصن فله كذا من جاء بأسير فله كذا من قتل قتيلا فله سلبه، فان شرط من مال المسلمين اعطى منه وان شرط من الغنيمة اعطى من اربعة اخماس، وثالثها ان يخص الامام بعض الغانمين بشئ لغنائه وبأسه كما اعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم سلمة ابن الاكوع في غزوة ذي قرد سهم الفارس والراجل حيث ظهر منه نفع عظيم للمسلمين والاصح عندي ان السلب انما يستحقه القاتل بجعل الامام قبل القتل او تنفيله بعده ويرفع ما ينبغي ان يرضخ دون السهام للنساء يداوين المرضى ويطبخن الطعام ويصلحن شان الغزاة وللعبيد والصبيان واهل الذمة الذين اذن لهم الامام ان حصل منهم نفع للغزاة وان عثر على ان شيئا

دیا جائے، اور فقراء اور مساکین کا حصہ ان کو دیا جائے ان سب باتوں کا امام کو اختیار ہے کہ وہ حصہ کے بارے میں اور اہم کو مقدم کرنے میں اجتہاد کرے اور اجتہاد سے جو اس کو معلوم ہو اس پر عمل کرے، اور غنیمت کے پانچ حصوں میں سے باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرے امام سب سے پہلے لشکر کے حال میں غور کرے پس جس کو زیادہ دینا مسلمانوں کی مصلحت کے موافق ہو تو اس کو زیادہ دے، اور اسکی تین صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ امام دار الحرب میں داخل ہو کر مثلاً ایک چھوٹی سی جماعت کو کسی گاؤں پر دھاوا کرنے کے لئے روانہ کرے پس خمس کے بعد چہارم یا تہائی ان کے لئے مقرر کرے پس یہ جماعت وہاں سے جو کچھ لوٹ کر لائے اس میں سے خمس نکالکر باقی کا ربع یا ثلث اس جماعت کو دیدے اور اس کے بعد جو باقی رہے وہ غنیمت میں شامل کر دے، دوسری صورت یہ ہے کہ امام اس شخص کے لئے کسی ایسے کام پر جس میں مسلمانوں کا بھلا ہو کوئی انعام مقرر کر دے مثلاً امام کہدے کہ جو شخص اس قلعہ پر چڑھیگا اس کو اسقدر مال ملیگا یا جو کسی کو قید کر کے لائیگا تو اس کو یہ انعام ملے گا یا جو کسی کو ماریگا اس کو اس کا سامان دیا جائیگا پس اگر مسلمانوں کے مال میں سے دینا شرط کیا ہے تب تو اس میں سے دے اور اگر غنیمت میں سے دینا شرط کیا ہے تو پانچواں حصہ نکالنے کے بعد جو باقی رہا ہو اس میں دے، اور تیسری صورت یہ ہے کہ امام بعض مجاہدین کو اس کی مشقت اور عرقریزی کی وجہ سے کسی شی کے ساتھ مخصوص کر دے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذی قرد میں سلمۃ بن الاکوع کو سوار و پیدل کا حصہ عطا فرمایا کیونکہ ان کی ذات سے مسلمانوں کو بہت نفع پہنچا تھا، اور میرے نزدیک صحیح تر یہ ہے کہ مقتول کے سامان کا قاتل مستحق ہے خواہ قتل سے قبل امام کے مقرر کرنے سے یا قتل کے بعد نفل کے طور پر دیدے، اور امام کو چاہئے کہ حصہ سے کم کسی قدر مال، ان عورتوں کیلئے علیحدہ کرے جو مریضوں کی دوا دارو کرتی ہیں اور ان کا کھانا پکاتی ہیں اور مجاہدین کا کام کرتی ہیں، اور غلاموں اور بچوں اور اہل ذمہ کو بھی دے جنکو امام نے اجازت دی تھی بشرطیکہ ان سے مجاہدین کو نفع پہنچا ہو،

ہو اور اگر امام کو یہ معلوم ہو کہ مال غنیمت میں سے کچھ ا

من الغنيمة كان مال مسلم ظفر به العدو رد عليه بلا شئ، ثم يقسم الباقی علی من حضر الوقعة للفارس ثلاثة اسهم وللراجل سهم ؛

وعندی انه ان رأی الامام ان يزيد لركبان الابل او للرماة شيئا او يفضل لعز على البراذين بشئ دون السهم فله ذلك بعد ان يشاور اهل الرأی و يكون امرا لا يختلف عليه لاجله وبه يجمع اختلاف سير النبی صلی الله عليه وسلم و اصحابه رضی الله عنهم فی الباب، ومن بعثه الامير لمصلحة الجيش كالبريد والطليعة والجاسوس يسهم له وان لم يحضر الوقعة كما كان لعثمان يوم بدر، واما الفئ فمصرفه ما بين الله تعالی حيث قال ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول ولذی القربی واليتامی والمساكين وابن السبيل الی قوله تعالی رءوف رحيم، ولما قرأها عمر رضی الله عنه قال هذه استوعبت المسلمين، فيصرفه الی الاهم فالاهم وينظر فی ذلك الی مصالح المسلمين لا مصلحته الخاصة به، واختلف السنن فی كيفية قسمة الفئ، فكان رسول الله صلی الله عليه وسلم اذا اتاه الفئ قسمه فی يومه فاعطی الاهل حظين واعطی الاعزب حظا، وكان ابو بكر رضی الله عنه يقسم للحر والعبد يتوخی كفاية الحاجة ووضع عمر رضی الله عنه الديوان علی السوابق والحاجات، فالرجل وقدمه

کسی مسلمان کا ہے جس کو کفار چھین کر لے گئے تھے تو بغیر کچھ لئے وہ مال اس مسلمان کو واپس کر دے پھر باقی مال کو ان لوگوں میں جو لڑائی میں شریک تھے اس طرح تقسیم کر دے کہ سوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ،

اور میری رائے میں یہ درست ہے کہ اگر امام مناسب سمجھے کہ شتر سواروں کو یا تیر اندازوں کو کچھ زیادہ حصہ دے یا گھوڑے کے سوار کو خچر کے سوار سے کسی قدر مال جو حصہ سے کم ہو زیادہ دے تو وہ ایسا کر سکتا ہے بعد اس کے کہ اس نے اہل الرائے سے اس کے بارے میں مشورہ لیا ہو اور وہ ایسا امر ہو جس کی وجہ سے کوئی شخص امام سے اختلاف نہ کرے اور اسی قول سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی سیرتیں جو اس باب میں اختلاف ہے اس میں تطبیق ہو سکتی ہے اور جس شخص کو امام لشکر کی مصلحت سے روانہ کرے جیسے قاصد یا طلیعہ یا جاسوس تو امام اسکو بھی حصہ دے اگرچہ وہ لڑائی میں موجود نہ تھا جیسے کہ جنگ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو غنیمت میں حصہ دیا اور مال فئی کا مصرف وہ مواضع ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے "جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں کے دلوایا ہے وہ اللہ اور پیغمبر اور پیغمبر کے قرابت والوں اور یتیموں اور حاجتمندوں اور مسافروں کیلئے ہے، الیٰ قولہ رَؤُفٌ الرَّحِیْمُ" اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت پڑھی تو کہا اس نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے پس امام جہاں زیادہ ضرورت دیکھے اس کو صرف کرے اور اس میں مسلمانوں کی عام مصلحتوں کی طرف غور کرے نہ کہ اپنی کسی خاص مصلحت کی طرف،

اور فئی کی تقسیم کرنے کی کیفیت میں احادیث مختلف ہیں پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جس روز مال فئی آتا آپ اسی روز اس کو تقسیم کر دیتے پس شادی شدہ کو دو حصہ اور غیر شادی شدہ کو ایک حصہ دیتے تھے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حر اور غلام میں بقدر حاجت تقسیم کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دفتر مقرر کیا تھا جس میں سابقین اور حاجت مند کی رعایت کی جاتی تھی

۳ یعنی آدمی کی قدامت اسلام

۴ ... مال جو بلا جنگ کے حاصل ہو جائے ۱۲،

والرجل وبلاؤه، والرجل وعياله والرجل وحاجته، والاصل في كل ما كان مثل هذا من الاختلاف ان يحمل على انه انما فعل ذلك على الاجتهاد فتوخى كل المصلحة بحسب ما رأى في وقته والاراضي التي غلب عليها المسلمون للامام فيها الخيار ان شاء قسمها في الغانمين وان شاء اوقفها على الغزاة كما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بخيبر قسم نصفها ووقف نصفها، ووقف عمر رضي الله عنه ارض السواد، وان شاء اسكنها الكفار ذمة لنا وامر النبي صلى الله عليه وسلم معاذا رضي الله عنه ان يأخذ من كل حالم دينارا او عدله معافر، وفرض عمر رضي الله عنه على الموسر ثمانية واربعين درهما، وعلى المتوسط اربعة وعشرين، وعلى الفقير المعتمل اثني عشر.

ومن هنا يعلم ان قدره مفوض الى الامام يفعل ما يرى من المصلحة ولذلك اختلفت سيرهم، وكذلك الحكم عندي في مقادير الخراج وجميع ما اختلفت فيه سير النبي صلى الله عليه وسلم وخلفائه رضي الله عنهم، وانما اباح الله لنا الغنيمة والفيء لما بينه النبي صلى الله عليه وسلم حيث قال لم تحل الغنائم لاحد من قبلنا ذلك بان الله رأى ضعفنا وعجزنا فاحلها لنا، وقال صلى الله عليه وسلم ان الله فضل امتي على الامم واحل لنا

اور اس کی مصیبت اور عیال داری اور اس کی ضرورت کا لحاظ کیا جاتا تھا، اور ایسے اختلافات میں اصل یہ ہے کہ یہ اس بات پر محمول ہیں کہ ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے موافق کیا اور اپنے وقت میں جیسی مصلحت مناسب سمجھی اس پر عمل کیا اور جن اراضی پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگیا ان میں امام کو اختیار ہے چاہے مجاہدین میں تقسیم کردے اور چاہے ان اراضی کو غازیوں پر وقف کردے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں کیا تھا کہ نصف زمین کو تقسیم کردیا تھا اور نصف کو وقف کردیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارض سواد کو وقف کیا تھا اور اگر امام چاہے تو مسلمانوں کی رعیت بنا کر کفار کو وہاں رہنے دے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر یمنی کپڑا اخذ کریں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مالداروں پر اڑتالیس درہم اور متوسط لوگوں پر چوبیس درہم اور غریبا پر جو مزدوری کرتا ہو بارہ درہم مقرر کئے تھے۔

اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امر میں اندازہ امام کی رائے پر موقوف ہے جیسی مصلحت دیکھے عمل میں لائے اور اسی لئے اس امر میں ان کے عمل مختلف پائے گئے ہیں، اور میرے نزدیک یہی حکم مقادیر خراج اور ان سب امور میں ہے جن میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم کی عادات مختلف پائی گئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے غنیمت اور فئی کو اسی وجہ سے مباح کیا ہے جس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ "ہم سے پیشتر کسی کے لئے غنیمت حلال نہ تھی اس واسطے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر ضعف اور عجز کو دیکھا تو غنائم کو ہمارے لئے حلال کردیا۔

اور آپ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی اور ہمارے لئے غنائم کو حلال کردیا۔

الغنائم وقد شرحنا هذا في القسم الأول فلا نعيده، والأصل في المصارف أن أمهات المقاصد أمور، منها إبقاء ناس لا يقدرون على شيء لزمانة أو لاحتياج مالهم أو بعده منهم، ومنها حفظ المدينة عن شر الكفار بسد الثغور ونفقات المقاتلة والسلاح والكراع، ومنها تدبير المدينة وسياستها من الحراسة والقضاء وإقامة الحدود والحسبة، ومنها حفظ الملة بنصب الخطباء والأئمة والوعاظ والمدرسين، ومنها منافع مشتركة ككري الأنهار وبناء القناطير ونحو ذلك، وأن البلاد على قسمين، قسم يتجرد لأهل الإسلام كالحجاز أو غلب عليه المسلمون، وقسم أكثر أهله الكفار تغلب عليهم المسلمون بعنوة أو صلح، والقسم الثاني يحتاج إلى شيء كثير من جمع الرجال وإعداد آلات القتال ونصب القضاة والحرس والعمال والأول لا يحتاج إلى هذه الأشياء كاملة وافرة، وأراد الشرع أن يوزع بيت المال المجتمع في كل بلد على ما يلائمها فجعل مصرف الزكاة والعشر ما يكون فيه كفاية المحتاجين أكثر من غيرها، ومصرف الغنيمة والفيء ما يكون فيه إعداد المقاتلة وحفظ الملة وتدبير المدينة أكثر، ولذلك جعل سهم اليتامى والمساكين والفقراء من الغنيمة والفيء أقل من سهمهم من الصدقات، وسهم

اور قسم اول میں ہم اس کی شرح کر چکے ہیں پس اب ہم اسکا اعادہ نہیں کرتے اور مصارف میں اصل یہ ہے کہ اصول مقاصد کے چند امر ہیں ازاں جملہ ان لوگوں کا باقی رکھنا جو کسی چیز پر قادر نہیں ہیں خواہ اپاہج ہونے کی وجہ سے یا تنگدست ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ کر وہ اپنے مال سے بعید ہو گئے ہیں

اور ازاں جملہ شہر کی سرحدیں محفوظ کر کے اور لشکر اور ہتھیار اور گھوڑوں کا خرچ برداشت کر کے کفار کے شر سے محفوظ رکھنا

اور ازاں جملہ شہر کا انتظام کرنا اور نگہبان اور قاضی اور محتسبین مقرر کر کے اور سرحدیں قائم کر کے شہر کا بند و بست کرنا

اور ازاں جملہ خطیب اور واعظین اور ائمہ اور مدرسین مقرر کر کے دین کی حفاظت کرنا ہے

اور ازاں جملہ منافع مشترکہ ہیں مثلاً نہروں کا کھدوانا اور پل تعمیر کرانا وغیرہ

دوسرے یہ کہ شہر دو قسم کے ہیں ایک تو وہ شہر ہیں جنمیں صرف اہل اسلام رہتے ہیں جیسے زمین حجاز یا وہاں دوسری قوموں کے مقابلہ میں اہل اسلام کی کثرت ہے، دوسرے وہ شہر ہیں جن کے باشندے اکثر کفار ہیں اور تلوار کی طاقت سے یا صلح کر کے مسلمانوں نے ان شہروں کو فتح کر لیا ہے دوسری قسم کے شہروں کے لئے فوج رکھنے کی اور ہتھیاروں کے جمع کرنے کی اور قاضی اور پولیس اور عمال مقرر کرنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور پہلی قسم کے شہروں کو ان چیزوں کی بہت زیادہ ضرورت نہیں پڑتی ہے اور شرع یہ چاہتی ہے کہ بیت المال میں جو کچھ جمع ہے وہ ان شہروں پر مناسب طریقہ پر اور حسب حاجت تقسیم کیا جائے پس زکوٰۃ اور عشر کا مصرف وہ مقرر کیا گیا جس میں دوسری چیزوں کی بہ نسبت محتاجوں کی کفایت زیادہ ہو اور غنیمت اور فی کا مصرف وہ قرار دیا گیا جس میں لشکر اسلام کی تنخواہ اور دین کی حفاظت اور شہر کا انتظام زیادہ تر ہے اسی وجہ سے غنیمت اور فی میں سے یتیم، مسکین اور فقیر کا حصہ بہ نسبت ان کے صدقات کے حصہ کے کم مقرر کیا گیا اور مجاہدین کا حصہ بہ نسبت صدقات

الغزاة منها اكثر من سهمهم منها ثم
الغنيمة انما تحصل بماناة وايجاف خيل
وركاب. فلا تطيب قلوبهم الا بان
يعطوا منها، والنواميس الكلية المضروبة
على كافة الناس لابد فيها من النظر الى
حال عامة الناس، ومن ضم الرغبة
الطبيعية الى الرغبة العقلية ولا يرغبون
الا بان يكون هناك ما يجدونه بالقتال
فلذلك كان اربعة اخماسها للغانمين
والفئ انما يحصل بالرعب دون مباشرة
القتال فلا يجب ان يصرف على ناس
مخصوصين فكان حقه ان يقدم فيه
الاهم فالاهم، والاصل فى الخمس انه
كان المرباع عادة مستمرة فى الجاهلية يأخذ
رئيس القوم وعصبته فتمكن ذلك فى
علومهم وما كانوا يجدون فى انفسهم
حرجا منه، وفيه قال القائل. شعر

وان لنا المرباع من كل غارة
تكون بنجد او بارض التهائم

فشرع الله تعالى الخمس لحوائج المدينة
والملة نحوا مما كان عندهم كما انزل
الآيات على الانبياء عليهم السلام نحوا مما
كان شائعا ذائعا فيهم، وكان المرباع
لرئيس القوم وعصبته تنويها بشأنهم
ولانهم مشغولون بامر العامة محتاجون
الى نفقات كثيرة فجعل الله الخمس لرسول
الله صلى الله عليه وسلم لانه عليه السلام
مشغول بامر الناس لا يتفرغ ان يكتسب
لاهله، فوجب ان تكون نفقته فى مال

کے حصہ کے غنیمت اور فئی میں سے زیادہ مقرر کیا گیا، پھر چونکہ
غنیمت بغیر مشقت برداشت کئے اور بغیر گھوڑے دوڑائے اور فوج
کو لڑائے حاصل نہیں ہوتی اس واسطے ان کے دل بغیر اس کے
خوش نہیں ہو سکتے کہ غنیمت میں سے ان کو حصہ دیا جائے، اور شرائع
کلیہ میں جو سب لوگوں پر مقرر کی گئی ہیں یہ بات ضروری ہے کہ عامۃ الناس
کے حال پر نظر کیجائے اور رغبت عقلیہ کے ساتھ رغبت طبعیہ کو بھی
ملایا جائے اور ان کی رغبت طبعی اس میں ہوتی ہے کہ ان کو قتال کے
عوض کچھ مال ملے. پس اسی وجہ سے مال غنیمت کے پانچ حصوں میں
سے چار حصے غازیوں کے لئے مقرر ہوئے اور فئی بغیر جنگ کے
صرف رعب سے حاصل ہوتی ہے پس مخصوص لوگوں پر اس کا
صرف کرنا ضروری نہیں ہے اس واسطے اس میں مناسب یہ ہے
کہ اہم امور کو مقدم کیا جائے اور خمس میں اصل یہ ہے کہ ایام جاہلیت
میں چوتھائی حصہ لینے کا قدیمی دستور تھا جس کو رئیس القوم اور
اس کی جماعت لیتی تھی پس یہ بات ان کے دلوں میں جگہ پکڑ گئی
تھی اور وہ اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہیں پاتے تھے
اور اسی کے بیان میں ایک شاعر کہتا ہے. شعر:-

ہر لوٹ میں ہمارا چہارم عنصر ہے
خواہ وہ نجد میں ہو خواہ تہائم کی زمین میں ہو

پس اللہ تعالیٰ نے شہر اور دین کی ضروریات کے لئے
ان کی عادت کے قریب قریب خمس کو مقرر فرمایا جس طرح
اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر ان کی عادت شائعہ ذائعہ
کے قریب قریب آیات کو نازل فرمایا، اور وہ چوتھائی حصہ قوم
کے سردار اور اس کی جماعت کو ان کی عظمت ثابت کرنے کے
لئے ملا کرتا تھا اور نیز اس وجہ سے ملتا تھا کہ وہ عام لوگوں کے
امور میں مصروف رہتے تھے اور ان کو بہت سے اخراجات کی ضرورت
رہتی تھی پس اللہ تعالیٰ نے وہ پانچواں حصہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم کیلئے مقرر فرمایا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے کاموں میں
مشغول ہونے کی وجہ سے اتنی فراغت حاصل نہ ہوتی تھی کہ اپنے اہل عیال کے
لئے کسب کرتے اس واسطے ضروری ہوا کہ آپ کا نفقہ مسلمانوں کے مال میں مقرر کیا

المسلمون، ولان النصرة حصلت بدعوة النبی صلے اللہ علیہ وسلم والرعب الذی اعطاہ اللہ ایاہ، فکان کحاضر الوقعۃ، ولذی القربی لانھم اکثر الناس حمیۃ للاسلام حیث اجتمع فیھم الحمیۃ الدینیۃ الی الحمیۃ النسبیۃ فانہ لا فخر لھم الا بعلو دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم ولان فی ذلک تنویہ اھل بیت النبی صلے اللہ علیہ وسلم وذلک مصلحۃ راجعۃ الی الملۃ، واذا کان العلماء والقراء یکون توقیرھم تنویھا بالملۃ یجب ان یکون توقیر ذوی القربی کذلک بالاولی، وللمحتاجین وضبطھم بالمساکین والفقراء والیتامی، وقد ثبت ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اعطی المؤلفۃ قلوبھم وغیرھم من الخمس ؛

وعلی ھذا فتخصیص ھذہ الخمسۃ بالذکر للاھتمام بشانھا، والتوکید ان لا یتخذ الخمس والفیٔ اغنیاؤھم دولۃ فیھملوا جانب المحتاجین، ولسد باب الظن السیٔ بالنسبۃ الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم وقرابتہ وانما شرعت الانفال والارضاخ لان الانسان کثیرا ما یقدم علی مھلکۃ الا لشیٔ لا یطمع فیہ، وذلک دیدن وخلق للناس لابد من رعایتہ، وانما جعل للفارس ثلاثۃ اسھم وللراجل سھم لان غناء الفارس عن المسلمین اعظم ومؤنتہ اکثر ان رایت حال الجیوش لم تشکک ان الفارس لا یطیب قلبہ ولا تکفی مؤنتہ اذا جعلت جائزتہ دون ثلاثۃ اضعاف سھم

اور نیز فتح نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا اور آپ کے رعب کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا حاصل ہوئی تھی پس آپ کا حال ایسا ہوا جیسے کہ آپ ہر جنگ میں موجود رہے اور وہ پانچواں حصہ آپکے اقارب کے لئے بھی ہے کیونکہ سب لوگوں سے زیادہ ان میں اسلام کی حمیت ہے اس واسطے کہ ان میں حمیت دینی کے ساتھ حمیت نسبی بھی موجود ہے کیونکہ ان کا ساط فخر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کے بلند ہونے میں ہے اور نیز اس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی تعظیم پائی جاتی ہے اور یہ ایسی مصلحت ہے جو دین سے متعلق ہے اور جب علماء اور قراء کی توقیر مجددین کی تعظیم ہے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اقارب کی تعظیم میں بدرجہ اولیٰ دین کی تعظیم ہے، اور وہ پانچواں حصہ محتاجوں کے لئے بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے محتاجوں کا انضباط مساکین اور فقراء اور یتامیٰ کے ساتھ فرمایا، اور یہ بھی ثابت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پانچویں حصہ میں سے مؤلفۃ القلوب[1] وغیرہم کو بھی دیا ہے، اس تقدیر پر ان پانچ مصارف کا خاص طور پر قرآن کے اندر ذکر کرنا ان کے اہتمام شان کی وجہ سے اور اس بات کی تاکید کرنے کے لئے ہے کہ خمس اور فیٔ کو یکے بعد دیگرے مالدار لوگ محتاجوں کی پرواہ نہ کرکے نہ لے لیا کریں اور تاکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے اقارب کی نسبت بدگمانی کا باب بند ہو جائے اور انعامات اور بخشش اس واسطے مقرر کی گئی کہ بسا اوقات انسان بغیر طمع کے ہلاکت کی جگہ میں اپنے آپ کو نہیں ڈالتا ہے، اور یہ ایسی خصلت اور لوگوں میں طبعی شیٔ ہے جس کی رعایت ضروری ہے، اور گھوڑے سوار کے لئے تین حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ اس لئے مقرر کیا گیا کہ سوار مسلمانوں کی طرف سے بہت کام آتا ہے اور اس کو زیادہ مشقت جھیلنی پڑتی ہے اور اگر تم لشکروں کا حال دیکھو تو تم کو اس بات میں کچھ شک نہ ہوگا کہ اگر سوار کو پیدل کے حصہ سے سہ چند نہ دیا جائے اور کچھ کمی کی جائے تو اس کا دل خوش نہ ہوگا اور اس کی

[1] یہ وہ لوگ ہیں جو دین میں سست ہیں ان کی تالیف قلوب اس لئے کی جاتی ہے کہ دین پر قائم اور مستحکم ہو جائیں ۱۲

الرجل لا يختلف فيه طوائف العرب والعجم على اختلاف احوالهم وعاداتهم، قال صلى الله عليه وسلم لئن عشت ان شاء الله لاخرجن اليهود والنصارى من جزيرة العرب واوصى باخراج المشركين منها ؞

اقول عرف النبي صلى الله عليه وسلم ان الزمان دول وسجال فربما ضعف الاسلام وانتشر شمله فان كان العدو في مثل هذا الوقت في بيضة الاسلام ومشهده افضى ذلك الى هتك حرمات الله او قطعها فامر باخراجهم من حوالي دار العلم ومحل بيت الله وايضا المخالطة مع الكفار تفسد على الناس دينهم وتغير نفوسهم ولما لم يكن بد من المخالطة في الاقطار امر بتنقية الحرمين منهم وايضا انكشف عليه صلى الله عليه وسلم ما يكون في آخر الزمان فقال ان الدين ليأرز الى المدينة الحديث، ولا يتم ذلك الا بان لا يكون هناك من اهل سائر الاديان والله اعلم

من ابواب المعيشة

اعلم ان جميع سكان الاقاليم الصالحة اتفقوا على مراعاة آدابهم في مطعمهم ومشربهم وملبسهم وقيامهم وقعودهم وغير ذلك من الهيئات والاحوال وكان ذلك كالامر المفطور عليه الانسان عند سلامة مزاجه وظهور مقتضيات نوعه عند اجتماع افراد منه، وتراءى بعضها لبعض وكانت لهم مذاهب في ذلك فكان منهم من يسويها على قواعد الحكمة الطبيعية

مشقت کے اعتبار سے وہ نا کافی ہوگا۔ تمام عرب و عجم باوجود اختلاف احوال و عادات کے اس بات پر متفق ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میں انشاء اللہ زندہ رہا تو جزیرۂ عرب سے یہود و نصاریٰ کو نکال دوں گا اور مشرکین کو وہاں سے نکال دینے کی میں وصیت کرتا ہوں"۔ میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ زمانہ کا حال یکساں نہیں رہتا بس ایک وقت ایسا آئیگا کہ اسلام میں ضعف آجائیگا اور اس کی جمعیت منتشر ہوجائیگی بس ایسے وقت میں دشمن کا اسلام کے مرکز میں اور اس کے گھر میں اگر قیام رہا تو وہ حرمات الٰہی کی ہتک اور ان کی قطع کا باعث ہوگا اس واسطے آپ نے دار العلم کے حوالی اور محل بیت اللہ سے نکالنے کا حکم دیا، اور نیز کفار کے ساتھ مخالطت سے دین کی خرابی اور نفس میں تغیر ہوتا ہے اور چونکہ تمام ملکوں میں اختلاط ضروری تھا اس واسطے صرف حرمین شریفین کو ان سے پاک کرنے کا حکم فرمایا، اور نیز اخیر زمانہ میں دین کا جو حال ہونے والا تھا آپ پر وہ ظاہر ہوگیا چنانچہ آپ نے فرمایا "دین مدینہ کی طرف سمٹ کر آئے گا" الحدیث، اور یہ بات بغیر اس کے پوری نہیں ہوسکتی کہ مدینہ میں دیگر مذاہب کا کوئی آدمی نہ رہے، واللہ اعلم ؞

معیشت سے متعلق چند ابواب

واضح ہو کہ تمام اقالیم صالحہ کے باشندے اپنے کھانے پینے اور پہننے اور قیام و نشست اور دیگر ہیئات و احوال میں آداب کے ملحوظ رکھنے میں متفق ہیں اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ بوقت سلامت مزاج اور ظہور مقتضیات نوع بوقت اجتماع افراد اور ایک دوسرے کے دیکھا دیکھی کے لحاظ سے گویا انسان کی فطرت میں داخل ہے، اور ان آداب کے لحاظ رکھنے میں لوگوں کے طریقے مختلف ہیں، پس ان میں سے بعض ایسے ہیں جو حکمت طبعیہ کے قواعد کے موافق ان آداب کو ملحوظ رکھتے ہیں پس تمام احوال و افعال میں ان آداب کو اختیار کرتے ہیں کہ طب اور تجربہ کے اعتبار سے ان میں نفع کی امید ہوتی ہے اور

فيختار في كل ذلك ما يرجى نفعه ولا يخشى
ضرره بحكم الطب والتجربة ومنهم من
يسويها على قوانين الاحسان حسبما تعطيه
ملته، ومنهم من يريد محاكاة ملوكهم
وحكمائهم وربانهم، ومنهم من يسويها
على غير ذلك، وكان في بعض ذلك منافع
يجب التنبيه عليها والامر به لاجلها، و
في البعض الآخر مفاسد يجب ان ينهى عنها
لاجلها وينبه عليها، والبعض الآخر غفل
من المصلحتين يجب ان يبقى على الاباحة
ويرخص فيه فكان تنقيحها والتفتيش
عنها احد المصالح التي بعث النبي صلى
الله عليه وسلم لها والعمدة في ذلك
امور، فمنها ان الاشتغال بهذه الاشغال
ينسي ذكر الله ويكدر صفاء القلب فيجب
ان يعالج هذا السم بترياق وهو ان يسن
قبلها وبعدها ومعها اذكار تردع النفس
عن امعانها بان يكون فيها ما يذكر المنعم
الحقيقي ويميل الفكر الى جانب القدس
ومنها ان بعض الافعال والهيآت تناسب
امزجة الشياطين من حيث انهم لو تمثلوا
في منام احد او يقظته لتلبسوا ببعضها
لا محالة، فتلبس الانسان بها معد للتقرب
منهم وانطباع الوانها الخسيسة في نفوسهم
فيجب ان يمنع عنها كراهة او تحريما
حسبما يحكم به المصلحة كالمشي في نعل
واحدة والاكل باليد اليسرى، وبعضها
مطردة للشياطين مقربة من الملائكة
كالذكر عند ولوج البيت والخروج منه

ضرر کا خوف نہیں ہوتا اور بعض احسان کے قوانین کے موافق
جس طرح ان کا مذہب ان کو حکم کرتا ہے آداب کو عمل میں لاتے
ہیں اور بعض کو اپنے بادشاہوں اور حکما اور درویشوں
کے آداب کی نقل مقصود ہوتی ہے اور بعض دیگر طریقوں سے
ان آداب کو عمل میں لاتے ہیں اور ان میں سے بعض آداب
میں منافع ہیں جن پر آگاہ کرنا اور ان منافع کے لحاظ کر ان کا
حکم دینا ضروری ہے، اور بعض آداب میں مفاسد ہوتے ہیں
جن کی وجہ سے ان سے منع کرنا اور ان پر آگاہ کرنا ضروری
ہے اور بعض آداب میں دونوں باتوں میں سے ایک بات
بھی نہیں پائی جاتی اس واسطے ان کو مباح رکھنا اور ان میں
اجازت دینا ضروری ہے پس ان آداب سے بحث کرنا اور انکی
تفتیش کرنا منجملہ ان مصلحتوں کے ایک مصلحت ہے جن کے لئے نبی
صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور اس کے اندر
اصل چند امور ہیں، از آں جملہ یہ ہے کہ ان اشغال میں مصروف
ہونے سے ذکر الٰہی سے نسیان ہوتا ہے اور دل کی صفائی میں
کدورت پیدا ہوتی ہے پس ضرور ہے کہ اس زہر کا علاج کسی
تریاق سے کیا جائے اور وہ تریاق یہ ہے کہ ان اشغال سے
پہلے اور ان کے بعد اور ان کے ساتھ ایسے اذکار مسنون کئے
جائیں جو نفس کو ان اشغال میں منہمک ہونے سے باز رکھیں اس
طور پر کہ ان اذکار میں وہ باتیں ہوں جو منعم حقیقی کو یاد دلائیں
اور جانب قدس کی طرف فکر کو متوجہ کریں،
اور از آں جملہ یہ ہے کہ بعض افعال و ہیئات شیاطین کے مزاجوں
کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اس طور پر کہ وہ شیاطین کسی شخص کے
خواب یا بیداری کی حالت میں نظر آئیں تو ان افعال میں سے بعض کے
ضرور مرتکب ہوں پس انسان کا ایسے افعال کے ساتھ متلبس ہونا
شیاطین سے قرب کا اور شیاطین کے اوصاف قبیحہ کا لوگوں
کے دلوں میں منقش ہونے کا سبب ہے پس ضروری ہے کہ ان افعال کو منع
کیا جائے خواہ نہی بطور کراہت ہو یا بطور تحریم جس طرح مصلحت کا مقتضی
ہو اور وہ افعال ہیں مثلاً ایک جوتا پہنکر چلنا اور بائیں ہاتھ سے کھانا
اور اسی طرح بعض اذکار ایسے ہوتے ہیں جنکی وجہ سے شیاطین دور ہوتے ہیں اور ملائکہ سے قرب ہوتا ہے مثلاً گھر میں داخل ہوتے وقت

ويجب ان يحض عليها. ومنها الاحتراز عن هيآت يتحقق فيها التأذي بحكم التجربة كالنوم على سطح غير محجور، وترك المصابيح عند النوم، وهو قوله صلى الله عليه وسلم فان الفويسقة تضرم على اهلها. ومنها مخالفة الاعاجم فيما اعتادوه من الترفه البالغ والتعمق في الاطمئنان بالحياة الدنيا فانساهم ذكر الله واوجب الاكثار من طلب الدنيا وتشبح اللذات في نفوسهم فيجب ان يخص رؤوس تعمقاتهم بالتحريم كالحرير والقسي والمياثر والارجوان والثياب المصنوعة فيها الصور والاواني الذهب والفضة والمعصفر والخلوق ونحو ذلك، وان يحرم سائر عاداتهم بالكراهية ويستحب ترك كثير من الارفاه، ومنها الاحتراز عن هيآت تنافي الوقار وتلحق الانسان باهل البادية ممن لم يتفرغ للاحكام النوعية لتحصل التوسط بين الافراط والتفريط.

نکلتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ پس ایسے افعال پر رغبت دلانا ضروری ہے، اور از آں جملہ ان ہیئات سے اجتناب کرنا ہے جن میں تجربہ سے لوگوں کو ایذا پہنچتی ہے جیسے بغیر پردہ کے چھت پر سونا اور سوتے وقت چراغ گل نہ کرنا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں چوہا اس کو کھینچتا ہے اور گھر کو آگ لگا دیتا ہے، اور از آں جملہ عجمیوں کے ساتھ ان امور میں مخالفت کرنا ہے جن کے وہ عادی ہو گئے ہیں جیسے حد سے زیادہ تکلف کرنا اور دنیاوی زندگی پر بدرجہ مطمئن ہونا جو لوگوں کو ذکر الٰہی سے غافل کر دے اور طلب دنیا کی از حد حرص پیدا کر دے اور لذات کو ان کے نفوس پر منقش کر دے پس ضروری ہے کہ لوگوں کے تکلفات میں جو سب سے بڑھکر ہیں ان کو خاص طور پر حرام قرار دیا جائے جیسے حریر اور قسی اور میاثر اور ارجوان اور وہ کپڑے جن میں تصاویر بنی ہوں اور سونے چاندی کے برتن اور زعفران کے رنگے ہوئے کپڑے اور غازہ وغیرہ ذالک۔ اور ان کی دیگر عادات کو عام طور پر مکروہ قرار دیا جائے اور عیش کی اکثر چیزوں کے ترک کرنے کو مستحب قرار دیا جائے اور از آں جملہ ان ہیئات سے بچنا ہے جو وقار کے منافی ہیں اور انسان کو دیہاتیوں میں لاحق کر دیتی ہیں ان لوگوں میں سے جو احکام نوعیہ کی طرف فارغ نہیں ہوئے ہیں تاکہ افراط اور تفریط میں متوسط درجہ حاصل ہو۔

الاطعمة والاشربة

اعلم انه لما كانت سعادة الانسان في الاخلاق الاربعة التي ذكرناها وشقاوته في اضدادها وجب حفظ الصحة النفسانية وطرد المرض النفساني ان يفحص عن اسباب تغير مزاجه الى احدى الجهتين فمنها افعال تتلبس بها النفس وتدخل في جذر جوهرها، وقد بحثنا عن جملة صالحة من هذا الباب. ومنها امور تولد في النفس هيآت دنية توجب مشابهة الشياطين

کھانے اور پینے کی چیزوں کا بیان

واضح ہو کہ جب انسان کی سعادت ان اخلاق اربعہ میں ہے جنکو ہم نے ذکر کیا ہے اور اس کی شقاوت انکے اضداد میں ہے اور یہ تو حفظ صحت نفسانیہ اور دفع امراض نفسانیہ نے واجب کر دیا کہ ان اسباب کو تلاش کیا جائے جن سے اس کا مزاج دونوں جہتوں میں سے ایک کی طرف متغیر ہوتا ہے پس منجملہ ان کے وہ افعال ہیں جن کے ساتھ نفس متصف ہوتا ہے اور وہ افعال نفس کی ذات میں پیوست ہو جاتے ہیں ان اسباب کی کافی مقدار سے ہم بحث کر چکے ہیں۔

اور ان میں سے ایک وہ امور ہیں جو نفس کے اندر ہیئات دنیہ پیدا کرتے ہیں جو شیاطین کے ساتھ مشابہت ـــ

والبعد من الملائكة وتحقق اضداد الاخلاق
الصالحة من حيث يشعرون ومن حيث
لا يشعرون، فتلعنت النفوس اللاحقة
بالملأ الاعلى التاركة للالواث البهيمية من
حظيرة القدس ببشاعة تلك الامور كما
تلقى الطبيعة كراهية المر والبشع واوجب
لطف الله ورحمته بالناس ان يكلفهم
بردس تلك الامور، والذي هو منضبط
منها واثرها جلي غير خاف فيهم، ولما كان
اقوى اسباب تغير البدن والاخلاق الماكول
وجب ان يكون رؤوسها من هذا الباب۔
فمن اشد ذلك اثرا تناول الحيوان الذي
مسخ قوم بصورته، وذلك ان الله تعالى
اذا لعن الانسان وغضب عليه اورث
غضبه ولعنه فيه وجود مزاج هو من
سلامة الانسان على طرف شاسع وصقع
بعيد حتى يخرج من الصورة النوعية
بالكلية فذلك احد وجوه التعذيب
في بدن الانسان ويكون خروج مزاجه
عند ذلك الى مشابهة حيوان خبيث
يتنفر منه الطبع السليم فيقال في مثل
ذلك مسخ الله قردة وخنازير فكان في
حظيرة القدس علم متمثل ان بين هذا
النوع من الحيوان وبين كون الانسان مغضوبا
عليه بعيدا من الرحمة مناسبة خفية
وان بينه وبين الطبع السليم الباقي على نظرته
بونا بائنا فلاجرم ان تناول هذا الحيوان
وجعله جزء بدنه اشد من مخامرة النجاسات والا
فعال المهيجة ....

اور ملائکہ سے بُعد ہونے کا سبب ہوتے ہیں اور اخلاق حمیدہ کے
خلاف صفات پیدا کرتے ہیں خواہ ان کو اس بات کا شعور ہو یا نہ ہو
پس وہ نفوس ملأ اعلیٰ سے ملحق ہیں اور الواث بہیمیہ سے دور ہیں ملأ
اعلیٰ کی جانب سے ان امور کی کراہت کا ادراک اس طرح کرتے ہیں جس طرح طبیعت تلخ اور
کسیلی چیز کی کراہت کا ادراک کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا لطف اور اس کی رحمت لوگوں کے ساتھ
اس کا مقتضی یہ ہے کہ ان امور کے اصول سے لوگوں کو مکلف کیا
جائے جو ان میں سے منضبط ہیں اور ان کا اثر ظاہر ہے کسی پر مخفی
نہیں ہے اور چونکہ بدن کے تغیر اور اخلاق کے تغیر کے اسباب میں کی
زیادہ تر قوی سبب غذا ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ وہ اصول
غذا کے لحاظ سے ہوں پس ان میں سب سے زیادہ مؤثر ایسے
جانور کا کھانا ہے جس کی صورت میں کوئی قوم مسخ کی گئی ہے اس
واسطے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان پر لعنت کرتا ہے اور اس پر
ناراض ہوتا ہے تو اس کے غضب اور لعنت سے انسان کے اندر
ایسا مزاج پیدا ہو جاتا ہے جو سلامت مزاج انسانی سے نہایت
دور اور بعید ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ شخص انسان کی صورت
نوعیہ سے بالکل خارج ہو جاتا ہے پس وہ بدن انسان کو
عذاب دینے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اور ایسے
وقت میں اس کا مزاج انسانی صورت سے نکل کر کسی خبیث
جانور کے مشابہ ہو جاتا ہے جس سے طبیعت سلیمہ نفرت کرتی
ہے پس ایسے حال میں اس کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کو اللہ
تعالیٰ نے بندر اور سور کی صورت میں مسخ کر دیا اور حظیرۃ القدس
میں یہ علم متمثل ہوتا ہے کہ حیوان کی اس نوع میں اور انسان کے
مغضوب علیہ اور بعید از رحمت ہو جانے میں مناسبت
خفیفہ ہے اور اس میں اور اس طبیعت سلیمہ میں جو اپنی فطرت
پر باقی ہے نہایت درجہ بعد ہے پس ضرور ایسے جانور کو
کھانا اور اس کو اپنے جسم کا جز بنانا نجاستوں کے ساتھ
آلودہ ہونے سے اور غضب الٰہی کو بھڑکانے والے افعال
سے زیادہ برا ہے۔

الغضب ولذلك لم يزل تراجمة حظيرة
القدس نوح فمن بعده من الانبياء
عليهم الصلاة والسلام يحرمون الخنزير
ويأمرون بالتبعد منه الى ان ينزل
عيسى عليه السلام فيقتله، ويشبه ان
الخنزير كان يأكله قوم فنطقت الشرائع
بالنهى عنه وهجر امره اشد ما يكون،
والقردة والفارة لم تكن تؤكل قط
فكفى ذلك عن التأكيد الشديد، وهو
قوله صلى الله عليه وآله وسلم فى الضب
ان الله غضب على سبط من بنى اسرائيل
فمسخهم دواب يدبون فى الارض فلا
ادرى لعل هذا منها، وقال الله تعالى
وجعل منهم القردة والخنازير وعبد
الطاغوت، ونظيرها ورد من كراهية
المكث بارض وقع فيها الخسف او العذاب
وكراهية هيئات المغضوب عليهم فان
مخامرة هذه الاشياء ليست ادنى من
مخامرة النجاسات والتلبس بها ليس
اقل تأثيرا من التلبس بالهيئات التى
يقتضيها مزاج الشيطان ويتلوه تناول
حيوان جبل على الاخلاق المضادة للاخلاق
المطلوبة من الانسان حتى صار كالمندفع
اليها بضرورة، وصار يضرب به المثل،
وصارت الطبائع السليمة تستخبثه تعافى
تناوله اللهم الا قوم لا يعبأ بهم، والذى
تكامل فيه هذا المعنى وظهر ظهورا بينا
انقاد له العرب والعجم جميعا اشياء
منها السباع المخلوقة على الخدش والجرح

اسی وجہ سے حظیرۃ القدس کے ترجمان حضرت نوح اور ان کے بعد
تمام انبیاء علیہم السلام خنزیر کو حرام کرتے آئے ہیں اور اس سے دور
رہنے کی تاکید کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا
نزول ہوگا اور وہ اس کو قتل ہی کر ڈالیں گے۔ اور غالباً خنزیر کو
کوئی قوم کھاتی تھی پس شرائع نے اس سے منع کیا اور اس کو ترک
کا شدت کے ساتھ حکم دیا گیا۔ اور بندر اور چوہا ایسے جانور ہیں
کہ کبھی ان کو کسی قوم نے نہیں کھایا اس واسطے ان سے نہی کرنے
تاکید شدید کی حاجت نہ ہوئی اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے
بارے میں فرمایا "اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ پر ناراض ہوا
پس انکو ان جانوروں کی صورتوں میں مسخ کر دیا جو زمین پر چلتے ہیں پس
مجھے معلوم نہیں کہ گوہ بھی شاید انہیں میں کی ہو" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا
"ان میں سے کر دیا بندر اور خنزیر اور شیطان کی پرستش کرنے والے"
اور اسی کے مثل وہ ہے جو وارد ہوا ہے کہ جس زمین میں خسف یا عذاب
نازل ہوا ہے اس زمین میں ٹھہرنا مکروہ ہے اور اسی طرح اس
قوم کی صورت بنانا بھی مکروہ ہے جن میں غضب الٰہی
ہوا کیونکہ ان اشیاء کے ساتھ اختلاط کرنا نجاسات کے ساتھ
اختلاط کرنے سے کم نہیں ہے اور ان اشیاء کے ساتھ تلبس کا اثر ان ہیئات
کے اثر سے کم نہیں جن کا مزاج شیطانی تقاضا کرتا ہے اور اس کے بعد ان
جانوروں کا کھانا ہے جن کی فطرت میں ایسے اخلاق
پائے جاتے ہیں جو ان اخلاق کے برخلاف ہیں جو انسان
سے مطلوب ہیں حتیٰ کہ ان کی طرف کسی ضرورت سے متوجہ ہوتے
ہیں اور وہ ضرب المثل ہیں اور طبائع سلیمہ ان کو خبیث جانتی
ہیں اور ان کے کھانے سے اعراض کرتی ہیں ہاں مگر وہ
لوگ جو کسی شمار میں نہیں ہیں۔

اور وہ جانور جس میں یہ معنی پورے پائے جاتے ہیں
اور اس میں اس کا ظہور بیّن ہے اور تمام عرب و عجم نے
اس کو مان لیا ہے وہ چند ہیں۔

ازاں جملہ وہ درندے جانور ہیں جن کی جبلت
میں پھاڑنا زخمی کرنا حملہ کرنا اور سخت دلی ہے

والصولة وقسوة القلب، ولذلك قال
عليه السلام في الذئب او يأكله احد
ومنها الحيوانات المجبولة على ايذاء
الناس والاختطاف منهم وانتهاز الفرص
الاغارة عليهم وقبول الهام الشياطين
في ذلك كالغراب والحدياة والوزغ
والذباب والحية والعقرب ونحو ذلك
ومنها حيوانات جبلت على الصغار و
الهوان والتستر في الاخدود كالفارة
وخشاش الارض، ومنها حيوانات تتعيش
بالنجاسات او الجيفة ومخامرتها و
تناولها حتى امتلأت ابدانها بالنتن،
ومنها الحمار فانه يضرب به المثل
في الحمق والهوان وكان كثير من اهل
الطبائع السليمة من العرب يحرمونه
ويشبه الشياطين، وهو قوله صلى الله
عليه وسلم اذا سمعتم نهيق الحمار
فتعوذوا بالله من الشيطان فانه رأى
شيطانا، وايضا قد اتفق الاطباء ان
هذه الحيوانات كلها مخالفة لمزاج نوع
الانسان لا يسوغ تناولها طبا،

واعلم ان ههنا امورا مبهمة تحتاج
الى ضبط الحدود وتمييز المشكل، منها
ان المشركين كانوا يذبحون لطواغيتهم
يتقربون به اليها وهذا نوع من الاشراك
فاقتضت الحكمة الالهية ان ينهى عن
هذا الاشراك ثم يؤكد التحريم بالنهي عن
تناول ما ذبح لها ليكون كابحا عن ذلك الفعل
وايضا فان قبح الذبح يسري في المذبوح

اسی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس کو بھی
کوئی کھاتا ہے منجملہ ان کے وہ حیوانات ہیں جنکی جبلت
تک آدمیوں کو ایذا دینا اور ان سے کسی چیز کا اچک لینا اور حملہ
کرنے کیلئے فرصت کا منتظر رہنا ہے اور اس میں الہام شیطانی
قبول کرنا ہے جیسے کوا اور چیل اور چھپکلی اور مکھی اور سانپ اور
بچھو وغیرہ،

اور ازآں جملہ وہ حیوانات ہیں جن کی جبلت میں رذالت
اور ذلت اور سوراخوں میں چھپنا ہے جیسے چوہا اور حشرات الارض،
اور ازآں جملہ وہ حیوانات ہیں جو نجاستوں اور ناپاکیوں پر
اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور اسی میں ملوث رہتے ہیں اور اسی کو
کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے جسم گندگی کے ساتھ بھرے رہتے ہیں،
اور ازآں جملہ گدھا ہے کہ جس کے ساتھ حماقت اور ذلت
میں مثال دی جاتی ہے، اور بہت سے عرب کے لوگ جنکی طبائع
سلیم تھیں اس کو حرام جانتے تھے اور شیاطین کے ساتھ اس کو
مشابہت دیتے تھے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم
گدھے کا چیخنا سنو تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان سے پناہ مانگو
کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے "

اور نیز تمام اطبا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سب جانور بالا
ستثناء مزاج نوع انسان کے مخالف ہیں لہذا طب کے اعتبار سے بھی
ان کو نہیں کھانا چاہئے،

واضح ہو کہ اس جگہ چند مبہم امور ہیں جنکی حدود کے ضبط کرنے
کی اور مشکل کے تمیز کرنے کی ضرورت ہے ازآں جملہ یہ ہے کہ مشرکین
اپنے معبودوں کی عبادت کے لئے ذبح کیا کرتے تھے تاکہ ان کی طرف
تقرب حاصل کریں اور یہ شرک کی ایک قسم ہے پس حکمت الٰہیہ کا مقتضا
ہوا کہ اس شرک سے منع کیا جاتے پھر اس تحریم کی اس طرح
تاکید کی جائے کہ بتوں کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے اس کے کھانے سے
لوگوں کو منع کیا جائے تاکہ اس فعل سے رک جائیں، اور نیز
ذبح کرنے کی قباحت مذبوح میں اثر کر جاتی ہے جیسا کہ ہم
صدقہ میں بیان کر چکے ہیں، پھر بتوں کے لئے ذبیحہ چونکہ ایک امر

لما ذکرنا فی الصدقۃ ثم الذبح للطواغیت امر مبهم ضبط بما اهل لغیر اللہ بہ، وبما ذبح علی النصب، وبما ذبحہ غیر المتدینین بتحریم الذبح بغیر اسم اللہ وهم المسلمون واهل الکتاب، وجر ذلک ان یوجب ذکر اسم اللہ عند الذبح لانہ لا یتحقق الفرقان بین الحلال والحرام بادی الرای الا عند ذلک، وایضا فان الحکمۃ الالٰهیۃ لما اباحت لهم الحیوانات التی هی مثلهم فی الحیاۃ وجعل لهم الطول علیها اوجبت ان لا یغفلوا عن هذہ النعمۃ عند ازهاق ارواحها، وذلک ان یذکروا اسم اللہ علیها، وهو قولہ تعالی لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقهم من بهیمۃ الانعام ؛

ومنها ان المیتۃ حرام فی جمیع الملل والنحل، اما الملل فاتفقت علیها لما تلقے من حظیرۃ القدس من انها من الخبائث، واما النحل علما ادرکوا ان کثیرا منها یکون بمنزلۃ السم من اجل انتشار اخلاط سمیۃ تنافی المزاج الانسانی عند النزع، ثم لابد مع تمییز المیتۃ من غیرها فضبط بما قصد ازهاق روحہ للاکل فجر ذلک الی تحریم المتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع فانها کلها خبائث موذیۃ ؛

ومنها ان العرب والیهود کانوا یذبحون وینحرون وکان المجوس یخنقون ویبعجون والذبح والنحر سنۃ الانبیاء علیهم السلام توارثوهما، وفیهما مصالح منها اراحۃ الذبیحۃ فانہ اقرب طریق لازهاق الروح

تھا اس واسطے ما اہل لغیر اللہ بہٖ کے ساتھ اور ما ذبح علی النصب کے ساتھ اور اس ذبیحہ کے ساتھ جس کو ایسا شخص ذبح کرے جو ان لوگوں کے دین میں نہیں ہے جو غیر اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرنے کو حرام سمجھتے ہیں اس کو منضبط فرمایا اور وہ مسلمان اور اہل کتاب ہیں، اور اس سے یہ بات لازم ہوئی کہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنا واجب ہو کیونکہ بظاہر حلال وحرام میں اس کی بغیر تمیز نہیں ہوتی اور نیز جب حکمت الٰہیہ نے ان حیوانات کو جو زندگی میں انسان کے برابر تھے اس کے لئے مباح کر دیا اور ان حیوانات پر اس کو قدرت عطا فرمائی اس واسطے واجب ہوا کہ ان کی روح نکالتے وقت اس نعمت سے غافل نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تاکہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کریں ان مویشیوں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے ہیں"۔

اور از آں جملہ یہ ہے کہ تمام مذاہب حقہ اور مذاہب باطلہ میں مردہ جانور حرام ہے پس مذاہب حقہ کا اس کے حرام ہونے پر اس وجہ سے اتفاق ہے کہ ان مذاہب والوں کو حظیرۃ القدس سے یہ بات حاصل ہوئی ہے کہ یہ چیز پلید ناپاک ہے، اور مذاہب باطلہ کے ماننے والوں کا اس وجہ سے اتفاق ہے کہ انہوں نے یہ معلوم کر لیا کہ اکثر ان چیزوں میں زہر کا اثر ہوتا ہے کیونکہ مرتے وقت ایسے خلاط پیدا ہو کر ان میں پھیل جاتے ہیں جو انسان کے مزاج کے منافی ہیں، پھر مردار کو غیر مردار سے تمیز دینا ضروری ہے پس اس کا انضباط اس طور سے کیا گیا کہ وہ جانور حلال ہے جس کی روح کھانے کی غرض سے نکالی جائے پس اس سے یہ بات ضروری ہوگئی کہ وہ جانور حرام ہے جو سینگ لگ کر یا گر کر مر جائے اور وہ جانور حرام ہے جس کو کسی درندہ نے پھاڑ کھایا ہو کیونکہ یہ سب ناپاک اور موذی چیزیں ہیں،

اور از آں جملہ یہ ہے کہ عرب اور یہود ذبح اور نحر کیا کرتے تھے اور مجوس گلا گھونٹتے اور پیٹ پھاڑ ڈالتے تھے، اور ذبح اور نحر انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے جو ابتداء سے چلی آرہی ہے، اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، منجملہ یہ ہے کہ اس میں ذبیحہ کو نسبتاً آرام پہنچتا ہے کیونکہ روح نکالنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے،

وهو قوله صلى الله عليه وسلم فليرح ذبيحته وهو سر النهى عن شريطة الشيطان ومنها ان الدم احد النجاسات التى يغسلون الثياب اذا اصابها ويتحفظون منها والذبح تطهير الذبيحة منها، والخنق والبعج تنجيس لها ومنها انه صار الذبح احد شعائر الملة الحنفية يعرف به الحنيفى من غيره فكان بمنزلة الختان وخصال الفطرة، فلما بعث النبى صلى الله عليه وسلم مقيما للملة الحنيفية وجب الحفظ عليه، ثم لا بد من تمييز الخنق والبعج من غيرهما ولا يتحقق الا بان يوجب البعض دون ان يوجب الحلق واللبة فهذا ما نهى عنه لاجل حفظ صحة النفس والمصلحة الملية، اما الذى ينهى عنه لاجل الصحة البدنية كالسموم والمفترات فحالها ظاهر۔

واذا تمهدت هذه الاصول حان ان نشتغل بالتفصيل فنقول ما نهى الله عنه من الماكول صنفان صنف نهى عنه لمعنى فى نوع الحيوان وصنف نهى عنه لفقد شرط الذبح، والحيوان على اقسام، اهلى يباح منه الابل والبقر والغنم وهو قوله تعالى احلت لكم بهيمة الانعام وذلك لانها طيبة معتدلة المزاج موافقة لنوع الانسان واذن يوم خيبر فى الخيل ونهى عن الحمر، وذلك لان الخيل يستطيبه العرب والعجم وهو افضل الدواب عندهم ويشبه الانسان، والحمار يضرب به المثل فى الحمق والهوان وهو يرى الشيطان

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، پس اپنے ذبیحہ کو آرام دینا چاہیے اور ناقص ذبح کرکے چھوڑ دینے سے جو آپ نے منع فرمایا ہے، اس میں یہی راز ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ خون نجاستوں میں سے ایک نجاست ہے کہ جب وہ کپڑے کو لگ جاتی ہے تو لوگ اس کو دھوتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں اور ذبح کرنا ذبیحہ کو اس سے پاک کرتا ہے اور گلا گھونٹنا اور پیٹ پھاڑنا ذبیحہ کو خون کے ساتھ نجس کر دیتا ہے اور منجملہ یہ ہے کہ ذبح کرنا ملت حنیفیہ کے شعائر میں سے ایک ہے جس کی وجہ سے حنیفی غیر حنیفی سے ممتاز ہو جاتا ہے، پس ذبح کرنا ختنہ اور دیگر خصال فطرت کے مانند ہے، پھر چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت حنیفیہ کے قیام کے لئے مبعوث فرمایا تھا، اس واسطے اس کی حفاظت آپ پر ضروری ہو گئی، پھر گلا گھونٹنا اور پیٹ پھاڑنے سے تمیز ضروری ہوئی اور اس کی یہی صورت ہوگی کہ کسی تیز چیز سے کاٹنا اور حلق اور اس کی رگوں کا کاٹنا ضروری قرار دیا جائے، پس یہ وہ چیزیں ہیں جن سے ممانعت صحت نفسانیہ کی حفاظت کی وجہ سے اور مصلحت ملیہ کی وجہ سے ہے، اور وہ چیزیں جن سے صحت بدنی کی وجہ سے منع کیا ہے جیسے زہر اور سستی کرنے والی چیزیں سو ان کا حال ظاہر ہے

اور جب ان اصول کی تمہید ہو چکی تو اب ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں، پس ہم کہتے ہیں جن چیزوں کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اس کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ قسم ہے جس سے منع کرنے کی وجہ کوئی ایسی چیز ہے جو حیوان کی اس قسم میں پائی جاتی ہے اور ایک قسم وہ ہے جس سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شرط ذبح کا معدوم ہونا ہے، پس حیوانات کی چند اقسام ہیں، ایک تو گھریلو ہیں ان میں سے اونٹ گائے اور بکری مباح ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے احلت لکم بہیمۃ الانعام، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانور پاک معتدل المزاج اور نوع انسانی کے موافق ہیں اور جنگ خیبر کے دن گھوڑے کے کھانے کی اجازت دی گئی اور گدھے کے کھانے سے ممانعت کی گئی اس لئے کہ تمام عرب اور عجم گھوڑے کو پاکیزہ سمجھتے ہیں اور تمام حیوانات میں گھوڑے کو فضیلت دیتے ہیں اور وہ انسان کے مشابہ ہے اور گدھا حماقت اور ذلت میں ضرب المثل ہے اور وہ شیطان کو دیکھ کر

فيهم وقد حرمه من العرب اذكاهم فطرة واطيبهم نفسا، واكل رسول الله صلى الله عليه وسلم لحم الدجاج، وفي معناها الاوز والبط لانها من الطيبات، والديك يرى الملك فيصفق، ويحرم الكلب السنور لانهما من السباع ويأكلان الجيف، والكلب شيطان، وحشي يحل منه ما يشبه بهيمة الانعام في اسمها ووصفها كالظباء والبقر الوحشي والنعامة، واهدى له صلى الله عليه وسلم لحم الحمار الوحشي فاكله والارنب فقبله واكل الضب على مائدته لان العرب يستطيبون هذه الاشياء، واعتذر في الضب تارة بانه لم يكن بارض قومي فاجدني اعافه وتارة باحتمال المسخ ونهى عنه تارة، وليس فيها عندي تناقض لانه كان فيه وجهان جميعا كل واحد كاف في العذر، لكن ترك ما فيه الاحتمال ورع من غير تحريم، واراد بالنهي الكراهة التنزيهية، ونهى عن كل ذي ناب من السباع لخروج طبيعتها من الاعتدال والمشاكلة اخلاقها وقسوة قلوبها، وطير يباح منه الحمام والعصفور لانهما من المستطاب، ونهى عن كل ذي مخلب سمي بعضها فاسقا فتحريم تناوله ويكره ما يأكل الجيف والنجاسات وكل ما يستخبثه العرب لقوله تعالى يحرم عليهم الخبائث واكل الجراد في عهده صلى الله عليه وسلم لان العرب يستطيبونه ‌:

وبحري يباح منه ما يستطيبه العرب

اور عرب کے اندر جو لوگ فطرتاً ذکی اور پاکیزہ نفس تھے وہ بھی اسکو حرام سمجھتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت کھایا ہے اور مرغابی اور بطخ اسی کے مثل ہے کیوں کہ یہ بھی پاکیزہ چیزیں ہیں، اور مرغ فرشتہ کو دیکھکر بانگ کہتا ہے اور کتا اور بلی حرام ہیں کیونکہ وہ بھی درندے ہیں اور مردار کھاتے ہیں اور کتا شیطان ہے اور دوسری قسم وحشی یعنی جنگلی جانور ہیں ان میں سے وہ جانور حلال ہیں جو نام اور وصف میں ڈنگروں سے مشابہ ہیں جیسے ہرن اور نیل گائے اور شتر مرغ اور کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گورخر کا گوشت ہدیۃً بھیجا تو آپ نے اس کو کھا لیا اور کسی نے خرگوش کا گوشت آپ کو بھیجا تو آپ نے اس کو قبول فرما لیا اور ایک مرتبہ آپ کے دسترخوان پر گوہ کا گوشت کھایا گیا کیوں کہ عرب لوگ ان چیزوں کو پاکیزہ جانتے تھے اور ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے نہ کھانے کی نسبت یہ عذر پیش کیا کہ یہ میرے ملک میں نہیں ہوتا اس واسطے مجھے اس سے کراہت معلوم ہوتی ہے اور ایک مرتبہ احتمال مسخ کے ساتھ معذرت فرمائی اور ایک دفعہ اس کے کھانے سے منع کیا اور میرے نزدیک ان میں کچھ تناقض نہیں ہے کیوں کہ اس میں دو وجہ تھیں جن میں سے ہر ایک عذر کے لئے کافی تھی لیکن جس چیز میں احتمال ہو اس کا ترک کرنا پرہیزگاری ہے نہ کہ اسکو حرام قرار دینا اور نہی سے آپ کی مراد کراہت تنزیہی ہے اور آپ نے تمام درندوں کے کھانے سے ممانعت فرمائی ہے کیوں کہ ان کی طبیعت اعتدال سے خارج اور ان کی عادات بد اور ان کے دل سخت ہوتے ہیں اور پرندوں میں سے کبوتر اور چڑیا کو جائز کیا کیونکہ وہ پاکیزہ سمجھے جاتے ہیں اور ہر شکار کرنے والے پرندہ کے کھانے سے آپ نے نہی فرمائی ہے اور انہیں سے بعض کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق رکھا ہے ایسی ان کو کھانا بھی ناجائز ہے اور جو پرند مردار اور نجاست کھاتا ہے اور ہر وہ چیز جس کو عرب لوگ خبیث جانتے ہیں اس کا کھانا مکروہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان پر خبیث چیزیں حرام کی گئی ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ٹڈی کو کھایا جاتا تھا کیوں کہ عرب اس کو پاکیزہ سمجھتے تھے۔

اور ایک قسم دریائی جانور ہیں ان میں سے جس کو عرب کے لوگ پاکیزہ سمجھے

كالسمك والعنبر، واما ما يستخبثه العرب و يسميه باسم حيوان محرم كالخنزير ففيه تعارض الدلائل والتعفف افضل، وسئل صلى الله عليه وسلم عن السمن ماتت فيه الفارة فقال القوها وما حولها وكلوه، وفي رواية اذا وقعت الفارة في السمن فان كان جامدا فالقوها وما حولها وان كان مائعا فلا تقربوه؛

اقول الجيفة وما تأذى منها خبيث في جميع الامم والملل فاذا تميز الخبيث من غيره القي الخبيث واكل الطيب وان لم يمكن التميز حرم كله، ودل الحديث على حرمة كل نجس ومتنجس، ونهى عليه السلام عن اكل الجلالة والبانها؛

اقول ذلك لانها لما شربت اعضاؤها النجاسة وانتشرت في اجزائها كان حكمها حكم النجاسة او حكم من يتعيش بالنجاسة قال صلى الله عليه وسلم احلت لنا ميتتان ودمان اما الميتتان الحوت والجراد والدمان الكبد والطحال؛

اقول الكبد والطحال عضوان من اعضاء بدن البهيمة لكنهما يشبهان الدم فازاح النبي صلى الله عليه وسلم الشبهة فيهما وليس في الحوت والجراد دم مسفوح فلذلك لم يشرع فيهما الذبح، وامر صلى الله عليه وسلم بقتل الوزغ وسماه فاسقا وقال كان ينفخ على ابراهيم وقال من قتل وزغا في اول ضربة كتب له كذا وكذا وفي الثانية دون ذلك وفي الثالثة دون ذلك؛

تھے اس کا کھانا مباح کیا گیا ہے جیسے مچھلی اور عنبر، اور جس کو وہ ناپاک سمجھتے ہیں اور حرام جانور کے نام کے ساتھ اس کا نام لیتے ہیں جیسے خنزیر پس اس میں دلائل متعارض ہیں اور اس سے بچنا افضل ہے اور ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی کے متعلق جس میں چوہا مرگیا تھا سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا، چوہے اور اس کے آس پاس کے گھی کو نکال ڈالو اور باقی کو کھالو۔ اور ایک روایت میں ہے، گھی کے اندر جب چوہا مرجائے تو اگر وہ گھی جما ہوا ہے تو چوہے اور اس کے آس پاس کے گھی کو نکال دو اور اگر وہ گھی پگھلا ہوا ہے تو اس کو استعمال نہ کرو۔

میں کہتا ہوں مردار اور وہ چیز جس میں اس کا اثر ہوجائے، تمام امتوں اور ملتوں میں ناپاک ہے، پس جب وہ ناپاک چیز پاک چیز سے جدا ہوسکے تو ناپاک کو پھینک دیا جائے اور پاک کو کھایا جائے اور اگر الگ نہ ہوسکے تو وہ سب حرام ہے اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نجاست اور ہر وہ چیز جس میں نجاست پڑی ہے حرام ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس جانور کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو نجاست کھاتا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کے اعضاء میں نجاست پیوست ہوگئی اور اس کے تمام اعضاء میں پھیل گئی تو اس کا حکم نجاستوں کے حکم میں ہوگیا یا اس جانور کے حکم میں ہوگیا جو نجاست کھاکر زندگی گذارتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں، لیکن دو مردار تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور وہ دو خون جگر اور تلی ہیں

میں کہتا ہوں جگر اور تلی بدن حیوان کے اعضاء میں سے دو عضو ہیں لیکن وہ دونوں خون کے ساتھ مشابہ ہیں پس ان کے اندر شبہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دور کردیا اور مچھلی اور ٹڈی میں بہتا ہوا خون نہیں ہے، پس اس لئے اس میں ذبح کرنا مقرر نہ ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا اور اس کو فاسق کہا ہے اور آپ نے فرمایا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پھونک مارتا تھا" اور آپ نے فرمایا، جو پہلے ہی ضربہ میں گرگٹ کو مار دے تو اس کے لئے اتنا اتنا ثواب لکھا جائیگا اور جو دوسرے ضربہ میں مارے تو اس سے کم، اور جو تیسرے ضربہ میں مارے تو اس کو اس سے بھی کم ثواب ملیگا

اقول بعض الحیوان جبل بحیث یصدر منہ افعال وھیئات شیطانیۃ وھو اقرب الحیوان شبھا بالشیطان الغم لوسوستہ وقد علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان منہ الوزغ ونبہ علی ذلک بانہ کان ینفخ علی ابراھیم لا نفخا ذا اثر بل بحسب الطبیعۃ لوسوسۃ الشیطن وان لم ینفعہ نفخہ فی النار شیئا وانما رغب فی قتلہ لمعنیین،

احدھما ان فیہ دفع ما یؤذی نوع الانسان نسلہ کمثل قطع اشجار السموم من البلدان ونحو ذلک مما فیہ جمع شملھم، والثانی ان فیہ کسر جند الشیطان ونقض وکر وسوستہ وذلک محبوب عند اللہ وملائکتہ المقربین وانما کان القتل فی اول ضربۃ افضل من قتلہ فی الثانیۃ لما فیہ من الحذاقۃ والسرعۃ الی الخیر، واللہ اعلم۔

قال اللہ تعالی حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق۔

اقول فالمیتۃ والدم لانھما نجسان والخنزیر لانہ حیوان مسخ بصورتہ قوم وما اھل لغیر اللہ بہ، وما ذبح علی النصب یعنی الاصنام قطعا لابواب الشرک، ولان قبح الفعل یسری فی المفعول بہ، والمنخنقۃ ھی التی تخنق فتموت والمتردیۃ وھی التی تقع من الاعلی الی الاسفل ثم النطیحۃ وھی التی

میں کہتا ہوں بعض حیوانوں کی جبلت ایسی ہوتی ہے ان سے شیطانی افعال اور ہیئات صادر ہوتے ہیں اور وہ سب حیوانات میں شیطان کے ساتھ شابہت میں زیادہ قریب ہوتے ہیں اور اس کے وسواسہ کو ماننے والے ہوتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ گرگٹ انہیں حیوانات میں سے ہے اور اس بات پر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو پھونکتا تھا کیونکہ باعتبار طبیعت کے وہ شیطانی وسوسہ کا تابع تھا، اگرچہ اس کا آگ پر پھونک مارنا کچھ مؤثر نہ تھا اور اس کو قتل کرنے میں آپ نے دو وجہ سے رغبت دلائی، ایک تو یہ کہ اس کے قتل کرنے میں نوع انسانی کی ایذا رسانی کو دفع کرنا ہے، بس اس کی مثال ایسی ہے جیسے شہروں سے سمی درختوں کا قطع کرنا ہے اور اسی طرح کے ایسے امور جن ان شہر میں جمعیت ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے قتل کرنے میں شیطانی لشکر کا توڑنا اور اس کے وسوسہ کے مقام کو اجاڑ دینا ہے اور یہ بات اللہ تعالی اور ملائکہ مقربین کے نزدیک پسندیدہ ہے اور پہلی ضرب میں اس کا مار ڈالنا دوسری ضرب میں مار ڈالنے سے افضل اس لئے ہے کہ اس میں حذاقت اور نیکی کی طرف سرعت پائی جاتی ہے واللہ اعلم

اللہ تعالی فرماتا ہے "تم پر مرا ہوا جانور اور بہتا لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ تعالی کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جسکو درندے پھاڑ کر کھائیں مگر جسکو تم مرنے سے پہلے ذبح کر لو اور وہ جانور بھی جو تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ پانسوں سے قسمت معلوم کرو یہ سب گناہ کے کام ہیں"

میں کہتا ہوں مردار اور خون اس لئے حرام ہوئے کہ وہ دونوں نجس ہیں اور خنزیر اس لئے حرام ہوا کہ یہ ایسا جانور ہے کہ اس کی صورت پہ ایک قوم مسخ ہو چکی ہے اور جن پر غیر اللہ کا نام لیا گیا اور جو تھانوں پر ذبح کئے جاتے ہیں، اس لئے حرام ہوئے تاکہ شرک کی جڑ کٹ جائے اور اس لئے کہ فعل کی برائی مفعول بہ میں سرایت کر جاتی ہے اور منخنقہ یعنی وہ جانور جس کو گلا گھونٹ کر مارا جائے اور متردیہ یعنی وہ جانور جو اوپر سے نیچے کی طرف گر جائے اور نطیحہ یعنی وہ جانور

تناطحت لطحا بالقرون وما اكل السبع فبقي منه لانه ضبط الذبح الطيب بما قصد ازهاق الروح باستعمال المحدد في حلقه او لبته فجر ذلك الى تحريم هذه الاشياء ؎

وايضا فان الدم المسفوح ينتشر فيه ويتنجس جميع البدن الا ما ذكيتم اي وجدتموه قد اصيب ببعض هذه الاشياء وفيه حياة مستقرة فذبحتموه فكان ازهاق روحه بالذبح وان تستقسموا بالازلام اي تطلبوا علم ما قسم لكم من الخير والشر بالقداح التي كان اهل الجاهلية يجيلونها في احدها افعل والثاني لا تفعل والثالث غفل فان ذلك افتراء على الله واعتماد على جهل ونهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تصبر بهيمة وعن اكل المصبورة ؎

اقول كان اهل الجاهلية يصبرون البهائم يرمونها بالنبل، وفي ذلك ايلام غير محتاج اليه ولانه لم يصر قربانا الى الله ولا شكرا لنعم الله، قال صلى الله عليه وسلم ان الله كتب الاحسان على كل شيء فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة وليحد احدكم شفرته وليرح ذبيحته ؎

اقول في اختيار اقرب طريق لازهاق الروح اتباع داعية الرحمة وهي خلة يرضى بها رب العالمين ويتوقف عليها اكثر المصالح المنزلية والمدنية، وقال صلى الله عليه وآله وسلم ما يقطع من بهيمة وهي حية فهي ميتة ؎

جو سینگ کھا کر مر جائے اور وہ جانور جس کو درندے پھاڑ کھائیں اور اس میں سے کچھ باقی رہ جائے یہ سب کے سب اس لئے حرام ہوئے کہ پاک ذبح کا انحصار اس میں ہو گیا ہے کہ جس کے حلق یا گردن پر دھار دار چیز کا استعمال جان نکالنے کے قصد سے کیا جائے پس اس سے یہ بات لازم ہوئی کہ یہ سب چیزیں حرام کی جائیں۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان سب میں بہتا ہوا خون تمام بدن کے اندر پھیل جاتا ہے اور اس کا گوشت ناپاک ہو جاتا ہے الا ما ذکیتم یعنی ان چیزوں میں سے جو کوئی جانور تم کو ایسا ملے کہ اس میں جان باقی ہو اور تم اس کو اس طرح ذبح کرو کہ اس کی جان کا نکلنا ذبح کی وجہ سے ہو تو وہ حلال ہے وان تستقسموا بالازلام یعنی تمہاری قسمت میں جو بھلائی اور برائی ہے تیروں کے ذریعہ تم اس کو معلوم کرنا چاہو جس کا زمانہ جاہلیت میں اس طرح رواج تھا کہ ایک تیر پر "اِفْعَلْ" یعنی کر اور دوسرے پر "لَا تَفْعَلْ" یعنی نہ کر اور تیسرے پر "غُفْلٌ" یعنی غافل لکھ کر ان کو پھراتے تھے پس ہر کام کے کرنے نہ کرنے پر انہیں کی حرکات کے مطابق بھلائی اور برائی سمجھتے تھے پس یہ اللہ تعالیٰ پر افترا اور اپنے جہل پر اعتماد کرنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ جانور کو باندھ کر تیر مارے جائیں یہاں تک کہ مر جائے اور ایسے جانور کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا۔

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت جانوروں کو باندھ کر ان پر تیر مارا کرتے تھے اور اس میں بلا ضرورت جانور کو تکلیف دینا تھا اور نیز اس میں نہ تقرب الٰہی تھا اور نہ اس کی نعمت کا شکریہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم فرمایا ہے پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور اپنی چھری کو تیز کر لیا کرو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔

میں کہتا ہوں آسان طور پر روح نکالنے کے طریقے کو اختیار کرنے میں داعیۂ رحمت کا اتباع ہے۔ یہ وہ خصلت ہے جس سے پروردگار عالم خوش ہوتا ہے اور جس پر اکثر مصالح منزلیہ اور مدنیہ موقوف ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے تو وہ عضو مردار ہے۔"

اقول كانوا يجبون اسنمة الابل ويقطعون اليات الغنم وفى ذلك تعذيب ومناقضة لما شرع الله من الذبح، فنهى عنه، قال صلى الله عليه وآله وسلم من قتل عصفورًا فما فوقه بغير حقه سأل الله عز وجل عن قتله، قيل يا رسول الله وما حقه؟ قال ان يذبحه فيأكله ولا يقطع رأسه فيرمى به ٭

اقول ههنا شيئان مشتبهان لابد من التمييز بينهما، احدهما الذبح للحاجة واتباع داعية اقامة مصلحة نوع الانسان والثانى السعى فى الارض بافساد نوع الحيوان واتباع داعية قسوة القلب ٭

واعلم انه كان الاصطياد دينًا للعرب وسيرة فاشية فيهم حتى كان ذلك احد المكاسب التى عليها معاشهم فاباحه النبى صلى الله عليه وسلم وبين ما فى اكثاره بقوله من اتبع الصيد لها، واحكام الصيد تبتنى على انه محمول على الذبح فى جميع الشروط الا فيما يعسر الحفظ عليه ويكون اكثر سعيهم انه شترط باطلا فيشترط التسمية على ارسال الجارح والرمى ونحوها ويشترط اهلية الصائد ولا يشترط الذبح ولا الحلق واللبة وعلى تحقيق ذاتيات الاصطياد كارسال الجارح المعلم قصدًا والا كان ظفرا بالصيد اتفاقا فلا اصطيادا وكون الجارح لم يأكل منه فان اكل فادرك حيا فذكى حل والا لا، وذلك تحقيقا لمعنى المعلم وتمييز الما اكل السبع، وسئل

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت اونٹوں کے کوہان اور دنبوں کی چکتیاں کاٹ لیا کرتے تھے اور اس میں عذاب دینا تھا اور اس طریقہ کے خلاف تھا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا تھا اس واسطے آپ نے اس سے منع فرمایا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص چڑیا یا اس سے بڑے جانور کو ناحق قتل کریگا تو اللہ عزوجل اس سے اس کے قتل کے متعلق باز پرس کریگا آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کا حق سے قتل کرنا کیا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کو ذبح کرکے کھالے اور یہ نہ کرے کہ اس کا سر کاٹ کر اسکو پھینک دے"

میں کہتا ہوں اس جگہ دو چیزیں باہم مشابہ ہیں ان میں فرق کرنا ضروری ہے ایک تو یہ ہے کہ ذبح کرنا حاجت کی وجہ سے ہو اور اس داعیہ کا اتباع ہو جو مصلحت نوع انسان کے متعلق ہو، اور دوسرا یہ ہے کہ زمین میں نوع حیوان کے فاسد کرنے میں سعی ہو اور سخت دلی کے داعیہ کا اتباع ہو،

واضح ہو کہ شکار کرنا عرب کی عادت اور وہاں کی عام خصلت تھی یہاں تک کہ وہ ان کے ان پیشوں میں سے ایک تھا جن پر ان کی زندگی اور معاش موقوف تھی پس اسکو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا اور اس کے زیادہ مصروف ہونے میں جو برائی تھی اس کو اپنے اس قول کے ساتھ ظاہر کر دیا "جو شکار کے پیچھے پڑا وہ لہو میں پڑا"، اور شکار کے احکام اس بات پر مبنی ہیں کہ وہ تمام شروط میں ذبح کرنے پر محمول ہو بجز اس شرط کے جسکی پابندی دشوار ہو اور اس شرط کے لگانے میں اکثر کوشش شکار کرنے کی بیکار جاتی ہو اسواسطے شکاری جانور چھوڑتے وقت یا تیر پھینکتے وقت اللہ کا نام لینا شرط کیا گیا اور شکاری کا ذبح کا اہل ہونا بھی شرط کیا گیا، اور ذبح کرنا اور حلق اور گردن کا کاٹنا شرط نہیں کیا گیا، اور ایک اس بات پر مبنی ہیں کہ شکار کرنے کی ذاتیات اس میں پائی جائیں مثلاً سکھائے ہوئے جانور کا قصداً شکار پر چھوڑنا اور اگر یہ بات نہ ہوئی تو اتفاق سے اس شکار کا دبا لینا ہوگا اور شکار کرنا نہ ہوگا، اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ شکاری جانور کچھ نہ کھائے اور اگر اس نے کچھ کھا لیا ہو تو اگر وہ شکار زندہ رہا اور ذبح کر لیا گیا تب تو وہ حلال ہے ورنہ حرام ہے اور یہ اس لئے کہ سکھلائے ہوئے کے معنی پائے جائیں اور اس کا اور درندوں کے کھائے ہوئے میں فرق ہو جائے،

رسول الله صلى الله عليه وسلم عن احكام الصيد والذبائح فاجاب بالتخريج على هذه الاصول. قيل انا بارض قوم اهل كتاب افنأكل في آنيتهم؟ وبارض صيد اصيد بقوسي وبكلبي الذي ليس بمعلم وبكلبي المعلم فما يصلح لي؟ قال صلى الله عليه وسلم اما ما ذكرت من آنية اهل الكتاب فان وجدتم غيرها فلا تأكلوا فيها وان لم تجدوا فاغسلوها وكلوا فيها وما صدت بقوسك فذكرت اسم الله فكل وما صدت بكلبك المعلم فذكرت اسم الله فكل وما صدت بكلبك غير المعلم فادركت ذكاته فكل، قوله صلى الله عليه وسلم فان وجدتم غيرها فلا تأكلوا فيها۔

اقول ذلك تحريا للمختار وراحة للقلب من الوساوس، وقيل يا رسول الله انا نرسل الكلاب المعلمة قال صلى الله عليه وسلم اذا ارسلت كلبك فاذكر اسم الله فان امسك عليك فادركته حيا فاذبحه وان ادركته قد قتل ولم يأكل منه فكله فان اكل فلا تأكل فانما امسك على نفسه وان وجدت مع كلبك كلبا غيره وقد قتل فلا تأكل فانك لا تدري ايهما قتل، قيل يا رسول الله ارمي الصيد فاجد فيه من الغد سهمي قال صلى الله عليه وسلم اذا علمت ان سهمك قتله ولم تر فيه اثر سبع فكل وفي رواية واذا رميت سهمك فاذكر اسم الله فان غاب عنك يوما فلم تجد فيه الا اثر سهمك فكل ان شئت وان وجدته

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے شکار اور ذبائح کے احکام دریافت کئے گئے تو آپؐ نے انہی قواعد سے مسائل کا استنباط کر کے جواب ارشاد فرمایا۔ کسی نے عرض کیا ہم اہل کتاب کے ملک میں رہتے ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا لیا کریں؟ اور ہم شکار کی جگہ رہتے ہیں اپنی کمان اور اپنے سکھلائے ہوئے کتے اور غیر سکھلائے ہوئے کتے سے شکار کرتے ہیں پس ان میں سے کون سی بات ہمارے لئے درست ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اہل کتاب کے برتنوں کا جو تم نے ذکر کیا پس اگر تم کو ان کے سوا اور برتن میسر ہوں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ اور اگر تم کو اور برتن میسر نہ ہوں تو ان کے برتنوں کو دھو لو اور ان میں کھا لو اور جس شکار کو تم نے کمان سے مارا ہے اور اللہ کا نام بھی لیا ہو تو اسے کھا لو اور سدھائے ہوئے کتے سے جو تم شکار کرو اور اس پر تم نے اللہ کا نام بھی لے لیا ہو تو اسکو کھا لیا کرو اور جو بغیر سدھائے کتے سے شکار کرو اور اس شکار کو زندہ پالو تو اس کو ذبح کر کے کھا لو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ "اگر تم کو ان کے علاوہ اور برتن مل سکیں تو انہیں مت کھاؤ" میں کہتا ہوں اس میں پسندیدہ بات کا قصد کرنا اور دل کو وسوسوں سے راحت دینا ہے، اور کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم سدھائے ہوئے کتے چھوڑا کرتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ جب تم اپنا کتا چھوڑو تو اللہ کا نام لے لیا کرو پس اگر اس نے تمہارے لئے شکار کو پکڑ رکھا ہو اور تم نے اس کو زندہ پایا ہو تو اس کو ذبح کر لو اور اگر تم نے اس کو مردہ پایا ہو اور اس میں سے اس نے کچھ نہیں کھایا تو تم اس کو کھا لیا کرو اور اگر اس نے کچھ کھا لیا ہو تو مت کھاؤ کیونکہ اس نے وہ شکار اپنے لئے پکڑا تھا اور اگر تم اپنے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا بھی دیکھو اور شکار مر چکا ہو تو اس کو مت کھاؤ کیونکہ تم کو معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے کس نے اس کو مارا ہے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں شکار کی طرف تیر پھینکتا ہوں اور دوسرے دن اس جانور میں اپنا تیر لگا پاتا ہوں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم کو یقین ہو کہ تمہارے تیر سے وہ مرا ہے اور اس میں تم نے درندہ کا کوئی اثر نہیں پایا تو تم اسکو کھا لو۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جب تم اپنے تیر کو پھینکو تو اللہ کا نام لے لیا کرو پس اگر ایک دن تک وہ شکار تم کو نہ ملے اور دوسرے روز تمکو سوائے تیر کے اثر کے اور کچھ نہ معلوم ہو تو اگر تم چاہو تو اس کو کھا لو اور اگر تم

غريقا في الماء فلا تأكل. قيل انا نرمي بالمعراض قال صلى الله عليه وسلم كل ما خزق وما اصاب بعرضه فقتل فانه وقيذ فلا تأكل. قيل يا رسول الله ان هنا اقواما حديث عهدهم بشرك يأتوننا بلحمان لا ندري يذكرون اسم الله عليها ام لا قال صلى الله عليه وسلم اذكروا انتم اسم الله وكلوا.

اقول اصله ان الحكم على الظاهر.

قيل انا لاقوا العدو غدا وليست معنا مدى انذبح بالقصب؟ قال صلى الله عليه وسلم ما انهر الدم وذكر اسم الله فكل ليس السن والظفر وسأحدثك عنه اما السن فعظم واما الظفر فمدى الحبش. وند بعير فرماه رجل بسهم فحبسه فقال صلى الله عليه وسلم ان لهذه الابل اوابد كاوابد الوحش فاذا غلبكم منها شيء فاصنعوا به هكذا.

اقول لانه صار وحشيا فكان حكمه حكم الصيد. وسئل النبي صلى الله عليه وآله وسلم عن شاة ابصرت جارية بها موتا فكسرت حجرا فذبحتها فامر باكلها. قيل ان من الطعام طعاما اتحرج منه؟ قال لا يتخلجن في صدرك شيء ضارعت فيه النصرانية. قيل يا رسول الله ننحر الناقة ونذبح البقرة والشاة فنجد في بطنها الجنين انلقيه ام نأكله؟ قال صلى الله عليه وسلم كلوه ان شئتم فان ذكاته ذكاة امه.

شکار کو پانی میں ڈوبا ہوا دیکھو تو اس کو مت کھاؤ، کسی نے عرض کیا ہم بغیر بھال اور پر کا تیر پھینکتے ہیں؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ زخمی ہوگیا ہے تو کھالے اور اگر وہ جانور تیر کی چوڑائی سے چوٹ کھا کر مرا ہے تو نہ کھا کیونکہ وہ جانور موقوذہ[1] ہے" کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہاں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ابھی شرک کو چھوڑا ہے وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں اور ہم کو نہیں معلوم کہ اس پر وہ اللہ کا نام ذکر کرتے ہیں کہ نہیں، تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم خود اللہ کا نام لیکر اس کو کھالیا کرو"۔

میں کہتا ہوں اس کی اصل یہ ہے کہ حکم ظاہر پر ہوتا ہے اور کسی نے آپ سے عرض کیا کہ کل ہم دشمن سے مقابلہ کرنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھری نہیں ہے کیا ہم بانس سے ذبح کر لیا کریں؟ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو چیز خون کو بہادے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھالے مگر دانت اور ناخن نہ ہو اور ابھی میں تم کو اس کا حال بتلاتا ہوں پس دانت تو ایک ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے" اور ایک مرتبہ ایک اونٹ بھاگ چلا تھا تو ایک شخص نے اس کے تیر مارا جس سے وہ ٹھیر گیا تب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان اونٹوں میں بھی وحشی جانوروں کی طرح آدمیوں سے نفرت ہوتی ہے پس جب کوئی اونٹ تم کو مغلوب کردے تو تم اس کے ساتھ ایسا ہی کرو"۔

میں کہتا ہوں کیونکہ وہ وحشی ہوگیا تو اس کا حکم مثل حکم شکار کے ہوگیا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک بکری کے متعلق سوال کیا گیا جس کو ایک باندی نے دیکھا کہ اس پر موت کے آثار طاری ہوگئے ہیں تو اس نے ایک پتھر توڑ کر اس کی کتنی سے اس کو ذبح کیا پس آپ نے اسکے کھانے کا حکم دیا، کسی نے عرض کیا بعض کھانے ایسے ہیں جن کی مجھکو حرج معلوم ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "دل میں کوئی خلجان نہ پیدا کر اس میں تو نے نصرانیت کی مشابہت کی ہے" کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اونٹنی کو نحر کرتے ہیں اور گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہیں پس ان کے پیٹوں میں ہم بچہ پاتے ہیں آیا ہم اس کو پھینک دیں یا کھالیں تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تمہارا دل چاہے تو تم اسکو کھاؤ کیونکہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس کا ذبح کرنا ہے"۔

[1] یعنی بغیر دھار والی چیز سے مارا گیا ہے۔

آداب الطعام

واعلم ان النبي صلى الله عليه وسلم ادّبنا آدابا يتأدبون فيها في الطعام، قال صلى الله عليه وسلم بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده، وقال صلى الله عليه وسلم كيلوا طعامكم يبارك لكم وقال عليه السلام اذا اكل احدكم طعاما فلا يأكل من اعلى الصحفة ولكن ليأكل من اسفلها فان البركة تنزل من اعلاها۔

اقول من البركة ان تشبع النفس وتقر العين وينجمع الخاطر ولا يكون هاعا لاعا كالذي يأكل ولا يشبع. تفصيل ذلك انه ربما يكون رجلان عند كل منهما مائة درهم احدهما يخشى العيلة ويطمع في اموال الناس ولا يهتدي لصرف ماله فيما ينفعه في دينه ودنياه والآخر متعفف يحسبه الجاهل غنيا مقتصد في معيشته منجمع في نفسه. فالثاني بورك له في ماله والاول لم يبارك له، ومن البركة ان يصرف الشيء في الحاجة ويكفي عن امثاله تفصيله انه ربما يكون رجلان يأكل كل واحد رطلا يصرف طبيعة احدهما الى تغذية البدن ويحدث في معدة الآخر آفة فلا ينفعه ما اكل بل ربما صار ضارا، وربما يكون لكل منهما مال فيصرف احدهما في مثل ضيعة كثيرة الريع ويهتدي لتدبير المعاش، والثاني يبذر تبذيرا فلا يقع من حاجته في شيء،

کھانے کے آداب کا بیان

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے آداب سکھائے ہیں جن کی کھانے میں رعایت کرنا امت پر لازم ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کھانے کی برکت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے غلہ کو ناپ لیا کرو تمہارے لئے برکت دیجائے گی" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی کھانا کھائے تو رکابی کے اوپر سے نہ کھائے بلکہ اس کے نیچے سے کھائے کیونکہ برکت اس کے اوپر سے نازل ہوتی ہے"

میں کہتا ہوں منجملہ برکت کے یہ ہے کہ نفس سیر ہو جائے اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور دل کو تسلی حاصل ہو اور وہ زیادہ حریص نہ ہو جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ کبھی دو شخص ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس سو سو درہم ہوتے ہیں ان میں سے ایک تنگدستی سے ڈرتا ہے اور لوگوں کے مال میں طمع کرتا ہے اور اپنے مال کو کسی ایسے کام میں صرف کرنا نہیں جانتا جس سے اس کو دنیا یا دین کا نفع حاصل ہو، اور دوسرا ایک محتاط آدمی ہے اور جاہل آدمی اس کو غنی سمجھتا ہے اور وہ میانہ روی سے زندگی بسر کرتا ہے اور اس کا دل مطمئن رہتا ہے، پس دوسرا شخص ایسا ہے جس کے مال میں برکت دی گئی اور پہلے کے مال میں برکت نہ دی گئی، اور منجملہ برکت کے یہ ہے کہ شئی کو ضرورت میں صرف کرے اور وہ اس کی امثال سے کفایت کرے اس کی تفصیل یہ ہے کہ کبھی دو شخص ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ایک رطل کھانا کھاتا ہے ایک کی طبیعت تو اس کو غذا، بدن بناتی ہے اور دوسرے کے معدہ میں آفت پیدا کرتی ہے پس جو کچھ اس نے کھایا وہ نفع نہیں دیتا بلکہ بسا اوقات ضرر پہنچاتا ہے، اور کبھی دو شخصوں کے پاس مال ہوتا ہے پس ان میں سے ایک شخص اس مال کو ایسے اسباب میں صرف کرتا ہے جس سے بڑا نفع ہوتا ہے اور امور معاش میں ہر بات کا لحاظ رکھتا ہے اور دوسرا شخص اپنے مال کو بے فائدہ صرف کرتا ہے پس اس کی حاجت میں وہ مال کام نہیں آتا،

وان لهيئات النفس وعقائدها مدخلا
في ظهور البركة، وهو قوله صلى الله عليه
وسلم فمن اخذه باشراف نفس لم يبارك
له فيه وكان كالذي يأكل ولا يشبع، و
لذلك تزلق رجل الماشي على الجمد في
الجمود دون الارض فاذا اقبل على شيء بالهمة
واراد به ان يقع كفاية عن حاجته
وجمع نفسه في ذلك كان سبب قرة
عينه وانجماع خاطره وتعفف نفسه
وربما يسري ذلك الى الطبيعة فصرفت
فيما لابد منه فاذا غسل يديه قبل
الطعام ونزع النعلين واطمأن في مجلسه
واخذه اعتياده وذكر اسم الله افيضت
عليه البركة واذا كال الطعام وعرف
مقداره واقتصد في صرفه وصرفه في
عينه كان ادنى ان يكفيه اقل مما لا يكفي
الآخرين، واذا جعل الطعام بهيئة منكرة
تعافها النفس ولا تعتد به لاجلها كان
ادنى ان لا يكفي اكثر مما يكفي الآخرين كيف
ولا اظن ان احدا يخفى عليه ان الانسان
ربما يأكل الرغيف كهيئة المتفكه او يأكله
وهو يمشي ويحدث فلا يحس له بالا ولا
يرى نفسه قد اغتذت ولا تشبع به
نفسه وان امتلأت المعدة، وربما
يأخذ مقدار الرطل جزافا فيكون الزائد
يستوي وجوده وعدمه ولا يقع من
الحاجة في شيء ويجد الطعام بعد حين
قد ظهر فيه النقصان،
وبالجملة لوجود البركة وعدمها

اور نیز ہیئات نفسانیہ اور عقائد نفسانیہ کو بھی برکت کے ظاہر ہونے
میں دخل ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اس مال کو
حرص نفسانی کے ساتھ لیگا تو اس میں اس کو برکت نہ دیجائیگی اور
وہ ایسا ہوگا جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اسی لئے جو شخص
کسی لکڑی معلق پر چلتا ہے اس کا قدم پھسل جاتا ہے اور جو زمین پر چلتا
ہے وہ نہیں پھسلتا پس جب کوئی شخص کسی چیز کا قصد کرتا ہے اور اس
کے ساتھ اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ اس کی ضرورت کو کافی ہو
جائے اور اپنے نفس کو اس میں مطمئن کرلیتا ہے تو وہ اس کے سرور
اور اطمینان خاطر اور قناعت کا سبب ہو جاتا ہے اور کبھی یہ طبیعت
کی طرف سرایت کر جاتا ہے اور وہ طبیعت اس کو ضروری کاموں میں
صرف کرتی ہے پس جب کوئی شخص کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتا ہے
اور جوتیاں اتارتا ہے اور اطمینان سے کھانے کے لئے بیٹھتا ہے
اور اس کی عادت ڈالتا ہے اور اللہ کا نام بھی لیتا ہے تو اس پر برکت
نازل ہوتی ہے، اور جب کوئی شخص اناج کو ناپ لیتا ہے اور اس کی
مقدار کو معلوم کرلیتا ہے اور اس کے خرچ کرنے میں میانہ روی
اختیار کرتا ہے اور اس کو سمجھکر خرچ کرتا ہے تو اس کو کم از کم اس
قدر غلہ کافی ہو سکتا ہے جو دوسروں کے لئے کافی نہیں ہو سکتا
اور جب کوئی شخص غلہ کو برے طور سے رکھتا ہے جس کو دل برا سمجھتا ہے
اور اس کے سبب سے وہ ایک بے قدر چیز ہو جاتا ہے تو کم از کم غلہ جو
دوسروں کے لئے کافی سے زیادہ ہوتا ہے اس کو کافی نہیں ہو سکتا،
اور میں گمان نہیں کرتا کہ کسی پر یہ بات مخفی ہے کہ انسان بسا اوقات
روٹی اس طرح کھا جاتا ہے جیسے میوہ کھایا کرتے ہیں یا چلتے پھرتے اور
باتیں کرتے اسکو کھا جاتا ہے پس اسکو کھانے کا پتہ بھی نہیں چلتا
اور نہ اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کھانا کھایا ہے اور نہ اس کھانے
سے اسکا دل سیر ہوتا ہے اگرچہ معدہ بھر جاتا ہے، اور بسا اوقات
ایک رطل کی مقدار کو خفیف سمجھتا ہے پس اس سے زاید کا ہونا اور
نہ ہونا یکساں ہوتا ہے اور وہ کسی کام میں نہیں آتا اور ایک عرصہ
کے بعد جب اس غلہ کو دیکھتا ہے تو اس میں کمی معلوم ہوتی ہے،
اور حاصل کلام یہ ہے کہ برکت کے پائے جانے اور نہ پائے جانے میں

اسباب طبيعية يمد في ضمنها ملك كريم او شيطان رجيم وينفخ في هيكلها روح ملكي او شيطاني والله اعلم.

اما غسل اليد قبل الطعام ففيه ازالة الوسخ واما غسلها بعده ففيه ازالة غمر وكراهية ان يفسد عليه ثيابه او يتخذ الحشرات وتلدغه هامة، وهو قوله صلى الله عليه وسلم من بات وفي يده غمر لم يغسله فاصابه شئ فلا يلومن الا نفسه.

قال صلى الله عليه وسلم اذا اكل احدكم فليأكل بيمينه واذا شرب فليشرب بيمينه، وقال صلى الله عليه وسلم لا يأكل احدكم بشماله ولا يشرب بشماله فان الشيطان يأكل بشماله ويشرب بشماله، وقال صلى الله عليه وسلم ان الشيطان يستحل الطعام ان لا يذكر اسم الله عليه وقال صلى الله عليه وسلم اذا اكل احدكم فنسي ان يذكر اسم الله على طعامه فليقل بسم الله اوله وآخره وقال فيمن فعل ذلك ما زال الشيطان يأكل معه فلما ذكر اسم الله استقاء ما في بطنه، وقال عليه السلام ان الشيطان يحضر احدكم عند كل شئ من شانه حتى يحضره عند طعامه فاذا سقطت من احدكم اللقمة فليمط ما كان بها من اذى ثم ليأكلها ولا يدعها للشيطان.

اقول من العلم الذي اعطاه الله نبيه حال الملائكة والشياطين وانتشارهم في الارض يتلقى هؤلاء من الملأ الاعلى الهامات خير فيوحونه الى بني آدم

اسباب طبعی ہیں جن کے ضمن میں کوئی فرشتہ بزرگ یا شیطان مردود مدد کرتا رہتا ہے اور ان اسباب کی شکل میں روح ملکی یا شیطانی پھونک دیجاتی ہے، واللہ اعلم۔

اور کھانے سے پیشتر ہاتھ دھونے کا سبب یہ ہے کہ اس میل دور ہو جاتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے کھانے کی بو دور ہو جاتی ہے اور اس بات کا اندیشہ دور ہو جاتا ہے کہ ہاتھوں سے اس کے کپڑے خراب ہوں یا کوئی درندہ اس کے ہاتھ کو چاٹ لے یا کوئی زہریلا جانور کاٹ لے، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھانا کھاکر ہاتھ نہ دھوئے اور سو جائے اور پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو چاہیئے کہ اپنی ہی ذات کو ملامت کرے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب پئے تو داہنے ہاتھ سے پئے" اور آپ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص نہ بائیں ہاتھ سے کھائے اور نہ بائیں ہاتھ سے پئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے سے شیطان اس کو حلال کر لیتا ہے" اور آپ نے فرمایا "جب کوئی شخص کھانا کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جائے تو اس کو یہ کہنا چاہئے "بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ" - اور جس شخص نے ایسا کیا تھا اس کے بارے میں آپ نے فرمایا "شیطان برابر اس کے ساتھ کھاتا رہا" پس جب اس نے اللہ کا نام لیا تو جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا قے کر دیا" اور آپ نے فرمایا "تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے تمام کاموں میں شیطان ساتھ رہتا ہے یہانتک کہ جب کوئی کھانے بیٹھتا ہے تو اس کے پاس آموجود ہوتا ہے پس جب تمہارے ہاتھ سے کوئی لقمہ گر جائے تو چاہیئے کہ اس کی مٹی دور کرکے کھا جائے اور شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔

میں کہتا ہوں منجملہ اس علم کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا فرمایا ملائکہ اور شیاطین کا حال اور ان کے زمین میں پھیلنے کا علم بھی اسی میں سے ہے فرشتے ملاء اعلیٰ سے عمدہ الہامات حاصل کر لیتے ہیں پھر اس کو بنی آدم کے قلوب میں ڈالدیتے ہیں

ويتجبس، من مزاج الشياطين آراء فاسدة تميل الى افساد النظامات الفاضلة ومعصية حكماء الوقار وما تقتضيه الطبيعة السليمة فيفعلون ذلك فيوحونه الى اوليائهم من الانس، فمن حال الشياطين انهم اذا تمثلوا فى المنام او اليقظة تمثلوا بهيأت منكرة تتنفر منها الطبائع السليمة كالاكل بالشمال، وكصورة الاجدع ونحو ذلك،

ومنها انه قد تنطبع فى نفوسهم هيأت دنية تتجبس فى بنى آدم من البهيمية كالجوع والشبق، فاذا حدثت فيهم اندفعوا الى الاختلاط بتلك الحاجات والتلذذ بها ومحاكاة ما يفعله الانس عندها ويتخيلون فى ذلك قضاء تلك الشهوة يقضون بذلك اوطارهم فيصير الولد الذى حصل من جماع اشترك فيه الشياطين وقضوا عنده وطرهم قليل البركة مائلا الى الشيطنة والطعام الذى باشروه وقضوا به وطرهم قليل البركة لا ينفع الناس بل ربما يضرهم، وذكر اسم الله والتعوذ بالله مضاد بالطبع لهم ولذلك ينخنسون عند ذكر الله والتعوذ به ؛

وقد اتفق لنا فى زماننا ذات يوم رجل من اصحابنا فقربنا اليه شيئا فبينا يأكل اذ سقطت كسرة من يده وتدهدهت فى الارض فجعل يتبعها وجعلت تتباعد عنه حتى تعجب الحاضرون بعض التعجب وكابد هو فى تتبعها بعض الجهد ثم انه اخذها فاكلها فلما كان بعد ايام

اور شیاطین کے مزاج سے فاسد رائیں پیدا ہوتی ہیں جو عمدہ نظام کے بگاڑنے کی طرف اور حلم و وقار کی مخالفت اور اس چیز کی مخالفت کی طرف متوجہ کرتی ہیں جو طبیعت سلیم کا مقتضیٰ ہے پس شیاطین اس کو حاصل کرتے ہیں اور بنی آدم میں سے اپنے دوستوں کے دلوں میں ان کو ڈالتے ہیں، پس منجملہ شیاطین کے حالات کے یہ بھی ہے کہ خواب یا بیداری میں جب وہ دکھائی دیتے ہیں تو ایسی بری ہیئت میں ظاہر ہوتے ہیں جس سے طبیعت سلیم نفرت کرتی ہے مثلاً بائیں ہاتھ سے کھانا اور جیسے نکٹے کی صورت میں ظاہر ہونا وغیرہ،

اور منجملہ ان حالات کے یہ ہے کہ ان کے نفوس میں صفات دنیہ منقش ہوتی ہیں جو بنی آدم کے دل میں بہیمیت کی وجہ سے ہوتی ہیں جیسے بھوک اور جماع کی خواہش، پس جب یہ صفات ان کے اندر پیدا ہوتی ہیں تو وہ بنی آدم کی حاجات کے ساتھ اختلاط اور تلبس کرتے ہیں اور اس وقت میں انسان جو کچھ کرتا ہے اسکی وہ نقل کرتے ہیں اور انسان کی تقضائے شہوت کے وقت میں وہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی شہوت پوری کر لی ہے پس جو اولاد ایسے جماع سے پیدا ہوتی ہے جس میں شیاطین کی شرکت ہوتی ہے اور شیاطین نے اس وقت میں تقضائے شہوت بھی کی ہے وہ قلیل البرکت ہوتی ہے اور شیطنت کی طرف مائل ہوتی ہے اور اسی طرح وہ کھانا جس میں شیاطین نے شرکت کی ہے اور اس کے ساتھ اپنی حاجت پوری کی ہے قلیل البرکت ہوتا ہے جس سے لوگوں کو نفع حاصل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات وہ کھانا لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنا اور اللہ کی پناہ مانگنا بالطبع انکی مخالفت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص اللہ کو یاد کرے اور اس کی پناہ مانگے شیاطین اس سے ہٹ جاتے ہیں ؛

اور ہمیں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ہماری ملاقات کیلئے ہمارا ایک دوست آیا اور کچھ کھانا ہم نے اس کے سامنے پیش کیا پس اسی اثناء میں کہ وہ کھا رہا تھا ایک ٹکڑا اسکے ہاتھ سے گر پڑا اور زمین میں لڑھکنے لگا پس وہ شخص اس کو لینے کیلئے چلا اور وہ ٹکڑا اس سے دور ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ حاضرین کو کسی قدر تعجب ہوا اور وہ شخص اس کے اٹھانے میں کسی قدر تھک گیا لیکن اس نے اس کو پکڑ لیا اور کھا لیا پھر چند

تخبط الشيطان انسانا وتكلم على لسانه فكان فيما تكلم انى مررت بفلان وهو يأكل فاعجبنى ذلك الطعام فلم يطعمنى منه شيئا فخطفته من يده فنازعنى حتى اخذه منى، وبينا يأكل اهل بيتنا اصول الجزر اذ تدهده بعضها فوثب عليه انسان فاخذه واكله فاصابه وجع فى صدره ومعدته ثم تخبطه الشيطان فاخبره على لسانه انه كان اخذ ذلك المتدهده وقد تقرع اسماعنا شئ كثير من هذا النوع حتى علمنا ان هذه الاحاديث ليست من باب ارادة المجاز وانما اريد بها حقيقتها والله اعلم۔

قال صلى الله عليه وسلم اذا وقع الذباب فى اناء احدكم فليغمسه كله ثم ليطرحه فان فى احد جناحيه شفاء وفى الآخر داء وفى رواية وانه يتقى بجناحه الذى فيه الداء، اعلم ان الله تعالى خلق الطبيعة فى الحيوان مدبرة لبدنه فربما دفعت المواد المؤذية التى لا تصلح ان تصير جزء البدن من اعماق البدن الى اطرافه ولذلك نهى الاطباء عن اكل اذناب الدواب، فالذباب كثيرا ما يتناول اغذية فاسدة لا تصلح جزءا للبدن فتدفعها الطبيعة الى اخس عضو منه كالجناح، ثم ان ذلك العضو لما فيه من المادة السمية يندفع الى الحك يكون اقدم اعضائه عند الهجوم فى المضائق، ومن حكمة الله تعالى انه لما

روز کے بعد ایک شخص پر شیطان مسلط ہو گیا اور وہ اس کی زبان سے کلام کرنے لگا کلام کے دوران میں اس نے یہ بھی بیان کیا کہ فلاں شخص پر میرا گذر ہوا اور وہ کھانا کھا رہا تھا پس مجھ کو وہ کھانا پسند آیا مگر اس نے مجھ کو کچھ نہیں کھلایا پس میں نے اس کے ہاتھ سے اچک لیا تو اس نے مجھ سے اس نے منازعت کی حتی کہ مجھ سے اس نے چھین لیا، اور ایک مرتبہ ہمارے گھر کے آدمی گاجر کھا رہے تھے کہ اچانک گاجر کا ٹکڑا گر کر لڑھکنے لگا پس ایک شخص اس پر جھپٹ پڑا اور اسکو اٹھا کر کھا گیا پس اس کے سینہ اور معدہ میں درد شروع ہو گیا پھر اس پر شیطان مسلط ہو کر اس کی زبان سے یہ بیان کرنے لگا کہ اس لڑھکتے ہوئے گاجر کا ٹکڑا اٹھا لیا تھا، اور اس قسم کی بہت سی باتیں ہمارے کان میں پڑی ہیں جن سے ہم کو یقین کامل ہو گیا کہ ان احادیث کے معنی مجازی مراد نہیں بلکہ ان کے حقیقی معنی مراد ہیں، واللہ اعلم۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر پڑے تو تمام مکھی کو ڈبو کر پھر اس کو پھینک دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے" اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ "وہ مکھی اپنے آپ کو اس پر کے ذریعہ بچاتی ہے جس میں بیماری ہے"

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان کے اندر طبیعت کو پیدا کیا ہے جو مدبر بدن ہے پس بسا اوقات وہ طبیعت مواد موذیہ کو جو جزو بدن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے اعماق بدن سے اطراف بدن کی طرف پھینک دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ اطباء نے جانوروں کی دم کھانے سے منع کیا ہے، اور مکھی اکثر وہ فاسد غذائیں کھاتی ہے جو جزو بدن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور اس کی طبیعت ان فاسد غذاؤں کو اس کے عضو خسیس یعنی پر کی طرف دفع کر دیتی ہے پھر یہ عضو جس میں مادہ سمیہ ہوتا ہے کھجلی محسوس کرتا ہے اور تنگیوں میں کشمکش کے وقت اس کے اعضاء میں سے یہی عضو مقدم ترین ہوتا ہے،

اور اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ جس چیز میں

يجعل فى شئ سماً الا جعل فيه مادة ترياقية تحفظ بها بنية الحيوان، ولو ذكرنا هذا البحث من الطب لطال الكلام، وبالجملة تسمم لسع الذباب فى بعض الازمنة وعند تناول بعض الاغذية محسوس معلوم وتحرك العضو الذى تندفع اليه المادة اللذاعة معلوم وان الطبيعة يقتضى فيهما يقاوم مثل هذه المواد المؤذية معلوم فما الذى يستبعد من هذا المبحث، وما اكل رسول الله صلى الله عليه وسلم على خوان ولا فى سكرجة ولا خبز له مرقق ولا رأى شاة سميطا بعينه قط ولا اكل متكئاً وما رأى منخلا كانوا يأكلون الشعير غير منخول:

اعلم ان النبى صلى الله عليه وسلم بعث فى العرب وعاداتهم اوسط العادات ولم يكونوا يتكلفون تكلف العجم والاخذ بها احسن وادنى ان لا يتعمقوا فى الدنيا ولا يعرضوا عن ذكر الله، وايضا فلا احسن لاصحاب الملة من ان يتبعوا سيرة امامها فى كل نقير وقطمير، قال صلى الله عليه وسلم ان المؤمن يأكل فى معى واحد والكافر يأكل فى سبعة امعاء:

اقول معناه ان الكافر همه بطنه والمؤمن همه آخرته وان الحرى بالمؤمن ان يقلل الطعام وان تقليله خصلة من خصال الايمان وان شرة الاكل خصلة من خصال الكفر ونهى صلى الله عليه وسلم ان يقرن الرجل بين تمرتين:

اقول النهى من القران يحتمل وجوها

زہر رکھا ہے اس میں مادہ تریاقیہ بھی رکھا ہے تاکہ اس کی وجہ سے حیوان کا وجود محفوظ رہے، اور اگر ہم اس طبی بحث کو بیان کریں تو کلام طویل ہو جائے گا،

اور حاصل کلام یہ ہے کہ مکھی کے کاٹنے کا زہر بعض زمانوں میں اور بعض غذا کھانے کے وقت محسوس اور معلوم ہوتا ہے اور جس عضو کی طرف مادہ لذاعہ گرتا ہے اس کا حرکت کرنا معلوم ہوتا ہے اور طبیعت جس کے اندر ایسے مواد موذیہ کی مدافعت کی طاقت ہوتی ہے وہ بھی معلوم ہے تو اب کونسی چیز ہے جو اس بحث سے مستبعد ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی دستر خوان پر کھایا اور نہ پیالہ میں کھایا اور نہ پتلی چپاتی آپ کے لئے پکائی گئی اور نہ کبھی آپ نے سالم بکری بھنی ہوئی دیکھی اور نہ آپ نے تکیہ لگا کر کھایا اور نہ آپ نے چھلنی کو دیکھا آپ بغیر چھنے جو کھایا کرتے تھے،

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے اور ان کی عادات درمیانی عادات تھیں اور وہ لوگ عجمیوں کی طرح تکلفات نہیں کرتے تھے اور ایسی عادات کا پابند ہونا اچھا ہے اور اس کے زیادہ قریب ہے کہ دنیا میں تعمق نہ کریں اور ذکر الٰہی سے اعراض نہ کریں اور اصحاب ملت و مذہب کو ہر چھوٹی اور بڑی بات میں اپنے امام کی سیرت کی اتباع کرنی چاہیئے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومن ایک آنت میں اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے"

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ کافر کا قصد پیٹ بھرنا ہے اور مومن کا قصد اس کی آخرت ہے اور مومن کو چاہیئے کہ کھانے میں کمی کرے اور مومن کا کم کھانا ایمان کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے اور کھانے میں زیادہ حرص کرنا کفر کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دو چھوارے ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے،

میں کہتا ہوں دو چھوارے ملا کر کھانے سے منع کرنے کی کئی

منها انه لا يحسن المضغ عند جمع تمرتين وانه ادنى ان تؤذيه احدى النواتين لنقصان ضبطهما بخلاف النواة الواحدة، ومنها ان ذلك هيئة من هيأت الشره والحرص، ومنها انه استئثار على اصحابه ومظنة ان يكرهه اصحابه ويزول هذا المعنى باذن.

قال صلى الله عليه وسلم لا يجوع اهل بيت عندهم التمر، وقال صلى الله عليه وسلم بيت لا تمر فيه جياع اهله، وقال صلى الله عليه وسلم نعم الادام الخل۔

اقول من تدبير المنزل ان يدخر في بيته شيئا تأنها يجده رخيصا في السوق كالتمر في المدينة واصول الجزر ونحوها في سواد بلادنا فان وجد لها ما يشتهيه فيها والا كان الذي عنده كفافا لهم وستر فان لم يفعلوا ذلك كانوا على شرف الجوع وكذلك حال الادام، قال صلى الله عليه وسلم من اكل ثوما او بصلا فليعتزلنا واتى بقدر فيه خضرات لها ريحة فقال لبعض اصحابه كل فاني اناجي من لا تناجي۔

اقول الملائكة تحب من الناس النظافة والطيب وكل شيء يهيج خلق التنظيف وتتنفر من اضداد ذلك وفرق النبي صلى الله عليه وسلم بين ما كان هو شريعة المحسنين المتطلعة نفوسهم الى الملكية وبين غيرهم، قال صلى الله عليه وسلم ان الله يرضى من العبد ان يأكل الاكلة فيحمده عليها ويشرب الشربة فيحمده عليها قلل مرسره، وتقدم وى من الحمد صيغ ايها فعل فقد ادى السنة، منها

وجوہات ہیں، ازاں جملہ یہ ہے کہ دو چھوارے اچھی طرح سے چبائے نہیں جا سکتے اور اس بات کا زیادہ احتمال ہے کہ دو گٹھلیوں کے قابو میں نہ آنے کی وجہ اس کو تکلیف دیں گی بخلاف ایک گٹھلی کے، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ یہ ہیئت حرص اور ہوکے کی ہے، اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اس میں اپنے دوستوں پر اپنے آپ کو ترجیح دینا ہے اور اس بات کا غالب احتمال ہے کہ اس کے دوست اس کو برا سمجھیں البتہ اجازت لینے کے بعد کوئی مضائقہ نہیں ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جن کے پاس چھوارے ہوں گے ان کے گھر والے بھوکے نہ رہیں گے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس گھر میں چھوارے نہیں اس گھر کے لوگ بھوکے رہیں گے" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سرکہ عمدہ سالن ہے"۔

میں کہتا ہوں منجملہ اصول خانہ داری کے یہ ہے کہ کوئی چیز بھی اور جس کو وہ بازار میں ارزاں پائے اپنے گھر میں جمع کرے جیسے مدینہ میں چھوارے اور ہمارے ملک کے بازاروں میں گاجر وغیرہ پس اگر خواہش کے موافق کھانا مل جائے تو بہتر ہے ورنہ جو چیز اس کے پاس ہے اسی سے حاجت روائی ہو جائے گی اور ستر ہو جائیگی پس اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو بھوک کا خوف رہیگا اور یہی حال سالن کا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے الگ رہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہانڈی آئی جس میں ایسی ترکاریاں پکی ہوئی تھیں جن میں بو آتی تھی تو آپ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ "تو کھالے کیونکہ میں اس سے بات کرتا ہوں جس سے تو نہیں کرتا"۔

میں کہتا ہوں فرشتوں کو بنی آدم سے پاکیزگی اور خوشبو اور وہ چیز جو پاکیزگی کی عادت پیدا کرے پسند ہے اور ان کے اضداد سے نفرت کرتے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مابین محسنین کی شریعت کے جن میں ملکیت کا نور چمکتے ہیں اور مابین ان کے غیر کے فرق کر دیا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس بندہ سے خوش ہوتا ہے کہ جو لقمہ وہ کھائے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جو گھونٹ وہ پئے اس پر اسکا شکر بجا لائے" اسکا راز سابقاً گذر چکا ہے، اور حمد کے چند صیغے

طریقے وارد ہوئے ہیں ان میں سے جس کو عمل میں لایا اس نے سنت کو ادا

الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه غير مكفي ولا مودع ولا مستغنى عنه ربنا، و منها الحمد لله الذي اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين، ومنها الحمد لله الذي اطعم وسقى وسوغه وجعل له مخرجا، ولما كانت الضيافة بابا من ابواب السماحة وسببا لجمع شمل المدينة والملة موديا الى تودد الناس وان لا يتضرر ابناء السبيل وجب ان تعد من الزكاة ويرغب فيها ويحث عليها قال صلى الله عليه وسلم من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه، ثم مست الحاجة الى تقدير مدة الضيافة لئلا يحرج الضيف او يعد القليل منها كثيرا فقدر الاكرام بيوم وليلة وهو الجائزة وجعل آخر الضيافة ثلاثة ايام ثم بعد الصدقة

المسكرات

واعلم ان ازالة العقل بتناول المسكر يحكم العقل بقبحه لا محالة اذ فيه تردي النفس في ورطة البهيمية والتبعد من الملكية في الغاية وتغيير خلق الله حيث افسد عقله الذي خص الله به نوع الانسان ومن به عليهم وافساد المصلحة المنزلية والمدينة واضاعة المال والتعرض لهيآت منكرة يضحك منها الصبيان، وقد جمع الله تعالى كل هذه المعاني تصريحا وتلويحا في هذه الآية انما يريد الشيطان ان يوقع بينكم العداوة، الآية، ولذلك اتفق جميع الملل والنحل على قبحه بالمرة ولبس الامر كما

کر دیا، از آں جملہ یہ ہے:۔ الحمد لله حمدا كثيرا مباركا فيه غير مكفي ولا مودع ولا مستغنى عنه ربنا، اور از آں جملہ یہ ہے:۔ الحمد لله الذي اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين اور از آں جملہ یہ ہے:۔ الحمد لله الذي اطعم وسقى وسوغه وجعل له مخرجاً،

اور چونکہ ضیافت سخاوت کے ابواب میں سے ایک باب ہے اور شہر اور ملت کے امور کے اتفاق کا باعث ہے اور وہ لوگوں کی مابین دوستی پیدا کرتی ہے اور مسافروں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے تو اس کو زکوۃ کے باب میں شمار کرنا اور اس میں رغبت دلانا اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرنا ضروری ہوا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے" پھر اس بات کی حاجت ہوئی کہ مہمانوازی کی مدت مقرر کیجائے تاکہ مہمان اہل خانہ کو تنگی میں نہ ڈالے یا تھوڑی سی ضیافت بہت نہ سمجھی جائے اسواسطے اس کے اکرام کیلئے ایک دن رات مقرر کی گئی اور وہ تحفہ اور صلہ ہے اور ضیافت کی انتہائی مدت

مُسکرات کا بیان

واضح ہو کہ نشہ آور چیز کھا کر عقل کا زائل کرنا عقل کے نزدیک قطعی قبیح فعل ہے اس لئے کہ اس میں نفس کو ورطہ بہیمیہ میں ڈالدینا اور ملکیت سے نہایت درجہ بعید ہو جانا ہے اور خلق الٰہی کو بدلنا ہے اس لئے کہ اس شخص نے اپنی اس عقل کو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو مخصوص کیا ہے اور اس کے ساتھ ان پر احسان کیا ہے بگاڑ دیا اور اس میں مصلحت منزلیہ اور مدنیہ کا فاسد کرنا اور مال کا ضائع کرنا اور ہیئات قبیح کا اپنے اوپر طاری کرنا ہے جن سے وہ مضحکہ اطفال بن جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کو صراحتہً یا اشارۃً اس آیت میں جمع کر دیا ہے:۔ انما يريد الشيطان ان يوقع بينكم العداوة الآية، یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب اور اہل عقل کا اس کے قبیح ہونے پر اتفاق ہے۔ اور بعض بصیرت نہ رکھنے والے جو

يظنه من لا بصيرة له من انه حسن بالنظر
الى الحكمة العملية لما فيه من تقوية
الطبيعة فان هذا الظن من باب اشتباه
الحكمة الطبية بالحكمة العملية، والحق
انهما متغايرتان وكثيرا ما يقع بينهما
تجاذب وتنازع كالقتال يحرمه الطب لما
فيه من التعرض لفك البنية الانسانية
الواجب حفظها فى الطب وربما اوجبته
الحكمة العملية اذا كان فيه صلاح المدينة
او دفع عار شديد، وكالجماع يوجبه
الطب عند التوقان وخوف التأذى من
تركه، وربما حرمته الحكمة العملية اذا
كان فيه عار او منابذة سنة راشدة، و
اهل الرأى من كل امة وكل قرن يذهبون
الى ترجيح المصلحة على الطب ويرون من
لا يتحراها ولا يتقيد بها ميلا الى صحة
الجسم فاسقا ماجنا مذموما مقبوحا لا
اختلاف لهم فى ذلك، وقد علمنا الله تعالى
ذلك حيث قال فيهما اثم كبير ومنافع للناس
واثمهما اكبر من نفعهما، نعم تناول المسكر
اذا لم يبلغ حد الاسكار ولم تترتب
عليه المفاسد يختلف فيه اهل
الرأى، والشريعة القويمة المحمدية
التى هى الغاية فى سياسة الامة وسد
الذرائع وقطع احتمال التحريف نظرت الى
ان قليل الخمر يدعو الى كثيرها، وان النهى
عن المفاسد من غير ان ينهى عن ذات
الخمر لا ينجع فيهم، وكفى شاهدا على ذلك ما
كان فى المجوس وغيرهم وانه ان فتح باب

گمان کرتے ہیں کہ حکمت عملیہ کے اعتبار سے وہ ایک عمدہ چیز ہے
کیونکہ اس میں طبیعت کو تقویت ہوتی ہے سو وہ غلط ہے کیونکہ
ان کا یہ گمان حکمت طبیہ کی حکمت عملیہ کے ساتھ اشتباہ کے قبیل
سے ہے اور حق یہ ہے کہ وہ دونوں متغائر ہیں، اور بسا اوقات
ان دونوں میں کشمکش اور تنازع واقع ہوتا ہے جیسے قتال
کرنا کہ طب اس سے منع کرتی ہے کیونکہ اس میں انسان کی
بنیاد جسم کی حفاظت طب میں واجب ہے قطع ہوتی ہے، اور
بسا اوقات یہ قتال حکمت عملیہ کے اعتبار سے واجب اور
ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس میں شہر کی اصلاح اور عار شدید کی
مدافعت ہوتی ہے، اور اسی طرح جماع ہے کہ غلبہ شہوت اور اس کے
ترک کرنے سے ضرر کے خوف کے وقت طب اس کو واجب کرتی
ہے، اور بسا اوقات اس میں عار کے پائے جانے کے وقت یا سنت راشدہ
کے خلاف ہونے کی وجہ سے حکمت عملیہ اس کو حرام قرار دیتی ہے اور
ہر امت اور ہر زمانہ کے دانشمند لوگ طب پر مصلحت کو ترجیح دیتے
رہے ہیں اور وہ عقلمند لوگ اس شخص کو جو مصلحت سے تعرض نہ
کرے اور صحت جسمانی کی طرف مائل ہو کر اس کا پابند نہ رہے فاسق
وفاجر، بدکردار اور برا سمجھتے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں
ہوتا، اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس آیت میں اس بات کی تعلیم
فرمادی ہے "ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع
ہیں اور ان کا گناہ ان کے منافع سے زیادہ بڑا ہے" البتہ نشہ آور
چیز کے کھانے میں جبکہ وہ حد سکر کو نہ پہنچے اور اس پر یہ خرابیاں
مرتب نہ ہوں عقلاء کا اختلاف ہے، اور شریعت محکمہ محمدیہ جو
سیاست امت میں اور فسادات کے بند کرنے میں اور احتمال
تحریف کے قطع کرنے میں کامل ہے اس نے اس بات کا لحاظ
کیا کہ تھوڑی شراب زیادہ شراب کا مرتکب بناتی ہے
اور ان مفاسد سے منع کرنا بغیر اس کے کہ نفس شراب
سے منع کیا جائے کچھ مؤثر نہیں ہے اور اسی پر
مجوس وغیرہ کا حال کافی شاہد ہے اور نیز
اگر تھوڑی شراب کی اجازت کا دروازہ

الرخصة فی بعضها لم تنتظم السياسة الملية اصلا فنزل التحريم الى نوع الخمر قليلها وكثيرها ۔

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الله الخمر وشاربها وساقيها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة اليه ۔

اقول لما تعينت المصلحة فی تحريم شیء واخماله ونزل القضاء بذلك وجب ان ينهى عن كل ما ينوه امره وينوه فی الناس ويحملهم عليه فان ذلك مناقضة للمصلحة ومناداة بالشرع، وقد استفاض عن النبی صلى الله عليه واصحابه رضی الله عنهم احاديث كثيرة من طرق لا تحصى وبعبارات مختلفة، فقال الخمر من هاتين الشجرتين النخلة والعنبة، واجاب صلى الله عليه وسلم من سأل عن البتع والمزر وغيرهما، فقال كل شراب اسكر فهو حرام، وقال عليه الصلاة والسلام كل مسكر خمر وكل مسكر حرام وما اسكر كثيره فقليله حرام وما اسكر منه الفرق فملء الكف منه حرام وقال من شاهد نزول الآية قد نزل تحريم الخمر وهی من خمسة اشياء العنب والتمر، والحنطة والشعير والعسل، والخمر ما خامر العقل، وقال لقد حرمت الخمر حين حرمت وما نجد خمر الاعناب الا قليلا وعامة خمرنا البسر والتمر، وكسروا دنانهم حين نزلت وهو

کھل جائے تو سیاستِ ملیہ کا انتظام بالکل نہیں ہو سکتا اس واسطے مطلق شراب کے ساتھ حرمت متعلق ہوئی خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے نچوڑنے والے پر اور جس کے لئے نچوڑی جائے اس پر اور اس کے اٹھانے والے پر اور جس کے پاس اٹھا کر پہنچائی جائے اس پر لعنت کی ہے"

میں کہتا ہوں کہ جب ایک چیز کے حرام کرنے میں اور اس کے مٹانے میں مصلحت قرار پا گئی اور اس کے بارے میں حکم الٰہی نازل ہو گیا تو ضروری ہوا کہ ان تمام چیزوں سے منع کیا جائے جن سے اس کی قدر اور لوگوں میں رواج اور اس کی رغبت پائی جائے کیونکہ یہ چیزیں مصلحت کے خلاف اور شریعت کے مخالف ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے بہت سی احادیث بے شمار طرق اور مختلف عبارتوں سے منقول ہیں چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شراب ان دو درختوں سے ہوتی ہے، چھوارے کا درخت اور انگور کا درخت" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جس نے بتع اور مزر وغیرہ کی بابت دریافت کیا تھا فرمایا "جو پینے کی چیز نشہ آور ہو وہ حرام ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جو چیز بہت ساری نشہ لائے وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے اور جس کا ایک پیالہ نشہ لائے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے" اور جن لوگوں نے نزولِ آیت کا مشاہدہ کیا ہے یہ کہا کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی اس وقت میں شراب پانچ چیزوں سے بنا کرتی تھی انگور، چھوارہ، گیہوں، جو، شہد، اور شراب جو چیز ہے جو عقل کو زائل کر دے، اور ان لوگوں کا قول ہے کہ جب شراب حرام کی گئی تو ہمارے پاس انگور کی شراب بہت ہی کم تھی اکثر شراب تر اور خشک چھواروں کی ہوا کرتی تھی اور جب آیت کا نزول ہوا تو لوگوں نے ان مٹکوں کو توڑ ڈالا جن میں وہ شراب بنایا کرتے تھے اور

الذی یقتضیہ قوانین التشریع فانہ لا معنی لخصوصیۃ العنب، وانما المؤثر فی التحریم کونہ مزیلا للعقل بل ھو قلیلہ الی کثیرہ فیجب بہ القول، ولا یجوز لاحد الیوم ان یذھب الی تحلیل ما اتخذ من غیر العنب واستعمل اقل من حد الاسکار، نعم کان ناس من الصحابۃ والتابعین لم یبلغھم الحدیث فی اول الامر فکانوا معذورین، ولما استفاض الحدیث وظھر الامر ولا کرابعۃ النھار وصح حدیث لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونھا بغیر اسمھا لم یبق عذر، اعاذنا اللہ تعالی والمسلمین من ذلک

وسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخمر تتخذ خلا؟ قال لا وقیل انما اصنعھا للدواء، فقال انہ لیس بدواء ولکنہ داء،

اقول لما کان الناس مولعین بالخمر وکانوا یتحیلون لھا حیلا لم تتم المصلحۃ الا بالنھی عنھا علی کل حال لئلا یبقی عذر لاحد ولا حیلۃ، ونھی صلی اللہ علیہ وسلم عن خلیط التمر والبسر، وعن خلیط الزبیب والتمر، وعن خلیط الزھو والرطب

اقول السر فی ذلک ان الاسکار یسرع الیہ بسبب الخلط قبل ان یتغیر طعمہ فیظن الشارب انہ لیس بمسکر ویکون مسکرا، وکان صلی اللہ علیہ وسلم یتنفس فی الشراب ثلاثا ویقول انہ اروی وابرا وامرأ۔

اقول ذلک لان المعدۃ اذا وصل الیھا الماء قلیلا قلیلا صرفتہ الطبیعۃ

قوانین شرع کا یہی مقتضیٰ ہے کہ مطلق شراب حرام ہو کیونکہ انگوری شراب کے خاص ہونے کے کوئی معنی نہیں اور اس کی حرمت کا سبب اس کا عقل کو زایل کرنے والا ہونا ہے جس کا تھوڑا بہت کی طرف داعی ہوتا ہے اس واسطے مطلق شراب کی حرمت کا قائل ہونا ضروری ہوا اس زمانہ میں کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ جو شراب انگور سے نہ بنائی جائے یا جو حد سکر سے کم استعمال کیجائے اس کے حلال ہونے کا قائل ہو البتہ صحابہ اور تابعین میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جن کو شروع شروع میں یہ حدیث نہیں پہنچی تھی اس واسطے وہ معذور تھے اور جب یہ حدیث سب میں مشہور ہوگئی اور آفتاب نیم روز کے مانند یہ بات ظاہر ہوگئی اور یہ حدیث بھی ثابت ہو گئی کہ "میری امت کے کچھ لوگ شراب پیا کریں گے اور شراب کے علاوہ اور کچھ اس کا نام رکھیں گے تو اب کچھ عذر باقی نہیں رہا اللہ تعالیٰ ہم کو اور مسلمانوں کو اس سے بچا لے، اور کسی شخص نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے شراب سے سرکہ بنانے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اس کو منع فرمایا، اور کسی نے عرض کیا کہ میں اس کو دوا کے لئے بناتا ہوں تو آپ نے فرمایا وہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے"

میں کہتا ہوں چونکہ لوگ شراب کے بڑے حریص تھے اور اس کے پینے کے لئے حیلے کیا کرتے تھے اس واسطے مصلحت اس کے بغیر تمام نہ ہوتی تھی کہ ہر حال میں اس سے منع کیا جائے تاکہ کسی کو حیلہ اور عذر باقی نہ رہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تر اور خشک چھواروں کے ملانے سے اور منقی اور چھواروں کے ملانے سے اور سرخی چھوارے اور ترشی لئے چھواروں کے ملانے سے منع فرمایا

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ مزہ بدلنے سے پیشتر ملانے کی وجہ سے ان چیزوں میں جلدی نشہ پیدا ہو جاتا ہے پس پینے والا تو یہ سمجھتا ہے وہ نشہ آور نہیں ہے حالانکہ اس میں نشہ ہوتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین سانسوں میں پیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "اس سے خوب سیرابی ہوتی ہے اور خوب تکلیف کو کھوتا ہے اور طبیعت کو خوب موافق ہوتا ہے"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب معدہ کی طرف تھوڑا تھوڑا پانی پہنچتا ہے تو طبیعت جہاں اس کو ضروری سمجھتی ہے

الى ما يهمها فاذا هجم عليها الماء الكثير تحيرت في تصريفه والمبرود اذا القي على معدته الماء اصابته البرودة لضعف قوته من مزاحمة القدر الكثير بخلاف ما اذا تدرج، والمحرور اذا القي على معدته الماء دفعة حصلت بينهما المدافعة ولم تتم البرودة، واذا القي شيئا فشيئا وقعت المزاحمة اولا ثم نجحت البرودة، ونهى صلى الله عليه وسلم عن الشراب من في السقاء وعن اختناث الاسقية ؛

اقول وذلك لانه اذا ثني فم القربة نشرب منه فان الماء يتدفق وينصب في حلقه دفعة وهو يورث الكباد ويضر بالمعدة ولا يتميز دفق الماء وانصبابه للقذاة ونحوها ؛

ويحكى ان انسانا شرب من في السقاء فدخلت حية في جوفه، ونهى صلى الله عليه وسلم ان يشرب الرجل قائما، وروي انه صلى الله عليه وسلم شرب قائما ؛

اقول هذا النهي نهي ارشاد وتاديب فان الشرب قاعدا من الهيئات الفاضلة واقرب لخصوص النفس والري وان تصرف الطبيعة الماء في محله، اما الفعل فلبيان الجواز، وقال عليه السلام الايمن فالايمن

اقول اراد بذلك قطع المنازعة فانه لو كانت السنة تقديم الافضل ربما لم يكن الفضل مسلما بينهم وربما يجد ذو الفضل في نفسه من تقديم غيره حاجة، ونهى صلى الله عليه وسلم ان يتنفس في الاناء

اچھی طرح صرف کرتی ہے اور جب بہت سا پانی معدہ میں یکدم آپڑتا ہے تو اس کے صرف کرنے میں طبیعت حیران ہو جاتی ہے اور سرد مزاج والے آدمی کے معدہ میں جب یکدم بہت سا پانی پہنچتا ہے تو زیادہ پانی کی مدافعت سے اس کی قوت ضعیف ہو جاتی ہے اور اس کو زیادہ برودت لاحق ہو جاتی ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب بتدریج پانی پہنچے، اور گرم مزاج والے آدمی کے معدہ میں جب دفعتاً پانی پہنچتا ہے تو ان دونوں میں مدافعت واقع ہوتی ہے اور پورے طور پر برودت حاصل نہیں ہوتی اور جب بتدریج پانی معدہ میں پڑتا ہے تو شروع میں مزاحمت ہوتی ہے پھر برودت غالب آجاتی ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن کو منہ لگا کر پانی پینے سے اور مشک کے دہانے سے پانی پینے سے منع فرمایا ہے،

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مشکیزہ کا دہانہ الٹ کر کوئی شخص پانی پیتا ہے تو پانی اس میں سے اچھل کر دفعتاً اس کے حلق میں پہنچ جاتا ہے اور اس سے جگر میں درد پیدا ہو جاتا ہے اور معدہ کو ضرر پہنچتا ہے اور پانی کو یکدم منہ میں گرنے کی وجہ سے تنکے وغیرہ کا پتہ نہیں چلتا اور منقول ہے کہ ایک شخص نے مشکیزہ کے دہانہ کو پانی پیا تو پانی کے ساتھ اس کے پیٹ میں سانپ اتر گیا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پیا،

میں کہتا ہوں یہ نہی ارشاد و تادیب کے طور پر ہے کیونکہ بیٹھ کر پینا ایک عمدہ حالت ہے اور اس سے سیرابی اور دل کو سیری خوب حاصل ہوتی ہے اور طبیعت اس پانی کو اس کے محل میں اچھی طرح صرف کر سکتی ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پینا بیان جواز کیلئے تھا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "داہنی طرف کا پس داہنی طرف کا ہے"

میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد قطع منازعت ہے کیونکہ اگر یہ دستور ہوتا کہ افضل کو مقدم کیا جائے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کی فضیلت کو سب لوگ نہیں مانتے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک کو مقدم کرنے سے دوسرے کے دل میں ملال ہو جاتا ہے اور نبی

صلے اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے سے ٭ ٭ ٭

ينفخ فيه ۔

اقول ذلك لئلا يقع في الماء من نكهته او انفه ما يكرهه فيحدث هيئة منكرة، قال صلى الله عليه وآله وسلم سموا الله اذا انتم شربتم واحمدوا اذا انتم رفعتم، اقول مر سره ۔

اللباس والزينة والاواني ونحوها

اعلم ان النبي صلى الله عليه وسلم نظر الى عادات العجم وتعمقاتهم في الاطمئنان بلذات الدنيا فحرم رؤسها واصولها وكره ما دون ذلك لانه علم ان ذلك مفض الى نسيان الدار الآخرة مستلزم للاكثار من طلب الدنيا، فمن تلك الرؤس اللباس الفاخر فان ذلك اكبر همهم واعظم فخرهم والبحث عنه من وجوه، منها الاسبال في القمص والسراويلات فانه لا يقصد بذلك الستر والتجمل اللذين هما المقصودان في اللباس، وانما يقصد به الفخر واراءة الغنى ونحو ذلك، والتجمل ليس الا في القدر الذي يساوي البدن، قال صلى الله عليه وسلم لا ينظر الله يوم القيامة الى من جر ازاره بطرا، وقال صلى الله عليه وسلم ازرة المؤمن الى انصاف ساقيه لا جناح عليه فيما بينه وبين الكعبين وما اسفل من ذلك ففي النار، ومنها الجنس المستغرب الناعم من الثياب، قال صلى الله عليه وسلم من لبس الحرير في الدنيا لم يلبسه يوم القيامة ۔

یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے،

میں کہتا ہوں یہ ممانعت آپ نے اس وجہ سے فرمائی کہ اسکے منہ یا ناک سے کوئی ناگوار مادہ پانی میں نہ گرجائے پس اسکے سبب سے ایک ہیئت قبیحہ پیدا ہوجائے اسی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم پیا شروع کرو تو بسم اللہ کہو اور جب پی چکو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو، اس کا راز ہم بیان کرچکے ہیں ۔

لباس اور زینت اور ظروف وغیرہ کا بیان

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عجم کی عادات کی طرف اور دنیاوی لذات پر مطمئن ہونے میں ان کے تکلفات کی طرف نظر ڈالی پس ان میں سے جو سب کی جڑ اور سب کی اصل تھی اس کو حرام قرار دیا اور اس سے کمتر کو مکروہ ٹھیرایا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ چیزیں دار آخرت کو بھلانے والی اور طلب دنیا کی کثرت کی باعث ہیں ... پس منجملہ ان اصول کے لباس فاخرہ ہے کیونکہ اسی کا سب سے زیادہ اہتمام کرتے تھے اور اسی پر ان کو سب سے زیادہ فخر تھا اور اس سے کئی طرح پر بحث کی گئی ہے، دراز دامن قمیص اور ازار لٹکانا کیونکہ اس سے ستر اور زینت کچھ بڑھ نہیں جاتے جو دراصل لباس سے مقصود ہیں بلکہ فخر اور اپنی دولت مندی وغیرہ دکھانا مقصود ہوتا ہے اور زیبائش صرف اسی مقدار میں ہے جو بدن کے برابر ہو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روز قیامت کو اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر نہ کرے گا جو غرور سے اپنی ازار کو زمین پر گھسیٹتا چلے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مومن کی ازار نصف پنڈلی تک ہوتی ہے نصف پنڈلی سے لیکر ٹخنوں تک نیچا کرنے میں کچھ گناہ نہیں اور جو ٹخنوں سے نیچی ہے وہ آگ میں ہے "

اور ازاں جملہ نہایت عمدہ اور نرم قسم کے کپڑے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس نے دنیا میں ریشمی کپڑا پہن لیا تو وہ قیامت کے دن اسکو نہ پہنے گا "۔

وسره مثل ما ذكرنا في الخمر، ونهى صلى الله عليه
وسلم عن لبس الحرير والديباج وعن
لبس القسي والمياثر والارجوان، ورخص
في موضع اصبعين او ثلاث لانه ليس من
باب اللباس وربما تقع الحاجة الى ذلك،
ورخص للزبير وعبد الرحمن بن عوف في
لبس الحرير لحكة بهما لانه لم يقصد حينئذ
به الارفاه وانما قصد الاستشفاء، ومنها
الثوب المصبوغ بلون مطرب يحصل به
الفخر والمراءاة، فنهى رسول الله صلى الله
عليه وسلم عن المعصفر والمزعفر، وقال
ان هذه من ثياب اهل النار، وقال
صلى الله عليه وآله وسلم الا طيب الرجال
ريح لا لون له وطيب النساء لون لا ريح له
ولا اختلاف بين قوله صلى الله عليه وسلم
ان البذاذة من الايمان، وقال عليه السلام
من لبس ثوب شهرة في الدنيا البسه الله
ثوب مذلة يوم القيامة، وقال صلى الله
عليه وسلم من ترك لبس ثوب جمال
تواضعا كساه الله حلة الكرامة، وبين
قوله صلى الله عليه وسلم ان الله يحب
ان يرى اثر نعمته على عبده ورأى رجلا
شعثا فقال ما كان يجد هذا ما يسكن به
رأسه، ورأى رجلا عليه ثياب وسخة فقال
ما كان يجد هذا ما يغسل به ثوبه، و
قال صلى الله عليه وسلم اذا اتاك الله
مالا فلتر نعمة الله وكرامته عليك لان
هنالك شيئين مختلفين في الحقيقة قد
يشتبهان بادي الرأي احدهما مطلوب

اور اس میں حکمت وہی ہے جو ہم شراب کے بارے میں بیان کر چکے
ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور دیبا کے پہننے اور قسی اور
میاثر اور ارجوان کے پہننے سے منع فرمایا ہے اور بقدر دو انگشت
یا تین کے اجازت دی ہے کیونکہ اتنی مقدار لباس میں داخل نہیں ہے
اور اکثر اتنی مقدار کی طرف ضرورت پڑتی ہے اور نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت عبد الرحمن بن عوف کو کھجلی کے مارے
میں ریشم کے پہننے کی اجازت فرمائی کیونکہ اس وقت میں اس کی
ترفہ مقصود نہیں تھا بلکہ شفا حاصل کرنا مقصود تھا،

اور از آں جملہ وہ کپڑا ہے جو کسی ایسے رنگ سے رنگا ہوا ہو جس
سے فخر اور نمائش حاصل ہوتی ہے اس لئے رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم نے کسم اور زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے سے نہی فرمائی
اور آپ نے فرمایا "یہ دوزخیوں کے کپڑے ہیں" اور نیز آپ نے فرمایا خبردار
ہو جاؤ مردوں کی خوشبو وہ عطر ہے جس میں رنگ نہ ہو اور عورتوں
کی خوشبو وہ رنگ ہے جس میں خوشبو نہ ہو" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
کے اس قول میں کہ سادگی ایمان کی خصلت ہے" اور آپ کے اس
قول میں "جس نے شہرت کے لئے دنیا میں کپڑا پہنا قیامت کے
روز اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا کپڑا پہنائیگا" اور آپ کے اس قول
میں "جس نے تواضع کی خاطر زینت کا لباس ترک کیا تو اللہ تعالیٰ
قیامت کے روز اس کو عزت کا جوڑا پہنائیگا" اور آپ کی اس
حدیث میں کوئی مخالفت نہیں ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو یہ بات
پسند ہے کہ وہ بندہ سے اپنی نعمت کا اثر دیکھے" اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک شخص کو پراگندہ سر دیکھا اور فرمایا "اسکو ایسی
چیز نہیں ملتی جس سے بالوں کو درست کرلے" اور ایک شخص کو
میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا "اس کو ایسی چیز نہیں ملتی
جس سے اپنے کپڑے کو دھولے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جب اللہ تعالیٰ تجھ کو مال دے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور
کرامت کا اثر تجھ پر ظاہر ہو" ان احادیث میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ
یہ ہے کہ اس مقام پر دو امر ہیں جو حقیقت میں مختلف ہیں اور بظاہر ایک
دوسرے کے مشابہ ہیں ان میں سے ایک شارع کو مطلوب ہے

والآخر مذموم، فالمطلوب ترك الشيء، و يختلف باختلاف طبقات الناس، فالذي هو في الملوك شيء ربما يكون إسرافا في حق الفقير، و ترك العادات البيد و اللاحقين بالبهائم واختيار النظافة و محاسن العادات، والمذموم الإمعان في التكلف والمراآة والتفاخر بالثياب وكسر قلوب الفقراء ونحو ذلك، وفي ألفاظ الحديث إشارات إلى هذه المعاني كما لا يخفى على المتأمل، ومناط الأجر ردع النفس عن اتباع داعية الغمط والفخر، وكان صلى الله عليه وسلم إذا استجد ثوبا سماه باسمه عمامة أو قميصا أو رداء ثم يقول اللهم لك الحمد كما كسوتنيه أسألك خيره و خير ما صنع له وأعوذ بك من شره وشر ما صنع له، وقد مر سره من قبل، ومن تلك الرءوس الحلي المترفة، وههنا أصلان أحدهما أن الذهب هو الذي يفاخر به العجم ويفضي جريان الرسم بالتحلي به إلى الإكثار من طلب الدنيا دون الفضة ولذلك شدد النبي صلى الله عليه وسلم في الذهب، وقال ولكن عليكم بالفضة فالعبوا بها، والثاني أن النساء أحوج إلى تزيين ليرغب فيهن أزواجهن، ولذلك جرت عادة العرب والعجم جميعا بأن يكون تزينهن أكثر من تزينهم فوجب أن يرخص لهن أكثر مما يرخص لهم، ولذلك قال صلى الله عليه وسلم أحل الذهب و الحرير للإناث من أمتي وحرم على ذكورها

اور دوسرا مذموم ہے پس مطلوب تو بخل کا ترک کرنا ہے اور لوگوں کے درجات مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں بھی اختلاف ہوتا ہے جو چیز بادشاہوں کے اعتبار سے بخل میں شمار ہوتی ہے وہ بسا اوقات فقراء کے اعتبار سے اسراف میں داخل ہوتی ہے، اور نیز شارع کو ان لوگوں کی عادات کا ترک کرنا مقصود ہے جو جنگلی بہائم میں شمار ہوتے ہیں اور پاکیزگی اور پسندیدہ اخلاق کا اختیار کرنا مطلوب ہے اور مذموم تکلفات میں تعمق کرنا اور دکھاوے کے لئے کپڑے پہننا اور کپڑوں کے ذریعہ باہم فخر کرنا اور دکھاوے کیلئے کپڑے پہننا اور کپڑوں کے ذریعہ باہم فخر کرنا اور فقراء کی دل شکنی کرنا وغیرہ امور ہیں، اور الفاظ حدیث میں ان معانی کی طرف اشارات بھی ہیں جیسا کہ متامل پر پوشیدہ نہیں ہے اور اجر کا مدار دار عجب اور فخر کے اتباع سے نفس کے باز رکھنے پر ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑہ پہنتے تھے تو اس کا نام عمامہ یا کرتا یا چادر لیتے تھے پھر فرماتے تھے "اللھم لك الحمد کما کسوتنیہ أسألك خیرہ وخیر ما صنع لہ واعوذ بك من شرہ وشر ما صنع لہ" اور اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے، اور منجملہ ان اصول کے اعلیٰ قسم کا زیور ہے اور یہاں دو اصل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ سونا ایسی چیز ہے جس پر عجمی لوگ فخر کرتے ہیں اور سونے کے پہننے کے دستور کے جاری ہونے میں دنیا کی طلب زیادہ ہوتی ہے بخلاف چاندی کے اسی وجہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سونے کی بابت تشدد فرمایا اور فرمایا "مگر تم چاندی کو اختیار کرو پس اس سے کھیلا کرو"۔

دوسری اصل یہ ہے کہ عورتوں کو زینت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کے شوہروں کو ان سے رغبت ہو یہی وجہ ہے کہ تمام عرب اور عجم کی یہ عادت جاری ہے کہ بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی آراستگی زیادہ ہوتی ہے اسواسطے ضروری ہوا کہ عورتوں کو مردوں سے زیادہ زینت کی اجازت دی جائے اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں پر حلال اور مردوں پر حرام کیا گیا

وقال صلى الله عليه وسلم في خاتم ذهب في يد رجل يعمد احدكم الى جمرة من نار فيجعلها في يده، ورخص عليه السلام في خاتم الفضة لا سيما لذي سلطان، قال لا تتمه مثقالا، ونهى صلى الله عليه وسلم النساء عن غير المقطع من الذهب وهو ما كان قطعة واحدة كبيرة، قال صلى الله عليه وسلم من احب ان يحلق حبيبه حلقة من النار فليحلقه حلقة من ذهب، وذكر على هذا الاسلوب الطوق والسوار، وكذا جاء التصريح بقلادة من ذهب وخرص من ذهب، وسلسلة من ذهب وبين المعنى في هذا الحكم حيث قال اما انه ليس منكن امرأة تحلى ذهبا تظهره الا عذبت به، وكان لام سلمة رضي الله عنها اوضاح من ذهب، والظاهر انها كانت مقطعة، وقال صلى الله عليه وسلم حل الذهب للاناث معناه الحل في الجملة ؛

هذا ما يوجبه مفهوم هذه الاحاديث ولم اجد لها معارضا، ومذهب الفقهاء في ذلك معلوم مشهور، والله اعلم بحقيقة الحال ؛

ومنها التزين بالشعور، فان الناس كانوا مختلفين في امرها، فالمجوس كانوا يقصون اللحى ويوفرون الشوارب، وكانت سنة الانبياء عليهم السلام خلاف ذلك فقال صلى الله عليه وسلم خالفوا المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب وكان ناس يحبون التشعث والتمهن و

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی کی نسبت جو ایک شخص کے ہاتھ میں تھی یہ فرمایا "تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے کا قصد کرتا ہے اور اس کو اپنے ہاتھ میں رکھ لیتا ہے"، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی کی مردوں کو اجازت فرمائی ہے خاصکر صاحب حکومت کے لئے، اور فرمایا کہ "ایک مثقال کے برابر اس کو پورا مت کرو"، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو غیر مقطع سونے سے منع فرمایا، اور غیر مقطع وہ ہے جو سونے کا ایک بڑا سا ٹکڑا ہو، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کوئی اپنے دوست کو آگ کا حلقہ پہنانا چاہے تو وہ اس کو سونے کا حلقہ پہنائے" اور اسی طریق پر ہنسلی اور کنگن کو بیان فرمایا اور اسی طرح گلوبند اور بالی اور سونے کے توڑے کی تصریح آئی ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی وجہ بیان فرمائی ہے اور یہ فرمایا "خبردار ہو جاؤ تم میں سے جو عورت نمائش کے لئے سونے کا زیور پہنے گی اس کو اسی کے ساتھ عذاب دیا جائے گا"، حضرت ام سلمہ کے پاس سونے کا ہار تھا اور ظاہر ہے کہ وہ مقطع کے قبیل سے تھا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ "عورتوں کے لئے سونا حلال ہے" تو اس کے یہی معنی ہیں کہ فی الجملہ حلال ہے،

یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ان احادیث کا مفہوم ہے اور مجھ کو ان احادیث کا کوئی متعارض نہیں ملا، اور فقہاء کا جو اس میں مذہب ہے وہ معلوم و مشہور ہے اور اللہ تعالیٰ حقیقت حال سے خوب واقف ہے،

اور از آں جملہ بالوں کی زینت ہے اس کے اندر لوگوں کے مختلف طریقے تھے پس مجوس تو اپنی ڈاڑھی منڈاتے اور مونچھوں کو بڑھاتے تھے لیکن انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اس کے خلاف تھا اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مشرکین کی مخالفت کرو ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کترواؤ"

اور بعض لوگ ایسے تھے جو پراگندہ حال رہنے کو اور بکھرے بال رکھنے

الهيئة البذة ويكرهون التجمل والتزين، وناس يتعمقون في التجمل ويجعلون ذلك احد وجوه الفخر وغمط الناس، فكان اخمال مذهبهم جميعا، وطريقهم احد المقاصد الشرعية، فان مبنى الشرائع على التوسط بين المنزلتين والجمع بين المصلحتين وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم الفطرة خمس الختان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الابط، ثم مست الحاجة الى توقيت ذلك ليمكن الانكار على من خالف السنة ولئلا يصل المتورع الى الحلق والنتف كل يوم، والمتهاون الى تركها سنة فوقت في قص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الابط وحلق العانة ان لا يترك اكثر من اربعين ليلة، وقال صلى الله عليه وسلم ان اليهود والنصارى لا يصبغون وكان اهل الكتاب يسدلون، والمشركون يفرقون فسدل النبي صلى الله عليه وسلم ناصيته، ثم فرق بعد، فالسدل ان يرخي ناصيته على جبهته وهي هيئة بذة، والفرق ان يجعل ضفيرتين ويوصل كل ضفيرة الى صدغ، ونهى صلى الله عليه وسلم عن القزع ❊

اقول السر فيه انه من هيئات الشياطين وهو نوع من المثلة تعافها الانفس الا القلوب المؤفة باعتيادها، وقال صلى الله عليه وسلم من كان له شعر فليكرمه، ونهى عن الترجل الا غبا يريد التوسط بين الافراط والتفريط، وقال صلى الله عليه

اور بری صورت بنانے کو پسند کرتے تھے اور زینت کو مکروہ سمجھتے تھے اور بعض لوگ ایسے تھے جو زیبائش پر بڑا فخر کرتے تھے اور اس کو ایک فخر کی بات سمجھتے تھے اور دوسرے لوگوں کو ذلیل سمجھتے تھے پس ان سب کے طریقوں کا مٹانا مقاصد شرعیہ میں سے ایک مقصد تھا کیونکہ شرائع کا مبنیٰ افراط اور تفریط کے مابین حالت پر اور ان دونوں مصلحتوں کے جمع کرنے پر ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ باتیں فطرت کی باتوں میں سے ہیں، ختنہ کرنا، زیر ناف بال لینا مونچھیں کترنا، ناخون کاٹنا اور بغلوں کے بال اکھاڑنا، پھر ان کا وقت مقرر کرنے کی ضرورت پڑی تاکہ مخالف سنت پر اعتراض ہو سکے اور تاکہ بڑا پرہیزگار ہر روز بال مونڈنے میں اور اکھیڑنے میں نہ پڑ جائے اور سست آدمی سال سال بھر تک خبر نہ لے اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مونچھوں کے کترانے میں اور ناخون کے [illegible] بغل کے بال کے اکھڑوانے میں اور زیر ناف بال لینے میں یہ مدت مقرر فرمائی کہ چالیس روز سے زیادہ دیر نہ کیجائے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود و نصاریٰ ڈاڑھی کو نہیں رنگتے تم ان کے خلاف کرو، اور اہل کتاب سر کے بالوں کو سدل کرتے تھے اور مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اول سدل کیا پھر مانگ نکالی پس سدل کے معنی پیشانی کے بالوں کا منہ پر چھوڑے رکھنا ہے اور یہ ایک پریشان صورت ہے اور 'فرق' بالوں کی دو چوٹیاں بنا کر ہر چوٹی کو کنپٹی کی طرف پہنچا دینے کو کہتے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سر کے بعض حصہ کو مونڈنے اور بعض حصہ کے بال رکھنے سے منع فرمایا ہے،

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ یہ ہیئت شیطانی ہے اور ایک قسم کا مثلہ ہے جس کو تمام نفوس سوائے ان نفوس کے جو اس کے عادی ہو کر ماؤف ہو گئے ہیں برا جانتے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی کے بال ہوں تو وہ ان کی عزت کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے تیسرے روز کے کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے اس سے آپکی مراد افراط و تفریط میں میانہ روی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وسلم لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله، ولعن صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال ؛

أقول الأصل في ذلك أن الله تعالى خلق كل نوع وصنف مقتضيا لظهور أحكام في البدن كالرجال تلتحي وكالنساء يصغين إلى نوع من الطرب والخفة، فاقتضاؤها للأحكام لمعنى في المبدأ هو بعينه كراهية أضدادها، ولذلك كان لمرضي بقاء كل نوع وصنف على ما تقتضيه فطرته وكان تغيير الخلق سببا للعن، ولذلك كره النبي صلى الله عليه وسلم إنزاء الحمير لتحصيل البغال، فمن الزينة ما يكون كالتقوية لفعل الطبيعة والتوطئة له والتتميم إياه كالكحل والترجل وهو محبوب، ومنها ما يكون كالمباين لفعلها كاختيار الإنسان هيئة الدواب وما يكون تعمقا في ابتداع ما لا تقتضيه الطبيعة، وهو غير محبوب إذا خلي الإنسان وفطرته عده مثلة ؛

ومنها صناعة التصاوير في الثياب والجدران والأنماط فنهى عنها النبي صلى الله عليه وسلم، ومدار النهي شيئان أحدهما أنها أحد وجوه الإرفاه والزينة فإنهم كانوا يتفاخرون بها ويبذلون أموالا خطيرة فيها فكانت كالحرير، وهذا المعنى موجود في صورة الشجر وغيرها، وثانيها أن المخامرة بالصور واتخاذها وجريان

"گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور منہ کے بال اکھڑوانے والیوں اور حسن کے لئے دانت باریک کرنے والیوں پر جو اللہ کی پیدائش کو بدلتی ہیں اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر جو عورتوں کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کے ساتھ مشابہت کرتی ہیں لعنت کی ہے ؛

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ہر نوع اور ہر صنف کو بدن میں ظہور احکام کے لئے مقتضی بنایا ہے مثلاً مردوں میں ڈاڑھی کا شوق ہوتا ہے اور عورتیں خوشی اور خفت کی طرف کسی قدر مائل ہوتی ہیں پس اس معنی کی وجہ سے جو اصل مادہ میں ہوتے ہیں انواع کا احکام کو چاہنا بعینہٖ ان احکام کی اضداد سے نفرت کرنا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہر نوع اور صنف کا اپنی مقتضائے فطرت پر باقی رہنا پسندیدہ ہوا، اور پیدائش الہٰی کا بدلنا لعنت کا باعث ہوا اور اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے خچروں کے پیدا ہونے کے لئے گدھے کو گھوڑے پر چھوڑنے سے منع فرمایا ہے، مگر بعض زینت ایسی ہوتی ہے جس سے طبیعت کے فعل کی تقویت اور اس کی تائید اور اس کی پیروی ہوتی ہے جیسے سرمہ لگانا اور کنگھی کرنا اور یہ زینت پسندیدہ چیز ہے اور بعض قسم کی زینت فعل طبیعت کے منافی ہوتی ہے جیسے انسان کو حیوانات کی ہیئت بنانا اور بعض قسم کی زینت ایسی ہوتی ہے جس میں طبیعت کے خلاف بہ تکلف کسی چیز کا پیدا کرنا ہوتا ہے اور ایسی زینت بھی غیر پسندیدہ ہے، جب انسان اپنی فطرت کے ساتھ اس پر غور کریگا تو ضرور اس کو مثلہ خیال کریگا ؛

اور از آں جملہ کپڑوں اور دیواروں اور قالینوں میں تصاویر بنانا ہے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی ہے اور اس ممانعت کا مدار دو چیزوں پر ہے ایک یہ ہے کہ اس میں ترفہ اور زینت کی صورت پائی جاتی ہے اس واسطے کہ وہ لوگ ان تصاویر سے فخر کیا کرتے تھے اور بہت سا مال اس میں صرف کیا کرتے تھے پس وہ بھی مثل حریر کے شمار کی گئیں اور یہی بات درخت وغیرہ کی تصاویر میں پائی جاتی ہے دوسری چیز یہ ہے کہ تصاویر میں مشغول ہونا اور ان کا بنانا اور

الرسم بالرغبة فيها يفتح باب عبادة الاصنام
وينوه امرها ويذكرها لاهلها، وما نشأت
عبادة الاصنام في اكثر الطوائف الا من
هذه، وهذا المعنى يختص بصورة الحيوان
ولذلك امر بقطع راس التماثيل لتصير كهيئة
الشجر، ونخف فساد صناعة صورة الاشجار
قال صلى الله عليه وسلم ان البيت الذي فيه
الصورة لا تدخله الملائكة، وقال صلى الله
عليه وسلم كل مصور في النار يجعل له
بكل صورة صورها نفسا فيعذب به
في جهنم، قال صلى الله عليه وسلم من
صور صورة عذب وكلف ان ينفخ فيها
وليس بنافخ،

اقول لما كانت التصاوير فيها معنى
الاصنام، وقد تحقق في الملأ الاعلى داعية
غضب ولعن على الاصنام وعملتها وجب
ان يتنفر منها الملائكة، واذا حشر الناس
يوم القيامة باعمالهم تمثل عمل المصور
بالنفوس التي تصورها في نفسه واراد
محاكاتها في عمله لانها اقرب ما هنالك
وظهر اقدامه على المحاكاة، وسعيه
ان يبلغ فيها غاية المدى في صورة
التكليف بان ينفخ فيها الروح وليس
بنافخ، ومنها الاشتغال بالمسليات
وهي ما يسلي النفس عن هم الآخرة والدنيا
ويضيع الاوقات كالمعازف والشطرنج
واللعب بالحمام واللعب بتحريش البهائم
ونحوها فان الانسان اذا اشتغل
بهذه الاشياء لها عن طعامه وشرابه

ان کی طرف رغبت کرنے کا دستور جاری ہونا ایسا امر ہے کہ اس سے
بت پرستی کا دروازہ کھلتا ہے اور اس میں بتوں کی عظمت پیدا ہوتی
ہے اور بت پرستوں کے لئے یاد دہانی ہوتی ہے اور اکثر امتوں میں
جو بت پرستی پھیلی ہے تو اسی وجہ سے پھیلی ہے اور یہ بات صرف حیوانات
کی تصاویر میں پائی جاتی ہے اسی واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
تصاویر کے سر کاٹنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ وہ بمنزلہ درخت کے ہو جائیں
اور درختوں کی تصویر بنانے میں اس قدر فساد نہیں ہے، نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے
داخل نہیں ہوتے" اور فرمایا ہے "ہر مصور دوزخ میں ہے ہر تصویر
کے عوض میں جو اس نے بنائی ہے ایک شخص مقرر کیا جائیگا جو اس کو
جہنم میں عذاب دیگا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے
کوئی تصویر بنائی اس کو عذاب دیا جائیگا اور اس سے کہا جائیگا اس
میں جان ڈال اور وہ اس میں جان نہ ڈال سکیگا"

میں کہتا ہوں چونکہ تصاویر کے اندر بتوں کے معنی پائے
جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں بتوں اور بت پرستوں پر لعنت اور غضب
کا اقتضاء پایا جاتا ہے اسواسطے ضروری ہوا کہ ملائکہ کو ان سے
نفرت ہو اور قیامت کے روز سب لوگ اپنے اعمال کے
ساتھ اٹھائے جائیں گے تو اس روز مصور کا عمل ان نفوس میں
متمثل ہو جائیگا جن کا اس نے تصویر بناتے وقت تصور کیا تھا اور
ان کی نقل بنانی چاہی تھی اس واسطے کہ انہیں نفوس کی صورت
میں ظاہر ہونا نہایت مناسب ہے اور اس مصور نے ان حیوانات
کی نقل بنانے پر جو اقدام کیا ہے اور اس میں نہایت درجہ کی
کوشش کرنا اس تکلیف کی صورت میں ظاہر ہوگا کہ اس کو جان
ڈالنے کا حکم دیا جائے اور وہ ڈال نہ سکے گا،

اور از آں جملہ غم دور کرنے والی چیزوں میں مشغول رہنا
ہے جو نفس کو دین و دنیا کے غم سے بے فکر کریں اور اوقات
ضائع کریں مثلاً باجا اور شطرنج اور کبوتر بازی اور جانوروں
کا لڑانا وغیرہ، کیوں کہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول
ہوتا ہے تو کھانے پینے اور ضروری کاموں سے بھی

وحاجته، وربما كان حاقنا ولا يقوم للبول فان جرى الرسم بالاشتغال بها صار الناس كلا على المدينة ولم يتوجهوا الى اصلاح نفوسهم۔

واعلم ان الغناء والدف فى الوليمة ونحوها عادة العرب والعجم ودیدنهم وذلك لما يقتضيه الحال من الفرح والسرور فليس ذلك من المسليات انما ميزان المسليات ما كان فى زمانه صلى الله عليه وسلم فى الحجاز وفى القرى العامرة لا ما كان الاشتغال به زائدا على الفرح والسرور المطلوبين كالمزامير، قال صلى الله عليه وسلم من لعب بالنردشير فقد عصى الله ورسوله، وقال صلى الله عليه وسلم من لعب بالنردشير فكأنما صبغ يده فى لحم خنزير ودمه، وقال صلى الله عليه وسلم ليكونن من امتى اقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف وقال صلى الله عليه وسلم اعلنوا النكاح واضربوا عليه بالدف فالملاهى نوعان محرم وهى الآلات المطربة كالمزامير ومباح وهو الدف والغناء فى الوليمة ونحوها من حادث سرور، واما الحداء وهو فى الاصل ما يقصد به تهيج الابل لكن المراد هنا مطلق النشيد مع تاليف الالحان والايقاع فهو مباح فانه من المباسطة دون المسليات، واما اللعب بآلات الحرب كالرمى ضنلة وتاديب الفرس واللعب بالرماح فليس

بے خبر ہو جاتا ہے اور بسا اوقات پیشاب پاخانہ روکے رہتا ہے اور اس کے لئے نہیں اٹھتا پس اگر ان چیزوں میں مشغول ہونیکا دستور عام ہو جائے تو تمام لوگ شہر پر بوجھ ہو جائیں اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہوں،

واضح ہو کہ ولیمہ وغیرہ کے اندر گانا اور دف بجانا تمام عرب وعجم کی عادت اور ان کا دستور ہے اس واسطے کہ یہ سرور اور خوشی کے حال کا مقتضی ہے پس وہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے جو دین و دنیا کو خراب کرنے والی ہیں ان بے غم کرنے والی چیزوں میں فرق اس طرح پر کیا گیا ہے کہ وہ چیزیں جن کا استعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حجاز اور آباد بستیوں میں اس فرح اور سرور سے زاید سمجھا جاتا تھا جو ولیمہ وغیرہ میں مطلوب ہیں تو وہ چیزیں ممنوع اور دنیا وعاقبت کو خراب کرنیوالی ہیں مثلاً مزامیر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے شطرنج کا کھیل کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی" اور آپ نے فرمایا "جس نے چوسر کا کھیل کھیلا گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں بلا شبہ کچھ گروہ ایسے ہوں گے جو فرج اور حریر اور شراب اور کھیل کی چیزوں کو حلال سمجھیں گے،" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نکاح کا اعلان کرو اور اس پر دف بجاؤ" پس لہو ولعب کی دو قسمیں ہیں ایک حرام اور یہ وہ کھیل کی چیزیں ہیں جو سرور حاصل کرنے کے لئے استعمال کیجاتی ہیں مثلاً مزامیر، اور ایک مباح اور وہ ولیمہ وغیرہ میں دف بجانا اور گانا ہے جس سے سرور پیدا ہوا اور حُدیٰ اصل میں وہ ہے جس سے اونٹوں میں جولانی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے مگر یہاں مطلق خوش الحانی اور گھٹاؤ بڑھاؤ کے ساتھ کسی چیز کا پڑھنا مراد ہے اور وہ مباح ہے کیونکہ وہ ملال دور کرنے والی چیز ہے اور ایسی چیز نہیں ہے جس سے دنیا وآخرت سے بے فکری ہو جائے،

اور آلاتِ حرب سے کھیلنا مثلاً تیر اندازی اور چابک سواری اور نیزہ بازی، پس یہ در حقیقت

من اللعب فی الحقیقۃ لما فیہ من مقصود شرعی وقد لعبت الحبشۃ بالحراب والدرق بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدہ وقال صلی اللہ علیہ وسلم لرجل یتبع حمامۃ شیطان یتبع شیطانۃ، ونہی علیہ السلام عن التحریش بین البہائم، ومنہا اقتناء عدد کثیر من الدواب والفرش لا یقصد بذلک کفایۃ الحاجۃ بل مراآۃ الناس والفخر علیہم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فراش للرجل وفراش لامرأتہ والثالث للضیف، والرابع للشیطان، وقال صلی اللہ علیہ وسلم یکون ابل للشیاطین و بیوت للشیاطین، قال ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اما ابل الشیاطین فقد رأیتہا یخرج احدکم بنجیبات معہ قد اسمنہا ولا یعلو بعیرا منہا ویمر باخیہ قد انقطع بہ فلا یحملہ، وکان اہل الجاہلیۃ مولعین باقتناء الکلاب جمع کلب وھو حیوان ملعون تتاذی منہ الملائکۃ فان لہ مناسبۃ بالشیاطین کما قلنا فی الوزغ، فحرم النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقتناءھا وقال من اتخذ کلبا الا کلب ماشیۃ او صید او زرع انتقص من اجرہ کل یوم قیراط وفی روایۃ قیراطان، وفی حکم الکلاب القردۃ والخنازیر۔

اقول السر فی انتقاص اجرہ انہ یمد البہیمیۃ ویقہر الملکیۃ، والقیراط خرج مخرج المثل یرید بہ الجزء القلیل ولذلک لم یکن بین قولہ صلی اللہ علیہ وسلم

کھیل میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان سے مقصود شرعی حاصل ہوتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے رو برو آپ کی مسجد میں حبشیوں نے پٹا کھیلا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق جو ایک کبوتری کے پیچھے پیچھے جاتا تھا فرمایا "شیطان شیطانہ کے پیچھے جاتا ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو لڑانے سے ممانعت فرمائی ہے

اور ازاں جملہ بلا ضرورت صرف دکھانے اور فخر کرنے کے لئے بہت سے جانور اور سامان کا جمع کرنا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک بستر مرد کے لئے اور ایک اس کی بیوی کے لئے اور ایک مہمان کے لئے کافی ہے اور چوتھا بستر شیطان کیلئے ہے"، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہت سے اونٹ اور بہت سے گھر شیطان کے لئے ہوتے ہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شیطان کے لئے اونٹ تو میں نے دیکھے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص عمدہ عمدہ اونٹوں کو فربہ کرکے اپنے ساتھ لیکر نکلتا ہے ان میں سے کسی پر سوار نہیں ہوتا اور نہ کسی مسلمان بھائی کو جو راستہ میں تھکا ماندہ ملتا ہے اس کو سوار کرتا ہے"

اور اہل جاہلیت کو کتے پالنے کا بڑا شوق تھا اور کتا ایک ملعون جانور ہے جس سے ملائکہ کو نفرت ہے کیونکہ اس کو شیاطین سے مناسبت ہے جیسا کہ ہم نے گرگٹ کے بارے میں بیان کیا ہے اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو پالنے سے منع فرمایا اور یہ فرمایا "جو شخص کتا رکھے بجز اس کتے کے جو مویشی یا شکار یا کھیتی کے لئے ہو تو ہر روز اس کے اجر میں سے ایک قیراط کم ہوتا رہتا ہے" اور ایک روایت میں دو قیراط آیا ہے، اور بندر اور سور پالنے کا حکم بھی کتے کے حکم کے مانند ہے،

میں کہتا ہوں اجر کے کم ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اس فعل سے قوت بہیمی زیادہ ہوتی ہے اور ملکیت مغلوب ہوتی ہے، اور قیراط کی مقدار کو بطور تمثیل کے ذکر کیا ہے اور اس سے جزء قلیل مراد ہے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قیراط اور ایک قیراط کے ساتھ

قیراطان وقوله قیراط مناقضة، ومنها استعمال امانی الذهب والفضة، قال صلے اللہ علیہ وسلم الذی یشرب فی اناء الفضة انما یجرجر فی بطنه نار جهنم، وقال صلی اللہ علیہ وسلم لا تشربوا فی انیة الذهب والفضة ولا تأکلوا فی صحافها فانها لهم فی الدنیا ولکم فی الأخرة، وقد ذکرنا من قبل ما ینکشف به سره، قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خمروا الآنیة واوکوا الاسقیة واجیفوا الابواب واکتفوا صبیانکم عند المساء فان للجن انتشارا وخطفة واطفئوا المصابیح عند الرقاد فان الفویسقة ربما اجترت الفتیلة فاحرقت اهل بیت وفی روایة فان الشیطان لا یحل سقاء ولا یفتح بابا ولا یکشف اناءا، وفی روایة فان فی السنة لیلة ینزل فیها وباء لا یمر باناء لیس علیه غطاء او سقاء لیس علیه وکاء الا نزل فیه من ذلك الوباء۔ اقول اما انتشار الجن عند المساء فلکونهم ظلمانیین فی اصل الفطرة فیحصل لهم عن انتشار الظلمة ابتهاج وسرور فینتشرون واما ان الشیطن لا یحل وکاء فلان اکثر تاثیراتها علی ما ادرکنا فی ضمن الافعال الطبیعیة کما ان الهواء اذا دخل فی البیت دخل الجنی معه واذا تدهده الحجر وامد فی تدهده تدهده اکثر مما تقتضیه العادة ونحو ذلك واما ان فی السنة لیلة ینزل فیها الوباء فمعناه انه یجیئ بعد زمان طویل وقت یفسد فیه الهواء۔ وقد شاهدت ذلك مرة احسست بهواء خبیث اصابنی صداع فی ساعة او صداع لی ثم رأیت کثیرا من الناس قد مرضوا وسقطوا

بیان کرنے میں کوئی منافات نہ ہوئی، اور انان جملہ سونے چاندی کے ظروف کا استعمال ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص چاندی کے برتن سے پیتا ہے بلاشبہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سونے اور چاندی کے برتن میں مت پیو اور اس کی رکابیوں میں مت کھاؤ کیونکہ کفار کے لئے وہ دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے وہ آخرت میں ہیں" اور پہلے جو ہم بیان کر چکے ہیں اس سے اس کی وہ بالکل ظاہر ہو سکتی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شام کے وقت برتنوں کو ڈھانک دیا کرو اور مشکیزوں کے دھانے باندھ دیا کرو اور دروازوں کو بند کر دیا کرو اور اپنے بچوں کو گھر سے نہ نکلنے دو کیونکہ شیطان پھیل جاتے ہیں اور اچکتے پھرتے ہیں اور سوتے وقت چراغوں کو گل کر دیا کرو اسواسطے کہ بسا اوقات چوہا بتی کو کھینچ لیجاتا ہے اور گھر والوں کو جلا دیتا ہے" اور ایک روایت میں آیا ہے "کیونکہ شیطان نہ مشکیزہ کھول سکتا ہے اور نہ دروازہ کو کھولتا ہے اور نہ برتن کو کھولتا ہے" اور ایک روایت میں آیا ہے "کیونکہ سال بھر میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جسمیں وبا نازل ہوتی ہے پھر اس وبا کا جس کسی ایسے برتن پر گذر ہوتا ہے جس پر سرپوش نہیں یا کسی مشکیزہ پر سے گذر ہوتا ہے جو سر بند نہیں ہے تو اسمیں اس وبا میں سے کچھ نازل ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں شام کے وقت جنوں کا پھیلنا اسوجہ سے ہے کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے ظلمانی ہیں پس تاریکی کے پھیلنے سے انکو خوشی اور سرور حاصل ہوتا ہے اور وہ جہاں میں پھیل جاتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ "شیطان بند چیز کو نہیں کھولتا" تو اس کا سبب یہ ہے کہ شیاطین کا اکثر اثر جو ہم کو معلوم ہوا ہے افعال طبعیہ کے ضمن میں ہوا کرتا ہے جس طرح کہ ہوا جب کسی گھر میں داخل ہوتی ہے تو اس کے ساتھ جن بھی داخل ہو جاتا ہے، اور جب کوئی پتھر لڑکا یا جائے اور اس کے لڑکانے میں کوشش کیجائے تو وہ مقتضائے عادت سے زیادہ لڑک جاتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ سال بھر میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں بلا نازل ہوتی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ زمانہ طویل کے بعد ایسا وقت آتا ہے جس میں ہوا بگڑ جاتی ہے اور میں نے ایک مرتبہ اسکا مشاہدہ بھی کیا ہے کہ مجھے ایک خراب ہوا چلتی ہوئی محسوس ہوئی جس سے اسی وقت

م سے سر میں درد پیدا ہو گیا پھر میں نے یہ دیکھا کہ اسی رات میں بہت سے لوگ بیمار ہو گئے اور ان میں امراض کے

الحدث ومرض فی تلک اللیلۃ، ومنہا التطاول فی البنیان وتزویق البیوت وزخرفتہا فکانوا یتکلفون فی ذلک غایۃ التکلف ویبذلون اموالا خطیرۃ فعالج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالتغلیظ الشدید، فقال ما انفق المؤمن من نفقۃ لا اجر فیہا الا نفقتہ فی ھذا التراب، وقال صلی اللہ علیہ وسلم ان کل بناء وبال علی صاحبہ الا ما لا الا ما لا، یعنی الا ما لا بد منہ، وقال صلی اللہ علیہ وسلم لیس لی اولیس لنبی ان یدخل بیتا مزوقا، وقال علیہ الصلاۃ والسلام ان اللہ لم یامرنا ان نکسوا الحجارۃ والطین، وکان الناس قبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتمسکون فی امراضہم وعاھاتہم بالطب والرقی، وفی تقدمۃ المعرفۃ بالفال والطیرۃ والخط وھو الرمل والکہانۃ والنجوم وتعبیر الرؤیا، وکان فی بعض ذلک ما لا ینبغی، فنہی عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واباح الباقی، فالطب حقیقتہ التمسک بطبائع الادویۃ الحیوانیۃ او النباتیۃ او المعدنیۃ والتصرف فی الاخلاط نقصا وزیادۃ، والقواعد الملیۃ تصححہ اذ لیس فیہ شائبۃ شرک ولا فساد فی الدین والدنیا بل فیہ نفع کبیر، وجمع لشمل الناس الا المداواۃ بالخمر اذ للخمر ضراوۃ لا تنقطع، والمداواۃ بالخبیث ای السم ما امکن العلاج بغیرہ فانہ ربما افضی الی القتل، والمداواۃ بالکی ما امکن بغیرہ لان الحرق بالنار دخل الاسباب التی تنفر منہا الملائکۃ، والاصل فیما روی

پیدا ہونے کی استعداد ہوگئی، اور از آں جملہ بلند عمارتوں پر فخر کرنا اور ان کو مزین کرنا اور ان کی زیب و زینت کرنا ہے پس وہ لوگ اس امر میں نہایت تکلف کرتے تھے اور اس میں مال کثیر خرچ کرتے تھے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نہایت سخت ممانعت فرما کر اس کا علاج کیا اور فرمایا "مومن کوئی خرچ ایسا نہیں کرتا جس میں اس کو اجر نہ دیا جائے گا بجز اس خرچ کے جو اس مٹی میں کرتا ہے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر عمارت اپنے بنانے والے پر وبال ہے مگر جس کے بغیر چارہ نہ ہو" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے لئے زیبا نہیں" یا یہ فرمایا "کسی نبی کے لئے زیبا نہیں کہ آراستہ گھر میں داخل ہو" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور مٹی کو لباس پہنائیں"۔

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر لوگوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے امراض اور آفات میں طب اور جھاڑ پھونک کو کام لیا کرتے تھے اور کسی آئندہ چیز کے معلوم کرنے میں فال اور شگون اور خطوط سے کام لیا کرتے تھے اور اس کا نام رمل ہے، اور نیز کہانت اور نجوم اور تعبیر خواب سے کام لیتے تھے اور ان میں سے بعض میں غیر مناسب امور تھے اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرما دیا اور باقی کو مباح کر دیا پس طب کی حقیقت ادویہ حیوانیہ یا نباتیہ یا معدنیہ کی طبائع سے کام لینا اور کم اور زیادہ کر کے اخلاط میں تصرف کرنا ہے اور قواعد ملیہ ان کو صحیح جانتے ہیں کیونکہ اس میں نہ تو شرک کا شائبہ ہے اور نہ دین و دنیا کا کچھ نقصان ہے بلکہ اس میں بڑا نفع اور لوگوں کی جماعت کا مجتمع کرنا ہے مگر شراب سے علاج کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ شراب میں ایک مزہ ہوتا ہے جو شراب پینے والے سے نہیں چھوٹتا اسی طرح خبیث ادویہ یعنی زہریلی اشیاء سے علاج کرنا ممنوع ہے جب تک اس کے سوا دوسری اشیاء سے علاج کرنا ممکن ہو کیونکہ اس سے بسا اوقات انسان مرجاتا ہے اور نیز جب تک اور چیز سے علاج ممکن ہو داغ لگا کر علاج کرنا ممنوع ہے کیونکہ آگ سے جلانا ایسی چیز ہے جس سے ملائکہ نفرت کرتے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جو معالجات مروی ہیں ان

عن النبي صلى الله عليه وسلم من المعالجات
التجربة التي كانت عند العرب، واما الرقى
فحقيقتها التمسك بكلمات لها تحقق في المثال
واثر، والقواعد الملية لا تدفعها ما لم يكن
فيها شرك لا سيما اذا كان من القرآن او السنة
او مما يشبههما من التضرعات الى الله، والعين
حق وحقيقتها تاثير المام نفس العائن و
صدمة تحصل من المامها بالمعين، وكذا
نظرة الجن وكل حديث فيه نهي عن الرقى و
التمائم والتولة فمحمول على ما فيه شرك او
انهماك في التسبب بحيث يغفل عن البارئ
جل شانه، واما الفال والطيرة فحقيقتهما
ان الامر اذا قضى به في الملا الاعلى ربما تلونت
بلونه وقائع جبلت على سرعة الانعكاس
فمنها الخواطر ومنها الالفاظ التي يتفوه بها
من غير قصد معتد به وهي اشباح الخواطر
الخفية التي يقصد اليها بالذات، ومنها
الوقائع الجوية فان اسبابها في الاكثر
من الطبيعة ضعيفة وانما تختص بصورة
دون صورة باسباب فلكية او انعقاد امر
في الملا الاعلى وكان العرب يستدلون بها
على ما ياتي وكان فيه تخمين واثارة وسوسة
بل ربما كانت مظنة للكفر بالله وان لم
تطمح الهمة الى الحق فنهى النبي صلى الله
عليه وسلم عن الطيرة، وقال خيرها
الفال يعني كلمة صالحة يتكلم بها انسان
صالح فانها ابعد من تلك القبائح، ونفى
العدوى لا بمعنى نفي اصلها لكن العرب
يظنونها سببا مستقلا وينسون التوكل

اصل عرب کے تجربات ہیں، اور منتر کی حقیقت ایسے کلمات کا استعمال
کرنا ہے جن کا عالم مثال میں تحقق اور اثر ہے اور جب تک ان میں کلمہ
شرک نہیں ہے قواعد شرعیہ ان کو رد نہیں کرتی خصوصاً جبکہ
وہ کلمات قرآن و حدیث سے ہوں جن میں اللہ کی طرف تضرع کے معنی
پائے جاتے ہوں، اور نظر حق ہے اور اسکی حقیقت دیکھنے والے کے نفس
کے صدمہ پہنچانے کی تاثیر اور وہ صدمہ ہے جو دیکھنے والے کی تاثیر
نفس سے پہنچتا ہے اور ایسا ہی جنات کی نظر کا حال ہے اور جن
احادیث میں منتر اور تعویذ اور ٹوٹکے سے ممانعت آئی ہے تو وہ
ان صورتوں کے ساتھ متعلق ہے جن میں شرک یا اسباب میں
اس قدر منہمک ہونا پایا جاتا ہو جو باری تعالیٰ سے غافل کردے،
اور فال اور شگون کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی امر عالم بالا میں
قرار پا چکتا ہے تو بسا اوقات وہ واقعات جو اپنی جبلت کے
اعتبار سے ہر چیز کا عکس سرعت کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں اس امر کا
رنگ پکڑ لیتے ہیں پس ان واقعات میں سے ایک تو دلوں کے خیالات
ہیں اور ایک وہ الفاظ ہیں جو بلا قصد معتدبہ کے زبان سے نکل
جاتے ہیں اور وہ ان خیالات خفیہ کے اشباح ہیں جن کی طرف
بالذات قصد کیا جاتا ہے اور ایک ان میں سے وہ واقعات ہیں
جو زمین و آسمان کے درمیان فضا میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں کیونکہ
ان کے اسباب طبیعت کے اعتبار سے اکثر ضعیف ہوتے ہیں اور
ان کا کسی صورت کے ساتھ خاص ہونا اور کسی کے ساتھ نہ ہونا
کسی سبب فلکی یا عالم بالا میں کسی امر کے قرار پانے سے ہوتا ہے،
اور عرب کے لوگ ان باتوں سے آئندہ ہونے والی چیزوں پر
استدلال کیا کرتے تھے اور اس بات میں تخمین اور وہم کا پابند
ہونا ہے بلکہ بسا اوقات کا کفر کا مظنہ اور اس بات کا احتمال ہوتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نہ رہے لہٰذا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بدشگونی
سے بالکل منع فرما دیا اور فرمایا "ان میں بہتر فال ہے" یعنی کوئی اچھا
کلمہ جو نیک آدمی کے منہ سے نکلے کیونکہ وہ ان قباحتوں سے بعید ہے،
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانے کا انکار
فرمایا نہ اسلئے کہ اس کی کچھ اصل نہیں بلکہ اس لئے کہ عرب کے لوگ اسکو
مستقل سبب خیال کرتے تھے اور توکل کو بالکل بھول جاتے تھے

راسا، والحق ان سببية هذه الاسباب انما
تتم اذا لم ينعقد قضاء الله على خلافه لانه
اذا انعقد اتمه الله من غير ان ينخرم النظام
والتعبير عن هذه النكتة بلسان الشرع
انها اسباب عادية لا عقلية والهامة تفتح
باب الشرك غالبا، وكذلك الغول فنهوا
عن الاشتغال بهذه الامور لان هذه
ليست حقيقة البتة كيف والاحاديث
متظاهرة على ثبوت الجن وتردده فى العالم
وعلى ثبوت اصل العدوى وعلى ثبوت اصل
الشؤم فى المرأة والفرس والدار، فلا جرم
ان المراد نفيها من حيث جواز الاشتغال
بها ومن حيث انه لا يجوز المخاصمة فى ذلك
فلا يسمع خصومة من ادعى على احد انه
قتل ابله وامرضها بادخال الابل لمريضة
عليها ونحو ذلك كيف وانت خبير بان النبى
صلى الله عليه وسلم نهى عن الكهانة وهى
الاخبار عن الجن اشد نهى وبرئ ممن اتى
كاهنا، ثم لما سئل عن حال الكهان اخبر
ان الملائكة تنزل فى العنان فتذكر الامر
قد قضى فى السماء فتسترق الشياطين السمع
فتسمعه فتوحيه الى الكهان فيكذبون
معها مائة كذبة يعنى ان الامر اذا تقرر
فى الملأ الاعلى ترشح منه رشحات على الملائكة
السافلة التى استعدت للالهام فربما اخذ
منهم بعض اذكياء الجن، ثم تتلقى الكهان
منهم بحسب مناسبات جبلية وكسبية
فلا تشكن ان النهى ليس معتمدا على عدمها
فى الخارج بل على كونها مظنة للخطا والشرك

اور حق بات یہ ہے کہ ان اسباب کی سببیت اسی وقت تک رہتی ہے جبتک
اللہ تعالیٰ کا حکم ان کے خلاف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حکم الٰہی ثابت
ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا ہے بغیر اس کے کہ نظام
میں فرق آئے، اور شرع کی زبان میں اس نکتہ کو اس طرح بیان
کر سکتے ہیں کہ یہ چیزیں اسباب عادیہ ہیں اسباب عقلیہ نہیں ہیں،
اور ہامہ سے غالباً شرک کا دروازہ کھلتا ہے اور اسی طرح غول سے
اسواسطے ان امور کے اندر مشغول ہونے سے ان کو منع کیا گیا نہ
اسواسطے کہ حقیقت میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ کیسے ہو سکتا
ہے حالانکہ بہت سی احادیث سے جنات اور ان کا عالم میں منتشر رہنا
ثابت ہے اور تعدی کا پایا جانا ثابت ہے اور بہت سی احادیث سے عورت
اور گھوڑے اور مکان میں نحوست کا پایا جانا ثابت ہے پس لامحالہ انکی
نفی اس معنی کر کے ہوگی کہ انمیں مشغول رہنا منع ہے اور اس میں مخاصمت
نہیں ہو سکتی پس کسی کا یہ دعویٰ مسموع نہ ہوگا کہ اس نے اپنا بیمار اونٹ
میرے اونٹ کے پاس کر کے اسکو بیمار کر دیا یا مار ڈالا وعلی ہذا القیاس،
اور یہ کسطرح ہو سکتا ہے حالانکہ تم جانتے ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے کہانت یعنی جنات سے خبر دریافت کر کے بتلانے سے سخت منع کیا ہے
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کاہن کے پاس جانے والے سے اپنی برأت
کی ہے، پھر جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کا حال دریافت کیا گیا
تو آپ نے فرمایا کہ "فرشتے آسمانوں کے کناروں پر آتے ہیں اور عالم بالا
میں جو کچھ قرار پا چکا ہے اس کا ذکر کرتے ہیں پس شیاطین مخفی طور پر
وہاں سننے کیلئے جا پہنچتے ہیں اور کچھ سن لیتے ہیں اور کاہنوں کو آکر
کہدیتے ہیں اور کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں یعنی ملاء اعلیٰ
میں جب کوئی امر قرار پا چکتا ہے تو ملائکہ سافلہ پر جو الہام کی قابلیت
رکھتے ہیں اس کا القاء ہوتا ہے پھر بعض جنات جو ذکی ہوتے ہیں ملائکہ
سے اسکو معلوم کر لیتے ہیں پھر کسی مناسبت جبلیہ یا کسبیہ کاہن جنات سے
حاصل کر لیتے ہیں پس تم اس بات میں ہرگز شک نہ کرنا کہ نہی کا مدار
اس بات پر نہیں ہے کہ ان کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے بلکہ اس
واسطے ان سے نہی کی گئی ہے کہ ان سب میں خطاء اور شرک
اور فساد کا گمان غالب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ے زمانہ جاہلیت کے اوہام کے موافق ایک جانور جو قبروں میں پیدا ہو جاتا ہے ۱۲۔

والفساد كما قال عز من قائل قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما

اما الانواء والنجوم فلا يبعد ان يكون لهما حقيقة ما فان الشرع انما اتى بالنهي عن الاشتغال به لا نفي الحقيقة البتة وانما توارث السلف الصالح ترك الاشتغال به وذم المشتغلين وعدم القبول بتلك التاثيرات لا القول بالعدم اصلا، وان منها ما يلحق بالبديهيات الاولية كاختلاف الفصول باختلاف احوال الشمس والقمر ونحو ذلك، ومنها ما يدل عليه الحدس والتجربة والرصد كمثل ما تدل هذه على حرارة الزنجبيل وبرودة الكافور، ولا يبعد ان يكون تاثيرها على وجهين، وجه يشبه الطبائع فكما ان لكل نوع طبائع مختصة به من الحر والبرد واليبوسة والرطوبة بها يتمسك في دفع الامراض فكذلك للافلاك والكواكب طبائع وخواص نحو الشمس ورطوبة القمر فاذا جاء ذلك الكوكب في محله ظهرت قوته في الارض الا تعلم ان المرأة انما اختصت بعادات النساء واخلاقهن لشيء يرجع الى طبيعتها وان خفي ادراكها، والرجل انما اختص بالجراءة والجهورية ونحوها لمعنى في مزاجه فلا تنكر ان يكون لحلول قوى الزهرة والمريخ بالارض اثر كاثر هذه الطبائع الخفية ۞

وثانيهما وجه يشبه قوة روحانية متركبة مع الطبيعة وذلك مثل قوة نفسانية في الجنين من قبل امه وابيه

"آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ عظیم ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے" لیکن ستاروں کا طلوع وغروب اور نجوم تو یہ بات بعید نہیں ہے کہ ان کی کچھ حقیقت ہو کیونکہ ان کے اندر مشغول رہنے سے منع فرمایا ہے نہ یہ کہ بالکل حقیقت کی نفی کی ہے، اور سلف صالح سے ان چیزوں میں مشغول نہ ہونا اور شغل رکھنے والوں کی برائی اور ان کی تاثیرات کا قبول نہ کرنا ثابت ہے نہ یہ کہ انہوں نے اس کی بالکل نفی کی ہے، اور ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو بدیہیات اولی کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں مثلاً سورج اور چاند کے حالات مختلف ہونے سے فصلوں کا بدلنا وغیر ذالک، اور بعض ایسی باتیں ہیں جو فکر اور تجربہ اور رصد سے ثابت ہوتی ہیں جس طرح تجربہ وغیرہ سے مثلاً سونٹھ کی حرارت اور کافور کی برودت ثابت ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ ان کی تاثیر دو طریقے سے ہو ایک طریقہ تو طبائع کے قریب قریب ہے پس جس طرح ہر نوع کے لئے طبائع ہوتی ہیں جو اسی نوع کے ساتھ خاص ہوتی ہیں جیسے حرارت اور برودت اور رطوبت اور یبوست جن سے امراض کے دفع کرنے کا کام لیا جاتا ہے اسی طرح افلاک اور کواکب کے لئے طبائع اور خواص ہیں جیسے آفتاب کے لئے حرارت اور چاند کے لئے رطوبت پس جب وہ ستارہ اپنے محل میں گذرتا ہے تو اس کی قوت زمین میں ظاہر ہوتی ہے دیکھو عورت جو عورتوں کی عادات اور ان کے اخلاق کے ساتھ خاص ہے تو ان کا منشا اس کی طبیعت ہے اگرچہ اس کا ادراک ظاہر میں نہ ہو سکے، اور مرد جو جرأت اور آواز کے بھاری ہونے کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کا منشا بھی اس کے مزاج کی کیفیت ہے پس تم اس بات سے انکار نہ کرو کہ جس طرح ان طبائع خفیہ کا اثر ہوتا ہے اسیطرح زہرہ اور مریخ کے قوی زمین میں حلول کرکے اپنا اثر ظاہر کریں،

اور دوسرا طریقہ قوت روحانیہ اور طبیعت کے باہم ترکیب کے قریب قریب ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح جنین کے اندر ماں اور باپ کی طرف سے قوت نفسانیہ حاصل ہوتی ہے

والمواليد بالنسبة الى السموٰت والارضين كالجنين بالنسبة الى ابيه وامه فتلك القوة تهيئ العالم لفيضان صورة حيوانية ثم انسانية ، ولحلول تلك القوى وبحسب الاتصالات الفلكية انواع ولكل نوع خواص فامعن قوم فى هذا العلم فحصل لهم علم النجوم يتعرفون به الوقائع الآتية غير ان القضاء اذا نعقد على خلافه جعل قوة الكوكب متصورة بصورة اخرى قريبة من تلك الصورة واتم الله قضاءه من غير ان ينخرم نظام الكوكب فى خواصها ويعبر عن هذه النكتة بان الكواكب خواصها بجرى عادة الله لا باللزوم العقلى وشبيه بالامارات والعلامات ، ولكن الناس جميعا توغلوا فى هذا العلم توغلا شديدا حتى صار مظنة لكفر الله وعدم الايمان فعسى ان لا يقول صاحب توغل هذا العلم ، مطرنا بفضل الله ورحمته من صميم قلبه بل يقول مطرنا بنوء كذا او كذا فيكون ذلك صادا عن تحقيق بالايمان الذى هو الاصل فى النجاة ، واما علم النجوم فانه لا يضر جهله اذ الله مدبر للعالم على حسب حكمته علم احد او لم يعلم فلذلك وجب فى الملة ان يخمل ذكره وينهى عن تعلمه ويجهر بان من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر زاد ما زاد ، ومثل ذلك مثل التوراة والانجيل شدد النبى صلى الله عليه وسلم على من اراد ان ينظر فيهما لكونهما حرفين ومظنة لعدم

اور عناصر ثلثہ کو آسمان و زمین سے وہ نسبت ہے جو جنین کو ماں باپ سے ہوتی ہے پس یہ قوت عالم کو صورت حیوانیہ بعد ازاں صورت انسانیہ کے فائض ہونے کے لئے آمادہ کرتی ہے، اور اتصالات فلکیہ کے اعتبار سے ان قوی کا حلول کئی اقسام کا ہوتا ہے اور ہر قسم کے خواص مختلف ہوتے ہیں پس کچھ لوگوں نے اس علم کے اندر غور کیا تو ان کو ستاروں کا علم حاصل ہو گیا جس کے ذریعے سے آنے والے واقعات کا ان کو علم ہونے لگا مگر جب قضاء الٰہی اس کے خلاف مقرر ہو جاتی ہے تو ستاروں کی قوت کو ایک دوسری صورت میں ظاہر کر دیتی ہے جو اس صورت سے قریب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو پورا کرتا ہے بغیر اس کے کہ کواکب کے خواص کے انتظام میں کوئی فرق آئے، اور اس نکتہ کو اس طرح سے بیان کیا جاتا ہے کہ ستاروں کے خواص عادت الٰہی جاری ہونے کی وجہ سے ہیں لزوم عقلی کی وجہ سے نہیں ہیں اور یہ خواص بمنزلہ امارات اور علامات کے ہیں لیکن کثیر لوگ نہایت انہماک کے ساتھ اس علم میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ اس میں اللہ سے انکار اور عدم ایمان کا احتمال ہو گیا پس جو شخص اس علم میں مشغول ہو رہا ہے وہ خلوص دل سے یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر یہ بارش ہوئی ہے بلکہ وہ یہی کہے گا کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی ہے پس یہ امر اس ایمان سے جو نجات میں اصل اور بنیاد ہے مانع ہوتا ہے اور علم نجوم سے واقف نہ ہونے میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے موافق عالم کا انتظام کرتا ہے خواہ کوئی اس سے واقف ہو یا نہ ہو اس واسطے شریعت کے اندر ضروری ہوا کہ اس کا علم نیست و نابود کر دیا جائے اور اس کے سیکھنے سے ممانعت کر دی جائے اور یہ بات ظاہر کر دی جائے کہ "جس نے علم نجوم میں سے کچھ حاصل کیا اس نے جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا جس قدر زیادہ سیکھے گا اسی قدر وبال زیادہ ہو گا" اور اس کا حال توریت اور انجیل کا سا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر نہایت سختی کی ہے جو ان میں غور کرنے کا قصد کرے کیونکہ ان دونوں کتابوں میں تحریف ہو گئی ہے اور ان کے پڑھنے

الانقياد للقرآن العظيم ولذلك نهوا عنه؛

هذا ما ادى اليه رأينا وتفحصنا فان ثبت من السنة ما يدل على خلاف ذلك فالامر على ما في السنة، واما الرؤيا فهي على خمسة اقسام بشرى من الله وتمثل نوراني للحمائل والرذائل المندرجة في النفس على وجه ملكي وتخويف من الشيطان وحديث النفس من قبل العادة التي اعتادها النفس في اليقظة تحفظها المتخيلة وتظهر في الحس المشترك ما اختزن فيها وخيالات طبيعية لغلبة الاخلاط وتنبه النفس بأذاها في البدن اما البشرى من الله فحقيقتها ان النفس الناطقة اذا انتهزت فرصة عن غواشي البدن بأسباب خفية لا يكاد يتفطن بها الا بعد تأمل وان استعدت لان يفيض عليها من منبع الخير والجود كمال علمي فافيض عليه شئ على حسب استعداده ومادته العلوم المخزونة عنده، وهذه الرؤيا تعليم الهي كالمعراج المنامي الذي رأى النبي صلى الله عليه وسلم فيه ربه في احسن صورة فعلمه الكفارات والدرجات وكالمعراج المنامي الذي انكشف فيه عليه صلى الله عليه وسلم احوال الموتى بعد انفكاكهم عن الحياة الدنيا كما رواه جابر بن سمرة رضي الله عنه وكعلمه ما سيكون من الوقائع الآتية في الدنيا، اما الرؤيا الملكية فحقيقتها ان في الانسان ملكات حسنة وملكات قبيحة ولكن لا يعرف حسنها وقبيحها الا المتجرد الى الصورة

احتمال ہے کہ انسان قرآن عظیم کا پابند نہ رہے اس واسطے اس سے لوگوں کو ممانعت کر دی گئی،

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے ہماری رائے اور ہمارے تفحص کا نتیجہ ہے پس اگر سنت سے اس کے خلاف ثابت ہو تو جو سنت سے ثابت ہے وہی صحیح ہے لیکن خواب سو اس کی پانچ قسمیں ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوش خبری اور ایک ان عمدہ اور برے اخلاق کے انوار کا متمثل ہونا جو ملکی طریقہ پر نفس میں مندرج ہوتے ہیں، اور ایک تخویف شیطانی اور ایک تخیلاتِ نفسانی جن کا حالت بیداری میں نفس عادی ہوتا ہے قوتِ متخیلہ ان خیالات کو محفوظ رکھتی ہے اور وہ خیالات مجتمعہ حس مشترک میں ظاہر ہوتے ہیں، اور ایک خیالاتِ طبعیہ جو غلبہ اخلاط اور بدن کے اندر نفس کو ان اخلاط سے تکلیف پہنچنے پر نفس کے متنبہ ہونے سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہو اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ کو حجاباتِ بدنی سے بذریعہ اسباب خفیہ کے جن کو نفس بلا تأمل معلوم نہیں کر سکتا جب فرصت حاصل ہوتی ہے تو اس میں اس بات کی قابلیت ہو جاتی ہے کہ منبع الخیر والجود سے اس پر کمال علمی کا فیضان ہو تب اس پر اس کی استعداد کے موافق وہ علوم فائض ہوتے ہیں جو اس کے پاس مجتمع تھے اور یہ خواب تعلیم الٰہی ہوتا ہے جس طرح نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں معراج ہوئی کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بہت اچھی صورت میں دیکھا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفارات اور درجات تعلیم فرمائے اور جس طرح خواب میں ایک اور معراج ہوئی جس میں مُردوں کے وہ تمام حالات نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوئے جو دنیاوی زندگی سے علیحدہ ہونے کے بعد مردوں پر گذرتے ہیں جیسا کہ جابر بن سمرہ نے اس کو روایت کیا ہے اور جس طرح دنیا میں آئندہ ہونے والے حوادث کا علم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوا وہ بھی اسی قبیل سے تھا لیکن خواب ملکی سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اندر ملکات حسنہ اور ملکات قبیحہ ہیں لیکن ان ملکات کے حسن و قبح کو وہی شخص واقف ہوتا ہے جس کو صورت ملکی کی طرف تجرد حاصل ہوتا ہے،

الملكية فمن تجرد اليها تظهر له حسناته
وسياته فى صورة مثالية فصاحب هذا
يرى الله تعالى، واصله الانقياد للبارى و
يرى الرسول صلى الله عليه وسلم، واصله
الانقياد للرسول المركوز فى صدره، ويرى
الانوار واصلها الطاعات المكتسبة فى
صدره وجوارحه تظهر فى صورة الانوار
والطيبات كالعسل والسمن واللبن، فمن
راى الله او الرسول او الملائكة فى صورة
قبيحة او فى صورة الغضب فليعرف ان
فى اعتقاده خللا وضعفا وان نفسه لم
تتكمل، وكذلك الانوار التى حصلت
بسبب الطهارة تظهر فى صورة الشمس
والقمر، واما التخويف من الشيطان
فوحشة وخوف من الحيوانات الملعونة
كالقرد والفيل والكلاب والسودان من
الناس فاذا راى ذلك فليتعوذ بالله و
ليتفل ثلاثا عن يساره وليتحول عن
جنبه الذى كان عليه، واما البشرى فلها
تعبير والعمدة فيه معرفة الخيال اى
شئ مظنة لاى معنى فقد ينتقل الذهن من
المسمى الى الاسم كرؤية النبى صلى الله عليه
وآله وسلم انه كان فى دار عقبة بن رافع
فاتى برطب ابن طاب، فقال عليه الصلاة
والسلام فاولت ان الرفعة لنا فى الدنيا
والعافية فى الآخرة وان ديننا قد طاب و
قد ينتقل الذهن من الملابس الى ما
يلابسه كالسيف للقتال، وقد ينتقل
الذهن من الوصف الى جوهر مناسب له

پس جو ان کی طرف مجرد ہوتا ہے اس کو اپنی نیکیاں اور برائیاں
صورت مثالیہ میں ظاہر ہوتی ہیں، پس جس کو یہ بات حاصل ہوئی
ہے وہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھ لیتا ہے اور اس کی وجہ اللہ
تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھتا
ہے اور اس کی وجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری ہے جو
اس کے سینہ میں مرکوز ہوتی ہے اور وہ انوار کو بھی دیکھتا ہے اور اس
کی اصل وہ عبادات مکتسبہ ہیں جو اس کے سینہ اور اعضاء میں ہیں
وہ عبادات انوار کی صورت میں اور پاکیزہ چیزوں کی صورت
میں مثل شہد اور گھی اور دودھ کے ظاہر ہوتی ہیں پس جو شخص اللہ
تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یا ملائکہ کو بری صورت
میں یا غصہ کی حالت میں دیکھے تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسکا اعتقاد
ناقص اور ضعیف ہے اور اس کا نفس کامل نہیں ہوا، اور اسی طرح
وہ انوار جو طہارت کے سبب سے حاصل ہوتے ہیں سورج اور چاند
کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، اور جو خواب تخویف شیطانی ہوتا ہے
وہ اس شخص کا ملعون حیوانات سے ڈرنا اور خوف کھانا ہوتا ہے جیسے
بندر اور ہاتھی اور کتا اور سیاہ رنگ آدمیوں کا خواب میں دیکھنا پس جو
خواب میں ایسی چیزیں دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے یعنی اعوذ باللہ
پڑھے اور اپنے بائیں جانب تین دفعہ تھوک دے اور جس کروٹ
سے وہ سو رہا ہو اس کو بدل دے، اور جو خواب اللہ تعالیٰ کی طرف
بشارت کے قبیل سے ہوتا ہو تو اس کی تعبیر ہوتی ہے اور تعبیر
اندر بہتر طریقہ خیالات کا معلوم کرنا ہے کہ کون سی چیز کس چیز کا مظنہ
ہوتی ہے پس کبھی ذہن مسمیٰ سے اسم کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جیسے
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ عقبہ بن رافع کے گھر میں
اور ابن طاب کے باغ کے چھوارے آپ کے پاس لائے گئے
نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا پس میں نے اس خواب کی تعبیر
لی ہے کہ دنیا میں ہمارے لئے رفعت یعنی سربلندی ہوگی اور آخرت
میں عافیت سے ہوں گے اور ہمارا دین پاکیزہ ہوگیا۔ اور کبھی ذہن
چیز سے اس کے پاس والی چیز کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جیسے کوئی
شخص خواب میں تلوار کو دیکھے تو اس کی تعبیر قتال ہوگی اور کبھی
ہ ایک وصف سے اسکے مناسب جوہر کی طرف منتقل ہوجاتا ہے

كمن غلب عليه حب المال رآه النبي صلى الله عليه وسلم في صورة سوار من ذهب، وبالجملة فللانتقال من شيء الى شيء صور شتى وهذه الرؤيا شعبة من النبوة لانها ضرب من افاضة غيبية وتدلٍّ من الحق الى الخلق وهو اصل النبوة، واما سائر انواع الرؤيا فلا تعبير لها ؛

آدابُ الصُّحبة

اعلم انه مما اوجبت سلامة الفطر ووقوع الحاجات في اشخاص الانسان والارتفاقات منها آداب يتأدبون بها فيما بينهم واكثرها امور اجتمعت طوائف العرب والعجم على اصولها وان اختلفوا في الصور والاشباح فكان البحث عنها وتمييز الصالح من الفاسد منها احدى المصالح التي بعث النبي صلى الله عليه وآله وسلم لها، فمنها التحية التي يحيي بها بعضهم بعضا فان الناس يحتاجون الى اظهار التبشيش فيما بينهم وان يلاطف بعضهم بعضا، ويرى الصغير فضل الكبير ويرحم الكبير الصغير، ويواخي الاقران بعضهم بعضا فانه لولا هذه لم تثمر الصحبة فائدتها ولا انتجت جدواها ولم تنضبط بلفظ لكانت من الامور الباطنة لا يعلم الا استنباطا من القرائن، ولذلك جرت سنة السلف في كل طائفة بتحية حسبما ادى اليه رأيهم ثم صارت شعار الملتهم وامارة ليكون الرجل منهم، فكان المشركون يقولون انعم

جیسے جس شخص پر مال کی محبت غالب تھی اسکو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سونے کے کڑے کی صورت میں دیکھا تھا،

حاصل کلام یہ ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف ذہن کے منتقل ہونے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اور یہ خواب نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اسواسطے کہ وہ فیضان غیبی اور اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرف قریب ہونے کی ایک قسم ہے اور نبوت کی اصل یہی ہے لیکن خواب کے باقی اقسام سونکی کچھ تعبیر نہیں ہوا کرتی ؛

آدابِ صُحبت کا بیانُ

واضح ہو کہ منجملہ ان امور کے جن کو فطرتِ سلیمہ اور اشخاص انسان میں باہمی حاجات کا وقوع اور ارتفاقات واجب کرتے ہیں ایک آداب ہیں جن کو بنی آدم باہم عمل میں لاتے ہیں، اور ان میں سے اکثر آداب تو ایسے ہیں جن کے اصول پر عرب اور عجم کے مختلف گروہ متفق ہیں اگرچہ ان کی صورتوں اور اشباح کے اندر ان کا اختلاف ہے. پس ان آداب سے بحث کرنا اور ان آداب میں سے بھلے کو برے سے متمیز کرنا ان مصلحتوں سے ایک مصلحت ہے جن کو پورا کرنے کیلئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں،

ازاں جملہ ایک تحیہ ہے جس کو بعض بعض کے لئے عمل میں لاتے ہیں کیونکہ لوگوں کو اس بات کی ضرورت ہوا کرتی ہے کہ باہم خوشی کا اظہار کریں اور ایک دوسرے پر لطف و مہربانی کرے اور چھوٹا بڑے کو بزرگ سمجھے اور بڑا چھوٹے پر مہربانی سے پیش آئے اور آپس میں بھائی اور دوست بن کر رہیں کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو باہمی صحبت کا کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ کوئی نتیجہ حاصل ہوا اور اگر اظہارِ خوشی کے لئے کوئی لفظ مقرر نہ کیا جائے تو وہ ایک اندرونی چیز ہے جو بغیر قرائن سے استنباط کئے معلوم نہیں ہوتی اسی لئے ہر گروہ کے سلف کا طریقہ ان کی رائے کے موافق آپس میں سلام کے برتاؤ کا چلا آتا ہے پھر وہ ان کے مذہب کا شعار ہو گیا اور اس امر کا نشان ہو گیا کہ فلاں شخص ان میں سے ہے پس مشرکین یہ کہا کرتے تھے "انعم اللہ

الله بك عيناً وانعم الله بك صباحا، وكان
المجوس يقولون هزار سال بزی، وكان
قانون الشرع يقتضي ان يذهب في ذلك
الى ماجرت به سنة الانبياء عليهم السلام
وتلقوها عن الملائكة، وكان من قبيل
الدعاء والذكر دون الاطمئنان بالحياة
الدنيا كتمني طول الحياة وزيادة الثروة
دون الافراط في التعظيم حتى يتاخم الشرك
كالسجدة ولثم الارض وذلك هو السلام
فقد قال النبي صلى الله عليه وسلم لما خلق
الله آدم قال اذهب فسلم على اولئك النفر
وهم نفر من الملائكة جلوس فاستمع ما
يحيونك به فانها تحيتك وتحية ذريتك
فذهب فقال السلام عليكم فقالوا السلام
عليك ورحمة الله، قال فزادوه ورحمة
الله، قوله فسلم على اولئك معناه والله
اعلم حيهم حسبما يؤدي اليه اجتهادك
فاصاب الحق فقال السلام عليكم، وقوله
فانها تحيتك يعني حتما من حيث انه عرف
ان ذلك مترشح من حظيرة القدس، و
قال الله تعالى في قصة الجنة سلام عليكم
طبتم فادخلوها خالدين، قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم لا تدخلون الجنة
حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا اولا
ادلكم على شيء اذا فعلتموه تحاببتم افشوا
السلام بينكم۔

اقول بين النبي صلى الله عليه وسلم
فائدة السلام وسبب مشروعيته فان
التحابب في الناس خصلة يرضاها الله تعالى

بك عيناً وانعم الله بك صباحا" اور مجوس یہ کہتے تھے "ہزار
سال برزی" اور قانون شرعی کا یہ مقتضیٰ تھا کہ اس امر میں
وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور جس
کو انبیاءؑ نے ملائکہ سے سیکھا ہے اور وہ طریقہ دعا اور ذکر الٰہی کے
قبیل سے ہو نہ کہ دنیاوی زندگی پر مطمئن ہونے کے قبیل سے ہو جیسے
درازئ عمر اور زیادتئ دولت کی آرزو کرنا، اور نہ اس میں حد سے
زیادہ تعظیم ہو یہاں تک کہ آدمی کو شرک کے قریب کر دے جیسے سجدہ
کرنا اور زمین چومنا اور وہ سلام ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم
فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو یہ فرمایا تو اس گروہ
کے پاس جا اور ان کو سلام کر اور وہ ملائکہ کا گروہ بیٹھا ہوا تھا پس
تو اس چیز کو سن جس کے ساتھ وہ تیرا تحیہ کرتے ہیں پس وہ تیرے
لئے اور تیری اولاد کے لئے تحیہ ہے پس آدم علیہ السلام گئے اور انہوں
نے کہا السلام علیکم پس فرشتوں نے کہا السلام علیک ورحمۃ
اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملائکہ نے رحمۃ اللہ کا لفظ
زیادہ کیا" اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "تو ان پر سلام کر" اس کے
معنی ہیں (واللہ اعلم) کہ اپنی رائے کے موافق ان کو سلام کر پس
ان کی رائے درست ہوئی اور انہوں نے کہا "السلام علیکم" اور
اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "وہ تیرا تحیہ ہے" یعنی وجوباً کیونکہ اس
نے معلوم کر لیا کہ اس کا حظیرۃ القدس سے القاء ہوا ہے،

اور اللہ تعالیٰ جنت کے بیان میں فرماتا ہے "تمہارے
اوپر سلام خوش ہو تم اور ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم جب تک ایمان
نہ لاؤ گے جنت میں داخل نہ ہو گے اور جب تک باہم
محبت نہ کرو گے مومن نہ ہو گے کیا میں تم کو ایسی چیز نہ
بتلا دوں کہ جب تم اس کو عمل میں لاؤ تو باہم محبت پیدا
ہو، تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ"۔

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا فائدہ
اور اس کی مشروعیت کا سبب بیان فرمایا کیونکہ لوگوں کا
باہم محبت کرنا ایسی خصلت ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے

وافشاء السلام الة صالحة لافشاء المحبة، وكذلك المصافحة وتقبيل اليد ونحو ذلك قال صلى الله عليه وسلم ليسلم الصغير على الكبير والمار على القاعد والقليل على الكثير، وقال صلى الله عليه وسلم ليسلم الراكب على الماشي ؛

اقول الفاشي في طوائف الناس ان يحيي الداخل صاحب البيت والحقير العظيم فابقاه النبي صلى الله عليه وآله وسلم على ذلك غير انه هو عليه السلام على غلمان فسلم عليهم وهو على نسوة فسلم عليهن علما منه ان في رؤية الانسان نفسه من هو اعظم منه واشرف جمعا لشمل المدينة وان في ذلك نوعا من الاعجاب بنفسه فجعل وظيفة الكبار التواضع ووظيفة الصغار توقير الكبار، وهو قوله صلى الله عليه وسلم من لم يرحم صغيرنا ولم يوقر كبيرنا فليس منا، وانما جعل وظيفة الراكب السلام على الماشي لانه اهيب عند الناس واعظم في نفسه فالائق له التواضع، قال صلى الله عليه وسلم لا تبدأوا اليهود والنصارى بالسلام واذا لقيتم احدهم في طريق فاضطروه الى اضيقه ؛

اقول سره ان احدى المصالح التي بعث النبي صلى الله عليه وسلم لها التنويه بالملة الاسلامية وجعلها اعلى الملل واعظمها لا يتحقق الا بان يكون لهم طول على من سواهم، وقال صلى الله عليه وسلم

اور سلام کا پھیلانا محبت پیدا کرنے کے لئے عمدہ ذریعہ ہے اور اسی طرح مصافحہ اور ہاتھ چومنا وغیرہ ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ بہت سے لوگوں کو سلام کریں" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سوار کو چاہئے کہ پیادہ چلنے والے کو سلام کرے"

میں کہتا ہوں لوگوں میں یہ عام دستور تھا کہ باہر سے آنیوالا گھر والوں کو سلام کرتا تھا اور ادنیٰ درجہ کا اعلیٰ درجہ والیکو سلام کرتا تھا پس اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بدستور باقی رکھا صرف یہ تغیر کیا کہ آپ لڑکوں کے پاس سے گذرے توانکو سلام کیا اور عورتوں کے پاس سے گذرے تو ان کو سلام کیا یہ سمجھ کر کہ انسان کا اس شخص کو بزرگ سمجھنا جو اس سے بڑا اور اشرف ہے شہر کی جماعتوں کا جمع کرنا ہے اور اس میں ایک طرح کی خود پسندی ہے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دستور مقرر کیا کہ بڑے لوگ تواضع کریں اور چھوٹے بڑوں کی تعظیم کیا کریں چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو شخص چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے"

اور سوار کو پیادہ پا کے لئے سلام کرنے کا طریقہ اس لئے مقرر فرمایا کہ سوار لوگوں کے نزدیک باہیبت اور اپنی ذات کے اعتبار سے باعظمت ہوتا ہے پس اس واسطے اس کے لئے تواضع کا حکم فرمایا،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم یہود و نصاریٰ کو اولاً سلام نہ کرو اور جب ان میں سے کوئی تم کو راستہ میں ملجائے تو کنارے کی طرف چلنے پر مجبور کردو"

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ منجملہ ان مصلحتوں کے جن کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں ایک مصلحت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی عظمت ہو اور تمام ملل سے اس کا اعلیٰ اور اعظم ہونا بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کو تمام ملت والوں پر قدرت اور فضیلت ہو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فمن قال السلام عليكم عشر ومن زاد ورحمة الله عشرون ومن زاد ايضا وبركاته ثلاثون وايضا ومغفرته اربعون، وقال هكذا تكون الفضائل.

اقول سر الفضل ومناطه انه تتميم لما شرع الله له السلام من التبشيش، والتألف والمودة والدعاء والذكر واحالة الامر على الله، وقال صلى الله عليه وسلم يجزئ عن الجماعة اذا مروا ان يسلم احدهم ويجزئ عن الجلوس ان يرد احدهم.

اقول وذلك لان الجماعة واحدة في المعنى وتسليم واحد منهم يدفع الوحشة ويؤد بعضهم بعضا، قال صلى الله عليه وسلم اذا انتهى احدكم الى مجلس فليسلم فان بدا له ان يجلس فليجلس ثم اذا قام فليسلم فليست الاولى باحق من الآخرة.

اقول سلام الوداع فيه فوائد، منها التمييز بين قيام المتاركة والكراهية، وقيام الحاجة على نية العود لمثل تلك الصحبة، ومنها ان يتدارك المتدارك بعض ما كان يقصده ويهمه من الحديث ونحو ذلك، ومنها ان لا يكون ذهابه من التسلل، والسر في المصافحة وقوله مرحبا بفلان ومعانقة القادم ونحوها انها زيادة في المودة والتبشيش ورفع الوحشة والتدابر، قال صلى الله عليه وسلم اذا التقى المسلمان فتصافحا وحمدا الله واستغفراه غفر لهما.

اقول وذلك لان التبشيش فيما

"جو شخص السلام علیکم کہے اسکے لئے دس نیکیاں ہیں اور جو السلام علیکم ورحمۃ اللہ زیادہ کہے اسکے لئے بیس نیکیاں ہیں اور جو وبرکاتہ زیادہ کہے تو اس کے لئے تیس[٣] نیکیاں ہیں اور جو ومغفرتہ بھی زیادہ کہدے تو اسکے لئے چالیس نیکیاں ہیں اور فرمایا کہ اسیطرح فضیلتیں زیادہ ہوا کرتی ہیں"۔

میں کہتا ہوں ثواب کے زیادہ ہونیکا سبب اور اسکا باعث یہ ہے کہ اسمیں اس چیز کا پورا کرنا ہے جسکے لئے اللہ تعالیٰ نے سلام مشروع فرمایا ہے اور وہ چیز بشاشت اور الفت اور دوستی اور دعا اور ذکر اور اللہ تعالیٰ پر کام کا سونپنا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گذرنے والوں کی جماعت میں سے ایک شخص کا سلام کرلینا پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کا سلام کا جواب دیدینا ان سب کی طرف سے کافی ہے"۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ معنوی اعتبار سے جماعت ایک کا حکم رکھتی ہے اور انمیں سے ایک کا سلام کرنا باہمی نفرت کو دور کردیتا ہے اور ایک کی دوسرے کے ساتھ الفت کو پیدا کرتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی شخص کسی مجلس میں جائے تو ان کو سلام کرے پس اگر وہ بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے پھر جب وہاں سے کھڑا ہو تو سلام کرے اسواسطے کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے بہتر نہیں ہے"۔

میں کہتا ہوں رخصت ہوتے وقت سلام کرنے میں چند فوائد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ سلام کرنے سے کراہت اور نفرت سے کھڑا ہونے میں اور کسی ضرورت سے کھڑا ہونے میں اور واپسی کا ارادہ رکھنے میں فرق ہوجاتا ہے، اور منجملہ ان فوائد کے ایک یہ ہے کہ تدارک کرنیوالا جو کوئی بات یا مقصد وغیرہ رہ گیا ہے اسکو پورا کرے اور منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اسکا جانا مخفی طور پر نہ ہو، اور مصافحہ کرنے میں اور مرحبا کہنے میں اور باہر سے آنے والے سے معانقہ کرنے وغیرہ میں یہ راز ہے کہ ان امور سے محبت اور خوشی بڑھتی ہے اور وحشت اور نفرت دور ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب دو مسلمان باہم ملکر مصافحہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انکے گناہ

٣ میں کہتا ہوں یہ اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں میں خوشی پیدا ہو نا

بين المسلمين وتوادهم وتلاطفهم و
اشاعة ذكر الله فيما بينهم يرضى بها رب العالمين
واما القيام فاختلفت فيه الاحاديث فقال
صلى الله عليه وسلم من سره ان يتمثل له
الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار و
قال صلى الله عليه وسلم لا تقوموا كما يقوم
الاعاجم يعظم بعضهم بعضا، وقال صلى
الله عليه وسلم في قصة سعد قوموا الى
سيدكم، وكانت فاطمة رضي الله عنها
اذا دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم
قام اليها فاخذ بيدها فقبلها واجلسها
في مجلسه، واذا دخل صلى الله عليه وسلم
عليها قامت واخذت بيده فقبلته و
اجلسته في مجلسها؛

اقول وعندي انه لا اختلاف فيها
في الحقيقة فان المعاني التي يدور عليها
الامر والنهي مختلفة فان العجم كان من
امرهم ان تقوم الخدم بين ايدي ساداتهم
والرعية بين ايدي ملوكهم وهو من افراطهم
في التعظيم حتى كاد يتاخم الشرك فهو اعني
والى هذا وقعت الاشارة في قوله عليه
السلام كما يقوم الاعاجم، وقوله عليه السلام
من سره ان يتمثل يقال مثل بين يديه
مثولا اذا انتصب قائما للخدمة، واما
اذا كان تبشيشا له واهتزازا اليه واكراما
وتطييبا لقلبه من غير ان يتمثل بين يديه
فلا بأس فانه ليس يتاخم الشرك، وقيل
يا رسول الله الرجل منا يلقى اخاه اينحني
له، قال لا وسببه انه يشبه الركوع في

اور ان میں محبت اور مہربانی کا پایا جانا اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ
کے ذکر کو جاری کرنا ایسی خصلت ہے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا
ہے، اور تعظیم کے لئے کھڑے ہونے میں احادیث مختلف ہیں، پس
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے
لئے کوئی شخص کھڑا رہے تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے" اور آپنے
فرمایا "نہ کھڑے ہوا کرو جس طرح عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے
کھڑے ہوتے ہیں" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سعد کے بارے
میں فرمایا "تم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ" اور حضرت فاطمہ
رضی اللہ عنہا جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی تھیں تو آپ
ان کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے پس آپ ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ
دیتے تھے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے، اور جب نبی صلے اللہ
علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے تھے تو وہ کھڑی ہو جاتی تھیں
اور آپ کا دست مبارک پکڑ کر چومتی تھیں اور آپ کو اپنی جگہ پر
بٹھاتی تھیں۔

میں کہتا ہوں میرے نزدیک ان احادیث میں حقیقۃً کوئی
اختلاف نہیں ہے کیونکہ جن معانی پر امر ونہی کا مدار ہے وہ مختلف
ہیں کیونکہ عجمیوں کی یہ حالت تھی کہ خدمت کرنے والے اپنے آقا کے
روبرو اور رعایا اپنے بادشاہوں کے روبرو کھڑی رہا کرتی تھی
اور وہ ان کی نہایت درجہ تعظیم تھی حتی کہ شرک میں واقع ہونے
کا احتمال تھا اس واسطے اس سے ممانعت کی گئی اور اسی کی طرف
نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اشارہ ہے کہ آپنے فرمایا
"کما یقوم الاعاجم" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان
"من سرہ ان یتمثل" عربی میں کہا جاتا ہے "مثل بین یدیہ
مثولاً" جب خدمت کے لئے کوئی سیدھا کھڑا ہوتا ہے اور جو کھڑا
ہونا مومن کی خوشنودی کے لئے اور اس کے اکرام اور اس کے
دل خوش کرنے کے لئے ہو نہ یہ کہ اسکے سامنے خدمتگاری کے لئے کھڑا
ہو تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں اس واسطے کہ اس میں شرک کی آمیزش
نہیں ہے، اور کسی نے دریافت کیا "یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی
شخص اپنے بھائی سے ملے تو آیا اس کے واسطے جھک جائے؟ آپنے
فرمایا نہیں" اور اس کا سبب یہ ہے کہ جھکنا رکوع نماز کے

الصلاۃ فکان بمنزلۃ سجدۃ التحیۃ، قال اللہ تعالی یا ایہا الذین اٰمنوا لا تدخلوا بیوتکم غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی اھلھا، وقال اللہ تعالی یا ایہا الذین اٰمنوا لیستأذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلاث مرات الی قولہ کما استأذن الذین من قبلھم فقولہ تستأنسوا ای تستأذنوا۔

اقول انما شرع الاستئذان لکراھیۃ ان یھجم الانسان علی عورات الناس وان ینظر منھم ما یکرھونہ، وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض حدیثہ انما جعل الاستئذان لاجل البصر، فکان من حقہ ان یختلف باختلاف الناس، فمنھم الاجنبی الذی لا مخالطۃ بینھم وبینہ ومن حقہ ان لا یدخل حتی یصرح بالاستئذان ویصرح لہ بالاذن، ولذلک علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلدۃ بن الحنبل رجلا من بنی عامر ان یقول السلام علیکم ادخل، قال صلی اللہ علیہ وسلم الاستئذان ثلاث فان اذن لک والا فارجع، ومنھم ناس احرار لیسوا بالمحارم لکن بینھم خلطۃ وصحبۃ فاستئذانھم دون استئذان الاولین ولذلک قال صلی اللہ علیہ وسلم لعبد اللہ ابن مسعود اذنک علی ان ترفع الحجاب وان تستمع سوادی حتی انھاک، ومنھم صبیان ومما لیک لا یجب الستر منھم فلا استئذان لھم الا فی اوقات جرت العادۃ فیھا بوضع

کے مشابہ ہے پس وہ بمنزلہ سجدہ تحیہ کے ہو جائیگا، اور اللہ تعالے فرماتا ہے "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے کے گھروں میں مت داخل ہو یہاں تک کہ اجازت لو اور ان گھر والوں پر سلام کرو" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے ایمان والو! جو لوگ تمہارے ہاتھوں میں مملوک ہیں اور وہ لوگ جو تم میں سے بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو چاہئے کہ وہ تم سے اجازت لیں" الی قولہٖ کما استاذن الذین من قبلھم" پس اللہ تعالیٰ کا قول "تستانسوا" اجازت طلب کرو کے معنی میں ہے۔

میں کہتا ہوں اجازت کا طلب کرنا اسواسطے مقرر کیا گیا کہ یہ ناپسندیدہ بات ہے کہ انسان آدمیوں کی شرمگاہوں پر جمع ہو لے اور جس چیز کی طرف نگاہ کرنا وہ مکروہ سمجھتے ہوں اس پر کوئی نگاہ ڈالے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث میں یہ فرمایا ہے کہ "اجازت لینا محض نظر کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے" پس مناسب ہے کہ لوگوں کے مختلف ہونے سے وہ بھی مختلف ہو پس بعض ان میں سے اجنبی ہیں جن سے میل جول نہیں ہے پس ایسے شخص کے لئے مناسب یہ ہے کہ جبتک صریح اجازت نہ مانگ لے اور اس کو صریح اجازت نہ مل جائے داخل نہ ہو اسی واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی عامر کے ایک شخص کلدہ بن حنبل کو تعلیم فرمایا کہ یہ کہے:- السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اجازت طلب کرنا تین مرتبہ ہے پس اگر تجھ کو اجازت ملجائے تو فبہا ورنہ لوٹ آ"، اور بعض ان میں سے احرار ہیں جو محارم نہیں ہیں مگر آپس میں میل جول اور دوستی ہے پس ان کا اجازت لینا بہ نسبت پہلے لوگوں کے کمتر ہے اور اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود سے فرمایا تھا "تیرا اذن میرے اوپر یہی ہے کہ تو پردہ کو اٹھا دے اور تو میرے آہستہ کلام کو سُنے حتی کہ میں تجھ کو منع کروں"، اور ان میں سے بعض لڑکے اور غلام ہیں جن سے پردہ واجب نہیں ہے پس ان کے لئے اذن کی ضرورت نہیں مگر ان اوقات میں جبکہ عادتاً کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ

المشایب، وانما خص اللہ تعالی ھذہ الاوقات الثلاث لانها وقت ولوج الصبیان والممالیك بخلاف نصف اللیل مثلا، وقال صلی اللہ علیه وسلم رسول الرجل الی الرجل اذنه وذلك لانه عرّف بلا خوله لما ارسل الیه، وكان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا اتی باب قوم لم یستقبل الباب من تلقاء وجهه لكن من ركنه الایمن او الایسر فیقول السلام علیكم السلام علیكم وذلك لان الدور لم یكن علیها یومئذ ستور، ومنها اداب الجلوس والنوم والسفر ونحوها، قال صلی اللہ علیه وسلم لا یقیم الرجل الرجل من مجلسه ثم یجلس فیه ولكن یقول تفسحوا وتوسعوا۔

اقول وذلك لانه یصدر من كبر واعجاب بنفسه ویجد به الآخر وحراء ضغینة، وقال صلی اللہ علیه وسلم من قام من مجلسه ثم رجع الیه فهو احق به۔

اقول من سبق الی مجلس ابیح له من مسجد او رباط او بیت فقد تعلّق حقه به فلا یهیج حتی یستغنی عنه كالموات، وقد مر هنالك، وقال صلی اللہ علیه وسلم لا یحل للرجل ان یفرق بین اثنین الا باذنهما۔

اقول وذلك لانهما ربما یجتمعان لمسارة او مناجاة فیكون الدخول بینهما تنغیصا علیهما، وربما یتأنسان فیكون الجلوس بینهما ایحاشا لهما، قال صلی اللہ علیه وسلم لا یستلقین احدكم ثم

نے ان تینوں اوقات کو اس لیے خاص کیا کہ وہ لڑکوں اور غلاموں کے آنے کے اوقات ہیں بخلاف نصف شب کے مثلاً، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی شخص کے پاس اپنا قاصد بھیج دینا اس کا اذن ہے" اس واسطے کہ جب اس نے اپنا آدمی بھیج دیا تو اس کے آنے کی خبر ہو گئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر تشریف لاتے تھے تو دروازہ کے سامنے سے نہیں آتے تھے بلکہ دائیں یا بائیں طرف سے آتے تھے پس آپ فرماتے تھے "السلام علیکم السلام علیکم" اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت لوگوں کے گھروں کے دروازوں پر پردے نہ تھے،

اور از آں جملہ بیٹھنے اور سونے اور سفر وغیرہ کرنے کے آداب ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر آپ نہ بیٹھے بلکہ یہ کہے کشادہ ہو کر اور وسعت سے بیٹھو۔"

میں کہتا ہوں یہ اس واسطے ہے کہ کسی کو اٹھا کر بیٹھنا غرور اور خود پسندی کی وجہ سے سرزد ہوتا ہے اور دوسرے کے دل میں ایسا کرنے سے رنج اور کینہ پیدا ہوتا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر کہیں جائے اور پھر آئے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے"۔

میں کہتا ہوں جو شخص ایسی جگہ پر پہلے بیٹھ جائے جو اس کے لئے مباح تھی خواہ وہ مسجد ہو یا خانقاہ ہو یا گھر ہو تو اس کا حق اس جگہ کے ساتھ متعلق ہو گیا پس جب تک اس کو اس جگہ کی حاجت ہو اسکو کوئی نہ اٹھائے جیسے بنجر زمین کا حال ہے اور پہلے اس کا بیان ہو چکا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ دو شخصوں کے بیچ میں انکو علیحدہ کر کے بغیر انکی اجازت کے بیٹھے"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات دو شخص مسرت کی باتیں اور راز کی باتیں کرنے کے لئے باہم بیٹھ جاتے ہیں پس ان کے بیچ میں بیٹھ جانا ان کے دل کو مکدر کرتا ہے اور کبھی باہمی انس کی وجہ سے بیٹھ جاتے ہیں پس ان کے درمیان میں بیٹھنا ان کو متنفر کرنا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص چت لیٹ کر

ﮧ صبح، دوپہر اور عشاء کے بعد کا وقت ۱۲

يضع احدى رجليه على الاخرى، ورؤى صلى الله عليه وسلم فى المسجد مستلقيا واضعا احدى قدميه على الاخرى ٭

اقول كان القوم يأتزرون والمؤتزر اذا رفع احدى رجليه على الاخرى لا يأمن ان تنكشف عورته فان كان لابس سراويل او يامن انكشاف عورته فلا بأس بذلك وقال صلى الله عليه وسلم لمضطجع على بطنه ان هذه ضجعة يبغضها الله ٭

اقول وذلك لانها من الهيأت المنكرة القبيحة، وقال صلى الله عليه وسلم من بات على ظهر بيت ليس عليه حجاب فقد برئت منه الذمة ٭

اقول وذلك لانه تعرض لا هلاك نفسه والقى نفسه الى التهلكة، وقد قال الله تعالى ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة، وقال صلى الله عليه وسلم ملعون على لسان محمد صلى الله عليه وسلم من تعد وسط الحلقة قيل المراد منه الماجن الذى يقيم نفسه مقام السخرية ليكون ضحكة وهو عمل من اعمال الشيطان، ويحتمل ان يكون المعنى ان يدبر على طائفة ويقبل على ناحية فيجد بعضهم فى نفسه من ذلك كراهية، واختلط الرجال مع النساء فى الطريق، فقال صلى الله عليه وسلم للنساء استاخرن فانه ليس لكن ان تحققن الطريق عليكن بحافات الطريق فكانت المرأة تلصق بالجدار، ونهى صلى الله عليه وسلم ان يمشى الرجل بين

ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر نہ رکھے" اور لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے اور ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے دیکھا ہے،

میں کہتا ہوں اس وقت میں لوگ لنگی باندھا کرتے تھے اور لنگی باندھنے والا جب ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھتا ہے تو اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ رہتا ہے پس اگر پائجامہ پہنے ہوئے ہو یا ستر کھلنے سے مامون ہو تو اس طرح لیٹنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے جو الٹا لیٹا ہوا تھا فرمایا "تحقیق یہ ایسا لیٹنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک منکر اور قبیح ہیئت ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص گھر کی چھت پر سوئے اور اس کی منڈیر نہ ہو تو اس سے ذمہ داری اٹھ گئی"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس نے اپنی جان کو ہلاک کرنے کا سامان کیا اور اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص حلقہ کے بیچ میں بیٹھے وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ملعون ہے" بعض نے کہا اس سے مراد وہ مسخرہ ہے جو اپنے آپ کو مسخرہ پن کے لئے پیش کرتا ہے تاکہ لوگ اس سے ہنسی مذاق کریں اور یہ شیطانی کام ہے اور اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ ایک گروہ کی طرف پشت اور ایک کی طرف منہ کر کے بیٹھے کیونکہ اس سے بعض لوگوں کو کراہت ہوتی ہے،

ایک مرتبہ راستہ میں مرد اور عورتیں جمع ہو گئیں تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا "تم پیچھے ہٹو تمہیں یہ مناسب نہیں کہ راستہ کے بیچ میں ہو کر چلو بلکہ راستہ سے ادھر ادھر چلو" پس اس کے بعد عورتیں دیوار سے مل کر چلتی تھیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی مرد دو عورتوں کے بیچ میں گزرے"

المواقيت،

اقول وذلك خوفا من ان يمس الرجل امرأة ليست بمحرم او ينظر اليها، قال صلى الله عليه وسلم اذا عطس احدكم فليقل الحمد لله وليقل اخوه او صاحبه يرحمك الله فليقل يهديكم الله ويصلح بالكم وفي رواية وان لم يحمد الله فلا تشمتوه، وقال صلى الله عليه وسلم شمت اخاك ثلاثا فما زاد فهو زكام؛

اقول انما شرع الحمد عند العطسة لمعنيين احدهما انه من الشفاء وخروج الابخرة الغليظة من الدماغ، وثانيهما انه سنة آدم عليه السلام وهو معرف لكونه تابعا لسنن الانبياء عليهم السلام جامع العزيمة على ملتهم، ولذلك وجب التشميت وكان من حقوق الاسلام، وانما سن جواب التشميت لانه من مقابلة الاحسان بالاحسان، وقال صلى الله عليه وآله وسلم انما التثاؤب من الشيطان فاذا تثاءب احدكم فليرده ما استطاع فان احدكم اذا تثاءب ضحك منه الشيطان؛

اقول وذلك لان التثاؤب ناشئ من كسل الطبيعة وغلبة الملال والشيطان يجد في ضمن ذلك فرصة وفتح الفم وصوت هاه يضحك منه الشيطان لانه من الهيآت المنكرة، قال صلى الله عليه وسلم اذا تثاءب احدكم فليمسك بيده على فمه فان الشيطان يدخل؛

اقول الشيطان يهيج ذبابا او بقة

میں کہتا ہوں اس میں اندیشہ ہے کہ مرد غیر محرم عورت کو لگ جائے یا اس کی طرف دیکھے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی چھینکے تو الحمد للہ کہے اور اس کا بھائی دیا یہ فرمایا اور اس کا دوست، یرحمک اللہ کہے پھر وہ جواب میں یہدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے" اور ایک روایت میں آیا ہے" اور اگر وہ الحمد للہ نہ کہے تو اس کو جواب مت دو"، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی چھینک کا جواب تین بار دو پس اگر زیادہ چھینک آئے تو وہ زکام ہے"

میں کہتا ہوں چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہنا دو وجہ سے مشروع ہوا ایک تو وہ دلیل شفا ہے اور دماغ سے ابخرہ غلیظ نکلتے ہیں، دوسرے وہ آدم علیہ السلام کی سنت ہے اور حمد کہنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ شخص انبیا علیہم السلام کی سنن کا تابع ہے اور ان کی ملت پر مضبوطی سے قائم ہے اسی واسطے جواب دینا واجب ہوا، اور حقوق اسلام میں شمار کیا گیا، اور جواب دینے والے کو جواب دینا اس لئے مسنون ہوا کہ وہ احسان کے بدلہ میں احسان کرنا ہے،

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جمائی شیطان کی طرف سے ہے پس تم میں سے جب کوئی جمائی لے تو جہانتک ہو سکے اس کو روکے کیونکہ تم میں سے جب کوئی جمائی لیتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے"

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جمائی طبیعت کی سستی اور غلبہ ملال سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے ضمن میں شیطان کو فرصت ملجاتی ہے اور جب منہ کھولکر انسان آہ آہ کرتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے اس واسطے کہ وہ ایک قبیح ہیئت ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی جمائی لے تو اس کو چاہئے کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے اس واسطے کہ شیطان اندر گھستا ہے"

میں کہتا ہوں شیطان مکھی یا مچھر کو اگر اس کے منہ میں

فيدخل خلل في نعمه وربما تشنج اعصاب
وجهه وقد رأينا ذلك، قال صلى الله عليه
وسلم لو يعلم الناس ما في الوحدة ما
اعلم ما سار راكب بليل وحده؛

اقول اراد عليه السلام كراهية
التهور والاقتحام في المهالك من غير
ضرورة اما بعث الزبير رضي الله عنه
وحده طليعة فلمكان ضرورة، قال
صلى الله عليه وسلم لا تصحب الملائكة
رفقة فيها كلب ولا جرس، وقال صلى الله
عليه وسلم الجرس مزامير الشيطان؛

اقول الصوت الحديد الشديد يوافق
الشيطان وحزبه ويكرهه الملائكة لمخالفته
مزاجهم، وقال صلى الله عليه و
سلم اذا سافرتم في الخصب فاعطوا
الابل حقها من الارض، واذا سافرتم
في السنة فاسرعوا عليها السير، واذا
عرستم بالليل فاجتنبوا الطريق فانها
طرق الدواب ومأوى الهوام بالليل؛

اقول هذا كله ظاهر، قال صلى الله
عليه وسلم السفر قطعة من العذاب
يمنع احدكم نومه وطعامه وشرابه
فاذا قضى نهمته من وجهه فليعجل
الى اهله؛

اقول يريد عليه السلام كراهية ان
يتبع محقرات الامور فيطيل مكثه لاجلها،
وقال صلى الله عليه وسلم اذا اطال احدكم
الغيبة فلا يطرق اهله ليلا؛

اقول كثيرا ما يتنفر الانسان نفرة

داخل کر دیتا ہے، اور بسا اوقات منہ کے اعصاب سکڑ جا
ہیں، اور ہم نے ایسا دیکھا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر
لوگوں کو تنہائی کی برائیاں جو میں جانتا ہوں معلوم ہو جا
تو کوئی سوار رات کو تنہا سفر نہ کرتا"۔

میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ بلا ضرور
دلیری کرنا اور تباہ کن امور میں پڑنا ایک ناپسندیدہ امر ہے لیکن
حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ا
ہی تنہا خبر لانے کے لئے جو بھیجا تھا تو وہ ضرورت کی وجہ
تھا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جن رفیقوں میں کتا
گھنٹہ ہوتا ہے فرشتے ان کے ساتھ نہیں ہوتے" اور نبی صلے ا
علیہ وسلم نے فرمایا گھنٹہ شیطان کا مزامیر ہے"۔

میں کہتا ہوں سخت اور تیز آواز شیطان اور اس کی جما
کے موافق ہے اور فرشتے اپنے مزاج کے سبب سے اس سے نفر
کرتے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ارزا
میں سفر کرو تو اونٹ کو پورا چارہ دو اور جب تم قحط سالی
سفر کرو تو اس کو جلدی چلا کر راستہ کو طے کرو، اور جب آخر
شب میں کہیں اترو تو راستہ سے ہٹ جاؤ کیونکہ رات
وہ چوپاؤں کی رہ گذر اور حشرات الارض کی آماجگا
ہوتا ہے"۔

میں کہتا ہوں یہ سب ظاہر ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے جو سونے کھانے ا
پینے سے باز رکھتا ہے پس جب اپنی حاجت کو جو اس کو
ہے پورا کر چکے تو اپنے گھر والوں کی طرف
جلد لوٹے"۔

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ
سمجھا کہ انسان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے پیچھے پڑا رہے اور
ان کی وجہ سے اسکے زیادہ عرصہ باہر ٹھیرنا پڑے، اور نبی صلے
علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی ایک مدت کے بعد سفر کر کے واپس آ
تو رات میں اپنے گھر نہ آئے"۔

۳ میں کہتا ہوں بسا اوقات انسان کو بادل کے پراگندہ ہو

طبیعیۃ من اجل التشتت ونحوہ فیکون نا
سببا لتنغیص حالہم، ومنہا آداب الکلام
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اخنی الاسماء یوم القیامۃ عند اللہ رجل
یسمی ملک الاملاک، وقال لا ملک الا اللہ
وقال صلی اللہ علیہ وسلم فی التکنیۃ بابی
الحکم ان اللہ ہو الحکم والیہ الحکم۔

اقول انما نہی عن ذلک لانہ افراط
فی التعظیم یتاخم الشرک، قال صلی اللہ
علیہ وسلم لا تسمین غلامک یسارا و
لا رباحا ولا نجیحا ولا افلح فانک تقول
اثم ہو فلا یکون فیقول لا، وقال جابر
رضی اللہ عنہ اراد النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ان ینہی ان یسمی بیعلی وبلبرکۃ وبافلح
وبیسار وبنافع ونحو ذلک، ثم رأیتہ سکت
بعد عنہا ثم قبض ولم ینہ عن ذلک۔

اقول سبب کراہیۃ التسمیۃ بہذہ
الاسماء انہا تفضی الی ہیئۃ منکرۃ ہی فی
الاقوال بمنزلۃ الاجدع ونحوہ فی الافعال
وہو قولہ علیہ السلام الاجدع شیطان،
ووجہ الجمع بین الحدیثین انہ لم یعزم
فی النہی ولم یؤکد ولکنہ نہی نہی ارشاد
بمنزلۃ المشورۃ، او ظہرت مخایل النہی
فقال الراوی نہی اجتہادا منہ، ومن حفظ
حجۃ علی من لم یحفظ، واری ان ہذا
الوجہ اوفق لفعل الصحابۃ رضی اللہ عنہم
فانہم لم یزالوا یسمون بہذہ الاسماء،
قال صلی اللہ علیہ وسلم سموا باسمی ولا
تکتنوا بکنیتی فانی انما جعلت قاسما اقسم

کی وجہ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے پس وہ ان کے تکدر حال کا سبب
بنجاتی ہے۔

ازاں جملہ کلام کرنے کے آداب ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین ناموں کا وہ
شخص ہے جس کو شہنشاہ کہا جاتا ہو" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
ابوالحاکم کنیت رکھنے کے بارے میں فرمایا "حکم اللہ تعالیٰ ہی ہے
اور اسی کی طرف حکم ہے"۔

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کنیت سے اسواسطے
منع فرمایا کہ اس میں نہایت درجہ کی تعظیم ہے جو شرک کے قریب کرتی
ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے لڑکے کا نام نہ یسار رکھو اور
نہ رباح اور نہ نجیح اور نہ افلح اسواسطے کہ جب تو پوچھیگا کہ اس جگہ
یسار ہے اور وہ نہیں ہوتا پس کوئی کہیگا نہیں" اور جابر رضی اللہ عنہ
نے فرمایا "نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد اس بات سے ممانعت کرنا تھا
کہ یعلی اور برکت اور افلح اور یسار اور نافع اور اسی قسم کے نام رکھے
جائیں پھر میں نے آپکو دیکھا کہ اس کے بعد اس منع کرنے سے سکوت
فرمایا پھر آپ کی وفات ہوگئی اور اس سے منع نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں ان ناموں کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان
سے اقوال میں ایک ایسی بری ہیئت پیدا ہوتی ہے جس طرح افعال
میں ناک کٹا ہونا وغیرہ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نکٹا
شیطان ہے" اور دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طور پر ہے کہ آپ نے
سخت ممانعت نہیں کی اور نہ اس میں تاکید کی مگر ارشاد کے طور پر
بمنزلہ مشورہ کے اس سے منع فرمایا یا یہ کہنا چاہیئے کہ نہی کی علامات
ظاہر ہوئیں پس راوی نے اپنے اجتہاد سے یہ کہدیا کہ نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے منع فرمایا، اور جس نے اصل قول کو یاد رکھا حجت ہے
اس پر جس نے اس کو یاد نہ رکھا، اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ وجہ
صحابہ کے فعل سے زیادہ موافق ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اس قسم کے
نام رکھا کرتے تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے
نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت مت رکھو کیونکہ میں قاسم ہوں

بلنیکم ؎

اقول لو کان احد یسمی باسم النبی صلی الله علیه وسلم لکان مظنة ان تشتبه الاحکام ویدلس فی نسبتها ورفعها، فاذا قیل قال ابو القاسم ظن ان الآمر هو النبی صلی الله علیه وآله وسلم وربما کان المراد غیره، وایضا ربما یسب الرجل باسمه ویذم بلقبه فی الملاحاة فان کان مسمی باسم النبی کان فی ذلک هیئة منکرة ثم هذا المعنی اکثر تحققا فی الکنیة منه فی العلم لوجهین احدهما ان الناس کانوا ممنوعین شرعا وممتنعین دیانا من ان ینادوا النبی صلی الله علیه وسلم باسمه وکان المسلمون ینادون یا رسول الله صلی الله علیه وسلم واهل الذمة یقولون یا ابا القاسم، وثانیهما ان العرب کانوا لا یقصدون بالاسم التشریف ولا التحقیر، واما الکنی فکانوا یقصدون بها احد الامرین کابی الحکم وابی الجهل ونحو ذلک وانما کنی النبی صلی الله علیه وسلم بابی القاسم لانه قاسم فکان تکنیة غیره بها کالتسویة معه، وانما رخص النبی صلی الله علیه وسلم لعلی ان یسمی ولده باسمه بعده ویکنیه بکنیته لارتفاع الالتباس والتدلیس بانقراض القرن، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عبید الله وکل نسائکم اماء الله ولکن لیقل غلامی وجاریتی وفتای

تم میں تقسیم کرتا ہوں"۔

میں کہتا ہوں اگر کسی کا نام نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا نام رکھ لیا جاتا تو اس بات کا احتمال تھا کہ احکام میں اشتباہ واقع ہو اور ان احکام کی نسبت کرنے میں اور ان کے رفع کرنے میں تلبیس واقع ہوتی، اور جب کہا جاتا کہ ابو القاسم نے یہ کہا تو اس بات کا گمان ہوتا کہ حکم دینے والے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور بسا اوقات مراد کوئی اور ہوتا ہے، اور بسا اوقات آدمی کا نام لیکر گالی دیجاتی ہے اور لڑائی جھگڑوں میں آدمی کے لقب کے ساتھ برائی کیجاتی ہے پس اگر نبی کے نام پر نام ہو تو اس میں ایک ہیئت منکرہ پائی جاتی ہے پھر یہ بات بہ نسبت علم کے کنیت میں زیادہ پائی جاتی ہے دو وجہ سے، ایک تو یہ ہے کہ لوگوں کو شرعاً اس بات سے ممانعت تھی اور عادتاً اس سے باز رہتے تھے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر پکاریں، اور مسلمان یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہکر پکارتے تھے اور ذمی لوگ یا ابو القاسم کہتے تھے،

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ نام لیکر تعظیم یا تحقیر کا قصد نہیں کرتے تھے بلکہ کنیت سے تعظیم اور تحقیر کا قصد کرتے تھے جیسے ابو الحکم اور ابو جہل وغیرہ، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم اس لئے ہوئی کہ آپ قاسم تھے پس کسی دوسرے کی یہ کنیت رکھنا گویا آپ کے برابر کرنا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس بات کی اجازت دینا کہ وہ آپ کے بعد اپنے لڑکے کا نام اور اس کی کنیت اور آپ کے نام کنیت پر رکھیں اسی وجہ سے تھا کہ آپ کے زمانہ کے بعد التباس رفع ہوگیا تھا،

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی میرا بندہ یا میری باندی نہ کہے تم سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور تمہاری سب عورتیں اللہ تعالیٰ کی باندیاں ہیں بلکہ یہ کہے میرا غلام اور میری لونڈی اور میرا لڑکا

فتاتي ولا يقل العبد ربي ولكن ليقل سيدي

اقول التطاول في الكلام والازدراء بالناس منشؤه الاعجاب والكبر وفيه كسر قلوب الناس، وايضا فلما عبر في الكتب الالهية عن النسبة التي هي للخلق الى الخالق بالعبدية والربية كان اطلاقهما بينهم سوء ادب، قال صلى الله عليه وسلم لا تقولوا الكرم ولكن قولوا العنب والحبلة ولا تقولوا ياخيبة الدهر فان الله هو الدهر، وقال الله تعالى يؤذيني ابن آدم يسب الدهر وانا الدهر بيدي الامر اقلب الليل والنهار.

اقول لما نهى الله تعالى عن الخمر وشنع امرها اقتضى ذلك ان يمنع عن كل ما ينوه امرها ويخيل حسنها اليهم والعنب مادة الخمر واصلها، وكان العرب كثيرا ما يسمونها بنت كرم ويروجونها بذلك، وكان اهل الجاهلية ينسبون الوقائع الى الدهر وهذا نوع من الشرك، وايضا ربما يريدون بالدهر مقلب الدهر فالسخط راجع الى الله وان اخطأوا في العنوان، قال صلى الله عليه وسلم لا يقولن احدكم خبثت نفسي ولكن ليقل لقست نفسي.

اقول الخبث كثيرا ما يستعمل في الكتب الالهية بمعنى خبث الباطن وسوء السريرة فهذه الكلمة بمنزلة الهيئات الشيطانية، قال صلى الله عليه وسلم في زعموا بئس مطية الرجل، اقول يريد كراهية ان يذكر الاقاويل من غير تثبت وتا

اور میری لڑکی اور غلام، یہ نہ کہے میرا رب، بلکہ یہ کہے میرا سردار۔

میں کہتا ہوں کلام میں درازی کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا اس کا سبب خود پسندی اور تکبر ہے اور لوگوں کی دل شکنی کا باعث ہے اور نیز چونکہ اس نسبت کو خالق اور مخلوق کے اندر پائی جاتی ہے کتب الٰہیہ میں عبدیت اور ربیت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، اس واسطے آپس میں اس کا اطلاق کرنا بے ادبی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انگور کو کرم نہ کہو بلکہ عنب اور حبلہ کہو اور یہ مت کہو اے زمانہ کی بدنصیبی کیونکہ زمانہ اللہ تعالیٰ ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم زمانہ کو برا کہکر مجھ کو ایذا دیتا ہے اور میں ہی زمانہ ہوں، میرے ہی قبضہ میں ہر امر ہے میں ہی رات اور دن کو بدلتا ہوں"

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے شراب سے ممانعت فرمائی اور اس کو ناقص قرار دیا تو اس کا یہ مقتضی ہوا کہ جو شئی شراب کی عظمت کا باعث ہو اور جس بات سے اس کی عمدگی کا خیال پیدا ہو اس سے ممانعت فرمائی جائے، اور انگور شراب کا مادہ اور اس کی اصل ہے اور اہل عرب اکثر اوقات شراب کو بنت کرم کہکر اس کو شہرت دیتے تھے اور اہل جاہلیت واقعات کو زمانہ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، اور نیز اکثر اوقات زمانہ سے مراد مقلب الدہر لیتے تھے پس یہ ناخوشی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوتی تھی اگرچہ اس کے عنوان میں وہ خطا کرتے تھے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہو گیا بلکہ یہ کہے کہ میرا نفس خراب ہو گیا"

میں کہتا ہوں کتب الٰہیہ میں لفظ خباثت کا استعمال اکثر خباثت باطنی اور بدطینتی پر ہوا ہے اس واسطے یہ کلمہ بمنزلہ ہیئت شیطانیہ کے ہے، اور لوگوں کے گمان کرلینے کے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ آدمی کی بری سواری ہے"

میں کہتا ہوں اس سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ بلا تحقیق و ثبوت کے کسی بات کو بیان کرنا برا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم لا تقولوا ما شاء اللہ
وشاء فلان وقولوا ما شاء اللہ ثم شاء
فلان ؂

اقول التسویۃ فی الذکر توھم
التسویۃ فی المنزلۃ فکان اطلاق مثل
ھذہ اللفظۃ سوء ادب ؂

واعلم ان التنطع والتشدق والتقعر
فی الکلام والاکثار من الشعر والمزاح وتزجیۃ
الوقت بالسمار ونحوھا احدی المسلیات التی
تشغل عن الدین والدنیا وما یقع بہ التفاخر
والمراٰۃ فکان حالھا کحال عادات العجم
فکرھھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبین ما
فی ذلک من الآفات، ورخص فیما لا یتحقق
فیہ معنی الکراھیۃ وان اشتبہ بادی الرأی
قال صلی اللہ علیہ وسلم ھلک المتنطعون
قالھا ثلاثا وقال صلی اللہ علیہ وسلم الحیاء
والعی شعبتان من الایمان والبذاء والبیان
شعبتان من النفاق ؂

اقول یرید ترک البذاء والتقعر و
التطاول فی الکلام، وقال صلی اللہ علیہ
وسلم ان احبکم الی واقربکم منی یوم
القیامۃ احاسنکم اخلاقا وان ابغضکم
الی وابعدکم منی اساوئکم اخلاقا الثرثارون
المتشدقون المتفیھقون، وقال صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم لقد رأیت او امرت ان اتجوز
فی القول فان الجواز ھو خیر، وقال صلی
اللہ علیہ وسلم لان یمتلئ جوف احدکم
قیحا یریہ خیر من ان یمتلئ شعرا، وقال
صلی اللہ علیہ وسلم لحسان ان روح القدس

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ نہ کہو کہ جو اللہ تعالیٰ نے
چاہا اور فلان نے چاہا بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر
فلانے نے چاہا"

میں کہتا ہوں ذکر میں برابری کرنا رتبہ کے اندر برابری کا وہم
پیدا کرنا ہے اس واسطے ایسے الفاظ کا بولنا بے ادبی ہے،

واضح ہو کہ کلام میں حلق پھاڑنا اور چرب زبانی کرنا اور
تکلف کرنا اور شعر اور مذاح میں زیادتی کرنا اور قصے کہانیوں
میں وقت گذارنا یہ سب باتیں ان امور میں سے ہیں جو دین و دنیا
سے غافل کرتے ہیں اور جن سے باہم تفاخر اور نمائش کیجاتی ہے
پس ان کا حال اہل عجم کا سا ہے اسواسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے ان کو ناپسند فرمایا اور ان کے نقصانات بیان فرمائے
اور جس میں کراہت کے معنی نہیں پائے جاتے اس کی اجازت فرمائی
اگرچہ بادی الرائے میں اس کے اندر اشتباہ پایا جائے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فضول باتیں کرنے والے
ہلاک ہوئے، اس جملہ کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا" اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا حیا اور کم گوئی ایمان کے دو شعبے ہیں اور بے حیائی
اور زیادہ گوئی نفاق کے دو شعبے ہیں ؂

میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد بے حیائی اور تکلف اور
بیہودہ گوئی کا ترک کرنا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم
میں سے مجھ کو زیادہ محبوب اور قیامت کے روز تم میں سے سب سے زیادہ
میرے قریب تم میں سے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق عمدہ ہیں اور
تم میں سے مجھ کو زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے زیادہ دور وہ لوگ ہیں
جو نہایت بد اخلاق بک بک کرنے والے حلق پھاڑنے والے اور متکبر
ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے جانا یا فرمایا کہ مجھکو حکم دیا
گیا کہ میں مختصر کلام کروں کیونکہ اختصار بقدر کفایت بہتر ہے" اور
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھرا ہوا
ہونا جسکو کہ وہ دیکھتا ہے اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھرا ہوا ہو"
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان سے فرمایا "تحقیق جبتک
تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کفار کا مقابلہ

لا يزال يؤيدك ما نافحت عن الله ورسوله
وقال عليه السلام ان المؤمن يجاهد
بسيفه ولسانه والذي نفسي بيده فكأنما
ترمونهم نضح النبل ؛

وقد ذكرنا في الاحسان من اصول
آفات اللسان ما يتضح به احاديث حفظ
اللسان كقوله صلى الله عليه وآله وسلم
من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل
خيرا او ليسكت، وقوله عليه الصلاة
والسلام سباب المسلم فسوق وقتاله
كفر، وقوله صلى الله عليه وسلم اتدرون
ما الغيبة ؟ ذكرك اخاك بما يكره، قيل
افرأيت ان كان في اخي ما اقول ؟ قال ان
كان فيه ما تقول فقد اغتبته وان لم يكن
فيه فقد بهته ؛

وقال العلماء يستثنى من تحريم
الغيبة امور ستة التظلم لقوله تعالى
لا يحب الله الجهر بالسوء من القول الا
من ظلم والاستعانة على تغيير المنكر و
رد العاصي الى الصواب كاخبار زيد بن
ارقم بقول عبد الله بن ابي واخبار ابن
مسعود بقول الانصار في مغانم حنين
والاستفتاء كقول هند ان ابا سفيان
رجل شحيح، وتحذير المسلمين من الشر
كقوله صلى الله عليه وسلم بئس اخو
العشيرة وكجرح المجروحين وكقوله صلى
الله عليه وسلم اما معاوية فصعلوك
واما ابو الجهم فلا يضع العصا عن عاتقه
والتنفير من مجاهر بالفسق كقوله صلى

کرتا رہے گا روح القدس تیری مدد کرتا رہیگا"، نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا" بلاشک مومن اپنی تلوار اور اپنی زبان سے جہاد کرتا ہے
قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مشرکین کی ہجو میں
تمہارے اشعار ان کو تیر کی طرح لگتے ہیں"

ہم نے احسان کے باب میں آفات لسان کے اصول بیان کردیئے
ہیں جن سے حفظ لسان کی احادیث کے معنی واضح ہو جاتے ہیں
جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالی اور قیامت کے روز
پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے" اور
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور اس کو
قتل کرنا کفر ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم جانتے ہو غیبت
کیا چیز ہے؟ اپنے بھائی کی ان باتوں کو بیان کرنا جو اس کو بری
معلوم ہوں، کسی نے عرض کیا اگر میرے بھائی کے اندر وہ بات پائی
جاتی ہو جو میں بیان کرتا ہوں تو کیا وہ بھی غیبت ہے؟ آپ نے فرمایا اگر اس
کے اندر وہ بات موجود ہے جو تو بیان کرتا ہے تو وہ غیبت ہے اور اگر
تو نے وہ بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا"

علماء نے فرمایا ہے غیبت کی حرمت سے چھ امور مستثنی ہیں ایک
اپنا ظلم بیان کرنا، اللہ تعالی فرماتا ہے" اللہ تعالی بری بات کے
ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا مگر جو شخص مظلوم ہے" دوسرے بری
بات کو اس لئے ظاہر کرنا کہ اس کو مٹایا جائے اور نافرمان کو بہتر
کیطرف لوٹانے کا قصد کیا جائے جیسے زید بن ارقم نے عبداللہ بن
ابی کا قول نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کر دیا تھا اور عبداللہ بن
مسعود نے حنین کی غنیمتوں کے متعلق انصار کا قول بیان کر دیا تھا
تیسرے فتوی لینے کے لئے جیسے ہند نے کہا کہ ابو سفیان بخیل آدمی ہے،
چوتھے مسلمان کو شر سے بچانے کے لئے جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
ایک شخص سے فرمایا تھا کہ" وہ اپنے کنبہ میں برا بھائی ہے" اور جیسے
محدثین راویوں پر جرح کرتے ہیں اور جیسے نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا" معاویہ ایک تنگدست آدمی ہے اور ابو جہم
اپنے کندھے سے عصا کو نہیں اتارتا" (یعنی بیویوں کو مارتا
پیٹتا ہے)، پانچویں علانیہ فسق کرنے والے کو نفرت دلانا جیسے نبی صلی

الله عليه وسلم لا أظن فلاناً وفلاناً يعرفان من أمرنا شيئاً، والتعريف كالأعمش والأعرج، وقالوا الكذب يجوز إذا كان تحصيل المقصود لا يمكن إلا به، وهو قوله صلى الله عليه وسلم ليس الكذاب الذي يصلح بين الناس فينمي خيراً أو يقول خيراً ⁂

ومما يتعلق بهذا المبحث أحكام النذور والأيمان

والجملة في ذلك أنها من دين الناس وعاداتهم عربهم وعجمهم لا تجد واحدة من الأمم إلا تستعملها في مظانها فوجب البحث عنها، وليس النذر من أصول البر ولا الإيمان ولكن إذا أوجب الإنسان على نفسه وذكر اسم الله عليه وجب أن لا يفرط في جنب الله وفيما ذكر عليه اسم الله، ولذلك قال صلى الله عليه وسلم لا تنذروا فإن النذر لا يغني من القدر شيئاً وإنما يستخرج به من البخيل، يعني أن الإنسان إذا أحيط به ربما يسهل عليه إنفاق شيء فإذا أنقذه الله من تلك المهلكة كأن لم يمسه ضر قط فلا بد من شيء يستخرج به ما التزمه على نفسه مما يؤكد عزيمته ويثبت نيته، والحلف على أربعة أضرب، يمين منعقدة وهي اليمين على مستقبل متصور عاقداً عليه قلبه، وفيها قوله تعالى ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان، ولغو اليمين قول

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں فلاں فلاں شخصوں کے متعلق یہ سمجھتا ہوں کہ وہ ہماری بات کچھ بھی نہیں جانتے" پہچنے کسی کی حالت بیان کرنے کے لئے جیسے فلاں شخص کی آنکھ میں نقص ہے یا فلاں شخص لنگڑا ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ جب کوئی مقصود بغیر کذب کے حاصل نہ ہو سکتا ہو تو وہاں کذب میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں میں اصلاح کی غرض سے اچھی بات کو منسوب کرے یا کوئی اچھی بات کہدے ⁂

نذروں اور قسموں کا بیان

اس بارے میں مختصر بات یہ ہے کہ نذریں مقرر کرنا اور قسمیں کھانا سب لوگوں کی عادات میں داخل ہے خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی ہوں کسی فرقہ اور قوم کو تم نہیں پاؤگے کہ اپنے موقعوں پر اسکا استعمال نہ کرتے ہوں اسواسطے ان سے بحث کرنا ضروری ہوا۔ نذریں کرنا اور قسمیں کھانا نیکی کے اصول میں سے نہیں ہیں لیکن جب انسان نے اپنے اوپر کوئی چیز واجب کرلی اور اللہ کا نام اس پر ذکر کیا تو یہ ضروری ہوا کہ اللہ کے معاملہ میں اور اس چیز میں جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ کوتاہی نہ کیجائے اسی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذریں نہ مانا کرو کیونکہ نذر ماننے سے کوئی امر مقدر دور نہیں ہو سکتا، ان کے سبب بخیل سے کوئی شی نکل جایا کرتی ہے یعنی انسان جب کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کو کسی قدر خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت سے نجات دیدیتا ہے تو گویا ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی اسکو کوئی مصیبت ہی پیش نہ آئی تھی اسواسطے ضرور ہے کہ جس شی کو اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا تھا اسکو نکالے جس سے اسکے قصد کی تاکید اور نیت کی صداقت پائی جائے، حلف کی چار قسمیں ہیں ایک یمین منعقدہ اور وہ اس قسم کا نام ہے جو کسی آئندہ آنیوالی ممکن الوقوع شی کیلئے کھائی جائے اور دل میں اسکے متعلق فیصلہ کرلیا ہو، اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اللہ تعالیٰ تم سے ان قسموں کا مواخذہ کریگا جو تم نے منعقد کی ہوں گی، دوسرے یمین لغو

الرجل لا واللہ و بلی واللہ من غیر قصد ، و
ان یحلف علی شیٔ یظنہ کما حلف فتبین
بخلافہ ، وفیہا قولہ تعالی لا یؤاخذکم اللہ
باللغو فی ایمانکم ، والیمین الغموس
وھی التی یحلفہا کاذبا عامدا لیقتطع بہا
مال امرئ مسلم وھی من الکبائر ،
والیمین علی مستحیل عقلا کصوم امس و
الجمع بین الضدین او عادۃ کاحیاء
المیت وقلب الاعیان ، واختلف فی
ھٰذین اللذین لیس فیہما نص ھل فیہما
کفارۃ ؟ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم لا تحلفوا باٰبائکم من کان
حالفا فلیحلف باللہ او لیصمت ، وقال
صلی اللہ علیہ وسلم من حلف بغیر اللہ
فقد اشرک ۞

اقول الحلف باسم شیٔ لا یتحقق حتی
یعتقد فیہ عظمۃ وفی اسمہ برکۃ ، والتفریط
فی جنبہ واھمال ما ذکر اسمہ علیہ اثما ،
قال صلی اللہ علیہ وسلم من حلف فقال
فی حلفہ باللات والعزی فلیقل لا الٰہ الا
اللہ ، ومن قال لصاحبہ تعال اقامرک
فلیتصدق ۞

اقول اللسان ترجمان القلب ومقدمتہ
ولا یتحقق تہذیب القلب حتی یؤاخذ
بحفظ اللسان ، وقال صلی اللہ علیہ وسلم
اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرھا خیرا
منہا فکفر عن یمینک وأت الذی ھو
خیر ، وقال علیہ الصلاۃ والسلام لان
یلج احدکم بیمینہ فی اھلہ اٰثم لہ عند اللہ

جیسے لوگ بلا قصد کہہ دیا کرتے ہیں لا واللہ بلی واللہ ، یا ایسی شئے پر
قسم کھائے جس کے ہونے کا گمان ہو اور بعد میں اس کے خلاف
ثابت ہو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اللہ تعالیٰ لغو
قسموں میں تمہارا مواخذہ نہیں کرتا" تیسرے یمین غموس ، اور وہ
یہ ہے کہ قصداً جھوٹی قسم اس لئے کھائی جائے کہ اس سے کسی
مسلمان کا مال ناحق لے لیا جائے اور یہ قسم کبائر میں سے ہے ،
چوتھے کسی ایسی چیز پر قسم کھانا جو عقلاً محال ہے جیسے کوئی اس طرح قسم
کھائے کہ گذشتہ کل کا روزہ رکھوں گا یا ضدین کا جمع کرنا یا وہ
عادۃً محال ہے جیسے مردہ کو زندہ کرنا یا اشیاء کی حقیقت بدلنا
اور ان دونوں قسموں میں جن میں نص وارد نہیں ہے اختلاف ہے کہ
ان میں کفارہ ہے یا نہیں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے
باپ دادا کی قسم نہ کھایا کرو بس جس کو قسم ہی کھانا ہے تو وہ اللہ
کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جس نے اللہ کے سوا دوسرے کی قسم کھائی تحقیق اس نے شرک
کیا ۔"

میں کہتا ہوں کسی کے نام کی قسم اسی وقت کھائی جاتی ہے
کہ اس میں عظمت اور اس کے نام میں برکت کا اعتقاد ہو اور
اسکے حق میں کوتاہی کرنا اور جس امر کے لئے اس کا نام ذکر کیا
گیا ہے اس کا ترک کرنا گناہ سمجھا جائے ، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "جو شخص قسم کھائے اور قسم میں لات اور عزیٰ کہے تو اسکو چاہئے
کہ اس کے بعد لا الٰہ الا اللہ کہے اور جو اپنے دوست سے کہے آؤ
قمار بازی کریں تو اس کو چاہئے کہ صدقہ کرے ۔"

میں کہتا ہوں زبان دل کا ترجمان اور اس کا مقدمہ ہے
اور جبتک حفظ لسان کا التزام نہ کیا جائے دل کی صفائی
حاصل نہیں ہو سکتی ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تو کسی بات
پر قسم کھائے پھر اس کے بعد اس کے خلاف میں بہتری معلوم ہو تو
قسم کا کفارہ دیکر اس بہتر شئے کو عمل میں لا" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جو شخص اپنے اہل وعیال میں قسم کھانے کی وجہ سے اس پر
اڑا رہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں ...

من ان يعطي كفارته التي افترض الله عليه۔

اقول كثيرا ما يحلف الانسان على شئ فيضيق على نفسه و على الناس وليست تلك من المصلحة، وانما شرعت الكفارة منهية لما يجده المكلف في نفسه، وقال صلى الله عليه وسلم يمينك على ما يصدقك عليه صاحبك۔

اقول قد يحتال لاقتطاع مال امرئ مسلم بان يتأول في اليمين فيقول مثلا والله ليس في يدي من مالك شئ يريد ليس في يدي شئ وان كان في تصرفي وقبضي، وهذا محض الظلم، وقال صلى الله عليه وآله وسلم من حلف فقال ان شاء الله لم يحنث۔

اقول حينئذ لم يتحقق عقد القلب ولا جزم النية وهو المعنى في الكفارة، قال الله تعالى لا يؤاخذكم الله باللغو في ايمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الايمان فكفارته اطعام عشرة مساكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم او تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام ذلك كفارة ايمانكم اذا حلفتم۔

اقول قد مر سر وجوب الكفارة من قبل فراجع، والنذر على اقسام النذر المبهم، وفيه قوله صلى الله عليه وآله وسلم كفارة النذر اذا لم يسم كفارة اليمين، والنذر المباح، وفيه قوله صلى الله عليه وسلم اوف بنذرك بلا وجوب لما ياتي من قصة ابي اسرائيل، ونذر طاعة في موضع بعينه او هيئة بعينها

برنسبت اس کی ادائیگی کفارہ کے جو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے زیادہ گناہ ہے۔

میں کہتا ہوں بسا اوقات انسان ایسی چیز پر قسم کھا لیتا ہے جس کی وجہ سے خود بھی دقت میں پڑ جاتا ہے اور لوگوں کو بھی دقت میں ڈال دیتا ہے اور یہ بات مصلحت کے خلاف ہے اور کفارہ اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ مکلف کے دل میں جو کچھ ہے دور ہو جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری قسم جب معتبر ہے کہ تیرا مقابل بھی اس کو تسلیم کرتا ہو۔

میں کہتا ہوں بعض آدمی مسلمان کا مال مارنے کے لئے کبھی حیلہ کرتا ہے اس طور پر کہ وہ قسم میں تاویل کرتا ہے مثلاً وہ اس طرح قسم کھاتا ہے کہ واللہ میرے ہاتھ میں تیرے مال کا کوئی حصہ نہیں ہے اور اس سے یہ مراد لیتا ہے کہ میرے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں ہے گو وہ میرے تصرف اور قبضہ میں ہو، اور یہ بڑے ظلم کی بات ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قسم کھائے اور انشاء اللہ کہدے تو وہ حانث نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں اس وقت دل کا قطعی فیصلہ اور ارادہ کی پختگی نہیں پائی گئی اور کفارہ ادا کرنے میں یہی امر سبب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ لغو قسموں میں تم سے مواخذہ نہیں کرتا ہے لیکن جن قسموں کا تم نے مصمم قصد کر لیا ہے ان کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلایا جائے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا ان کو لباس پہنایا جائے یا ایک غلام آزاد کیا جائے اور جس کو اس کی قدرت نہ ہو وہ تین روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم کھاؤ۔

میں کہتا ہوں کفارہ واجب ہونے کا راز پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پس اس مقام کو دیکھ لو، نذر کی چند قسمیں ہیں ایک نذر مبہم ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نذر کا کفارہ جبکہ نام نہ لیا جائے قسم کا کفارہ ہے، دوسرے نذر مباح، اس کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی نذر کو پورا کرو" مگر پورا کرنا واجب نہیں ہے اس کے متعلق ابو اسرائیل کا قصہ آنے والا ہے، تیسرے نذر طاعت ہے جو خاص جگہ یا خاص ہیئت میں کسی طاعت کے ادا کرنے کے لئے مانی گئی ہو

وفيه قصة ابی اسرائيل نذر ان يقوم ولا يقعد ولا يستظل ولا يتكلم و يصوم، فقال رسول الله صلے الله عليه وسلم مروه فليتكلم وليستظل وليقعد وليتم صومه، وقصة من نذر ان ينحر ابلا ببوانة ليس بها وثن ولا عيد لاهل الجاهلية قال اوف بنذرك، ونذر المعصية، وفيه قوله صلى الله عليه وسلم من نذر نذرا فی معصية فكفارته كفارة اليمين، ونذر مستحيل، وفيه قوله صلے الله عليه وسلم من نذر نذرا لا يطيقه فكفارته كفارة يمين، والاصل فی هذا الباب ان الكفارة شرعت منهية للاثم مزيلة لما حاك فی صدره فمن نذر بطاعة فليفعل ومن نذر غير ذلك و وجد فی صدره حرجا وجبت الكفارة والله اعلم.

من ابواب شتّى

قد فرغنا والحمد لله رب العالمين عما اردنا ايراده فی هذا الكتاب وشرطناه على انفسنا، ولا استوعب المذكور جميع ما هو مكنون فی صدورنا من اسرار الشرعيات فليس كل وقت يسمح القلب بمضنونات السرائر وينفتح اللسان بمكنونات الضمائر ولا كل حديث ينشى للعامة ولا كل شیٔ يحسن ذكره بغير تمهيد مقدماته، ولا استوعب ما جمع الله فی صدورنا جميع ما نزل على قلب النبی صلى الله عليه وسلم و كيف يكون لصدر الوحی، ومنزل القرآن نسبة مع رجل من امته هيهات ذلك، ولا استوعب

اس کی بابت ابو اسرائیل کا قصہ ہے انہوں نے نذر مانی تھی کہ میں کھڑا رہوں گا اور بیٹھوں گا نہیں اور نہ سایہ میں آؤں گا اور نہ بات کروں گا اور روزہ رکھوں گا پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس سے کہو کہ بات کرے اور سایہ میں آئے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے" اور اسی امر میں اس شخص کا قصہ بھی سند ہے جس نے نذر کی تھی کہ وہ مقام بوانہ میں جہاں نہ کوئی بت تھا اور نہ اہل جاہلیت کا کوئی میلہ ہوتا تھا ایک اونٹ ذبح کردیگا، آپ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرے، چوتھے نذر معصیت ہے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص کسی گناہ میں نذر مانے گا تو اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے" پانچویں نذر محال ہے اس کی بابت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ایسی چیز کی نذر مانے جس کو وہ ادا نہ کرسکے تو اسکا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے" نذر کے باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کفارہ گناہ سے روکنے کے لئے اور اسکے سینہ میں جو شئے اٹک رہی ہے اس کے دور کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے اس واسطے جو شخص کسی طاعت کی نذر مانے تو اس کو پورا کرلے اور جو شخص طاعت کے سوا کسی اور شئے کی نذر مانے اور اپنے دل میں حرج پائے تو کفارہ واجب ہے، واللہ اعلم ؛

مختلف ابواب:

جن امور کے بیان کرنے کا ہم نے اس کتاب میں ارادہ کیا تھا اور جس کا التزام کیا تھا اس سے ہم فارغ ہو چکے ہیں لیکن جو اسرار شریعت ہمارے سینہ میں مخفی تھے وہ سب اس میں نہ آسکے اسواسطے کہ ہر وقت نہ تو دل ان اسرار کے ظاہر کرنے میں جو قابل بخل ہیں فیاضی کرتا ہے اور نہ دل کے مضامین کے ظاہر کرنے میں زبان یاری کرتی ہے اور نہ ہر بات عوام پر ظاہر کرنے کے قابل ہوتی ہے اور نہ ہر بات کا بیان کرنا بدون تمہید مقدمات مناسب ہوتا ہے اور یہ بات بھی نہیں ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر جو کچھ نازل کیا گیا ہو ہمارے دل اسکے راز کا احاطہ کرسکیں، وہ ذات جس پر وحی اور قرآن نازل ہوتا تھا اسکی اپنی امت کے ایک شخص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ان دونوں کی

حالت میں بڑا فرق ہے، اور نہ یہ بات ہے کہ

ما جمع الله في صدرنا صلى الله عليه وسلم جميع ما عند الله تعالى من الحكم والمصالح المرعية في احكامه تعالى، وقد اوضح عن ذلك الخضر عليه السلام حيث قال مانقص علمي وعلمك الا كما نقص هذا العصفور من البحر، فمن هذا الوجه ينبغي ان يعرف فخامة امر المصالح المرعية في الاحكام الشرعية وانها لا منتهى لها، وان جميع ما يذكر فيها غير واف حقها ولا كاف بحقيقة شانها و لكن ما لا يدرك كله لا يترك كله، ونحن الآن نشتغل بشيء من السير، والفتن و المناقب على التيسير دون الاستيعاب، و الله الموفق والمعين واليه المرجع والمآب.

سير النبي صلى الله عليه وسلم

نبينا محمد صلى الله عليه وسلم ابن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصي، نشأ من افضل العرب نسبا واقواهم شجاعة واوفرهم سخاوة و افصحهم لسانا واذكاهم جنانا، وكذلك الانبياء عليهم السلام لا تبعث الا في نسب قومها فان الناس معادن كمعادن الذهب والفضة، وجودة الاخلاق يرثها الرجل من آبائه ولا يستحق النبوة الا الكاملون في الاخلاق، وقد اراد الله ببعثتهم ان يظهر الحق ويقيم بهم الامة العوجاء ويجعلهم ائمة، والاقرب لذلك اهل النسب الرفيع واللطف مرعي في امر الله، وهو قوله تعالى الله اعلم حيث يجعل رسالته ونشاء

جن علوم کو اللہ تعالیٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں جمع کیا تھا وہ ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو محیط ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے احکام میں ملحوظ ہیں اور اس بات کو خضر علیہ السلام نے یہ کہہ کر خوب واضح کر دیا کہ میرے اور تیرے (حضرت موسیٰ) کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے ایسی نسبت ہے جیسے اس سمندر کے ساتھ اس نمی کو جو چڑیا کی چونچ میں ہے پس ان مرتبوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان مصلحتوں کا پایہ کتنا بلند ہے جن کا احکام شرعیہ میں لحاظ رکھا گیا ہے یقیناً ان کی کوئی نہایت نہیں ہے اور جس قدر ان کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے اس سے ان مصلحتوں کا پورا حق ادا نہیں ہو سکتا اور نہ انکی پوری حقیقت کیلئے کافی ہو سکتا ہے لیکن لیکن جو شے تمام کی تمام حاصل نہ ہو سکے وہ سب کی سب ترک بھی نہ کیجائے، اب ہم کسیقدر سیرت اور فتنوں اور مناقب کو بطور اختصار کے بیان کرتے ہیں انکا بالاستیعاب بیان کرنا ہم کو مقصود نہیں ہے واللہ الموفق والمعین الیہ المرجع والمآب۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات اور خصائل کا بیان

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب یہ ہے، محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، آپ عرب کے اس قبیلہ میں پیدا ہوئے جو نسب میں سب سے افضل اور شجاعت میں سب سے قوی اور سخاوت میں سب سے زیادہ فیاض اور زبان میں سب سے زیادہ خوش بیان اور فہم میں دانشمند تھا اور اسیطرح انبیاء علیہم السلام اپنی قوم میں اعلیٰ نسب کے ہوتے ہیں کیونکہ لوگ سونا اور چاندی کی کانوں کی مثل ہوتے ہیں اور اخلاق حمیدہ (انسان) کو اپنے آباء و اجداد کی طرف سے ملا کرتے ہیں اور نبوت کے وہی لوگ مستحق ہوتے ہیں جو اخلاق میں کامل ہوتے ہیں اور انبیاء کی بعثت سے اللہ کی مراد یہ ہوتی ہے کہ حق ظاہر ہو جائے اور انکے سبب سے کج رو فرقہ راستی پر آ جائے اور اللہ تعالیٰ انکو لوگوں کا امام بناتا ہے اور اس منصب کیلئے زیادہ مناسب وہی ہوتے ہیں جو اعلیٰ نسب رکھتے ہوں، اور اللہ کے حکم میں لطف ملحوظ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں رسالت کو رکھتا ہے۔

معتدلا فی الخَلق والخُلق، وکان ربعة لیس بالطویل ولا بالقصیر ولا الجعد القطط ولا السبط کان جعدا رجلا ولم یکن بالمطهم ولا بالمکلثم، وکان فی وجهه تدویر، ضخم الرأس واللحیة شثن الکفین والقدمین مشربا بحمرة ضخم الکرادیس قوی البطش والباءة، اصدق الناس لهجة والینهم عریکة، من رآه بدیهة هابه، ومن خالطه معرفة احبه، اشد الناس تواضعا مع کبر النفس وارأفهم باهل بیته وخدمه خدمه انس رضی الله عنه عشر سنین فما قال له اف ولا لم صنعت ولا الا صنعت وان کانت الامة من اماء اهل المدینة لتأخذ بیده فتنطلق به حیث شاءت وکان یکون فی مهنة اهله ولم یکن فاحشا ولا لعانا ولا سبابا، وکان یخصف نعله ویخیط ثوبه ویحلب شاته مع کونه ذا عزیمة نافذة، قیله القیل لا یغلبه امر ولا تفوته المصلحة وکان اجود الناس واصبرهم علی الاذی واکثرهم رحمة بالناس لا یصل الی احد منه شر لا من یده ولا من لسانه الا ان یجاهد فی سبیل الله وکان الزمهم باصلاح تدبیر المنزل ورعایة الاصحاب وسیاسة المدینة بحیث لا یتصور فوقه یعرف لکل شیء قدره، وکان دائم النظر الی الملکوت مستهترا بذکر الله یحس ذلک من فلتات لسانه وجمیع حالاته مؤیدا من الغیب مبارکا، یستجاب دعاؤه وتفتح علیه العلوم من حظیرة القدس ویظهر

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم صورت اور سیرت میں متعدل تھے میانہ قد تھے نہ زیادہ طویل اور نہ کوتاہ سر کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ بین بین تھے اور نہ آپ بہت موٹے تھے اور نہ آپ کا چہرہ بالکل گول تھا بلکہ چہرہ میں کسی قدر گولائی تھی، سر بڑا ریش مبارک دراز ہاتھ اور پاؤں پر گوشت رنگ سفید سرخی مائل اعضاء میں نرمی زور اور باہ میں قوی، لہجہ سب لوگوں سے زیادہ پُرصداقت اور طبیعت نہایت نرم تھی جو شخص دفعۃً آپ کو دیکھتا تھا اس کو ہیبت ہوتی تھی اور جب جان کر آپ سے ملتا جلتا تھا تو آپ پر فدا ہو جاتا باوجود بزرگی کے نہایت خاکسار اپنے گھر والوں اور خادموں پر نہایت نرم دل تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال تک آپ کی خدمت کی لیکن آپنے کبھی ان کو اُف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا، اہل مدینہ کی کوئی باندی آتی اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لیجاتی، اپنے اہل کی خدمت خود کر دیا کرتے تھے آپ کی زبان میں نہ فحش تھا نہ لعنت کرنا اور نہ گالی دینا اپنا جوتا خود ہی سیا کرتے اور اپنا کپڑہ خود ہی سیا کرتے، بکری کا دودھ خود دوہ لیا کرتے اس کے باوجود آپ بڑے اولوالعزم تھے کوئی شے آپ کو مغلوب نہ کر سکتی تھی اور کوئی مصلحت آپ سے فوت نہ ہوتی تھی لوگوں میں آپ سب سے زیادہ سخی، تکالیف برداشت کرنے میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور لوگوں پر نہایت رحم کرنے والے تھے سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے کسی کو آپ کی ذات سے برائی نہیں پہنچتی تھی نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے، تدبیر منزل کی اصلاح کا اور اصحاب کی رعایت کا اور سیاست مدینہ کا بڑا اہتمام کرنے والے تھے اس طرح سے کہ آپ سے زیادہ ہر شے کی قدر پہچاننے والا خیال میں نہیں آسکتا، عالم ملکوت کی طرف آپ ہمیشہ متوجہ رہتے اور ذکر الٰہی کے فریفتہ تھے آپ کے کلام اور تمام حالات سے ذکر الٰہی کے آثار محسوس ہوتے تھے

منه المعجزات من وجوه استجابة الدعوات وانكشاف خبر المستقبل وظهور البركة فيما يبرك عليه، وكذلك الانبياء صلوات الله عليهم يجبلون على هذه الصفات وينزعون اليها فطرة فطرهم الله عليها ذكره ابراهيم عليه السلام في دعائه وبشر بفخامة امره وبشر به موسى وعيسى عليهما السلام وسائر الانبياء صلوات الله عليهم، ورأت امه كأن نورا اخرج منها فاضاء الارض فعبرت بوجود ولد مبارك يظهر دينه شرقا وغربا وهتفت الجن واخبرت الكهان والمنجمون بوجوده وعلوا امره ودلت الواقعات الجوية كانكسار شرفات كسرى على شرفه واحاطت به دلائل النبوة كما اخبرهر قل قيصر روم ورأوا آثار البركة عند مولده وارضاعه وظهرت الملائكة فشقت عن قلبه فملأته ايمانا وحكمة، وذلك بين عالم المثال والشهادة فلذلك لم يكن الشق عن القلب اهلاكا وقد بقي منه اثر المخيط وكذلك كل ما اختلط فيه عالم المثال والشهادة ؛

ولما خرج به ابو طالب الى الشام فرآه الراهب شهد بنبوته لآيات رآها فيه، ولما شب ظهرت مناسبة الملائكة بالهتف به والتمثل له وسد الله خلته برغبة خديجة رضي الله عنها فيه ومواساتها به وكانت من مياسير نساء قريش، و

آپؐ کے جمیع حالات میں مدد غیبی تھی اور آپ مبارک مستجاب الدعوات تھے حظیرۃ القدس سے آپ پر علوم کا فیضان ہوتا رہتا تھا اور آپ سے معجزات ظاہر ہوتے رہتے تھے مثلاً دعاؤں کی قبولیت آئندہ واقعات کی پیشین گوئی اور جس شے میں برکت کی درخواست کرتے اس میں برکت ظاہر ہوتی اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کی فطرت میں یہ صفات ہوتی ہیں اور اس فطرت کی وجہ سے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان صفات کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں آپ کا ذکر کیا تھا اور آپ کی عظمت شان کی بشارت دی تھی اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور جمیع انبیاء علیہم السلام نے آپؐ کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے اندر سے روشنی نکلی اور تمام زمین اس کی روشن ہوگئی پس اس کی یہ تعبیر دی گئی تھی کہ ایک بابرکت لڑکا پیدا ہوگا جس کا دین مشرق سے مغرب تک پھیل جائیگا، اور جنوں نے آوازیں دیں، کاہنوں اور نجومیوں نے آپ کی پیدائش اور علو شان کی خبر دی اور واقعات جو نے آپ کی سربلندی پر دلالت کی جیسے کسریٰ کے محل کے کنگرے گر پڑے اور تمام آثار نبوت نے آپؐ کا احاطہ کر رکھا تھا جیسے ہرقل قیصر روم نے انکی خبر دی، آپؐ کی پیدائش اور شیر خواری کے زمانہ میں لوگوں نے بہت سے آثار برکت مشاہدہ کئے اور ایک مرتبہ فرشتے ظاہر ہوئے اور آپؐ کا سینہ چاک کرکے قلب کو نکالا اور اسکو ایمان و حکمت سے بھر دیا یہ واقعہ عالم مثال اور عالم شہود کے درمیان پیش آیا تھا اسی وجہ سے قلب چاک کرنے سے آپ ہلاک نہ ہوئے لیکن زخم کے ٹانکوں کا اثر باقی رہا، اور جس واقعہ میں عالم مثال اور عالم شہود کا اختلاط ہوتا ہے اس کی حالت ایسی ہی ہوا کرتی ہے،

جب ابو طالب شام کے سفر میں آپؐ کو اپنے ہمراہ لے گئے تو راہب نے آپؐ کو دیکھا اور آپؐ کے اندر علامات نبوت دیکھکر آپ کی نبوت کی شہادت دی جب آپؐ جوان ہوئے تو فرشتوں سے تعلق ظاہر ہونے لگا وہ کبھی آپ کو غیب سے آوازیں دیتے تھے اور کبھی متشکل ہوکر نظر آیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپکی حاجت براری اس طور پر فرمادی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آپکے ساتھ ہمدردی کا خیال پیدا ہوگیا اور وہ قریش کی عورتوں میں سب سے زیادہ

كذلك من احبه الله يدبر له فى عباده ، و لما بنى الكعبة فيمن بنى القى ازاره على عاتقه كعادة العرب فانكشفت عورته فسقط مغشيا عليه ، ونهى عن كشف عورته فى غشيته وذلك شعبة من النبوة ونوع من المؤاخذة فى النفس ، ثم حبب اليه الخلاء فكان يخلو بحراء الليالى ذوات العدد ، ثم يأتى اهله ويتزود لمثلها لعزوفه عن الدنيا وتجرده الى الفطرة التى فطره الله عليها ، وكان اول ما بدئ به الرؤيا الصالحة فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح وهذه شعبة من شعب النبوة ، ثم نزل الحق عليه وهو بحراء ففزع بطبيعته بان تشوشت البهيمية من سننها الغلبة الملكية فذهبت به خديجة الى ورقة فقال هو الناموس الذى نزل على موسى ثم فتر الوحى وذلك لان الانسان يجمع جهتين جهة البشرية وجهة الملكية فيكون عند الخروج من الظلمات الى النور مزاحمات ومصادمات حتى يتم امر الله ، وكان يرى الملك تارة جالسا بين السماء والارض وتارة واقفا فى الحرم فصل حجزته الى الكعبة ونحو ذلك ، و سره ان الملكوت تلم بالنفوس المستعدة للنبوة فكلما انفلتت برق عليها بارق ملكى حسبما يقتضيه الوقت كما تنفلت نفوس العامة فتطلع فى الرؤيا على بعض الامر قيل يا رسول الله كيف يأتيك

اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کسی کو اپنا دوست رکھتا ہے اسی طرح اس کے لئے کوئی تدبیر کر دیتا ہے اور جب دوسرے لوگوں کے ساتھ آپؐ تعمیر کعبہ میں شریک تھے تو آپؐ نے عرب کے دستور کے موافق اپنے ازار کو دوش مبارک پر ڈال لیا پس اس سے آپؐ بے ستر ہو گئے اور بے ستر ہوتے ہی آپؐ بیہوش ہو کر گر پڑے اور اسی غشی کی حالت میں ستر کھولنے سے ممانعت ہوئی اور یہ نبوت کا ایک شعبہ اور مؤاخذہ فی النفس کی ایک قسم ہے اس کے بعد آپ خلوت کو پسند فرمانے لگے پس آپ غار حرا میں چند راتیں بسر کرتے پھر گھر تشریف لا کر اتنے ہی روز کی غذا ہمراہ لیتے اور تشریف لیجاتے کیونکہ دنیا سے آپ کی توجہ ہٹ گئی تھی اور اس فطرت کی جانب پھر گئی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے شروع شروع میں آپ کو سچے خواب دکھائی دیتے تھے پس آپؐ کوئی خواب نہیں دیکھتے تھے مگر وہ صبح صادق کی طرح ظاہر ہو جاتا اور کھل جاتا تھا اور یہ بھی نبوت کے اقسام میں سے ایک قسم تھی اس کے بعد جبکہ آپؐ غار حرا میں تھے حضرت جبرئیل اور وحی کا نزول شروع ہوا پس آپ کی طبیعت میں گھبراہٹ پیدا ہوئی جیسا کہ طبیعت کا دستور ہے کہ ملکیت کے غلبہ کے وقت بہیمیت حیران و پریشان ہوتی ہے تب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور یہ حالت بیان کی ، انہوں نے کہا یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا اس کے بعد چند روز تک وحی منقطع ہو گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ انسان میں دو مختلف جہتیں جمع ہوتی ہیں ایک جہت بشری دوسری جہت ملکی پس جب تاریکیوں سے نور کی جانب خروج ہوتا ہے تو مختلف مزاحمتیں اور الجھنیں پیش آتی ہیں یہاں تک کہ امر الٰہی پورا ہو جاتا ہے اور کبھی آپ فرشتہ کو آسمان و زمین کے درمیان بیٹھا ہوا دیکھتے تھے اور کبھی حرم میں کھڑے ہوئے کہ اس کی ازار باندھنے کی جگہ کعبہ تک پہنچتی تھی و مثل ذالک

اور اس کا راز یہ ہے کہ جن نفوس میں نبوت کی استعداد ہوتی ہے ملکوت ان کو تاکتے رہتے ہیں پس وہ نفوس جب بہیمیت سے الگ ہوئے اسی وقت ان کے سامنے ملکی بجلی چمکنے لگی جیسا وقت کا اقتضا ہوتا ہے ویسے ہی یہ حالت پیدا ہوتی ہے جس طرح نفوس عامہ خلاصی پا کر خواب میں بعض امور پر مطلع ہو جاتے ہیں ، کسی نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "یا رسول اللہ آپ پر وحی کا نزول ؟

الوحي؟ فقال احيانا يأتيني مثل صلصلة
الجرس وهو اشد علي فيفصم عني وقد
وعيت ما قال واحيانا يتمثل لي الملك
رجلا فاعي ما يقول ؛

اقول اما الصلصلة فحقيقتها ان
الحواس اذا صادمها تاثير قوي تشوشت
تشويش قوة البصران يرى الوانا الحمرة
والصفرة والخضرة ونحو ذلك وتشويش
قوة السمع ان يسمع اصواتا مبهمة كالطنين
والصلصلة والهمهمة فاذا تم الاثر
حصل العلم، واما التمثل فهو في موطن
يجمع بعض احكام المثال والشهادة، ولذلك
كان يرى الملك بعضهم دون بعض، ثم
امر بالدعوة فاشتغل بها اخفاء فآمنت
خديجة وابو بكر الصديق وبلال وامثالهم
رضي الله عنهم، ثم قيل له فاصدع بما تؤمر
وقيل وانذر عشيرتك الاقربين فجهر
بالدعوة وابطال وجوه الشرك فتعصب
عليه الناس واذوه بالسنتهم وايديهم
كقصة القاء سلى جزور والخنق وهو صابر
في كل ذلك يبشر المؤمنين بالنصر وينذر
الكافرين بالانهزام كما قال الله تعالى
سيهزم الجمع ويولون الدبر وقال الله
تعالى جند ما هنالك مهزوم من الاحزاب
ثم ازدادوا في التعصب فتقاسموا على
ايذاء المسلمين ومن وليهم من بني هاشم
وبني المطلب فهاجروا الى الهجرة قبل الحبشة
فوجدوا سعة قبل السعة الكبرى، ولما
ماتت خديجة رضي الله عنها ومات ابو طالب

کسطرح ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو میرے پاس جھنکار کے مانند آواز آ[تی]
ہے اور اسکی مجھ پر زیادہ گرانی ہوتی ہے پس وہ آواز مجھ سے جدا ہوجاتی
ہے اور میں اسکی بات کو محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی مجھ کو فرشتہ آدمی کی
شکل میں نظر آتا ہے پس جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے اسکو میں یاد کرتا جاتا ہوں

میں کہتا ہوں اس آواز کی یہ حقیقت ہے کہ جب قوی تاثیر حواس [پر]
گرانی ہو تو حواس میں پریشانی اور تشویش پیدا ہوجاتی ہے پس قوت بینا[ئی]
میں تشویش اسطرح پیدا ہوتی ہے کہ مختلف رنگ کی چیزیں سرخ زرد و
سبز وغیرہ نظر آتی ہیں اور شنوائی میں اس طرح اسکا ظہور ہوتا ہے کہ مبہم
آوازیں جیسے بھنبھناہٹ جھنکار اور گھوں گھوں کی آوازیں سنائی دیتی
ہیں پس جب اثر ختم ہوجاتے ہیں تو علم حاصل ہوجاتا ہے، اور فرشتہ کا آدمی
کی صورت میں نظر آنا ایسے محل میں ہوتا ہے جہاں عالم مثال اور عالم
شہود دونوں کے بعض احکام یکجا جمع ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فرشتوں کو
بعض لوگ دیکھتے تھے اور بعض نہیں دیکھتے تھے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کو حکم ہوا کہ لوگوں کو دین کی طرف بلائیں پس مخفی طور سے آپ اس میں
مشغول رہے اسکا یہ اثر ہوا کہ حضرت خدیجہ اور حضرت ابوبکر صدیق اور بلال
اور ان جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے، پھر نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کو حکم ہوا جو حکم تم کو دیا جاتا ہے اس کی علانیہ تعمیل کرو، آپ کو حکم ہوا
"اپنے قریب رشتہ داروں کو ڈراؤ" پس آپ نے علانیہ دعوت اسلام کی
اور شرک کی رسموں کو باطل کرنا شروع کردیا اسوجہ سے لوگوں کو آپ سے
تعصب ہوگیا اور زبان اور ہاتھ سے تکالیف دینے لگے چنانچہ ایکدفعہ
آپ پر بحالت نماز میں اونٹ کی اوجھڑی اور انتڑیاں ڈالدیں اور ایکدفعہ
آپ کا گلا گھونٹا مگر آپ ان سب مصائب پر نہایت استقلال سے برداشت
کرتے مسلمانوں کو فتح کی بشارت سناتے اور کافروں کو شکست کا خوف
دلاتے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے "عنقریب یہ جماعت شکست کھائیگی اور
یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے" اور اللہ تعالی فرماتا ہے یہاں کئی لوگ
جماعتوں سے بھاگ جائیں گے" اسکے بعد انکا تعصب اور بھی زیادہ
ہوگیا پس انہوں نے باہم قسمیں کھائیں کہ مسلمانوں کو اور بنی ہاشم اور بنی
مطلب کو جو انکے ہمدرد ہیں خوب تکلیف پہنچائی جائیں اس وقت مسلمانوں کو
حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت ہوئی وہاں انکو وسعت کبری سے
کسیقدر وسعت اور کشادگی ہوگئی پھر جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے چچا حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا

عمه وتفرقت كلمة بنى هاشم فزع لذلك وكان قد نفث فى صدره ان علو كلمته فى الهجرة نفثا اجماليا فتلقاه بروية وفكره فذهب وهله الى الطائف والى هجر والى اليمامة والى كل مذهب فاستعجل وذهب الى الطائف فلقى عناء اشد يدا ثم الى بنى كنانة فلم ير منهم ما يسره فعاد الى مكة بعهد زمعة ونزل وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبى الا اذا تمنى القى الشيطان فى امنيته ، قال امنيته ان يتمنى انجاز الوعد فيما يتفكره من تبل نفسه والقاء الشيطان ان يكون خلاف ما اراد الله ونسخه كشف حقيقة الحال وازالته من قلبه ؛

واسرى به الى المسجد الاقصى ، ثم الى سدرة المنتهى ، والى ما شاء الله ، وكل ذلك لجسده صلى الله عليه وسلم فى اليقظة ولكن ذلك فى موطن هو برزخ بين المثال والشهادة جامع لاحكامهما فظهر على الجسد احكام الروح وتمثل الروح والمعانى الروحية اجسادا ولذلك بان لكل واقعة من تلك الوقائع تعبير ، وقد ظهر لحزقيل وموسى وغيرهما عليهم السلام نحو من تلك الوقائع وكذلك لاولياء الامة ليكون علو درجاتهم عند الله كحا لهم فى الرؤيا والله اعلم ، اما شق الصدر وملؤه ايمانا فحقيقة غلبة انوار الملكية وانطفاء لهب الطبيعة وخضوعها لما يفيض عليها من حظيرة القدس ، و

اور بنو ہاشم کی طاقت منتشر ہوگئی تو اس کی وجہ سے آپ بے چین ہوگئے اور اجمالی طور پر آپ کے دل میں یہ القاء ہوا تھا کہ ہجرت سے آپ کی شان بلند ہوگی اس واسطے آپ نے اپنے خیال و فکر سے ہجرت کا قصد فرمایا پس آپؐ کا خیال کبھی طائف کی طرف کبھی ہجر کی طرف کبھی یمامہ کی طرف الغرض ہر طرف توجہ و میلان ہوا پس آپؐ عجلت کر کے طائف کی طرف تشریف لے گئے وہاں آپؐ نے سخت تکالیف اٹھائیں اس کے بعد بنو کنانہ کی جانب تشریف لے گئے لیکن وہاں بھی کوئی خوشی کی بات نہ دیکھی تب زمعہ کے عہد میں پھر مکہ واپس آئے اور آیت نازل ہوئی " اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر اس کا یہ حال تھا کہ جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں وسوسہ ڈال دیتا تھا " آپؐ کی آرزو یہ تھی کہ جن امور کو اپنے نفس میں غور کرتے تھے ان کے موافق وعدوں کے پورا ہونے کی خواہش رکھتے تھے اور شیطان کا وسوسہ ڈالنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہو اور اس کا نسخ یہ ہے کہ حقیقت حال کا انکشاف ہو اور آپؐ کے دل سے اس خیال کا ازالہ ہو اور آپکو رات میں مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی آپ تشریف لے گئے اور یہ سب باتیں جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوئیں لیکن یہ واقعہ ایک ایسے مقام میں ہوا جو عالم مثال اور عالم شہادت کے درمیان برزخ کی طرح ہے جس میں دونوں کے احکام جمع تھے پس جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح اور روحانی امور اجسام کی صورت میں بن گئے اسی لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ہے حضرت حزقیل اور حضرت موسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اسی قسم کے واقعات ظاہر ہوئے تھے اور اولیاء امت کو بھی ایسے امور پیش آتے ہیں تاکہ اللہ کے نزدیک ان کے برتر مقامات کی حالت ایسی ہو جس طرح انکی حالت خواب میں ہوتی ہے ، واللہ اعلم ،

شق صدر اور ایمان سے اس کو پُر کر دینے کی حقیقت انوار ملکیت کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر غالب ہونا اور طبیعت کی آگ کا فرو ہو جانا اور طبیعت کا اس قابل ہو جانا ہے کہ جو کچھ حظیرۃ القدس سے اس پر فائض

اما ركوبه على البراق فحقيقته استواء نفسه
النطقية على نسمته التى هى الكمال الحيوانى
فاستوى راكبا على البراق كما غلبت احكام
نفسه النطقية على البهيمية وتسلطت عليها
واما اسراؤه الى المسجد الاقصى فلانه
محل ظهور شعائر الله ومتعلق همم الملأ
الاعلى ومطمح انظار الانبياء عليهم السلام
فكأنه كوة الى الملكوت . واما ملاقاته
مع الانبياء صلوات الله عليهم ومفاخرته
معهم فحقيقتها اجتماعهم من حيث
ارتباطهم بحظيرة القدس وظهور
ما اختص به من بينهم من وجوه الكمال
واما رقيه الى السموات سماء بعد سماء
فحقيقته الانسلاخ الى مستوى الرحمن
منزلة بعد منزلة ومعرفة حال
الملائكة الموكلة بها ومن لحق بهم
من افاضل البشر والتدبير الذى
اوحاه الله فيها والاختصام الذى يحصل
فى ملئها ، واما بكاء موسى فليس بحسد
ولكنه مثال لفقد عموم الدعوة و
بقاء كمال لم يحصل مما هو فى وجهه ، و
اما سدرة المنتهى فشجرة الكون وترتب
بعضها على بعض وانجماعها فى تدبير
واحد كانجماع الشجرة فى الغاذية والنامية
ونحوهما ولم تتمثل حيوانا لان التدبير
الجملى الاجمالى الشبيه للسياسة الكلى
افراده ، وانما اشبه الاشياء به الشجرة
دون الحيوان فان الحيوان فيه قوى
تفصيلية والارادة فيه اصرح من

اور براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کے روح ہوائی پر جو
کمالِ حیوانی ہوتا ہے نفس ناطقہ کا غلبہ ہو گیا پس آپ براق
اس طرح سوار ہوئے جس طرح آپ کے نفس ناطقہ کے احکام بہیمیہ
غالب آئے اور اس پر مسلط ہو گئے ، اور آپ کا مسجد اقصیٰ کی
سیر کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ مسجد شعائر الٰہیہ کے ظاہر ہونے کی جگہ ہے
عالم بالا کی ہمتیں اس سے متعلق رہتی ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کی
کی آماجگاہ ہے گویا کہ وہ مسجد عالم ملکوت کی کھڑکی ہے ، اور آں حضرت
انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا اور ان سے مفاخرت کرنا
حقیقت یہ ہے کہ حظیرۃ القدس کے ساتھ ان کے ارتباط اور تعلق کی
سے ان سب کا اجتماع ہوا اور انبیاء علیہم السلام میں نبوت کے
اوصافِ کمال جو آپ کے ساتھ خاص تھے ان کا ظہور ہوا اور آپ
درجہ بدرجہ آسمانوں پر چڑھنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے منزل بمنزل
عرش الٰہی تک ترقی کی اور جو فرشتے وہاں مقرر ہیں اور جو بزرگ
انسان بھی ساتھ جا ملے ہیں ان سب سے تعارف ہوا اور اس تدبیر
کا علم حاصل ہوا جس کی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں وحی کی ہے ا
آپ نے اس باہم گفتگو کو معلوم کیا جو آسمانوں کے فرشتوں میں ہوتی
اور موسیٰ علیہ السلام کا رونا حسد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ وہ رسالت
عامہ کے حاصل نہ ہونے کی صورت تھی اور وہ کمال جو ان کو میسر
ہوا تھا اور جس کے وہ در پے تھے اس کے باقی رہ جانے کی صورت
اور سدرۃ المنتہیٰ سو وہ وجود کا درخت ہے اور اس
بعض بعض پر مرتب ہے اور اس کی تمام طاقتیں تدبیر
واحد میں اس طرح سے مجتمع ہیں جس طرح درخت میں قوت
غاذیہ و نامیہ وغیرہ سب قوتیں مجتمع ہوتی ہیں ، اور یہ بار
حیوان کی صورت میں اس لئے ظاہر نہ ہوئی کہ
مجموعی اور اجمالی تدبیر ، جو سیاست سے مشابہ
اس کے تمام افراد میں عموم اور کلیت ہے اور
ایسی حالت کو زیادہ تر مشابہت تمام اشیاء
میں درخت سے ہے نہ حیوان سے کیونکہ حیوان میں تفصیلی
قوتیں ہیں اور اس میں ارادہ طبعی سنن و قوانین سے

نى الطبيعة، واما الانهار فى اصلها فرحة
نضة فى الملكوت حذو الشهادة وحياة
نماء فلذلك تعين هنالك بعض الامور
انعة فى الشهادة كالنيل والفرات،
ا الانوار التى غشيتها فتدليات الٰهية
و بيرات رحمانية تلعلعت فى الشهادة
ثما استعدت لها، واما البيت المعمور
قيقته التجلى الالٰهى الذى يتوجه
ه سجدات البشر وتضرعاتها يتمثل
ا على حذو ما عندهم من الكعبة و
ت المقدس، ثم اتى باناء من لبن و
ء من خمر فاخترت اللبن، فقال جبـيل
يت للفطرة ولو اخذت الخمر
رت امتك فكان هو صلى الله
يه وسلم جامع امته ومنشأ ظهورهم
ن اللبن اختيارهم الفطرة والخمر
تيارهم لذات الدنيا، وامر بخمس
وات بلسان التجوز لانها خمسون
تبار الثواب، ثم اوضح الله مراده تدريجا
لم ان الحرج مرفوع وان النعمة
لة وتمثل هذا المعنى مستندا الى
وسى عليه السلام فانه اكثر الانبياء
لجة للامة ومعرفة لسياستها؛
ثم كان النبى صلى الله عليه وسلم
تنجد من احياء العرب فوفق الانصار
لك فبايعوه بيعة العقبة الاولى و
ثانية ودخل الاسلام كل دار من
ور المدينة واوضح الله على نبيه ان
نقاء دينه الهجرة الى المدينة فاجمع

زیادہ صریح اور ظاہر ہے، اور سدرۃ المنتہیٰ کی جڑوں میں سے نہروں
کا بہنا سو وہ رحمت ہے جو عالم ملکوت سے عالم شہادت کی جانب
جاری رہتی ہے اور اس کا اثر زندگی ہے اور بڑھانا ہے اسی وجہ
سے اس جگہ بعض ایسے امور متعین ہوئے جو عالم شہود میں نافع ہیں جیسے
نیل اور فرات، اور وہ انوار جو سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانکے ہوئے ہیں وہ
انتظامات الٰہی اور رحمانی تدبیرات ہیں جو عالم شہود میں اس شی
میں چمکتی ہیں جس میں ان کی استعداد ہوتی ہے، اور بیت المعمور کی
حقیقت سو وہ تجلی الٰہی کا نام ہے جس کی جانب انسان کے سجدے
اور سجدوں کی عاجزانہ حالتیں متوجہ رہتی ہیں جو گھر کی شکل میں متشکل
ہوتے ہیں جیسے بنی آدم کے نزدیک خانہ کعبہ اور بیت المقدس
ہے، اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ
دودھ کا اور ایک پیالہ شراب کا حاضر کیا گیا پس آپ نے
دودھ والا پیالہ پسند فرمایا تب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا
فطرت کی جانب آپکی رہنمائی کی گئی اگر آپ شراب پسند فرماتے
تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی
امت کا مجمع اور ان کے ظہور کا منشا ہیں اور آپکا دودھ کو پسند
فرمانا بعینہ آپ کی امت کا فطرت کو اختیار کرنا ہے اور شراب کا
پسند فرمانا امت کا لذات دنیا کو اختیار کرنا ہوتا اور زبان مجاز
سے آپکو پانچ نمازوں کا حکم ہوا کیونکہ ثواب کے اعتبار سے وہ پچاس
ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مراد کو یعنی پچاس کی تعداد کو آہستہ آہستہ واضح
کر دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ تنگی بھی رفع ہو گئی اور نعمت بھی کامل ہو گئی اور
یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب اس وجہ سے منسوب ہوئی کہ وہ
بہ نسبت اور انبیاءؑ کے امت کی اصلاح سے خوب واقف تھے اور ان کی
امت کی سیاست کی بڑی پہچان تھی، اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ
وسلم قبائل عرب سے مدد طلب کرتے رہے پس اللہ تعالیٰ نے انصار کو
اس امر کی توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے
دو بار بیعت کی ایک عقبۂ اولیٰ میں اور دوسری عقبۂ ثانیہ میں اور مدینہ
کے ہر ہر گھر میں اسلام داخل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ بات
صاف طور سے بتا دی کہ آپکے دین کی ترقی مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے سے ہوگی

علیہا و ازداد غیظ قریش فمکروا بہ لیقتلوہ او یثبتوہ او یخرجوہ فظہرت آیاتہ لکونہ محبوباً مبارکاً مقضیا لہ بالغلبۃ فلما دخل ہو وابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ الغار لدغ ابو بکر رضی اللہ عنہ فبرک علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشفی من ساعتہ، ولما وقف الکفار علی رأس الغار اعمی اللہ ابصارہم وصرف عنہ افکارہم ولما ادرکہما سراقۃ ابن مالک دعا علیہ فارتطمت فرسہ الی بطنہا فی جلد من الارض بان انخسفت الارض بتقریب من اللہ فتکفل بالرد عنہما ولما مروا بخیمۃ ام معبد درت لہ شاۃ لم تکن من شیاہ الدر، فلما قدم المدینۃ جاءہ عبد اللہ بن سلام فسألہ عن ثلاث لا یعلمہن الا نبی، فما اول اشراط الساعۃ وما اول طعام اہل الجنۃ، وما ینزع الولد الی ابیہ او الی امہ قال صلی اللہ علیہ وسلم اما اول اشراط الساعۃ فنار تحشر الناس من المشرق الی المغرب، واما اول طعام یأکلہ اہل الجنۃ فزیادۃ کبد حوت، واذا سبق ماء الرجل ماء المراۃ نزع الولد، واذا سبق ماء المراۃ نزعت فاسلم عبد اللہ وکان افحام الاحبار الیہود، ثم عاہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیہود وامن شرہم، واشتغل ببناء المسجد وعلم المسلمین الصلاۃ واوقاتہا وشاورہم فیما یحصل بہ الاعلام بالصلاۃ فاری عبد اللہ بن زید فی منامہ الاذان وکان مطمح الافاضۃ الغیبیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان کان

تب آپ نے ہجرت کا مصمم ارادہ کر لیا اور قریش مکہ کی عداوت اور بڑھ گئی اور انہوں نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ یا تو وہ آپ کو قتل کر دیں یا قید رکھیں یا آپ کو کہیں نکال دیں پس آں حضرت کے محبوب و مبارک اور فتحیاب ہونے کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے تو ابو بکر صدیق کے پاؤں میں سانپ نے کاٹا اسوقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی اور فوراً ان کو آرام ہو گیا اور جب کفار غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور انکے خیالات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پھیر دیا، اور جب سراقہ بن مالک نے دونوں حضرات کا پیچھا کیا تو آنحضرت نے اس پر بد دعا کی جس کی وجہ سے اس کا گھوڑا پیٹ تک خشک زمین میں دھنس گیا اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زمین شق ہو گئی، اس پر سراقہ نے اس بات کی کفالت کی کہ وہ آپ دونوں حضرات سے دشمنوں کو روکتا رہیگا اور جب آپ ام معبد کے خیمہ کے پاس آئے تو آپ کے لئے ایسی بکری نے دودھ دیا جو دودھ دینے کے قابل نہ تھی پھر جب دونوں اصحاب مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو عبد اللہ بن سلام آپ کے پاس آئے اور انہوں نے تین سوالات دریافت کئے جن کے جوابات سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا تھا، اول یہ کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہوگی دوسرے اہل جنت کا پہلا کھانا کیا ہوگا تیسرے کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اول علامت قیامت کی آگ ہے جو مشرق سے مغرب تک لوگوں پر پھیل جائیگی اور پہلا کھانا جو اہل جنت کھائیں گے مچھلی کا جگر ہوگا، اور جب مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ کے پہلے رحم میں پہنچتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور جب ماں کا نطفہ پہلے پہنچتا ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے یہ سنکر عبد اللہ بن سلام نے اسلام قبول کر لیا اور ان کے اسلام لانے سے تمام علماء یہود پر خاموشی بیٹھ گئی اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے معاہدہ کر کے ان کے شر سے نجات پائی اور مسجد کی تعمیر میں مشغول ہو گئے مسلمانوں کو نماز اور اسکے اوقات کی تعلیم فرمائی اور جس سے نماز کی خبر ہو جایا کرے اسکے بارے میں مشورہ کیا تب عبد اللہ بن زید کو خواب میں اذان کے کلمات کی تعلیم ہوئی

السفير عبد الله، وحرضهم على الجماعة، و
الجمعة والصوم وامر بالزكاة وعلمهم
حدودها وجهر بدعوة الخلق الى الاسلام
ورغبهم فى الهجرة من اوطانهم لانها يومئذ
دار الكفر ولا يستطيعون اقامة الاسلام
هنالك وشد المسلمين بعضهم ببعض بالمواخاة
وايجاب الصلة والانفاق والتوارث بتلك
المواخاة لتتفق كلمتهم فيتأتى الجهاد ويتمنعوا
من اعدائهم، وكان القوم الفوا التناصر
بالقبائل، ثم لما رأى الله فيهم اجتماعا و
نجدة اوحى الى نبيه ان يجاهد ويقعد لهم
كل مرصد، ولما وقعت واقعة بدر لم
يكونوا على ماء ما مطر الله مطرا واستشار
الناس هل يختار العير ام النفير؟ فبورك
فى رأيهم حسب رأيه فاجمعوا على النفير بعد
ما لم يكن يكون ذلك، ولما رأى صلى الله عليه
وسلم كثرة العدو وتضرع الى الله فبشر بالفتح
واوحى اليه مصارع القوم، فقال هذا
مصرع فلان وهذا مصرع فلان يضع يده
ههنا وههنا فما ماط احدهم عن موضع
يد رسول الله صلى الله عليه وسلم وظهرت
الملائكة يومئذ بحيث يراها الناس لتثبت
قلوب الموحدين وترعب قلوب المشركين
فكان ذلك فتحا عظيما اغناهم الله به و
اشبعهم وقطع حبل الشرك واهلك
افلاذ كبد قريش، ولذا سمى فرقانا، و
كان ميلهم للافتداء مخالفا لما احبه الله
من قطع دابر الشرك فعوتبوا ثم عفى عنهم
ثم اهاج الله تقريبا لاجلاء اليهود فانه لم

اور اس القاء غیبی کا محل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے اگرچہ سفیر اور واسطہ عبد اللہ ہو گئے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جماعت اور جمعہ اور روزہ کی ترغیب دلائی اور زکوٰۃ کا حکم دیا اور انکو زکوٰۃ کے حدود کی تعلیم فرمائی اور لوگوں کو علانیہ اسلام کی دعوت دینی شروع کی اور ان کو اپنے اپنے وطن سے ہجرت کرنے کی ترغیب دی اس لئے کہ اسوقت انکے وطن دار الکفر تھے اور وہاں رہ کر اسلام کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے اور باہم مواخاۃ کے ذریعہ اور صلہ رحمی اور مصارف میں ایک دوسرے کی امداد اور اس مواخاۃ کی وجہ سے ورثہ پانیکو لازمی قرار دیکر تمام مسلمانوں کو مستحکم اور مضبوط کر دیا تاکہ ان میں وحدت پیدا ہو جائے اور وہ مجموعی طاقت سے جہاد کر سکیں اور اپنے دشمنوں کو روک سکیں، اور اسوقت خاندان آپس میں ایک دوسرے سے مدد لیا کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں اتحاد اور قوت دیکھی تو اپنے نبی کو وحی کی کہ کفار سے جہاد کریں اور ان کیلئے ہر ناکہ پر بیٹھیں اور جب واقعہ بدر پیش آیا تو مسلمانوں کے پاس پانی نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے وہاں خوب بارش برسائی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ ابو سفیان کے قافلہ کا قصد کرتے ہو یا لشکر کے مقابلہ کا پس آپ کی رائے کے موافق صحابہ کی رائے میں بھی برکت عطا ہوئی تب سب نے جنگ کرنے پر اتفاق کیا بعد اس کے کہ وہ اس پر متفق نہ تھے اور جب آپ نے دشمن کی کثرت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں نہایت عاجزی کی اسوقت آپکو فتح کی بشارت دی گئی اور وحی کے ذریعہ ان مواقع کی اطلاع دی گئی جہاں کفار قتل ہو کر گریں گے پس آپ نے فرمایا یہاں فلاں کی لاش ہو گی اور یہاں فلاں کی لاش ہو گی آپ اپنا ہاتھ رکھکر بتلاتے جاتے تھے کہ یہاں فلاں ہوگا اور یہاں فلاں ہوگا پس ان میں سے کوئی اس جگہ سے نہ ہٹا جہاں آپ نے اپنے ہاتھ سے تعیین کر دی تھی"، اس روز فرشتے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نظر آتے تھے تاکہ موحدین کے قلوب مطمئن ہو جائیں اور مشرکین کے قلوب لرز جائیں اس لڑائی میں مسلمانوں کو بڑی فتح ہوئی جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے انکو غنی بنا دیا اور شرک کی طاقت کو ختم کر دیا اور قریش کے جگر گوشوں کو ہلاک کر دیا اسی واسطے اس جنگ کا نام فرقان ہے اور صحابہ نے اپنے پاس سے فدیہ لیکر کفار کے قیدیوں کو چھوڑ دینے کی طرف میلان کیا

ہو مگر یہ اللہ تعالیٰ کی اس مرضی کے خلاف تھا کہ شرک کی جڑ کٹ جائے اس لئے وہ مورد عتاب ہوئے پھر ان کو معافی دی گئی اس کے بعد اللہ

تعالیٰ نے یہود کی جلا وطنی کا سامان پیدا کیا کیونکہ وہ

يكن يصفو دين الله بالمدينة وهم مجاورها
فكان منهم نقض العهد فاجلى بنى النضير
وبنى قينقاع وقتل كعب بن اشرف والقى
الله فى قلوبهم الرعب فلم يرجو المن
وعد هم النصر وشجع قلوبهم وافاء الله
اموالهم على نبيه وكان اول توسيع عليهم
وكان ابو رافع تاجر الحجاز يؤذى المسلمين
فبعث اليه عبد الله بن عتيك فيسر الله
له قتله، فلما خرج من بيته انكسرت ساقه
فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابسط
رجلك فمسحها فكأنها لم يشتكها قط، ولما
اجتمعت الاسباب السماوية على هزيمة
المسلمين يوم احد ظهرت رحمة الله ثم من وجوه
كثيرة فجعل الواقعة استبصارا فى دينهم وعبرة
فلم يجعل سببه الا مخالفة رسول الله
صلى الله عليه وسلم فيما امر من القيام
على الشعب، وعلم الله تعالى نبيه بالانهزام
اجمالا فاراه سيفا انقطع وبقرة ذبحت
فكانت الهزيمة وشهادة الصحابة، و
جعلها بمنزلة نهر طالوت ميز الله بها
المخلصين من غيرهم لئلا يعتمد على احد
اكثر مما ينبغى. ولما استشهد ما صحر و
اصحابه حشتهم الزنا بير من الاعادى فلم
يبلغوا منهم ما ارادوا، ولما استشهد القراء
فى بئر معونة جعل النبى صلى الله عليه وسلم
يدعو عليهم فى صلاته وكان فيه نوع من
استعجال البشرية فنبه على ذلك ليكون
كل امره فى الله وبالله ولله، ونزل فى
القرآن منا انهم بلغوا قومنا انا قد لقينا

مدینہ کے جوار میں یہودیوں کے رہنے کی وجہ سے مدینہ میں اللہ کا دین خالص
نہیں ہو سکتا تھا انہوں نے عہد شکنی کی اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے بنی نضیر اور بنی قینقاع کو جلا وطن کر دیا اور کعب بن اشرف
کو قتل کرا دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالدیا
کہ جن لوگوں نے ان سے مدد کے وعدے کئے تھے ان کی جانب وہ رخ
نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے دلوں کو باہمت کر دیا، اللہ
تعالیٰ نے ان کے مالوں کو اپنے نبی کیطرف بلا مشقت کے پھیر دیا اور یہ
پہلی فراخدستی تھی جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی، اور ابو رافع حجاز کا تاجر
مسلمانوں کو ایذا دیا کرتا تھا پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی
طرف عبداللہ بن عتیک کو روانہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے اس کو
قتل کرنا آسان کر دیا، جب عبداللہ اس کے گھر سے باہر آرہے تھے تو
ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنا پاؤں پھیلاؤ"
آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا وہ اسی وقت ایسا صحیح و
سالم ہو گیا گویا کبھی کوئی مرض ہی نہ تھا، اور جب جنگ احد میں مسلمانوں
کی شکشت کے بہت سے اسباب سماوی جمع ہو گئے تو اس موقعہ پر رحمت
الٰہی بہت سے طریقوں سے ظاہر ہوئی پس اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے
انکے دین میں بصیرت اور عبرت پیدا کی اس شکست کا یہی سبب تھا کہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چند مسلمانوں کو ایک درہ پر جمے رہنے
کا حکم فرمایا تھا لیکن وہ وہاں سے ہٹ گئے اور اللہ تعالیٰ نے اجمالی
طور پر اپنے نبی کو شکست پر آگاہ کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے آپکو خواب میں
شکستہ تلوار اور ذبح کی ہوئی گائے دکھائی تھی پس شکست اور صحابہ کا
شہید ہونا اسی کی تعبیر تھی، اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو بمنزلہ نہر طالوت
کے بنا دیا جس سے مخلصین اور غیر مخلصین میں امتیاز ہو گیا تاکہ حد مناسب
سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ کیا جائے، اور جب عامر اور ان کے رفقاء شہید
ہو گئے تو بھڑوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا پس کفار ان کے
ساتھ جو برائی کرنا چاہتے تھے نہ کر سکے، جب قراء بیر معونہ میں شہید ہوگئے
تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی نمازوں میں قاتلوں پر بد دعا کرنے لگے اور اس
میں ایک قسم کی عجلت بشری تھی اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی تاکہ
آپ کی ہر بات اللہ کی راہ میں اور اللہ کی وجہ سے اور اللہ کیلئے ہو اور

؎ قرآن کے اندر ان قراء کا یہ قول بھی نازل ہوا تھا "بلغوا قومنا انا قد لقینا

ربنا فوضى عنا ورضينا عنه لتتسلى قلوبهم
ثم نسخ بعد؛

ولما احاطت بهم الاحزاب وحفر
الخندق ظهرت رحمة الله بهم من وجوه
كثيرة رد الله كيدهم في نحورهم ولم
يضروا المسلمين شيئا، وبورك في
طعام جابر رضي الله عنه فكفى صاع من
شعير وبهمة نحو الف رجل، وانكشفت
قصور كسرى وقيصر في قدحة الحجر و
بشر بفتحها وهبت ريح شديدة في
ليلة مظلمة والقى الرعب في قلوبهم
فانهزموا، وحاصر قريظة فنزلوا على حكم
سعد رضي الله عنه فامر بقتل مقاتلتهم
وسبي ذريتهم فاصاب الحق، وكانت
للنبي صلے الله عليه وسلم رغبة طبيعية
في زينب رضي الله عنها فوفر الله له ذلك
حيث كانت فيه مصلحة دينية ليعلموا
ان حلائل الادعياء تحل لهم فطلقها زوجها
ثم انكحها الله نبيه صلے الله عليه وسلم و
بينا هو يخطب يوم الجمعة اذ قام اعرابي
فقال يا رسول الله هلك المال وجاع
العيال فاستسقى وما في السماء قزعة
فما وضع يده حتى ثار السحاب كامثال
الجبال فمطروا حتى خافوا الضرر فقال
حوالينا ولا علينا لا يشير الى ناحية الا
انفرجت، وتكرر ظهور البركة فيما بورك
عليه كعجين جابر واقراص ام سليم و
نحوها، ولما غزا بني المصطلق ظهرت
الملائكة متمثلة فخاف العدو، و

ربنا فوضی عنا ورضینا عنہ لتتسلی قلوبھم۔ پھر بعد میں
یہ قول منسوخ ہوگیا،

جب عرب کے قبائل نے مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا اور مدینہ طیبہ
کے چاروں طرف خندق کھودی گئی تو بہت سے طریقوں سے مسلمانوں
پر رحمت الٰہی کا ظہور ہوا اللہ تعالیٰ نے کفار کی تدبیروں کو رد کردیا
اور مسلمانوں کو کسی طرح کی مضرت نہیں پہنچی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ
کے کھانے میں اتنی برکت دی گئی کہ ایک صاع جو اور ایک بکری کا بچہ تقریباً
ہزار آدمیوں کو کافی ہوگیا، خندق میں پتھر توڑتے وقت آپ کو کسریٰ اور
قیصر کے محلات نظر آئے اور ان کے فتح ہونے کی آپ کو بشارت دی گئی اور
تاریک شب میں اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا چلائی اور کفار کے دلوں کو
مرعوب کردیا کہ وہ سب بھاگ نکلے، بنی قریظہ کا آپنے محاصرہ کیا پس حضرت
سعد کے فیصلہ پر راضی ہوکر اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئے، حضرت سعد نے
حکم دیا کہ ان میں سے لڑنے کی طاقت رکھنے والوں کو قتل کیا جائے اور
ان کی اولاد کو قید کرلیا جائے اس فیصلہ میں ان کی رائے حق کے موافق
تھی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب کیجانب طبعی رغبت تھی اور
چونکہ اس میں ایک دینی مصلحت تھی کہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ لے
پالک کی بیویاں ان کیلئے حلال ہیں اسواسطے اللہ تعالیٰ نے اسکو اس
طرح سے پورا کیا کہ ان کے خاوند نے ان کو طلاق دیدی اور اللہ تعالیٰ
نے ان کا نکاح نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کردیا، ایک مرتبہ جمعہ کے روز
آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی نے کھڑے ہوکر عرض کیا "یا رسول
اللہ مویشی ہلاک ہوگئے اور بال بچے بھوکے مرگئے آپ بارش کے لئے
دعا کیجئے اور اس وقت آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا پس آپ نے
ہنوز دعا سے ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ پہاڑوں کی طرح بادلوں کے دل
کے دل اٹھے اور اتنا مینہ برسا کہ لوگوں کو نقصان کا اندیشہ ہونے
لگا تب آپنے فرمایا ہمارے اطراف برسے ہم پر نہ برسے جس طرف آپ
ہاتھ کرکے یہ کہتے تھے اسی طرف سے بادل پھٹ جاتا تھا" اور جس
شئے میں آپنے برکت طلب فرمائی بارہا اس میں برکت ہوئی جیسے حضرت
جابر کے جو اور انکے انبار میں اور ام سلیم کی روٹیوں میں وغیرہ الگ، اور جب
آپنے بنی مصطلق پر جہاد کیا تو فرشتے ظاہر میں دکھائی دیئے جس کی وجہ سے

اتهمت عائشة في تلك الغزوة فظهرت رحمة الله بتبريتها واقامة الحد على من اشاع الفاحشة عليها، ولما انكسفت الشمس تضرع الى الله فانه اية من ايات الله يترشح عندها خوف في قلوب المصطفين ورای في ذلك الجنة والنار بينه وبين جدار القبلة وهو من ظهور حكم المثال في مكان خاص واراه الله في رؤياه ما يقع بعد الفتح من دخولهم مكة محلقين ومقصرين لايخافون نرغبوا في العمرة ولما بان وقتها، وكان ذلك تقريباً من الله للصلح الذي هو سبب فتوح كثيرة وهم لايشعرون، نظير ذلك ما قالته عائشة رضي الله عنها في معارضة ابي بكر وعمر رضي الله عنهما عند موت النبي صلى الله عليه وسلم ان في كل قول فائدة فرد الله المنافقين بقول عمر رضي الله عنه وبين الحق بقول ابي بكر رضي الله عنه فال الامر الى ان اجتمع راى هؤلاء وهؤلاء ان يصطلحوا وان كره الفئتان وظهرت هنالك ايات عطشوا ولم يكن عندهم ماء الا في ركوة فوضع عليه السلام يده فيها فجعل الماء يفور من بين اصابعه ونزحوا ماء الحديبية فلم يتركوا فيها قطرة فبرك عليها فسقوا واستقوا، و وقعت بيعة الرضوان معرفة لاخلاص المخلصين، ثم فتح الله عليه خيبر فافاء منه على النبي صلى الله عليه وسلم والمسلمين ما يتقوون به على الجهاد، وكان ابتداء

اسی جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کی برات ظاہر فرمائی اور جس نے اس فحش کو آپ کی جانب سے پھیلایا تھا اس پر حد قائم کی گئی اور جب سورج گرہن ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نہایت عجز اور انکساری کی اس لئے کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ایسی نشانی ہے کہ اس کے پائے جانے کے وقت برگزیدہ لوگوں کے دلوں میں خوف طاری ہوا کرتا ہے اسی نماز میں آپ نے اپنے اور دیوار قبلہ کے مابین جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا اور یہ مشاہدہ مکان خاص میں عالم مثال کے احکام کا ظہور ہے، اور اللہ تعالیٰ نے خواب میں آپکو مطلع کیا کہ بلا خوف و ہراس فتح کے ساتھ حلق اور قصر کرا کر مکہ میں داخل ہوں گے اس واسطے لوگوں نے عمرہ کا قصد کیا حالانکہ عمرہ کا وقت نہیں آیا تھا اور اس میں اللہ تعالیٰ کو کفار سے صلح کرانا منظور تھی جو بڑی بڑی فتوحات کا سبب تھی اور لوگ اس سے بالکل بے خبر تھے اس کی نظیر حضرت عائشہ صدیقہ کا وہ قول ہے جو انہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اس معارضہ میں کہا جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے وقت واقع ہوا کہ ہر ایک کے قول میں ایک فائدہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کے قول سے منافقین کی تردید کی اور حضرت ابوبکر کے قول سے حق کو ظاہر کر دیا اور معاملہ یہ آن پڑا کہ دونوں فریق باہم صلاح کریں گو اس صلح سے دونوں ناخوش تھے، اور اس موقع پر بہت سے معجزات ظاہر ہوئے لوگ پیاسے تھے اور پانی صرف ایک برتن میں موجود تھا پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا دست مبارک رکھ دیا پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں میں سے پانی ابلنے لگا، اور حدیبیہ کا تمام پانی صحابہ نے کھینچ لیا تھا یہاں تک کہ انہوں نے اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا تب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی جس سے اس کنوئیں میں اس قدر پانی ہو گیا کہ تمام لوگ سیراب ہو گئے اور انہوں نے اپنے جانوروں کو پانی پلایا اور مخلصین کے اخلاص کی جانچ کیلئے بیعت رضوان واقع ہوئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خیبر کو فتح کر دیا وہاں سے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اتنا مال عطا کیا جس سے وہ جہاد کی طاقت بڑھا سکیں اور انتظام خلافت کی

انتظام الخلافة فصار عليه السلام خليفة
الله في الارض، وظهرت آيات رسول الله السم
في طعامه صلى الله عليه وسلم فنبأه الله
واصابت سلمة ابن الاكوع ضربة فنفث
فيها نفثات فما اشتكاها بعد، واراد ان
يقضي حاجته فلم ير شيئا يستتر به
فدعا شجرتين فانقادتا كالبعير المخشوش
حتى اذا فرغ ردهما الى موضعهما، ولما
اراد المحاربي ان يسطو بالنبي صلى الله
عليه وسلم القى الله عليه الرعب فربط
يده ثم نفث الله في روعه ما انعقد في
الملأ الاعلى من لعن الجبابرة وازالة شوكتهم
وابطال رسومهم فتقرب الى الله بالسعي
في ذلك فكتب الى قيصر وكسرى وكل
جبار عنيد فاساء كسرى الادب فدعا
عليه فمزقه الله كل ممزق، وبعث صلى
الله عليه وسلم زيدا وجعفرا وابن رواحة
الى مؤتة فانكشف عليه حالهم فنعاهم
عليه السلام قبل ان يأتي الخبر، ثم بعث
الله تقريبا بفتح مكة بعد ما فرغ من جهاد
احياء العرب فنقضت قريش عهودها
وتعاموا واراد حاطب ان يخبرهم فنبأ
الله بذلك رسوله وفتح مكة ولو كره
الكافرون، وادخل عليهم الاسلام من
حيث لم يحتسبوا، ولما التقى المسلمون
والكفار يوم حنين وكانت لهم جولة
استقام رسول الله صلى الله عليه وسلم
واهل بيته اشد استقامة ورماهم
بتراب فبورك في رميه فما خلق الله منهم

ابتدا یہی تھی اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوگئے
اور یہاں بہت سے معجزات ظاہر ہوئے اسی جنگ خیبر میں یہودیوں
نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ
کو اس پر آگاہ کر دیا اور اسی جنگ میں سلمہ بن اکوع کو بڑی سخت
ضرب پہنچی تھی پس آپ نے کئی بار اس پر دم کر دیا اس کے بعد پھر کبھی
انکو درد نہیں ہوا، آپ نے قضائے حاجت کا ارادہ فرمایا اور کوئی
آڑ اور پردہ نہ تھا اس وقت آپ نے دو درختوں کو بلایا تو وہ اسطرح
سمٹ چلے آئے جیسے نکیل پڑا اونٹ مطیعانہ چلتا ہے جب آپ فارغ
ہوگئے تو ان کو ان کی جگہ پر واپس کر دیا جب ایک محاربی نے آنحضرت
پر حملہ کرنا چاہا اور تلوار کا ہاتھ اٹھایا اللہ تعالیٰ نے اس کے
دل میں رعب ڈالدیا پس اس کا ہاتھ وہیں رک گیا اور اللہ تعالیٰ
نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس بات کا القا کیا جو ملاء اعلیٰ
میں قرار پا چکی تھی کہ سرکشوں کو لعنت کیجائے اور ان کی شوکت اور
رسوم کو مٹا دیا جائے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں سعی
فرما کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب حاصل کیا، قیصر اور کسریٰ اور
تمام معاند سرکشوں کو نامے تحریر فرمائے کسریٰ نے نامہ مبارک کی بےادبی کی
اس لئے آپ نے اس پر بددعا کی پس اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کو پاش
پاش کر دیا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کو موتہ
کی طرف بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر انکا حال ظاہر ہوگیا اسوقت آپ
نے انکے متعلق خبر شہادت آنے سے پیشتر خبر دیدی کہ وہ شہید ہوگئے جب
آپ تمام قبائل عرب کے جہاد سے فارغ ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کا
سامان کر دیا پس قریش نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا اور کورانہ روش اختیار
کی اور حاطب بن ملتعہ صحابی نے اہل مکہ کو آپ کے ارادہ پر مطلع کرنا چاہا
تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حاطب کے اس فعل پر آگاہ کر دیا اور آپ نے
مکہ کو فتح کر لیا اگرچہ کافروں پر یہ بات بہت شاق گذری اور اہل مکہ میں
اسلام اس طریقہ سے داخل ہوگیا کہ اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا اور جنگ
حنین میں جب مسلمانوں اور کافروں کا مقابلہ ہوا اور مسلمانوں کے پاؤں
اکھڑ گئے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت بڑی استقامت کے ساتھ جمے
رہے اور آپ نے انکی طرف مٹی پھینکی پس اللہ تعالیٰ نے آپکے پھینکنے میں ایسی

انسانا الا ملأ عينيه ترابا فولوا مدبرين ثم القى الله سكينته على المسلمين فاجتمعوا واجتهدوا حتى كان الفتح، وقال لرجل يدعي الاسلام وقاتل اشد القتال هو من اهل النار فكاد بعض الناس يرتاب ثم ظهر انه قتل نفسه ؛

وسحر النبي صلى الله عليه وسلم فدعا الله ان يكشف عليه جلية الحال فجاءه فيما يراه رجلان واخبراه عن السحر والساحر، واتاه ذو الخويصرة فقال يا رسول الله اعدل فانكشف عليه حاله وحال قومه فقال صلى الله عليه وسلم يقاتلون خير فرقة من الناس آيتهم رجل اسود احد عضديه مثل ثدي المرأة فقاتلهم علي رضي الله عنه ووجد الوصف كما قال، ودعا لام ابي هريرة فامنت في يومها ؛

وقال عليه السلام لم يبسط احد منكم ثوبه حتى اقضي مقالتي هذه ثم يجمعه الى صدره فينسى من مقالته شيئا ابدا فبسط ابو هريرة فما نسي منها شيئا، وضرب عليه السلام بيده على صدر جرير وقال اللهم ثبته فما سقط عن فرسه بعد، وكان لا يثبت على الخيل، وارتد رجل عن دينه فلم تقبله الارض، وكان عليه السلام يخطب مستندا الى جذع فلما صنع له المنبر واستوى عليه صاح حتى اخذه وضمه، وركب فرسا بطيئا وقال وجدنا

جس کی دونوں آنکھیں خاک سے نہ بھری ہوں اس وجہ سے وہ کفار پشت پھیر کر بھاگ پڑے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں جمعیت اور اطمینان پیدا کیا اور سب مجتمع ہو کر ایسا حملہ کیا جس سے فتح حاصل ہو گئی، اور آپؐ نے ایک شخص کے متعلق جو مدعی اسلام تھا اور جہاد میں دل کھول کر لڑا تھا یہ فرمایا کہ وہ دوزخی ہے پس قریب تھا کہ بعض لوگوں کو آپؐ کے ارشاد میں شک پیدا ہو لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ خودکشی کر کے مرا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا گیا تھا آپ نے دعا فرمائی کہ اصل حال آپ پر منکشف ہو جائے تو خواب میں آپؐ کو دو شخص دکھلائی دیئے اور انہوں نے جادو اور جادوگر کا تمام حال بیان کر دیا، اور ذوالخویصرہ نے آکر کہا یا رسول اللہ انصاف سے تقسیم فرمائیے پس آپؐ پر اس کا اور اس کی قوم کا حال منکشف ہو گیا پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ لوگوں میں سے ایک بہترین فرقہ سے جنگ کریں گے ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک شخص سیاہ فام ایسا ہو گا جس کا ایک بازو عورت کی پستان جیسا ہو گا" حضرت علیؓ نے ان سے جنگ کی اور جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اسی وصف کے ایک آدمی کو پایا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی والدہ کے لئے دعا فرمائی پس وہ اسی روز مسلمان ہو گئیں، ایک روز آپ نے یہ فرمایا کہ "جبتک میں اپنی اس تقریر کو بیان کروں اس وقت تک جو کوئی شخص اپنا کپڑہ پھیلائے رکھے اس کے بعد اس کو سمیٹ کر اپنے سینہ سے لگالے تو وہ کبھی میری بات نہ بھولیگا چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا پس وہ اس میں سے کچھ نہ بھولے، اور حضرت جریرؓ کے سینہ پر آپ نے ہاتھ مار کر فرمایا "اے اللہ اس کو قائم رکھ" پس اس روز کے بعد پھر کبھی وہ گھوڑے سے نہیں گرے حالانکہ اس سے پہلے وہ گھوڑے پر خوب جم نہیں سکتے تھے، ایک شخص دین سے پھر گیا تھا آپؐ نے اسکے لئے بددعا کی پس زمین اس کو قبول نہ کرتی تھی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کھجور کے ایک تنے سے تکیہ لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے پس جب آپ کیلئے منبر بن گیا اور اس پر قیام فرمایا تو اس تنے نے گریہ وزاری کی یہانتک کہ آپؐ نے اس کو پکڑ کر چپٹا لیا، ایک مرتبہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایک نہایت سست گھوڑے

رسکم هذا بحوا فکان بعد ذلك لایجار
ما احکم الله دینه و توار دت الوفود
وتواترت الفتوح وبعث العمال علی
القبائل ونصب القضاة فی البلاد و
ست الخلافة ننفث فی روعه صلی الله
علیه وسلم ان یخرج الی تبوك لیظهر
شوکته علی الروم فینقاد له اهل تلك
الناحیة، وکانت تلك غزوة فی وقت
الحر والعسرة فجعلها الله تمییزا بین
المؤمنین حقا والمنافقین، ومر علیه
السلام علی حدیقة لامرأة فی وادی القری
خرصها وخرصها الصحابة رضی الله عنهم
کان کما قال علیه السلام، ولما وصل
ی دیار حجر نهاهم عن میاهه تنفیرا
ن محل اللعن، ونهاهم لیلة ان یخرج
احد نخرج رجل فالقته ریح بجبلی طیئ،
ضل له صلی الله علیه وسلم بعیر فقال
بعض المنافقین لوکان نبیا لعلم این
بعیره فنبأه الله بقول المنافق وبمکان
البعیر، وتخلف ناس من المخلصین زلة
منهم ثم ضاقت علیهم الارض بما رحبت
فعفا الله عنهم، والقی ملك ایلة فی
ید خالد من حیث لم یحتسب فلما
ی الاسلام ودخل الناس فی دین الله
افواجا اوحی الله الی نبیه ان ینبذ عهد
ل معاهد من المشرکین، ونزلت سورة
البراءة، وارادالمباهلة من نصاری نجران
فعجزوا واختاروا الجزیة، ثم خرج الی
الحج وحضر معه نحو من مائة الف واربعة

تمہارے گھوڑے کو رفتار میں بحر کی طرح پایا! اس کے بعد سے کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا،

ان امور کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو خوب مستحکم کر دیا اور ہر طرف سے ایلچیوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی اور فتوحات ہونے لگیں، تمام قبائل عرب میں عمال بھیجدیئے اور شہروں میں قاضی مقرر فرمائے اور خلافت مکمل حالت میں ہوگئی اس کے بعد آپ کے دل میں القاء ہوا کہ مقام تبوک کی طرف نکلیں تاکہ رومیوں پر آپ کی شوکت ظاہر ہو اور وہاں کے لوگ آپ کے مطیع ہو جائیں، اور یہ جنگ نہایت گرمی اور تنگی کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی پس اس کو اللہ تعالیٰ نے خالص مومنین اور منافقین کے درمیان امتیاز کر دینیوالا بنایا تھا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم وادی قریٰ میں ایک عورت کے باغ کے پاس سے گذرے تو اس کے پھلوں کا تخمینہ آپ نے بھی کیا اور صحابہ نے بھی کیا لیکن جیسے آپ نے فرمایا تھا وہ اس کے موافق برآمد ہوا، جب آپ دیار حجر کے قریب پہنچے تو لوگوں کو اس کے پانیوں سے ممانعت فرمادی تاکہ لعنت کے مقام سے لوگوں کو نفرت رہے، ایک مرتبہ رات کے وقت باہر نکلنے سے آپ نے منع فرمایا اتفاقاً ایک شخص باہر نکل گیا تو اس کو ہوا نے طی کی پہاڑیوں میں پھینک دیا، ایک مرتبہ آپ کا اونٹ گم ہوگیا تو بعض منافقین کہنے لگے کہ اگر نبی ہوتے تو ان کو اپنے اونٹ کا پتہ معلوم ہو جاتا تب اللہ تعالیٰ نے اونٹ کے مقام اور منافق کے قول سے مطلع فرما دیا اور بعض مخلصین کو غلطی لگی اور وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہوئے اس کے بعد ان پر زمین باوجود کشادگی کے تنگ ہوگئی پھر اللہ تعالیٰ نے انکا قصور معاف کر دیا اور اچانک ایلہ کا بادشاہ حضرت خالد بن ولید کے زیر حراست ہوگیا پس جب اسلام قوی ہوگیا اور گروہ کے گروہ دین میں داخل ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ مشرکین سے جو معاہدے تھے ان میں سے ہر عہد کو تمام کر دیں اور سورۂ براءت نازل ہوئی اور نجران کی عیسائیوں سے آپ نے مباہلہ کرنا چاہا لیکن انہوں نے عاجز ہو کر جزیہ قبول کر لیا اس کے بعد آپ حج کے لئے تشریف لے

ہو گئے آپ کی معیت میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار

وعشرين الفا فاراهم مناسك الحج ورد تحريفات الشرك، ولما تم امر الارشاد واقترب اجله بعث الله جبريل في صورة رجل يراه الناس فسأل النبي عن الايمان والاسلام والاحسان والساعة فبين النبي صلى الله عليه وسلم وصدقه جبرائيل ليكون ذلك كالفذلكة لما بينه، ولما مرض لم يزل يذكر الرفيق الاعلى ويحن اليهم حتى توفاه الله ثم تكفل امر ملته فنصب قوما لا يخافون لومة لائم فقاتلوا المتنبئين والروم والعجم حتى تم امر الله ووقع وعده صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وسلم،

الفتن

اعلم ان الفتن على اقسام فتنة الرجل في نفسه بان يقسو قلبه فلا يجد حلاوة الطاعة ولا لذة المناجاة، وانما الانسان ثلاث شعب، قلب هو مبدأ الاحوال كالغضب والجرأة والحياء والمحبة والخوف والقبض والبسط ونحوها وعقل هو مبدأ العلوم الذي ينتهي اليه الحواس كالاحكام البديهية من التجربة والحدس ونحوهما والنظرية من البرهان والخطابية ونحوهما، وطبع هو مبدأ اقتضاء النفس ما لابد منه اولابد من جنسه في بقاء البنية كالداعية المنبجسة في شهوة الطعام والشراب والنوم والجماع ونحوها، فالقلب مهما غلب عليه

صحابی تھے آپ نے ان کو مناسکِ حج تعلیم فرمائے اور شرک کی تحریفات کی تردید فرمائی، جب احکام الٰہی کی تکمیل ہو چکی اور وفات کا زمانہ قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آدمی کی شکل میں بھیجا کہ سب لوگ ان کو دیکھتے تھے، حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ایمان، اسلام اور احسان کی حقیقت اور قیامت کا حال دریافت کیا پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے رہے اور حضرت جبریل علیہ السلام اس کی تصدیق کرتے رہے تاکہ وہ بمنزلہ دین الٰہی کے خلاصہ کے ہو جائے، اور جب آپ مریض ہوئے تو برابر رفیق اعلیٰ کو یاد کرتے رہے اور ملاء اعلیٰ کی جانب شوق ظاہر فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری لی اور ایسے لوگوں کو اس نے کھڑا کیا جو کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے تھے پس انہوں نے مدعیانِ نبوت اور روم اور عجم سے مقابلے کئے یہاں تک کہ امر الٰہی کی تکمیل ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا وعدہ پورا ہو گیا:

فتنوں کا بیان

واضح ہو کہ فتنوں کی چند قسمیں ہیں ایک وہ فتنہ ہے جو انسان کے نفس سے متعلق ہے اس طور پر کہ آدمی کا دل سخت ہو جائے پس اسکو طاعت میں حلاوت معلوم ہو اور نہ مناجات میں کوئی لذت محسوس ہو، اور انسان کے تین شعبے ہیں ایک تو دل ہے جو انسان کے تمام احوال کا مبداء ہے جیسے غضب، جرأت، حیاء، محبت، خوف، انقباض وانبساط وغیرہ دوسرے عقل ہے جو ان علوم کا مبداء ہے جن کی طرف حواس منتہی ہوتے ہیں جیسے بدیہی احکام جو تجربہ اور حدس وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں اور جیسے نظری احکام جو دلیل اور خطابیات وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں تیسرے طبیعت ہے جو ان تمام نفسانی خواہشات کا مبداء ہے جو بدن کی بقاء کیلئے ضروری ہیں یا ان کی جنس ضروری ہے جیسے وہ خواہش جو کھانے پینے خواب اور جماع وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے،

پس جب قلب پر بہیمی خصلتیں غالب ہو جاتی ہیں

خصال البهيمية فكان قبضه وبسطه
نحو قبض البهائم وبسطها الحاصلين من
طبيعة ووهم كان قلبا بهيميا، ومهما
قبل من الشياطين وسوستهم في النوم
واليقظة يسمى الانسان شيطان الانس
ومهما غلب عليه خصال الملكية يسمى
قلبا انسانيا فيكون خوفه ومحبته وما
يشبههما مائلة الى اعتقادات حقة
حصلها، ومهما قوى صفاؤه وعظم
نوره كان روحا فيكون بسطا بلا قبض
والفة بلا قلق، وكانت احواله انفاسا
وكانت الخواص الملكية كالديدن له
دون الامور المكتسبة بسعي، ومهما
غلبت خصال البهيمية على العقل صار
جربزة واحاديث نفس تميل الى بعض
الدواعي الطبيعية فيحدث نفسه بالجماع
ان كان فيه شبق، وبانواع الطعام ان
كان فيه جوع ونحو ذلك، او وحي الشيطان
فيكون احاديث النفس تميل الى فك
النظامات الفاضلة وشك في المعتقدات
الحقة والى هيئات منكرة تعافها النفوس
السليمة، ومهما غلبت عليه خصال
الملكية في الجملة كان عقلا من فعله
التصديق بما يجب تصديقه من العلوم
الارتفاقية والاحسانية بديهة او
نظرا، ومهما قوى نوره وصفاؤه كان
سرا من فعله قبول علوم فائضة من
الغيب رؤيا وفراسة وكشفا وهتفا
ونحو ذلك. ومهما مال الى المجردات البرزخية

تو اس کا انقباض اور انبساط ایسا ہو جاتا ہے جیسے بہائم کا انقباض
اور انبساط ہوتا ہے جو طبیعت اور وہم کی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں
اور اس طرح کے قلب کو بہیمی کہتے ہیں، اور جب قلب خواب یا بیداری
میں شیطانی وسوسوں کو قبول کرتا ہے تو ایسے انسان کو شیطان الانس
کہتے ہیں اور جب قلب پر ملکی صفتیں غالب ہوتی ہیں تو اس کو قلب انسانی
کہتے ہیں پس اس کا خوف اور اس کی محبت اور اسی قسم کے جذبات
اعتقادات حقہ کی طرف مائل ہوتے ہیں جس کو اس نے حاصل کیا ہے
اور جب قلب کی صفائی غالب اور اس کا نور زیادہ ہو جاتا ہے تو
قلب روح ہو جاتا ہے تب اس میں بغیر انقباض کے ہمیشہ انبساط رہتا
ہے اور بغیر قلق کے سکون ہوتا ہے اور اس کے احوال انفاس ہو جاتے
ہیں اور ملکی خاصیتیں مثل عادت کے ہو جاتی ہیں اور وہ کسبی امور کی
طرح سے نہیں ہوتیں اور جب عقل پر بہیمی خصلتیں غالب آتی ہیں تو عقل سبک ہو
جاتی ہے اور طبیعت کے دواعی کی طرف نفسانی خطرات کا میلان رہتا ہے
پس اگر باہ کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے دل میں جماع کی خواہش پیدا ہوتی
ہے اور اگر بھوک کا غلبہ ہوتا ہے تو کھانے کے خیال میں رہتا
ہے وغیرہ ذالک۔

اور جب عقل پر شیطانی وسوسوں کا غلبہ ہوتا ہے تو نفس کے
اندر ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں جو عمدہ انتظامات میں مخل ہوتے
ہیں اور سچے اعتقادات میں شبہات پیدا کرتے ہیں اور ایسے برے
افعال کی طرف ان کا میلان رہتا ہے جن سے نفوس سلیمہ نفرت
کرتے ہیں اور جب عقل پر ملکی خصلتوں کا کسی قدر بھی غلبہ ہو جاتا ہے
تو وہ ایسی عقل ہوتی ہے جو ان علوم کی تصدیق کرتی ہے جن کا تصدیق
کرنا ضروری ہے جیسے وہ علوم جو تدابیر نافعہ سے متعلق ہیں یا
احسان سے متعلق ہیں خواہ ان کا ثبوت بدیہی ہو یا نظری طور پر
ہو، اور جب اس کی نورانیت اور صفائی زیادہ ترقی کر جاتی ہے تو اس کو
سر کہتے ہیں تب نفس ان علوم کو قبول کرنے لگتا ہے جن کا
فیضان عالم غیب سے ہوتا ہے خواہ ان کا ادراک بذریعہ
خواب کے ہو یا فراست یا کشف یا آواز غیبی وغیرہ کے ذریعہ
ہو، اور جب عقل کا میلان ان موجودات کی طرف ہوتا ہے

من الزمان والمكان كان خفيا، ومهما انحاز
الطبع الى الخصال البهيمية كان نفسا امارة
بالسوء، ومهما كان مترددا بين البهيمية
والملكية وكان الامر سجالا ونوبا كان
نفسا لوّامة، ومهما تقيدت بالشرع
ولم تبغ عليه ولم تنبجس الا فيما يوافقه
انت نفسا مطمئنة ؛

هذا ما عندي معرفة لطائف الانسان
والله اعلم، وفتنة الرجل في اهله
وهي فساد تدبير المنزل واليها
الاشارة في قوله صلى الله عليه وسلم
ان ابليس يضع عرشه، الى ان قال ثم
يجئ احدهم فيقول ما تركته حتى فرّقت
بينه وبين امرأته فيدنيه منه، و
يقول نعم انت، وفتنة تموج كموج
البحر وهي فساد تدبير المدينة وطمع
الناس في الخلافة من غير حق، وهو
قوله صلى الله عليه وسلم ان الشيطان
قد ايئس ان يعبده المصلون في جزيرة
العرب ولكن في التحريش بينهم، وفتنة
ملية وهو ان يموت الحواريون من
اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم و
يستند الامر الى غير اهله فيتعمق
رهبانهم واحبارهم ويتهاون ملوكهم
وجهالهم ولا يأمرون بمعروف ولا
ينهون عن منكر فيصير الزمان زمان
الجاهلية، وهو قوله صلى الله عليه و
سلم ما من نبي الا كان له حواريون
الحديث، وفتنة مستطيرة وهي تغير

جو مکان وزمان سے بری ہوتے ہیں تو اس کو خفی کہتے ہیں، اور جب
طبیعت بہیمی خصائل کی طرف اتر آتی ہے تو وہ اس کا نام نفس امارہ
بالسوء ہو جاتا ہے، اور جب طبیعت بہیمیت اور ملکیت میں مذبذب
ہوتی ہے اور اس کا میلان کبھی اُس جانب ہوتا ہے اور کبھی اِس
جانب ہوتا ہے تو اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں اور جب نفس شریعت
کا پابند ہوتا ہے اور کبھی اس کی مخالفت نہیں کرتا اور اسی کے موافق
خواہش کرتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں،

لطائف انسان کی معرفت میں جو کچھ میرے علم میں تھا میں
نے بیان کر دیا واللہ اعلم ؛

اور ایک انسانی فتنہ ہوتا ہے جس کا تعلق اس کے اہل سے
ہوتا ہے اور وہ انتظامات خانہ داری کا بگڑ جانا ہے اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "ابلیس اپنا تخت
پانی پر بچھاتا ہے آخیر میں آپ نے فرمایا کہ ایک شیطان اس کے
پاس آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو نہیں چھوڑا یہانتک کہ
اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی کرا دی تب ابلیس اس کو
اپنے پاس بلا کر کہتا ہے تو بہت ہی اچھا ہے" اور ایک وہ فتنہ ہے
جو سمندر کی موج کی طرح موجزن ہوتا ہے اور وہ ملکی انتظامات کا
برباد ہونا ہے اور بغیر استحقاق کے ہر ایک کا خلافت کی طمع کرنا ہے،
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا کہ
جزیرۃ العرب میں نماز پڑھنے والے اس کی پرستش کریں لیکن باہمی فساد
سے ناامید نہیں ہوا ہے" اور ایک وہ فتنہ ہے جو مذہب سے متعلق ہے اور
وہ اس طرح ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حواری اصحاب دنیا سے اٹھ
جائیں اور نااہل لوگ مذہب کے سرپرست بن جائیں پس ان کے
درویش اور علماء دین میں "تکلفات" پیدا کریں اور ان کے بادشاہ
اور جاہل دین میں سستی ظاہر کریں کہ نہ بھلائی کا حکم دیں اور نہ برائی
سے منع کریں اور زمانہ زمانۂ جاہلیت کے مانند ہو جائے، نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں"
الحدیث،

اور ایک عام فتنہ ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ

الناس من الانسانية ومقتضاها فاذ كاهم
وازهدهم الى الانسلاخ من مقتضيات
الطبع رأسا دون اصلاحها والتشبه
بالمجردات والتحنن اليهم بوجه من الوجوه
ونحو ذلك، وعامتهم الى البهيمية الخالصة
ويكون ناس بين الفريقين لا الى هؤلاء
ولا الى هؤلاء، وفتنة الوقائع الجوية
المنذرة بالاهلاك العام كالطوفانات العظيمة
من الوباء والخسف والنار المنتشرة فى
الاقطار ونحو ذلك، وقد بين النبى صلى
الله عليه وسلم اكثر الفتن قال
لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا
بشبر وذراعا بذراع حتى لو دخلوا
جحر ضب تبعتموهم، وقال عليه
السلام يذهب الصالحون الاول فالاول
ويبقى حفالة كحفالة الشعير لا يباليهم
الله بالة:

اقول علم النبى صلى الله عليه و
سلم انه اذا بعد العهد من النبى و
انقرض الحواريون من اصحابه ووسد
امر الى غير اهله لا بد ان تجرى الرسوم
حسب الدواعى النفسانية والشيطانية
وتعمهم جميعا الا من شاء الله منهم، و
قال صلى الله عليه واله وسلم ان هذا
الامر بدأ نبوة ورحمة ثم يكون خلافة
ورحمة ثم ملكا عضوضا ثم كائن
جبرية وعتوا وفسادا فى الارض
يستحلون الحرير والفروج والخمور
يرزقون على ذلك وينصرون حتى يلقوا

انسانیت اور اس کے مقتضاء سے بالکل بدل جائیں سب سے زکی
اور اعلیٰ درجہ کے زاہد مقتضیات طبیعت کو بالکل ترک کر دیں ان کی
اصلاح کی پرواہ نہ کریں مجردات کے ساتھ مشابہت اور کسی نہ کسی
طرح سے ان سے محبت پیدا کرلیں وغیرذالک، اور ان کے عوام خالص
بہیمیت میں جذب ہو جائیں اور لوگ دونوں کی درمیانی حالت
میں ہوں کہ نہ اس طرف ہوں اور نہ اس طرف ہوں،

اور ایک فتنہ وہ ہے جو واقعات جو سے متعلق ہے جن میں
عام ہلاکت کی تخویف ہوتی ہے جیسے بڑے بڑے طوفانات کا
ظاہر ہونا، وبا کا پھیلنا، زمین کا دھنس جانا اور اطراف عالم میں
آگ کا پھیل جانا وغیرذالک،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر فتنوں کی تشریح بیان فرمائی
ہے آپ نے فرمایا "تم پہلے لوگوں کے طریقوں کے قدم بقدم پیروی
کروگے یہانتک کہ اگر کوئی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوا ہوگا
تو تم بھی اس کی پیروی کروگے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا "نیک لوگ درجہ بدرجہ فنا ہوتے جائیں گے اور بے
قدر لوگ باقی رہ جائیں گے جیسے جو کی بھوسی اللہ تعالیٰ
کو ان کی کچھ بھی پرواہ نہ ہوگی"

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا تھا کہ جب
نبی کا زمانہ دور ہو جائے گا اور آپ کے صحابہ میں حواری کے درجہ
کے لوگ بھی ختم ہو جائیں گے اور نااہل لوگ معتمد علیہ بنا دیئے
جائیں گے تو ضرور ان میں وہ رسوم جاری ہوں گی جو نفسانی
اور شیطانی تحریکات سے پیدا ہوتی ہیں اور وہ رسوم سب
کو محیط ہو جائیں گی الا ماشاء اللہ،

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسلام کی ابتداء
نبوت اور رحمت سے ہوتی ہے اس کے بعد خلافت اور رحمت
کا زمانہ آئے گا پھر اس کے بعد حکومت غالبہ ہوگی اس
کے بعد ظلم، سرکشی اور زمین پر فساد ہوگا، ریشم اشر مگاہوں
اور شراب کو لوگ حلال سمجھیں گے اسی حالت پر ان کو رزق
ملے گا اور ان کی مدد کی جائے گی یہانتک کہ وہ

الله"۔ اقول فالنبوة انقضت بوفاة النبي صلى الله عليه وسلم، والخلافة التي لا سيف فيها بمقتل عثمان، و الخلافة بشهادة علي كرم الله وجهه وخلع الحسن رضي الله عنه، والملك العضوض مشاجرات الصحابة بني امية ومظالمهم الى ان استقر امر معاوية، والجبرية والعتو خلافة بني العباس فانهم مهدوها على رسوم كسرى وقيصر وقال صلى الله عليه وآله وسلم تعرض الفتن على القلوب كالحصير عودا عودا فاي قلب اشربها نكتت فيه نكتة سوداء واي قلب انكرها نكتت فيه نكتة بيضاء حتى تصير على قلبين ابيض مثل الصفا فلا تضره فتنة ما دامت السموات والارض والآخر اسود مربادا كالكوز مجخيا لا يعرف معروفا ولا ينكر منكرا الا ما اشرب من هواه۔

اقول الهواجس النفسانية و الشيطانية تنبعث في القلوب والاعمال الفاسدة تكتنفها ولا تكون حينئذ دعوة حثيثة الى الحق فلا ينكرها الا من جعل في قلبه هيئة مضادة للفتن وتعم من سوى ذلك وتأخذ بتلابيبه وقال صلى الله عليه وآله وسلم ان الامانة نزلت في جذر قلوب الناس ثم علموا من القرآن ثم علموا من السنة، وحدث عليه السلام عن رفعها فقال ينام الرجل

اللہ سے ملیں"۔

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے نبوت ختم ہوگئی اور وہ خلافت جس میں مسلمانوں کے درمیان باہم قتال نہ تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ختم ہوگئی اور خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی معزولی سے ختم ہوگئی اور تکلیف دہ حکومت صحابہ کے ساتھ بنی امیہ کے جھگڑے ہیں اور ان کی سختیاں ہیں یہاں تک کہ معاویہؓ کی حکومت قائم ہوگئی اور جبر اور سرکشی بنو عباسیہ کی خلافت ہے کیونکہ انہوں نے قیصر و کسریٰ کے رسوم و رواج کے موافق خلافت کی بنیاد ڈالی تھی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فتنے دلوں پر پیش کئے جائیں گے وہ دلوں پر محیط ہوں گے جیسے چٹائی کا ایک جزو دوسرے جز کے ساتھ پیوست ہوتا ہے پس جن دلوں میں وہ فتنے سرایت کر جائیں گے ان میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوجائیگا اور جو قلوب ان سے بیگانہ رہیں گے ان میں سفید نقطہ پیدا ہوگا حتی کہ دو قسم کے دل ہوجائیں گے ان میں سے ایک نہایت سفید اور نورانی ہوگا اس کو کوئی فتنہ ضرر نہ پہنچا سکے گا جبتک زمین و آسمان قائم ہیں،

اور دوسرا سیاہ گرد آلود جیسے ٹیڑھا کوزہ وہ نہ نیکی کی شناخت کرتا ہے اور نہ بدی کی بجز اپنی خواہش کے جو اس میں سرایت کر گئی ہے"۔

میں کہتا ہوں خطرات نفسانیہ اور خیالات شیطانیہ دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اور اعمال فاسدہ دلوں کو گھیر لیتے ہیں اور اس وقت کوئی ارادہ نہیں ہوتا جو حق پر آمادہ کرے اس واسطے ان فتنوں کو وہی شخص برا سمجھتا ہے جس کے دل میں ان فتنوں کی مخالف ھیئت پیدا کی گئی ہے باقی اور سب کے دلوں میں یہ بری حالت سرایت کر جاتی ہے اور دلوں میں بھر جاتی ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امانت لوگوں کے دلوں میں نازل ہوتی ہے پھر قرآن و حدیث کے ذریعہ سے لوگ اس کا علم حاصل کر لیتے ہیں"۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے امانت کے جاتے رہنے کو اس طرح بیان فرمایا کہ "انسان سو جاتا ہے

النومة فتقبض الامانة من قلبه فيظل اثرها مثل اثر الوكت ثم ينام النومة فتقبض الامانة فيبقى اثرها مثل اثر المجل كجمر دحرجته على رجلك فنفط فتراه منتبرا

اقول لما اراد الله ظهور ملة الاسلام اختار قوما وحرضهم للانقياد والاذعان وجمع الهمة على موافقة حكم الله ثم كانت الاحكام المفصلة فى الكتاب والسنة تفصيلا لذلك الاذعان الاجمالى، ثم انها تخرج من جذورهم على غفلة منها وذهول شيئا فشيئا فيرى الانسان اظرف ما يكون واعقله وليس فى قلبه مقدار شئ من الامانة لا بالنسبة الى دين الله ولا بالنسبة الى معاملات الناس، وقال حذيفة رضى الله عنه قلت يا رسول الله ايكون بعد هذا الخير شر كما كان قبله شر؟ قال نعم، قلت فما العصمة؟ قال السيف، قلت وهل بعد السيف بقية؟ قال نعم يكون امارة على اقذاء وهدنة على دخن قلت ماذا؟ قال ثم ينشأ دعاة الضلال فان كان لله فى الارض خليفة جلد ظهرك واخذ مالك فاطعه والا فمت وانت عاض على جذل شجرة؛

اقول الفتنة التى يكون العصمة فيها السيف ارتداد العرب فى ايام ابى بكر رضى الله عنه، واما امارة على اقذاء فالمشاجرات التى وقعت فى ايام عثمان وعلى رضى الله عنهما، وهدنة على دخن الصلح الذى وقع بين معاوية والحسن

پس اسکے دل سے امانت قبض کرلیجاتی ہے اور اس کا اثر مثل داغ کے رہ جاتا ہے پھر وہ سوجاتا ہے تو امانت قبض کرلیجاتی ہے پس اس کا اثر مثل آبلہ کے رہ جاتا ہے جیسے تو اپنے پاؤں پر انگارہ رکھے اور اس سے آبلہ پڑ جائے اور تو اسکو ابھرا ہوا دیکھے"

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ملت اسلام کا غلبہ ہو تو ایک قوم کو اس نے پسند کیا اور ان کو فرمانبرداری اور اذعان کا عادی بنایا اور حکم الٰہی کے موافق انکی ہمت اور قصد کو جمع کیا پھر اس اذعان اجمالی کی تفصیل کتاب سنت میں مفصل احکام کے ذریعہ ہوگئی اسکے بعد یہ اذعان لوگوں کے دلوں سے رفتہ رفتہ غفلت اور نسیان میں نکلتا ہے پس آدمی بڑا عالی ظرف اور عقل مند دکھائی دیتا ہے مگر اس کے دل میں امانت کا ایک ادنیٰ حصہ بھی نہیں ہوتا نہ تو دین الٰہی کے اعتبار سے اور نہ لوگوں کے باہمی معاملات کے اعتبار سے، حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس خیر یعنی اسلام کے بعد شر یعنی کفر پھیل جائیگا جس طرح اسلام سے پہلے کفر پھیلا ہوا تھا آپؐ نے فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا اس سے نجات کی کیا صورت ہے آپؐ نے فرمایا تلوار نجات دے سکے گی، میں نے عرض کیا کہ کیا بعد تلوار کے بھی کچھ شر باقی رہیگا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں زبردستی اور ناخوشی کی حکومت ہوگی اور مکر و فساد سے صلح ہوگی، میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا اس کے بعد گمراہی کی طرف بلانے والے لوگ پیدا ہوں گے پس اگر دنیا میں اللہ کا کوئی ایسا خلیفہ بھی موجود ہو جو تیری پشت پر کوڑے مار کر تیرا مال چھینے تو اس کی اطاعت کیجیو ورنہ تو کسی درخت کی جڑ کے نیچے افسوس و غم کی حالت میں مرجائیو"

میں کہتا ہوں وہ فتنہ جس سے نجات تلوار کے ذریعہ ہوئی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اہل عرب کا مرتد ہونا تھا اور زبردستی کی حکومت سے مراد وہ جھگڑے ہیں جو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں پیش آئے اور مکر و فریب کی وہ صلح تھی جو امیر معاویہ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے درمیان واقع ہوئی

ابن علي رضي الله عنهما، ودعاة الضلال
يزيد بالشام ومختار بالعراق ونحو ذلك
حتى استقر الامر على عبد الملك، وذكر
صلى الله عليه وسلم فتنة الاحلاس،
قيل وما فتنة السراء، دخنها من تحت
قدمي رجل من اهل بيتي يزعم انه
مني وليس مني انما اوليائي المتقون،
ثم يصطلح الناس على رجل كورك على
ضلع، ثم فتنة الدهيماء لاتدع احدا من
هذه الامة الا لطمته لطمة، فاذا قيل
انقضت تمادت ::

اقول يشبه والله اعلم ان تكون
فتنة الاحلاس قتال اهل الشام عبد
الله ابن الزبير بعد هربه من المدينة،
وفتنة السراء اما تغلب المختار وافراطه
في القتل والنهب يدعو ثارا هل البيت
فقوله عليه السلام يزعم انه مني معناه
من حزب اهل البيت وناصريهم، ثم
اصطلحوا على مروان واولاده، او خروج
ابي مسلم الخراساني لبني العباس يزعم
انه يسعى في خلافة اهل البيت، ثم اصطلحوا
على السفاح، والفتنة الدهيماء تغلب
الجنكيزية على المسلمين ونهبهم بلاد
الاسلام، وبين النبي صلى الله عليه و
سلم اشراط الساعة وهي ترجع الى انواع
والفتن التي عود ذكرها وشيوعها وكثرتها
فان التلف من القرف، وانما يجيء النقصان
من حيث يجيء الهلاك، وشرح هذا يطول ::

اور گمراہی کیطرف بلانے والے ملک شام میں یزید اور عراق میں مختار وغیرہ یہانتک کہ عبد الملک کی حکومت قائم ہو گئی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فتنۂ احلاس[1] کا ذکر فرمایا کسی نے عرض کیا کہ فتنۂ احلاس کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ وہ فتنہ ہے جس میں لوٹ مار اور جھگڑا ہو گی آپ نے فرمایا اسکے بعد فتنۂ سراء ہوگا اس کا ظہور ایسے شخص کے قدموں کے نیچے سے ہوگا جو میرے اہل بیت سے ہوگا وہ گمان کریگا کہ وہ مجھ میں سے ہے حالانکہ وہ مجھ میں سے نہیں ہوگا یقیناً میرے دوست متقی لوگ ہیں اس کے بعد تمام لوگ ایک ایسے شخص سے صلح کرلیں گے جس کی حالت غیر مستقیم ہو گی، اس کے بعد فتنۂ دہیماء ہوگا کہ اس امت کا کوئی شخص اس کے طمانچہ سے نہ بچے گا جب لوگ کہیں گے کہ وہ ختم ہو گیا وہ اور زیادہ طویل ہو جائے گا،

میں کہتا ہوں ہو سکتا ہے کہ فتنۂ احلاس سے مراد (واللہ اعلم) وہ ہو جس میں اہل شام نے عبد اللہ بن زبیر سے جنگ کی تھی جبکہ وہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں آ گئے تھے، اور فتنۂ سراء سے مراد یا تو مختار کا غلبہ اور قتل و غارت گری میں زیادتی کرنا ہے جو وہ اہل بیت کے قصاص کے بہانہ سے کرتا تھا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "وہ یہ گمان کریگا کہ وہ مجھ سے ہے" اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اہل بیت کے گروہ اور انصار میں سے ہوگا، اس کے بعد مروان اور اولاد مروان پر صلح ہو گئی تھی، یا اس فتنہ سے مراد ابو مسلم خراسانی کا عباسیوں کے مقابلہ کے لئے خروج کرنا ہے کیونکہ وہ بھی یہی کہتا تھا کہ میں اہل بیت کے لئے خلافت چاہتا ہوں، اس کے بعد لوگوں نے سفاح کی خلافت پر صلح کر لی، اور فتنۂ دہیماء سے چنگیز خانیوں کا مسلمانوں پر چیرہ دستی کرنا اور ممالک اسلام میں غارت گری کرنا مراد ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات بیان فرمائی ہیں ان علامات کی انتہاء ان مختلف فتنوں پر ہوتی ہے جنکا بیان اور ان کے اقسام اور انکی کثرت پہلے گذر چکی کیونکہ ہلاکت مرض کے قریب ہونے سے ہوتی ہے اور نقصان اسی مقام سے آتا ہے جہاں کہ ہلاکت آتی ہے اور اس کی شرح طویل ہے۔

[1] احلاس حلس کی جمع بمعنی ٹاٹ، یعنی اس زمانہ میں گھر میں ٹاٹ کی طرح پڑا رہنا بہتر ہے ۱۲

قال صلے اللہ علیہ وسلم ان من اشراط الساعۃ ان یرفع العلم ویکثر الجھل ویکثر الزنا ویکثر شرب الخمر ویقل الرجال ویکثر النساء حتی یکون لخمسین امرأۃ القیم الواحد۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کی علامت میں سے ہے کہ علم اٹھ جائیگا جہالت بڑھ جائیگی زنا اور شراب نوشی کی کثرت ہوگی مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی یہانتک کہ پچاس عورتوں کا انتظام ایک شخص کے سپرد ہوگا"

والحشر فی لسان الشریعۃ مقول علی معنیین حشر الناس الی الشام، وھو واقعۃ قبل القیامۃ حین یقل الناس علی وجہ الارض یحشر بعضھم بتقریبات وبعضھم بنار تسوقھم وحشر ھو البعث بعد الموت وقد ذکرنا من قبل اسرار المعاد واللہ اعلم۔

شریعت کی زبان میں حشر کے دو معنی ہیں ایک لوگوں کا ملک شام میں جمع ہونا اور یہ واقعہ قیامت سے پیشتر ہوگا جب زمین پر لوگوں کی قلت ہو جائے گی بعض لوگ تقریبات کی وجہ سے وہاں جمع ہو جائیں گے اور بعض کو آگ گھیر کر وہاں لے آئے گی، اور دوسرے معنی حشر کے ہیں مرنے کے بعد زندہ ہونا اور ہم اس سے قبل معاد کے اسرار بیان کر چکے ہیں واللہ اعلم۔

الفتن العظیمۃ التی اخبر بھا النبی صلے اللہ علیہ وسلم اربع الاولی فتنۃ امارۃ علی اقذاء وذلک صادق بمشاجرات الصحابۃ بعد مقتل عثمان رضی اللہ عنہ الی ان استقرت خلافۃ معاویۃ وھی التی اشیر الیھا بقولہ ھدنۃ علی دخن وھو الذی یعرف امرہ وینکر لانہ کان علی سیرۃ الملوک لا علی سیرۃ الخلفاء قبلہ، الثانیۃ فتنۃ الاحلاس وفتنۃ الدعاۃ الی ابواب جھنم، وذلک صادق باختلاف الناس وخروجھم طالبین الخلافۃ بعد موت معاویۃ الی ان استقرت خلافۃ عبد الملک، والثالثۃ فتنۃ السراء والجبریۃ والعتو، وذلک صادق بخروج بنی العباس علی بنی امیۃ الی ان استقرت خلافۃ العباسیۃ ومھدوھا علی رسوم الاکاسرۃ

وہ بڑے فتنے جن کی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے چار ہیں اول فتنہ زبردستی کی حکومت کا قائم ہونا ہے اور یہ فتنہ صحابہ کے درمیان ان شورشوں پر صادق آتا ہے جو حضرت عثمان کی شہادت کے بعد خلافت معاویہ کے استحکام تک وقوع میں آئیں اور اسی کی طرف نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ "ایک صلح فریب سے ہوگی" اور معاویہ وہ شخص ہیں جن کے کام کو بھلا بھی کہا جاتا ہے اور برا بھی کیونکہ ان کی حکومت بادشاہوں کے طرز پر تھی نہ کہ ان خلفاء کے طرز پر جو ان سے پہلے گذرے ہیں، دوسرا فتنہ احلاس اور جہنم کے دروازوں کی طرف بلانے والوں کا فتنہ ہے اور یہ فتنہ اس زمانہ پر صادق ہے کہ معاویہ کے انتقال کے بعد لوگوں میں اختلاف ہوا اور خلافت کی آرزو میں انہوں نے آپس میں جنگ کی یہانتک کہ عبد الملک کی حکومت جم گئی، تیسرا فتنہ سراء ہے جو زبردستی اور سرکشی کا زمانہ ہے اور وہ اس چڑھائی پر صادق آتا ہے جو عباسیوں نے بنی امیہ پر کی یہانتک کہ خلافت عباسیہ قائم ہو گئی، انہوں نے خلافت کو شاہان عجم کے رسوم پر قائم کیا

واخذوا بجبرية وعتو. الرابعة فتنة تلطم جميع الناس اذا قيل انقضت تمادت حتى رجع الناس الى فسطاطين وذلك صادق بخروج الاتراك الجنكيزية وابطالهم خلافة بنى العباس ومزقهم على وجهها الفتن، والاحاديث الواردة فى الفتن اكثرها مرت من قبل، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم تدور رحى الاسلام بخمس وثلاثين او ست وثلاثين فان يهلكوا فسبيل من هلك، وان يقم لهم دينهم يقم لهم سبعين عاما قلت امما بقى او مما مضى؟ قال مما مضى. فمعنى قوله تدور رحى الاسلام اى يقوم امر الاسلام باقامة الحدود والجهاد فى هذه الامة وذلك صادق من ابتداء وقت الجهاد واوائل الهجرة الى مقتل سيدنا عثمان رضى الله عنه والشك فى خمسة وثلاثين واخواتها لان الله تعالى اوحى اليه مجملا، وقوله فان يهلكوا بيان لصعوبة الامور وان الا يصير الى حالة لو نظر فيها الناظر ليشك فى هلاك الامة وبطلان امورهم، قوله سبعين عاما ابتداؤها من البعثة وتمامها موت معاوية رضى الله عنه وبعده قامت فتنة دعاة الضلال، وقوله سبعين عاما معناه تحويل الامر وانه يكون تحت بطن الباطن فيه، وانه لا يكون بعد

اور سختی اور ظلم شروع کیا، چوتھے وہ فتنہ ہے جو سب کو طمانچے مارے گا جب لوگ کہیں گے کہ وہ گذر گیا تو وہ اور طویل ہو جائے گا یہاں تک کہ لوگ دو حصوں میں منقسم ہو جائیں گے اور وہ فتنہ چنگیز خانی ترکوں کے اس حملہ پر صادق ہے جو انہوں نے عباسیوں کی خلافت پر کیا اور اس کو بالکل مٹا دیا، اور جو احادیث فتنوں کے باب میں وارد ہیں ان میں سے اکثر پہلے بیان ہو چکی ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسلام کی چکی کی گردش پینتیس[۳۵] یا چھتیس[۳۶] برس تک رہے گی پس اگر لوگ ہلاک ہوئے تو ان کی بلا کی ایسی ہوگی جیسے اگلوں کی ہوئی اور اگر ان کا دین قائم رہا تو ستر برس قائم رہے گا، راوی کہتا ہے میں نے کہا یہ مدت آئندہ سے ہے یا گذشتہ سالوں کو ملا کر؟ آپ نے فرمایا ان گذشتہ کو ملا کر پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معنی کہ "اسلام کی چکی گردش کرتی رہے گی" یہ ہیں کہ اسلام حدود اور جہاد قائم رہنے کی حالت میں اس امت میں اتنی مدت تک رہے گا سو یہ حالت ابتداء وقت جہاد اور اوائل ہجرت سے لیکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تک قائم رہی، اور پینتیس[۳۵] اور چھتیس[۳۶] کے عدد میں شبہہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے متعلق اجمالی وحی کی تھی، اور آپ کا یہ قول کہ "اگر سب ہلاک ہو جائیں" اس کے معنی یہ ہیں کہ مصائب اور دشواریاں پیش آئیں گی اور حالت یہ ہو جائے گی کہ دیکھنے والا اگر بغور مطالعہ کرے گا تو اس کو شک ہوگا کہ قریب ہے کہ تمام امت تباہ ہو جائے اور ان کے تمام امور برباد ہو جائیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول "ستر برس" اس کی ابتداء آپ کی بعثت اور اس کی انتہاء امیر معاویہؓ کی موت ہے اور ان کے بعد گمراہ کرنے والوں کا فتنہ قائم ہو گیا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ "اگر قائم رہا تو ستر برس تک" اس کے معنی یہ ہیں کہ خوف طاری ہوگا اور دین پست ہو جائے گا اور اس مدت کے بعد

هذه استقامة الامر والله اعلم.

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقاتلكم قوم صغار الاعين يعني الترك تسوقونهم ثلاث مرات الحديث معناه ان العرب يجاهدونهم ويغلبونهم فيصير ذلك سببا لاحقاد وضغائن حتى يؤول الامر الى ان يذبوا العرب من بلادهم ثم لا يقتصرون على ذلك بل يدخلون بلاد العرب، وهذا هو المراد من قوله حتى تلحقوهم بجزيرة العرب، اما في السياقة الاولى فينجو من العرب من هرب من قتالهم بان يفر من بين ايديهم، وذلك صادق بقتال الجنكيزية فهلك العباسية الذين كانوا ببغداد ونجا العباسية الذين فروا الى مصر، واما في السياقة الثانية ذلك صادق بوطء تيمور ديار الشام واهلاك امر العباسية، واما في الثالثة فيصطلمون وذلك صادق بغلبة العثمانية على جميع الملك والله اعلم

دین کی استقامت نہیں رہے گی، واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم سے ایسی قوم جنگ کرے گی جس کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی" اس قوم سے مراد ترک ہیں "وہ تم کو تین بار ہٹائیں گے" الحدیث، اس کے معنی یہ ہیں کہ عرب ترکوں سے جہاد کریں گے اور ان پر غالب آجائیں گے جس سے باہم کینہ اور عداوت پیدا ہوگی، انجام کار یہ ہوگا کہ وہ عربوں کو اپنے ملک سے باہر کر دیں گے اور اسی پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ بلاد عرب میں داخل ہو جائیں گے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ "تم ان کو جزیرہ عرب میں پاؤ گے" یہی مراد ہے، پس ان کے پہلے حملہ میں وہ عرب نجات پائیں گے جو ان سے قتال نہیں کریں گے اور ان کے سامنے سے بھاگ جائیں گے چنانچہ یہ بات مقاتلہ چنگیز خانی پر صادق ہوئی کہ عباسیوں میں سے جو لوگ بغداد میں تھے ہلاک ہو گئے اور جو مصر کی طرف بھاگ گئے تھے وہ بچ گئے اور دوسرے حملہ میں بعض بچ جائیں گے اور بعض ہلاک ہو جائیں گے اور یہ بات تیمور کے حملہ پر صادق ہے جس نے ملک شام کو برباد کیا اور عباسیوں کو تہ وبالا کر دیا، اور تیسرے حملہ میں وہ سب کو برباد کر دیں گے، یہ بات حکومت عثمانیہ پر صادق ہے جو تمام امور سلطنت پر غالب آگئے، واللہ اعلم۔

المناقب

الاصل في مناقب الصحابة رضي الله عنهم امور، منها ان يطلع النبي صلى الله عليه وسلم على هيئة نفسانية تعد الانسان لدخول الجنان كما اطلع على ابي بكر رضي الله عنه انه ليس فيه خيلاء وانه ممن اكمل الخصال التي

مناقب کا بیان

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب چند امور پر مبنی ہیں:

ازاں جملہ یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کسی کی اس نفسانی ہیئت اور حالت پر مطلع ہو جائیں جس کی وجہ سے آدمی جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جاتا ہے جیسے آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حال سے واقف ہو گئے کہ ان میں تکبر نہیں ہے، اور انہوں نے ان خصائل واوصاف کو مکمل کر لیا ہے جو

تکون ابواب الجنة تمثالا لها فقال ارجو
ان تکون منهم یعنی الذین یدعون من
الابواب جمیعا ؛

وقال صلی الله علیه وسلم لعمر
رضی الله عنه ما لقیك الشیطان سالکا
فجا قط الا سلك فجا غیر فجك ؛

وقال صلی الله علیه وسلم ان
یك من امتی احد من المحدثین فانه
عمر، ومنها ان یری فی المنام او ینفث
فی روعه ما یدل علی رسوخ قدمه فی
الدین کما رأی بلالا رضی الله عنه یتقدمه
فی الجنة، ورأی قصر العمر رضی الله
عنه فی الجنة ورآه قمص بقمیص سابغ
وانه صلی الله علیه وسلم اعطاه
سؤره من اللبن فعبر بالدین والعلم
ومنها حب النبی صلی الله علیه وسلم
ایاهم وتوقیرهم ومواساته معهم
وسوابقهم فی الاسلام، فذلك کله
ظاهر انه لم یکن الا لامتلاء القلب
من الایمان، واعلم ان فضل بعض
القرون علی بعض لا یمکن ان یکون
من جهة کل فضیلة، وهو قوله صلی
الله علیه وسلم مثل امتی مثل المطر
لا یدری اوله خیر ام آخره، وقوله صلی
الله علیه وآله وسلم انتم اصحابی
واخوانی الذین یأتون بعد وذلك ان
الاعتبارات متعارضة والوجوه متجاذبة
ولا یمکن ان یکون تفضیل کل احد
من القرن الفاضل علی کل احد من القرن

جنت کے دروازوں کی صورت میں ظاہر ہوں گے پس آپ نے
فرمایا "میں امید کرتا ہوں کہ تو ان لوگوں میں سے ہے" یعنی ان
لوگوں میں سے جو جنت کے تمام دروازوں کو بلائے جائیں گے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا
"تم کو کبھی راستہ میں چلتا ہوا شیطان نہیں ملا مگر وہ تمہارا راستہ
چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہو لیتا ہے"

اور نیز نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں
اگر کوئی محدَّث[۱] ہے تو وہ عمر ہے"

اور از آں جملہ یہ ہے کہ خواب میں آپ کو معلوم ہو جائے
یا آپ کے دل میں ایسی بات کا القاء ہو جائے جو کسی شخص کے
راسخ فی الدین ہونے پر دلالت کرے جیسے آپ نے حضرت بلال
رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جنت میں وہ آپ سے آگے آگے چلتے ہیں،
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے جنت میں ایک محل دیکھا اور ان کو
لمبی چوڑی قمیص پہنے ہوئے دیکھا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے ان کو اپنا پس خوردہ دودھ عطا کیا پس آپ نے اس کی تعبیر
دین اور علم کے ساتھ فرمائی، از آں جملہ یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ و
سلم ان سے محبت کریں، ان کی توقیر کریں اور ان کے ساتھ سلوک
اور ہمدردی کریں اور ان کا اسلام میں پیش قدمی کرنا پایا جاتا
ہو پس ان سب امور سے ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ان میں اسی لئے
پائی گئیں کہ ان کے دل نور ایمانی سے پُر تھے،

واضح ہو کہ ایک زمانہ کی دوسرے زمانہ پر فضیلت اور فوقیت
ہر جہت اور ہر اعتبار سے ممکن نہیں ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ و
سلم نے فرمایا "میری امت کی مثال بارش کی سی ہے نہیں معلوم
کہ اس کا اول اچھا ہے یا اخیر" نیز آپ نے فرمایا "تم میرے اصحاب
ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے"، اور اس کی
وجہ یہ ہے کہ اعتبارات مختلف ہوتے ہیں اور فضیلت کی جہتیں
ہر زمانہ میں مختلف ہیں، اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ عمدہ زمانہ
کے ہر شخص کو کم رتبہ زمانہ کے ہر شخص پر فضیلت ہو۔

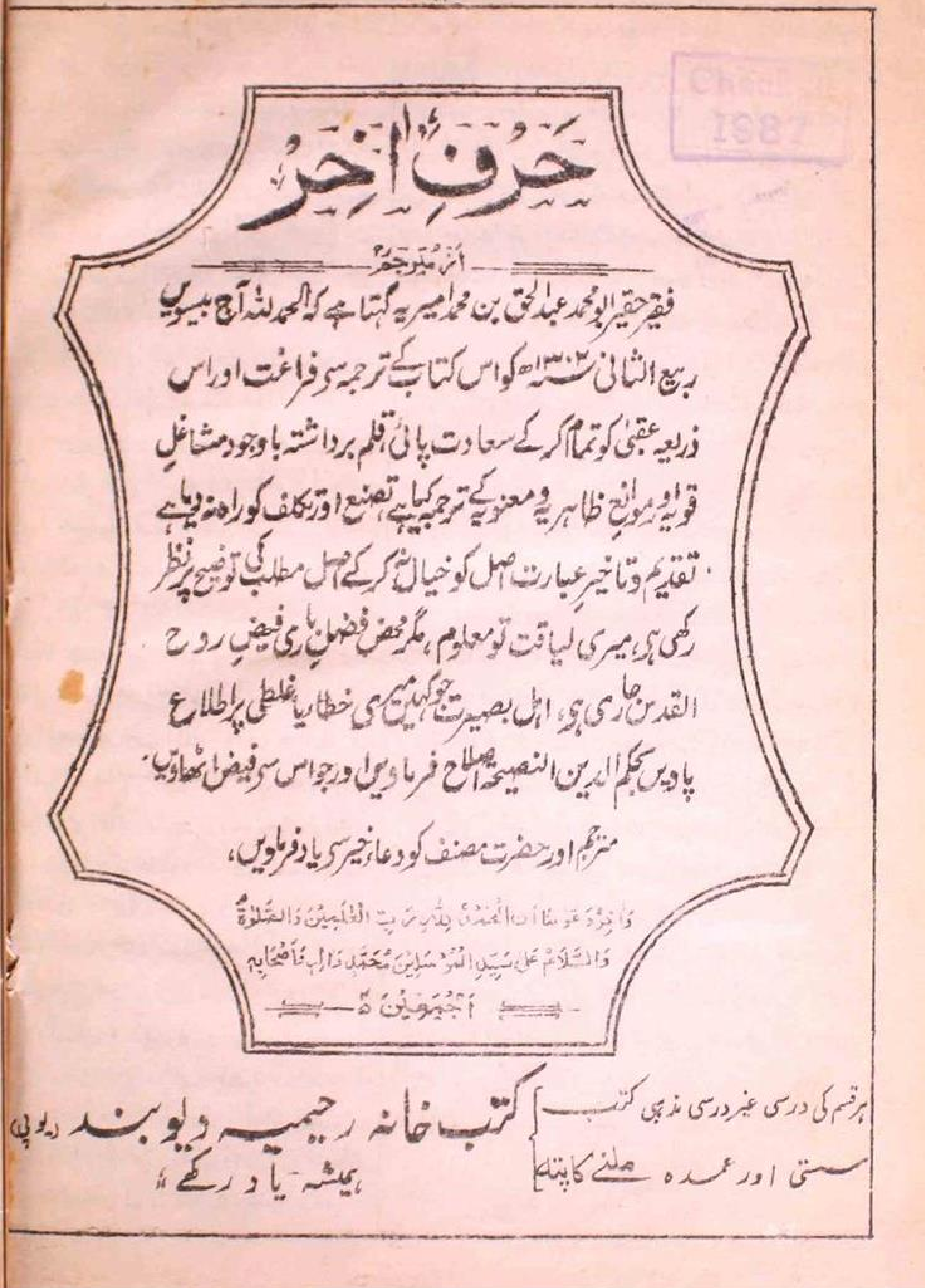
[۱] وہ شخص جس کو غیبی انکشاف ہوتا ہے ۱۲

المفضول كيف ومن القرون الفاضلة اتفاقا من هو منافق او فاسق، ومنها الحجاج ويزيد بن معاوية ومختار وغلمة من قريش الذين يهلكون الناس وغيرهم ممن بين النبي صلى الله عليه وسلم سوء حالهم، ولكن الحق ان جمهور القرن الاول افضل من جمهور القرن الثاني ونحو ذلك، والملة انما تثبت بالنقل والتوارث ولا توارث الا بان يعظم الذين شاهدوا مواقع الوحي وعرفوا تاويله وشاهدوا سيرة النبي صلى الله عليه وسلم ولم يخالطوا معها تعمقا ولا تهاونا ولا ملة اخرى وقد اجمع من يعتد به من الامة على ان افضل الامة ابو بكر الصديق، ثم عمر رضي الله عنهما ذلك لان امر النبوة له جناحان تلقي العلم عن الله تعالى وبثه في الناس، اما التلقي عن الله فلا يشرك النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك احد، واما بثه فانما تحقق بسياسة وتاليف ونحو ذلك، ولا شك ان الشيخين رضي الله عنهما اكثر الامة لهذه الامور في زمان النبي صلى الله عليه وسلم وبعده، والله اعلم۔

وليكن هذا اخر ما اردنا ايراده في كتاب حجة الله البالغة، والحمد لله تعالى اولا واخرا وظاهرا وباطنا وصلى الله على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ جو قرون بالاتفاق عمدہ تھے ان زمانوں میں ایسے لوگ بھی ہوئے جو منافق یا فاسق تھے انہیں میں سے حجاج اور یزید بن معاویہ اور مختار اور قریش کے وہ نوجوان تھے جو لوگوں کو ہلاک کرتے تھے اور ان کے علاوہ اور بھی تھے جن کی بدعملی کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا لیکن یہ بالکل یقینی امر ہے کہ قرن اول کے جمہور قرن ثانی کے جمہور سے افضل تھے، اور اسی طرح سے فضیلت درجہ بدرجہ ہے اور مذہب کا ثبوت نقل اور توارث سے ہوتا ہے اور توارث اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ ان لوگوں کی تعظیم کیجائے جنہوں نے مواقع وحی کو دیکھا اور اس کی تاویل کو پہچانا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مشاہدہ کیا اور اس کے ساتھ تعمق اور سستی کو مخلوط نہیں کیا اور نہ اس میں کسی دوسرے مذہب کی آمیزش کی اور امت میں جو قابل اعتماد لوگ ہیں ان کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اس لئے کہ امر نبوت کے دو بازو ہیں پہلا علم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حاصل کرنا اور دوسرا اس کو لوگوں میں پھیلانا پس پہلے امر میں اللہ کی جانب سے علم حاصل کرنے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی شریک نہیں ہے لیکن دوسرا امر یعنی اس کا پھیلانا تو وہ انتظام وتالیف قلوب وغیرہ امور کے بغیر پایا نہیں جاتا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان امور میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما تمام امت سے زاید ہیں، واللہ اعلم۔

ہم نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں جس قدر بیان کرنے کا قصد کیا تھا یہ اس کا آخر ہے والحمد للہ تعالیٰ اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً وصلے اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔



حرفِ آخر

از مترجم

فقیر حقیر ابو محمد عبد الحق بن محمد میر یہ کہتا ہے کہ الحمد للہ آج بیسویں ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۲ھ کو اس کتاب کے ترجمہ سے فراغت اور اس ذریعہ عقبیٰ کو تمام کر کے سعادت پائی، قلم برداشتہ باوجود مشاغلِ قویہ و موانعِ ظاہریہ و معنویہ کے ترجمہ کیا ہے، تصنع اور تکلف کو راہ نہ دیا ہے۔ تقدیم و تاخیرِ عبارتِ اصل کو خیال نہ کر کے اصل مطلب کی توضیح پر نظر رکھی ہے، میری لیاقت تو معلوم، مگر محض فضلِ باری فیضِ روح القدس جاری ہے، اہلِ بصیرت جو کہیں میری خطا یا غلطی پر اطلاع پاویں بحکم الدین النصیحۃ اصلاح فرما دیں اور جو اس سے فیض اٹھاویں۔

مترجم اور حضرت مصنف کو دعاءِ خیر سے یاد فرماویں،

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۞